ہر مسلمان مرد و عورت پر نماز کے ضروری احکام سیکھنا فرض ہے

آئیے نماز سیکھئے



ارکان نماز کی فضیلت' تاثیر و برکات' نماز کا فلسفہ اور اسکے دینی و دنیاوی اسرار و رموز' اسلام کا نظام جماعت اور مساجد کی آبادکاری' خواتین و حضرات کیلئے مکمل مسنون طریقہ' نماز میں خشوع و خضوع کی اہمیت اور اسکے حصول کے طریقے۔

جمعۃ المبارک کی اہمیت اور اس کا دستور العمل۔

جلی حروف میں آخری دس سورتیں مع ترجمہ۔

چالیس مسنون دعائیں' نماز کے جدید اہم مسائل جیسے عنوانات پر مشتمل جامع کتاب جس کا مطالعہ فریضہ نماز کی ادائیگی کا ذوق و شوق پیدا کرتا ہے اور نماز کو کامل بناتا ہے۔

مجموعہ از افادات

حکیم الاُمّت مجدّد الملّت حضرت تھانوی رحمہ اللہ
حکیمُ الاسلام قاری محمد طیب صاحب رحمہ اللہ
شیخ الحدیث مولانا محمد زکریا کاندھلوی رحمہ اللہ
عارف باللہ ڈاکٹر محمد عبدالحیٔ عارفی رحمۃ اللہ
شیخ الاسلام مولانا مفتی محمد تقی عثمانی مدظلہ
و دیگر اکابرین

مرتب
مُحمّد اسحٰق مُلتانی
مدیر ماہنامہ ''محاسن اسلام'' ملتان

اِدارۂ تالیفاتِ اشرفیہ چوک فوارہ ملتان پاکستان
(061-4540513-4519240

بسم اللہ الرحمن الرحیم

آئیے نماز سیکھئے

ہر مسلمان مرد و عورت پر نماز کے ضروری احکام سیکھنا فرض ہے

آیئے نماز سیکھئے

ارکان نماز کی فضیلت' تاثیر و برکات' نماز کا فلسفہ اور اسکے دینی و دنیاوی اسرار و رموز' اسلام کا نظام جماعت اور مساجد کی آبادکاری' خواتین و حضرات کیلئے مکمل مسنون طریقہ' نماز میں خشوع و خضوع کی اہمیت اور اسکے حصول کے طریقے۔
جمعۃ المبارک کی اہمیت اور اس کا دستور العمل۔
جلی حروف میں آخری دس سورتیں مع ترجمہ۔
چالیس مسنون دعائیں' نماز کے جدید اہم مسائل جیسے عنوانات پر مشتمل جامع کتاب جس کا مطالعہ فریضہ نماز کی ادائیگی کا ذوق و شوق پیدا کرتا ہے اور نماز کو کامل بناتا ہے۔

مجموعہ از افادات

حکیم الامت حضرت تھانوی رحمہ اللہ
حکیم الاسلام قاری محمد طیب صاحب رحمہ اللہ
شیخ الحدیث مولانا محمد زکریا کاندھلوی رحمہ اللہ
عارف باللہ ڈاکٹر محمد عبدالحئی عارفی رحمہ اللہ
شیخ الاسلام مولانا مفتی محمد تقی عثمانی مدظلہ
و دیگر اکابرین

مرتب
محمد اسحٰق ملتانی
مدیر ماہنامہ "محاسن اسلام" ملتان

اِدارۂ تالیفاتِ اشرفیہ
چوک فوارہ ملتان پاکستان
(061-4540513-4519240

آیئے نماز سیکھئے

تاریخ اشاعت.................. شعبان المعظم ۱۴۳۱ھ

ناشر.........................ادارہ تالیفات اشرفیہ ملتان

طباعت...................سلامت اقبال پریس ملتان

قارئین سے گذارش

ادارہ کی حتی الامکان کوشش ہوتی ہے کہ پروف ریڈنگ معیاری ہو۔ الحمدللہ اس کام کیلئے ادارہ میں علماء کی ایک جماعت موجود رہتی ہے۔ پھر بھی کوئی غلطی نظر آئے تو برائے مہربانی مطلع فرما کر ممنون فرمائیں تاکہ آئندہ اشاعت میں درست ہو سکے۔ جزاکم اللہ

ملنے کے پتے

ادارہ تالیفات اشرفیہ.... چوک فوارہ.... ملتان
اسلامی کتاب گھر... خیابان سرسید روڈ... راولپنڈی

ادارہ اسلامیات........ انارکلی........ لاہور
دارالاشاعت........ اُردو بازار........ کراچی

مکتبہ سید احمد شہید........ اردو بازار...... لاہور
مکتبۃ القرآن........ نیو ٹاؤن.............. کراچی

مکتبہ رحمانیہ........ اُردو بازار .... لاہور
مکتبہ دارالاخلاص.... قصہ خوانی بازار...... پشاور

مکتبہ رشیدیہ...... سرکی روڈ.................. کوئٹہ

ISLAMIC EDUCATIONAL TRUST U.K
(ISLAMIC BOOKS CENTERE

119-121- HALLIWELL ROAD
BOLTON BLI 3NE. (U.K.)

عرض مرتب و ناشر

بسم الله الرحمن الرحیم
الحمدلله رب العالمین والصلاة والسلام علی سید المرسلین
وعلی اله واصحابه اجمعین ومن تبعھم الی یوم الدین

اما بعد! ہر شخص اس بات سے بخوبی واقف ہے کہ کسی بھی عمارت کی مضبوطی اس کے ستونوں کی رہین منت ہوتی ہے عمارت کے ستون، جس قدر مضبوط اور فولادی ہوں عمارت اتنی ہی مستحکم اور دیرپا سمجھی جاتی ہے۔اسی طرح یہ بات بھی مسلمان کے علم میں ہے کہ فریضہ نماز دین کے ارکان میں سے ایک اہم رکن ہے اور دین میں ارکان کی حیثیت بعینہ وہی ہے جو کسی عمارت کیلئے ستون کی ہوتی ہے۔ گویا دین کی مکمل عمارت اس کے ارکان پر استوار ہوتی ہے جو مسلمان ارکان دین پر جس قدر مضبوطی اور استقامت سے عمل پیرا ہوتا ہے اسی قدر اس کا دین وایمان مضبوط سمجھا جاتا ہے۔

نماز جس قدر اہم اور اعلیٰ عبادت ہے ہم مسلمانوں کی عمومی غفلت اس کے بارہ میں اتنی ہی شدید ہے۔ آپ اندازہ فرمائیں کہ ہمارے ملک کا 5 فیصد طبقہ باجماعت یا انفرادی طور پر فریضہ نماز ادا کرتا ہے 95 فیصد خواتین و حضرات نماز جیسے اہم فریضہ کی ادائیگی سے غفلت کا شکار ہیں۔

نماز کی فرضیت ہر مسلمان پر عیاں ہے نماز کی فرضیت کا منکر بلاشبہ کافر ہے۔ لیکن خیال فرمائیے کہ اعتقادی غلطی پر کفر کا حکم ہے تو عملی کوتاہی اور غفلت کا نتیجہ بھی کس قدر بھیانک ہوسکتا ہے۔ عملی کوتاہی کا مطلب یہ ہے کہ ایک مسلمان نماز کے فرض ہونے کا تو عقیدہ رکھتا ہے کہ دن میں پانچ مرتبہ نماز ادا کرنا فرض ہے لیکن اس اعتقاد کے باوجود نماز ادا کرنے میں غفلت کا شکار ہے۔ عقیدہ درست ہونے پر بخشش کی امید ہے لیکن عمل اس عقیدہ کے خلاف ہے اس لئے پکڑ کا بھی شدید اندیشہ ہے۔

فریضہ نماز اور اس کی مسنون ادائیگی کی ترغیب وترہیب پر بے شمار کتب ہر دور میں لکھی گئی ہیں اور علماو صلحا اور خطیب حضرات بھی وقتاً فوقتاً اس موضوع پر تقاریر فرماتے رہتے ہیں۔ زیر نظر کتاب

''آیئے نماز سیکھئے'' اسی مبارک سلسلہ کی ایک کڑی ہے جس کا مطالعہ نماز پڑھنے والے خواتین وحضرات کو اپنی نمازوں کی تکمیل وترقی کا درس دیتا ہے اور دوسری طرف نماز سے غافل امت مسلمہ کی اکثریت کو نماز کی اہمیت اور اس کے دینی و دنیاوی فوائد و برکات انعام وثمرات اور آخرت میں ملنے والے درجات کی جھلک دکھا کر اسے رب العالمین کے حضور سربسجود ہونے کی ترغیب دلاتا ہے یہ کتاب نمازی حضرات کو قدم قدم پر اللہ تعالیٰ کی رحمت' مغفرت اور لطف وعنایت کا مژدہ سناتی ہے تو نماز سے غافل خواتین وحضرات کو نماز چھوڑنے پر دنیا و آخرت کی مشکلات بتاتی ہے۔

علاوہ ازیں یہ جدید کتاب نماز کے احکام وآداب' مسنون طریقہ توجہ طلب کوتاہیوں کی نشاندہی' نماز کی ضرورت واہمیت' با جماعت نماز ادا کرنے کی ترغیب' مسجد کے احکام وآداب' مسجد میں حاضری کا مسنون طریقہ' خواتین وحضرات کیلئے نماز ادا کرنے کا مکمل مسنون طریقہ' مساجد کی آباد کاری کیلئے دستور العمل' امام ومقتدی حضرات کیلئے لائحہ عمل' جمعۃ المبارک کی فضیلت' احکام وآداب' سنت کے مطابق جمعۃ المبارک کا دن گزارنے کا طریقہ' نماز کیلئے خشوع وخضوع کی ضرورت و اہمیت اور اس کے حصول کا طریقہ کار' تہجد اور دیگر نوافل جیسے بیسیوں عنوانات پر مشتمل اپنے موضوع پر واحد مجموعہ ہے جو اکابر کی مستند تحریرات' کتب اور فتاویٰ جات سے آراستہ کیا گیا ہے۔

آج کل جس طرح فریضہ نماز کی ادائیگی میں غفلت عام ہے۔ اسی طرح نمازی خواتین وحضرات نماز کے بنیادی احکام ومسائل سے ناواقف ہیں اور اس بارہ میں حیران کن حد تک غفلت کا شکار ہیں کہ مستند دینی مسائل پر مشتمل کتب پڑھتے ہیں اور نہ ہی کسی صاحب علم یا مفتی حضرات سے رابطہ میں رہتے ہیں۔ بس جو مسئلہ کان میں پڑ گیا اس پر تو عمل کر لیا لیکن از خود سیکھنے اور اپنی نماز کو مسنون بنانے کی فکر سے بڑے بڑے دیندار حضرات بھی غافل ہیں۔ اس کتاب کی ترتیب میں اس اہم پہلو پر خاص توجہ دی گئی ہے اور کوشش کی گئی ہے کہ نمازی حضرات کیلئے اس کتاب کا مطالعہ ان کی نمازوں کو جہاں سنت کے مطابق بنائے وہاں درجات کے حوالہ سے بھی ان کی نماز میں وزن ہوتا کہ قبولیت کے قریب تر ہو جائے۔

اللہ تعالیٰ نے محض اپنے فضل وکرم سے ہمیں جن اہل حق اکابر سے وابستہ فرمایا ہے جن کی نسبت ہمارے لئے باعث صد افتخار ہے ان اکابر کی زندگیاں اتباع سنت سے آراستہ تھیں اور ان کی حیات مبارکہ دیکھنے پر قرون اولیٰ کی یادیں تازہ ہو جاتی ہیں۔ ہمارے اکابر نماز کا کس قدر

اہتمام فرماتے تھے اس کا اندازہ اس بات سے لگایئے کہ سید الطائفہ حضرت حاجی امداداللہ مہاجر مکی رحمہ اللہ نے فرمایا کہ میری خواہش ہے کہ روز محشر اللہ تعالیٰ اپنے فضل سے اپنے عرش کے نیچے ایک مصلی کی جگہ عنایت فرمادیں تاکہ میں ہمیشہ وہاں نماز ہی ادا کرتا رہوں۔

قطب العالم مولانا رشید احمد گنگوہی رحمہ اللہ نے اپنے مرشد کی خدمت میں لکھا کہ دعا فرمائیں کہ میری نماز درست ہو جائے۔

موجودہ دور میں ہماری کیفیت اور غفلت کا اندازہ فرمایئے کہ مفتی اعظم مولانا مفتی محمد شفیع صاحب رحمہ اللہ ایک مرتبہ فرمانے لگے کہ میری ساری عمر دینی احکام و مسائل پڑھنے پڑھانے میں گزری ہے لیکن اب بھی بعض اوقات نماز پڑھتے ہوئے ایسی صورت حال پیدا ہو جاتی ہے کہ سمجھ میں نہیں آتا کہ اب کیا کروں' چنانچہ نماز کے بعد کتاب دیکھ کر یہ پتہ لگاتا ہوں کہ میری نماز درست ہوئی یا نہیں؟ پھر فرمایا کہ میں لوگوں کو دیکھتا ہوں کہ کسی کے دل میں یہ خیال ہی پیدا نہیں ہوتا کہ میری نماز درست ہوئی یا نہیں؟ بس پڑھ لی اور سنت کے مطابق ہونے یا نہ ہونے کا خیال تو بہت دور کی بات ہے۔

ایک بزرگ عالم سے کسی نے نماز کا مسئلہ پوچھا تو انہوں نے فرمایا کہ پہلے مجھے شکرانہ کے دو نفل ادا کرنے دو کہ بڑے عرصہ بعد آج مجھ سے کسی نے نماز کا مسئلہ پوچھا ہے۔

ہماری دین سے لاپرواہی کا نتیجہ ہے کہ دین کے وہ بنیادی مسائل جن کا علم بچپن ہی میں گھر کے دینی ماحول کی وجہ سے حاصل ہو جایا کرتا تھا آج عمر کا ایک طویل حصہ گزرنے کے بعد بھی ایسے اہم مسائل سے غفلت عام ہے۔

اسی درد اور جذبہ کے تحت اکابر کی تحریرات سے یہ کتاب مرتب کر کے پیش کی جارہی ہے کہ ہم دین کا علم حاصل کریں اور خود کو نماز کے ذریعے اللہ تعالیٰ کے قریب کریں کہ موجودہ دور کی تمام دینی و دنیاوی مصائب امراض اور پریشانیوں کا حل یہی ہے۔ اللہ تعالیٰ اس جدید کتاب کو شرف قبولیت سے نوازیں آمین۔

وصلی اللہ تعالیٰ علی خیر خلقہ محمد وعلی آلہ واصحابہ اجمعین

والسلام — محمد اسحٰق غفرلہ

شعبان المعظم ۱۴۳۱ھ بمطابق اگست 2010ء

التفهیم لاوائل صناعة التنجیم

فہرست عنوانات

نماز اس طرح پڑھئے

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

قَدْ اَفْلَحَ الْمُؤْمِنُوْنَ

اَلَّذِيْنَ هُمْ فِيْ صَلَاتِهِمْ خَاشِعُوْنَ

تحقیق کامیاب ہو گئے وہ مومن جو اپنی نمازوں میں
خشوع اختیار کرنے والے ہیں۔

(القرآن الکریم)

نماز کی فضیلت پر چالیس احادیث

(۱) حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے کہ اللہ جل شانہ... نے میری اُمت پر سب چیزوں سے پہلے نماز فرض کی اور قیامت میں سب سے پہلے نماز ہی کا حساب ہوگا۔

(۲) نماز کے بارے میں اللہ سے ڈرو... نماز کے بارے میں اللہ سے ڈرو... نماز کے بارے میں اللہ سے ڈرو۔

(۳) آدمی کے اور شرک کے درمیان نماز ہی حائل ہے۔

(۴) اسلام کی علامت نماز ہے جو شخص دل کو فارغ کر کے اور اوقات اور مستحبات کی رعایت رکھ کر نماز پڑھے وہ مؤمن ہے۔

(۵) حق تعالیٰ شانہ نے کوئی چیز ایمان اور نماز سے افضل فرض نہیں کی اگر اس سے افضل کسی اور چیز کو فرض کرتے تو فرشتوں کو اس کا حکم دیتے۔ فرشتے دن رات کوئی رکوع میں ہے کوئی سجدے میں۔

(۶) نماز دین کا ستون ہے۔ (۷) نماز شیطان کا منہ کالا کرتی ہے۔

(۸) نماز مؤمن کا نور ہے۔ (۹) نماز افضل جہاد ہے۔

(۱۰) جب آدمی نماز میں داخل ہوتا ہے تو حق تعالیٰ شانہ... اس کی طرف پوری توجہ فرماتے ہیں جب وہ نماز سے ہٹ جاتا ہے تو وہ بھی توجہ ہٹا لیتے ہیں۔

(۱۱) جب کوئی آفت آسمان سے اُترتی ہے تو مسجد کے آباد کرنے والوں سے ہٹ جاتی ہے۔

(۱۲) اگر آدمی کسی وجہ سے جہنم میں جاتا ہے تو اسکی آگ سجدے کی جگہ کو نہیں کھاتی۔

(۱۳) اللہ نے سجدہ کی جگہ کو آگ پر حرام فرمایا ہے۔

(۱۴) سب سے زیادہ پسندیدہ عمل اللہ کے نزدیک وہ نماز ہے جو وقت پر پڑھی جائے

(۱۵) اللہ جل شانہ... کو آدمی کی ساری حالتوں میں سب سے زیادہ پسند یہ ہے کہ اس

کوسجدہ میں پڑا ہوا دیکھیں کہ پیشانی زمین سے رگڑ رہا ہے۔

(۱۶) اللہ جل شانہ کے ساتھ آدمی کو سب سے زیادہ قرب سجدہ میں ہوتا ہے۔

(۱۷) جنت کی کنجیاں نماز ہیں۔

(۱۸) جب آدمی نماز کیلئے کھڑا ہوتا ہے تو جنت کے دروازے کھل جاتے ہیں اور اللہ جل شانہ کے اور اس نمازی کے درمیان پردے ہٹ جاتے ہیں جب تک کہ کھانسی وغیرہ میں مشغول نہ ہو۔

(۱۹) نمازی شہنشاہ کا دروازہ کھٹکا تا ہے اور یہ قاعدہ ہے کہ جو دروازہ کھٹکا تا ہی رہے تو کھلتا ہی ہے۔

(۲۰) نماز کا مرتبہ دین میں ایسا ہی ہے جیسا کہ سر کا درجہ بدن میں۔

(۲۱) نمازوں کو نورانی بنانا چاہیے۔

(۲۲) جو شخص اچھی طرح وضو کرے اس کے بعد خشوع وخضوع سے دو یا چار رکعت نماز فرض یا نفل پڑھ کر اللہ سے اپنے گناہوں کی معافی چاہے اللہ تعالیٰ شانہ معاف فرما دیتے ہیں۔

(۲۳) زمین کے جس حصہ پر نماز کے ذریعہ سے اللہ کی یاد کی جاتی ہے وہ حصہ زمین کے دوسرے ٹکڑوں پر فخر کرتا ہے۔

(۲۴) جو شخص دو رکعت نماز پڑھ کر اللہ تعالیٰ سے کوئی دعا مانگتا ہے تو حق تعالیٰ شانہ... وہ دعا قبول فرما لیتے ہیں خواہ فوراً ہو یا کسی مصلحت سے کچھ دیر کے بعد مگر قبول ضرور فرماتے ہیں۔

(۲۵) جو شخص تنہائی میں دو رکعت نماز پڑھے جس کو اللہ اور اس کے فرشتوں کے سوا کوئی نہ دیکھے تو اس کو جہنم کی آگ سے بری ہونے کا پروانہ مل جاتا ہے۔

(۲۶) جو شخص ایک فرض نماز ادا کرے اللہ جل شانہ کے یہاں ایک مقبول دعا اسکی ہو جاتی ہے۔

(۲۷) جو پانچوں نمازوں کا اہتمام کرتا رہے انکے رکوع وسجود اور وضو وغیرہ کو اہتمام کیساتھ اچھی طرح سے پورا کرتا رہے جنت اس کیلئے واجب ہو جاتی ہے اور دوزخ اس پر حرام ہو جاتی ہے۔

(۲۸) مسلمان جب تک پانچوں نمازوں کا اہتمام کرتا رہتا ہے شیطان اس سے ڈرتا رہتا ہے اور جب وہ نمازوں میں کوتاہی کرنے لگتا ہے تو شیطان کو اس پر جرأت ہو جاتی ہے اور اس کے بہکانے کی طمع کرنے لگتا ہے۔

(۲۹) سب سے افضل عمل اوّل وقت نماز پڑھنا ہے۔

(۳۰) نماز ہر متقی کی قربانی ہے۔

(۳۱) اللہ کے نزدیک سب سے زیادہ پسندیدہ نماز کو اوّل وقت پڑھنا ہے۔

(۳۲) صبح کو جو شخص نماز کو جاتا ہے اس کے ہاتھ میں ایمان کا جھنڈا ہوتا ہے اور جو بازار کو جاتا ہے اس کے ہاتھ میں شیطان کا جھنڈا ہوتا ہے۔

(۳۳) ظہر کی نماز سے پہلے چار رکعتوں کا ثواب ایسا ہے جیسا کہ تہجد کی چار رکعتوں کا۔

(۳۴) ظہر سے پہلے چار رکعتیں تہجد کی چار رکعتوں کے برابر شمار ہوتی ہیں۔

(۳۵) جب آدمی نماز کو کھڑا ہوتا ہے تو رحمت الٰہیہ اس کی طرف متوجہ ہو جاتی ہے۔

(۳۶) افضل ترین نماز آدھی رات کی ہے مگر اس کے پڑھنے والے بہت ہی کم ہیں۔

(۳۷) میرے پاس حضرت جبرئیلؑ آئے اور کہنے لگے اے محمد صلی اللہ علیہ وسلم خواہ کتنا ہی آپ زندہ رہیں آخر ایک دن مرنا ہے اور جس سے چاہے محبت کریں آخر ایک دن اس سے جُدا ہونا ہے اور آپ جس قسم کا بھی عمل کریں (بھلا یا بُرا) اس کا بدلہ ضرور ملے گا اس میں کوئی تردد نہیں کہ مؤمن کی شرافت تہجد کی نماز ہے اور مؤمن کی عزت لوگوں سے استغفار ہے۔

(۳۸) اخیر رات کی دو رکعتیں تمام دنیا سے افضل ہیں اگر مجھے مشقت کا اندیشہ نہ ہوتا تو اُمت پر فرض کر دیتا۔

(۳۹) تہجد ضرور پڑھا کرو کہ تہجد صالحین کا طریقہ ہے اور اللہ کے قرب کا سبب ہے تہجد گناہوں سے روکتا ہے اور خطاؤں کی معافی کا ذریعہ ہے اس سے بدن کی تندرستی بھی ہوتی ہے (۴۰) حق تعالیٰ شانہ کا ارشاد ہے کہ اے آدم کی اولاد تو دن کے شروع میں چار رکعتوں سے عاجز نہ بن میں تمام دن تیرے کاموں کی کفایت کروں گا۔

حدیث کی کتابوں میں بہت کثرت سے نماز کے فضائل اور ترغیبیں ذکر کی گئی ہیں۔ چالیس ۴۰ کے عدد کی رعایت سے اتنے پر کفایت کی گئی کہ اگر کوئی شخص ان کو حفظ یاد کر لے تو چالیس حدیثیں یاد کرنے کی فضیلت حاصل کر لے گا... (فضائل اعمال)

نماز سے پہلے ظاہری طہارت

نجاست آگے یا پیچھے کی راہ سے نکلے تو استنجا کرنا سنت ہے کیونکہ پیشاب کو احتیاط سے کرنے میں شریعت میں بڑی سخت تاکید آئی ہے اور بے احتیاطی سے کرنے میں شدید وعیدیں وارد ہوئی ہیں۔ اس لئے تمام مسلمانوں کو لازم ہے کہ ڈھیلے سے ہمیشہ استنجا کیا کریں تاکہ طہارت کاملہ حاصل ہو اور ذراسی غلطی سے خواہ مخواہ اپنے کپڑے نجس نہ کریں کیونکہ نجس کپڑوں سے نہ صرف نماز پڑھنی ناجائز ہے بلکہ موجب عذاب عقبیٰ ہے۔ اللہ تعالیٰ تمام مسلمانوں کو ہدایت بخشے تاکہ وہ سلف صالحین کا اتباع کرکے اپنی عبادتوں کو ضائع ہونے سے بچالیں۔

اب زندگی کا راج ہے کرلے جو کرنا آج ہے　　جب مر گیا محتاج ہے پھر تو نہیں مختار ہے

اگر نجاست اپنے مقام سے بالکل ادھر ادھر نہ لگے اور اس لئے پانی سے استنجا نہ کرے بلکہ پاک پتھر یا ڈھیلے سے استنجا کرلے اور اتنا پونچھ ڈالے کہ نجاست جاتی رہے اور بدن صاف ہو جائے تو بھی جائز ہے لیکن یہ بات صفائی مزاج کے خلاف ہے البتہ اگر پانی نہ ہو یا کم ہو تو مجبوری ہے۔ ڈھیلے سے استنجا کے بعد پانی سے استنجا کرنا سنت ہے۔ لیکن اگر نجاست ہتھیلی کے گہراؤ یعنی روپے سے زیادہ پھیل جائے تو ایسے وقت پانی سے دھونا واجب ہے۔ اور بے دھوئے نماز نہ ہوگی۔ لیکن اگر نجاست پھیلی نہ ہو تو فقط ڈھیلے سے پاک کرکے بھی نماز درست ہے لیکن سنت کے خلاف ہے۔ پانی سے استنجا کرنے سے تو پہلے دونوں ہاتھ گٹوں تک دھولیوے پھر تنہائی کی جگہ جا کر بدن ڈھیلا کرکے بیٹھے اور اتنا دھوئے کہ دل کہنے لگے کہ اب بدن پاک ہوگیا۔ تین دفعہ یا سات دفعہ دھولیوے اس سے زیادہ نہ دھوئے۔ شاہ ولی اللہ صاحب محدث دہلوی رحمۃ اللہ علیہ نے ازالۃ الخفا میں مرقوم کیا ہے کہ پیشاب کے بعد ڈھیلے

سے استنجا کرنے پر تمام اہل سنت والجماعت کا اجماع ہے۔ ڈھیلے سے استنجا کرنا ظاہر ہے کہ احتیاط پر مبنی ہے کیونکہ فقط پانی پر اکتفا کرنے سے بسا اوقات کچھ دیر میں قطرہ آ کر بدن اور کپڑوں کو ناپاک کر دیتا ہے۔ خاص کر ضعیف القویٰ اور ضعیف المثانہ کے حق میں تو پانی پر اکتفا کرنا خلاف عقل و نقل ہے ایسے شخص پر جس کو جلد قطرہ آتا ہو یا پیشاب کے بعد کچھ دیر تک قطرہ آتا رہتا ہو واجب ہے کہ ڈھیلے سے خوب تنقیہ کر کے پانی سے استنجا کیا کرے۔ مظاہر حق میں ملا علی قاریؒ اور شیخ عبدالحق محدث دہلویؒ سے اسی طرح منقول ہے۔

کھڑے ہو کر پیشاب کرنا...... کھڑے ہو کر پیشاب کرنا بلا عذر ممنوع ہے۔ آج کل نئی روشنی کے نوجوانوں میں غیر اقوام کی دیکھا دیکھی یہ بدعادت پھیلتی جاتی ہے اللہ تعالیٰ ان کو سمجھ عطا فرمائے تا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے فرمان کی وقعت ان کے دلوں میں جاگزیں ہو اور وہ اس حرکت ناشائستہ سے باز آ جائیں۔

جب استنجا کرنے لگے تو سب سے پہلے اپنے پاخانہ کے مقام کو دھوئے۔ پھر پیشاب کے مقام کو اس طرح پر کہ نجاست کی بو جاتی رہے اس کے بعد اپنا ہاتھ زمین یا مٹی سے مل کر تین بار دھوئے۔ امام اعظم رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک تین ڈھیلے لینے شرط نہیں ہیں بلکہ اگر کم میں بھی پاکی حاصل ہو جائے تو کافی ہے۔ حدیث سے یہی معلوم ہوتا ہے کہ دو بھی کافی ہیں۔ تین ہی واجب نہیں لیکن عدد طاق مستحب ہے۔ (مظاہر حق)

استنجا کرنے کے ڈھیلے مٹی یا پتھر وغیرہ کے ہونے چاہئیں اور بائیں ہاتھ سے ان کا استعمال کریں۔ پیشاب پاخانہ کے وقت قبلے کی طرف منہ کرنا مکروہ تحریمی ہے لیکن دائیں ہاتھ سے استنجا کرنا مکروہ تنزیہی ہے چھوٹے بچے کو قبلہ کی طرف بٹھلا کر ہگانا متانا بھی مکروہ اور منع ہے۔

ڈھیلے سے استنجا...... ڈھیلے سے استنجا کرنے کا کوئی خاص طریقہ نہیں ہے۔ بس اتنا خیال رکھے کہ نجاست ادھر ادھر پھیلنے نہ پائے اور بدن خوب صاف ہو جائے۔ حق اور مختار مذہب یہی ہے کہ استنجے کے لئے کوئی کیفیت مخصوص نہیں اور نہ کوئی عدد مسنون ہے بلکہ مقصود انقاء یعنی صفائی ہے وہ جس طریق سے حاصل ہو جائے کافی ہے۔ رہا بعض فقہاء کا کیفیت بتلانا' سو ان کا مقصود یہ نہیں ہے کہ یہ کیفیات ہیں بلکہ انہوں نے اپنے ذہن میں جس کیفیت کو

معین فی الانقاء سمجھا اس کو بتلا دیا۔ یہ ہے اصل حقیقت۔ باقی چونکہ بزرگوں کا فرمان بھی نفع سے خالی نہیں ہوتا۔ لہٰذا اس کو بھی ذکر کر دیا جاتا ہے کہ پیشاب کے بعد تین بار کھنکھارے اور عضو مخصوص کی جڑ کے پاس سے نرم نرم گائے کے پستان کی طرح دوہے تین بار۔ اور اس عضو کے سوراخ کو زمین پر یا ڈھیلے پر مسح کرے۔ تا کہ جو پیشاب اس میں باقی ہو وہ نکل جائے اور ڈھیلا کرتے ہوئے ٹہلے اس ٹہلنے میں اختلاف ہے بعض کہتے ہیں کہ چار سو قدم ٹہلے اور بعض تین سو قدم اور بعض دس قدم کہتے ہیں۔ لیکن صحیح یہ ہے کہ آدمیوں کی طبیعت مختلف ہے پھر جس میں کسی کی تسلی ہو جائے کہ اب میں پاک ہو گیا ہوں۔ وہی معتبر اور درست ہے کیونکہ ہر ایک آدمی اپنے احوال سے خوب خبر رکھتا ہے۔ بعد اس کے پانی سے تین مرتبہ اس عضو کو بائیں ہاتھ سے دھووے اور تینوں مرتبہ بائیں ہاتھ کو بھی دھوئے۔ کیونکہ یہ مستحب ہے اگر ڈھیلا کرنے والا مرد ہے تو گرمی کے دنوں میں پہلے ڈھیلے کو آگے سے پیچھے کو لے جائے اور دوسرے ڈھیلے کو پیچھے سے آگے کو لاوے۔ اور تیسرے کو پھر آگے سے پیچھے کو لے جائے اگر زیادہ کی ضرورت ہے تو زیادہ لیوے۔ کیونکہ غرض صاف ہونے سے ہے ڈھیلا اس طرح پر لیوے کہ پاک بدن پر نہ لگے۔ گرمی کے دنوں میں اس واسطے آگے سے پیچھے لے جانے کو کہا کہ خصیہ گرمی میں لٹک جاتا ہے تا کہ اس میں کچھ لگ نہ جائے۔ اور جاڑے کے دنوں میں گرمیوں کے الٹ کرے یعنی پہلا ڈھیلا پیچھے سے آگے کو لاوے اور دوسرا آگے سے پیچھے کو لے جائے اور پھر تیسرا پیچھے سے آگے کو لاوے کیونکہ سردیوں میں خصیہ نہیں لٹکتا اس میں لگنے کا خوف نہیں ہے۔ پہلا ڈھیلا پیچھے سے آگے کو لانے میں زیادہ صفائی ہوتی ہے اور اگر عورت ہے تو ہمیشہ پہلا ڈھیلا آگے سے پیچھے کو لے جائے اس لئے کہ اس کی اندام نہانی میں نہ لگے اور دوسرا ڈھیلا پیچھے سے آگے کو لاوے۔ اور تیسرا آگے سے پیچھے کو لے جائے۔ عورت کے واسطے ڈھیلہ لینے میں گرمی سردی برابر ہے۔ ہمیشہ اسی طرح کیا کرے۔ ڈھیلہ کر چکنے کے بعد پانی سے استنجا کرے۔ اور پہلے ہاتھ دھوئے تب بعد اس کے انگلی کے پیٹ سے آبدست کرے۔ خواہ ایک انگلی' خواہ دو خواہ تین سے۔ مگر انگلی کی نوک سے آبدست نہ کرے کیونکہ اس سے بواسیر ہوتی ہے اور جب

آبدست کر چکے تب پھر دوسری بار ہاتھ دھوئے۔ جیسا کہ اوپر بیان ہو چکا ہے۔ بہت زیادہ عدد استنجے کے سات مرتبہ ہیں۔ اور بہت کم تین مرتبہ اور پانچ مرتبہ بھی ہیں۔ انسان کو چاہئے کہ پیشاب پاخانہ کرتے وقت اپنی شرمگاہ کو نہ دیکھے اور نہ پاخانہ پیشاب کو اور نہ ہی پاخانہ پیشاب میں تھوکے۔ نہ ہی بلاضرورت زیادہ دیر تک وہاں ٹھہرے اور نہ ہی اپنی شرمگاہ سے کوئی شغل کرے نہ نگاہ کو اونچا اٹھائے رکھے۔ بلکہ نہایت شرم وحیا کی حالت میں بیٹھے۔ پیشاب پاخانہ کرتے وقت قبلے کی طرف نہ منہ اور نہ پشت کرے اور جس چیز پر خدا تعالیٰ کا نام لکھا ہوا ہو یا قرآن مجید میں سے کچھ لکھا ہوا ہو یا کسی انگوٹھی پر اللہ و رسول کا نام ہو تو اس کو ساتھ نہ لے جائے بلکہ کنز العباد میں لکھا ہے کہ کاغذ اگرچہ سفید ہو یعنی اس پر کچھ بھی لکھا ہوا نہ ہو تو اس سے استنجا نہ کرے کیونکہ کاغذ کی تعظیم کرنا اسلام کے ادب سے ہے۔ ایک دوسری کتاب میں یہ بھی لکھا ہے کہ خالی کاغذ کو بیت الخلاء جاتے ہوئے ساتھ نہیں لے جانا چاہئے البتہ اگر تعویذ وغیرہ میں بند اور مڑھا ہوا ہو تو وہ اور بات ہے اور نہ ہی ننگے سر پاخانہ میں جائے۔ جب پیشاب پاخانہ کو جائے تو پاخانہ کے دروازہ سے باہر بسم اللہ پڑھے اور یہ دعا پڑھے۔ اَللّٰھُمَّ اِنِّی اَعُوْذُبِکَ مِنَ الْخُبُثِ وَالْخَبَائِثِ اور داخل ہوتے وقت پہلے بایاں پاؤں رکھے اور اندر خدا کا نام زبان سے نہ لیوے۔ اگر چھینک آئے تو فقط دل ہی دل میں الحمدللہ کہے اور زبان سے کچھ نہ کہے نہ وہاں کچھ بولے نہ بات کرے۔ پھر جب بیت الخلاء سے باہر نکلے تو دایاں پاؤں پہلے نکالے اور دروازے سے نکل کر یہ دعا پڑھے۔

غُفْرَانَکَ اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ الَّذِی اَذْھَبَ عَنِّی الْاَذٰی وَ عَافَانِی

استنجے کے بعد بائیں ہاتھ کو زمین پر رگڑ کر یا مٹی سے مل کر دھوئے اور آبدست کے بعد تھوڑے کپڑے سے پانی کو پونچھے تاکہ رانوں پر نہ ٹپکے یہ ادب ہے۔ اس کو استنقاء کہتے ہیں چونکہ اللہ تعالیٰ طہارت کو دوست رکھتا ہے اور طہارت کی عمدگی کی وجہ سے اللہ پاک نے مسجد قبا والوں کی قرآن مجید میں علی الاعلان تعریف فرمائی اور اسی طہارت پر نماز جیسی عبادت کا دارومدار ہے۔ اس لئے استنجے کا طریقہ اور وضو غسل و تیمم کا صحیح طریقہ تفصیل کے ساتھ اپنے اپنے مقام پر بیان کیا جاتا ہے۔

وضواوراس کے فضائل وبرکات

حضرت شاہ ولی اللہ رحمۃ اللہ علیہ کے حوالے سے یہ بات معلوم ہوئی ہے کہ جن سلیم الفطرت انسانوں کی روحانیت بہیمیت سے مغلوب نہیں ہوئی ہے وہ حدث کی حالت میں یعنی جب پیشاب پاخانے جیسے کسی سبب سے ان کا وضوٹوٹ جائے تو وہ اپنے باطن میں ایک گونہ ظلمت وکدورت اور ایک طرح کی گندگی محسوس کرتے ہیں۔ شریعت اسلامیہ نے اسی کے ازالہ کے لئے وضومقرر فرمایا ہے۔ جن بندوں نے بہیمیت کے سفلی تقاضوں سے مغلوب ہوکر اپنے لطیف روحانی احساسات کوفنا نہیں کردیا ہے وہ حدث کی حالت میں اس باطنی گندگی اور ظلمت وکدورت کوبھی محسوس کرتے ہیں کہ وضو سے یہ کیفیت زائل ہوکرایک روحانی پاکیزگی ونورانیت پیدا ہوجاتی ہے۔

حضرت شاہ صاحبؒ کی تقریر کا مطلب یہ ہے کہ ایک صحیح المزاج انسان جب کسی نجاست سے آلودہ ہوجاتا ہے یااس کو پیشاب پاخانہ کا سخت تقاضا ہوتا ہے یاوہ جماع وغیرہ سے فارغ ہوا ہوتا ہے تو وہ اپنے نفس میں ایک خاص قسم کی گرانی وانقباض، بے لطفی اوراپنی طبیعت میں سخت ظلمت کی ایک کیفیت محسوس کرتا ہے پھر جب وہ اس حالت سے نکل جاتا ہے مثلاً پیشاب یاپاخانہ کا جوسخت تقاضا ہے اس سے فارغ ہوجاتا ہے اوراچھی طرح استنجاو طہارت کرلیتا ہے یااگروہ جماع سے فارغ ہوا تھا توغسل کرلیتا ہے اوراچھے صاف ستھرے کپڑے پہن لیتا ہے اورخوشبولگالیتا ہے تونفس کے انقباض وتکدراورطبیعت کی ظلمت کی وہ کیفیت جاتی رہتی ہے اوراس کی بجائے اپنی طبیعت میں وہ ایک انشراح وانبساط اورسرور وفرحت کی کیفیت محسوس کرتا ہے۔ پس دراصل پہلی کیفیت اورحالت کا نام حدث یعنی ناپاکی ہے اوردوسری حالت کا نام طہارت یعنی پاکی وپاکیزگی ہے اورنفس انسانی کی یہ طہارت کی حالت ملائکہ کی حالت سے بہت مشابہت ومناسبت رکھتی ہے کیونکہ اللہ کے فرشتے دائمی طور پرنجی آلودگیوں سے پاک وصاف اوراپنی نورانی کیفیات سے شاداں وفرحاں رہتے ہیں۔ اس کے برعکس جب آدمی حدث یعنی ناپاکی کی حالت میں ڈوبا رہتا ہے تواس کو

شیاطین سے ایک مناسبت ومشابہت حاصل ہو جاتی ہے۔ اور شیطانی وساوس کی قبولیت کی ایک خاص استعداد اور صلاحیت اس میں پیدا ہو جاتی ہے اور ایسے آدمی کی روح کو ظلمت گھیر لیتی ہے۔ پس وضو کا اصل مقصد وموضوع تو یہی ہے اور اسی وجہ سے اس کو نماز یعنی بارگاہ الٰہی کی خاص حضوری کی لازمی شرط قرار دیا گیا ہے۔ لیکن اللہ تعالیٰ نے اس میں اپنے فضل سے اس کے علاوہ بھی بہت سی برکات رکھی ہیں۔

امیروں کا وضو...... دیکھئے جب امراء وسلاطین کے حضور میں ہم جاتے ہیں تو ان اعضاء وضو کو دھو لیتے ہیں کیونکہ ان پر اکثر گرد وغبار میل کچیل کا اثر بوجہ ان کی برہنگی کے ہوتا رہتا ہے اور باہم ملاقات کے وقت بھی یہی اعضاء نظر پڑتے ہیں۔ نیز تجربہ سے بھی شہادت ملتی ہے کہ ہاتھ پاؤں کے دھونے سے اور منہ وسر پر پانی چھڑکنے سے نفس پر بڑا اثر پڑتا ہے اور اعضاء رئیسہ میں تقویت و بیداری پیدا ہو جاتی ہے۔ اسی لئے حاذق اطباء غشی والے مریض کو یا جس کو زیادہ اسہال آتے ہوں یا کسی کی فصد لی گئی ہو تو اس کے اعضاء مذکور پر پانی چھڑکنا تجویز کرتے ہیں۔ چنانچہ علامہ قرشی مشہور طبیب نے اپنی کتاب میں لکھا ہے کہ منہ اور ہاتھ پاؤں پر پانی چھڑکنا حرارت غریزیہ کو تازہ اور قوی بنا دیتا ہے۔ اسی واسطے انسان کو امر ہوا کہ اپنے نفس کی کاہلی و کثافت کو بذریعہ وضو دور کرے تاکہ خدا کے حضور میں کھڑا ہونے کے لائق ہو سکے۔ اس لئے کہ خدا سدا ہوشیار و بیدار ہے۔ لَا تَاْخُذُهٗ سِنَةٌ وَّ لَا نَوْمٌ یعنی خدا تعالیٰ کو غفلت و نیند نہیں پکڑتی۔ پس غافل و کاہل انسان اس کے حضور میں کھڑے ہونے کے قابل نہیں ہو سکتے۔ یہی وجہ ہے کہ نشہ و مستی کی حالت میں نماز پڑھنا مشروع نہیں چنانچہ خدا تعالیٰ فرماتا ہے۔ لَا تَقْرَبُوا الصَّلٰوةَ وَ اَنْتُمْ سُكٰرٰى یعنی نماز کے نزدیک نہ جاؤ جبکہ تم نشے کی حالت میں ہو۔ کسی بھی نشہ باز کو کسی دنیاوی حاکم و بادشاہ کے دربار میں بحالت نشہ جانے کی اجازت نہیں دی جاتی۔ جب نشہ باز و شرابی بحالت نشہ وغفلت ایک دنیاوی حاکم کے دربار میں باریاب نہیں ہو سکتا تو جو شخص نشہ باز و غافل جیسی حالت بنائے ہوئے ہو اس کو احکم الحاکمین کے دربار میں کب شرف باریابی عطا ہو سکتا ہے۔ نشہ کی حالت میں نماز اسی وجہ سے ممنوع ہوئی کہ نشہ باز کو معلوم نہیں ہوتا کہ منہ سے کیا کہہ رہا ہے۔ اور اس کے دل میں کیا گزر رہا ہے۔

سو وضو انسان کو ظاہری و باطنی گناہوں اور غفلت ترک کرنے پر آمادہ کرتا ہے۔ اگر نماز بغیر وضو کے پڑھنی شروع ہوتی تو انسان اسی طرح پردۂ غفلت میں سرشار رہتا۔ لہذا اسی نشہ غفلت کو اتارنے کے لئے وضو شروع ہوا ہے تاکہ انسان باخبر و باحضور ہو کر خدا کے آگے کھڑا ہو۔

وضو کی حکمت

وضو کی ترتیب منصوص کا خلاف اس لئے ناجائز ہے کہ انسانوں سے احکام الٰہی کی مخالفت و گناہ کا ظہور اس ترتیب سے ہوتا ہے جو قرآن کریم میں مذکور ہے۔ لہذا اعضاء وضو کو بہ ترتیب منصوص دھونا ان کو گناہوں اور خدا کی نافرمانیوں کے دھونے اور تائب کرنے کی طرف اشارہ ہے۔ مثلاً جس عضو کے ذریعہ سے انسانوں سے اولاً گناہ سرزد ہوا اس کو سب سے پہلے دھونا سب سے پہلے اس کے ترک گناہ اور توبہ کی طرف ایماء و اشارہ ہے۔ دیکھئے خدا تعالیٰ نے سب سے پہلے چہرے کو دھونے کا امر فرمایا یعنی وضو کے چاروں فرائض میں سے پہلا فرض چہرے کا دھونا ہے جس میں منہ ناک اور آنکھیں شامل ہیں۔ پہلے کلی کے ذریعے زبان کو صاف کیا جاتا ہے جس میں توبہ زبان کی طرف اشارہ ہے کیونکہ انسان کی زبان مخالفت احکام الٰہی میں سارے اندا موں و اعضاء سے سبقت لے جاتی ہے۔ اسی زبان سے الفاظ کفر و غیبت و نمیمت وغیرہ صدہا قسم کے بیجا کلمات نکلتے ہیں۔ پھر ناک میں پانی ڈال کر صاف کیا جاتا ہے جو کہ مشمومات ممنوعہ اور دماغی کبر و غرور سے توبہ کرنے کی علامت ہے۔ پھر سارے چہرے کو مع دونوں آنکھوں و پیشانی کے دھویا جاتا ہے جو کہ مواجہ یعنی چہرہ کے سارے گناہوں اور آنکھوں کی بدنظری کے چھوڑنے کی طرف اشارہ ہے۔ پھر دونوں ہاتھ کو دھویا جاتا ہے جو ہاتھوں کے ترک ذنوب کی طرف اشارہ ہے۔ کیونکہ جب انسان باتیں کرتا ہے اور آنکھیں دیکھتی ہیں تو ہاتھ پکڑتے یا چھوتے ہیں۔ پھر سر کا مسح کیا جاتا ہے اور اس کو دھویا نہیں جاتا۔ کیونکہ سر سے بذاتہ کوئی مخالفت صادر نہیں ہوتی۔ بلکہ باتباع زبان اور آنکھوں اور ان کی مجاورت کے باعث ہوتی ہے۔ لہذا سر کے لئے ایسا حکم ملا جو دھونے اور نہ دھونے کے درمیان ہے۔ اور وہ مسح ہے۔ پھر کانوں کا مسح کیا جاتا ہے کیونکہ اکثر اوقات

انسان کے کانوں میں بلا اختیار اور بغیر قصد آواز آ پڑتی ہے لہذا ان کے لئے بھی دھونے اور نہ دھونے کے درمیان یعنی مسح کا حکم ملا اور ایسا ہی مسح گردن کا بھی سمجھو۔ پس سر، کان، اور گردن تینوں کے مسح میں سر کشی، گردن کشی، اور عدم سماعت حق کے قبیح اعمال سے توبہ کی طرف اشارہ ہے۔ دوسری وجہ یہ ہے کہ اگر ان تینوں اعضاء کے دھونے کا حکم ہوتا تو بڑا حرج ہوتا اور لوگ سخت تکالیف میں مبتلا ہوتے کیونکہ جس شخص کو پانچوں نمازوں میں پانچ بار وضو کی حاجت ہوتی اور اس کو سر پر پانچ بار پانی ڈالنا پڑتا تو بلاشبہ اس کے لئے یہ فعل سخت حرج اور تنگی میں داخل ہے۔ حالانکہ خدا تعالیٰ فرماتا ہے کہ حق تعالیٰ نہیں چاہتا کہ تم پر کوئی حرج ڈالے۔

مَا يُرِيْدُ اللّٰهُ لِيَجْعَلَ عَلَيْكُمْ مِّنْ حَرَجٍ دیکھئے سخت سرد ممالک میں سر اور کانوں کو سردی سے بچانے کے لئے بڑا اہتمام کیا جاتا ہے پس جن کو ایسے سرد ملک میں پانچ بار روزمرہ سر اور کانوں کو دھونا پڑتا تو ان کے لئے یہ امر ہلاکت یا مرض تھا۔ اسی واسطے بطور حفظ ماتقدم سر اور کانوں کا مسح بجائے تین بار کے ایک بار مشروع ہوا کہ مسح صرف ایک دفعہ ہی کرو۔

ہر عضو کو تین بار دھونے کا حکم کیوں ہے؟

غرضیکہ وضو کے آخر میں پاؤں کو دھویا جاتا ہے کیونکہ آنکھیں دیکھتی اور زبان بات کرتی اور ہاتھ حرکت کرتے اور کان سنتے ہیں۔ اور سب کے بعد پاؤں چلتے ہیں لہذا پاؤں کو دھونا سب سے آخر ٹھہرا۔ کیونکہ ان سے مخالفت الٰہی کی حرکت سب سے آخر میں سرزد ہوتی ہے۔ پس سب سے آخر ان کی توبہ کی نوبت آتی ہے۔ ہر عضو کو تین دفعہ دھونے کا جو حکم دیا گیا ہے یہ توبہ کے ارکان ثلاثہ کی طرف اشارہ ہے کہ توبہ کا پہلا درجہ ندامت بر گناہ ہے۔ دوسرا درجہ ترک گناہ ہے اور توبہ کا تیسرا درجہ آئندہ گناہ کو ترک کرنے کے لئے عزم بالجزم کی طرف اشارہ ہے۔ نیز ہر اندام وضو کو تین بار تک دھونا اس لئے مقرر ہوا کہ تین بار سے کم دھونے میں نفس پر پورا پورا اثر نہیں پیدا ہوتا اور یہ امر تفریط میں داخل ہے اور تین بار سے زیادہ دھونے میں افراط و اسراف ہے اگر دھونے کے لئے ایک حد معین نہ ہوتی تو ظنی اور وہمی انسان سارا دن ہاتھ پاؤں ہی دھونے میں گزار دیتے اور ان کی نماز کا وقت گزر جاتا۔ یہی وجہ ہے کہ ایک صحابی نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے پوچھا کہ کیا وضو میں بھی اسراف ہوتا ہے؟ فرمایا

بیشک وضو میں بھی اسراف ہوتا ہے خواہ تم نہر و دریا جاری کے کنارے پر بیٹھ کر وضو کرو اور بزرگوں سے سنا ہے کہ وضو میں اسراف کرنے والا اپنے مال میں بھی خرچ کرتے وقت اسراف کرے گا اس لئے شریعت اسلامیہ نے ابتداء ہی سے اسراف کا دروازہ بند کر دیا۔

وضو کے لئے سات اندام مخصوص ہونے کی وجہ

وضو میں سات اندام مخصوص یہ ہیں (۱) زبان، (۲) آنکھ (۳) کان (۴) دماغ یعنی سر جس میں ناک بھی شامل ہے۔ (۵) ہاتھ (۶) پاؤں (۷) شرمگاہ۔ ان ساتوں اندموں کا دھونا اس وجہ سے ہے کہ یہی اعضاء درکات جہنم اور یہی اعضاء درجات بہشت کے راستے ہیں۔ یہی سات اعضاء میں جن کے ذریعے سے نفس امارہ کی ناپاک و ناجائز حرکات کا ورود ہوتا ہے۔ نیز یہ نکتہ بھی یاد رکھیں کہ جنابت کی حالت میں چونکہ آدمی سر سے لے کر پیر تک غرق لذت اور محو غفلت ہو جاتا ہے اس لئے ازالۂ جنابت کے لئے تمام بدن کا دھونا فرض ہوا۔ بخلاف وضو کے کہ اس میں صرف اعضاء اربعہ کی طہارت کا حکم ہوا کیونکہ پیشاب و پاخانہ میں جنابت جیسی لذت اور غفلت نہیں ہے۔

وضو میں کہنیوں تک ہاتھ دھونے کا راز

ہاتھ اور منہ کے دھونے سے دل و جگر کو تقویت پہنچتی ہے اور پانی کا اثر رگوں کے ذریعے سے اندر جاتا ہے جو رگیں دل اور جگر تک پہنچتی ہیں۔ وہ کچھ تو ہاتھ کی انگلیوں سے اور کچھ کف دست و ساعد سے اور کچھ کہنیوں سے شروع ہوتی ہیں اسی وجہ سے کہنیوں تک ہاتھوں کا دھونا مقرر ہوا۔ جو لوگ فن سرجری اور جراحی میں ماہر ہیں وہ اس بات سے خوب واقف ہیں کہ اکحل رگ جس کا دوسرا نام نہر البدن بھی ہے جب کبھی دلی و جگری و جلدی بیماریوں کے رفع کرنے اور تصفیہ خون کے لئے اس رگ کا خون نکالنا تجویز کرتے ہیں تو کہنیوں کے برابر سے ہی اس رگ پر نشتر لگا کر خون نکالا کرتے ہیں۔ کیونکہ اس جگہ میں یہ رگ ظاہر و باہر بھی ہوتی ہے غالباً یہی وجہ ہے کہ ڈاکٹر وریدی انجکشن کہنی کی رگ میں

ہی لگاتے ہیں کیونکہ یہاں یہ رگ خوب ظاہر ہوتی ہے نیز علاوہ دل وجگر کے اس رگ کا اثر سارے بدن پر حاوی بھی ہے۔ پس ہاتھوں کا دھونا کہنیوں تک بھی اسی لئے مقرر ہوا کہ رگ نہرالبدن کے ذریعے سے پانی کا اثر پورا پورا اندر چلا جائے۔

وضو میں ناک کو صاف کرنے کی حکمت

ہر مذہب وملت کے لوگ ناک کی بلغمی رطوبتوں کو رفع کرنا پسندیدہ نظر سے دیکھتے ہیں۔ اگر ناک کو اندر سے نہ دھویا جائے تو ناک کی منجمد بلغم سے دماغ میں برا اثر پہنچتا ہے جو بسا اوقات باعث ہلاکت ہوتا ہے۔ نیز ناک کا دھونا اپنے کبر وغرور کو چھوڑنے اور خدا کی درگاہ میں کسرِ نفسی دکھانے کی طرف اشارہ ہے۔ (فتوحات مکیہ)

وضو نصف ایمان ہے

صحیح مسلم میں ابو مالک اشعریؓ سے روایت ہے کہ فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے وضو نصف ایمان ہے۔ اس لئے کہ ایمان سے چھوٹے بڑے گناہ بخشے جاتے ہیں اور وضو سے صغیرہ گناہ بخشے جاتے ہیں پس طہارت ایمان کی نصف ہوئی۔ علاوہ ازیں طہارت ظاہر و باطن کا نام ایمان ہے۔ لہذا ظاہر بدن کی طہارت غسل اور وضو نصف ایمان ہوئی۔ اور باطن بدن یعنی دل کی صفائی صحیح عقیدہ اور نیک اخلاق نصف باقی ٹھہرے۔

وضو بہشت کے سارے دروازوں کی کنجی ہے

حضرت عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک سلسلہ کلام میں فرمایا کہ جو کوئی تم میں سے وضو کرے اور پورے آداب کے ساتھ خوب اچھی طرح اور مکمل وضو کرے۔ پھر وضو کے بعد کہے اَشْهَدُ اَنْ لاَ اِلٰهَ اِلاَّ اللّٰهُ وَاَشْهَدُ اَنَّ مُحَمَّداً عَبْدُهٗ وَ رَسُوْلُهٗ تو لازمی طور پر اس کے لئے جنت کے آٹھوں دروازے کھل جائیں گے۔ وہ جس دروازے سے بھی چاہے گا جنت میں جا سکے گا۔ (مسلم)

تشریح: وضو کرنے سے بظاہر صرف اعضاء وضو کی صفائی ہوتی ہے اس لئے مومن بندہ

وضو کرنے کے بعد محسوس کرتا ہے کہ میں نے حکم کی تعمیل میں اعضاء وضو تو دھو لئے اور ظاہری طہارت اور صفائی کر لی لیکن اصل گندگی تو ایمان کی کمزوری اخلاص کی کمی اور اعمال کی خرابی کی گندگی ہے اس احساس کے تحت وہ کلمہ شہادت پڑھ کے ایمان کی تجدید اور اللہ تعالیٰ کی خالص بندگی اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی پوری پیروی کا گویا نئے سرے سے عہد کرتا ہے اس کے نتیجہ میں اللہ تعالیٰ کی طرف سے اس کی کامل مغفرت کا فیصلہ ہو جاتا ہے جیسا کہ حدیث شریف میں فرمایا گیا ہے کہ اس کے لئے جنت کے سارے دروازے کھل جاتے ہیں امام مسلم ہی نے ایک دوسری روایت میں اسی موقعہ پر کلمہ شہادت کے پورے الفاظ بھی نقل کئے ہیں۔ نیز اسی حدیث کی ترمذی کی روایت میں اس کلمہ شہادت کے بعد اَللّٰهُمَّ اجْعَلْنِي مِنَ التَّوَّابِيْنَ وَاجْعَلْنِي مِنَ الْمُتَطَهِّرِيْنَ کا بھی اضافہ ہے۔ دعائے وضو کے آخری ٹکڑہ میں ایک لطیف اشارہ ہے کہ اعضائے ظاہر کی طہارت جو ہمارے اختیار میں تھی بجالائے اور احوال باطن کی طہارت جو تیرے ہاتھ میں ہے تو ہی اسکو اپنے فضل سے عطا کر۔

مومن کا زیور جنت میں وہاں تک پہنچے گا جہاں تک وضو کا پانی پہنچے گا

صحیح مسلم میں ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ میں نے اپنے خلیل محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ فرماتے ہوئے سنا کہ مومن کا زیور جنت میں وہاں تک پہنچے گا جہاں تک وضو کا پانی پہنچے گا۔ حضرت ابو ہریرۃ رضی اللہ عنہٗ سے دوسری ایک روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ میرے امتی قیامت کے دن بلائے جائیں گے تو وضو کے اثر سے ان کے چہرے اور ہاتھ اور پاؤں روشن اور منور ہوں گے۔ پس تم میں سے جو کوئی اپنی وہ روشنی اور نورانیت بڑھا سکے اور مکمل کر سکے تو ایسا ضرور کرے۔ (صحیح بخاری وصحیح مسلم)

تشریح: یعنی قیامت میں وضو کا ایک مبارک اثر یہ بھی ظاہر ہوگا کہ وضو کرنے والے آپ کے امتیوں کے چہرے اور ہاتھ اور پاؤں وہاں روشن اور تاباں ہوں گے اور یہ ان کا وہاں امتیازی نشان ہوگا۔ پھر جس کا وضو جتنا کامل اور مکمل ہوگا اس کی یہ نورانیت اور تابانی بھی اسی درجہ کی ہوگی۔ اس لئے حدیث شریف کے آخر میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے کہ جس

سے ہو سکے وہ اپنی اس نورانیت کو مکمل کرنے کی امکانی کوشش کرتا رہے جس کی صورت یہی ہے کہ وضو ہمیشہ فکر اور اہتمام کے ساتھ مکمل کیا کرے اور آداب کی پوری نگہداشت رکھے۔

صحیح مسلم کی ایک حدیث میں یہ بھی آتا ہے کہ آپؐ نے صحابہ سے فرمایا بھلا بتلاؤ تو اگر کسی کے گھوڑے سفید پیشانی سفید ہاتھ پاؤں والے نہایت سیاہ رنگ گھوڑوں میں ملے جلے ہوں کیا وہ اپنے گھوڑوں کو نہ پہچانے گا؟ صحابہ نے کہا ہاں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پہچان لے گا آپ نے فرمایا قیامت کے دن میری امت کے لوگ وضو کے اثر سے سفید پیشانی اور سفید ہاتھ پاؤں والے آئیں گے اور میں حوض کوثر پر ان کا میر سامان بنوں گا یعنی ان کے لئے پہلے جا کر مغفرت اور رفعت درجات کا انتظام کرنے والا ہوں گا۔

ناقص وضو کے بُرے اثرات

شبیب بن ابی روح نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ایک صحابی سے روایت کی ہے کہ حضورؐ نے ایک دن فجر کی نماز پڑھی اور اس میں آپ نے سورۃ روم شروع کی تو آپ کو اس میں اشتباہ ہوگیا اور خلل پڑ گیا جب آپ نماز پڑھ چکے تو فرمایا بعض لوگوں کی یہ کیا حالت ہے کہ ہمارے ساتھ نماز میں شریک ہو جاتے ہیں اور طہارت (وضو وغیرہ) اچھی طرح نہیں کرتے پس یہی لوگ ہمارے قرآن پڑھنے میں خلل ڈالتے ہیں۔ (سنن نسائی)

تشریح: معلوم ہوا کہ وضو وغیرہ طہارت اچھی طرح نہ کرنے کے برے اثرات دوسرے صاف قلوب پر بھی پڑتے ہیں اور اتنے پڑتے ہیں کہ ان کی وجہ سے قرآن مجید کی قرأت میں گڑ بڑ ہو جاتی ہے غور کیجئے کہ جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا قلب مبارک دوسرے لوگوں کی اس طرح کی کوتاہیوں سے اتنا متاثر ہوتا تھا تو پھر ہم عوام کس شمار و قطار میں ہیں۔ لیکن چونکہ ہمارے قلوب پر زنگ کی تہیں کی تہیں جم گئی ہیں اس لئے ہم کو ان چیزوں کا احساس نہیں ہوتا۔ اس حدیث شریف سے بڑی وضاحت کے ساتھ یہ بات معلوم ہوگئی کہ انسان کے قلوب پر ساتھ والوں کی اچھی یا بری کیفیات کا کس قدر اثر پڑتا ہے۔ یہ حدیث ان لوگوں کے لئے باعث عبرت ہے جو تاثیر صحبت سے غافل ہیں کیا نہیں دیکھتے کہ

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو باوجود اس قدر رتبے کے ایک ادنیٰ صحابی کی صحبت نے جس سے آداب وسنن وضورہ گئے تھے ایسی تاثیر کی کہ قرأت میں متشابہ ہوا۔ پس کیا حال ہوگا ان لوگوں کا جو اہل بدعت وہوا اور اہل فسق وفجور کی صحبت میں شب وروز رہتے ہیں۔

ہمیشہ باوضو رہنے کی برکات

ہمیشہ باوضو رہنے سے کئی طرح کی بلیات دور ہو جاتی ہیں۔ چنانچہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے زمانہ میں کا ایک سچا واقعہ اس کے ثبوت میں پیش کیا جاتا ہے۔ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے زمانہ میں ایک عورت نیک بخت تھی اس نے آٹا گوندھ کر خمیری روٹی بنا کر تنور میں لگائی۔ چونکہ نماز کا وقت تنگ ہو رہا تھا۔ اس لئے اسی وقت اس نے نماز کا تحریمہ باندھا۔ ایسے وقت ابلیس ملعون ایک عورت کی صورت بن کر اس کے پاس آ کر کہنے لگا کہ اری روٹی تنور میں جلی جاتی ہے مگر اس نیک بخت عورت نے اس کے کہنے کا کچھ خیال نہ کیا۔ اور نہایت خشوع وخضوع سے نماز پڑھتی رہی۔ جب ابلیس ملعون نے دیکھا کہ اس نے نماز نہیں توڑی اور میرا داؤ نہیں چلا تو پھر اس نے ایک اور زبردست داؤ چلایا۔ وہ یہ کہ اس کا شیر خوار بچہ جو کھیل رہا تھا اس کو اٹھا کر تنور میں پھینک دیا۔ مگر اس پارسا نے نہ نماز کو توڑا اور نہ ہی اس کا دل خدا کی طرف سے ایک بال برابر پھرا۔ خدا کی شان دیکھو کہ اسی وقت اس عورت کا خاوند باہر سے آیا اور دیکھا کہ بچہ تنور میں کھیل رہا ہے اللہ تعالیٰ نے تنور کی آتش کو لعل وعقیق بنا دیا۔ جب یہ خبر حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو پہنچی تو اسی وقت آپ نے اس عورت کو بلا کر پوچھا کہ تو نے کونسا ایسا عمل کیا ہے جس کی برکت سے تجھے یہ کرامت ملی۔ اس نے کہا کہ میرا کوئی ایسا زبردست عمل تو نہیں ہے مگر ہاں ایک عمل کی میں بڑی پابند ہوں۔ وہ یہ ہے کہ جس وقت میرا وضو ٹوٹتا ہے اسی وقت پھر وضو کر لیتی ہوں شاید اس کی برکت سے اللہ تعالیٰ نے مجھ پر رحم کیا اور اس جانکاہ صدمہ سے محفوظ رکھا اور حق تعالیٰ نے مجھے یہ کرامت بخشی اور جو کوئی حاجت ومراد مجھ سے مانگے وہ بھی خدا تعالیٰ پوری کر دیتا ہے۔ (مقاصد الصالحین)

کتاب طبقات میں لکھا ہے کہ خدا تعالیٰ فرماتا ہے اے موسیٰ! ہمیشہ وضو کے ساتھ رہ

جس وقت بے وضو رہے گا اس وقت اگر بلا اور مصیبت تجھ کو پہنچے تو کسی کو ملامت نہ کر اپنے نفس کو ملامت کر کیونکہ بے وضو رہنے کے سبب سے بلا و مصیبت پہنچتی ہے۔

جناب رسالت مآب صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت انس رضی اللہ عنہ کو فرمایا وضو سے ہمیشہ رہنے کی اگر قدرت ہو تو ہمیشہ وضو سے رہ۔ کیونکہ ملک الموت جس وقت بندے کی روح قبض کرتا ہے اور وہ بندہ اس وقت اگر وضو سے ہے تو اس کو شہید کا قرب ملتا ہے۔

وضو کے چار فرائض کا فلسفہ

جب حضرت آدم علیہ السلام نے اجتہادی خطا کی تو انہی چار عضووں کے ذریعہ یہ خطا ظہور پذیر ہوئی۔ چنانچہ ممنوعہ درخت کی طرف اپنے پاؤں پر سوار ہو کر روانہ ہوئے تھے اور اپنے ہاتھوں سے میوہ توڑا تھا اور اپنے منہ کو اس درخت ممنوعہ کی طرف متوجہ ہو کے کھایا تھا۔ بنا بریں باری تعالی سے حکم ہوا کہ اے آدم ان اعضاء کو جن کی امداد سے تو نے ہماری نافرمانی کی ہے۔ دھو اس لئے کہ تمہارے یہ اعضاء ارتکاب خطا کے باعث نجاست سے ملوث ہو گئے ہیں۔

چونکہ حضرت آدم علیہ السلام اس حکم الہی کی حکمت سے واقف نہ تھے۔ اس لئے آپ نے حضرت جبرائیل علیہ السلام سے کہا کہ اے جبرائیل منہ جو جسم کے سب اعضاؤں سے زیادہ لطیف اور پاک ہے اس کے دھونے میں کیا حکمت مضمر ہے۔ جبرائیل علیہ السلام نے فرمایا کہ اے آدم علیہ السلام چونکہ تیرے منہ سے چار ناپسندیدہ امر ظہور میں آئے ہیں اس لئے انہیں دھونا فرض ہے۔ چنانچہ تیری آنکھوں نے طمع کی نظر سے درخت دیکھا تھا۔ تیرے دماغ نے اس کی بو سونگھی تھی۔ تیرے کانوں نے ابلیس کی باتیں سنی تھیں۔ تیرے منہ نے اس ممنوعہ میوہ کو کھایا تھا۔ اسی واسطے اس کے دھونے کی فرضیت کا حکم تیرے نام پر صادر ہوا پھر حضرت آدم علیہ السلام نے ہاتھ پاؤں اور سر کی بابت دریافت کیا تو جبرائیل علیہ السلام نے کہا اے آدم چونکہ تو نے ممنوعہ پھل کو انہیں ہاتھوں سے توڑا تھا اور انہیں پاؤں سے اس کی طرف چل کر گئے تھے اور اسی خاطی ہاتھ کو بہشتی لباس اتر جانے کے وقت سر پر رکھا تھا۔ اسی واسطے اس کا دھونا تم پر فرض ہوا (مطلب یہ ہے کہ اگر چہ تیرا سر بالا صالۃ خطا کا

مرتکب نہیں ہوا مگر بباعث ہم نشینی اور ہمسائیگی جوارح گنہگار کے اس پر بھی مسح کا حکم ہوا)

حضرت آدم علیہ السلام نے فرمایا اے جبرائیل! مجھ پر اپنی خطا کی شامت سے جو کچھ میری تقدیر میں تھا وہ ظہور میں آ گیا مگر مجھ کو ایسا معلوم ہوتا ہے کہ یہ تکلیف جس کا میں آج مکلّف ہوں میری اولاد میں قیامت کے دن تک ضرور رہے گی۔ آپ مجھے اس تکلیف کے ثواب سے آگاہ فرمایئے۔ حضرت جبرائیل نے فرمایا اے آدم! اس عمل کے ثواب میں چار چیزیں تم کو اور تیری اولاد کو عطا ہوں گی۔ اول یہ کہ وضو کرنے سے وضو کرنے والے کے تمام گناہ اس کے بدن سے اس طرح گر جاتے ہیں جیسے موسم خزاں میں درختوں کے پتے گر جاتے ہیں۔ دوم قیامت کے دن وضو کرنے والے کو اس کا نامہ اعمال اس کے داہنے ہاتھ میں دیا جائے گا سوم وضو کرنے والے کا چہرہ آفتاب کی طرح سفید اور چمکدار ہو جائے گا۔ چہارم اس کا قدم پل صراط پر گزرنے کے وقت ڈگمگانے اور پھسلنے سے محفوظ رہے گا۔

بغیر وضو کے قصداً نماز پڑھنے سے حکم تکفیر

اگر کوئی شخص بغیر طہارت کے قصداً نماز پڑھے یا لوگوں کی شرم کے باعث بغیر وضو کئے نماز پڑھے تو ان دونوں صورتوں میں وہ شخص کافر ہو جاتا ہے کیونکہ اس نے شرع شریف کی بے حرمتی کی۔ (مظاہر حق)

وضو کرنے کا صحیح طریقہ

صحیح یہ ہے کہ بسم اللہ کہے دو مرتبہ' ایک مرتبہ استنجا کرنے سے پہلے اور دوسری دفعہ استنجا کرنے کے بعد وضو شروع کرتے وقت۔ وضو کرنے والے کو چاہئے کہ وضو کرتے وقت قبلہ کی طرف منہ کر کے کسی اونچی جگہ بیٹھے کہ چھینٹیں اڑ کر اوپر نہ پڑیں۔ سب سے پہلے تین دفعہ گٹوں تک ہاتھ دھووے پھر تین دفعہ کلی کرے اور مسواک کرے۔ اگر مسواک نہ ہو تو کسی موٹے کپڑے یا صرف انگلی سے اپنے دانت صاف کر لے کہ سب میل کچیل جاتا رہے۔ اگر روزہ دار نہ ہو تو غرغرہ کر کے اچھی طرح سارے منہ میں پانی پہنچاوے اور اگر روزہ ہو تو غرغرہ نہ کرے کہ شاید کچھ پانی حلق میں چلا جائے۔ پھر تین بار ناک میں پانی ڈالے

۔داہنے ہاتھ سے اور ناک صاف کرے بائیں ہاتھ سے۔ لیکن جس کا روزہ ہو وہ جتنی دور تک نرم نرم گوشت ہے اس سے اوپر پانی نہ لے جائے۔ پھر تین دفعہ منہ دھوئے سر کے بالوں سے لے کر ٹھوڑی کے نیچے تک اور ایک کان کی لو سے دوسرے کان کی لو تک۔ اس طرح کہ سب جگہ پانی پہنچ جائے اور دونوں ابروؤں کے نیچے بھی پانی پہنچ جائے۔ اگر داڑھی گھنی نہ ہو تو داڑھی کے نیچے دھونا فرض ہے اور اگر گھنی داڑھی ہو تو پانی کا داڑھی کے بالوں کے نیچے پہنچانا ضروری نہیں۔ اور مسح کرے داڑھی لٹکی ہوئی کا اور خلال کرے۔ داڑھی کے خلال کرنے کی صورت یہ ہے کہ داہنے چلو میں پانی لے کر ٹھوڑی کے نیچے کے بالوں کی جڑوں میں ڈالے اور ہاتھ کی پشت گردن کی طرف کر کے انگلیاں بالوں میں ڈال کر نیچے سے اوپر کی طرف لے جائے یعنی داڑھی کے نیچے سے انگلیاں اوپر کو لے جائے اور اوپر سے نیچے کو نہ لاوے۔ پھر تین بار داہنا ہاتھ کہنی سمیت دھوئے۔ پھر بایاں ہاتھ کہنی سمیت تین دفعہ دھوئے اور ایک ہاتھ کی انگلیوں کو دوسرے ہاتھ کی انگلیوں میں ڈال کر خلال کرے اور انگوٹھی چھلا چوڑی وغیرہ جو کچھ ہاتھ میں پہنے ہو ہلا لیوے کہ کہیں سوکھا نہ رہ جائے۔ پھر ایک مرتبہ سارے سر کا مسح کرے اور ساتھ ہی اسی تری سے کانوں اور گردن کا مسح بھی کرے جس کا صحیح طریقہ یہ ہے کہ پانی سے دونوں ہاتھوں کو تر کر کے پھر انگوٹھے اور شہادت کی انگلی کو جدا کر کے اور دونوں ہاتھوں کی ہتھیلیوں کو بھی علیحدہ رکھ کے باقی تین انگلیوں کو آپس میں ملا کر پیشانی سے گدی تک کھینچ کر لاوے پھر دونوں ہتھیلیوں کو سر کے دونوں طرف رکھ کے کنپٹیوں پر سے کھینچتا ہوا گدی سے پیشانی تک لاوے۔ پھر کانوں کے اندر کا مسح کرے۔ کلمہ کی انگلی سے اور کانوں کے اوپر کی طرف کا مسح کرے انگوٹھوں سے۔ پھر انگلیوں کی پشت کی طرف سے گردن کا مسح کرے۔ کانوں اور گردن کے مسح کے لئے نیا پانی نہ لیوے۔ سر کے مسح سے جو بچا ہوا پانی ہاتھ میں لگا ہے وہی کافی ہے اور گلے کا مسح نہ کرے کہ یہ برا اور منع ہے پھر تین بار داہنا پاؤں ٹخنے سمیت دھوئے پھر بایاں پاؤں ٹخنے سمیت تین دفعہ دھوئے اور بائیں ہاتھ کی چھنگلیا سے پیر کی انگلیوں کا خلال کرے اس طور پر کہ پیر کی داہنی چھنگلیا سے شروع کرے اور بائیں چھنگلیا پر ختم کرے۔ یہ وضو کرنے کا طریقہ ہے۔ اس میں چار چیزیں فرض ہیں۔

(۱) ایک مرتبہ منہ کا دھونا۔
(۲) دونوں ہاتھوں کا کہنیوں سمیت دھونا ایک ایک دفعہ۔
(۳) ایک بار سر کے چوتھائی حصے کا مسح۔
(۴) ایک ایک مرتبہ دونوں پاؤں کا ٹخنوں سمیت دھونا' اگر اس میں سے ایک چیز بھی چھوٹ جائے یا کچھ کمی رہ جائے تو وضو نہیں ہوتا۔ امام مالکؒ امام شافعیؒ اور امام احمد کے نزدیک نیت اور ترتیب وضو بھی فرض ہے۔ امام مالکؒ کے نزدیک ایک عضو سوکھنے کے قبل دوسرے عضو کا دھونا بھی فرض ہے۔ امام احمدؒ کے نزدیک بسم اللہ کہنا اور پانی منہ میں اور ناک میں ڈالنا فرض ہے۔ اور امام احمدؒ و امام مالکؒ کے نزدیک تمام سر کا مسح کرنا بھی فرض ہے۔ پس احتیاط یہ ہے کہ سب افعال مذکورہ ادا کئے جائیں اور یہ سب افعال نزدیک امام اعظمؒ کے سنت کے ہیں۔ نیز چاہئے کہ وضو کرتے وقت دنیا کی بات نہ کرے۔ اور ہر عضو کے دھوتے وقت کلمہ شہادت پڑھے اور وہ دعائیں پڑھے جو حدیثوں میں مذکور ہیں۔ پانی ضرورت سے زائد خرچ نہ کرے چاہے دریا کے کنارے بیٹھا ہو اور نہ بہت کمی کرے کہ اچھی طرح دھونے میں دقت ہو۔

وضو کے رموز و اسرار

درج ذیل میں وضو سے متعلق چند اسرار اور رموز بیان کئے جاتے ہیں۔

۱۔ وضو کو یکسوئی اور توجہ سے کرنا اعلیٰ مرتبہ کی نماز پڑھنے کا مقدمہ ہے کوئی شخص ایسا نہیں ہوسکتا جو عادتاً غفلت سے وضو کرے مگر نماز حضوری کے ساتھ پڑھے۔ پس معلوم ہوا کہ اہتمام وضو اور حضوری نماز میں چولی دامن کا ساتھ ہے۔

۲۔ مشائخ کرام فرماتے ہیں کہ درحقیقت وضو انفصال عن الخلق (مخلوق سے کٹنا) ہے جبکہ نماز اتصال مع الحق (اللہ تعالیٰ سے جڑنا ہے) جو شخص جس قدر مخلوق سے کٹے گا اتنا ہی زیادہ اللہ تعالیٰ سے جڑے گا۔ یہی مطلب ہے لا الہ الا اللہ کا۔ پس لا الہ کا مقصود یہ ہے کہ مخلوق سے کٹو اور الا اللہ کا مقصود یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ سے جڑو۔ ماسوی اللہ سے قلبی تعلق توڑنے کو عربی زبان میں تبتل کہتے ہیں۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے۔ واذکر اسم ربک الخ

اور اپنے رب کا نام پڑھے جا اور سب سے الگ ہو کر اسی کی طرف سب چھوڑ کر چلا آ۔

۳۔ پانی کی خاصیت یہ ہے کہ آگ کو بجھا دیتا ہے لہٰذا جو شخص وضو کر کے حضوری کے ساتھ نماز ادا کرے گا تو اس شخص کیلئے نماز دوزخ کی آگ سے ڈھال بن جائے گی۔

۴۔ وضو میں شش جہات (چھ اطراف) سے پاکیزگی حاصل کی جاتی ہے دائیں ہاتھ سے دائیں طرف۔ بائیں ہاتھ سے بائیں طرف۔ چہرہ دھونے سے آگے کی طرف۔ گردن کا مسح کرنے سے پیچھے کی طرف۔ سر کا مسح کرنے سے اوپر کی طرف اور پاؤں دھونے سے نیچے کی طرف سے پاکیزگی حاصل ہوگئی۔

۵۔ وضو کرنے سے انسان چھ اطراف سے پاکیزہ ہوگیا۔ پس محبوب حقیقی سے ملاقات کی تیاری مکمل ہوگئی۔ جب نماز ادا کرے گا تو اسے ملاقات بھی نصیب ہوجائے گی۔ ارشاد فرمایا "تو اللہ تعالیٰ کی عبادت ایسے کر جیسے اسے دیکھ رہا ہے) اسی لئے کہا گیا کہ "نماز مومن کی معراج ہے" حدیث پاک میں بتایا گیا ہے کہ آدمی جب وضو کرتا ہے تو اعضاء دھلنے کے ساتھ ہی ان سے کئے گئے گناہ بھی دھل جاتے ہیں۔ امام اعظم ابوحنیفہ کو ایسا کشف نصیب ہوگیا تھا کہ وہ وضو کے پانی کے ساتھ گناہ کو جھڑتا دیکھتے تھے۔ اسی لئے انہوں نے وضو کے مستعمل پانی کو مکروہ کہا۔ ویسے بھی نمازی کو حکم ہے کہ وضو کا پانی کپڑوں پر نہ گرنے دے۔ بعض مشائخ کا معمول تھا کہ وضو کے وقت جو لباس زیب تن فرماتے تھے اسے بدل کر نماز ادا فرماتے تھے۔

شرع شریف میں پاکیزگی اور طہارت کو بہت پسند کیا گیا ہے۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے۔ اِنَّ اللّٰہَ یُحِبُّ التَّوَّابِیْنَ الخ "بے شک اللہ تعالیٰ توبہ کرنے والوں سے اور پاکیزہ رہنے والوں سے محبت کرتا ہے" توبہ کرنے سے گناہ معاف ہوئے تو انسان باطنی طور پر پاکیزہ ہوگیا۔ حدیث پاک میں اسی مضمون کو مثال سے سمجھایا گیا ہے کہ اگر کسی شخص کے گھر کے سامنے نہر بہتی ہو اور وہ دن میں پانچ مرتبہ غسل کرے تو اس کے جسم پر میل کچیل نہیں رہ سکتی۔ جو شخص پانچ مرتبہ اہتمام سے وضو کرے اور حضوری سے نماز ادا کرے اس کے دل پر سیاہی نہیں رہ سکتی۔

۶۔ شرع شریف کا حسن و جمال دیکھئے کہ وضو میں سارا جسم دھلوانے کی بجائے صرف انہی اعضاء کو دھلوانے پر اکتفا کیا گیا جو اکثر و بیشتر کام کاج میں کھلے رہتے ہیں۔ مثلاً ہاتھ،

پاؤں، بازو، چہرہ وغیرہ۔ جو اعضاء کم کھلتے ہیں ان کا مسح کروایا گیا مثلاً سر اور گردن جو اعضاء پردے میں رہتے ہیں ان کو مستثنیٰ قرار دیا گیا مثلاً شرمگاہ وغیرہ۔

۷۔ وضو میں جن اعضا کو دھلوایا گیا قیامت کے دن انہی کو نورانی حالت عطا کی جائے گی۔ حدیث پاک کا مفہوم ہے کہ نبی علیہ السلام نے ارشاد فرمایا کہ قیامت کے دن میری امت اپنے اعضا کی نورانیت سے پہچان لی جائے گی۔

۸۔ وضو میں جن اعضا کو دھویا جاتا ہے قیامت کے دن ان اعضاء کو عزت و شرافت سے نوازا جائے گا۔ ہاتھوں میں حوض کوثر کا جام عطا کیا جائیگا۔ چہرے کو تروتازہ بنادیا جائیگا جیسے فرمایا **وجوه یومئذ ناعمه** ''اس دن چہرے تروتازہ ہوں گے'' سر کو عرش الٰہی کا سایہ عطا کیا جائے گا۔ حدیث پاک میں آیا ہے۔ ''قیامت کے دن عرش الٰہی کے سوا کوئی سایہ نہ ہوگا'' پاؤں کو پل صراط پر چلتے وقت استقامت عطا کی جائیگی۔

وضو کی برکات

حدیث میں آیا ہے کہ وضو مومن کا اسلحہ ہے، یعنی مومن وضو کے ذریعے شیطانی حملوں کا مقابلہ کرتا ہے اس لئے ہمارے بزرگان دین اپنی زندگی باوضو گذارنے کا اہتمام فرماتے تھے شوق عمل کے لئے درج ذیل واقعہ پڑھئے۔

حضرت ملاں جیون سے وقت کے بادشاہ نے کوئی مسئلہ دریافت کیا، انہوں نے لگی لپٹی رکھے بغیر کھری کھری سنادیں، بادشاہ کو بہت غصہ آیا لیکن وقتی طور پر برداشت کرگیا، چند دن کے بعد اس نے ایک سپاہی کے ہاتھ کوئی پیغام بھیجا، ملاں جیون اس وقت حدیث شریف کا درس دے رہے تھے انہوں نے سپاہی کے آنے کی پرواہ تک نہ کی اور درس حدیث جاری رکھا، درس کے اختتام پر سپاہی کی بات سنی، سپاہی اپنے دل میں پیچ وتاب کھاتا رہا کہ میں بادشاہ کا قاصد ہوں اور ملا جیون نے تو مجھے گھاس تک نہ ڈالی، چنانچہ اس نے واپس جاکر بادشاہ کو خوب اشتعال دلایا کہ میں ملا جیون کے پاس آپ کا قاصد بن کر گیا تھا۔

انہوں نے مجھے کھڑا کیے رکھا اور پرواہ ہی نہ کی، مجھے لگتا ہے اس کو اپنے شاگردوں کی

کثرت پر بڑا ناز ہے، ایسا نہ ہو کہ کسی دن آپ کے خلاف بغاوت کردے، بادشاہ نے ملاجیون کی گرفتاری کا حکم صادر کردیا، بادشاہ کے بیٹے ملاجیون کے شاگرد تھے انہوں نے یہ بات سنی تو اپنے استاد کو بتادی، ملاجیون نے یہ سن کر وضو کیا اور تسبیح لے کر مصلے پر بیٹھ گئے کہ اگر بادشاہ کی طرف سے سپاہی آئیں گے تو ہم بھی اللہ تعالیٰ کے حضور ہاتھ اٹھا کر معاملہ پیش کریں گے، شہزادے نے یہ صورت حال دیکھی تو بادشاہ کو جا کر بتایا کہ ملاجیون نے وضو کرلیا ہے اور وہ مصلے پر دعا کرنے کے لئے بیٹھ گئے ہیں، بادشاہ کے سر پر اس وقت تاج نہ تھا، وہ ننگے سر، ننگے پاؤں دوڑا اور ملاجیون کے پاس آ کر معافی مانگی اور کہنے لگا ''حضرت! اگر آپ کے ہاتھ اٹھ گئے تو میری آئندہ نسل تباہ ہوجائے گی'' ملاجیون نے اسے معاف کردیا۔

وضوء سے جسمانی بیماریوں کا علاج

ریڑھ کی ہڈی کی بیماری سے تحفظ: بلجیئم کی یونیورسٹی کے طالب علم نے سوال کیا کہ وضو میں کیا کیا سائنسی حکمتیں ہیں سب لاجواب رہے حتیٰ کہ ایک عالم بھی لاجواب رہے کچھ لوگوں نے اس کو وضو کی کافی خوبیاں ذکر کیں وہ طالب ان سے پوچھنے لگا کہ گردن کے مسح کی کیا حکمت ہے؟ وہ بھی نہ بتا سکے بالآخر کچھ عرصہ کے بعد دوبارہ آیا اور اس نے خود بتایا کہ ہمارے پروفیسر صاحب نے دوران لیکچر بتایا ہے کہ اگر گردن کی پشت اور اطراف پر روزانہ پانی کے چند قطرے لگے رہتے ہیں تو ریڑھ کی ہڈی اور حرام مغز کی خرابی سے پیدا ہونے والے امراض سے بچاؤ ہوجاتا ہے چنانچہ وہ طالب کہتا ہے میرے قبول اسلام کا یہی سبب بنا۔

ڈپریشن: نیز مغربی جرمنی کے سیمینار میں ایک ڈاکٹر نے اپنے مقالہ میں حیرت انگیز انکشاف کیا کہ میں نے ڈپریشن کے چند مریضوں کو روزانہ پانچ دفعہ منہ دھلایا کچھ عرصہ بعد ان کی بیماری کم ہوگئی پھر مریضوں کے دوسرے گروپ کو روزانہ ہاتھ پاؤں دھلاتا تو ان کی بیماری میں بہت زیادہ فرق پڑ گیا، یہی ڈاکٹر مقالہ کے آخر میں اقرار کرتا ہے کہ مسلمانوں میں وضو کی وجہ سے مایوسی کا مرض کم پایا جاتا ہے۔

بلڈ پریشر کا علاج: ایک ہارٹ اسپیشلسٹ کا بڑے وثوق سے کہنا ہے بلڈ پریشر کے

مریض کو وضو کرائیں تو دوبارہ چیک کرنے پر لازماً کم ہوگا۔

فالج کی روک تھام: وضو میں بالترتیب اعضاء دھونے سے جسم کا اعصابی نظام مطلع ہوتا ہے، پھر چہرے دماغ کی رگوں کو آہستہ آہستہ اثرات پہنچتے ہیں جس میں فالج کی روک تھام کا انتظام قدرت نے دکھایا ہے۔

منہ ناک کی بیماریوں سے تحفظ: مسواک سے حافظ قوی معدہ درست منہ کے چھالوں سے نجات، کھانا ہضم، بلغم دور نظر تیز بڑھاپا لیٹ ہو جاتا ہے۔

جراثیم سے تحفظ: ہاتھ دھونے سے جراثیم اور مختلف بیماریاں دور ہوتی ہیں۔

منہ کا تحفظ: کلی کرنے سے صفائی ہوتی ہے اور منہ کے کنارے پھٹنے سے محفوظ رہتے ہیں نیز چھالے نہیں پڑتے۔

ناک کا تحفظ: ناک میں پانی ڈالنے سے صفائی ہو جاتی ہے اور ناک میں اندرونی غیر مرئی روؤں کی کارکردگی کو تقویت پہنچتی ہے اور بہت سی بیماریوں سے نجات ملتی ہے۔

جلدی امراض سے تحفظ: چہرہ دھونے سے منہ پر کیل نہیں نکلتے یا کم نکلتے ہیں نیز امریکن کونسل فار بیوٹی کی ممبر خاتون نے کہا ہے کہ مسلمانوں کو کسی قسم کے کیمیاوی لوشن کی ضرورت نہیں وضوء سے ان کا چہرہ دھل کر کئی بیماریوں سے محفوظ ہو جاتا ہے۔

نظر کا تحفظ: آنکھیں دھلنے سے کئی خطرناک بیماریوں سے بندہ بچا رہتا ہے ایک یورپین ڈاکٹر نے اپنے مقالہ میں اس بات پر زور دیا ہے کہ آنکھوں کو دن میں کئی دفعہ دھوتے رہنا چاہئے ورنہ کئی خطرناک بیماریوں کا سامنا کرنا پڑے گا، نیز اندھا پن سے بھی تحفظ ہو جاتا ہے۔

دل وجگر کی تقویت: وضوء میں کہنیوں سمیت ہاتھ دھونے سے دل جگر اور دماغ کو تقویت پہنچتی ہے۔

پاگل پن سے تحفظ: مسح کرنے سے تمام اعصابی نظام کو توانائی ملتی ہے اور پاگل پن سے نجات ملتی ہے۔

پاؤں کا تحفظ: پاؤں دھونے سے گرد و غبار اور جراثیم بہہ جاتے ہیں باقی ماندہ جراثیم پاؤں کی انگلیوں کے خلالوں سے نکل جاتے ہیں۔

جگر، معدہ مثانہ کا تحفظ: وضو کا بچا ہوا پانی پینا مستحب ہے اور باعث شفاء ہے جس سے پیشاب کی رکاوٹ دور ہوتی ہے۔ دوسرا ناجائز خواہش سے چھٹکارا ملتا ہے، تیسرا اثر یہ ہوتا

ہے کہ جگر معدہ اور مثانے کی گرمی دور ہوتی ہے۔
گناہوں کی معافی: دنیاوی چند فائدے آپ نے پڑھ لئے ایک دینی فائدہ بھی ذکر کیا جاتا ہے چھوٹے چھوٹے لاکھوں گناہوں کو فوراً مٹا دیا جاتا ہے، بڑے گناہ تو توبہ سے معاف ہوتے ہیں البتہ چھوٹے سب دھل جاتے ہیں اسی وجہ سے حدیث شریف میں ہے کہ وضوء کامل کیا کرو یعنی تمام سنتوں اور مستحبات کی رعایت رکھتے ہوئے وضو کیا کرو، نیز وضوء عبادت مقصود نہیں مقصود تو اس کے بعد والی عبادت (نماز وغیرہ) ہوتی ہے مگر دیکھنا یہ ہے کہ رب تعالیٰ غیر مقصودی عبادت سے اتنے دنیاوی اوراخروی فوائد دے رہے ہیں تو مقصودی عبادت جب بندہ ادا کرے تو کس قدر ثواب اور قرب درجات بن سکتے ہیں اس لئے نماز میں کبھی سستی نہ کرنی چاہئے۔

وضو کی سنتیں

وضو میں بعض چیزیں فرض ہیں کہ اگر ان میں سے ایک بھی چھوٹ جائے یا کچھ کمی رہ جائے تو وضو نہیں ہوتا۔
فرائض وضو: وضو میں صرف چار چیزیں فرض ہیں:
۱-ایک مرتبہ سارا منہ دھونا۔
۲-ایک ایک بار کہنیوں سمیت دونوں ہاتھ دھونا۔
۳-ایک بار چوتھائی سر کا مسح کرنا۔ ۴-ایک مرتبہ ٹخنوں سمیت دونوں پاؤں دھونا۔
اتنا کرنے سے وضو ہو جائے گا لیکن سنت کے مطابق وضو کرنے سے وضو کامل ہوتا ہے اور زیادہ ثواب ملتا ہے۔
وضو میں اٹھارہ سنتیں: ان کو ادا کرنے سے کامل طریقہ سے وضو ہو جائے گا۔
۱-وضو کی نیت کرنا، مثلاً یہ کہ میں نماز کے صحیح ہونے کیلئے وضو کرتا ہوں (نسائی)
۲-بسم اللہ الرحمن الرحیم پڑھ کر وضو کرنا۔ اور وضو کے درمیان یہ دعا پڑھنا مسنون ہے: اللھم اغفرلی ذنبی و وسع لی فی داری و بارک لی فی رزقی۔(عمل الیوم واللیلۃ للنسائی)

۳-دونوں ہاتھوں کو پہنچوں تک دھونا۔(ابوداؤد)

۴-مسواک کرنا اگر مسواک نہ ہو تو انگلی سے دانتوں کو ملنا۔(مراقی الفلاح)

۵-تین بار کلی کرنا، ۶-تین بار ناک میں پانی ڈالنا اور تین بار ناک چھینکنا، ۷-کلی اور ناک میں پانی چڑھانے میں مبالغہ کرنا اگر روزہ نہ ہو(ابوداؤد)

۸-ہر عضو کو تین بار دھونا۔(بخاری شریف)

۹-چہرہ دھوتے وقت ڈاڑھی کا خلال کرنا۔(ابوداؤد)

فائدہ: ڈاڑھی میں خلال کا مسنون طریقہ یہ ہے کہ تین بار چہرہ دھونے کے بعد ہتھیلی میں پانی لے کر ٹھوڑی کے پاس تالو میں ڈالے اور ڈاڑھی کا خلال کرے اور کہے۔

هكذا امر نی ربی (شامی)

۱۰-ہاتھوں اور پیروں کو دھوتے وقت انگلیوں کا خلال کرنا(ابوداؤد)

۱۱-ایک بار تمام سر کا مسح کرنا۔(سعایہ)

۱۲-سر کے مسح کے ساتھ کانوں کا مسح کرنا۔(نسائی)

۱۳-اعضاء وضو کو مل کر دھونا۔(مراقی)

۱۴-پے در پے وضو کرنا۔(ایضاً)

۱۵-ترتیب وار وضو کرنا۔(ہدایہ جلد۱)

۱۶-داہنی طرف سے پہلے دھونا۔(بخاری)

۱۷-سر کے اگلے حصے سے مسح شروع کرنا۔(بخاری)

۱۸-گردن کا مسح کرنا حلق کا مسح نہ کرے یہ بدعت ہے۔وضو کے بعد کلمہ شہادت:

اشهد ان لا اله الا الله وحده لا شربک له و اشهد ان محمداً عبده ورسولهٗ (مراقی) پڑھ کر یہ دعا پڑھیں:

اللهم اجعلنی من التوابین و اجعلنی من المتطهرین (ترمذی)

ترجمہ: اے اللہ! تو مجھے بہت توبہ کرنے والوں میں اور خوب پاکی حاصل کرنے والوں میں شامل فرما۔

فائدہ: اس دعا کے متعلق ملا علی قاری نے فرمایا کہ وضو ظاہری طہارت ہے، اس دعا سے باطنی طہارت کی درخواست پیش کی گئی ہے کہ اول اختیاری تھی وہ ہم کر چکے ہیں اب آپ اپنی رحمت سے ہمارے باطن کو بھی پاک فرما دیجئے۔

وضو کا مندرجہ بالا طریقہ سنت کے مطابق ہے۔

باوضو رہنے کے فوائد

باوضو رہنے کی عادت رکھئے اس کے کئی فائدے ہیں:

☆ باوضو رہنے والا مقبول الدعوات ہو جاتا ہے۔

☆ اس کی موت آگئی تو شہداء کے ساتھ اٹھایا جائے گا۔

☆ شیاطین کا تسلط اس پر نہیں ہوگا۔

☆ نماز اس کو تکبیر اولیٰ کے ساتھ مل جاتی ہے۔

☆ اس کی وجہ سے حکام مسخر ہو جاتے ہیں۔

☆ بات میں اثر ہو جاتا ہے چہرہ کا حسن دوبالا ہو جاتا ہے۔

باوضو رہنا چاہئے اور یہ کوئی مشکل بات نہیں ہے، آسان سی بات ہے، انسان ارادہ کرے تو ارادہ کے ساتھ ان کی امداد شامل حال ہو جاتی ہے (مومن کے لیل و نہار)

مسواک

یوں تو بالعموم دانتوں کو صاف رکھنا اور اجلا بنانا بڑے بڑے فوائد پر مبنی ہے مگر اس کے ساتھ یہ بات بھی نہایت ہی انسب اور عمدہ ہے کہ جب کسی عالی شان دربار میں جانا ہو تو قبل از حضور دربار ظاہری شکل و شباہت کا سنوارنا اور دانتوں کا صاف کرنا بھی بڑا ضروری ہے کیونکہ بات چیت کرنے کے وقت دانتوں کی زردی اور میل نظر پڑنے سے طبائع سلیمہ کو نفرت ہوتی ہے۔ پس احکم الحاکمین سے بڑھ کر کس کا دربار عالی شان ہوسکتا ہے، جس کے لئے یہ اہتمام کیا جائے کیونکہ ان اللہ جمیلٌ یحب الجمال یعنی اللہ تعالیٰ جمیل ہیں اور جمال کو پسند کرتے ہیں۔ اسی وجہ سے اعظم شعار اللہ یعنی نماز پڑھنے سے پہلے جیسے دیگر اعضاء سے میل کچیل صاف کرنے کا اہتمام کیا جاتا ہے ایسے ہی دانتوں کے میل و مسوڑھوں کی عفونت کو رفع کرنا بھی مستحسن ہے یہی وجہ ہے کہ نماز سے پہلے مسواک کا استعمال کیا جاتا ہے۔

جب کوئی بندہ مالک الملک اور احکم الحاکمین کے دربار عالی میں حاضری اور نماز کے ذریعہ اس سے مخاطبت اور مناجات کا ارادہ کرے اور یہ سوچے کہ اس کی عظمت و کبریائی کا حق تو یہ ہے کہ مشک و گلاب سے اپنے دہن و زبان کو دھو کر اس کا نام نامی لیا جائے اور اس کے حضور میں کچھ عرض کیا جائے لیکن چونکہ اس مالک نے اپنی عنایت و رحمت سے صرف مسواک ہی کا حکم دیا ہے اس لئے میں مسواک کرتا ہوں۔ بہر حال جب کوئی بندہ اللہ تعالیٰ کی عظمت کے اس احساس اور ادب کے اس جذبہ سے نماز کے لئے مسواک کرے تو خدا کی خوشنودی و رضا حاصل ہوگی۔ اور یہ مسواک والی نماز اس نماز کے مقابلہ میں جو بلا مسواک پڑھی جائے ستر گنا فضیلت رکھتی ہے۔

مسواک اور سائنس ..... اطباء جدید و قدیم اس اصول پر متفق ہیں کہ اکثر

امراض جوانسانی صحت کے لئے مہلک ہیں دانتوں کی خرابی سے پیدا ہوتے ہیں کیونکہ جتنی غذائیں انسان کے اندر جاتی ہیں پہلے انہیں دانتوں ہی سے واسطہ پڑتا ہے اب دانت اگر خراب ہوں گے یا مسوڑھوں میں پیپ یا گندا مواد جمع ہو تو ان کے جراثیمی اثرات غذا میں مختلط ہو کر اندر چلے جائیں گے۔ جن کا یہ لازمی نتیجہ ہے کہ وہ زہریلے جراثیم اندر جا کر امراض کا باعث بنیں گے۔ ان جراثیم سے بعض بعض ایسی مہلک بیماریاں بھی پیدا ہوتی ہیں جو انسان کو ختم کر کے چھوڑتی ہیں۔

ڈاکٹر اے سی سلمن ایم ڈی لکھتے ہیں کہ دانت تندرستی کے لئے اس قدر مفید سمجھے جاتے ہیں کہ ان کی حالت صحت پر ایسا اثر ڈالتی ہے کہ یورپ کے ایک ملک میں فوج کے ہر سپاہی کے دانت اور دانت صاف کرنے کے برش کا معائنہ روزانہ اسی طرح ہوتا ہے جس طرح توپ اور بندوقوں کا معائنہ کیا جاتا ہے۔ اسلام جو کہ ایک فطری مذہب ہے اس میں ایسی جامعیت ہے جس میں دین و دنیا کی تمام بھلائیاں سمٹ کر آ گئی ہیں۔ اسلام میں مسلمانوں کو تاکید کی گئی ہے کہ وہ ہر نماز کے ساتھ مسواک کر لیا کریں۔ مسواک ایک معمولی درخت کی جڑ و شاخ سے بنائی جاتی ہے۔ اس کی شکل بھی معمولی اور سادہ ہوتی ہے اور معمولی قیمت پر حاصل ہو جاتی ہے لیکن اس کے استعمال میں اتنے طبی فوائد جمع ہیں کہ عصر حاضر کے محققین ڈاکٹر بھی رائے دے چکے ہیں کہ اس لکڑی میں ایسا مادہ ہوتا ہے جس کے استعمال سے دانتوں کی جملہ امراض رفع ہو جاتی ہیں۔ اگر لوگ مسواک کے سادہ فطری طریقہ پر عمل کریں تو اخروی اجر کے علاوہ ہزاروں مہلک امراض سے بھی بچاؤ ہو سکتا ہے۔

مسواک وضو کی سنت یا نماز کی

مسواک حنفیوں کے نزدیک وضو کی سنت ہے اور شافعیوں کے نزدیک نماز کی سنت ہے۔ ان کے نزدیک ہر نماز کے لئے جدا جدا مسواک کرنا باعث ثواب ہے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں کہ اگر مجھے امت پر ایک تنگی کا احساس نہ ہوتا تو میں

اپنی امت پر ہر نماز کے ساتھ مسواک کرنا لازم کر دیتا۔ یعنی اس کے نہ کرنے سے مواخذہ ہوتا۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں کہ جب نماز پڑھنے والا مسواک کر کے نماز میں قرآن پڑھتا ہے تو فرشتے قرآن کے ہر الفاظ کو بڑی محبت سے سنتے ہیں۔ اور ان الفاظ کی نورانی تجلی کو اپنے اندر جذب کر لیتے ہیں۔ (ابن ماجہ)

بحر الرائق شرح کنز الدقائق میں شیخ ابن نجیمؒ فرماتے ہیں کہ مسواک نرم ہونی چاہئے مگر ایسی نرم بھی نہیں کہ اس سے مقصد حاصل نہ ہو سکے۔ اور مسواک ایک بالشت ہونی چاہئے اور کڑوے درخت سے ہو (ہکذا فی فتح القدیر)

مطلب یہ ہے کہ مسواک ایسی خشک اور سخت لکڑی کی نہ ہو جو دانتوں کو نقصان پہنچائے اور نہ ایسی تر اور نرم کہ میل کو صاف نہ کر سکے بلکہ متوسط درجے کی ہو نہ بہت نرم اور نہ بہت سخت۔ زہریلے درخت کی بھی نہ ہو۔ پیلو یا زیتون یا کسی کڑوے درخت مثل نیم وغیرہ کے ہو تو بہتر ہے ورنہ جو میسر آ سکے لمبائی میں ایک بالشت ہونی چاہئے استعمال سے تراشتے تراشتے اگر کم ہو جائے تو مضائقہ نہیں۔ موٹائی میں انگوٹھے سے زیادہ نہ ہو بلکہ چھنگلیا کے برابر ہونی چاہئے۔

نیز شامی میں علامہ سید محمد امین عابدین بن عمر عابدین جو کہ ۱۱۹۸ھ میں پیدا ہوئے اور ۲۱ ربیع الثانی ۱۲۵۲ھ میں ۵۴ سال کی عمر پا کر فوت ہو گئے اور دمشق باب الصغیر کے مقبرہ میں دفن ہوئے (حضرت علی رضی اللہ عنہ کی اولاد سے ہیں) مسواک کے متعلق ہدایات یوں فرماتے ہیں۔

مسواک سے متعلق ہدایات

(۱) مسواک کا دائیں ہاتھ سے پکڑنا' (۲) مسواک کا سیدھا ہونا (۳) گرہ دار نہ ہونا۔ (۴) نرم ہونا (۵) خنصر یعنی چھوٹی انگلی کے برابر موٹا ہونا (۶) ایک بالشت لمبا ہونا (۷) منہ کی چوڑائی میں مسواک کرنا (۸) موذی چیز سے مسواک کرنا مکروہ ہے۔ (۹) زہریلی چیز سے مسواک حرام ہے۔ (۱۰) اوپر نیچے مسواک نہ کرنی چاہئے یعنی پہلے اوپر کے دانتوں کے طول میں داہنی طرف مسواک کرے پھر بائیں طرف اسی طرح کرے پھر

نیچے کے دانتوں میں اسی طرح کرے اور ایک بار مسواک کرنے کے بعد مسواک کو منہ سے نکال کر نچوڑ دے اور از سر نو پانی سے دھو کر بھگو کرے۔ اسی طرح تین بار کرے۔ اس کے بعد مسواک دھو کر دیوار وغیرہ سے کھڑی کر کے رکھ دے۔ زمین پر ویسے ہی نہ رکھے۔ دانتوں کے عرض میں مسواک نہ کرنی چاہئے۔ (۱۱) مسواک لیٹ کر نہ کرنی چاہئے کیونکہ اس سے تلی بڑھ جاتی ہے۔ (۱۲) مسواک مٹھی میں نہ پکڑنا چاہئے کیونکہ اس سے بواسیر کی مرض پیدا ہوتی ہے۔ (۱۳) مسواک کو چوسنا بھی نہ چاہئے کیونکہ اس سے بینائی کمزور ہوتی ہے۔ (۱۴) مسواک کر کے دھو لینا چاہئے تا کہ شیطان اسے استعمال نہ کرے۔ (۱۵) ایک بالشت سے زائد نہ ہو۔ ورنہ اس پر شیطان سواری کرتا ہے۔

مسواک کے فائدے

(۱) موت کے علاوہ ہر بیماری کے لئے شفاء ہے۔

(۲) مسواک کی ہمیشگی سے کلمہ شہادت موت کے وقت نصیب ہوتا ہے۔

(۳) انسان جلدی بوڑھا نہیں ہوتا

(۴) قوت باصرہ تیز ہوتی ہے۔

(۵) پل صراط کی دشواری سہل ہوتی ہے۔

(۶) منہ پاک وصاف ہو جاتا ہے۔

(۷) اللہ تعالیٰ راضی ہوتے ہیں۔

(۸) ملائکہ خوش ہوتے ہیں۔

(۹) منہ کی بدبو دور ہوتی ہے۔

(۱۰) دانت صاف ہوتے ہیں اور مسوڑھے مضبوط ہوتے ہیں۔

(۱۱) طعام ہضم ہوتا ہے۔

(۱۲) بلغم ختم ہوتا ہے۔ اور بلغم ہی ام الامراض ہے۔

(۱۳) نماز کا ثواب زیادہ ملتا ہے۔

(۱۴) قرآن پڑھنے کی راہ یعنی منہ پاک صاف ہوتا ہے۔

(۱۵) فصاحت بڑھتی ہے۔

(۱۶) معدہ قوی ہوتا ہے

(۱۷) شیطان کو رنج ہوتا ہے۔

(۱۸) حسانات یعنی اچھے افعال میں زیادتی ہوتی ہے

(۱۹) صفرا ختم ہوتا ہے۔

(۱۹) سر کی رگوں میں سکون اور دانتوں کے درد کو تسکین ہوتی ہے۔

(۲۰) موت کے وقت روح آسانی سے نکلتی ہے۔

(۲۱) مظاہر حق میں ایک حدیث کے ذیل میں مرقوم ہے کہ مسواک کرنے کے ستر فائدے ہیں۔ ادنیٰ فائدہ یہ ہے کہ کلمہ شہادت کو موت کے وقت یاد رکھے گا۔ اور افیون کھانے میں ستر نقصان ہیں۔ ادنیٰ نقصان یہ ہے کہ کلمہ شہادت کو موت کے وقت بھول جائیگا۔

احمد نے ابی امامہؓ سے روایت کی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جب کبھی جبرائیل علیہ السلام میرے پاس تشریف لاتے تو مجھے مسواک کا حکم کرتے۔ میں اس بات سے ڈر گیا کہ میں اپنے منہ کی اگلی طرف چھیل ڈالوں۔ یعنی جبرائیل کے تاکید کرنے کے سبب سے مسواک کا بہت استعمال کرتا ہوں۔ مجھے اپنے منہ کے چھل جانے کا خوف ہوتا ہے۔ (مسند احمد)

مسواک کے بارہ میں حضرت جبرائیل علیہ السلام کی بار بار یہ تاکید و وصیت دراصل اللہ تعالیٰ ہی کے حکم سے تھی اس کا خاص راز یہ تھا کہ جو ہستی اللہ تعالیٰ سے مخاطبہ اور مناجاۃ میں ہمہ وقت مصروف رہتی ہو اور اللہ کا فرشتہ جس کے پاس بار بار آتا ہو اور اللہ کے پاک کلام کی تلاوت اور اس کی طرف دعوت جس کا خاص وظیفہ ہو اس کے لئے خاص طور سے ضروری ہے کہ وہ مسواک کا بہت زیادہ اہتمام کرے۔ اسی لئے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم مسواک کا بہت زیادہ اہتمام فرماتے تھے۔

اللہ تعالیٰ کی کبریائی و جبروت و عظمت اور شان کو سامنے رکھتے ہوئے حقیقت تو یہ ہے۔

ہزار بار بشویم دہن ز مشک و گلاب ہنوز نام تو گفتن کمال بے ادبی ست

مسواک کرنے کا طریقہ

جب مسواک کرنے لگیں تو مسواک کی لکڑی کو ایسے پکڑیں کہ آپ کی چھوٹی انگلی (خنصر) مسواک کے نیچے ہو اور باقی تین انگلیاں اوپر یعنی بنصر، وسطیٰ اور انگشت شہادت یہ تینوں درمیان والی انگلیاں مسواک کے اوپر رکھی جائیں اور ابہام یعنی انگوٹھا مسواک کے نیچے ہو۔ مسواک کے پکڑنے کا طریقہ پھر سمجھ لیجئے اس میں اکثر لوگ غلطی کھا جاتے ہیں۔ فقہ کی کتابوں میں مسواک کا طریقہ اس طرح مرقوم ہے کہ مسواک داہنے ہاتھ میں اس طرح لے کہ مسواک کے ایک سرے کے قریب انگوٹھا اور دوسرے سرے کے نیچے اخیر کی انگلی اور درمیان میں اوپر کی جانب باقی تین انگلیاں رکھے اور مٹھی باندھ کر نہ پکڑے۔ مسواک کو اوپر نیچے نہ مارنا چاہئے تاکہ مسوڑھوں کا گوشت نہ اکھڑ جائے۔ ساتھ ہی یہ احتیاط بھی ملحوظ رکھیں کہ مسواک کو پہلے نرم کرلیں اور پانی سے دھولیں۔ جو منہ سے میل کچیل نکلے اسے باہر تھوکتے جائیں کیونکہ اس کا نگلنا مضر صحت ہے نیز مسواک صرف دانتوں کے باہر کے حصہ پر منحصر نہ رہنا چاہئے بلکہ مسواک کو اندر بھی لگائیں اور زبان بھی اس سے صاف کریں۔

غسل کا مسنون طریقہ

غسل کے فرض تین ہیں۔ (۱) اس طرح کلی کرنا کہ سارے منہ میں پانی پہنچ جائے (۲) ناک میں پانی ڈالنا جہاں تک ناک نرم ہے۔ (۳) سارے بدن پر پانی پہنچانا اور پانی پہنچانا بالوں کی جڑ میں اگرچہ بال گھنے ہوں۔ اسی طرح پانی پہنچانا داڑھی کے بالوں کے اندر فرض ہے۔ ناف کا دھونا بھی فرض ہے۔ یہ سب چیزیں تیسری قسم یعنی سارے جسم کے دھونے میں شامل ہیں۔

عورت کا غسل بھی مثل غسل مرد کے ہے لیکن گوندھی ہوئی چوٹی کا کھولنا اور دھونا کچھ ضروری نہیں۔ جبکہ پانی بالوں کی جڑ میں پہنچ جائے۔ اگر بغیر کھولے سب جڑوں میں پانی نہ پہنچ سکے تو کھول ڈالے اور بالوں کو پانی میں بھگووے۔ اگر سر کے بال گندھے ہوئے نہ ہوں تو سب بال بھگونا اور ساری جڑوں میں پانی پہنچانا فرض ہے۔ ایک بال بھی

سوکھا رہ گیا یا ایک بال کی جڑ میں پانی نہ پہنچا تو غسل نہ ہوگا۔ مرد کا حکم یہ ہے کہ اگر بال گوندھے ہوئے یا لٹکے ہوئے ہیں تو ان کا دھونا واجب ہے۔ (غنیۃ الفقہاء اور محیط)

اگر ناخن میں آٹا سوکھ گیا اور اس کے نیچے پانی نہیں پہنچا یا آج کے رواج کے مطابق ناخن پالش کیا اور اسکے نیچے پانی نہیں پہنچا یا مسی کی دھڑی یعنی تہ ایسی جمائی ہے کہ اس کے نیچے پانی نہیں پہنچا تو ان سب صورتوں میں غسل نہ ہوگا۔ وقت غسل شرمگاہ کا دھونا فرض ہے اگر چہ اس پر نجاست نہ ہو۔ غسل میں بدن ملنا گو فرض نہیں ہے مگر احتیاطاً جسم کو اچھی طرح مل لے تا کہ تمام بدن تر ہو جائے اور ہر بال کے نیچے کی جنابت بھی دور ہو جائے۔ غسل کرنے کا مسنون طریقہ یہ ہے کہ غسل کرنے والے کو چاہئے کہ پہلے گٹوں تک دونوں ہاتھ دھوئے پھر استنجے کی جگہ دھوئے۔ ہاتھ اور استنجے کی جگہ پر نجاست ہو تب بھی اور نہ ہو تب بھی ہر حال میں ان دونوں کو پہلے دھونا چاہئے۔ پھر جہاں بدن پر نجاست لگی ہو پاک کرے۔ پھر وضو کرے۔ اگر غسل کرنے والا کسی چوکی یا پتھر وغیرہ پر بیٹھ کر غسل کرتا ہو تو وضو کرتے وقت پاؤں بھی دھو لیوے اور اگر ایسی جگہ ہے کہ۔ پاؤں بھر جائیں گے اور غسل کے بعد پھر دھونے پڑیں گے تو سارا وضو کرے مگر پاؤں نہ دھوئے۔ پھر وضو کے بعد تین مرتبہ اپنے سر پر پانی ڈالے۔ پھر تین مرتبہ داہنے کندھے پر پھر تین مرتبہ بائیں کندھے پر پانی ڈالے۔ ایسے طور پر کہ سارے بدن پر پانی بہ جائے۔ پھر اس جگہ سے ہٹ کر پاک جگہ میں آئے۔ اور پھر پاؤں دھووے۔ اور اگر وضو کے وقت پاؤں دھو لئے ہوں تو اب دھونے کی حاجت نہیں۔ سارے بدن پر اچھی طرح ہاتھ پھیر لیوے تب پانی بہائے تا کہ سب جگہ اچھی طرح پانی پہنچ جائے۔ اگر غسل کے بعد یاد آئے کہ فلانی جگہ سوکھی رہ گئی تو پھر سے نہانا واجب نہیں۔ بلکہ جہاں سوکھا رہ گیا تھا اس کو دھو لیوے لیکن فقط ہاتھ پھیرنا کافی نہیں ہے بلکہ تھوڑا سا پانی لے کر اس جگہ بہانا چاہئے جنبی آدمی کو جس پر نہانا فرض ہے اسے غسل میں بڑی احتیاط برتنی چاہئے تا کہ کوئی فرض غسل کا رہ نہ جائے۔

تیمّم کی حکمت

بسا اوقات آدمی ایسی حالت اور کسی ایسی بیماری میں مبتلا ہوتا ہے کہ غسل یا وضو کرنا اس کے لئے مضر ہوتا ہے۔ اسی طرح کبھی آدمی ایسی جگہ ہوتا ہے کہ غسل یا وضو کے لئے وہاں پانی ہی میسر نہیں ہوتا۔ ان حالات میں اگر بلا غسل اور بلا وضو یوں ہی نماز پڑھنے کی اجازت دے دی جاتی تو اس کا ایک نقصان تو یہ ہوتا کہ ان اتفاقات سے طبیعتیں ترک طہارت کی عادی ہو جاتیں اور دوسرا اس سے بڑا ضرر یہ ہوتا کہ غسل اور وضو کی پابندی سے اللہ تعالیٰ کا دربار کی حاضری کا جو اہتمام محسوس ہوتا ہے اور اس کی وجہ سے اس حاضری کی عظمت اور اس کے تقدس کا جو تصور ذہن پر چھایا ہوا رہتا ہے وہ مجروح ہوتا اس لئے اللہ تعالیٰ کی حکمت نے مجبوری کے ایسے حالات میں تیمم کو غسل اور وضو کا قائم مقام بنا دیا ہے۔ اب غسل اور وضو سے مجبور ہونے کے حالات میں جب آدمی نماز وغیرہ کے لئے تیمم کا اہتمام کرے گا تو اس کی عادت اور اس کے ذہن پر ان شاء اللہ اس طرح کا کوئی غلط اثر نہیں پڑے گا۔

تیمم یہ ہے کہ سطح زمین پر یا مٹی یا پتھر یا ریت جیسی کسی چیز پر یعنی جو ایسی چیزیں سطح زمین پر عموماً ہوتی ہیں ان میں سے کسی پر طہارت کی نیت سے ہاتھ مار کر وہ ہاتھ چہرے اور ہاتھوں پر پھیر لئے جائیں اس طرح بس ہاتھ پھیر لینے سے تیمم ہو جاتا ہے۔ مٹی وغیرہ کا چہرے یا ہاتھوں پر لگنا ضروری نہیں ہے بلکہ اہتمام کرنا چاہئے کہ مٹی وغیرہ چہرے اور ہاتھوں پر نہ لگے۔

تیمّم کا طریقہ۔ تیمم کرنے کا طریقہ یہ ہے کہ دونوں ہاتھ پاک زمین پر مارے اور سارے منہ کو مل لیوے پھر دوسری مرتبہ زمین پر دونوں ہاتھ مارے اور دونوں ہاتھوں پر کہنیوں سمیت ملے۔ اگر اس کے گمان میں ناخن برابر بھی کوئی جگہ چھوٹ جائے گی تو تیمم نہ ہوگا۔ اس لِئے انگوٹھی چھلے وغیرہ اتار ڈالے تا کہ کوئی جگہ چھوٹ نہ جائے۔ انگلیوں میں خلال کر لیوے۔ جب یہ دونوں چیزیں کر لیں تو تیمم ہو گیا۔

بہتر صورت تیمم کی یہ ہے کہ پہلے نیت کرے تیمم کی۔ اس واسطے کہ نیت تیمم میں فرض ہے۔ تب دونوں ہاتھوں کو پاک زمین پر مارے ایک بار۔ اور مسح کرے تمام منہ کو بال جمنے

کی جگہ سے ٹھوڑی کے نیچے تک اور ایک کان کی لو سے دوسرے کان کی لو تک۔ پھر دوسری بار دونوں ہاتھوں کو زمین پر مارے اور مسح کرے دونوں ہاتھوں کو کہنیوں تک اس طرح کہ پہلے بائیں ہاتھ کی وسطی انگلی اور بنصر (یعنی وہ انگلی جو چھنگلی اور بیچ والی انگلی کے درمیان ہے) اور خنصر (یعنی چھنگلی جو چھوٹی انگلی ہے) ان تینوں انگلیوں اور تھوڑی ہتھیلی سے داہنے ہاتھ کی پشت کو انگلیوں کے سر سے کہنیوں تک مسح کرے۔ تب داہنے ہاتھ کی دوسری طرف یعنی ہتھیلی والی طرف کو انگوٹھے اور انگشت شہادت سے مسح کرے۔ انگلیوں کے سر تک۔ پھر اسی طرح سے داہنے ہاتھ سے بائیں ہاتھ کو مسح کرے۔ اس تیمم میں یہی تین فرض ہیں یعنی نیت کرنا اور منہ کا مسح اور ہاتھوں کا مسح اور فقط دو بار ہاتھ مارنے کا حکم ہے۔ اور دوبارہ ہاتھ مارنا کفایت کرتا ہے۔ اگر ایک شخص کو نہانے کی حاجت ہو اور وضو بھی کرنا ہو تو دونوں کے واسطے ایک تیمم کافی ہے۔ مگر نیت دونوں کے واسطے کرے۔ اگر ایک ہی کے واسطے نیت کی تو دوسرے کا تیمم نہ ہوا۔ باقی مسائل فقہ کی کتابوں اور بہشتی زیور میں ملاحظہ کیجئے۔

تیمّم کی حکمت۔ تیمّم کی حکمت یہ ہے کہ غسل اور وضو میں پانی استعمال ہوتا ہے اللہ تعالیٰ نے مجبوری کی حالت میں اس کی بجائے تیمّم کا حکم دیا۔ جس میں مٹی اور پتھر وغیرہ کا استعمال ہوتا ہے۔ اس کی ایک حکمت تو بعض اہل تحقیق نے یہ بیان کی ہے کہ پوری زمین کے دو ہی حصے ہیں۔ ایک بڑے حصہ کی سطح پانی ہے اور دوسرے کی سطح مٹی و پتھر وغیرہ۔ اس لئے مٹی اور پانی میں خاص مناسبت ہے نیز انسان کی ابتدائی تخلیق بھی مٹی اور پانی ہی سے ہوئی ہے۔ علاوہ ازیں مٹی ہی ایسی چیز ہے جس کو انسان سمندر کے علاوہ ہر جگہ پا سکتا ہے اور مٹی کو ہاتھ لگا کر منہ پر پھیرتے ہیں۔ مٹی میں تذلل اور خاکساری کی بھی ایک خاص شان ہے چونکہ انسان کا آخری ٹھکانہ مٹی اور خاک ہی ہے۔ اور اس کو خاک ہی میں ملنا ہے اس لئے تیمّم میں موت اور قبر کی بھی یاد ہے۔

تیمّم گو ایک وجہ سے خلاف عقل ہے کیونکہ مٹی خود آلودہ ہے وہ نہ پلیدی اور نہ میل کو دور کرتی ہے اور نہ ہی بدن اور کپڑے کو پاک کر سکتی ہے۔ جواب اس کا یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اس عالم کی ہر چیز کو مٹی اور پانی سے پیدا کیا۔ ہماری سرشت کی اصل یہی

دونوں چیزیں ہیں جن سے ہمارا نشو ونما اور ہماری تقویت وغذا ہوتی ہے جس کا ہم کو مشاہدہ بھی ہو رہا ہے۔ پس جبکہ خدا نے اس مٹی اور پانی کو ہماری نشو ونما وتقویت وغذا کے اسباب ٹھہرائے تو ہمارے پاک اور ستھرا ہونے کے لئے اور عبادت میں مدد لینے کے لئے بھی انہی کو وضع فرمایا۔ وجہ یہ ہے کہ مٹی وہ اصل چیز ہے جس سے بنی آدم وغیرہ کی پیدائش ہوئی ہے۔ ادھر پانی ہر چیز کی زندگی کا باعث ہے۔ الغرض اس عالم کی تمام اشیاء کی پیدائش کی اصل یہی دونوں چیزیں ہیں۔ مٹی اور پانی جن سے خدا نے اس عالم کو مرکب کیا ہے پس جبکہ ہماری پیدائش اور تقویت اور نشو ونما مٹی اور پانی سے ہوئی ہے تو جسمانی اور روحانی پاکی کے لئے بھی انہیں کو خدا نے لازم ٹھہرایا۔

تیمّم کا دو عضو سے مخصوص ہونا...... تیمّم دو اندا موں یعنی ہاتھوں اور چہرہ کے ساتھ مخصوص ہونا اور پاؤں وسر پر تیمّم مشروع نہ ہونا اس وجہ سے ہے کہ مٹی کا سر پر ڈالنا ناپسندیدہ ومکروہ امر شمار کیا جاتا ہے کیونکہ مٹی کا سر پر ڈالنا مصائب اور تکالیف کے وقت لوگوں میں مروج ہے۔ اس وجہ سے سر پر مٹی ملنا مشروع نہیں ہوا۔ کیونکہ یہ امر عنداللہ وعندالناس مکروہ و ناپسندیدہ ہے۔ اور تیمّم میں پیروں پر ہاتھ پھیرنے کا حکم اس لئے نہیں دیا گیا کہ پیر تو خود ہی گرد وغبار سے آلودہ رہتے ہیں۔ اور حکم ایسی چیز کا دیا جاتا ہے جو پہلے سے نہ پائی جاتی ہوتا کہ نفس میں اس کے کرنے سے تنبیہ پائی جائے۔ واللہ تعالیٰ اعلم باسرار دینہ۔

اذان کی فضیلت

حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے سنا ہے فرماتے تھے کہ شیطان جب نماز کی پکار یعنی اذان سنتا ہے تو مقام روحاء کے برابر چلا جاتا ہے۔ (صحیح مسلم)

تشریح: اللہ کی مخلوق میں بعض چیزیں ایسی ہیں جو بعض دوسری چیزوں کے لئے ناقابل برداشت ہیں مثلاً اندھیرے کے لئے آفتاب ناقابل برداشت ہے۔ آفتاب کے نکلتے ہی اندھیرا کافور ہو جاتا ہے۔ اسی طرح سردی کے لئے آگ ناقابل برداشت ہے۔ جہاں آگ روشن کر دی جائے وہاں سے سردی دفع ہو جاتی ہے بس کچھ یہی حال شیطان کا اذان کی پکار سے ہوتا ہے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا فرمان ہے کہ جیسے ہی وہ اس کو سنتا ہے اتنی دور چلا جاتا ہے جتنی دور مدینہ سے مقام روحاء ہے۔

صحیح مسلم میں مروی ہے کہ روحاء مدینہ سے ۳۶ میل دور ہے حدیث کی روح یہ ہے کہ اذان جو توحید اور ایمان کی پکار ہے جس طرح وہ اللہ تعالیٰ کو نہایت محبوب ہے اور اس کے اچھے بندے اس کو سن کر مسجدوں کی طرف دوڑ پڑتے ہیں۔ اسی طرح شیطان مردود کے لئے اذان کی آواز گویا بم کا گولہ ہے۔ جہاں اللہ کے منادی نے اذان شروع کی وہ اس سے ایسا بھاگتا ہے جیسے آفتاب سے اندھیرا کافور ہوتا ہے۔ واللہ اعلم۔

حضرت معاویہ رضی اللہ عنہٗ سے روایت ہے کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے خود سنا ہے آپ فرماتے تھے کہ اذان کہنے والے قیامت کے دن دوسرے سب لوگوں کے مقابلے میں دراز گردن یعنی سر بلند ہوں گے۔ (صحیح مسلم)

آواز مؤذن...... مؤذن کی آواز جہاں تک پہنچتی ہے جو اذان کو سنتا ہے وہ قیامت

میں اس مؤذن کے لئے شہادت دے گا۔ جو شخص جنگل میں اپنی بکریاں چراتا ہو اور اذان کا وقت آ جائے تو بلند آواز سے اذان کہے کیونکہ جہاں تک اس کی آواز جائے گی قیامت میں وہ تمام چیزیں اس کے لئے گواہ ہوں گی۔ (بخاری شریف)

مؤذن کی بخشش اور مغفرت اس کی درازیٔ آواز کے موافق ہے ہر خشک و تر اس کی مغفرت کی دعا کرتا ہے۔ (احمد)

اذان پر ساٹھ نیکیاں اور اقامت پر تیس نیکیاں ملتی ہیں (حاکم)

ارشاد نبوی ہے کہ جس نے اذان سن کر مجھ پر درود بھیجا اور اللہ تعالیٰ سے میرے لئے وسیلہ اور مقام محمود طلب کیا تو اس پر میری شفاعت حلال ہوگئی (مسلم شریف)

فرمایا جو شخص مؤذن کے جواب میں وہی الفاظ دہراتا ہے یعنی اذان کے الفاظ لیکن **حی علی الصلوٰۃ** اور **حی علی الفلاح** کے جواب میں **لاحول ولا قوۃ الا باللہ** (برائی سے بچنے اور نیکی کی طرف مائل ہونے کی طاقت بغیر خدا کی مدد کے نہیں) کہتا ہے تو یہ شخص جنت میں جائے گا (مسلم شریف)

فرمایا دو وقت ایسے ہیں جس میں کسی دعا مانگنے والے کی دعا رد نہیں ہوتی ایک جب موذن تکبیر شروع کرے اور نماز کے لئے صفیں سیدھی ہو رہی ہوں دوسرے جہاد کی صف میں۔ (ابن حبان)

حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:۔

''اذان کہنے والے اور تلبیہ پڑھنے والے اپنی قبروں سے اس حال میں نکلیں گے کہ اذان کہنے والے اذان پکارتے ہوں گے اور تلبیہ (جو حج اور عمرہ کرنے والوں کا خاص ذکر اور گویا ترانہ ہے) پڑھنے والے تلبیہ کی صدا بلند کرتے ہوں گے (معجم اوسط للطبرانی)

فضیلت اذان کا راز......اذان اور مؤذنوں کی جو غیر معمولی فضیلتیں ان حدیثوں میں بیان فرمائی گئی ہیں ان کا راز یہی ہے کہ اذان ایمان و اسلام کا شعار اور اپنے معنیٰ و ترتیب کے لحاظ سے دین کی نہایت بلیغ اور جامع دعوت و پکار ہے۔ اور موذن اس کا داعی اور گویا اللہ تعالیٰ کا نقیب اور منادی ہے۔

افسوس آج ہم مسلمانوں نے اس حقیقت کو بالکل بھلا دیا ہے اور اذان کہنا ایک

حقیر پیشہ بن گیا ہے۔ اللہ تعالیٰ ہمارے اس عظیم ترین اجتماعی گناہ کو معاف فرمائے اور توبہ واصلاح کی ہمیں توفیق دے۔

یادرکھئے اذان کے دو پہلو ہیں یا کہنا چاہئے کہ اذان دو حیثیتوں کی جامع ہے۔

ایک یہ کہ وہ نماز با جماعت کا اعلان اور بلاوا ہے۔

دوسرے یہ کہ وہ ایمان کی دعوت و پکار اور دین حق کا منشور ہے۔

پہلی حیثیت سے اذان سننے والے ہر مسلمان کے لئے ضروری ہے کہ وہ اذان کی آواز سنتے ہی نماز میں شرکت کے لئے تیار ہو جائے اور ایسے وقت مسجد میں پہنچ جائے کہ جماعت میں شریک ہو سکے۔

دوسری حیثیت سے ہر مسلمان کو حکم ہے کہ وہ اذان سنتے وقت اس ایمانی دعوت کے ہر جزو اور ہر کلمے کی اور اس آسمانی منشور کی ہر دفعہ کی اپنے دل اور اپنی زبان سے تصدیق کرے اور اس طرح پوری اسلامی آبادی ہر اذان کے وقت اپنے ایمانی عہد و میثاق کی تجدید کیا کرے۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اذان کا جواب دینے کی اور اس کے بعد کی دعا میں پھر کلمہ شہادت پڑھنے کی اور اپنے ارشادات میں جو تعلیم و ترغیب دی ہے اس کی خاص حکمت یہی ہے واللہ اعلم۔ اس سے یہ بات بھی سمجھ میں آ جاتی ہے کہ اذان کا جواب جو بظاہر ایک معمولی سا عمل ہے اس پر داخلہ جنت کی بشارت کا کیا راز ہے؟

اذان کا جواب

فرمائش رسول صلی اللہ علیہ وسلم: آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے امت کیلئے بیشمار دعائیں فرمائی ہیں البتہ ایک دعا کی فرمائش امت سے کی ہے کہ وہ دعا میرے لئے کرو اور یہی وہ دعا ہے جو اذان کے بعد کی جاتی ہے، یہ ہمارے محسن اعظم صلی اللہ علیہ وسلم کی فرمائش ہے، اس کا بہت اہتمام کرنا چاہئے ان کے احسانات کا شکر تو ہم عمر بھی ادا نہیں کر سکتے، لیکن یہ اس محبت کا ادنیٰ حق ہے جسے ادا کرنا ہمارے لئے بڑی سعادت ہے۔ (البلاغ عارفی نمبر)

اذان کے بعد کی دعا: اذان ختم ہونے کے بعد اول درود شریف پڑھے پھر حسب ذیل دعاء

وسیلہ پڑھے: اَللّٰھُمَّ رَبَّ ھٰذِہِ الدَّعْوَۃِ التَّامَۃِ وَالصَّلٰوۃِ الْقَائِمَۃِ آتِ مُحَمَّدَ نِ الْوَسِیْلَۃَ وَ الْفَضِیْلَۃَ وَابْعَثْہُ مَقَاماً مَحْمُوْدَ نِ الَّذِیْ وَعَدْتَہٗ اِنَّکَ لَا تُخْلِفُ الْمِیْعَادَ.

شفاعت کی دولت: حدیث شریف میں ہے جو کوئی میرے لئے وسیلہ کی دعا (مذکورہ بالا دعاء) مانگے وہ میری شفاعت کا ضرور مستحق ہوگا۔

اذان کا جواب: جب موذن کی اذان سنے تو جو کلمات موذن کہتا جائے خود بھی وہی کلمات اذان کہتا جائے۔ **حی علی الصلوٰۃ** اور **حی علی الفلاح** کے جواب میں **لاحول ولا قوۃ الا باللہ** کہے۔ (حصن حصین)

اذان کے جواب کا اجروثواب: حدیث شریف میں آیا ہے کہ جو شخص دل سے اذان کا جواب دے گا جنت میں داخل ہوگا۔ (حصن حصین)

علامہ منذریؒ نے الترغیب میں ایک روایت نقل کی ہے جس میں اذان کا جواب دینے والے کو اذان کے ہر حرف پر ایک ہزار نیکیاں ملنے کی فضیلت بیان ہوئی ہے۔ (البلاغ بابت جون ۱۹۸۱ء ص ۶۱)

مغفرت کاملہ: حضرت سعد بن ابی وقاصؓ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جس نے موذن کو **اشھد ان لا الہ الا اللہ** کہتے ہوئے سنا اور اس کے جواب میں یہ دعا پڑھی اس کے اگلے پچھلے گناہ بخش دیئے جائیں گے، دعا یہ ہے اَشْھَدُ اَنْ لاَ اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ وَاَنَّ مُحَمَّدًا رَّسُوْلُ اللّٰہِ رَضِیْتُ بِاللّٰہِ رَبًّا وَّبِالْاِسْلَامِ دِیْنًا وَّبِمُحَمَّدٍ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ نَبِیاً وَّ رَسُوْلاً. (نجات المسلمین ص ۱۸)

پریشانیوں سے نجات کا نسخہ: حدیث شریف میں آیا ہے کہ جو شخص کسی مصیبت یا سختی میں گرفتار ہو اسے چاہئے کہ اذان کے وقت کا منتظر رہے اور اذان کا جواب دینے کے بعد (مذکورذیل) دعا پڑھے اور اس کے بعد اپنی حاجت اور کشائش کی دعاء کرے اس کی دعاء ضرور قبول ہوگی۔ (دعاء یہ ہے)

اَللّٰھُمَّ رَبَّ ھٰذِہِ الدَّعْوَۃِ الصَّادِقَۃِ الْمُسْتَجَابُ لَھَا دَعْوَۃَ الْحَقِّ وَ کَلِمَۃَ التَّقْوٰی اَحْیِنَا عَلَیْھَا وَاَمِتْنَا عَلَیْھَا وَابْعَثْنَا عَلَیْھَا وَاجْعَلْنَا مِنْ خِیَارِ اَھْلِھَا اَحْیَاءً وَّاَمْوَاتاً. (حصن حصین ص ۱۱۸)

قبولیت دعا کا وقت: اذان کے بعد دعاء کی قبولیت کا وقت ہوتا ہے جب ہی تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اس وقت اپنے لئے دعاء کی فرمائش کی، لہٰذا اس وقت کو بہت غنیمت جاننا چاہئے اس دعاء کے فوراً بعد اپنے لئے بھی دعا کر لینی چاہئے، اللہ تعالیٰ کی رحمت سے قوی امید ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے صدقہ اور طفیل میں ہماری یہ دعا بھی قبول ہو جائیگی۔ (ابلاغ عارفی)

اذان کے وقت خاموش رہنا: حدیث میں ہے کہ حضرت عائشہؓ اذان کے وقت خود بھی کلام نہیں کرتی تھیں اور دوسروں کو بھی نہیں بولنے دیتی تھیں۔ (مجالس مفتی اعظم پاکستان)

ایک جاہل عورت مرنے کے وقت کچھ کلمات بول رہی تھی ایک مولوی صاحب نے سنا تو اس کی زبان سے یہ کلمات ادا ہو رہے تھے ان ھذین الرجلین یقولان ادخل الجنة یہ دو آدمی کہہ رہے ہیں کہ تو جنت میں داخل ہو جا، مولوی صاحب حیرت میں رہ گئے کہ یہ تو بالکل بے عمل تھی لوگوں نے بتلایا کہ جب اذان ہوتی تھی تو یہ سب کام چھوڑ دیتی اور اذان کی طرف متوجہ ہو کر سنتی تھی، دوسروں کو بھی اس وقت بولنے نہیں دیتی تھی، مولوی صاحب نے فرمایا کہ معلوم ہوتا ہے کہ اللہ کے نام کی یہ عزت کرنا ہی اس کے کام آگیا، جس نے دوسری ساری برائیوں پر پانی پھیر دیا۔

لمحۂ فکریہ: اذان کے مختصر سے عمل کے ساتھ کتنے فضائل وابستہ ہیں لیکن ہم ایسی غفلت میں مبتلا ہیں کہ نہ ہی اذان کا جواب دیتے ہیں اور نہ ہی دعائے وسیلہ پڑھنے کا اہتمام ہوتا ہے بلکہ عین اذان کے وقت بھی دنیاوی کاموں اور گفتگو میں مصروف ہوتے ہیں، حالانکہ علماء کرام نے فرمایا ہے کہ اگر کوئی تلاوت بھی کر رہا ہو تو تلاوت کو مؤخر کر کے اذان کا جواب دے، پھر بعد میں تلاوت شروع کرے، لہٰذا آئندہ سے ہم بھی ان فضائل کو حاصل کرنے کا اہتمام کریں۔

اذان کی اہمیت

اذان نماز کی دعوت اور اسلام کا پیغام ہے، احادیث میں اذان دینے والے کے فضائل بھی بتلائے گئے ہیں، لیکن جس طرح دنیا کا اصول ہے کہ ہر کام پہلے سیکھنا پڑتا ہے، تب آدمی اس شعبہ میں صحیح خدمات سرانجام دے کر ہی اس کے نتائج سے بہرہ ور ہو سکتا ہے،

اسی طرح ضروری ہے کہ جن حضرات کواذان دینے کی سعادت حاصل ہووہ اذان واقامت کا طریقہ بھی کسی عالم سے ضرور سیکھ کرمؤذن کے منصب کوسنبھالیں۔

مسلمان پانچ وقت اپنے رب کے حضور میں جاکر حاضری دیتے ہیں اس سے راز و نیاز کی باتیں کرتے ہیں اپنی عاجزی اور مسکنت کا اظہار کرتے ہوئے اس کے سامنے جھکتے اور سجدہ ریز ہو جاتے ہیں اس عبادت کے لئے بلانے کا طریقہ اذان ہے،اذان کا طریقہ اوراس کی فضیلت درج ذیل ہے۔

١- اذان کا طریقہ: حضرت جابرؓ سے روایت ہے کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے مؤذن بلالؓ سے فرمایا کہ جب تم اذان دوتو آہستہ آہستہ اورٹھہرٹھہر کردیا کرو،یعنی ہرکلمہ پرسانس توڑ دواور وقفہ کیا کرواور جب اقامت کہا کروتو جلدی کیا کرواوراپنی آذان اوراقامت کے درمیان اتنا وقفہ کیا کروکہ جوشخص کھانے پینے میں مشغول ہے وہ فارغ ہوجائے اورجس کواستنجا کا تقاضا ہے وہ اپنی ضرورت سے فارغ ہوجائے اور کھڑے نہ ہوا کروجب تک مجھے نہ دیکھ لو۔(جامع ترمذی)

حضرت سعد قرظؓ جومسجد قباء میں نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم کے مقرر کئے ہوئے مؤذن تھے ان سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے بلالؓ کوحکم دیا کہ اذان کہتے وقت اپنی دونوں انگلیاں کانوں میں دے لیا کروکہ ایسا کرنے سے تمہاری آواززیادہ بلند ہوجائے گی۔(ابن ماجہ)

٢- اقامت کا حق: حضرت زیادہ بن حارثؓ سے روایت ہے ایک دفعہ فجر کی نماز کے وقت حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے مجھے حکم دیا کہ تم اذان کہو جب میں نے اذان دی تو اس کے بعد اقامت کہنے کاوقت آیاتوبلالؓ نے ارادہ کیا کہ اقامت وہ کہیں توحضوراکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جواذان کہے وہی اقامت کہے۔(ترمذی)

٣- اذان کا جواب دو: مؤذن کے تمام الفاظ کودہرانا چاہئےلیکن **حی علی الصلوٰۃ، حی علی الفلاح** کے جواب میں **لاحول ولا قوۃ الا باللہ** کہاجائے اورفجر کی اذان میں **الصلوٰۃ خیر من النوم** کے جواب میں **صدقت و بررت** کہاجائے ان مواقع پرمؤذن کے الفاظ نہ

دہرائے جائیں، بلکہ ان کی جگہ مذکورہ بالا الفاظ کہے جائیں، اقامت میں بھی مذکورہ بالا طریقہ پر وہی الفاظ دہرائے جائیں قد قامت الصلوٰۃ کے جواب میں اقامہا اللہ و ادامہا کہا جائے اذان ختم ہونے پر درود شریف پڑھے پھر مسنون دعا پڑھے، پھر اس کے بعد اپنے لئے دعا کرے، اور اللہ تعالیٰ کے فضل کا طلب گار ہو تو آدمی کی دعا قبول ہوگی۔ (زادالمعاد)

اذان کے متعلق مسائل

۱-مؤذن کو بلند آواز ہونا چاہئے۔ ۲-اقامت مسجد کے اندر ہونی چاہئے۔

۳-آذان کہتے وقت کانوں کے سوراخوں کو انگلیوں سے بند کرنا مستحب ہے۔

۴-اذان کے الفاظ ٹھہر ٹھہر کر ادا کرنے چاہئیں اور اقامت کو جلد ادا کرنا سنت ہے۔

۵-اذان اور اقامت قبلہ رخ کہنا سنت ہے۔

۶-اذان میں حی علی الصلوٰۃ، حی علی الفلاح کہتے وقت دائیں اور بائیں منہ پھیرنا سنت ہے خواہ وہ اذان نماز کی ہو یا کسی اور چیز کی مثلاً نومولود کے کان میں اذان کہنا لیکن سینہ اور قدم قبلہ سے نہ پھیرنے چاہئیں۔

۷-اذان کے الفاظ ترتیب وار کہنا ضروری ہیں۔

۸-اگر کوئی آدمی اذان کا جواب دینا بھول جائے یا قصداً جواب نہ دے اور اذان کے بعد خیال آئے یا جواب دینے کا ارادہ کرے تو ایسی صورت میں اگر زیادہ وقت نہ گزرا ہو تو جواب دیدے۔

اذان ...... ایک عظیم الشان اعلان

دنیا کے نقشہ کو دیکھیں، اسلامی ممالک میں انڈونیشیا کرہ ارض کے مشرق میں واقع ہے، یہ ملک بے شمار جزیروں پر مشتمل ہے جن میں "جاوا" "سماترا" "بورینو" اور "سلیبز" مشہور جزیرے ہیں، طلوع سحر سلیبز کے مشرق میں واقع جزائر میں ہوتی ہے، وہاں جس وقت صبح کے ساڑھے پانچ بج رہے ہوتے ہیں، طلوع سحر کے ساتھ ہی انڈونیشیا کے انتہائی مشرقی جزائر میں فجر کی اذان شروع ہو جاتی ہے اور ہزاروں مؤذن خدائے بزرگ و برتر کی توحید اور حضرت

محمد عربی صلی اللہ علیہ وسلم کی رسالت کا اعلان کر رہے ہوتے ہیں۔

مشرقی جزائر سے یہ سلسلہ مغربی جزائر کی طرف بڑھتا ہے اور ڈیڑھ گھنٹہ کے بعد جکارتہ کے موذنوں کی آواز گونجنے لگتی ہے، جکارتہ کے بعد یہ سلسلہ سماترا میں شروع ہو جاتا ہے اور سماترا کے بعد مغربی قصبوں اور دیہات سے پہلے ہی ملایا کی مسجدوں میں اذانیں بلند ہونا شروع ہو جاتی ہیں، ملایا کے بعد برما کی باری آتی ہے، جکارتہ سے اذانوں کا جو سلسلہ شروع ہوتا ہے وہ ایک گھنٹہ بعد ڈھاکہ پہنچتا ہے۔

بنگلہ دیش میں بھی اذانوں کا یہ سلسلہ ختم نہیں ہوتا کہ کلکتہ سے سرینگر تک اذانیں گونجنے لگتی ہیں، دوسری طرف یہ سلسلہ کلکتہ سے بمبئی کی طرف بڑھتا ہے اور پورے ہندوستان کی فضا توحید و رسالت کے اعلان سے گونج اٹھتی ہے، سری نگر اور سیالکوٹ میں فجر کی اذان کا ایک ہی وقت ہے، سیالکوٹ سے کوئٹہ، کراچی، اور گوادر تک چالیس منٹ کا فرق ہے، اس عرصہ میں فجر کی اذان پاکستان میں بلند ہوتی رہتی ہے۔

پاکستان میں یہ سلسلہ ختم ہونے سے پہلے افغانستان اور مسقط میں اذانوں کا سلسلہ شروع ہو جاتا ہے، مسقط سے بغداد تک ایک گھنٹہ کا فرق ہے، اسی عرصہ میں اذانیں حجاز مقدس، یمن عرب امارات کویت اور عراق میں گونجتی رہتی ہیں۔

بغداد سے اسکندریہ تک پھر ایک گھنٹہ کا فرق ہے، اسی دوران شام، مصر، صومالیہ اور سوڈان میں اذانیں بلند ہوتی رہتی ہیں اسکندریہ اور استنبول میں اذانیں بلند ہوتی رہتی ہیں، اسکندریہ اور استنبول ایک ہی طول وعرض پر واقع ہیں، مشرقی ترکی سے مغربی ترکی تک ڈیڑھ گھنٹے کا فرق ہے، اس دوران ترکی میں صدائے توحید و رسالت بلند ہوتی ہے، اسکندریہ سے طرابلس تک ایک گھنٹے کا فاصلہ ہے اس عرصہ میں شمالی افریقہ میں لیبیا اور تیونس میں اذانوں کا سلسلہ جاری رہتا ہے۔

فجر کی اذان جس کا آغاز انڈونیشیا کے مشرقی جزائر سے ہوا تھا ساڑھے نو گھنٹے کا سفر طے کر کے بحر اوقیانوس تک پہنچنے سے قبل ہی مشرقی انڈونیشیا میں ظہر کی اذان کا سلسلہ شروع ہو جاتا

ہے اور ڈھاکہ میں ظہر کی اذانیں شروع ہونے تک مشرقی انڈونیشیا میں عصر کی اذانیں بلند ہونے لگتی ہیں یہ سلسلہ ڈیڑھ گھنٹہ تک بمشکل جکارتہ پہنچتا ہے کہ انڈونیشیا کے مشرقی جزائر میں مغرب کا وقت ہوجاتا ہے، مغرب کی اذانیں سلیبز سے بمشکل سماترا تک پہنچتی ہیں کہ اتنے میں عشاء کا وقت ہوجاتا ہے، جس وقت مشرقی انڈونیشیا میں عشاء کی اذانوں کا سلسلہ شروع ہوتا ہے، اس وقت افریقہ میں فجر کی اذانیں گونج رہی ہوتی ہیں۔

کیا ہم نے کبھی غور کیا کہ کرہ ارض پر ایک سیکنڈ بھی ایسا نہیں گذرتا کہ جس وقت ہزاروں لاکھوں موذن بیک وقت خدائے بزرگ و برتر کی توحید اور حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کی رسالت کا اعلان نہ کررہے ہوں، ان شاء اللہ پروردگار عالم کی توحید اور حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی نبوت اور رسالت کا یہ عظیم الشان اعلان قیامت کی صبح تک اسی طرح جاری رہے گا۔ (بحوالہ تاریخی جواہر پارے)

ایک مرتبہ حضرت مولانا شاہ ابرار الحق صاحب رحمہ اللہ جامعہ خیر المدارس ملتان تشریف لائے۔ مغرب کی نماز جامعہ میں ادا فرمائی اس دوران آپ رحمہ اللہ جامعہ کے مؤذن صاحب کی اذان وتکبیر سن چکے تھے۔ عشاء کے بعد حضرت کا اصلاحی بیان تھا۔ بیان سے پہلے جامعہ کے مؤذن صاحب کو بلایا اور علماء کرام کی موجودگی میں انہیں۔ اذان اور تکبیر کا مسنون طریقہ سمجھایا اور علماء کے اطمینان کے لئے دُرمختار کا حوالہ دیا۔ آپ کے بیان سے قبل جامعہ کے ایک بے ریش طالب علم نے نعت پیش کی۔ آپ رحمہ اللہ نے وعظ کے دوران اس پر نکیر فرمائی اور ارشاد فرمایا کہ بے ریش لڑکا عورت کے حکم میں ہے۔ اس لئے عام مجمعوں میں اس سے نعت پڑھوانا مناسب نہیں۔ اہل علم کو ان مسائل کا اہتمام کرنا چاہئے۔ غرض یہ کہ حضرت والا کی پوری زندگی سنت کے سانچے میں ڈھلی ہوئی تھی اور آپ رحمہ اللہ سنت ہی کے داعی و مناد تھے۔ بارگاہ اشرفی کے یہ مہر و ماہ اور درخشندہ ستارے ایک سے بڑھ کر ایک تابناک اور روشن تھے جن سے ہزارہا انسانوں کو معرفت وروحانیت کی روشنی اور ہدایت کا نور نصیب ہوا۔ حضرت والا کے دامن فیض سے بھی بے شمار علماء وفضلاء محدثین مفسرین خواص وعوام سب مستفید ہوئے۔ آپ رحمہ اللہ کا دائرہ فیض برصغیر سے باہر تک وسیع ہے۔ (مسافران آخرت)

نماز کی ضرورت واہمیت

نماز بہشت کی کنجی ہے

حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا نماز بہشت کی کنجی ہے۔ (احمد) اور نماز کی کنجی وضو ہے۔ یعنی جیسے مقفل دروازہ بغیر کنجی کے نہیں کھلتا ویسے ہی آدمی بغیر نماز کے بہشت میں نہیں جا سکتا۔ اس حدیث میں محافظت نماز پر مبالغہ ہے گویا نماز حکم ایمان میں ہے کہ بغیر اس کے بہشت میں جانا میسر نہیں ہوتا۔ پس اسے اچھی طرح ادا کرنا چاہئے اور کبھی بھی ترک نہیں کرنا چاہئے کیونکہ یہ دخول جنت کا سبب ہے۔ (مظاہر حق)

صلوٰۃ کا معنیٰ

صلوٰۃ کا لفظ عربی میں کئی معنیٰ کے لئے استعمال ہوتا ہے۔ کلام جاہلیت میں یہ لفظ دعا کے لئے استعمال ہوتا تھا۔ گو صلوٰۃ صرف دعا کو کہتے ہیں لیکن دینی اصطلاح نے ایک مخصوص انداز دعا کا نام رکھ دیا۔ جیسے جہاد کا لفظ محض سعی وکوشش کے لئے موضوع تھا لیکن اصطلاح نے ایک تخصیص سعی کی شان پیدا کر دی اسی طرح رکوع کے معنیٰ صرف جھکنے کے تھے۔ لیکن اصطلاح نے ایک خاص قسم کے جھکنے کی تخصیص کر دی۔

قرآن کریم میں صلوٰۃ کا لفظ جہاں کہیں آیا ہے اقامت کے صیغوں کے ساتھ آیا ہے اور عربی میں اقامت کے معنیٰ یہ ہیں کہ کسی کام کو اس کی تمام وکمال شرائط وحدود کے ساتھ انجام دیا جائے۔ نماز قائم کرنے کے معنیٰ رکوع وسجود اور تلاوت وخشوع کے حق سے نہایت مکمل طریق پر سبکدوش ہونے اور نماز کی غایت کی جانب اچھی طرح توجہ کرنے کے ہیں

یعنی ایک مسلمان کے لئے صرف نماز پڑھنا ہی کافی نہیں ہے بلکہ نماز کے اغراض و غایات کی تکمیل بھی ضروری ہے۔ قرآن کہیں بھی رسمی نماز ادا کرنے کا حکم نہیں دیتا۔ وہ تکمیل حدود کا خواستگار ہے اور صاف کہہ رہا ہے کہ بغیر اس تکمیل کے نماز' نماز ہی نہیں۔

نماز کیا ہے؟

اللہ تعالیٰ کے حضور میں قلب و قالب اور قول و عمل سے ایک خاص طریقے پر اپنی بندگی و نیاز مندی کا اظہار اور اس کی بے نہایت عظمت و جلالت کے سامنے اپنے انتہائی تذلل اور فروتنی کا مظاہرہ ہے۔ غایت محبت اور نہایت تعظیم و اجلال کے ساتھ انتہائی تذلل کا نام عبادت ہے گویا کہ شرعاً عبادت کے معنیٰ غایت تذلل یعنی ایسی انتہائی ذلت اختیار کرنے کے ہیں جس کے آگے عاجزی و ذلت کا کوئی درجہ ہی باقی نہ رہے چنانچہ وہ فعل جس سے سرتاپا نیازمندی عبودیت کیسی؟' بے بسی و بے چارگی اور انتہائی ذلت و خواری کے سوا اور کوئی چیز ہی ظاہر نہ ہو تو وہ صرف نماز ہے کیونکہ نماز کے اندر دو ہی بنیادی چیزیں ہیں ایک اذکار جو زبان سے متعلق ہیں اور دوسرے ہیئات جو اعضاء و بدن اور جوارح سے متعلق ہیں۔ سو اذکار میں ثناء یعنی سُبْحٰنَکَ اللّٰھُمَّ سے لے کر فاتحہ و سورۃ تک۔ پھر تسبیحات سے لے کر التحیات تک اپنی عبدیت اور غلامی یا اللہ کی عظمت و برتری کے سوا اور کسی چیز کا بیان ہی نہیں ہوتا اور ہیئات کے لحاظ سے دیکھو تو نیاز مندانہ طور پر سامنے ہاتھ باندھ کر کھڑے ہونا۔ پھر رکوع میں جھکنا اور آخر کار اپنی سب سے زیادہ باعزت چیز ناک اور پیشانی کو اپنے معبود کے سامنے خاک پر ٹیک دینا اور اس کی عزت مطلقہ کے سامنے اپنی ذلت مطلقہ کا عملاً و ہیئتاً اعتراف کرنا بندگی اور غلامی محض نہیں تو اور کیا ہے؟ چنانچہ جب کسی کی انتہائی ذلت اور رسوائی ہو جاتی ہے تو کہا کرتے ہیں کہ فلاں شخص کی ناک کٹ گئی۔ یا فلاں کی پیشانی پر کلنک کا ٹیکہ لگ گیا۔ حقیقی طور پر عبادت کہلائے جانے کی مستحق ہے تو وہ صرف نماز ہی ہو سکتی ہے۔

غرضیکہ صلوٰۃ کے لفظی معنی دعا کے ہیں۔ اصطلاح شریعت میں ایک مخصوص ہیئت کی معروف عبادت کا نام ہے اور یہ نام بھی اسی لئے پڑا کہ دعا ہی اس عبادت کا جزو اعظم ہے۔

الصلوٰۃ التی ھی العبادۃ المخصوصۃ الصلھا الدعاء (راغب)
محققین نے کہا ہے کہ نماز تو یکسر دعا ہے۔ دعا زبان سے بھی‘ دل سے بھی اور اعضاء ظاہری سے بھی۔ یعنی نماز دعا قولی‘ دعا قلبی اور دعا فعلی کا مجموعہ ہے۔

اقامت الصلوٰۃ میں نماز کی تکمیل صوری و معنوی ہر طرح کی آ گئی۔ کسی شے کی اقامت کرنے کے معنی ہی عربی میں یہ ہوتے ہیں کہ اسے اس طرح ادا کیا جائے جو اس کا حق ہے۔
اقامۃ الشئی توفیۃ حقہ (راغب)

اعمال سے دنیاوی منافع مقصود نہیں

نماز کے متعلق اب جبکہ دینی فوائد و اسرار بیان ہوں گے۔ تو ساتھ ہی کچھ دنیوی فوائد و اسرار بھی بیان کئے جائیں گے مثلاً آج کل ایک راز اور برکت نماز کی یہ بھی بیان کی جاتی ہے کہ جماعت کی نماز سے اتفاق اور اجتماع ہوتا ہے۔ پانچوں نمازوں میں تو محلہ کے لوگ جمع ہوتے ہیں پھر جمعہ میں شہر کے لوگ اور عیدین میں دیہات کے لوگ بھی شہر میں آ کر جمع ہو جاتے ہیں۔ اور حج کے اندر مختلف ولایتوں کے لوگ ایک جگہ جمع ہو جاتے ہیں۔ ان دنیاوی فوائد کو سن کر بعض آدمی دھوکہ کھا جاتے ہیں کہ چونکہ یہ عبادات ایسی چیز ہیں کہ ان میں اتفاق و اتحاد کی رعایت رکھی گئی ہے۔ اس لئے یہ عبادات بنفسہا مقصود نہیں بلکہ بمصالحہا مقصود ہیں تو اس سے کسی وقت میں یہ نتیجہ بھی نکل سکتا ہے کہ اگر یہ اغراض اور فوائد اتفاق وغیرہ کے بدوں نماز کے حاصل ہو جاویں تو ان اعمال کی پھر کیا ضرورت ہے۔ تو اس سے الحاد کا باب بھی کھل سکتا ہے۔ اس لئے یہ بات اچھی طرح ذہن نشین کر لیجئے کہ یہ سب عبادات تو بنفسہا ہی مقصود ہیں ہاں وہ دوسری بات ہے کہ ان عبادات سے یہ مصالح و فوائد و منافع بھی حاصل ہوتے ہیں۔ جیسے کوئی حج کی ترغیب دے اور کہے کہ حج کرنے سے ایسے ایسے منافع حاصل ہوتے ہیں کہ مکہ کی سیر ہوتی ہے۔ دریا‘ پہاڑ اور سمندر اور بہت سے شہر بھی دیکھنے میں آتے ہیں۔ مگر صاف صاف کہہ دے کہ یہ چیزیں اور یہ منافع مقصود ہرگز نہیں ہیں۔ مقصود تو اصلی رضاء حق ہے۔ وہ دوسری بات ہے کہ اس سے یہ منافع بھی حاصل

ہو جاتے ہیں۔ اچھی طرح سمجھ لیجئے کہ اعمال پر جو مصالح و دنیاوی منافع مرتب ہوتے ہیں وہ قطعاً مقصود بالذات نہیں بلکہ مقصود بنفسہا یہی اعمال ہیں خواہ یہ مصالح نہ بھی مرتب ہوں۔ اسلام کی حقیقت ہی یہ ہے کہ انسان اپنے جان و مال کو پورے اخلاص کے ساتھ حق تعالیٰ کے سپرد اس طرح کر دے کہ حق تعالیٰ ان میں جو بھی اور جس طرح بھی تصرف کرتے ہوئے حکم نافذ کریں انسان اس کی تعمیل کرے خواہ اس نفاذ اور حکم کا کوئی فائدہ ہماری سمجھ میں آئے یا نہ آئے بلکہ اس کے الٹ فائدے کی بجائے اگر ظاہری نقصان کا بھی یقین ہو تو بھی اس نقصان کی پرواہ نہ کرے بلکہ وہی کیا جائے جس کا حکم مولیٰ جل شانہٗ کی طرف سے نافذ ہو چکا ہے۔ یہ ہے حقیقی اسلام۔ یہ ایک ضروری بات نقصان سے بچنے کے لئے کھول کر بیان کر دی گئی ہے۔

حکم شریعت کی حقارت پر سلب ایمان کا خدشہ

معتبر اکابر سے یہ واقعہ سنا ہے کہ ایک عالم کی قبر کسی ضرورت سے کھودی گئی جو مدینہ منورہ میں تھی تو اس میں ایک لڑکی کی نعش نکلی۔ دیکھنے والوں میں سے بعض اس لڑکی کو جانتے تھے اور ان کو معلوم تھا کہ یہ فلاں شہر کے عیسائی کی لڑکی ہے۔ چنانچہ انہوں نے وہاں پہنچ کر اس کے ماں باپ سے اس لڑکی کا حال پوچھا اور قبر دریافت کی۔ انہوں نے قبر بھی بتائی اور یہ بھی بتایا کہ یہ دل سے مسلمان تھی۔ اور مدینہ منورہ میں مرنے کی خواہش رکھتی تھی چنانچہ اس کی قبر کھود کر دیکھی گئی تو اس میں اس عالم کی نعش نکلی جس کی قبر میں وہ لڑکی مدینہ منورہ میں دیکھی تھی۔ اس عالم کی بیوی سے ان کا عمل دریافت کیا تو اس نے بتایا کہ وہ بڑے نیک آدمی تھے البتہ یہ بات ضرور تھی کہ وہ یوں کہا کرتے تھے کہ عیسائی مذہب میں یہ بات بڑی آسانی کی ہے کہ ان کے یہاں جنابت کا غسل ضروری نہیں ہے۔ سو خیال فرمائیے کہ شریعت مطہرہ کے ایک حکم کو ہلکا اور ادنیٰ اور غیر ضروری سمجھنے کا وبال کہاں تک پہنچا۔ **اللھم احفظنا** (مرنے کے بعد کیا ہوگا)

تنبیہ: خدائی احکام میں مین میکھ نکالنا یا کٹ حجتیاں کرنا یا مصالح اور علل کے درپے رہنا خداوند تعالیٰ ذوالجلال کی عظمت اور شان کے منافی ہے۔ رب العالمین کو رحمٰن و رحیم ماننے والے مسلمان کو کیا ہو گیا کہ وہ بھی بولیاں بولنے لگا۔

انہی کے دل کی یہ کہہ رہا ہوں زبان میری ہے بات ان کی
انہی کی محفل سنوارتا ہوں چراغ میرا ہے رات ان کی

مگر بڑے افسوس کی بات ہے کہ خداوند احکم الحاکمین کو مشورہ دینے کی اور اس کے حکم میں ترمیم کرنے کی آپ میں جرأت بھی ہے اور جسارت بھی۔ یہاں تم سوال کرنے کے بھی اہل ہو اور جواب لینے کے بھی۔ چھوٹے چھوٹے حکام دنیا سے بات کرتے ہوئے ان کی عظمت اور حکومت کا تصور کرتے ہوئے تو آپ کی جان نکلتی ہے مگر ذی اقتدار خداوند حقیقی کے احکام میں کتر بیونت کرتے ہوئے آپ کی پیشانی پر خجالت کا پسینہ تک بھی نہیں آتا۔ ہم کون ہیں اس کو مشورہ دینے والے اور اس سے علل و مصالح پوچھنے والے؟ کیا ہم اس کے ملک میں ساجھی ہیں یا ہمارا اس کے ساتھ کوئی ناطہ ہے؟ ہم غلام کہلا کر کون ہیں اس کے حکم میں دخل دینے والے؟ کیا آپ نے کبھی یہ سوچا ہے کہ زمین اور آسمان جس ذات کے لئے ہے۔ ذرہ سے لے کر آفتاب تک جس کے لئے ہے یہ اس شہنشاہ ارض و سما کا حکم ہے جو اپنی ایک نگاہ مشیت سے تمام نظام ارضین و سمٰوٰت کو الٹ سکتا ہے۔

نماز کی برکت سے بلاؤں سے حفاظت

قرآنی عبارت سے صاف ظاہر ہے کہ نماز کے ان پانچ اوقات میں زمین و آسمان کے اندر تغیرات عظیم واقع ہوتے ہیں۔ یعنی ان پانچ وقتوں میں زمین و آسمان میں بڑی بڑی تبدیلیاں واقع ہوتی ہیں۔ اور ان تغیرات و تبدیلیوں کا اثر انسان کے جسم اور روح دونوں پر ضروری طور پر واقع ہوتا ہے اس لئے ان پانچ وقتوں پر خصوصیات کے ساتھ ہمیں نماز پڑھنے کا حکم دیا گیا ہے۔

پانچ تبدیلیاں...... یوں سمجھئے کہ پنجگانہ نمازیں اصل میں انسان کے مختلف حالات کا فوٹو ہیں۔ انسان کی زندگی میں جب مصیبت آتی ہے تو اس کے لازمی طور پر پانچ تغیر یعنی پانچ بڑی تبدیلیاں ہیں جو کہ ترتیب وار انسان پر اس طرح وارد ہوتی ہیں جبکہ تم اپنے دولت کدہ پر بڑے عیش اور خوشی سے بیٹھے ہوئے ہوتے ہو کہ اچانک تم مطلع کئے جاتے ہو کہ تم پر ایک بلا

اور مصیبت آنے والی ہے۔ مثلاً تمہارے نام عدالت سے ایک وارنٹ گرفتاری جاری ہوا۔

پہلی تبدیلی ...... یہ پہلی حالت ہے جس نے تمہاری عیش اور خوشحالی میں فرق ڈالا۔ سو یہ حالت زوال کے وقت کے مشابہ ہے جس نے تمہاری خوشحالی اور راحت کو زوال میں ڈال دیا کہ وارنٹ گرفتاری کے کاغذ کو دیکھتے ہی تمہارے ہاتھوں کے طوطے اڑ گئے کہ یہ کیا بن گیا۔ ہائے اب مصیبت سر پر آن پڑی۔ اس کے مقابل پر ظہر کی نماز فرض ہوئی جس کا وقت بھی زوال آفتاب سے ہی شروع ہوتا ہے۔ اس وقت نماز متعین کر کے انسان کو چونکایا گیا کہ جس ذات کے قبضہ میں وہ زوال ہے اس کی قدرت کو یاد کر کے اس مالک حقیقی کی طرف توجہ کی جائے۔ اور تمہارے نماز ظہر پڑھنے سے تمہاری مصیبت ٹل جائے۔ ظہر کے وقت آسمان کے دروازے کھلتے ہیں اور انسان کا نیک عمل آسمان کی طرف چڑھتا ہے۔ جس کی برکت سے خدا تعالیٰ نصرت فرماتا ہے اور مشکل آسان ہو جاتی ہے۔

دوسری تبدیلی ...... دوسرا تغیر یعنی دوسری تبدیلی انسان پر اس وقت آتی ہے جبکہ تم بلا اور مصیبت کے بہت نزدیک کئے جاتے ہو مثلاً جبکہ تم بذریعہ وارنٹ گرفتاری گرفتار ہو کر حاکم کے سامنے پیش ہوتے ہو اور یہ وہ وقت ہوتا ہے جبکہ خوف کے مارے تمہارا خون خشک اور اطمینان کا نور تم سے رخصت ہونے کو ہوتا ہے۔ سو یہ حالت تمہاری اس وقت سے مشابہ ہے جبکہ آفتاب سے نور کم ہو جاتا ہے اور نظر اس پر جم سکتی ہے اور صریحاً نظر آتا ہے کہ اب غروب آفتاب نزدیک ہے۔ اس روحانی حالت کے مقابل نماز عصر مقرر ہوئی ہے تاکہ انسان اپنے کمالات کے زوال کو بالکل قریب سمجھے کہ میرا ستارہ اب ڈوبنے اور غروب ہونے کو ہے سو ایسے وقت میں اپنے خالق حقیقی کی طرف متوجہ ہو تاکہ اس کی رحمت کو کھینچ سکے۔

تیسری تبدیلی ...... تیسرا تغیر انسان پر اس وقت آتا ہے جب اس بلا اور مصیبت سے رہائی پانے کی امید منقطع ہو جاتی ہے۔ مثلاً تمہارے نام فرد جرم لکھی جاتی ہے اور مخالفانہ گواہ تمہاری ہلاکت کے لئے تمہارے خلاف گواہی دے چکے ہوتے ہیں۔ اور یہ وہ وقت ہوتا ہے جب انسان کے اوسان خطا ہو جاتے ہیں اور انسان اپنے تئیں ایک قیدی سمجھنے لگتا ہے۔ سو یہ حالت اس وقت سے

مشابہ ہے جبکہ آفتاب غروب ہو جاتا ہے اور دن کی روشنی کی تمام امیدیں ختم ہو جاتی ہیں۔

اسی طرح انسان کی رہائی کی بھی تمام امیدیں ختم ہو جاتی ہیں۔ سو اس حالت کے بالمقابل نماز مغرب فرض ہوئی تا کہ اس مصیبت کا علاج معالجہ ہو جائے۔

چوتھی تبدیلی...... چوتھا تغیر انسان پر اس وقت ہوتا ہے جب بلا اور مصیبت انسان پر وارد ہو ہی جاتی ہے۔ مصیبت سر پر ٹوٹ ہی پڑتی ہے اور اس مصیبت و بلا کی سخت تاریکی انسان کا احاطہ کر لیتی ہے۔ مثلاً فرد جرم لگ جانے اور استغاثہ کی شہادتوں کے بعد سزا کا حکم تم کو سنا دیا جاتا ہے اور قید بامشقت کے لئے تم کو ایک پولیس مین کے حوالے کر دیا جاتا ہے کہ ہتھکڑی لگا کر جیل میں بند کر دیا جائے۔ سو یہ حالت اس حالت کے مشابہ ہے جبکہ رات پڑ جاتی ہے اور سخت اندھیرا چھا جاتا ہے۔ اس روحانی حالت کے بالمقابل خدا نے تم پر نماز عشاء مقرر فرمائی ہے تا کہ ان وقوع ہونے والی بلیات اور مصیبتوں سے تم اس نماز عشاء اور بہ برکت طاعت کے محفوظ رکھے جاؤ اور ان سخت اور اندھیری بلاؤں سے بچے رہو۔

پانچویں تبدیلی...... پھر جس طرح تاریکی کے بعد آخر کار صبح ہوتی ہے اور وہی دن کی روشنی اپنی چمک کے ساتھ ظاہر ہوتی ہے ٹھیک انہی بلاؤں کی تاریکی سے نجات دینے کیلئے خدا کا رحم تم پر جوش مارتا ہے۔ سو اس حالت نورانی کے بالمقابل خدا تعالیٰ نے تم پر نماز فجر مقرر کی کہ اس نماز کی برکت سے خدا کا رحم تم پر جوش مارے گا اور رات کی تاریکی کی تمام بلاؤں سے تمہیں نجات دے گا۔ سو خدا تعالیٰ نے انسان کے فطری تغیرات میں پانچ نمازیں تم پر فرض کی ہیں۔ اس سے تم سمجھ سکتے ہو کہ یہ نمازیں خاص تمہارے ہی نفس کے فائدے کے لئے ہیں۔ پس اگر تم چاہتے ہو کہ ان بلاؤں سے بچے رہو جو زمین و آسمان میں ان پانچوں وقتوں پر رونما ہوتی رہتی ہیں تو ان پنجگانہ نمازوں کو قطعاً ترک نہ کرو کیونکہ یہ پانچ نمازیں تمہاری آنے والی بلاؤں کا علاج ہیں۔

نماز کے پانچ اوقات کی برکات

جب حضرت ابراہیم علیہ السلام نے ستارہ پرستی اور چاند پرستی کے بعد سورج کو ڈھلتے ہوئے دیکھا تو اپنا منہ زمین اور آسمان کے مالک کی طرف کیا۔ اللہ تعالیٰ کو حضرت ابراہیم

علیہ السلام کی یہ ادا بہت پسند آئی۔ اور ان کی یاد میں ظہر کی نماز فرض فرمائی۔ نیز ان کے صاحبزادے کا جب ظہر کے وقت فدیہ دیا گیا اور انہیں ذبح سے محفوظ رکھا گیا تو حضرت ابراہیم علیہ السلام نے بطور شکر نعمت کے چار رکعتیں پڑھیں۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں کہ ظہر کے وقت فرشتے آسمان پر تسبیح کرتے ہیں اور آسمان کے دروازے کھولے جاتے ہیں اور نمازی کا تعلق ملائکہ سے ہو جاتا ہے۔ علیٰ ہذا القیاس ظہر کا وقت ایک انقلاب عظیم کا وقت ہے کہ اس وقت سورج کا زوال ظاہر ہو جاتا ہے جس نے تمام عالم کو روشن کر رکھا تھا۔ اب اس ترقی اور عروج کا وقت ختم ہونے کیساتھ تنزل شروع ہو گیا اس لئے اللہ تعالیٰ کی قدرت کے کمال لازوال کا یہ نشان دیکھ کر سب لوگوں کو اللہ تعالیٰ کی طرف متوجہ ہونا لازم ہے۔

صبح کے وقت ...... صبح کی نماز کے بعد دوپہر تک کوئی بھی نماز فرض نہیں کی سورج پرستی کا شائبہ تک نہ رہے بلکہ سورج ڈھلنے کے بعد یہ ثابت کرنا ہے کہ دنیا کی ہر چیز زوال پذیر ہے۔ اور عبادت کے لائق صرف اور صرف اللہ تعالیٰ کی پاک ذات ہی ہے۔

عصر کے وقت ..... عصر کی نماز کے وقت حضرت آدم علیہ السلام نے شجر ممنوعہ کھایا تھا اور خدا کو ناراض کیا تھا۔ اس لئے امت محمدیہ کو اس وقت میں نماز کا حکم دیا تا کہ خدا کی رضا اور رحمت کے مستحق ہو سکیں۔ نیز کہتے ہیں کہ جب حضرت یونس علیہ السلام کو مچھلی نے باہر اگلا تھا تو وہ وقت بھی عصر ہی کا تھا اور اسی وقت حضرت یونس علیہ السلام کی توبہ اور دعا قبول ہوئی تھی۔ آپ نے آیت کریمہ بھی نجات کے لئے عصر کے وقت ہی پڑھی تھی۔ جب اللہ تعالیٰ نے آپ کو اس قید و تکلیف سے رہائی دی تو وہ وقت بھی عصر کا تھا۔ اس وقت آپ نے چار رکعت نماز بطور شکرانہ گزاری۔ نیز عصر کا وقت بھی انقلاب کا وقت ہے اس وقت دن کے کاروبار ختم ہونے والے ہیں چنانچہ اس وقت بھی عین کاروبار میں پھنسے ہوئے ہونے کی حالت میں اللہ تعالیٰ کے ذکر اور اس کے دربار کے حضور سے غافل نہ رہنا ضروری ہے۔ نیز کہتے ہیں کہ جب قبر میں مردہ سے سوال و جواب ہوتا ہے تو وہ عصر کا آخری وقت ہوتا ہے۔ ادھر منکر نکیر سوال کریں گے ادھر نماز کا عادی شخص نماز میں لگ چکا ہو گا جیسا کہ اسے منکر نکیر

کے سوالوں کا فکر ہی نہیں اور نہ ہی اسے منکر نکیر کا خوف رہے گا۔

مغرب کے وقت ...... مغرب کے وقت کی حکمت یہ ہے کہ حضرت یعقوب علیہ السلام کئی سال تک حضرت یوسف علیہ السلام کے فراق میں بے قرار رہے۔ جب آپ پر اللہ تعالیٰ نے رحم فرمایا اور حضرت یوسف علیہ السلام کی زندگی کی خبر پہنچی تو آپ نے شکرانہ کے طور پر تین رکعات نماز پڑھیں ایک تو بیٹے کی زندگی کا شکریہ' دوسرے بیٹے کی واپسی کا شکریہ' تیسرے حضرت یوسف علیہ السلام کے دین الٰہی پر قائم رہنے کا شکریہ۔ سو ان بزرگ پیغمبروں کی پیروی میں ہمیں بھی اس وقت کی نماز کا حکم ہوا۔ نیز جب مغرب کے وقت انقلاب بالکل ظاہر ہو گیا اور آفتاب کا غروب ہو کر تمام عالم کی حالت دگرگوں ہو گئی اور وحشیوں اور پرندوں تک بھی اپنی اپنی آرام گاہوں میں آ کر سمٹ گئے تو ایسے انقلاب کو دیکھ کر مسلمان پر لازم ہے کہ مکور الليل على النهار کی بارگاہ میں حاضر ہو کر سربسجود ہو۔

عشاء کے وقت ...... نماز عشاء کے وقت اللہ تعالیٰ نے حضرت موسیٰ علیہ السلام کو بحیرہ قلزم سے پار کیا اور ان کی قوم کو صحیح سلامت رکھا۔ فرعون سے نجات دی اور فرعون کے لشکر کو ان کی آنکھوں کے سامنے غرق کیا۔ ان چاروں فکروں سے نجات ہونے پر حضرت موسیٰ علیہ السلام نے عشاء کی نماز ادا کی۔ نیز حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو معراج کا شرف بھی عشاء کے وقت شروع ہوا تھا۔ لہذا اس بابرکت وقت کو امت محمدیہ کے لئے بھی بابرکت بنا دیا گیا۔ اور نماز عشاء کا حکم ہوا نیز عشاء کا وقت تو قیامت کا بالکل نمونہ ہے۔ جیسے نفخ صور سے سب خلقت کو مر جاتا ہے۔ اسی طرح اب سب خلقت پر نیند کی موت طاری ہونے والی ہے۔ پس لازم ہے کہ اس موت سے پہلے اپنے خالق کا نام لے اور اس بارگاہ عالی کے آداب بجالا کر گناہوں کی معافی مانگتا ہوا سو رہے۔

چونکہ صبح کا وقت بھی ایک بڑے انقلاب کا وقت ہے کہ رات کو تمام لوگ نیند کی وجہ سے جو موت کے حکم میں ہے گویا مرے پڑے تھے کہ یکا یک صبح کی پو پھٹتے ہی تمام خلقت زندہ ہو گئی جیسے قیامت کے دن نفخہ ثانیہ کے ساتھ لوگ قبروں سے زندہ ہو کر نکل کھڑے ہوں گے۔ پس یہ وقت قیامت کا نمونہ ہے لہذا اس وقت کو ذکر اور اطاعت الٰہی کے لئے مخصوص کیا گیا۔ تو مسلمان کو لازم ہے کہ صبح صبح جاگ کر قضاء حاجت وغیرہ ضروریات سے فارغ

ہو کر اچھی طرح طہارت وضو کر کے دربار خداوندی میں حاضر ہو یعنی مسجد میں جا کر جماعت کے ساتھ نماز ادا کرے۔ ایک روایت میں یہ بھی آیا ہے کہ حضرت آدم علیہ السلام کی توبہ جس دن فجر کے وقت قبول ہوئی تو انہوں نے دو رکعتیں پڑھیں اور صبح کی نماز کا وجود ہوا۔

ابتداء اسلام میں فجر، عصر اور تہجد کی نمازیں فرض ہوئی تھیں۔ ایک سال کے بعد تہجد کی فرضیت تو منسوخ ہوگئی اور باقی دو نمازوں کے ساتھ تین نمازوں کا اضافہ شب معراج کو کیا گیا۔ جب سے دنیا بنائی گئی یعنی ابتداء اسلام سے لے کر آج تک کوئی ایسا دور لوگوں پر نہیں آیا جبکہ مسلمانوں پر نماز فرض نہ ہوئی ہو۔ یعنی شروع اسلام سے لے کر ہر پیغمبر کے زمانہ میں ان کے پیروؤں اور ماننے والوں پر نماز پڑھنا فرض رہا ہے اور آخر اسلام تک فرض رہے گا۔ نماز تو ایک ایسی عبادت ہے کہ کبھی بھی یہ مسلمانوں سے ساقط نہیں ہوئی۔

نماز کی عظمت واہمیت

دیگر انبیاء علیہم السلام کی طرح افضل الرسل، سید کل، آقائے نامدار، روحانیت کے آخری تاجدار، احمد مختار صلی اللہ علیہ وسلم کو بھی تمام عبادات اور اکثر و بیشتر انعامات دنیا میں ہی یعنی زمین پر ہی عطا ہوئے مگر نماز جو ایک قیمتی اور بابرکت تحفہ تھا اسے نہایت شان وشوکت اور بڑے احتشام کے ساتھ عرش بریں پر بلوا کر عطا کیا گیا۔ اس سے مسلمانان دنیا اندازہ لگا سکتے ہیں کہ نماز کس قدر باوقعت، کارآمد اور قیمتی تحفہ ہے جو کہ آسمان پر بلوا کر عطا کیا گیا جبکہ اور تمام احکام اور عبادات زمین ہی پر حضرت جبرائیل علیہ السلام کی وساطت سے نازل ہوئے۔ نیز کسی بھی عبادت کو پریکٹیکل یعنی عملی طور پر کر کے دکھلانے کے لئے فرشتے نہیں بھیجے گئے لیکن نماز کی عبادت کو کر کے دکھلانے اور اس کے اوقات کی تجدید کرانے کے لئے سید الملائکہ حضرت جبرئیل علیہ السلام کو دو دن تک دنیا میں بھیجا گیا۔ جنہوں نے اوقات نماز کی تشخیص کے لئے اس کے اوقات کا اول و آخر عملاً متشخص کر کے دکھلایا۔ گویا کہ حضرت جبرئیل امین پورے اسلام کا تو وحی کے ذریعے محض علم ہی لے کر دنیا میں آئے مگر نماز کا صرف علم ہی نہیں بلکہ پورا عمل دے کر دنیا میں بھیجے گئے۔ اسی لئے ہر نبی کی تعلیم میں اور ہر

آسمانی شریعت میں ایمان کے بعد پہلا حکم نماز ہی کا رہا ہے۔اور اسی لئے اللہ کی نازل کی ہوئی آخری شریعت یعنی شریعت محمدی میں نماز کے شرائط وارکان اور سنن وآداب اور اسی طرح اس کے مفسدات ومکروہات وغیرہ کے بیان کا اتنا اہتمام کیا گیا ہے اور اس کو اتنی اہمیت دی گئی ہے جو اس کے علاوہ کسی دوسری طاعت وعبادت کو نہیں دی گئی۔

حضرت شاہ ولی اللہ رحمۃ اللہ علیہ حجۃ اللہ البالغہ میں نماز کا بیان شروع کرتے ہوئے فرماتے ہیں کہ نماز اپنی عظمت شان اور مقتضائے عقل وفطرت ہونے کے لحاظ سے تمام عبادات میں خاص امتیاز رکھتی ہے اور خدا شناس وخدا پرست انسانوں میں سب سے زیادہ معروف ومشہور اور نفس کے تزکیہ اور تربیت کے لئے سب سے زیادہ نفع مند ہے۔اسی لئے شریعت نے اس کی فضیلت اس کے اوقات کی تعیین وتحدید اور اس کے شرائط وارکان اور آداب ونوافل اور اس کی رخصتوں کے بیان کا وہ اہتمام کیا ہے جو عبادات وطاعات کی کسی بھی دوسری قسم کے لئے نہیں کیا اور انہی خصوصیات وامتیازات کی وجہ سے نماز کو دین کا عظیم ترین شعار اور امتیازی نشان قرار دیا گیا ہے۔

قرآن کریم میں مذکور ہے کہ کوہ طور پہاڑ پر سیدنا حضرت موسیٰ علیہ السلام کی بہت سی باتیں ہوئیں۔اول تو حضرت موسیٰ علیہ السلام کو نبوت کی خبر دی گئی کہ میں نے تم کو نبوت کے لئے منتخب کیا ہے۔اب کان لگا کر اس بات کو سنو جو تم پر وحی کی جاتی ہے۔

اِنَّنِیْٓ اَنَا اللّٰهُ لَآ اِلٰهَ اِلَّآ اَنَا فَاعْبُدْنِیْ وَاَقِمِ الصَّلٰوةَ لِذِكْرِیْ

''میں اللہ ہوں، معبود ہوں، میرے سوا کوئی معبود نہیں''۔اس کے بعد ارشاد فرمایا کہ جب میں ہی معبود حق ہوں تو اب تم میری عبادت کرو۔اس کے بعد ارشاد ہوتا ہے کہ نماز کو میری یاد کے واسطے قائم کرو یعنی نماز کی پابندی کرو۔

اب ذرا غور کیجئے کہ نماز کی کتنی بڑی شان ہے کہ توحید کے بعد باقی تمام عبادات سے پہلے خصوصی طور پر نماز کا مستقل حکم فرمایا کہ نماز کی پوری پابندی کرو۔اور سستی وغفلت ہرگز نہ ہو۔

ابن عمر رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جس کے پاس نماز نہیں اس کے پاس دین نہیں۔یعنی نماز کو دین سے وہ نسبت ہے جیسے

سر کو دھڑ سے ۔ کہ اگر سر نہ ہو تو دھڑ مردہ ہے ۔ اسی طرح اگر نماز نہ ہو تو تمام اعمال بے جان ہیں ۔ یہی وجہ ہے کہ کسی عبادت کے ترک کو حضور علیہ السلام نے کفر سے تعبیر نہیں کیا ۔ بجز نماز کے کہ ارشاد فرمایا **من ترک الصلوٰۃ متعمداً فقد کفر** جس نے ایک نماز بھی جان بوجھ کر چھوڑ دی ۔ وہ کافر ہو گیا'' ۔ (یعنی کفر کے نزدیک پہنچ گیا کفر میں مبتلا ہونے کا شدید خطرہ پیدا ہو گیا) حضرات صحابہ کرام رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین تو نماز کے ترک کو کفر کا عمل سمجھا کرتے تھے (مشکوٰۃ صفحہ ۵۹)

نماز چھوڑنے پر سزا

ایک حدیث میں تارک نماز کے بارہ میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے یہ الفاظ ہیں جن کا ترجمہ یہ ہے کہ جس نے دیدہ و دانستہ اور عمداً نماز چھوڑ دی تو وہ ہماری ملت سے خارج ہو گیا۔'' (رواہ الطبرانی)

ان حدیثوں میں ترک نماز کو کفر یا ملت سے خروج اسی بناء پر فرمایا گیا ہے کہ نماز ایمان کی ایسی ہی نشانی اور اسلام کا ایسا خاص الخاص شعار ہے کہ اس کا چھوڑ دینا بظاہر اس بات کی علامت ہے کہ اس بے نماز شخص کو اللہ اور رسول سے اور اسلام سے تعلق نہیں رہا ۔ اور اس نے اپنے کو ملت اسلامیہ سے الگ کر لیا ہے ۔

ان احادیث میں ترک نماز کو جو کفر کہا گیا ہے اس کا مطلب کافرانہ عمل ہے ۔ اور اس گناہ کی انتہائی شدت اور خباثت ظاہر کرنے کے لئے یہ انداز بیان اختیار کیا گیا ہے ۔ جس طرح کسی مضر غذا یا دوا کے لئے کہہ دیا جاتا ہے کہ یہ بالکل زہر ہے ۔

حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ بندہ اور کفر کے درمیان نماز چھوڑ دینے ہی کا فاصلہ ہے ۔ (صحیح مسلم)

حدیث کا مطلب یہ ہے کہ نماز دین اسلام کا ایسا شعار ہے اور حقیقت ایمان سے اس کا ایسا گہرا تعلق ہے کہ اس کو چھوڑ دینے کے بعد آدمی گویا کفر کی سرحد میں پہنچ جاتا ہے ۔

حضرت بریدہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ ہمارے اور اسلام قبول کرنے والے عام لوگوں کے درمیان نماز کا عہد و میثاق

ہے۔ یعنی ہر اسلام لانے والے سے ہم نماز کا عہد لیتے ہیں' جو ایمان کی خاص نشانی اور اسلام کا شعار ہے۔ پس جو کوئی نماز چھوڑ دے تو گویا اس نے اسلام کی راہ چھوڑ کے کافرانہ طریقہ اختیار کر لیا۔ (رواہ احمد والترمذی والنسائی وابن ماجہ)

ام المومنین حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ بوقت وصال جب حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی روح مبارک سینہ پر آئی تو اس وقت آپ کا آخری کلمہ یہ تھا کہ لوگو نماز ترک نہ کرنا۔

جس طرح ستاروں کی زندگی اور حرکت کا مرکز ومحور سورج کا وجود ہے اور جسم کے تمام اعضاء کی حیات کا مرکز صرف قلب ہے اور دنیا کے تمام مسلمانوں کی جہت کا مرکز کعبۃ اللہ ہے جس طرح تمام اعتقادات میں اصلی مرکز توحید ہے۔ ٹھیک اسی طرح تمام عبادات میں مرکزی عمل نماز ہے۔ اسی لئے اعمال میں نماز سب سے پہلے فرض ہوتی ہے اور سب سے آخر تک فرض رہتی ہے۔ نماز کو رحمت دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے عماد الدین کہا ہے کہ اگر نماز کا ستون قائم ہے تو دین کی عمارت قائم ہے۔ اگر یہ ساقط ہو گئی تو تمام دین کی عمارت گر جائے گی۔ اسلام کا خیمہ اسی چوب پر کھڑا ہے اور نماز کی بدولت اسلام کی شوکت وعظمت ہے مسجدوں کی تعمیر' اذانوں کا غلغلہ خطیبوں اور ائمہ مساجد کا تقرر سب کچھ نماز ہی کے لئے ہے۔ اگر نماز فرض نہ ہوتی تو نہ اذان ہوتی اور نہ خطیب اور ائمہ مساجد ہوتے اور نہ ہی مسجدوں کے مینار مسلمانوں کی عظمت کے قصیدہ خواں نظر آتے۔

سورۃ فتح کے آخر میں حضرات صحابہؓ کی مدح وتعریف فرماتے ہوئے خدا تعالی نے صاف فرمایا ہے۔ سِيْمَا هُمْ فِيْ وُجُوْهِهِمْ مِّنْ اَثَرِ السُّجُوْدِ۔ صحابہ کے چہروں میں ظاہر ہیں سجدوں کے نشان۔ یعنی ان کے چہرے نورانی ہیں۔ کثرت نماز کی وجہ سے۔ یہاں ایک بات غور کرنے کی ہے کہ صحابہ کے چہروں کے نورانی ہونے کا سبب نہ تو صحابیت کو بیان کیا گیا کہ صحابی ہونے کی وجہ سے ان کے چہرے نورانی ہیں اور نہ ہی ہجرت کو اور نہ ہی قتال فی سبیل اللہ یا کسی اور فضیلت کو بیان کیا گیا بلکہ صحابہ کے مخلصانہ سجدہ کو اس کا نورانی منشاء قرار دیا گیا اور اس مخلصانہ سجدے کی وجہ سے ان کی پیشانی میں نور کا دروازہ کھول دیا۔ آج بھی جس کا جی چاہے اپنے چہرہ کو مخلصانہ سجدے سے نورانی بنا لے۔ مگر جیسا سجدہ ہو گا ویسا ہی نور

چہرہ میں پیدا ہوگا یعنی جیسی دوا ہوگی ویسا ہی نور چہرہ میں پیدا ہوگا۔

مدار ترقی نماز ہے..... حضرات صحابہؓ کی تمام ترقی نماز ہی کی وجہ سے تھی۔ نماز ہی ان کی معیار عبادت تھی اور نماز ہی ان کی معیار خلافت تھی۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی جانشینی کے لئے جس میں عبادت و خلافت کے دونوں منصب شامل ہیں حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کا انتخاب لے کر فرمایا کہ وہ خیر الامت بعد الانبیاء ہیں تو انہیں اپنے سامنے امام صلوٰۃ ہی بنایا تھا جو بالآخران کے خلیفہ ہونے کی دلیل ثابت ہوئی۔

نماز کی اہمیت کو اس واقعہ سے غور فرمایئے:۔ کہ مقام کربلا میں جب وقت کے شبیرؑ، جگر گوشہ مصطفیٰ، نور دیدہ مرتضیٰ، لخت جگر فاطمۃ الزہرا، سیدنا حضرت امام حسین شہید کربلا کے سینہ مبارک پر شمر ظالم چڑھ بیٹھا تو آپ نے فرمایا کون ہے؟ بولا شمر۔ فرمانے لگے کہ اے بد بخت اس وقت خطیب منبروں پر خدا اور رسول کی حمد و ثناء بیان کر رہے ہیں اور تو اس سینے پر چڑھا بیٹھا ہے جس کو میرے نانا جان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم بوسہ دیا کرتے تھے۔ میں نے وقت پایا نماز کا اگر نہ ادا کروں میں نماز کو تو میرے ذمہ رہے گی۔ اٹھ کھڑا ہو کہ میں نماز ادا کروں۔ چنانچہ شمر اٹھا اور آپ نے نماز کی نیت باندھی۔ صحیح تواریخ میں لکھا ہے کہ شمر نے عین حالت نماز میں آپ کا سر مبارک تن سے جدا کیا۔

دیکھو شاہ کربلا کو قتل کے میدان میں سامنے تھے موت کے بیٹھے نہ چھوڑی پر نماز
ہو سکے جتنا رولے تو اے چشم کون روئے گا پھر شہیدوں کو

آہ! وہ کیسی گھڑی تھی جب حضرت امام حسین رضی اللہ عنہ کا یہ تر و تازہ اور ہرا بھرا باغ آپ کی آنکھوں کے سامنے لوٹا۔ گھوڑوں نے ان پر ٹاپیں ماریں۔ سارا کنبہ آنکھوں کے سامنے کٹ گیا۔ سوائے ایک طفل بیمار کے کوئی بھی باقی نہ رہا جس سے بقائے نسل کی امید ہو۔ ایسی نازک گھڑی میں بھی آپ نے نماز ترک نہ کی۔ پانی کی نایابی کے باوجود بھی آپ کی عبادت ترک نہ ہوئی۔ کئی وقت کی نماز تیمم سے آپ نے مع اپنے ہمراہیوں کے ادا کی۔ دشمن گلہ کاٹنے کے لئے سینہ پر چڑھا بیٹھا ہے مگر اسوقت بھی نماز سے غفلت نہ ہوئی۔

کس طرح کا حسینؓ کو شوق نماز تھا بھولے نہ وقت قتل وہ نعمت نماز ہے

اے مومنو نجات کی صورت نماز ہے پڑھتے نہیں نماز مسلمان کیسے ہو
بندوں پہ پروردگار کی رحمت نماز ہے رحمت حق سے دور ہو کیوں بے نمازیو
تلخی مرگ کے لئے شربت نماز ہے ہوگی نمازیوں کو نہ تکلیف مرتے دم

غرضیکہ نماز ایک ایسی پسندیدہ عبادت ہے جس سے کسی نبی کی شریعت خالی نہیں رہی۔ حضرت آدم علیہ السلام سے لے کر آخر تک تمام رسولوں کی امت پر نماز فرض تھی۔ ہاں اس کی کیفیت اور تعینات میں البتہ تغیر ہوتا رہا ہے۔

امام ربانی حضرت مجدد الف ثانی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ جان لو دنیا میں نماز کا رتبہ آخرت میں دیدار الٰہی کے رتبہ کی طرح ہے۔ دنیا میں نہایت قرب خداوندی نماز میں ہے۔ اور آخرت میں نہایت قرب دیدار الٰہی کے وقت ہوگا اور جان لو کہ باقی تمام عبادات نماز کے لئے وسیلہ ہیں اور نماز اصلی مقصد ہے۔

نماز اسلام کا رکن اعظم ہے۔ ہر مسلمان عاقل بالغ پر روزانہ پانچ وقت کی نماز فرض عین ہے۔ امیر ہو یا فقیر۔ صحیح وتندرست ہو یا مریض' مسافر ہو یا مقیم' یہاں تک کہ دشمن کے مقابلہ میں جب لڑائی کی آگ بھڑک رہی ہو۔ اس وقت بھی اس کا چھوڑنا جائز نہیں۔ عورت جبکہ دردزہ میں مبتلا ہو جو ایک سخت مصیبت وتکلیف کا وقت ہے نماز کا چھوڑنا جائز نہیں بلکہ اس کی ادائیگی میں دیر کرنے کی بھی اجازت نہیں۔ یہاں تک کہ اگر بچے کا کوئی جز نصف سے کم اس کے خاص حصہ سے باہر آ گیا ہو' خون نکلا ہو یا نہیں اس وقت بھی اس کو نماز پڑھنے کا حکم ہے۔ جو شخص نماز کی فرضیت کا انکار کرے وہ یقیناً کافر ہے نماز کی فرضیت کا ثبوت قرآن مجید اور احادیث نبویہ اور اجماع امت سے ثابت ہے۔

نماز کی روح اور صورت

جاننا چاہئے کہ جاندار مخلوق کی طرح حق تعالیٰ نے نماز کو بھی ایک صورت اور ایک روح مرحمت فرمائی ہے۔ چنانچہ نماز کی روح تو نیت اور قلب ہے اور قیام وقعود نماز کا بدن ہے۔ رکوع وسجدہ نماز کا سر اور ہاتھ پاؤں ہیں۔ اور جس قدر اذکار وتسبیحات نماز میں ہیں وہ نماز کے

آنکھ کان وغیرہ ہیں۔اذکاروتسبیحات کے معنیٰ کو سمجھنا گویا آنکھ کی بینائی اور کانوں کی قوت سماعت وغیرہ ہے۔نماز کے تمام ارکان کو اطمینان اور خشوع وخضوع کے ساتھ ادا کرنا نماز کا حسن یعنی بدن کا سڈول اور رنگ وروغن کا درست ہونا ہے۔الغرض اس طرح پر نماز کے اجزا اورارکان کو بحضور قلب پورا کرنے سے نماز کی ایک حسین وجمیل اور پیاری صورت پیدا ہوجاتی ہے۔نماز میں جو تقرب نمازی کو حق تعالیٰ سے حاصل ہوتا ہے اس کی مثال ایسی سمجھو جیسے کوئی خدمت گار اپنے بادشاہ کی خدمت میں کوئی خوبصورت کنیز ہدیۂ پیش کرے اور اس وقت اس کو بادشاہ سے تقرب حاصل ہو۔پس اگر تمہاری نماز میں خلوص نہیں ہے تو گویا مردہ اور بے جان کنیز بادشاہ کی نذر کر رہے ہو اور ظاہر ہے کہ یہ ایک ایسی گستاخی و بے باکی ہے کہ ایسا گستاخ شخص اگر قتل کردیا جائے تو عجب نہیں۔ اگر نماز میں رکوع وسجدہ نہیں ہے تو گویا لنگڑی لولی اور اپاہج لونڈی نذر کرتے ہو اور اگر ذکر وتسبیح نماز میں نہیں ہے تو گویا لونڈی کے آنکھ کان نہیں۔اگر سب کچھ موجود ہے مگر ذکر وتسبیح کے معنیٰ نہیں سمجھے اور نہ دل متوجہ ہوا تو ایسا ہے جیسے کنیز کے اعضاء تو سب موجود ہیں لیکن ان میں حس وحرکت بالکل نہیں۔یعنی حلقہ چشم موجود ہے مگر بینائی نہیں ہے۔کان موجود ہیں مگر بہری ہے کہ سنائی نہیں دیتا ہاتھ پاؤں ہیں مگر شل اور بے حس ہیں۔اب تم خود سمجھ سکتے ہو کہ اندھی، بہری، کنیز شاہی نذرانہ میں قبول ہوسکتی ہے یا نہیں؟ شاید تمہیں یہ شبہ ہو کہ جب نماز کے فرض اور واجب ادا کردیئے جاتے ہیں تو علماء شریعت اس نماز کے صحیح ہونے کا فتویٰ دے دیتے ہیں۔خواہ معنیٰ سمجھے ہوں یا نہ سمجھے ہوں۔ اور جب نماز صحیح ہوگئی تو جو مقصود تھا وہ حاصل ہوگیا۔اس سے معلوم ہوا کہ معنیٰ کا سمجھنا نماز میں ضروری نہیں ہے۔لہٰذا سمجھ لو کہ علماء کی مثال طبیب کی سی ہے۔پس اگر کوئی لونڈی اپاہج اور کیسی ہی عیب دار کیوں نہ ہو، اگر اس میں روح موجود ہے تو طبیب اس کو دیکھ کر ضرور یہی کہے گا کہ یہ زندہ ہے مردہ نہیں ہے۔اسی طرح نماز کی روح اور اعضائے رئیسہ کے موجود ہونے سے علماء فتویٰ دیں گے کہ نماز صحیح ہے اور فاسد نہیں ہے۔پس ایسی صورت میں طبیب اور عالم نے اپنے اپنے منصب کے موافق جو کچھ کہا وہ صحیح کہا ہے۔مگر نماز تو شاہی نذرانہ اور سلطانی تقرب حاصل ہونے کی حالت ہے اور اتنا تم خود سمجھ سکتے ہو کہ عیب دار کنیز اگرچہ زندہ ہے مگر

سلطانی نذرانہ پیش کرنے کے قابل نہیں ہے بلکہ ایسی کنیز کا تحفہ پیش کرنا گستاخی اور شاہی عتاب کا موجب ہے۔ اسی طرح سے اگر ناقص نماز کے ذریعہ سے اللہ کا تقرب چاہو گے تو کچھ عجب نہیں کہ پھٹے پرانے کپڑے کی طرح لوٹا دی جائے اور منہ پر پھینک ماری جائے۔

الغرض نماز سے مقصود چونکہ حق تعالیٰ کی تعظیم ہے لہذا نماز کے سنن و مستحبات و آداب میں جس قدر بھی کمی ہوگی اسی قدر احترام و تعظیم میں کوتاہی سمجھی جائے گی۔ نماز کی روح کا زیادہ خیال رکھو یعنی نماز میں شروع سے اخیر تک اخلاص اور حضور قلب یعنی دل کا متوجہ ہونا قائم رکھو جو الفاظ زبان سے کہتے ہو یا جو کام اعضاء سے کرتے ہو ان کا اثر دل میں بھی پیدا کرو۔ اس کا مطلب یہ ہے کہ جب رکوع میں بدن جھکے تو دل بھی عاجزی کے ساتھ جھک جانا چاہئے اور جب زبان اللہ اکبر کہے تو دل میں بھی یہی ہو کہ بیشک اللہ سے بڑی کوئی چیز نہیں ہے۔ جب الحمد پڑھو تو قلب بھی اللہ کی نعمتوں کے شکریہ سے لبریز ہو۔ اور جس وقت زبان سے ایاک نعبد وایاک نستعین نکلے تو دل بھی اپنے ذلیل وضعیف اور محتاج ہونے کا اقرار کرے یعنی قلب میں بھی یہی ہو کہ بے شک بجز خدا کے کسی چیز کا نہ مجھے اختیار ہے نہ کسی دوسرے کو۔ غرض تمام اذکار و تسبیحات اور جملہ ارکان و حالات میں ظاہر و باطن یکساں اور ایک دوسرے کے موافق ہونا چاہئے۔ بس سمجھ لو کہ نامہ اعمال میں نماز وہی لکھی جاتی ہے جو سوچ سمجھ کر پڑھی گئی ہو۔ پس جتنا حصہ بغیر سمجھے ادا ہوگا وہ درج نہ ہوگا۔ ہاں یہ ضرور ہے کہ شروع شروع میں پوری طرح حضور قلب رکھنے میں تم کو بہت دشواری معلوم ہوگی لیکن اگر عادت ڈالو گے تو رفتہ رفتہ ضرور عادت ہو جائے گی۔ اس لئے اس کی طرف توجہ کرو اور اس توجہ کو آہستہ آہستہ بڑھاؤ۔ مثلاً اگر تمہیں چار فرض پڑھنے ہوں تو دیکھو کہ اس میں حضور قلب کس قدر حاصل ہوا؟ فرض کرو کہ ساری نماز میں دو رکعت کے برابر تو دل کو توجہ رہی اور دو رکعت کے برابر غفلت رہی تو ان دو رکعتوں کو نماز میں شمار ہی نہ کرو اور اتنی نفلیں پڑھو جن میں دو رکعت کے برابر حضور قلب حاصر ہو جائے غرض جتنی غفلت زیادہ ہو اسی قدر نفلوں میں زیادتی کرو۔ حتیٰ کہ اگر دس نفلوں میں چار فرض رکعتوں کا حضور قلب پورا ہو جائے تو امید کرو کہ حق تعالیٰ شانہ اپنے فضل و کرم سے فرائض کا نقصان ان نفلوں سے پورا فرما دے گا۔ اور اس کمی کا تدارک نوافل سے منظور فرمائے

گا۔ نیز یہ بھی جان لیجئے کہ نمازی کے کپڑوں کی مثال ایسی ہے جیسے کسی پھل کے اوپر کا چھلکا۔ اور بدن کی مثال ایسی ہے جیسے اندر کا چھلکا۔ اور قلب کی مثال ایسی ہے جیسے اندر کی گری اور مغز پس ظاہر ہے کہ مقصود مغز ہوا کرتا ہے۔ اسی طرح اس ظاہری پاکی سے بھی قلب کا پاک ہونا اور نورانی بنانا مقصود ہے۔ شاید تم کو یہ شبہ ہو کہ کپڑے کے دھونے سے قلب کس طرح پاک ہو سکتا ہے۔ لہٰذا سمجھ لو کہ حق تعالیٰ نے ظاہر اور باطن میں ایک ایسا خاص تعلق رکھا ہے جس کی وجہ سے ظاہری طہارت کا اثر باطنی طہارت تک ضرور پہنچتا ہے۔ چنانچہ تجربہ کر لو کہ جب تم وضو کر کے کھڑے ہوتے ہو تو اپنے قلب میں ایسی صفائی اور انشراح پاتے ہو جو وضو سے پہلے نہ تھی اور ظاہر ہے کہ یہ وضو ہی کا اثر ہے جو بدن سے آگے بڑھ کر دل تک پہنچا ہے۔

نماز مومنین کی معراج

معراج میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو جو برکات اور روحانی سربلندیاں عطا ہوئیں ان کا خلاصہ تین چیزیں ہیں۔ (۱) مشاہدہ حق (۲) قرب حق (۳) اللہ تعالیٰ سے راز و نیاز کا کلام کرنا۔ مومن کو نماز میں تینوں چیزیں حاصل ہو جاتی ہیں۔ مشاہدۂ حق کے متعلق حدیث شریف میں آتا ہے کہ بحالت قیام بندہ کی نظر اللہ پاک کے چہرے پر ہوتی ہے۔ جیسا کہ چہرہ اس کی شان کے مناسب ہے۔ (۲) قرب حق یوں حاصل ہوتا ہے کہ سجدہ میں قرب کی انتہاء ہو جاتی ہے۔ (۳) باقی رہا کلام کرنا یہ تو نمازی کو ہر رکعت میں میسر ہوتا ہے کیونکہ ہر رکعت میں سورۃ فاتحہ پڑھی جاتی ہے اور سورۃ فاتحہ کے بارے میں حدیث شریف میں ارشاد ہے کہ اس کے ہر جملے کا جواب اللہ تعالیٰ کی طرف سے ہاتھ در ہاتھ دیا جاتا ہے۔

ذرا غور فرمایئے کہ ادنیٰ سے ادنیٰ حاکم کے ساتھ شرف ہمکلامی حاصل کرنے کے لئے لوگ کیسی کیسی کوششیں کرتے ہیں۔ جب گورنر یا بادشاہ سے بات کرنے کا موقع مل جاتا ہے تو خوشی سے پھولے نہیں سماتے۔ اب خود ہی اندازہ کر لو کہ رب العالمین احکم الحاکمین سے اگر شرف ہمکلامی ہو جائے تو کس قدر مسرت اور فرحت اور طمانیت قلب حاصل ہوگی چونکہ یہ بہت عظیم الشان مقصد ہے اس کے لئے اہتمام بھی اس کے مناسب کیا گیا کہ سب سے

پہلے پاک وصاف جگہ اس کے لئے منتخب کی گئی جس کو مسجد کہتے ہیں پھر ایک منادی مقرر کیا گیا۔ جو وقت مقررہ پر اللہ کے بندوں کو اس کی بارگاہ میں بلاتا ہے۔ جب پاک وصاف باوضو ہو کر سب جمع ہو جائیں تو ایک شخص جو سب سے زیادہ خدا ترس اور خدا رسیدہ ہو آگے بڑھے اور سب لوگوں کو غلاموں کی طرح سیدھی صف میں کھڑا کر کے ان کی رہبری اور رہنمائی کرے۔ پھر ہر شخص دنیاوی خیالات دل سے نکال کر آئینہ دل کو خالق کون ومکان کے سامنے رکھے تا کہ براہ راست تجلیات الٰہیہ دل میں جلوہ فگن ہوں۔ خدا کی عظمت و بزرگی کا اقرار کرتے ہوئے دونوں جہان سے دست بردار ہو کر دست بستہ اپنے مالک حقیقی کے سامنے کھڑا ہو جائے اس کی حمد وثناء کرے۔ اس کی خدائی اور ربوبیت کا اعتراف اور اپنی بندگی اور بے چارگی کا اقرار کرے۔ اور اس سیدھے راستے پر چلنے کی دعا کرے جو پروردگار عالم نے اپنے بندوں کے لئے مقرر فرمایا ہے۔ ان راستوں سے پناہ مانگے جو گمراہوں اور نافرمانوں نے نکالے ہیں۔ اللہ تعالیٰ کے قانون کو دل سے قبول کرے۔ اور جس قدر ہو سکے زبان سے اس کی تلاوت کرے۔ اور اس کی عظمت و کبریائی اور اعلیٰ صفات کمال کو پیش نظر رکھے اس کے سامنے سر جھکائے گویا اس کے قانون کو قبول کر لیا اور اطاعت و فرمانبرداری کا عہد کر لیا۔ سر جھکا کر خدا کی عظمت وجلال کا بار بار اقرار کرے پھر خدا کا شکر کرتا ہوا کہ اس نے بندہ کی حمد وثناء کو قبول کر لیا۔ سیدھا کھڑا ہو جائے اور اس نعمت عظمیٰ کے شکریہ میں اللہ کی بزرگی اور بڑائی کا اقرار کرتے ہوئے سر کو اس کے سامنے زمین پر رکھ دے۔ اس کی علو ذات بزرگی اور بڑائی اور شہنشاہیت کا بار بار اقرار کرے اور دوبارہ سر کو زمین پر رکھ دے کہ یہ سر بنایا اسی لئے ہے کہ اس کو معبود کے سامنے جھکایا جائے اور کسی دوسرے کو سجدہ نہ کیا جائے اسی طرح اول سے آخر تک چند بار کرے تا کہ دل ودماغ مالک کی عظمت وہیبت وجلال سے لبریز ہو جائیں اور اپنی غلامی و بندگی کا سکہ دل ودماغ پر جم جائے۔ یہ ہے نماز کی حقیقت' اس طریقہ سے جو شخص نماز پڑھنے کا پابند ہو جاتا ہے وہ پاکیزہ اخلاق اور اچھی عادات سے آراستہ ہو جاتا ہے اور بری وگندی باتوں اور حرکتوں سے خود بخود بچنے لگتا ہے۔ بشرطیکہ نماز حضور قلب اور غور وفکر کے ساتھ ادا کی جائے گویا ہم خدا کے دربار میں حاضر اور اس کے سامنے ہیں۔ وہ ہم کو دیکھ رہے ہیں اور ہماری معروضات کو سن

رہے ہیں۔ پس جو کچھ زبان سے کہیں اس کو سمجھتے بھی رہیں اور دل سے اس کا اقرار کرتے رہیں۔ جس قدر اس میں کمی ہوگی اسی قدر نماز کے برکات اور ثواب میں کمی ہوگی۔ مگر قاعدہ یہ ہے کہ ہر کام ابتداء میں ناقص ہی ہوتا ہے برابر کرتے رہنے اور اس میں لگے رہنے ہی سے درجہ کمال کو پہنچتا ہے۔ بشرطیکہ تکمیل یعنی مکمل کرنے کا ارادہ بھی کیا جائے۔ ادنیٰ پر قناعت نہ کی جائے۔ افسوس یہ ہے کہ بہت سے مسلمان تو نماز پڑھتے ہی نہیں اور جو پڑھتے ہیں وہ تکمیل اور ترقی کی کوشش نہیں کرتے۔ وما علینا الا البلاغ

نماز ایک نور ہے

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے نماز کے بارہ میں فرمایا ہے کہ ''وہ نور ہے'' سو اس دنیا میں نماز کی اس خصوصیت کا ظہور اس طرح ہوتا ہے کہ اس کی برکت سے قلب میں ایک نور پیدا ہوتا ہے جس کو اللہ تعالیٰ کے وہ بندے خود محسوس کرتے ہیں جن کی نمازیں حقیقی نمازیں ہیں۔
پھر اسی نور کا ایک اثر یہ ہوتا ہے کہ آدمی فواحش و منکرات سے بچتا ہوا چلتا ہے۔ اسی کو قرآن مجید میں فرمایا گیا ہے۔ اِنَّ الصَّلٰوةَ تَنْهٰى عَنِ الْفَحْشَآءِ وَالْمُنْكَرِ ''بلاشبہ نماز میں یہ خاصیت ہے کہ وہ آدمی کو فواحش و منکرات سے روکتی ہے۔ آخرت کی منزلوں میں نماز کی اس نورانیت کا ظہور اس طرح ہوگا کہ وہاں کی اندھیریوں میں نماز روشنی اور اجالا بن کر نمازی کے ساتھ ہوگی۔ قرآن مجید میں ارشاد ہے نُوْرُهُمْ يَسْعٰى بَيْنَ اَيْدِيْهِمْ وَبِاَيْمَانِهِمْ اللہ کے نیک صالح بندوں کے آگے آگے اور داہنی جانب ان کے اعمال کا نور دوڑتا ہوگا۔

ارکان نماز پر عجیب ثواب

نماز کی ابتداء اللہ اکبر اور انتہا السلام علیکم ورحمۃ اللہ پر ہوتی ہے یعنی اول میں بھی اللہ ہی کا لفظ ہے اور آخر میں بھی یہ اس لئے ہے کہ نمازی کو معلوم ہو جائے کہ نماز میں اول سے آخر تک وہ اللہ ہی کے ساتھ ہے ترمذی شریف میں ابوامامہؓ سے روایت ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جب تک بندہ اپنی نماز میں مشغول رہتا ہے۔ اس پر نیکی اس طرح بکھیری جاتی ہے جیسے دلہن پر پھول۔
بزرگوں سے یہ بھی سنا ہے کہ ظہر کی پہلی چار سنت کا ثواب تہجد کی نماز کے برابر

ہے۔ تکبیر اولیٰ میں شرکت کا ثواب ایک ہزار اونٹ قربانی کرنے کے برابر ہے۔ رکوع کی تسبیح کا ثواب انسان کے وزن کے برابر سونا خیرات کرنے کے برابر ہے۔ رکوع میں جانے سے جو گناہ اس پر لادے گئے تھے وہ گر جاتے ہیں۔ سجدے میں تقرب الٰہی سب سے زیادہ ہوتا ہے۔ اور سجدے میں ایک تسبیح کا ثواب ایک غلام آزاد کرنے کے برابر ہے۔ جو شخص الحمد شریف کے بعد شامل ہوا وہ ایسا ہے جیسے مال غنیمت میں تو شامل ہو گیا مگر جہاد میں شامل نہ ہو سکا۔ واللہ اعلم بالصواب۔

نماز میں ہر لفظ پر بے حد ثواب

حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ جس وقت بندہ نماز کے لئے تیار ہو کر اللہ اکبر کہتا ہے تو جیسا ماں کے شکم سے بے گناہ پیدا ہوا تھا اس کے مثل اپنے تمام گناہوں سے پاک ہو جاتا ہے۔ جس وقت اعوذ باللہ من الشیطان الرجیم کہتا ہے تو اس کے بدن کے ہر ایک بال کی گنتی کے برابر نیکیاں لکھی جاتی ہیں۔ جس وقت سورۃ فاتحہ پڑھتا ہے گویا حج اور عمرہ بجالاتا ہے یعنی حج اور عمرہ کا ثواب حاصل کرتا ہے۔ جس وقت سبحان ربی العظیم کہتا ہے تو جو کتابیں خدا کے ہاں سے نازل ہوئی ہیں گویا سب پڑھتا ہے۔ جس وقت سمع اللہ لمن حمدہ کہتا ہے حق تعالیٰ رحمت کی نظر سے اس کی طرف دیکھتا ہے۔ جس وقت سجدہ کرتا ہے تو انسان و جنات کی گنتی کے موافق نیکیاں خدا تعالیٰ بخشتا ہے۔ جس وقت التحیات للہ پڑھتا ہے تمام صبر کرنے والوں کا ثواب و اجر پاتا ہے۔ جس وقت سلام پھیرتا ہے تو جنت کے تمام دروازے اس کے لئے کھل جاتے ہیں۔ جس دروازہ سے چاہے گا بہشت میں داخل ہو گا۔

نماز پر وعدہ مغفرت

حضرت عبادہ بن صامت رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے پانچ نمازیں اللہ تعالیٰ نے فرض کی ہیں جس نے ان کے لئے اچھی طرح وضو کیا اور ٹھیک وقت پر ان کو پڑھا اور رکوع و سجود بھی جیسے کرنے چاہئیں ویسے ہی کئے اور خشوع کی

صفت کے ساتھ ان کو ادا کیا تو ایسے شخص کے لئے اللہ تعالیٰ کا پکا وعدہ ہے کہ وہ اس کو بخش دیگا۔ اور جس نے ایسا نہیں کیا اور نماز کے بارہ میں اس نے کوتاہی کی تو اس کے لئے اللہ تعالیٰ کا کوئی وعدہ نہیں ہے چاہے گا تو اس کو بخش دے گا اور چاہے گا تو سزا دے گا۔ (مسند احمد سنن ابی داؤد)

تشریح: مطلب یہ ہے کہ جو صاحب ایمان بندہ اہتمام اور فکر کے ساتھ نماز اچھی طرح ادا کرے گا تو اولاً وہ خود ہی گناہوں سے پرہیز کرنے والا ہوگا اور اگر شیطان یا نفس کے فریب سے کبھی اس سے گناہ سرزد ہوں گے تو نماز کی برکت سے اس کو توبہ واستغفار کی توفیق ملتی رہے گی۔ جیسا کہ عام تجربہ اور مشاہدہ بھی ہے۔ اس سب کے علاوہ نماز اس کے لئے کفارہ سیئات بھی بنتی رہے گی۔ اور پھر نماز بجائے خود گناہوں کے میل کچیل کو صاف کرنے والی اور بندہ کو اللہ تعالیٰ کی خاص رحمت وعنایت کا مستحق بنانے والی وہ عبادت ہے جو فرشتوں کے لئے بھی باعث رشک ہے اس لئے جو بندے نماز کے شرائط وآداب کا پورا اہتمام کرتے ہوئے خشوع وخضوع کے ساتھ نماز ادا کرنے کے عادی ہوں گے۔ ان کی مغفرت بالکل یقینی ہے اور جو لوگ دعویٰ اسلام کے باوجود نماز کے بارہ میں کوتاہی کریں گے انؐ کے حالات کے مطابق اللہ تعالیٰ جو فیصلہ چاہے گا کرے گا۔ چاہے ان کو سزا دے یا اپنی رحمت سے معاف فرما دے اور بخش دے۔ بہر حال وہ سخت خطرے میں ہیں اور ان کی مغفرت کی کوئی گارنٹی نہیں۔

یہ بات یاد رکھیئے کہ نماز سابقہ گناہوں کی گندگی کو دھوڈالتی ہے مگر اس شرط کے ساتھ مشروط ہے کہ وہ آدمی کبیرہ گناہوں سے آلودہ نہ ہو کیونکہ کبیرہ گناہوں کی نجاست اتنی غلیظ ہوتی ہے اور اس کے ناپاک اثرات اتنے گہرے ہوتے ہیں جن کا ازالہ صرف توبہ ہی سے ہوسکتا ہے ہاں اللہ تعالیٰ چاہے تو یونہی معاف فرمادے اس کا کوئی ہاتھ پکڑنے والا نہیں۔

نماز جامع عبادت ہے

نماز کی مثال مرکب نسخہ کی ہے۔ جس میں تمام اجزائے مفیدہ کو جمع کر دیا گیا ہو۔ ظاہر بات ہے کہ ایسا خمیرہ یا معجون مفرد دوا سے زیادہ مفید ہوتا ہے پس اسی طرح اسلام میں جتنے اعمال مفردہ تھے نماز میں ان سب کو جمع کر کے ایک مرکب بنا دیا ہے گویا کہ تمام اقوام عالم

اور اسلام کی بھی جس قدر عبادت اور اطاعات ہیں نماز ان سب کا ایک جامع مرقع ہے۔ یعنی ان سب عبادات کو ایک نماز کے اندر جمع کر دیا گیا ہے۔

روزہ کو دیکھو تو نماز میں موجود ہے کیونکہ روزہ کی حقیقت نیت صادق کے ساتھ کھانے پینے اور عورتوں کے انتفاع سے بچنا ہے۔ سو نماز کا روزہ رمضان کے روزہ سے بھی زیادہ اکمل ہے۔ کیونکہ رمضان کے روزے میں تو تین چیزیں ہی ممنوع ہیں لیکن نماز میں ان تین کے علاوہ سلام' کلام' عورتوں کو چھونا' ہنسا بولنا' اور چلنا پھرنا سب باتیں ممنوع ہیں۔ حتیٰ کہ دعا بھی وہ درست ہے جو مشابہ کلام ناس کے نہ ہو۔ معلوم ہوا کہ نماز کے اندر روزہ کی شان رمضان کے روزہ سے بھی علی وجہ الکمال پائی جاتی ہے۔

نماز میں حج بھی ہے۔ حج کو لو تو وہ بھی نماز میں موجود ہے۔ کیونکہ حج کی حقیقت ہے تعظیم اور تعلق بالبیت سو نماز میں وہ موجود ہے نماز میں تعظیم بیت اللہ کا یہ مقام ہے کہ استقبال قبلہ شرط صحت صلوٰۃ ہے کہ اس کے بغیر نماز ہی نہیں ہو سکتی پس جس طرح حج کے طواف میں بیت اللہ کے سامنے رفع یدین کر کے گردش طواف شروع کرتے ہیں بس اسی طرح نماز میں سمت بیت اللہ کے سامنے کھڑے ہو کر نماز کا دوران شروع کرتے ہوئے تعظیماً رفع یدین کرتے ہیں۔

پھر جس طرح حرم محترم میں شیطان کے آثار کو سنگریزوں سے سنگسار کیا جاتا ہے اسی طرح نماز میں اولاً ہی اعوذ پڑھ کر اس کے فتنوں سے پناہ مانگی جاتی ہے۔ پھر جس طرح حج میں طواف وداع کر کے رخصت چاہی جاتی ہے اسی طرح نماز میں سلام وداع کر کے دربار الٰہی سے رخصت ہوا جاتا ہے غرضیکہ حج کی پوری حقیقت بجنسہ نماز میں موجود ہے۔ پس جو نماز پڑھے گا اسے برکات حج بھی میسر ہوں گے۔

اعتکاف۔ اعتکاف کو لو تو وہ بھی نماز میں مکمل شکل کے ساتھ موجود ہے کیونکہ اعتکاف کی روح وحقیقت گناہوں سے رکنا ہے اور یہ نماز کے اندر موجود ہے چنانچہ نمازی نماز کے اندر تمام گناہوں سے رکتا ہے۔ بھلا نماز میں کون گناہ کر سکتا ہے۔ اعتکاف میں ضرورت بشریہ پورا کر لینے' سو جانے' لیٹ رہنے اور کھانے پینے کی تو اجازت ہے لیکن نماز میں یہ سب امور ممنوع اور مفسد صلوٰۃ ہیں۔

زکوٰۃ ۔اسی طرح زکوٰۃ بھی اپنی حقیقت کے ساتھ نماز میں موجود ہے کیونکہ زکوٰۃ کی حقیقت انفاق فی سبیل اللہ اور تزکیہ نفس ہے یعنی محبت دنیا سے قلب کو پاک کرنا تا کہ محبت حق کے لئے جگہ خالی ہو پس مال نکال کر قلب کو حظوظ دنیا سے پاک کر لیا جاتا ہے نماز میں ابتداء ہی سے رفع یدین کر کے گویا بندہ ساری دنیا کی نسبت کانوں پر ہاتھ دھرتا ہے کہ میں سب سے بیزار ہوں اور صرف اللہ کی طرف آتا ہوں۔ اور ظاہر ہے کہ یہی تزکیہ نفس کی روح ہے۔ پھر نماز کے لئے فی سبیل اللہ مصارف تھوڑے بہت مثل کپڑا' پانی جگہ لوٹا اور چٹائی وغیرہ لازم ہیں جس کی کچھ نہ کچھ مقدار ہر نمازی پر بقدر حصہ لازم نکلتی ہے ظاہر ہے کہ نماز ننگے تو پڑھو گے نہیں ۔ کپڑا تو پہنو گے ہی اور اس پر خرچ بھی ہوگا۔ خصوصاً اس زمانہ میں جبکہ کپڑے کی قیمت بھی زیادہ ہوگئی ہے لہذا انفاق یعنی خرچ کرنا بھی ہو گیا اس لئے زکوٰۃ بھی حساً ومعناً صورتاً وحقیقتاً نماز کے اندر موجود ہے۔

اب بتایئے کونسی عبادت رہ گئی جو نماز میں موجود نہیں۔ شاید کوئی کہنے لگے کہ نماز میں قربانی نہیں تو سمجھ لیجئے کہ قربانی کی حقیقت باطنی ہے۔ یعنی اپنے کو فنا کر دینا۔ اور اپنی خواہشات کو مٹا دینا سو وہ نماز میں ایسی ہے کہ اپنے نفس سے پوچھو کہ قیود کے اندر مقید ہو کر اپنی تمام خواہشات کو چھوڑنا پڑتا ہے۔

جہاد۔اسی طرح جہاد بھی نماز کے اندر موجود ہے۔ جیسے نماز کے لئے قواعد ہیں ٹھیک اسی اصول پر جہاد کی صفوف کے بھی عسکری قواعد رکھے گئے ہیں کہ مجاہدین کی صفیں ایک سیدھ میں رہیں۔ ساری فوج ایک دیوار نظر آئے۔ سب کا ایک فعل ہو۔ یکبارگی سب کا حملہ ہو۔ جیسے نماز میں امام کی آواز پر رکوع وسجود کی طرف انتقالات ہوتے ہیں جو شیطان پر سب سے زیادہ بھاری وشاق ہوتے ہیں اور وہ خائب وخاسر ہو کر بھاگتا ہے۔ ٹھیک اسی اصول پر جہاد میں بھی امام وامیر وسپہ سالار کے اشاروں پر فوجی نقل وحرکت اور اقدام ورجوع ہوتا ہے جس سے دشمن کے چھکے چھوٹتے ہیں۔ پھر جیسے نماز کا نعرہ تکبیر ہے ایسے ہی جہاد میں بھی نعرہ تکبیر ہی شعار بنایا گیا ہے۔ جس طرح نماز کی تکبیر اور اذان سے شیاطین بھاگتے ہیں ایسے ہی جہاد میں نعرۂ تکبیر سے کفار کے دل لرزتے ہیں۔ پھر جیسے نمازیوں کی صف آرائی کے

وقت حق تعالیٰ کوخوشی ہوتی ہے کہ دیکھو میرے بندے کس طرح اپنے عیش وآرام کو چھوڑ کر میرے گھر کی طرف دوڑے آ رہے ہیں اور میرے دشمن شیطان کو مار بھگانے کے لئے آمادہ ہیں۔ٹھیک اسی طرح مجاہدین کی صف بندی کے وقت بھی حق تعالیٰ کوخوشی ہوتی ہے کہ دیکھو میرے بندے میری راہ میں جان دینے کے لئے کس طرح بھاگے چلے آ رہے ہیں۔ پھر جس طرح نماز کی جماعت بطور اجتماع گھروں میں نہیں رکھی گئی اس کے لئے مخصوص مکانات یعنی مساجد ہیں ٹھیک اسی طرح جہاد بھی گھر کے کونوں میں نہیں ہوتا بلکہ اس کے لئے بھی مخصوص میدان ہوتے ہیں۔ جس طرح نمازی جب رکوع میں جاتا ہے تو اس کے کندھوں پر ملائکہ گناہوں کو لاد دیتے ہیں اور جب وہ کھڑا ہوتا ہے یا سجدہ میں جاتا ہے تو وہ گناہ دونوں طرف سے خشک پتوں کی طرح گرتے اور بکھرتے ہیں۔ یہاں تک کہ بندہ پاک صاف ہو جاتا ہے۔ٹھیک اسی طرح جہاد کے بارہ میں فرمایا۔
السیف محاء للذنوب:۔ یعنی تلوار سارے گناہوں کو ختم کرنے والی ہے جس سے ایک گناہ جھڑ جاتا ہے اور خون کے ایک ایک قطرے کے ساتھ آدمی کا نفس دھل کر صاف ستھرا اور چمکدار ہو جاتا ہے۔ جب آغاز صلوٰۃ میں ثناء کے بعد قرأۃ قرآن کا آغاز ہوتا ہے تو پہلے اعوذ پڑھی جاتی ہے گویا کہ اپنے دشمن یعنی شیطان کے مقابلہ کے لئے تعوذ کا ہتھیار سنبھال لیا جاتا ہے۔نماز نے ہمیں یہ بھی بتا دیا کہ دشمن کی اپنی چھاؤنی بھی ہوتی ہے جیسے شیطان کے مخصوص اوقات سورج نکلتے وقت' سورج غروب ہوتے وقت' عین دوپہر کا وقت ان میں ہمیں حکم دیا گیا ہے کہ تین وقت جو شیطان کی چھاؤنی ہے ان میں خود نہ گھسو کیونکہ تمہیں اس کی اندرونی طاقت کا علم نہیں بلکہ دشمن کی حملہ آوری سے پہلے ہی مدافعت کا بندوبست رکھو جیسے اذان کا اصول ہے نماز نے یہ بھی آگاہ کر دیا کہ دشمن تمہارے مورچوں میں شگاف بھی ڈال دے گا جیسے شیطان صفوں کے بیچ میں گھسنے کی کوشش کرتا ہے۔تو ہمیں حکم دیا گیا کہ خوب گتھ کر صف بندی کرو۔ یہ بھی بتلایا گیا کہ یہ دشمن شیطان پراپیگنڈہ کر کے تمہارے خیالات بھی تبدیل کرے گا جیسے شیطان وسوسہ اندازی کرتا ہے۔سو ذکر اللہ سے بیدار رہو۔
صفوں کو سیدھا رکھنے میں فائدہ...... یہ بھی نماز نے آگاہ کر دیا کہ دشمن تم پر خواب آور

گیس بھی پھینکے گا جیسے شیطان کا صفوں کے درمیانی فاصلوں میں گھس کر غفلت آور شیشیاں سنگھاتا ہے تو نماز نے علاج بھی بتلا دیا کہ درمیانی خلل ہی مت چھوڑو کہ اسے آنے اور شیشی سونگھانے کی نوبت آئے اور یہ بھی سمجھا دیا کہ اگر شیطان وسوسہ ڈالے تو ادھر دھیان ہی مت کرو۔ صرف خدا سے پناہ مانگو۔ جب نہ مانے تو پھر تعوذ کے ساتھ اسے دھتکار دو۔ گویا ابتداءً عدم تشدد اور پھر تشدد اور کھلی جنگ ہے۔ آپ ہی بتایئے کہ کیا جہاد میں اس اصول کے سوا اور کوئی دوسرا طریق کار ہوسکتا ہے کہ اگر کفار تعدی پر آمادہ ہوں تو پہلے امن قائم کرنے کی سعی کرو مگر جب حملہ آوری کی ٹھان ہی لیں تو پھر جم کر ان کا مقابلہ کیا جائے۔ پس اگر جہاد کے اصول معلوم کرنے ہوں اور دشمنوں کے مقابلہ میں جنگی سپرٹ تیار کرنی ہو تو نماز اس کی بھی سکیم اپنے اندر رکھتی ہے اور دن میں پانچ مرتبہ اس جنگی سپرٹ کی طرف رہنمائی کرتی ہے۔

نماز ہجرت بھی ہے۔ اسی طرح نماز میں ہجرت بھی شامل ہے کیونکہ ہجرت کی حقیقت یہی ہے کہ معاصی کو ترک کر کے طاعات کی طرف اقدام کرنا ہے۔ غور کرو تو معلوم ہوگا کہ نماز کی صورت میں ہجرت بھی موجود ہے۔ آخر آدمی گھر بار چھوڑ کر ہی بیوت الٰہی یعنی مساجد میں پہنچتا ہے اور حقیقتاً ہجرت یہی ہے۔

تلاوت تو ہے ہی۔ پھر دیکھئے قرآن کی تلاوت بہت بڑی عبادت ہے۔ اور یہ تلاوت قرآن بھی نماز میں موجود ہے۔ بلکہ قرأت نماز میں فرض ہے۔ کہ بدوں قرأت نماز ہی نہیں ہوتی پس جو شخص نماز پڑھے گا اس کو تلاوت قرآن کے فضائل بھی حاصل ہوں گے۔

اذکار۔ بعض اذکار کی فضیلت احادیث میں آئی ہے جیسے سبحان اللہ کہ اس کے بارہ میں آیا ہے کہ سبحان اللہ میزان ہے۔ نماز میں وہ بھی موجود ہے۔ چنانچہ رکوع میں پڑھتے ہیں **سبحان ربی العظیم** اور سجدہ میں **سبحان ربی الاعلیٰ**۔

دعا۔ پھر احادیث میں دعا کے بہت سے فضائل وارد ہیں۔ تو جب نماز میں قرآن پڑھو گے تو تلاوت قرآن میں کہیں کہیں اور خصوصاً سورۃ فاتحہ میں تو ہر رکعت میں دعا بھی موجود ہے اور سورۃ فاتحہ تو ہر رکعت میں پڑھی جاتی ہے۔

نیز درود شریف کے کتنے فضائل ہیں اور درود شریف کے بعد بھی دعا کی جاتی ہے۔

پس نماز میں دعا کے فضائل بھی آ گئے اور درود شریف کے بھی۔ غرضیکہ نماز کسی برکت سے خالی نہیں دعا ہے وہ اس میں موجود ہے۔ ثناء ہے وہ اس میں موجود ہے۔ ذکر مبارک ہے وہ اس میں موجود۔ بعض لوگ اولیاء اللہ کا دم بھرتے ہیں اوران کے تذکروں کے دلدادہ ہوتے ہیں سوان کا تذکرہ بھی نماز میں موجود ہے۔ چنانچہ ہر رکعت میں پڑھتے ہیں اَلَّذِیۡنَ اَنۡعَمۡتَ عَلَیۡھِمۡ اس میں اولیاء اللہ بھی تو آ گئے۔ بہرحال نماز تمام عبادات میں ممتاز ہے۔ باطنی لحاظ سے اس کے اندر تمام عبادات موجود اور اپنے ظاہر سے بھی کہ نماز کی ہیئت بتلا رہی ہے کہ نماز والا خشوع وخضوع کسی دوسری عبادت وذکر میں نہیں۔

کائنات کی ہر چیز کی نماز

حضرت شاہ عبدالعزیز صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے تصریح کی ہے کہ ہر ایک چیز کی نماز کی ہیئت اس کی خلقت کے مناسب رکھی گئی ہے تاکہ اس کی نماز اس کی خلقی وضع قطع سے طبعاً ادا ہوتی رہے۔ مثلاً درختوں میں چلنا پھرنا جھکنا نہیں ہے اس لئے درختوں کی نماز صرف قیام ہے یعنی ان کی صورت نوعیہ ایسی بنائی گئی ہے گویا کہ وہ اپنی ساق پر کھڑے ہوئے قیام کے ساتھ نماز ادا کر رہے ہیں۔ پھر چوپایوں کی نماز صرف رکوع ہے یعنی ان کی خلقی ہیئت ایسی بنائی گئی ہے گویا کہ وہ ہر وقت اللہ کے سامنے رکوع میں جھکے ہوتے ہیں۔ پھر حشرات الارض یعنی رینگنے والے اور پیٹ کے بل چلنے والے کیڑے مکوڑوں کی نماز بصورت سجدہ ہے جیسے سانپ' بچھو' چھپکلی اور کیڑے مکوڑوں کی خلقی ہیئت سجدہ نما بنائی گئی ہے کہ وہ اوندھے اور سرنگوں رہتے ہیں۔ پھر جبال یعنی پہاڑوں کی نماز بحالت تشہد وقعود ہے۔ گویا یہ ہر وقت زمین پر دوزانو جمے ہوئے بیٹھے ہیں اور ہمہ وقت التحیات میں ہیں۔ پھر اڑنے والے پرندوں کی نماز انتقالات ہیں کہ نیچے سے اوپر اور اوپر سے نیچے منتقل ہوتے رہتے ہیں۔ جیسے انسان قیام سے قعود اور قعود سے قیام کی طرف منتقل ہوتا رہتا ہے۔ اسی طرح پرندے اوپر سے نیچے کی طرف اڑتے مثل رکوع کے ہیں اور نیچے سے اوپر اٹھتے ہیں تو گویا رکوع سے قومہ وقیام کی طرف جاتے ہیں۔ اور جب پر پھیلا کر زمین پر اوندھے پڑ جاتے ہیں تو گویا سجود میں ہیں۔ پس ان کی نماز انتقالات ہیں۔

پھر سیاروں اور آسمانوں کو دیکھو تو ان کی نماز دوران اور گردش ہے کہ ایک نقطہ سے گھوم کر پھر اسی نقطہ پر لوٹ آتے ہیں۔ اور پھر وہی سابقہ حرکت شروع کر دیتے ہیں جیسا کہ نمازی ایک رکعت پڑھ کر پھر عود کرتا ہے اور اسی قسم کے افعال لوٹ کر دوسری رکعت میں ادا کرنے لگتا ہے۔

زمین کی نماز فرشتوں کی نماز

زمین کی نماز سکون ہے جیسے آدمی پہلے ساکن ہوتا ہے پھر حرکت کرتا ہے۔ زمین کا یہ جمود و سکون اس کی تکوینی نماز ہے۔ پھر ملائکہ کی نماز اصطفاف ہے یعنی صف بندی کہ وہ قطار در قطار جمع ہو کر یاد الٰہی میں مصروف رہتے ہیں۔ کوئی صف رکوع میں ہے اور کوئی قیام میں اور بے شمار فرشتے سجود میں رہتے ہیں۔

کسی چیز کی نماز دعا یعنی اللہ تعالیٰ سے سوال کرنا ہے جس طرح نمازی التحیات کے بعد سلام سے پہلے اور بعد دعا کرتا ہے یہ جنت اور دوزخ کی نماز ہے جنت کہتی ہے یا اللہ میرے ساتھ تیرا وعدہ ہے کہ میں نیک بندوں سے تجھ کو بھر دوں گا۔ لہذا میری دعا قبول فرما۔ اللہ تعالیٰ فرمائیں گے کہ تیری دعا قبول ہے میں نیک بندوں سے تیرا پیٹ بھر دوں گا۔ اسی طرح دوزخ دعا کرتی ہے کہ یا اللہ میری غذا بدکار بندے ہیں لہٰذا میرا پیٹ ان سے بھر۔ اللہ تعالیٰ فرمائیں گے کہ تیرا سوال بھی پورا کروں گا۔

گویا کہ ہر مخلوق کو نماز کی تسبیح اور ذکر بھی اس کی خلقت و استعداد کے مناسب جدا جدا عطا کیا گیا ہے۔ قرآن حکیم نے فرمایا ہے **وَاِنْ مِّنْ شَیْءٍ اِلَّا یُسَبِّحُ بِحَمْدِہٖ وَلٰکِنْ لَّا تَفْقَهُوْنَ تَسْبِیْحَهُمْ** یعنی دنیا کی کوئی بھی چیز ایسی نہیں جو خدا کی حمد کے ساتھ اس کی پاکی نہ کہتی ہو۔ ہر چیز نماز پڑھتی اور ذکر الٰہی کرتی ہے مگر ہمیں سنائی نہیں دیتا۔ ہم نے کیا سننا ہے ہمیں تو انسانوں کی بولیاں بھی سمجھ میں نہیں آتیں۔ ایک اردو زبان کو دیکھ لو کہ اصولاً دو سو بولیاں اردو کی ہندوستان میں بولی جاتی ہیں۔ اسی طرح باقی ملکوں کی بولیوں کو سمجھ لیجئے۔ پتھر کی آواز ہمیں سنائی نہیں دیتی مگر بعض اوقات انبیاء علیہم السلام سن لیتے رہے

ہیں۔ خلاصہ یہ کہ نماز تمام عبادات کی جامع ہے اور ساری مخلوقات نماز اور تسبیح پڑھتی ہے۔ ساری مخلوقات کی نماز حضرت انسان کی نماز میں پائی جاتی ہے۔ چونکہ یہ ساری کائنات کا خلاصہ ہے اس کی عبادت بھی ساری کائنات کی عبادت ہے۔

نماز میں حکمرانی کے اصول

بنی نوع انسان کو ایک عظیم الشان مشن کی تکمیل کے لئے پیدا کیا گیا ہے کہ وہ کون و مکان کی حقیقت و ماہیت سے پردے ہٹا کر خداوند تعالیٰ کی قدرت کاملہ کو دنیا پر آشکارا کر دے اسی بناء پر انسان کو مظہر خدا کہا گیا ہے اجرام سماوی اور اجرام ارضی کی کہنہ تک پہنچنے کے لئے ضروری ہے کہ انسان کنویں کا مینڈک نہ بنے بلکہ میدان میں نکلے اور خلیفۃ اللہ فی الارض کا ثبوت دے۔ سب سے پہلے نماز نے جو اسوہ پیش کیا ہے وہ یہ ہے کہ فرض نمازیں گھروں میں نہ ادا کی جائیں بلکہ مساجد میں حاضر ہو کر۔ یعنی ادائیگی نماز کے لئے سب سے پہلی چیز گھر کی چار دیواری سے باہر ہو جانا ہے۔ گویا نماز نے سب سے پہلے خانگی خلوت کو توڑ کر ایک انسان کو میدان میں نکالا۔ اور جلوتوں کے ہجوموں میں دیکھنا چاہا ہے۔ جس کا راز یہ ہے کہ گھر کی چار دیواری میں محدود رہ کر انسان کی نگاہ اور ظرف علم سب محدود اور تنگ رہتے ہیں اس کی نگاہ گھر میں رہ کر خانگی امور تک ہی محدود رہ سکتی ہے۔ اسے عام شہر یا قوم سے کوئی واسطہ نہیں ہو سکتا۔ اس لئے نماز نے گھروں سے مساجد کی طرف سفر کرایا تا کہ انسان کی باطنی اور ظاہری وسعتیں نمایاں ہوں۔ اور کوئی ایک مسلم بھی تنگ دل' تنگ ظرف اور تنگ حوصلہ باقی نہ رہے۔ کہ جس کے سامنے صرف اس کا نفس اور اس کا گھر ہو بلکہ اس کے ظرف میں گھر سے باہر نکل کر مسلمانوں کے پورے جتھوں اور جمگھٹوں کی گنجائش ہو اور اس کے دل میں صرف اپنا اور اپنے بچوں کا ہی خیال نہ ہو بلکہ ان کے علاوہ اپنی قوم کا بھی خیال ہو۔ اس کا تجربہ اور علم گھر کی چار دیواری تک محدود نہ رہے بلکہ بیرونی مجامع میں پہنچ کر سب کو دیکھ کر اور سب کی سن کر اس کا علم۔ اس کا خیال اور تجربہ وسیع تر ہو جائے۔ پھر سفر میں مزید وسعتیں پیدا کیں۔ کہ ہفتہ بھر تو ایک نمازی کو مسجد محلہ ہی کی طرف سفر کرایا۔ لیکن ہفتہ میں

جمعہ کا ایک دن رکھ کر اس سفر کو اور وسعت دی کہ شہر بھر کے مسلمان گھروں سے نکل کر ایک جامع مسجد کی طرف سفر کریں اور مسجد جامع اور جمعہ کے فضائل بیان کر کے ایک طالب اور نمازی کو مخمور اور مسرور بنا دیا۔ پھر اس سفر کو اور وسیع کیا تو سال بھر میں عیدیں رکھ دیں کہ مسلمان نہ صرف گھروں سے اور نہ صرف محلوں سے بلکہ شہر سے بھی باہر نکل کر عیدگاہ میں پہنچیں اور ضلع بھر کے مسلمان اکٹھے مل کر خدا کے سامنے سجدہ ریز ہوں پھر آخر میں اس سفر کو اور وسعت دی تو شہر چھوڑ کر ایک اقلیم اور ایک ملک تک بھی محدود نہ رکھا بلکہ حکم دیا کہ صاحب وسعت مسلمان عمر بھر میں ایک دفعہ مسجد الحرام یعنی کعبہ شریف کی طرف بھی سفر کریں۔ پھر اس سفر میں بھی وسعت دی تو مسجد الحرام کے بعد مسجد نبوی اور مسجد اقصیٰ بیت المقدس کو بھی شامل فرما دیا اور ان کی حاضری کی بھی درجہ بدرجہ ترغیب دی۔

بہرحال نماز نے اس اسوہ سے اس اصول کی طرف رہنمائی کی کہ مسلمان کا گھر اور باہر سفر اور حضر وطن اور غیر وطن سب برابر ہیں۔ جب تک مسلمان اپنی نفسی اور خانگی زندگی کو چھوڑ کر باہر نہیں نکلے گا وہ کبھی اپنے دین اپنی قوم اور اپنے ملک کا حق ادا نہیں کر سکتا۔ پس اجتماعات یعنی اکٹھا ہونے کیلئے سب سے پہلی چیز خلوت کا توڑ پھینکنا تھا۔ سو نماز نے پہلے اسے توڑا۔

کارآمد اجتماعیت۔ پھر دیکھئے اجتماعیت بھی اسی وقت کارآمد ہو سکتی ہے جبکہ اس کے ساتھ نظم و نسق و تنظیم ہو۔ بغیر تنظیم کے نری اجتماعیت کچھ سودمند ثابت نہیں ہو سکتی۔ اس لئے نماز نے دوسرا حکم یہ دیا کہ فرضی نماز با جماعت ادا کیجائے تا کہ نماز کے وقت مسلمان صف بندی اور پرا باندھ کر کھڑا ہوں یعنی ٹخنے سے ٹخنہ اور کندھے سے کندھا ملا کر کھڑے ہوں تا کہ دیکھنے والے کو ایک آہنی دیوار معلوم ہو۔ مطلب یہ ہے کہ نماز کے لئے جو اجتماعی نظام ''جماعت'' کی شکل میں تجویز کیا گیا ہے اس کے لئے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ طریقہ تعلیم فرمایا کہ لوگ صفیں بنا کر برابر برابر کھڑے ہوں۔ آپؐ نے تاکید اً فرمایا کہ صفیں بالکل سیدھی ہوں۔ کوئی شخص ایک انچ نہ آگے ہو اور نہ پیچھے۔ پہلے اگلی صف پوری کر لی جائے اس کے بعد پیچھے کی صف شروع کی جائے۔ بڑے اور ذمہ دار اور اصحاب علم و فہم اگلی

صفوں میں امام سے قریب جگہ حاصل کرنے کی کوشش کریں۔ چھوٹے بچے پیچھے کھڑے ہوں اور اگر خواتین بھی جماعت میں شریک ہوں تو ان کی صف سب سے پیچھے ہو۔ امام سب کے آگے اور صفوں کے درمیان میں کھڑا ہو۔ حضرت نعمان بن بشیر رضی اللہ عنہُ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہماری صفوں کو اس قدر سیدھا اور برابر کراتے تھے گویا کہ ان کے ذریعے آپ تیروں کو سیدھا کریں گے۔ اس کے بعد ایک دن ایسا ہوا کہ آپ باہر تشریف لائے اور نماز پڑھانے کے لئے اپنی جگہ پر کھڑے بھی ہو گئے۔ یہاں تک کہ قریب تھا کہ آپ تکبیر کہہ کر نماز شروع فرمادیں کہ آپ کی نگاہ ایک شخص پر پڑی جس کا سینہ صف سے کچھ آگے نکلا ہوا تھا۔ تو آپؐ نے فرمایا کہ اللہ کے بندو! اپنی صفوں کو سیدھا کرو اور بالکل برابر کرو ورنہ اللہ تعالیٰ تمہارے رخ ایک دوسرے کے مخالف کر دے گا۔ (صحیح مسلم)

مطلب آپ کا یہ تھا کہ اللہ کے بندو! میں تم کو آگاہی دیتا ہوں کہ اگر صفوں کو برابر اور سیدھا کرنے میں تم بے پروائی اور کوتاہی کرو گے تو اللہ تعالیٰ اس کی سزا میں تمہارے رخ ایک دوسرے سے مختلف کر دے گا۔ یعنی تمہاری وحدت اور اجتماعیت پارہ پارہ کر دی جائے گی۔ اور تم میں پھوٹ پڑ جائے گی جو امتوں اور قوموں کے لئے اس دنیا میں سو عذابوں کا ایک عذاب ہے۔

پہلی صف والوں پر اللہ تعالیٰ کی رحمت

حضرت ابوامامہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ رحمت فرماتا ہے اور اس کے فرشتے دعا رحمت کرتے ہیں۔ پہلی صف کے لئے۔ بعض صحابہؓ نے عرض کیا کہ یارسول اللہ! اور دوسری کے لئے بھی؟ آپ نے ارشاد فرمایا کہ اللہ رحمت فرماتا ہے اور فرشتے دعا رحمت کرتے ہیں پہلی صف کے لئے۔ پھر عرض کیا گیا اور دوسری صف کے لئے بھی؟ آپ نے پھر پہلی ہی بات دہرادی۔ یعنی فرمایا کہ:۔ اللہ تعالیٰ رحمت فرماتا ہے اور اس کے فرشتے دعا خیر کرتے ہیں پہلی صف کے لئے۔ پھر آپ سے عرض کیا گیا کہ یارسول اللہ اور دوسری صف کے لئے بھی؟ آپ نے تیسری مرتبہ بھی وہی پہلی

بات دہرادی کہ اللہ تعالیٰ رحمت فرماتا ہے اور فرشتے دعاء رحمت کرتے ہیں پہلی صف والوں کے لئے۔ اُن لوگوں نے پھر عرض کیا کہ یا رسول اللہ! اور دوسری صف کیلئے بھی؟ تو اس چوتھی دفعہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اور دوسری صف والوں کے لئے بھی (مسند احمد)

تشریح۔ اس حدیث سے معلوم ہوا کہ اللہ تعالیٰ کی خاص رحمت اور فرشتوں کی دعا رحمت کے خصوصی مستحق اگلی صف والے ہی ہوتے ہیں دوسری صف والے بھی اس سعادت میں اگرچہ شریک ہیں لیکن بہت پیچھے ہیں۔ مطلب یہ ہے کہ پہلی اور دوسری صف میں بظاہر فاصلہ تو بہت ہی تھوڑا سا ہوتا ہے لیکن اللہ تعالیٰ کے نزدیک ان میں بہت فاصلہ ہے اس لئے اللہ کی رحمت کے طالب کو چاہیے کہ وہ حتی الوسع پہلی ہی صف میں جگہ حاصل کرنے کی کوشش کرے۔ جس کا ذریعہ یہی ہوسکتا ہے کہ مسجد میں اول وقت میں پہنچ جائے۔ ایک حدیث میں ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ:۔

''اگر لوگوں کو معلوم ہو جائے کہ پہلی صف میں کھڑے ہونے کا کیا اجر وثواب ہے' اور اس پر کیا صلہ ملنے والا ہے تو لوگوں میں اس کے لئے ایسی دوڑ اور کشمکش ہو کہ قرعہ اندازی سے فیصلہ کرنا پڑے۔'' (بخاری ومسلم)

حضور علیہ السلام نے فرمایا کہ اللہ کی رحمت کے طالب کو چاہئے کہ وہ حتی الوسع پہلی ہی صف میں جگہ حاصل کرنے کی کوشش کرے جس کا ذریعہ یہی ہوسکتا ہے کہ مسجد میں اول وقت پہنچ جائے۔ صحیحین کی ایک حدیث میں ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اگر لوگوں کو معلوم ہو جائے کہ پہلی صف میں کھڑے ہونے کا کیا اجر وثواب ہے اور اس پر کیا صلہ ملنے والا ہے تو لوگوں میں اس کے لئے ایسی مسابقت اور کشمکش ہو کہ قرعہ اندازی سے فیصلہ کرنا پڑے۔

حضرت براء بن عازبؓ سے مروی ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم ہمارے سینوں اور مونڈھوں کو ہاتھ لگا لگا کر دیکھتے تھے اور فرماتے تھے کہ شیطان کے لئے راستے مت چھوڑو۔ جس نے صف کو ملایا اللہ رب العزت اس کو اپنی رحمت سے ملائے گا۔ اور جس نے صف کو قطع کیا اس کو اللہ تعالیٰ اپنی رحمت سے قطع کرے گا۔ آپؐ نے قسم کھا کر کہا کہ میں اس ذات کی قسم کھاتا ہوں جس کے قبضہ میں میری جان ہے۔ بیشک میں شیطان کو دیکھتا ہوں کہ صفوں میں ایسا گھستا ہے جیسے کہ بکری کا بچہ۔

صف میں دائیں طرف کھڑے ہونے کی فضیلت

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا۔ اللہ تعالیٰ رحمت نازل فرماتا ہے اور فرشتے دعاء مغفرت کرتے ہیں صفوں کے داہنے حصوں پر۔ (ابوداؤد؛ ابن ماجہ)

تشریح: اس حدیث شریف سے معلوم ہوا کہ جس طرح صفوں کے درمیان آپس میں مختلف درجات ہیں اسی طرح ایک صف کے مختلف حصوں کے درجات میں بھی باہمی فرق ہے۔ اول درجہ تو امام کے بالکل پیچھے حصے کا ہے۔

دوسرا درجہ صف کے داہنے حصہ کا ہے اس لئے علماء نے لکھا ہے کہ صف میں شریک ہوتے وقت دیکھ لینا چاہئے کہ اگر صف کا داہنا حصہ بائیں حصہ کے مقابلہ میں کم ہے یا برابر ہے تو دائیں طرف کھڑا ہونا چاہئے اور اگر بائیں طرف کم آدمی ہیں تو پھر بائیں طرف ہی کھڑا ہونا چاہئے۔

تیسرا درجہ صف کے بائیں حصہ کا ہے۔ لیکن اگر صف کا یہ حصہ خالی رہ جائے تو اس کی فضیلت داہنے سے زیادہ ہو جاتی ہے جیسا کہ حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما کی روایت سے معلوم ہوتا ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں لوگوں نے عرض کیا کہ مسجد کا بایاں حصہ (لوگوں کے کھڑے نہ ہونے کی وجہ سے) بے کار ہو کر رہ گیا ہے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا جو مسجد کا بایاں حصہ آباد کرے گا اسے دوگنا اجر ملے گا۔

دوگنا اجر ملنے کی بظاہر وجہ یہ ہے کہ ایک تو صف کی کمی کو پورا کرنے کا دوسرے صف کی تکمیل کی خاطر دائیں طرف کے اجر کو قربان کرنے کا۔

گویا ثواب اصل کے اعتبار سے دائیں جانب کا ہی زیادہ ہے لیکن جب بائیں طرف کم لوگ رہ جائیں تو اس وقت بائیں طرف کا ثواب زیادہ ہو جائے گا۔ یہاں اس بات کا بھی ذکر کر دینا ضروری معلوم ہوتا ہے کہ تمام روایات میں دائیں بائیں سے امام کا دائیں بائیں ہی مراد ہے نہ کہ مسجد کا۔

حضرت براء بن عازب رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ جب ہم رسول اللہ صلی اللہ علیہ

وسلم کے پیچھے نماز پڑھتے تھے تو ہم اس بات کو پسند کرتے تھے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے دائیں طرف (کھڑے ہوں) میں نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو ہماری طرف (داہنی طرف) چہرہ مبارک کر کے یہ دعا پڑھتے سنا۔

"رَبِّ قِنِیْ عَذَابَکَ یَوْمَ تُبْعَثُ عِبَادَکَ"

(اے اللہ جس دن تو اپنے بندوں کو اٹھائے گا اس دن اپنے عذاب سے مجھ کو بچا) (مسلم)

صفوں کو ملانے اور ان میں خالی جگہ پر کرنیکی ترغیب

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا بلاشبہ اللہ تعالیٰ رحمت بھیجتا ہے اور فرشتے استغفار کرتے ہیں ان کے لئے جو صفوں کو ملاتے ہیں۔ (احمد، ابن خزیمہ، ابن ماجہ، صحیح ابن حبان، حاکم)

ابن ماجہ کی روایت میں یہ بھی ہے کہ جو (صف میں) کسی خالی جگہ کو پر کرتا ہے اللہ تعالیٰ اس کی وجہ سے اس کا ایک درجہ بلند کرتا ہے۔

حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کچھ لوگ مسلسل (ایک عرصہ تک) صف اول سے پیچھے ہوتے رہتے ہیں حتیٰ کہ اللہ تعالیٰ ان کو جہنم کا مستحق کر کے پیچھے ہی کر دیتا ہے۔ (ابوداؤد، ابن خزیمہ، ابن حبان)

مسجد میں جمع ہونے کی حکمت

اسلام نے یہ پہلو اختیار کیا کہ منتشر اور بکھرے ہوئے افراد کو مسجد میں جمع کر کے ایک جماعت کی صورت بنا کر ساری قوم کو ایک فرد واحد یعنی امام کے سپرد کر دیا کیونکہ صف بندی اور لائنوں کی یکسانی اور گتھ کر کھڑے ہونا جب ہی فائدہ دے سکتا ہے کہ کوئی طاقت اس کو بروئے کار لائے۔ جب تک امیر یا سپہ سالار اور کمانڈر نہ ہو تو جمع شدہ فوج کیا کر سکتی ہے اس لئے کسی امام و امیر اور کمانڈر کا ہونا ضروری ہے پس یہی سبق ہم کو نماز نے سکھلایا کہ جمع شدہ لوگ اپنا ایک امام مقرر کر لیں۔ پھر امام کی بھی شرائط مقرر کر دیں کہ جو سب سے افضل ہو اس کو

امام بناؤ۔ اور امام کی طاعت قوم و جماعت کے اوپر واجب قرار دے دی اور حکم دے دیا کہ امام کے ایک اشارہ پر لاکھوں گردنیں خم کھا جائیں اور لاکھوں نفوس حرکت میں آ جائیں اور امام کی اتھارٹی و طاقت یہ مقرر کر دی کہ کسی ایک مقتدی کی مجال نہیں کہ امام سے انحراف کر سکے اور اس سے فرنٹ ہو جائے اور شدید وعیدیں سنائی گئیں جیسے حضرت ابوہریرۃ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ کیا تم میں سے کوئی اس بات کا خوف نہیں رکھتا کہ جب امام سے پہلے اپنا سر اٹھائے تو اللہ رب العزت اس کے سر کو گدھے کا سر بنا دے یا اس کی صورت کو اللہ تبارک وتعالیٰ گدھے کی صورت بنا دے۔ (بخاری و مسلم)

پھر اسلام نے نماز میں مقتدیوں اور قوم کے وقار کو بھی باقی رکھا اور حکم دے دیا کہ یہی مقتدی اور یہی مطیع جماعت جو امام کے اشاروں پر چل رہی ہے اگر امام کی کوئی غلطی کسی رکن صلوٰۃ میں دیکھ پائے تو مقتدیوں کے لئے ہرگز اجازت نہیں ہے کہ اس غلطی پر صبر کر کے خاموش ہو رہیں بلکہ ان کا فرض ہے کہ امام کو ٹوکے اور اس کی غلطی پر اسے متنبہ کریں اور امام کے لئے بھی ضروری قرار دے دیا کہ قوم و جماعت کی اس تنبیہ پر اپنی غلطی کو مانے اور عملاً اس کا اعتراف کرتے ہوئے سجدہ سہو میں جھک جائے۔

امام کے اشارہ کی طاقت...... اس سے نماز نے اس اصول کی طرف رہنمائی کی کہ امام کا استقبال تو اتنا ہونا چاہئے کہ اس کے اشاروں پر صفوں کی صفیں جھک جائیں مگر ساتھ ہی قوم و جماعت کا وقار بھی اتنا ہونا چاہئے کہ امام کی غلطی دیکھ کر قوم اعتراض سے ہرگز نہ چوکے۔ چنانچہ نماز نے اس اصول کو قائم کر کے ملت و قوم کو متنبہ کیا ہے کہ ملت و سلطنت مسلمہ کا نظام بھی اسی اصول پر قائم کرو۔ اس کے ساتھ ہی نماز نے ہمیں یہ بھی بتلا دیا کہ امام و سالار و کمانڈر اور بادشاہ اسلام کا سب سے پہلا مقصد یہ ہے کہ وہ تمام مقتدیوں اور پوری قوم کو خدا کے سامنے لے جا کر ڈال دے اور جھکا دے اور کلمات ربانی بہ آواز بلند سب کو سنا دے اور اعلاء کلمۃ اللہ سے سب کے کان کھنکھٹائے۔ گویا کہ نماز نے واضح طور پر رہنمائی کی کہ امامت کبریٰ یعنی سلطنت میں بھی امیر قوم یعنی بادشاہ اور صدر کا وظیفہ یعنی طریقہ کار یہ نہ ہونا

چاہئے کہ وہ قوم کو تفوق اور تعیش کے مرض میں مبتلا کر دے بلکہ صدر کا اولین و آخرین فریضہ اعلاء کلمۃ اللہ یعنی اللہ کے کلمہ کو بلند کرنا اور خدا کے نام کی عالم میں منادی کرنا ہے۔ نیز اللہ کے بندوں کو اس کی بارگاہ تک پہنچانے کے لئے انہیں نصیحت کرنا نیکیوں کا آرڈر کرنا اور بدی سے باز رکھنا ہے تا کہ دنیا میں خدا کا نام اور اس کا قانون عام رائج ہو اور ساری دنیا اس کے زیر سایہ امن کی زندگی بسر کر سکے اور امن عامہ کی فضا گونج اٹھے۔ بہر حال یہ امر پوری طرح واضح ہو گیا کہ نماز کے افعال اور حقائق میں پورا نظام جمہوریت' اتفاق و اتحاد' قوم کا منصب و نصب امام' نظم و تنظیم اور مساوات اور حکمرانی و ترقی کی ساری اصولی تفصیلات کھپی پڑی ہیں دنیا کی کسی قوم میں یہ نظیر نہیں مل سکتی کہ ایک بادشاہ رعیت کے ادنیٰ آدمی کے ساتھ' ایک اعلیٰ افسر اپنے بیرے کے ساتھ ایک بڑا کارخانہ دار اپنے غریب مزدور کے ساتھ اللہ کے حضور میں کندھے سے کندھا اور ٹخنے سے ٹخنہ ملا کر کھڑا ہو۔ مساوات کی یہ اعلیٰ ترین نظیر صرف اور صرف اسلامی نماز ہی میں دیکھی جا سکتی ہے۔

نماز میں تواضع اور بادشاہت۔ اس سے یہ بات بھی پورے طور پر واضح ہو گئی کہ مسلمان نماز ہی کے ذریعہ سے عبادت الٰہی کا فریضہ بھی ادا کر سکتا ہے۔ اور نماز ہی کے ذریعہ خلافت الٰہی یعنی بادشاہت کا مقصد بھی پورا کر سکتا ہے۔ قرن اول میں حضرات صحابہؓ نے نماز ہی کی پابندی و برکت سے فقیری میں بادشاہت کی اور بادشاہت میں فقیری کی شان دکھلائی۔ بادشاہت کے وقت بھی ان کی نماز سے پیدا شدہ تواضع نہیں جاتی تھی اور تواضع اور فناء نفس کے وقت ان کی نماز سے پیدا شدہ اجتماعیت اور تنظیم ملت فنا نہیں ہوتی تھی۔ دیکھئے امیر المومنین حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہٗ خلیفہ وقت ہیں مگر کندھے پر پانی کی مشک ہے اور رعایا کے گھر میں پانی بھرتے پھر رہے ہیں۔ عرض کیا گیا کہ یا امیر المومنین بیت المال کے کسی خادم کو حکم فرما دیتے۔ فرمایا کہ کل روم کا سفیر میرے پاس آیا تھا اور وہ مجھ سے مرعوب ہوا۔ یعنی میرا رعب اس پر طاری ہوا جس سے میرے نفس میں ایک قسم کا عجب اور خود پسندی کا نزغہ پیدا ہوا۔ اس کا علاج کرتا پھر رہا ہوں۔ حضرات دیکھ لو کہ امیر المومنین حضرت عمر فاروقؓ مسند

خلافت پر بھی ہیں مگر خوئے عبادت اور تواضع نفس دامن کے ساتھ ساتھ ہے۔

قدرت نے مسلمانوں کو ساری دنیا پر حکومت کرنے اور ہر قسم کی روحانی و مادی ترقیات کا مجموعہ بنانے کے لئے پیدا کیا تھا۔ ترقی کا سب سے بڑا اور سب سے موثر ذریعہ کیریکٹر اور کامل زندگی ہے اور اس کی بہترین محرک نماز ہے۔

اطباء بھی اس کو تسلیم کرتے ہیں کہ اخلاق حمیدہ وافعال حسنہ کا اثر صحت پر بہت اچھا پڑتا ہے اور افعال بد سے بیماریاں پیدا ہوتی ہیں ابن ماجہ میں ایک حدیث ہے گو محدثین نے اس کو ضعیف کہا ہے لیکن چونکہ یہ مسئلہ احکام میں سے نہیں اس لئے ضعف حدیث اس میں مضر نہیں۔ حدیث یہ ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے نماز کے وقت سے بعض امراض کا علاج کیا ہے۔ ایک دفعہ حضرت ابو ہریرہؓ کے پیٹ میں درد تھا وہ آہ آہ کر رہے تھے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم ان کی عیادت کو تشریف لے گئے اور فرمایا کہ کیا تمہارے پیٹ میں درد ہے؟ کہا ہاں فرمایا کھڑے ہو کر نماز پڑھو۔ چنانچہ نماز پڑھتے ہی درد زائل ہو گیا۔ میں یہ تو دعویٰ نہیں کرتا کہ نماز پڑھنے سے ہمیشہ درد زائل ہو جایا کرے گا ممکن ہے کسی عارض سے اس نفع کا ظہور نہ ہو۔ مگر یہ تو ضرور ہے کہ نماز سے ایک خاص سرور ونشاط اور قلب کو راحت حاصل ہوتی ہے۔ جس کا اثر صحت پر بھی ضرور ظاہر ہوتا ہے۔ بعض چیزیں بالخاصہ موثر ہوتی ہیں دیکھئے مقناطیس میں جو جذب حدید کی خاصیت ہے اس کی وجہ کوئی نہیں بتلا سکتا۔ اسی طرح ہم کہتے ہیں کہ نماز میں یہ اثر بالخاصہ ہے کہ نماز سے ایک خاص سرور قلب میں پیدا ہوتا ہے۔ جس کا اثر صحت پر بھی ظاہر ہوتا ہے۔ جس کا جی چاہے تجربہ کرے مگر جیسی دوا ہو گی ایسا ہی اثر ہوگا۔

نماز کو آج کل رسمی چیز سمجھا جاتا ہے

جس نماز کو تم ایک رسمی چیز سمجھ رہے ہو۔ جس کو عہد قدیم کا ایک بیکار اور بے سود رواج مانتے ہو جس کے ادا کرنے میں تمہیں کیا کیا جھوٹے موانع پیش آتے ہیں۔ جسے پڑھتے بھی ہو تو ''برزبان تسبیح و دردل گاؤ خر'' کا حال ہوتا ہے وہی نماز ایسی چیز تھی کہ اگر اس کی حقیقت پر تمہیں عبور ہوتا تو اس وقت تمہاری حالت بدلی ہوئی نظر آتی اور تم یوں مقہور و

مغلوب نہ ہوتے کیونکہ تم میں سے ہر ایک فرد ایک ایسا اعلیٰ اور مکمل اخلاقی کیریکٹر رکھتا جو دنیا میں صرف عزت و عظمت ہیبت و جبروت' حکومت و فرمانروائی ہی کے لئے ہے۔

نماز کی حقیقت یہ ہے کہ خواہش و منکرات سے روکے اور انسان کی زندگی کو پاک و ستھرا بنا سکے۔ جس نماز سے یہ خصوصیت حاصل نہ ہو وہ نماز' نماز ہی نہیں ہے۔ نماز کی مواظبت سے انسان درست ہوتا ہے۔ خدا کی بارگاہ میں تقرب بڑھتا ہے۔ اور اس درجہ بڑھتا ہے کہ دنیا کی تمام جھوٹی ہستیاں ہیچ نظر آنے لگتی ہیں۔ نماز کو درست کرنا اور اس کے ٹھیک طریقہ پر ادا کرنا اولین رکن دین ہے۔ اگر صرف اپنی نمازیں درست و استوار کر لی جائیں تو میں اعلان کرتا ہوں کہ دین کی ساری سرفرازیاں اور دنیا کی ساری سربلندیاں حاصل ہو سکتی ہیں۔ اور دین میں گھسنے کا پورا راستہ مل جاتا ہے۔ مگر افسوس کہ مسلمانوں کی غفلت و جمود نے جہاں ان کی بداعمالیوں کی پاداش میں ان سے ہر قسم کی سربلندیاں اور سرفرازیاں چھین لی ہیں وہاں ان کے دلوں کی انگیٹھیاں بھی اس درجہ سرد ہو گئی ہیں کہ ان میں اب کوئی چنگاری اور کوئی گرمی باقی نہیں رہی۔ دل کا سوز و گداز' اللہ کے حضور میں جھکنے کا جذبہ' سچی انابت' سچا عجز غرضیکہ سب کچھ سرد و محو ہو چکا ہے۔ بہت تھوڑے مسلمان ہیں جو نماز کی صحیح لذت اپنی نمازوں میں پاتے ہیں۔ جب نماز کی لذت ہی نماز سے علیحدہ کر لی گئی تو پھر ایسی نماز ایک جسم ہے جس میں جان نہیں ایک پھول ہے جس میں خوشبو نہیں۔ ایک ڈھانچہ اور ہیولیٰ ہے جس میں روح نہیں۔ ایسی نماز بے کار' بے نتیجہ اور بے اثر ہے۔ گو نہ پڑھنے سے تو بہتر ہے مگر اس سے مقصود حاصل نہیں ہو سکتا۔

محرومی کے لئے نسخہ شفا

جب دعوت و تبلیغ حق کی پکار مکہ کے کوہساروں سے شروع شروع میں ٹکرائی تھی بالکل ابتداء عالم اسلام تھی۔ اس وقت اسلام و داعی اسلام کی غربت و بے چارگی' بے یاری اور بے مددگاری اپنی انتہا کو پہنچی ہوئی تھی۔ معدودے چند مسلمان تھے جو ہر طرف سے اعداء اسلام کے نرغہ میں محصور تھے۔ نہ صرف مکہ بلکہ پورا جزیرہ عرب ان کے خون کا پیاسا اور جان

کا دشمن تھا جس طرف نظر اٹھتی تھی مایوسی سے ٹکراتی ہوئی واپس آتی تھی۔ایسے عالم کس مپرسی وبے چارگی میں ان تمام درد و مصائب کا علاج و نسخہ شفا جو حکیم مطلق نے تجویز کیا وہ کیا تھا؟ وہ صرف یہی ایک نسخہ تھا۔ اَقِمِ الصَّلٰوۃَ -اَقِمِ الصَّلٰوۃَ یعنی نماز قائم کرو۔نماز قائم کرو۔ اس لئے کہ نماز ہی تمہارے تمام دکھوں کا علاج ہر درد کی دوا۔اور ہر قسم کے زخم کا مرہم ہے۔ حالانکہ ان بے چارے مسلمانوں کو اللہ کی اس کشادہ زمین پر اتنا حق بھی نہ تھا کہ کھلے طور پر نماز ہی کے لئے جگہ ملتی۔مگر دانائے حال نے بجز اس کے اور کوئی دوسرا نسخہ نہیں تجویز کیا کہ اَقِمِ الصَّلٰوۃَ -اَقِمِ الصَّلٰوۃَ نماز قائم کرو نماز قائم کرو۔اس وسیع وکشادہ زمین عرب میں سب کے لئے جگہ تھی۔سب کو چلنے پھرنے کا بلاقید وشرط حق تھا مگر تنگ تھی وہ زمین تو ان چند پرستاران حق وتوحید کے لئے وہ کونسی جسمانی وروحانی تکلیف وایذاء تھی جو ان کو نہ دی گئی یا ان کے لئے تجویز نہ کی گئی۔ بالآخر جب شدت تکالیف وایذارسانی حد سے بڑھ گئی اور انسان کے لئے ناقابل برداشت ہوگئی حتیٰ کہ وہ وجود اقدس جس کی بقاء پر پوری کائنات کی بقاوسعادت منحصر تھی باشارۂ مٰلِکِ یَوْمِ الدِّیْنِ ہجرت پر مجبور ہوا۔اور وطن سے بے وطنی پر لاچار۔اس وقت کے کرب والم اور درد وغم کے لئے بھی جو داروئے تسکین ومرہم زخم آتا ہے وہ یہ کہ اَقِمِ الصَّلٰوۃَ نماز قائم کرو۔نماز قائم کرو۔سورۃ ق کی آخری آیات پڑھو تو تم کو واضح ہوجائے گا کہ اس بے چارگی غربت اور درد و مسکنت کا جو علاج سوچا گیا اور کامیابی کی جو راہ تجویز کی گئی وہ بجز اس کے اور کچھ نہ تھی کہ اَقِمِ الصَّلٰوۃَ نماز قائم کرو۔

سچی نماز۔پھر ذرا غور کرو کہ کس طرح ان ہی معدودے چند مسلمانوں نے سچی نماز اور صرف سچی نماز کی برکت سے جماعت کی شکل اختیار کی اور کس طرح اس ربانی جماعت نے دنیا کا نقشہ بدل کر رکھ دیا۔ سچی نماز وہ ہے جس سے دل میں سوز وگداز۔رکوع میں خشوع وخضوع اور سجود میں کیف ولذت حاصل ہو اور تقرب ومعراج الی المحبوب ہو۔جن کی نمازیں سچی تھیں اور جنہوں نے اپنی نمازوں میں لذت وچاشنی پائی تھی قرآن ان کو ان الفاظ کے ساتھ یاد کرتا ہے۔تَتَجَافٰی جُنُوْبُھُمْ عَنِ الْمَضَاجِعِ ان کے پہلو خوابگاہوں سے الگ رہتے ہیں ان

کی پسلیاں نرم و نازک گدیلوں پر سکون و قرار نہیں پاتیں۔ وہ راتوں کو اٹھ اٹھ کر اپنے اللہ کے حضور میں نمازیں قائم کرتے ہیں۔ ان کی پیشانیاں مصروف سجدہ ان کی زبانیں تسبیح کناں ان کے قلوب محو لذائذ نماز ہوتے ہیں۔ آپ نے سنا ہوگا کہ حضرت ابوطلحہ رضی اللہ عنہ نماز پڑھ رہے تھے کہ ایک چھوٹی سی چڑیا ان کے باغ میں آ گئی اور اس کو پھر جانے کا راستہ نہ ملا۔ حضرت ابوطلحہؓ کی توجہ نماز میں بٹ گئی۔ نماز کے بعد انہوں نے پورا باغ صدقہ کر دیا اس لئے کہ حقیقت نماز اس شرکت کو گوارا نہ کر سکتی تھی۔ یہ ہے حقیقت سچی نماز کی۔ کاش ہمیں بھی ایسی نمازوں کی چاٹ پڑتی اور ہم سمجھتے کہ نماز واقعی کیا چیز ہے؟ مگر آج ہماری تو یہ حالت ہے کہ خود مسلمانوں کا یہ نیا متمدن طبقہ علی الاعلان کہتا ہے کہ نماز سے بڑھ کر اس گروہ کے لئے کوئی مبغوض و مکروہ حکم نہیں۔ صاف کہتے ہیں کہ نماز سوائے ایک وحشیانہ حرکت ہونے کے اس کے اکثر اجزاء ایسے ہیں جو متمدن زندگی کے ساتھ جمع نہیں ہو سکتے۔ وضو سے سوٹ کی آستینوں کا کلف خراب ہو جاتا ہے اور سجدہ میں جانے سے پتلون پر گھٹنوں کے پاس شکنیں پڑ جاتی ہیں۔ فَوَيْلٌ لِّلْمُصَلِّيْنَ الَّذِيْنَ هُمْ عَنْ صَلَاتِهِمْ سَاهُوْنَ ان نمازیوں کے لئے ہلاکت ہے جو اپنی نمازوں سے غفلت شعاری کرتے ہیں۔ دیکھئے کاشتکار پھل کے لئے بیج بوتا ہے اور پھولوں کی ساری محبوبیت اس میں ہے کہ اس کی خوشبو سے دماغ معطر ہو جاتا ہے۔ پس اگر بیج پھل نہ لایا اور پھولوں نے خوشبو نہ دی' جو اصل مقصد تھا تو کاشتکار کے لئے ہل جوتنے کی بجائے بہتر تھا کہ وہ گھر میں آرام سے سوتا' اور بے خوشبو کے پھولوں سے وہ خشک ٹہنی زیادہ قیمتی ہے جو چولھے میں جلائی جا سکے۔ کبھی وہ وقت تھا کہ نماز ہی کے ذریعہ سے ساری مشکلات حل کرائی جاتی تھیں۔ حضرت انسؓ خادم حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس کچھ زمین تھی۔ اس زمین میں کام کرانے والے نے زمین کی خشکی کی شکایت کی۔ تو حضرت انسؓ نے نماز پڑھی اور پوچھا تم کچھ دیکھتے ہو یعنی ابر وغیرہ۔ اس نے عرض کیا نہیں آپ نے پھر نماز پڑھی اور پوچھا کچھ دیکھتے ہو؟ عرض کیا کہ پرندہ کے پر کے برابر بادل دیکھتا ہوں۔ چنانچہ آپ نماز پڑھتے اور دعا کرتے رہے یہاں تک کہ بارش ہو گئی اور زمین سیراب ہو گئی پھر فرمایا کہ دیکھو بارش کہاں تک پہنچی ہے؟ اس نے عرض کیا کہ آپ کی زمین سے آگے نہیں گئی۔

نظام جماعت

یہ بات ذکر کی جا چکی ہے کہ نماز صرف ایک عبادتی فریضہ ہی نہیں ہے بلکہ وہ ایمان کی نشانی اور اسلام کا شعار بھی ہے اور اس کا ادا کرنا اسلامیت کا ثبوت اور اس کا ترک کر دینا دین سے بے اعتنائی اور اللہ و رسول سے بے تعلقی کی علامت ہے اس لئے ضروری تھا کہ نماز کی ادائیگی کا کوئی ایسا بندوبست ہو کہ ہر شخص اس فریضہ کو علانیہ سب کے سامنے ادا کرے۔ اس کے لئے اللہ تعالیٰ سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے نماز با جماعت کا نظام قائم فرمایا اور ہر مسلمان کے لئے جو بیمار یا کسی دوسری وجہ سے معذور نہ ہو جماعت سے نماز ادا کرنا لازمی قرار دے دیا۔

ہمارے نزدیک اس نظام جماعت کا خاص راز اور اس کی خاص الخاص حکمت یہی ہے کہ اس کے ذریعے افراد امت کا روزانہ بلکہ دن میں پانچ مرتبہ احتساب ہو جاتا ہے۔ نیز تجربہ اور مشاہدہ ہے کہ اس جماعتی نظام کے طفیل بہت سے وہ لوگ بھی پانچوں وقت کی نماز پابندی سے ادا کرتے ہیں جو عزیمت کی کمی اور جذبے کی کمزوری کی وجہ سے انفرادی طور پر بھی ایسی پابندی نہ کر سکتے۔

علاوہ ازیں با جماعت نماز کا یہ نظام بجائے خود افراد امت کی دینی تعلیم و تربیت کا اور ایک دوسرے کے احوال سے باخبری کا ایک ایسا غیر رسمی اور بے تکلف انتظام بھی ہے جس کا بدل سوچا بھی نہیں جا سکتا۔

نیز نماز با جماعت کی وجہ سے مسجد میں عبادت و انابت اور توجہ الی اللہ و دعوات صالحہ کی جو فضا قائم ہوتی ہے اور زندہ قلوب پر اس کے جو اثرات پڑتے ہیں اور اللہ تعالیٰ کی طرف اس کے مختلف الحال بندوں کے قلوب ایک ساتھ متوجہ ہونے کی وجہ سے آسمانی رحمتوں کا جو نزول ہوتا ہے اور جماعت میں اللہ تعالیٰ کے مقرب فرشتوں کی شرکت کی وجہ سے جس کی اطلاع رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے بہت سی حدیثوں میں دی ہے نماز جیسی عبادت میں ملائکۃ اللہ کی جو معیت اور رفاقت نصیب ہوتی ہے یہ سب اسی نظام جماعت کے برکات ہیں۔

نماز میں امام اور مقتدیوں کی آمین اگر بیک وقت ادا ہو جاتی ہے تو قدرت کو یہ اجتماعی ادا اتنی محبوب ہوتی ہے کہ اس کی رحمت کا دریا بے توقف جوش میں آ جاتا ہے اور سب کے گناہوں کی مغفرت ہو جاتی ہے۔ یہود امت محمدیہؐ کے لئے یہ فضائل دیکھ دیکھ

کر اپنی حاسدانہ خصلت کی بناء پر جلا کرتے تھے۔

امام کے متعلق حدیث میں آتا ہے کہ جو امام اپنے مقتدیوں کو اچھی طرح نماز پڑھاتے ہیں اور یہ سمجھ کر پڑھاتے ہیں کہ ہم اپنے مقتدیوں کی نماز کے ضامن ہیں تو ان کو اپنے مقتدیوں کی نماز کا اجر بھی ملتا ہے۔ جتنا ثواب مقتدیوں کو ہوتا ہے اتنا ہی امام کو بھی ملتا ہے لیکن مقتدیوں کے ثواب میں سے کچھ کمی کی نہیں جاتی۔ (طبرانی)

ایسے امام جن سے ان کے مقتدی خوش ہیں قیامت میں مشک کے ٹیلوں پر بیٹھے ہوں گے۔ اوران کو قیامت کے دن کوئی گھبراہٹ یا خوف نہ ہوگا۔

پھر اس کے علاوہ اس نماز جماعت کے ذریعہ امت میں جو اجتماعیت پیدا کی جا سکتی ہے اور محلہ کی مسجد کے روزانہ پانچ وقتی اجتماع اور پوری بستی کی جامع مسجد کے ہفتہ وار وسیع اجتماع اور پھر سال میں دو دفعہ عید گاہ کے اس سے بھی وسیع تر اجتماع سے جو عظیم اجتماعی اور ملی فائدے اٹھائے جا سکتے ہیں ان کا سمجھنا تو آج کے ہر آدمی کے لئے بہت آسان ہے۔

بہر حال نظام جماعت کی انہی برکات اور اس کے اس قسم کے مصالح اور منافع کی وجہ سے امت کے ہر شخص کو اس کا پابند کیا گیا ہے کہ جب تک کوئی واقعی مجبوری اور معذوری نہ ہو وہ نماز جماعت ہی سے ادا کرے اور جب تک امت میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی ہدایات وتعلیمات پر اس طرح عمل ہوتا تھا جیسا کہ ان کا حق ہے اس وقت سوائے منافقوں کے یا معذوروں کے ہر شخص جماعت ہی سے نماز ادا کرتا تھا اور اس میں کوتاہی کو نفاق کی علامت سمجھا جاتا تھا۔

ترک جماعت پر سخت وعید۔ اسی لئے اس بارے میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا ایک لرزہ خیز ارشاد حضرت اسامہ رضی اللہ عنہٗ کی روایت سے سنن ابن ماجہ میں مروی ہے کہ لوگوں کو چاہئے کہ وہ جماعت ترک کرنے سے باز آ جائیں نہیں تو میں ان کے گھروں کو آگ لگوا دوں گا۔ غور فرمایئے کہ تارکین جماعت کے بارے میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کس قدر سخت غصہ وجلال کا اظہار فرمایا۔ اسی بناء پر بعض آئمہ سلف جن میں ایک امام احمد بن حنبل رحمہ بھی ہیں اس طرف گئے ہیں کہ ہر غیر معذور شخص کے لئے جماعت سے نماز پڑھنا فرض ہے۔ یعنی ان کے نزدیک جس طرح نماز پڑھنا فرض ہے اسی طرح اس کو جماعت

سے پڑھنا بھی ایک مستقل فرض ہے اور جماعت کا تارک ایک فرض عین کا تارک ہے۔ لیکن محققین احناف نے جماعت سے متعلق تمام احادیث کو سامنے رکھ کر یہ رائے قائم کی ہے کہ جماعت کا درجہ واجب کا ہے اور اس کا تارک گنہگار ہے۔ تاہم یہ حقیقت ہے کہ بغیر عذر کے ترک جماعت بہت بڑی محرومی اور بدبختی ہے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ بھی ارشاد ہے کہ نماز باجماعت کی فضیلت اکیلے نماز پڑھنے کے مقابلہ میں ۲۷ درجہ زیادہ ہے اور اس کا ثواب ۲۷ گنا زیادہ ملنے والا ہے۔ اس حدیث سے ضمناً یہ بھی معلوم ہوا کہ اکیلے پڑھنے والے کی نماز بھی بالکل کالعدم نہیں ہے وہ بھی ادا ہو جاتی ہے لیکن ثواب میں ۲۶ درجہ کمی رہتی ہے اور یہ بھی یقیناً بہت بڑا خسارہ اور بڑی محرومی ہے۔

پابندی جماعت پر عجیب واقعہ

محمد بن سماعہ ایک بزرگ عالم ہیں جو امام ابو یوسف امام محمد کے شاگرد ہیں ایک سو تین برس کی عمر میں انتقال ہوا۔ اس وقت دو سو رکعات نفل روزانہ پڑھتے تھے' کہتے ہیں کہ مسلسل چالیس برس تک میری ایک مرتبہ کے علاوہ تکبیر اولیٰ فوت نہیں ہوئی۔ جس دن میری والدہ کا انتقال ہوا اس کی مشغولی کی وجہ سے تکبیر اولیٰ فوت ہو گئی تھی۔ یہ بھی کہتے ہیں کہ ایک مرتبہ میری جماعت کی نماز فوت ہو گئی تھی تو میں نے اس وجہ سے کہ جماعت کی نماز کا ثواب ۲۵/ ۲۷ درجہ زیادہ ہے۔ اس نماز کو پچیس دفعہ پڑھا تا کہ وہ عدد پورا ہو جائے۔ خواب میں دیکھا کہ ایک شخص کہتا ہے کہ محمد پچیس دفعہ نماز تو پڑھ لی مگر ملائکہ کی آمین کا کیا ہوگا۔ ملائکہ کی آمین کا مطلب یہ ہے کہ بہت سی احادیث میں یہ ارشاد نبوی آیا ہے کہ جب امام سورۃ فاتحہ کے بعد آمین کہتا ہے تو ملائکہ بھی آمین کہتے ہیں، جس شخص کی آمین ملائکہ کی آمین کے ساتھ ہو جاتی ہے اس کے سب پچھلے گناہ معاف ہو جاتے ہیں۔ تو خواب میں اس حدیث کی طرف اشارہ ہے۔

مولانا عبدالحئیؒ صاحب فرماتے ہیں کہ اس قصہ میں اس طرف اشارہ ہے کہ جماعت کا ثواب مجموعی طور سے جو حاصل ہوتا ہے وہ اکیلے میں حاصل ہو ہی نہیں سکتا۔ چاہے ایک ہزار مرتبہ اس نماز کو پڑھ لے۔ اور یہ ظاہر بات ہے کہ ایک آمین کی

موافقت ہی صرف نہیں بلکہ مجمع کی شرکت نماز سے فراغت کے بعد ملائکہ کی دعا جس کا اس حدیث میں ذکر ہے' ان کے علاوہ اور بہت سی خصوصیات ہیں جو جماعت ہی میں پائی جاتی ہیں۔ ایک ضروری امر یہ بھی قابل لحاظ ہے۔ علماء نے لکھا ہے کہ فرشتوں کی اس دعا کا مستحق جب ہی ہوگا جب نماز نماز بھی ہو اور اگر ایسے ہی پڑھی کہ پرانے کپڑے کی طرح لپیٹ کر منہ پر ماردی گئی تو پھر فرشتوں کی دعا کا مستحق نہیں ہوتا۔

فرشتوں کی آمین کے ساتھ موافقت کا مطلب

حدیث میں جو آیا ہے کہ نماز میں جس شخص کی آمین ملائکہ کی آمین کے ساتھ موافق پڑے گی اس کے اگلے پچھلے گناہ معاف ہو جائیں گے۔ موافق پڑنے کا مطلب صحیح ومختار قول کے مطابق یہ ہے کہ زمانہ میں موافقت ہو جائے۔ جس وقت ملائکہ کی زبان سے آمین نکلے اسی وقت اس کی زبان سے بھی نکلے ابن حبان وغیرہ نے فرمایا ہے کہ موافقت سے مراد یہ ہے کہ اخلاص اور خشوع میں بھی ملائکہ کیساتھ موافقت ہو جس طرح وہ اخلاص و خشوع کے ساتھ آمین کہتے ہیں یہ بھی اخلاص اور خشوع کے ساتھ کہے۔

تنبیہ: کتنا مختصر عمل اور کتنا بڑا اجر ہے۔ ذرا سی فکر ہو تو آمین ملائکہ کے ساتھ زمانہ میں موافقت کیا مشکل ہے بلکہ اتنی تھوڑی سی دیر کے لئے اخلاص وخشوع میں موافقت ہو جانا بھی کوئی بڑی بات نہیں۔ اللہ تعالیٰ ہم سب کو اس کی رعایت کی توفیق عطا فرمائیں۔ جماعت کے لئے مسجد میں جانے والے کا ہر قدم ایک نیکی کو واجب کرتا ہے اور ایک گناہ کو مٹاتا ہے۔ (ابن حبان)

فرمایا جس شخص نے اچھی طرح وضو کیا اور گھر سے نماز کے لئے نکلا تو داہنے قدم پر ایک نیکی لکھی جاتی ہے اور بائیں قدم پر ایک گناہ مٹ جاتا ہے۔ مسجد کا فاصلہ قریب ہو یا بعید' مسجد میں پہنچ کر جماعت سے نماز ادا کی اگر پوری جماعت مل گئی تو یعنی تکبیر تحریمہ میں شریک ہوا تو پورا اجر اور اگر کچھ حصہ نماز کا ہو چکا تھا یہ بیچ میں شریک ہوا اور سلام کے بعد اپنی نماز پوری کر لی تو بھی پورا اجر اور اگر اس کے مسجد میں پہنچنے تک سلام پھر گیا اور اس نے مسجد میں تنہا اپنی نماز پوری کی تو بھی پورا اجر۔ (ابوداؤد)

مطلب یہ ہے کہ با قاعدہ وضو کر کے گھر سے مسجد کی طرف چلا جانا خواہ جماعت ملے یا نہ ملے ہر قسم کے اجر کا موجب ہے۔ کامل وضو کر کے فرض نماز کے لئے نکلنا ایسا ہے جیسے کوئی احرام باندھ کر حج کو چلا۔ دو نمازوں کے درمیان اگر کوئی لغو فعل نہ کیا جائے تو یہ نماز علیین میں لکھی جاتی ہے (ابوداؤد)

بندہ کے منہ سے آہ کا نکلنا اور اس کی قیمت

حضرت عارف رومیؒ نے اپنی مثنوی میں ایک واقعہ نقل کیا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ایک صحابی کی جماعت فوت ہو گئی تھی جب وہ مسجد پر پہنچے تو دیکھا کہ لوگ نماز پڑھ کر باہر نکل رہے ہیں۔ انہوں نے حیرت زدہ ہو کر دریافت کیا کہ آپ لوگ کہاں جا رہے ہیں۔؟ ان حضرات نے جواب دیا کہ نماز ہو چکی ہے اور ہم نماز سے فارغ ہو کر اپنے اپنے گھروں کو جا رہے ہیں۔ اس صحابی نے پھر دریافت کیا کہ کیا جماعت ہو گئی؟ لوگوں نے کہا ہاں بھائی جماعت ہو چکی۔ اس صحابی کو فوت جماعت کا اس قدر صدمہ ہوا کہ اس کے منہ سے ایک آہ نکل گئی۔ یہ آہ ایسی دلسوز تھی جس سے معلوم ہوتا تھا کہ اس شخص کا کلیجہ جل گیا۔ جو لوگ نماز پڑھ کر نکلے تھے ان میں سے ایک شخص نے اس صحابی کو علیحدہ لے جا کر کہا کیا آپ جماعت کی نماز کا ثواب چاہتے ہیں؟ انہوں نے کہا کہ ہاں میں جماعت کا ثواب چاہتا ہوں۔ اس شخص نے کہا کہ جماعت کا ثواب میں تم کو اپنا دے دیتا ہوں بشرطیکہ مجھے یہ آہ دے دو۔ یہ صحابی رضامند ہو گئے اور آہ اسے دے آئے اور جماعت کا ثواب اس سے لے کر چلے آئے۔ رات کو خواب میں دیکھا کہ کوئی شخص دریافت کرتا ہے اے خدا کے بندے آج کیا فروخت کر آیا؟ اس نے کہا ایک آہ منہ سے نکلی تھی وہ فروخت کر آیا ہوں۔ اس دریافت کرنے والے نے کہا کہ وہ آہ تو اتنی قیمتی تھی کہ اگر قیامت کے دن اہل محشر پر تقسیم کر دی جاتی تو تمام اہل محشر کی نجات کے لئے وہ آہ کافی ہوتی۔

بے نمازی کا انجام

ایک مرتبہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ جو شخص نماز کا اہتمام کرے تو نماز اس کیلئے قیامت کے دن نور ہو گی اور حساب پیش ہونے کے وقت حجت ہو گی، اور نجات کا سبب ہو گی اور جو شخص نماز کا اہتمام نہ کرے اس کیلئے قیامت کے دن نور نہ ہو گا اور نہ اس کے پاس کوئی حجت ہو گی اور نہ نجات کا کوئی ذریعہ اس کا حشر فرعون، ہامان اور ابی بن خلف کے ساتھ ہو گا۔ (احمد)

فرعون، ہامان اور ابی خلف

فرعون کو ہر شخص جانتا ہے کہ کس درجہ کا کافر تھا حتیٰ کہ خدائی دعویٰ کیا تھا اور ہامان اس کے وزیر کا نام ہے اور ابی بن خلف مکہ کے مشرکین میں سے بڑا سخت دشمن اسلام تھا، ہجرت سے پہلے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے کہا کرتا تھا کہ میں نے ایک گھوڑا پالا ہے اس کو بہت کچھ کھلاتا ہوں اس پر سوار ہو کر (نعوذ باللہ) تم کو قتل کروں گا، حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک مرتبہ اس سے فرمایا تھا کہ ان شاء اللہ میں ہی تجھ کو قتل کرونگا، احد کی لڑائی میں وہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کو تلاش کرتا پھرتا تھا اور کہتا تھا کہ اگر وہ آج بچ گئے تو میری خیر نہیں، چنانچہ حملہ کے ارادہ سے وہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے قریب پہنچ گیا، صحابہؓ نے ارادہ بھی فرمایا کہ دور ہی سے اس کو نمٹا دیں، حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ آنے دو، جب وہ قریب ہوا تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک صحابی کے ہاتھ میں سے برچھا لے کر اس کے مارا جو اس کی گردن پر لگا اور ہلکا سا خراش اس کی گردن پر آ گیا مگر اس کی وجہ سے، گھوڑے سے لڑھکتا ہوا گرا اور کئی مرتبہ گرا اور بھاگتا ہوا اپنے لشکر میں پہنچ گیا اور چلاتا تھا کہ خدا کی قسم مجھے محمد صلی اللہ علیہ وسلم نے قتل کر دیا، کفار نے اس کو اطمینان دلایا کہ معمولی خراش ہے کوئی فکر کی بات نہیں، مگر وہ کہتا تھا کہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم نے مکہ میں کہا تھا کہ میں تجھ کو قتل کرونگا، خدا کی قسم اگر وہ مجھ پر تھوک بھی دیتے تو میں مر جاتا، مجھ کو اس سے جس قدر تکلیف ہو رہی ہے لات وعزیٰ (دو مشہور

بتوں کے نام ہیں) کی قسم اگر یہ تکلیف سارے حجاز والوں کو تقسیم کر دی جائے تو سب ہلاک ہو جائیں، چنانچہ مکہ مکرمہ پہنچنے سے ایک دن پہلے وہ راستہ ہی میں مر گیا (خمیس) ہم مسلمانوں کیلئے غیرت اور عبرت کا مقام ہے کہ ایک کافر، پکے کافر اور سخت دشمن کو تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے ارشاد کے سچا ہونے کا اس قدر یقین ہو کہ اس کو اپنے مارے جانے میں ذرا بھی تردد اور شک نہ تھا لیکن ہم لوگ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو نبی ماننے سچا ماننے کے باوجود، محبت کے دعوے کے باوجود کتنے ارشادات پر عمل کرتے ہیں اور جن چیزوں میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے عذاب بتائے ہیں ان سے کتنا ڈرتے ہیں، کتنا کانپتے ہیں یہ ہر شخص کے اپنے ہی گریبان میں منہ ڈال کر دیکھنے کی بات ہے کوئی دوسرا کسی کے متعلق کیا کہہ سکتا ہے۔

فرعون، ہامان کے ساتھ حشر ہونے کی وجہ

ابن حجرؒ نے لکھا ہے کہ فرعون، ھامان اور ابی بن خلف کے ساتھ حشر ہونے کی یہ وجہ ہے کہ اکثر انہی وجوہ سے نماز میں سستی ہوتی ہے، جو ان لوگوں میں پائی جاتی ہیں، پس اگر اس کی وجہ مال و دولت کی کثرت ہے تو قارون کے ساتھ حشر ہوگا، اور اگر حکومت و سلطنت ہے تو فرعون کے ساتھ اور وزارت (یعنی ملازمت یا مصاحبت) ہے تو ہامان کے ساتھ اور تجارت ہے تو ابی بن خلف کے ساتھ، البتہ یہ ضرور ہے کہ اس کو اپنے ایمان کی وجہ سے ایک نہ ایک دن عذاب سے خلاصی ہو جائے گی اور وہ لوگ ہمیشہ اس میں رہیں گے، لیکن خلاصی ہونے تک کا زمانہ کیا کچھ ہنسی کھیل ہے نہ معلوم کتنے ہزار برس ہوں گے۔ (حکایات صحابہؓ)

ترک نماز اور اس میں سستی کرنا

تارک نماز کے بارہ میں جو احادیث میں شدید ترین وعیدیں آئی ہیں ان حدیثوں سے حضرت امام احمد بن حنبلؒ اور بعض دوسرے اکابر ملت نے تو یہ سمجھا ہے کہ نماز چھوڑ دینے سے آدمی قطعاً کافر اور مرتد ہو جاتا ہے اور اسلام سے اس کا کوئی تعلق نہیں رہتا۔ حتیٰ کہ اگر وہ اسی حال میں مر جائے تو اس کی نماز جنازہ بھی نہیں پڑھی جائے گی۔ اور مسلمانوں کے قبرستان

میں دفن ہونے کی اجازت بھی نہیں دی جائے گی۔ بہر حال اس کے احکام وہی ہوں گے جو مرتد کے ہوتے ہیں۔ گویا ان حضرات کے نزدیک کسی مسلمان کا نماز چھوڑ دینا بت یا صلیب کے سامنے سجدہ کرنے یا اللہ تعالیٰ یا اس کے رسول کی شان میں گستاخی کرنے کی طرح کا ایک عمل ہے جس سے آدمی قطعاً کافر ہو جاتا ہے خواہ اس کے عقیدہ میں کوئی تبدیلی نہ ہوئی ہو۔

لیکن دوسرے اکثر آئمہ حق کی رائے یہ ہے کہ ترک نماز اگرچہ ایک کافرانہ عمل ہے جس کی اسلام میں کوئی گنجائش نہیں لیکن اگر کسی بدبخت نے صرف غفلت سے نماز چھوڑ دی ہے مگر اس کے دل میں نماز سے انکار اور عقیدہ میں کوئی انحراف نہیں پیدا ہوا ہے تو اگرچہ وہ دنیا اور آخرت میں سخت سے سخت سزا کا مستحق ہے لیکن اسلام سے اور ملت اسلامیہ سے اس کا تعلق بالکل نہیں ٹوٹ گیا ہے اور اس پر مرتد کے احکام جاری نہیں ہوں گے۔

بے نمازی۔ بہر حال بے نمازی چاروں مذہبوں میں سخت سزا کا مستحق ہے۔ تین امام تو یہ فرماتے ہیں کہ بے نمازی کو قتل کیا جائے۔ مگر حضرت امام اعظم ابوحنیفہؒ فرماتے ہیں کہ بے نمازی کو خوب مارا جائے اور ہمیشہ کے لئے قید کیا جائے جب تک توبہ نہ کرے رہا نہ کیا جائے (ردالمحتار)

حاصل یہ نکلا کہ بے نمازی کا چہرہ اتنا منحوس ہے اور کوئی حق نہیں پہنچتا کہ اسے چوکوں اور بازاروں میں پھیرا جائے بلکہ دائم الحبس رکھا جائے جب تک نماز کا پابند نہ ہو جائے قید سے ہرگز نہ نکالا جائے۔

نیز بے نماز پر آسمان سے لعنت نازل ہوتی ہے۔ قیامت کے دن جبکہ گنہگاروں کا منہ کالا ہوگا۔ تو ان میں سے بے نماز کا منہ زیادہ کالا ہوگا۔

حدیث شریف میں مزید تہدید یہ ہے کہ تارک صلوٰۃ معمولی کافروں کے ساتھ نہیں بلکہ قیامت کے دن ان کافروں کے ساتھ ہوگا جن کا کفر اس امت میں ضرب المثل بن چکا ہے جیسے فرعون ہامان' قارون اور ابی بن خلف وغیرہ۔ حضرت علامہ انور شاہ صاحب کشمیری رحمۃ اللہ علیہ فرماتے تھے کہ حدیث سے یہ ثابت ہوتا ہے کہ جو تارک صلوٰۃ ہے اس کے ساتھ مغفرت کا حق سبحانہ وتعالیٰ کا کوئی عہد نہیں ہے۔ اور اس کے مستقبل کا فیصلہ مشیت الٰہی کے ماتحت رہتا ہے مگر کھلے کافروں کی طرح اس پر دوزخی ہونے کا حکم نہیں ہے۔ گویا کفار میں اور اس شخص میں اتنا فرق باقی رہتا ہے کہ جیسا عام کافروں پر دوزخی ہونے کا حکم لگ چکا ہے یہ

حکم اس پر نہیں ہے۔اس لئے علماء نے تارک صلوٰۃ کو کھلے کافر کے حکم میں نہیں رکھا۔

ایک نماز چھوڑنے کی سزا......روایت ہے کہ جو کوئی ایک وقت کی نماز قصداً چھوڑے گا۔اس ایک نماز کے بدلے تین حقبہ دوزخ میں عذاب پاوے گا۔حقبہ اسی ہزار برس کو کہتے ہیں۔اور تین حقبوں کے دوسو چالیس ہزار برس ہوئے۔سو ایک وقت کی نماز کے بدلے ۲۴۰ ہزار برس دوزخ میں جلنا ہے۔جو شخص مرد ہو یا عورت برسوں بلکہ عمر بھر نماز نہیں پڑھتے ان کو لاکھوں برس دوزخ میں جلنا ہے۔اس بات میں خوب فکر کرو۔توبہ کر کے جلد نماز پر قائم ہو جاؤ اور چھوٹی ہوئی نمازوں کو بھی ادا کرو تب حق تعالیٰ تمہاری توبہ قبول کریگا۔

قبر کھولی تو پتہ چلا......ابن حجر نے زواجر میں لکھا ہے کہ ایک عورت کا انتقال ہو گیا تھا اس کا بھائی دفن میں شریک تھا۔اتفاق سے دفن کرتے وقت ایک تھیلی قبر میں گر گئی۔اس وقت تو خیال نہیں آیا بعد میں یاد آئی تو بہت رنج ہوا اور چپکے سے قبر کھول کر تھیلی نکالنے کا ارادہ کیا۔قبر کو کھولا تو وہ آگ کے شعلوں سے بھر رہی تھی۔روتا ہوا ماں کے پاس آیا اور حال بیان کیا اور پوچھا کہ یہ کیا بات ہے؟ ماں نے بتایا کہ وہ نماز میں سستی کرتی تھی اور قضا کر دیتی تھی۔اعاذنا اللہ منہا ۔

اے عزیزو! پنجگانہ تم پڑھو ہر دم نماز
فرض اور سنت نوافل جملہ باخرم نماز
دونوں عالم میں نمازی کی ہے برتر آبرو
بلکہ قرب حق دلاتی ہے یہ اے ہمدم نماز
ہو گئے ہیں سینکڑوں اس کے سبب سے اولیاء
کرتی ہے ادنیٰ کو اعلیٰ ایسی ہے اکرم نماز
مت سنو جاہل فقیروں کی جو بکتے رہتے ہیں
ہم تو ہیں صبح و مسا قائم وضو دائم نماز
ہیں وہ سب گمراہ ان کا رہنما شیطان ہے
قائم و دائم کی جو کہتے ہیں پڑھتے ہم نماز
کیا نہ پہنچی ہے رسول اللہ سے ان کو خبر
ہے ستون دین یعنی دین کا ہے تھم نماز
کس بھروسے بالکوں کو پھر لنگوٹی باز یہ
کہتے ہیں کہ ہم تو ہیں دائم وضو قائم نماز
ہیں جو یہ گمرہ دین اور تارک صوم و صلوٰۃ
ان کو دکھلائے گی روز حشر رنج و غم نماز
یہ بتاؤ تو ہوئی کس کی عبادت ہے معاف
کیا نہ پڑھتے تھے کہو تو حضرت آدم نماز
نوح و یحییٰ زکریا ایوب و یعقوبؑ و شعیبؑ
یا نہ ابراہیمؑ نے کہہ دو پڑھی ہر دم نماز

یا نہ اسماعیل و موسیٰ اور عیسیٰ نے پڑھی — یا نہ پڑھتے تھے کہو تو سرور عالم نماز
تم کو بھی لازم ہے امت رسول اللہ کی — کہ کرو مت پنجگانہ میں کبھی تم کم نماز
اور کرو ہر دم رکوع و سجدہ اطمینان سے — اور نہ چوروں سا پڑھو تم بخل کر کر کم نماز
دے ہمیں توفیق اپنی بندگی کی اے کریم! — تا گزاریں دل سے ہم سب دمبدم باہم نماز

بے نمازی کی سزا

اگر نماز کی فرضیت ہی کا منکر ہو تو باجماع اہل اسلام کافر مرتد ہے (الا یہ کہ نیا مسلمان ہو اور اسے فرضیت کا علم نہ ہو سکا ہو یا کسی جگہ میں رہتا ہو کہ وہ فرضیت سے جاہل رہا، اس صورت میں اس کو فرضیت سے آگاہ کیا جائے گا، اگر مان لے تو ٹھیک ورنہ مرتد اور واجب القتل ہوگا) اور جو شخص فرضیت کا تو قائل ہے مگر سستی کی وجہ سے پڑھتا نہ ہو تو امام ابوحنیفہؒ، مالکؒ، شافعیؒ اور ایک روایت میں امام احمد بن حنبلؒ کے نزدیک وہ مسلمان ہے اور امام احمدؒ کی ایک روایت میں وہ مرتد ہے، اس کو تین دن کی مہلت دی جائے اور نماز پڑھنے کیلئے کہا جائے اگر وہ نماز پڑھنے لگے تو ٹھیک ورنہ ارتداد کی وجہ سے اس کو قتل کر دیا جائے اور مسلمانوں کے قبرستان میں اسے دفن نہ کیا جائے، غرض اس کے تمام احکام مرتدین کے احکام ہیں۔

امام مالکؒ، امام شافعیؒ کے نزدیک اور امام احمد کی ایک روایت کے مطابق اگرچہ بے نمازی مسلمان ہے مگر اس کی سزا قتل ہے الا یہ کہ وہ توبہ کرے، اس کو تین دن کی مہلت دی جائے گی اور ترک نماز سے توبہ کرنے کا حکم دیا جائے اگر توبہ کر لے تو اس سے قتل کی سزا ساقط ہو جائے گی ورنہ اس کو قتل کر دیا جائے گا اور قتل کے بعد اس کا جنازہ پڑھایا جائے گا اور اس کو مسلمانوں کے قبرستان میں دفن کیا جائے گا، الغرض اگر بے نمازی توبہ نہ کرے تو ان حضرات کے نزدیک اس کی سزا قتل ہے اور حضرت امام ابوحنیفہؒ کے نزدیک بے نمازی کو قتل نہیں کیا جائے گا بلکہ اس کو ہمیشہ قید رکھا جائے گا اور روزانہ اس کے جوتے لگائے جائیں گے یہاں تک کہ وہ ترک نماز سے توبہ کرے، ان مذاہب کی تفصیل فقہ شافعی کی کتاب شرح مہذب اور فقہ حنبلی کی کتاب المغنی اور فقہ حنفی کی کتاب فتاویٰ شامی میں ہے، جو حضرات بے نمازی کے قتل

کا فتویٰ دیتے ہیں ان کا استدلال یہ ہے کہ سب سے بڑا جرم ہے، اس کے علاوہ ان کے اور بھی دلائل ہیں، حضرت شیخ پیران پیر شاہ عبدالقادر جیلانیؒ امام احمد بن حنبلؒ کے مقلد ہیں اس لئے اگر حضرت پیران پیر نے یہ لکھا ہو کہ بے نمازی کا کفن دفن نہ کیا جائے بلکہ مردار کی طرح گھسیٹ کر اس کو کسی گڑھے میں ڈال دیا جائے تو ان کے مذہب کی روایت کے عین مطابق ہے۔ (آپ کے مسائل کا فقہی حل) (از: مولانا محمد یوسف لدھیانوی رحمہ اللہ)

ہر نماز آخری نماز

حضرت ابوایوب انصاری رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ ایک شخص رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوا اور عرض کی کہ مجھ کو کوئی مختصر سی نصیحت فرما دیجئے۔ آپ نے فرمایا اچھا تو جب نماز پڑھنے کھڑا ہو تو ایسی نماز پڑھنا جیسے رخصت ہونے والا آخری نماز پڑھتا ہے اور ایسی بات زبان سے مت نکالنا جس پر کل کو معذرت کرنی پڑے اور دوسروں کے پاس جو مال ہے اس کی کوئی طمع اپنے دل میں نہ رکھے۔ یہاں پہلی نصیحت نماز کے متعلق ہے۔ نماز کیا ہے یہی کہ دونوں ہاتھ اٹھائے گویا دنیا کو پس پشت ڈال دیا اور اللہ اکبر کہہ کر گویا اس جہان سے نکل کر عالم قدس میں داخل ہو گیا۔ اب نہ کھانا ہے نہ پینا نہ کسی سے خطاب کرنا ہے۔ نہ کسی کی طرف التفات۔ مصلی کو دیکھو تو سرتاپا ادب ہی ادب نظر آتا ہے۔ کھڑا ہے تو ہمہ تن کسی سے مناجات میں منہمک ہے۔ کبھی رکوع میں جھکتا ہے تو کبھی سجدہ میں جا پڑتا ہے۔ اور کچھ دیر کے لئے کسی کی تسبیح و تقدیس میں ایسا مشغول ہے کہ اس کی نظروں میں کوئی دوسرا گویا موجود ہی نہیں۔ اسی محویت کی صورت سے گزر کر باادب دوزانو بیٹھ جاتا ہے اور تھوڑی دیر کے بعد اپنے دائیں بائیں والوں کو اس طرح السلام علیکم کہتا ہے گویا کسی دوسرے عالم سے ابھی ابھی اس جہان میں آیا ہے۔ الغرض بس یوں نماز پڑھو گویا سب کو رخصت کر دیا اور سب سے رخصت ہو گئے اور یقین کر لو گویا تمام جہان کو رخصت کر کے یہ آخری نماز پڑھ رہے ہو۔ اب معلوم نہیں میسر ہو کہ نہ ہو۔ کاش ہماری نمازوں میں اس حقیقت کا رنگ آ جائے تو ہماری نمازوں میں جان پڑ جائے اور مومنوں کے لئے نماز کے معراج ہونے کا مطلب شاید کچھ نہ کچھ سمجھ میں آنے لگے۔ حدیث شریف میں ہے کہ ایک شخص

نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں گزارش کی کہ فلاں شخص رات کو نمازیں پڑھا کرتا ہے اور جب تڑکا سویرا ہوتا ہے تو چوری کرتا ہے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ جس چیز کو تم کہہ رہے ہو یعنی ادائے نماز۔ یہی چیز اس کو اس حرکت سے روک دیگی۔

ایک دن جب خلیفہ سلیمان بن عبدالملک نے حضرت ابو حازمؒ سے سوال کیا کہ آپ کس طرح نماز پڑھتے ہیں تو انہوں نے فرمایا کہ جب نماز کا وقت قریب ہوتا ہے تو جملہ فرائض وسنن کی رعایت کے ساتھ وضو کامل کرتا ہوں پھر قبلہ کی طرف متوجہ ہو کر بیت اللہ شریف کو سامنے جنت کو دائیں طرف دوزخ کو بائیں طرف اور پل صراط کو پاؤں کے نیچے اور اللہ سبحانہ وتعالیٰ کو مطلع وخبردار تصور کر کے نماز پڑھتا ہوں اور یہ گمان کرتا ہوں کہ یہ میری آخری نماز ہے' اس کے بعد مجھے نماز پڑھنا میسر نہ ہوگا۔ پھر تعظیم کے ساتھ تکبیر کہتا ہوں اور تفکر کے ساتھ قرأت کرتا ہوں اور ذلت کے ساتھ رکوع اور تواضع کے ساتھ سجدہ اور اتمام کے ساتھ سلام پھیرتا ہوں۔ پھر اس خوف سے اٹھ کھڑا ہوتا ہوں کہ نہ معلوم یہ نماز میری قبول کی جاتی ہے یا میرے منہ پر ماری جاتی ہے۔ خلیفہ نے ان سے پوچھا کہ کب سے تم ایسی نماز پڑھ رہے ہو؟ فرمایا چالیس سال سے۔ اس نے کہا میں چاہتا ہوں کاش ساری عمر میں ایک نماز ایسی پڑھ لوں تو کامیاب ہو جاؤں۔

نماز میں ادھر ادھر دیکھنا

بخاری ومسلم میں ہے کہ ام المومنین حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے نماز کے اندر ادھر ادھر دیکھنے کے متعلق مسئلہ پوچھا آپؐ نے ارشاد فرمایا کہ اس کو یوں سمجھو جیسے کوئی شکاری جانور کسی کا گوشت نوچ کر لے جائے اسی طرح شیطان بھی بندے کی نماز کا کوئی حصہ نوچ کر لے جاتا ہے۔

حضرت علامہ انور شاہ صاحب کشمیری نور اللہ مرقدہ' فرماتے تھے کہ قیامت میں جب بندہ کی نماز مجسم ہو کر آئے گی تو جہاں نماز میں کسی جانب التفات کیا گیا ہے اتنا حصہ اس کی نماز کی صورت میں نچا ہوا ہوگا۔ اس کا مطلب یہ ہے کہ نماز میں کسی جانب التفات کرنا

صرف کراہت اور دنیوی احکام پر ہی جا کر ختم نہیں ہوتا بلکہ آخرت میں نماز کی صورت میں ایک بڑے بدنما عیب کی شکل میں بھی ظاہر ہوتا ہے۔ دنیا میں نمازی کی اس گستاخی کا اس طرح ایک اعلان بن جاتا ہے جس کو اگر دنیا میں انسان چھپا بھی دے تو آخرت میں تمام اہل محشر کے سامنے چھپا نہیں سکتا اور اس کی عام رسوائی بن جائے گی۔

ترمذی میں حضرت انس رضی اللہ عنہٗ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔ خبردار نماز میں کسی جانب بھی توجہ کرنے سے ڈرنا۔ کیونکہ نماز میں ادھر ادھر توجہ کرنی بڑی بربادی اور تباہی ہے۔ اگر کبھی کسی ضرورت سے کرنی ہی پڑ جائے تو خیر نفلوں میں کر لینا اور فرضوں میں تو پھر بھی نہیں۔

اے صاحبو! حکام کے سامنے جتنا ادب ملحوظ رکھتے ہو کم از کم حق تعالیٰ شانہٗ احکم الحاکمین کے سامنے اتنا تو رکھو۔ جب حکام کی ہیبت دنیا میں مانع ہے نگاہ اٹھانے سے تو حق تعالیٰ سبحانہٗ میں تو علاوہ ہیبت کے اور بہت سے امور بھی اس کے مقتضی ہیں۔ مثلاً منجملہ ان کے ایک محبت بھی ہے کیا ادھر ادھر دیکھنے کے لئے محبوب سے نگاہ اٹھاؤ گے؟ عشاق سے پوچھئے کہ محبوب کے سامنے موجود ہوتے ہوئے ادھر ادھر دیکھنا کیسا ہے؟ عشاق کو تو محبوب سے ایک دم بھی غفلت گوارا نہیں ہوتی۔

یک چشم زدن غافل ازاں شاہ نباشی　　　شاید کہ نگاہے کند آگاہ باشی

حاکم کے سامنے تو ادھر ادھر دیکھتے ہی نہیں، اس خیال سے کہ شاید ہمیں نگاہ اٹھاتے ہوئے دیکھ لے۔ بس اللہ تعالیٰ تو ہر وقت ہمیں دیکھتے ہیں اور کسی وقت ہم سے توجہ نہیں ہٹاتے پھر ان کے سامنے ادھر ادھر دیکھنا کیسے جائز ہو سکتا ہے۔ چاہیئے تو یہ تھا کہ قلب بھی دوسری طرف متوجہ نہ ہوتا۔ خیر اگر اس کو تسلیم بھی کر لیا جائے کہ اس پر قدرت نہیں تو نگاہ پر تو قدرت ہے۔ نگاہ پر قدرت ہونے کا تو انکار نہیں کر سکتے۔ پس نگاہ کو دوسری طرف کیوں متوجہ کرتے ہو؟ دوسرے اس میں کچھ فائدہ بھی تو نہیں ہے کیونکہ جن چیزوں کو دیکھتے ہو ان کو نماز کے اندر لے تو سکتے نہیں۔ پس فعل عبث ہونے کی وجہ سے بھی اس سے بچاؤ ہونا چاہیئے۔ گو ادھر ادھر دیکھنے سے نماز فاسد تو نہیں ہوتی مگر ادب صلوٰۃ کے خلاف ہے۔

سنت کے ترک پر نور میں کمی

ہمارے بزرگ حاجی حضرت امداداللہ صاحب مہاجر مکی نوراللہ مرقدہ کے متعلقین میں سے ایک شخص بڑے صاحب کشف تھے۔ انہوں نے ایک بار ارادہ کیا کہ ایک دفعہ دو رکعتیں ایسی پڑھیں جن میں کوئی وسوسہ نہ آئے۔ چنانچہ وضو کر کے دو رکعت نماز پڑھی جس میں تمام ظاہری و باطنی شرائط کا لحاظ رکھا اور شروع سے اخیر تک کوئی وسوسہ نہ آیا اور پوری طرح کامیاب ہو گئے۔ جب نماز سے فارغ ہوئے تو عالم مثال کی طرف متوجہ ہو کر بیٹھے کہ دیکھوں کہ اس نماز کی وہاں کیا صورت ہے۔ کیا دیکھتے ہیں کہ سامنے ایک نوجوان پری پیکر حور کھڑی ہے۔ جو حسن میں لاثانی ہے سر سے پیر تک زیورات سے مرصع ہے۔ ہر ہر عضو خوبصورت ہے مگر آنکھوں سے اندھی ہے۔ یعنی آنکھیں تو موجود ہیں اور نہایت خوبصورت ہیں مگر روشنی نہیں۔ انہوں نے قبلہ حضرت حاجی صاحبؒ سے اس کا مجملاً تذکرہ کیا۔ حضرت نے فی البدیہہ فرمایا کہ شاید آپ نے یکسوئی کے لئے آنکھیں بند کر لی ہوں گی۔ کہا جی ہاں۔ فرمایا کہ بس اتنی ہی کمی رہی۔ اگر سنت کے موافق ہوتو گو اس میں لاکھوں وساوس آئیں وہ خدا تعالیٰ کے نزدیک پسندیدہ ہے اس سے جو اس کے حبیب صلی اللہ علیہ وسلم کی سنت کے خلاف طریقہ پر پڑھی جائے۔ اگر آنکھیں سنت کے مطابق کھلی رکھتے. گو وساوس آتے جس کی وجہ سے اس حور کے حسن اور زیورات میں کمی ہوتی مگر آنکھوں سے تو اندھی نہ ہوتی۔ اب آپ نے آنکھیں بند کر رکھیں اور سنت رسول کے خلاف عمل کیا۔ گو وساوس میں کمی آ گئی اور وساوس نہ آنے کی وجہ سے زیادہ حسن والی حور حاصل ہوئی مگر رہی تو اندھی۔ اور ظاہر ہے کہ اندھی عورت خواہ کیسی ہی حسین اور خوبصورت ہو اس سے سوانکھی یعنی آنکھوں والی عورت افضل ہے۔ گو حسن میں کم ہو۔ یہ ہے سنت پر عمل کرنے کا ثمرہ۔

تکمیل نماز کا طریقہ

تکمیل نماز کے لئے مراقبہ موت و مراقبہ لقاء اللہ کا عادی ہونا چاہیے۔ عین نماز کے اندر بھی اس مراقبہ میں قلب کو مشغول کیا جائے جس کی صورت یہ ہے کہ نماز کی ہیئت میں غور

کرے کہ میں جو تمام دنیا سے رخ پھیر کر ہاتھ باندھ کر اس طرح کھڑا ہوں کہ نہ کسی سے بات کرسکتا ہوں نہ کسی کی طرف دیکھ سکتا ہوں نہ کھا پی سکتا ہوں اس کی وجہ یہ ہے کہ میں اللہ تعالیٰ کے دربار میں حاضر ہوں اور اس سے عرض معروض کررہا ہوں۔ پھر قیام کی حالت میں سوچے کہ خدا تعالیٰ کے مجھ پر کس قدر احسانات و انعامات ہیں جن کا شکریہ میرے ذمہ واجب ہے۔ سورۃ فاتحہ پڑھتے ہوئے یہ سوچے کہ میں اللہ تعالیٰ کے انعامات کا شکریہ ادا کررہا ہوں۔ اور اسکی ربوبیت کا اقرار اور اپنی عبدیت کا اعتراف کررہا ہوں۔ اور اسی عبدیت پر قائم رہنے اور اہل عبدیت کے طریقہ پر چلنے کی دعا کررہا ہوں۔ اور جو لوگ طریق عبدیت سے بہک گئے اور لعنت و غضب کے مستحق ہو گئے ہیں ان کے طریقہ سے بیزاری کا اظہار کررہا ہوں اور جو قانون الٰہی تکمیل طریق عبدیت کے لئے نازل ہوا ہے اس پر ہمیشہ کے لئے چلنے کا عہد کررہا ہوں۔ فاتحہ کے بعد سورۃ پڑھنے کا یہی مطلب ہے پھر جب رکوع میں جائے تو یہ سوچے کہ میری پیدائش اسی مٹی اور زمین سے ہے جو میرے پاؤں تلے ہے۔ زمین کی خاک سے جیتا جاگتا سمیع وبصیر انسان پیدا ہو جانا محض خالق جل وعلیٰ کی قدرت ہے جس کی پیدائش زمین کی خاک اور اس کی نباتات وغیرہ سے ہو اس کو عبدیت اور بندگی کے سوا کچھ زیبا نہیں۔ بڑائی اور بزرگی صرف خالق جل وعلیٰ کو زیبا ہے۔ جو تمام عیوب سے بری ہے۔ اسی لئے نماز میں بار بار اللہ اکبر کہا جاتا ہے کہ اے خالق ہم نے آپ کی عظمت کے سامنے اپنی خیالی عزت کو قربان کردیا۔ پھر سجدہ میں جاتے ہوئے یہ سوچے کہ مجھے ایک دن زمین کے اندر پیوند ہونا ہے۔ اور اس وقت خدا کے سوا میرا ساتھ دینے والا کوئی نہ ہوگا۔ دنیا سے میرا نام بھی مٹ جائے گا اور نشان بھی۔ اس کے بعد دوسرے سجدے میں یہ تصور کرے کہ گویا میں مرچکا اور خدا سے مل گیا ہوں۔ اب خدا کے سوا کوئی میرے ساتھ نہیں۔ پھر جلسہ تشہد میں یہ سوچے کہ مرنے کے بعد پھر ایک زندگی ہوگی جہاں اسلام اور اعمال و اقوال و احوال صالحہ ہی کام آئیں گے جو اللہ تعالیٰ کے واسطے کئے گئے ہوں گے۔ اور سیدنا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور جملہ انبیاء و حضرات ملائکہ اور تمام نیک بندوں کی عزت ظاہر ہو گی اور وہ گنہگاروں کی شفاعت کریں گے۔ لہٰذا ان پر سلام بھیج کر ان سے تعلق پیدا کرنا چاہئے۔ پھر چونکہ امت محمدیہ کو سیدنا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ سب سے زیادہ تعلق ہے اس لئے اخیر رکعت میں آپ پر خصوصیت کے ساتھ درود پڑھنا چاہئے۔ جب یہ تصور جم جائے تو اس کے

بعد جلسہ یعنی بیٹھنے کی حالت میں یوں تصور کرے کہ گویا مرنے کے بعد بندہ میدان قیامت میں حاضر ہوا ہے اور تمام اعمال وافعال واقوال جو دنیا میں کیے ہیں اس کے سامنے ہیں جن میں سے وہی کام آ رہے ہیں جو اللہ تعالیٰ کے واسطے کیے گئے اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور تمام انبیاء وصلحاء وملائکہ کی جماعت سامنے ہے جو دربار الٰہی میں حاضر ہیں اور میں ان سب پر درود شریف وسلام بھیج رہا ہوں۔ اخیر میں اپنے لئے کامیابی ونجات وفلاح کی دعا کر رہا ہوں۔ پس اسی طرح پوری نماز میں لقاء اللہ ورجوع اللہ کا استحضار کیا جائے۔ اس استحضار کا ظن اور تصور بھی نماز میں کافی ہے کہ گویا میں اس وقت خدا کے سامنے حاضر ہوں اور مر گیا ہوں یا مرنے والا ہوں اور گویا میں اس وقت عالم آخرت میں حاضر ہوں۔ اسی واسطے قرآن کی آیت میں لفظ یظنون یعنی ظن اختیار کیا گیا ہے۔ بس اس طرح نماز پڑھنے سے خشوع حاصل ہو جائے گا۔ اور تمام خیالات ووساوس قلب سے نکل جائیں گے۔ واللہ تعالیٰ اعلم۔

نماز کس طرح پڑھی جائے؟

نماز کا طریقہ معلوم کرنے سے پیشتر یہ بات ذہن نشین کر لیجئے کہ نماز ایک عبادت ہے اور نہایت اعلیٰ درجہ کی عبادت ہے اس لئے اس کے لئے قیام' قعود' رکوع وسجود کی وہ شکلیں اور ہیئتیں مقرر کی گئی ہیں جو عبادت اور بندگی کی بہترین اور مکمل ترین تصویر ہیں۔ نیز ان نامناسب ہیئتوں سے خصوصیت کے ساتھ منع فرمایا گیا ہے جن میں استکبار یا بے پروائی یا بدمنظری کی شان یا کسی بدفطرت مخلوق کی ہیئت سے مشابہت ہو۔ اس اصول کے تحت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس سے منع فرمایا ہے کہ سجدے میں آدمی کلائیاں زمین پر اس طرح بچھا دے جس طرح کتے اور بھیڑیئے وغیرہ درندے بچھا کر بیٹھتے ہیں اور اسی اصول کے تحت آپؐ نے اس طرح بیٹھنے سے منع فرمایا جس کو حدیث میں **عقبة الشیطان** یا **اقعاء الکلب** فرمایا گیا ہے۔ اس سے مراد دونوں پاؤں پنجوں کے بل کھڑے کر کے ایڑیوں پر بیٹھنا ہے۔ چونکہ اس طریقے میں کچھ استکبار اور جلد بازی کی شان ہے اور اس شکل میں صرف گھٹنے اور پنجے ہی زمین سے لگتے ہیں نیز کتے اور بھیڑیئے وغیرہ درندے بھی اس طرح ایڑیوں پر بیٹھا کرتے ہیں اس لئے نماز میں اس طرح بیٹھنے سے بھی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے خصوصیت کے ساتھ منع فرمایا ہے۔ مگر واضح رہے کہ

یہ ممانعت صرف اس صورت میں ہے جبکہ بغیر کسی مجبوری کے آدمی ایسا کرے اگر بالفرض کسی کو کوئی خاص مجبوری ہو تو وہ معذور ہے اور اس کے حق میں بلا کراہت جائز ہے۔

نماز ادا کرنے کا طریقہ۔ یہ ہے کہ اچھی طرح وضو کر کے قبلے کی طرف منہ کر کے کھڑا ہو جائے اور دونوں پاؤں کے درمیان میں چار انگل کا فرق چھوڑے اور دونوں ہاتھ لٹکائے اور دل کو خوب اللہ کی طرف رجوع کرے۔ اور دنیا کے اندیشے دل سے دور کرے اور دل میں یہ تصور کرے کہ میں اللہ تعالیٰ کو دیکھتا ہوں اور اگر میں نہیں دیکھتا تو اللہ تعالیٰ تو مجھ کو دیکھتا ہے۔ اس میں کوئی شک نہیں ہے کہ جس شخص کا یہ حال ہوگا تو وہ شخص نہایت ہیبت، تعظیم اور شرم کے ساتھ سر جھکائے ہوئے نہایت خوف، شوق اور محبت سے کھڑا رہے گا اور داہنے بائیں نہ دیکھے گا۔ اس کو خیال کرنا چاہئے کہ اگر کوئی شخص بادشاہ کے روبرو کھڑا ہووے اور بادشاہ اس کے احوال کو دیکھا کرے کہ یہ شخص کس طرح کام کرتا ہے تو اس شخص کی یہ طاقت نہ ہوگی کہ ذرا کسی طرف دیکھے یا بے ادبی کرے۔ یا کسی سے بولے یا ہنسے۔ سو نماز میں تو نمازی اللہ تعالیٰ کے روبرو کھڑا ہوتا ہے۔ جو سب بادشاہوں کا بادشاہ ہے اور تمام عالم کا پیدا کرنے والا اور سب پر غالب اور جو چاہے سو کر ڈالے اور جو چاہا سو کیا اور جو چاہتا ہے سو کرتا ہے۔ مناسب ہے کہ جب نماز کے لئے کھڑا ہووے تب اس معبود کے سوائے سب کا خیال اور اندیشہ دور کرے اور نماز میں مشغول ہووے۔ جب نیت کرے نماز کی تو دونوں ہاتھ کانوں تک اٹھاوے اس طرح پر کہ دونوں انگوٹھے کان کی لو میں چھو جاویں اور تکبیر تحریمہ کہے یعنی اللہ اکبر۔ تکبیر کے بعد داہنا ہاتھ بائیں ہاتھ پر رکھے ناف کے نیچے اس طرح پر کہ چھنگلی اور انگوٹھے کے حلقے میں بائیں ہاتھ کے گٹے کو لے لے اور دہنی ہتھیلی بائیں ہتھیلی کی پیٹھ پر ہو اور دائیں ہاتھ کی تین انگلیاں بائیں کلائی پر بچھا دے۔ اگر عورت ہو تو کندھے تک ہاتھ اٹھائے لیکن ہاتھوں کو دوپٹہ سے باہر نہ نکالے پھر سینہ پر ہاتھ باندھ لے۔ دونوں ہاتھوں کو کانوں تک اٹھانے میں اشارہ ہے کہ اللہ کے سوا سب چیز کو پیچھے پھینک دیا۔ نیز اللہ اکبر کہتے ہوئے اللہ کی بڑائی اور عظمت دل میں بھی موجود ہو۔ تکبیر تحریمہ میں ہاتھ اٹھاتے وقت انگلیوں کو مٹھی سے کھلی رکھے یعنی مٹھی بند نہ رکھنی چاہئے اور یہ خیال کرے کہ انگلیوں کو پھیلانا سنت ہے۔ بلکہ انگلیوں کو اپنی حالت پر چھوڑ دے نہ پھیلاوے۔ نہ سمیٹے اور یہی شرح وقایہ میں ہے۔

مطلب یہ ہے کہ ہاتھ اٹھانے کے وقت مرد ہو یا عورت اپنی ہتھیلیاں قبلہ کی طرف متوجہ کرے اور انگلیاں سیدھی رکھے یعنی نہ ان کو سخت ملاوے اور نہ پھیلا وے بلکہ جس طرح عادۃً ہوتی ہیں اسی طرح رکھے پھر دل میں نیت کرتے ہوئے خالص قیام کی حالت میں تکبیر کہے یعنی نیت اور تکبیر دونوں سے نماز شروع ہوتی ہے صرف ایک سے نہیں۔ یہی درمختار میں لکھا ہے۔

نماز میں اِدھر اُدھر متوجہ ہونا

تکبیر تحریمہ کہنے کے بعد ہاتھ باندھتے ہوئے ثناء پڑھے تب تعوذ پڑھے۔ پھر بسم اللہ الرحمٰن الرحیم پڑھے۔ پھر سورۃ فاتحہ پڑھے۔ ایک مرتبہ پھر آہستہ سے آمین کہے اور فاتحہ کے ساتھ کوئی سورۃ ملاوے۔ قیام کی حالت میں نگاہ سجدے کی جگہ رہے۔ دوسرے دل سے اللہ کے سامنے کھڑے ہونے کا خیال کرے۔ تیسرے کسی طرف متوجہ نہ ہو۔ جو شخص نماز میں ادھر ادھر متوجہ ہو اس کی مثال ایسی ہے جیسے کوئی شخص بڑی مشکل سے دربانوں کی منت سماجت کر کے بادشاہ کے حضور میں پہنچے اور جب رسائی ہو اور بادشاہ اس کی طرف متوجہ ہو تو وہ ادھر ادھر دیکھنے لگے۔ ایسی صورت میں بادشاہ اس کی طرف کیا توجہ کرے گا۔ قیام میں نماز کے سجدہ کی جگہ پر نظر ٹکانا اللہ تعالیٰ کے چہرہ پر نظر ٹکانا ہے جیسا کہ چہرہ اس کی شان کے مناسب ہے۔ انسان کی فطرت ہے کہ جس چیز کا تصور باندھے وہی سامنے آجاتی ہے جب اللہ پاک کے چہرے کا تصور رکھے گا تو وہی سامنے حاضر رہے گا۔ سجدہ کی جگہ نظر رکھنے میں ایک بھاری حکمت یہ بھی ہے کہ وساوس کم آتے ہیں جس کا جی چاہے تجربہ کر لے۔

قیام کی حالت میں الحمد شریف ختم کرنے اور سورۃ ملانے کے بعد اللہ اکبر کہتے ہوئے رکوع میں جائے۔ اس طرح کہ اللہ کے الف کو قیام سے شروع کرے اور اکبر کی را کو رکوع میں تمام کر دے۔ یعنی جب جھکنا شروع کرے اسی وقت تکبیر شروع کرے تا کہ جس وقت سنت کے مطابق پورا جھک لے اس وقت تکبیر بھی ختم ہو جائے۔ تا کہ کوئی حالت نماز کی ذکر سے خالی نہ ہو۔ نیز رکوع میں سر اور پشت اور سرین ایک سیدھ میں رہیں اور اس حالت میں اطمینان کرے اور قرار پکڑے تا کہ سب اعضاء اپنی اپنی جگہ قرار پکڑ جائیں اور ہاتھوں کی انگلیاں جتنی پھیل سکیں پھیلا کر دونوں گھٹنوں کو دونوں ہاتھوں سے محکم پکڑے اور ہاتھ

سیدھے تان کر رکھے دونوں ٹانگیں سیدھی کھڑی کرے کمان کی طرح ٹیڑھی جھکی ہوئی رکھنا مکروہ ہے۔ (مراقی الفلاح) رکوع میں سبحان ربی العظیم تین مرتبہ' پانچ یا سات مرتبہ کہے۔ رکوع میں یہ تصور کرے کہ رب تعالیٰ کے احسان مجھ پر اس قدر ہیں کہ میری پیٹھ ان کے اٹھانے سے عاجز ہے اور جھکی جاتی ہے اور رب کی تعظیم اور تواضع کے لئے جھک جائے۔ دل میں اس کی عظمت شان کا تصور ہو اور زبان سے اس کی تسبیح اور تعظیم کمال شوق سے کرتا ہو۔ دل اس کی تعظیم سے پر ہو۔ تمام مخلوق کو اور اپنے آپ کو اس کی عظمت کے سامنے نہایت حقیر اور عاجز جانے اصل اور مقصود بالذات تو رکوع سے دل کا جھکنا ہے۔ اور جوارح کا جھکنا تو بالتبع ہے۔ لہذا دونوں امور کا پورا لحاظ رکھے۔ دل میں کما حقہ' ادب اور تواضع ہو اور اعضاء بھی مسنون طریقے سے جھکے ہوئے ہوں۔ مگر عورت رکوع میں دونوں ہاتھ کی انگلیاں ملا کر گھٹنوں پر رکھے اور دونوں بازو پہلو سے خوب ملائے رکھے اور دونوں پیر کے ٹخنے بالکل ملا دیوے۔

قومہ۔ رکوع کی تسبیح ختم ہونے پر نمازی سمع اللہ لمن حمدہ کہتے ہوئے کھڑا ہو جائے۔ اس طرح پر کہ سمع اللہ کے سین کو رکوع سے شروع کرے اور حمدہ کی ہا کو قومے میں تمام کرے۔ پھر ربنا لک الحمد پڑھے اور قومے میں آرام کرے۔ رکوع کے بعد کھڑا ہونے کو قومہ کہتے ہیں۔ قومہ میں اطمینان کرنا امام ابو یوسف رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک فرض ہے۔ اگر نہ ٹھہرے گا تو نماز باطل ہو گی۔ مگر طرفین کے نزدیک واجب ہے۔ اس کے ترک کرنے سے نماز سخت مکروہ ہو گی۔ مطلب یہ ہے کہ جب رکوع سے سر اٹھائے تو بالکل سیدھا اس طرح کھڑا ہو جائے کہ ریڑھ کی ہڈی کا ہر منکا یعنی ہر جوڑ ٹھیک اپنی جگہ پر آ جائے جہاں سیدھا کھڑا ہونے کی حالت میں وہ رہتا ہے۔

جب خوب سیدھا کھڑا ہو جائے تو پھر اللہ اکبر کہتا ہوا سجدہ میں جائے۔ اس طرح پر کہ اللہ کے الف کو قومے سے شروع کرے اور اکبر کی را کو سجدے میں تمام کرے۔ یعنی جھکنے کے وقت تکبیر شروع کرے اور زمین پر سر رکھنے کے وقت ختم کرے۔ پہلے دونوں گھٹنے زمین پر ٹیکے پھر دونوں ہاتھ کی انگلیاں خوب ملا کر قبلہ کی طرف سیدھی متوجہ کر کے زمین پر رکھے۔ پھر ناک اور پیشانی دونوں ہتھیلیوں کے درمیان رکھے اور سجدہ میں ران پیٹ سے اور بازو بغلوں سے

الگ رکھے اور پاؤں کی انگلیوں کا منہ بھی دبا کر قبلہ کی طرف متوجہ کرے۔ اور اس حالت میں خوب اطمینان سے کم از کم تین مرتبہ سبحان ربی الاعلیٰ کہے۔ ہدایہ میں لکھا ہے کہ شکم کو اس قدر کشادہ رکھے کہ اگر بکری کا بچہ چاہے تو نکل جائے۔ مگر جب صف میں ہووے تو پھر اپنے تئیں کشادہ نہ رکھے تا کہ اس کے پاس والے کو ایذا نہ ہووے۔ مطلب یہ ہے کہ دونوں ہاتھ سجدے میں کانوں کے برابر رہیں اور دونوں ہاتھوں کے بیچ میں ماتھا رکھے اور سجدے کے وقت ماتھا اور ناک دونوں زمین پر رکھ دے اور ہاتھوں کی کہنیاں کھڑی رہیں اور تسبیحات کو نہایت عظمت سے پڑھے۔ مگر یاد رکھئے عورت کے لیے حکم یہ ہے کہ سجدے کی حالت میں پاؤں کھڑے نہ کرے۔ بلکہ داہنی طرف کو نکال دیوے اور خوب سمٹ اور دب کر سجدہ کرے کہ پیٹ دونوں رانوں سے اور بانہیں دونوں پہلو سے ملا دیوے اور دونوں بانہیں زمین پر رکھ دے۔

سجدہ۔ سجدہ کی تسبیح ختم ہونے پر اللہ اکبر کہتا ہوا سر اٹھاوے اس طرح پر کہ اللہ کے الف کو سجدے سے شروع کرے۔ اور اکبر کی را کو بیٹھنے میں تمام کرے۔ اور اس طرح اٹھے کہ پہلے پیشانی اٹھے پھر ناک، پھر اطمینان کے ساتھ رانوں پر دونوں ہاتھ رکھ کر بیٹھ جائے اور اس بیٹھنے میں بایاں پاؤں بچھا کر اس پر بیٹھے اور داہنا پاؤں کھڑا کر کے اس کی انگلیاں قبلہ کی طرف متوجہ کرے۔ پھر پہلے کی طرح دوسرا سجدہ اللہ اکبر کہہ کر کرے۔ اور اس میں بھی وہی تسبیح پڑھے۔

یہ ایک رکعت ختم ہوئی پھر دوسری رکعت کے لئے باہوں پر زور دیکر اٹھے اللہ اکبر کہتا ہوا نہ تو زمین پر ہاتھ ٹیک کر اٹھے نہ بیٹھے بلکہ سیدھا کھڑا ہو جائے۔ سجدے سے اٹھتے وقت پہلے سر اٹھائے پھر ہاتھ اٹھائے پھر گھٹنے۔ اور سر اٹھانے کے ساتھ ہی تکبیر شروع کر دے۔

دوسری رکعت بھی پہلی رکعت کی طرح ادا کرے مگر دوسری رکعت میں ثناء اور تعوذ نہ کہے اور نہ ہاتھ اٹھاوے۔ جب دوسری رکعت تمام ہووے تب بایاں پاؤں بچھاوے اور اس پر بیٹھے اور داہنا پاؤں کھڑا رکھے۔ اور پاؤں کی انگلیاں قبلہ رخ رہیں اور دونوں ہاتھوں کو دونوں رانوں پر اس طرح رکھے کہ انگلیوں کے کنارے گھٹنوں کے پاس ہوں اور مٹھی کھلی رکھے اور انگلیاں زانوں پر بچھی ہوئی قبلہ رخ رہیں۔

عورتیں کیسے بیٹھیں۔ یہ مرد کے بیٹھنے کی ہیئت ہے۔ اور عورت تورّک کرے یعنی

بائیں سرین پر بیٹھے اور دونوں پاؤں دائیں طرف نکال دے۔ پھر اس قعدہ میں تشہد یعنی التحیات پڑھے۔ نہایت عظمت کے ساتھ معنیٰ کی رعایت کرتے ہوئے اور بیچ کی التحیات پر کچھ زیادہ نہ کرے۔ فرض نماز میں پچھلی دونوں رکعتوں میں فقط الحمد پڑھے اور کوئی سورت نہ ملاوے۔ جب پچھلی دونوں رکعتیں تمام ہو ویں تب اس طرح بیٹھے جس طرح پہلے بیٹھا تھا۔ اور التحیات اور درود شریف پڑھے۔ جب درود شریف پڑھ چکے تب دعائے ماثورہ پڑھے یعنی ایسی دعا پڑھے جو حدیث یا قرآن مجید میں آئی ہو۔ پھر اپنے داہنی طرف سلام پھیرے اور کہے السلام علیکم ورحمۃ اللہ۔ پھر یہی کہہ کر بائیں طرف سلام پھیرے۔ اور سلام کرتے وقت فرشتوں پر سلام کرنے کی نیت کرے۔ سلام کے لئے اتنا منہ پھیرے کہ پچھلے لوگ اس کا رخسارہ دیکھ سکیں۔ یہ نماز پڑھنے کا طریقہ ہے لیکن جو اس میں فرائض ہیں ان میں سے اگر ایک بات بھی چھوٹ جائے تو نماز نہیں ہوتی چاہے قصداً چھوڑا ہو یا بھولے سے دونوں کا ایک حکم ہے۔ بعض چیزیں واجب ہیں کہ ان میں سے اگر کوئی چیز قصداً چھوڑ دے تو نماز نکمی اور خراب ہو جاتی ہے اور پھر سے نماز پڑھنی ہوتی ہے اگر کوئی پھر سے نہ پڑھے تو خیر تب بھی فرض سر سے اتر جاتا ہے لیکن بہت گناہ ہوتا ہے۔ اگر بھولے سے چھوٹ جائے تو سجدہ سہو کر لینے سے نماز ہو جائے گی اور بعض چیزیں سنت ہیں اور بعض چیزیں مستحب ہیں نماز کی ان ساری چیزوں کو اچھی طرح یاد کر لینا چاہئے۔ چاہے فقہ کی کتابیں دیکھ کر یا علماء کرام سے مسائل پوچھ پوچھ کر یاد کر لیویں۔

دعا کا سلیقہ۔ سلام پھیرنے کے بعد دونوں ہاتھوں کو سینے اور مونڈھوں کے برابر اٹھاوے۔ اس طرح پر کہ دونوں بغلیں ظاہر ہو ویں اور جو حاجت چاہے اللہ سے مانگے۔ مگر اتنی بات یاد رکھئے کہ سلام کے بعد ذکر و دعا کے بارے میں جو حدیثیں بیان ہوئیں ان سے تو یہ معلوم ہو چکا ہے کہ نماز کے خاتمہ پر یعنی سلام کے بعد ذکر و دعا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے عملاً بھی ثابت ہے اور تعلیماً بھی۔ اور اس سے انکار کی گنجائش نہیں ہے لیکن یہ جو رواج ہے کہ امام کے سلام پھیرنے کے بعد دعا میں بھی مقتدی نماز ہی کی طرح امام کے پابند رہتے ہیں۔ حتیٰ کہ اگر کسی کو جلدی جانے کی ضرورت ہو تب بھی امام سے پہلے اس کا اٹھ جانا برا سمجھا جاتا ہے یہ

بالکل بے اصل ہے بلکہ قابل اصلاح ہے۔امامت اور اقتداء کا رابطہ سلام پھیرنے پر ختم ہو جاتا ہے اس لئے سلام کے بعد دعا میں امام کی اقتداء اور پابندی ضروری نہیں۔ چاہے تو مختصر دعا کر کے امام سے پہلے اٹھ جائے اور چاہے تو اپنے ذوق اور کیف کے مطابق دیر تک دعا کرتا رہے۔

التحیات میں جب کلمہ پر پہنچے تو لآ الٰہ کہنے کے وقت داہنے ہاتھ کی چھنگلیا اور اس کے ساتھ کی انگلی بند کر کے گرہ بنالے اور انگوٹھے اور درمیان انگلی کا حلقہ بنالے اور کلمے کی انگلی کھڑی کرے اور الا اللہ کہنے کے وقت جھکا دے۔مگر عقد یعنی گرہ وحلقہ کی ہیئت کو آخر نماز تک باقی رکھے۔اگر چار رکعت پڑھنا ہو تو التحیات سے زیادہ اور کچھ نہ پڑھے بلکہ فوراً اللہ اکبر کہہ کر کھڑا ہو جائے۔قعدہ میں کلمہ شہادت کے وقت انگشت شہادت کا اٹھانا اور اشارہ کرنا حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما کے علاوہ دوسرے صحابہ کرامؓ نے بھی روایت کیا ہے اور بلاشبہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے ثابت ہے اور اس کا مقصد بظاہر یہی ہے کہ جس وقت نمازی اشھد ان لآ الٰہ الا اللہ کہہ کر اللہ تعالیٰ کے وحدہٗ لاشریک ہونے کی شہادت دے رہا ہو اس وقت اس کا دل بھی توحید کے تصور اور یقین سے لبریز ہو اور ہاتھ کی ایک انگلی اٹھا کر جسم سے بھی اس کی شہادت دی جارہی ہو بلکہ حضرت عبداللہ بن عمرؓ کی اسی حدیث کی بعض روایات میں یہ اضافہ بھی ہے کہ انگشت شہادت کے اس اشارے کیساتھ آپ آنکھ سے بھی اشارہ فرماتے تھے اور حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ ارشاد ہے کہ انگشت شہادت کا یہ اشارہ شیطان کیلئے لوہے کی دھار اور چھری اور تلوار سے زیادہ تکلیف دہ ہوتا ہے۔

۞۞۞

نماز کی حرکات وسکنات پر اجر وثواب

نماز میں ثناء پڑھنے کی وجہ

تکبیر تحریمہ کہنے کے بعد اللہ تعالیٰ کی حمد وثناء، تسبیح وتقدیس اور اپنی عبودیت کے اظہار پر مشتمل کوئی دعا اللہ تعالیٰ کے حضور میں عرض کی جاتی ہے۔ سُبۡحٰنَکَ اللّٰھُمَّ بمنز لہ سلام دربار کے ہے۔ بنی آدم میں یہ فطری امر ہے کہ جب کسی عالی شان امیر کبیر سے سوال کرتا ہے اور اس سے اپنی حاجت روائی چاہتا ہے تو پہلے اس کی مدح وثنا اور اس کی بزرگی وجلالی اور اپنی ذلت وانکساری بیان کرتا ہوا اپنی حاجت کا اظہار شروع کرتا ہے۔ وہی طریقہ یہاں بھی سکھایا گیا ہے۔ تاکہ نفس انسان خدا کی بزرگی اور اپنی پستی پر آگاہ ہو۔

اس کے بعد قرآن مجید کی سب سے پہلی سورۃ جو گویا قرآن کا افتتاحیہ ہے یعنی سورۃ فاتحہ پڑھی جاتی ہے جس میں اللہ تعالیٰ کی حمد کے ساتھ اس کی صفات کا بڑا جامع اور موثر بیان بھی ہے۔ اور ہر قسم کے شرک کی نفی کے ساتھ اس کی توحید کا اثبات واقرار بھی ہے۔ صراط مستقیم یعنی دین حق اور شریعت الٰہیہ کے لئے اپنی ضرورت مندی اور محتاجی کی بناء پر اس کی ہدایت کے لئے عاجزانہ اور فقیرانہ سوال اور دعا بھی ہے بہر حال سب سے پہلے یہ سورۃ پڑھی جاتی ہے اور یہ سورۃ اپنی جامعیت اور خاص عظمت واہمیت کی وجہ سے متعین طور پر اس درجہ میں لازمی اور ضروری ہے کہ اس کے بغیر گویا نماز ہی نہیں ہوتی۔

نماز میں دو سجدے مقرر ہونے کی وجہ

سجدۂ اول نفس کو اس بات پر متنبہ کرنے کے لئے ہے کہ میں اس خاک سے پیدا ہوا ہوں اور دوسرا سجدہ اس بات پر دال ہے کہ میں اسی خاک میں لوٹ جاؤں گا۔

ہر دو رکعت پر التحیات مقرر ہونے کی وجہ

چونکہ اصل میں نماز دو ہی رکعت مقرر ہوئی ہے اور باقی رکعتیں ان کی تکمیل کے واسطے ہیں اس لئے ہر دو رکعت کے بعد تشہد مقرر ہوا تا کہ اصل اور فرع میں تمیز ہو جائے اور اسی تمیز کے لئے پہلی دو رکعتوں میں فاتحہ کے ساتھ ضم سورۃ بھی واجب ہوا۔ اور آخری دو رکعتوں کے ساتھ ضم سورۃ مقرر نہیں ہوا۔

نمازی کا مکالمہ

جب نمازی کو حضور الٰہی میں بیٹھ جانے کی اجازت ہوئی تو اس سے پوچھا جاتا ہے کہ ہمارے حضور میں کیا تحفہ لائے تو اس وقت دو زانوں بیٹھ کر اس امر کا اظہار کیا جاتا ہے کہ اے خدا تعظیمات قلبی، عبادات بدنی اور عبادات مالی کا مستحق تو ہی ہے اور یہ تیرے ہی حضور کے لائق ہے لہٰذا میرا سارا مال و بدن اس امر کے لئے تیرے حضور میں ہے۔ التحیات کا ترجمہ بھی یہی ہے کہ سب عبادات قولی اور تمام عبادات بدنی اور سب عبادتیں پاک مالوں کی اللہ ہی کے لئے ہیں۔ یعنی زبان سے جو تعریفیں اور ثنائیں کی جاتی ہیں اور بدن کے ساتھ جو قیام ورکوع وسجود قومہ جلسہ قعدہ کیا جاتا ہے اور پاک وحلال مال سے جو زکوٰۃ، نذر، قربانی، صدقہ، خیرات ادا کی جاتی ہے۔ یہ سب عبادتیں اللہ تعالیٰ ہی کی ذات کے لئے مختص ہیں۔ کسی مخلوق کا اس میں حصہ نہیں۔ بعض شارحین حدیث نے ذکر کیا ہے کہ یہ تشہد شب معراج کا مکالمہ ہے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو جب بارگاہ قدوسیت میں شرف حضوری نصیب ہوا تو آپ نے نذرانہ عبودیت اس طرح پیش کیا اور گویا اس طرح سلامی دی۔ ان شارحین نے لکھا ہے کہ نماز میں اس مکالمہ کو شب معراج کو یادگار کے طور پر جوں کا توں لے لیا گیا ہے۔ جمہور امت کے عمل سے معلوم ہوتا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے جو لفظ تلقین فرمایا تھا یا معراج کے مکالمہ والی مشہور عام روایت کی بنیاد پر اللہ تعالیٰ کی طرف سے جو لفظ ارشاد ہوا تھا یعنی **السلام علیک ایھا النبی** حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد بھی بطور یادگار اس کو جوں کا توں برقرار رکھا گیا۔ اور بلاشبہ ارباب ذوق کے لئے اس میں ایک

خاص لطف ہے۔ اب جو لوگ اس صیغہ خطاب سے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے حاضر و ناظر ہونے کا عقیدہ پیدا کرنا چاہتے ہیں۔ انکے متعلق بس یہی کہا جا سکتا ہے کہ وہ شرک پسندی کے مریض نہایت ہی کور ذوق اور عربی زبان وادب کی لطافتوں سے بالکل ہی ناآشنا اور ناواقف ہیں۔

درود شریف کی حکمت

انسانوں پر خاص کر ان بندوں پر جن کو کسی نبی کی ہدایت پر تعلیم سے ایمان نصیب ہوا اللہ تعالیٰ کے بعد سب سے بڑا احسان اس نبی و رسول کا ہوتا ہے جس کے ذریعہ ان کو ایمان ملا ہو اور ظاہر ہے کہ امت محمدیہ کو ایمان کی دولت اللہ کے آخری نبی حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کے واسطہ سے ملی ہے۔ اس لئے یہ امت اللہ تعالیٰ کے بعد سب سے زیادہ ممنون احسان آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی ہے۔ پھر جس طرح اللہ تعالیٰ جو خالق و مالک اور پروردگار ہے اس کا حق یہ ہے کہ اس کی عبادت اور حمد و تسبیح کی جائے اسی طرح اس کے پیغمبروں کا حق ہے کہ ان پر درود و سلام بھیجا جائے۔ یعنی اللہ تعالیٰ سے ان کے لئے مزید رحمت و رافت اور رفع درجات کی دعا کی جائے۔ یہ دراصل ان محسنوں کی بارگاہ میں عقیدت و محبت کا ہدیہ، وفاداری و نیاز کیشی کا نذرانہ اور ممنونیت و سپاس گزاری کا اظہار ہوتا ہے۔ ورنہ ظاہر ہے کہ ان کو ہماری دعاؤں کی کیا احتیاج، بادشاہوں کو فقیروں اور مسکینوں کے ہدیوں اور تحفوں کی کیا ضرورت! تاہم اس میں شبہ نہیں کہ اللہ تعالیٰ ہمارا یہ تحفہ بھی ان کی خدمت میں پہنچاتا ہے۔ اور ہماری اس دعا و التجا کے حساب میں بھی ان پر اللہ تعالیٰ کے الطاف و عنایات میں اضافہ ہوتا ہے اور سب سے بڑا فائدہ اس دعا گوئی اور اظہار وفاداری کا خود ہم کو پہنچتا ہے ہمارا ایمانی رابطہ مستحکم ہوتا ہے اور ایک دفعہ کے مخلصانہ درود کے صلہ میں اللہ تعالیٰ کی کم از کم دس رحمتوں کے ہم مستحق ہو جاتے ہیں۔ چونکہ اس برگزیدہ گروہ انبیاء علیہم السلام کے احسانات ہم پر سب سے زیادہ اور بہت کثیر ہیں اس لئے ہر فرد انسانی پر اس جماعت انبیاء علیہم السلام کی شکر گزاری کا اظہار واجب ہے۔ اور اس شکر گزاری کا نام ہی اسلامی زبان میں درود و سلام ہے۔ کیونکہ انسان کو رشد و ہدایت کا سبق ان بزرگوں کی زندگی سے ہی حاصل ہوا۔ دنیا میں جہاں کہیں بھی نیکی کی روشنی اور بھلائی کا نور ہے، جس جگہ بھی دل کی صفائی اور خلوص کا اجالا

ہے وہ سب صرف ان بزرگوں کی تعلیم و ہدایت کا نتیجہ و برکت ہے جن کو انبیاء علیہم السلام کے نام سے پکارا جاتا ہے۔ پہاڑوں کی غاروں گھنے جنگلوں، شہروں کی آبادیوں اور دیہاتی بستیوں میں جہاں کہیں بھی رحم و انصاف غریبوں کی مدد، یتیموں کی پرورش اور خلوص و نیکی کا اثر ملے گا وہ سب اس برگزیدہ جماعت کے کسی نہ کسی فرد کی دعوت اور پکار کا نتیجہ ہے جیسا کہ قرآن کا دعویٰ ہے۔ وَاِنْ مِّنْ اُمَّةٍ اِلَّا خَلَا فِيْهَا نَذِيْرٌ کوئی قوم ایسی نہیں گزری جس میں انسانوں کو ہوشیار کرنے والا نہ آیا ہو۔ ان بزرگوں نے ہماری روحانی بیماریوں کے لئے نسخے ترتیب دیئے ہماری اندرونی دنیا کو آباد کیا۔ ہماری اندرونی چالیں درست کیں۔ خدا اور بندے کا رشتہ مضبوط کیا۔ اگر ہم ان بزرگوں کے ذریعہ سے خدا اور بندے کے تعلقات نہ جانتے اور شاہ و گدا کے حقوق اگر ان بزرگوں کے ذریعہ سے ہم کو معلوم نہ ہوتے تو کبھی یہ جہان تکمیل کو نہ پہنچ سکتا۔ یہی وہ نقش و نگار ہیں جن سے ہماری روحانی اور اخلاقی دنیا کا ایوان آراستہ ہے۔ مکہ کے ابوجہل ایران کے کسریٰ اور روم کے قیصر کی حکومتیں مدت ہوئی مٹ گئیں ان کا نام و نشان باقی نہیں رہا۔ مگر میرے حضور تاجدار مدینہ کا عام اور عالمگیر قانون بدستور جاری ہے اور قیامت تک جاری رہے گا۔

نماز میں درود شریف کا موقع اور اس کی حکمت

جیسا کہ معلوم ہے درود شریف نماز کے بالکل آخر میں یعنی آخری قعدہ میں تشہد کے بعد پڑھا جاتا ہے ظاہر ہے کہ یہی اس کے لئے بہترین موقع ہوسکتا ہے۔ اللہ کے بندے کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی ہدایت و تعلیم کے صدقے میں ایمان نصیب ہوا۔ اللہ تعالیٰ کو اس نے جانا پہچانا اور نماز کی شکل میں اس کے دربار عالی کی حاضری اور حمد و تسبیح اور ذکر و مناجات کی دولت گویا ایک طرح کی معراج ہے جو اسے نصیب ہوئی۔ اور آخری قعدہ کے تشہد پر یہ نعمت گویا مکمل ہوئی۔ اب اس کو حکم ہے کہ اللہ کے دربار سے رخصت ہونے سے پہلے اور اپنے لئے کچھ مانگنے سے بھی پہلے وہ بندہ حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے اس احسان کو محسوس کرتے ہوئے کہ انہی کی ہدایت کے صدقے میں اس دربار تک رسائی ہوئی۔ اور یہ سب کچھ نصیب ہوا۔ اللہ تعالیٰ سے آپ ؐ کے لئے اور آپ کی زندگی کی شریک ازدواج مطہرات اور آپ کی ذریت طیبہ کے لئے

بہتر سے بہتر دعا کرے۔ چنانچہ اس کے سوا اور اس سے بہتر کوئی چیز اس کے پاس ہے ہی نہیں جس کو پیش کر کے وہ اپنے جذبہ ممنونیت کا اظہار اور احسان مندی کا حق ادا کر سکے۔ اسی لئے درود شریف کے یہ بہترین کلمے صحابہ کرام کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے تلقین فرمائے۔

درود و سلام سے شرک کی جڑ کٹ جاتی ہے

ایک خاص حکمت درود و سلام کی یہ بھی ہے کہ اس سے شرک کی جڑ کٹ جاتی ہے۔ اللہ تعالیٰ کے بعد سب سے زیادہ مقدس اور محترم ہستیاں انبیاء علیہم السلام کی ہیں۔ جب ان کے لئے بھی حکم یہ ہے کہ ان پر درود و سلام بھیجا جائے یعنی ان کے واسطے اللہ سے رحمت و سلامتی کی دعا کی جائے تو معلوم ہوا کہ وہ بھی سلامتی اور رحمت کے لئے خدا کے محتاج ہیں۔ اور ان کا حق اور مقام عالی بس یہی ہے کہ ان کے واسطے رحمت و سلامتی کی دعائیں کی جائیں۔ رحمت و سلامتی خود ان کے ہاتھ میں نہیں ہے کیونکہ ساری مخلوق میں انہیں کا مقام سب سے بالا و برتر ہے اور شرک کی بنیاد یہی ہے کہ خیر و رحمت اللہ کے سوا کسی اور کے قبضہ میں بھی سمجھی جائے بہر حال درود و سلام کے اس حکم سے ہم کو نبیوں اور رسولوں کا دعا گو بنا دیا اور جو بندہ پیغمبروں کا دعا گو ہو وہ کسی مخلوق کا پرستار کیسے ہو سکتا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر درود و سلام بھیجنے کا حکم سورۃ احزاب کی آیت میں دیا ہے اور بڑی شاندار تمہید کے ساتھ دیا ہے۔ اس عاجز کا خیال ہے کہ ہو سکتا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس آیت کے نزول کے وقت صحابہ کرامؓ کو غالباً بتایا تھا کہ اس حکم کی تعمیل کا خاص محل و موقعہ نماز کا جز و اخیر قعدہ اخیرہ ہے۔

حضرت ابراہیم علیہ السلام پر درود شریف کی خصوصیت

حضرت ابراہیم علیہ السلام پر درود شریف کی خصوصیت کی دو وجہیں بیان کی جاتی ہیں۔

(۱) رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو معراج شریف میں تمام نبیوں نے السلام علیکم کہا مگر آپ کی امت پر سوائے ابراہیم علیہ السلام کے اور کسی نبی نے سلام نہیں بھیجا۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اس احسان کے بدلہ میں اپنی امت کو ارشاد فرمایا کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام پر درود بھیجا کرو۔

انبیاء کا سلام (۲) حضرت ابراہیم علیہ السلام جب بیت اللہ شریف کی تعمیر سے فارغ

ہوئے تو سب گھر والوں کو جمع کر کے بیٹھے تو پہلے آپ نے یہ دعا کی جس کا صرف ترجمہ کیا جاتا ہے۔ ''یا اللہ جو محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی امت کے بوڑھوں میں سے اس گھر کا حج کرے اس کو میرا سلام پہنچا دے''۔ اس پر سب اہل بیت نے آمین کہی۔ پھر آپ نے یہ دعا کی:۔ ''الٰہی! امت محمدیہ کے ادھیڑوں میں سے جو اس گھر کا حج کرے اس کو میرا سلام پہنچا دے''۔ سب نے آمین کہی۔ پھر حضرت اسماعیل علیہ السلام نے دعا کی۔ ''یا اللہ! جو محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی امت کے نوجوانوں میں سے اس گھر کا حج کرے اس کو میرا سلام پہنچا دے''۔ سب نے آمین کہی۔ پھر حضرت سارہ علیہا السلام نے دعا کی۔ ''اے اللہ! امت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی عورتوں میں سے جو عورت اس گھر کا حج کرے اس کو میرا سلام پہنچا دے۔''

سب گھر والوں نے اس پر آمین کہی۔ پھر حضرت حاجرہ علیہا السلام نے دعا کی۔ ''اے اللہ! جو امت محمدیہ کے آزاد غلاموں اور باندیوں سے اس گھر کا حج کرے ان پر میرا سلام پہنچا دے''۔ سب گھر والوں نے آمین کہی۔ جب ان لوگوں نے پہلے ہی اس امت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کو سلام کیا تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس احسان کے بدلے میں ان پر درود وسلام بھیجنے کا حکم فرمایا۔ (حاشیہ حصن حصین)

درود شریف میں ہمارا ہی نفع ہے

اگر کہو کہ ہم درود شریف پڑھتے ہیں تو حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کو نفع ہوتا ہے۔ تو خوب سمجھ لو کہ حضور والا کو اتنا نفع نہیں ہوتا جتنا آپ لوگوں کو ہوتا ہے۔ ہمیں حق تعالیٰ کا ارشاد ہے کہ یٰاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا صَلُّوْا عَلَیْهِ وَسَلِّمُوْا تَسْلِیْمًا اگر آپ اپنے نوکر سے کہیں کہ یہ ہزار روپے ہیں اور ہم سے کہو کہ ہم اپنے بیٹے کو دے دیں تو اس نوکر کے مقبول بنانے کو اور اس کی عزت بڑھانے کو یہ صورت تجویز کی ہے نہ کہ بیٹا روپے ملنے میں اس نوکر کا محتاج ہے۔ اگر نوکر نہ بھی کہے تب بھی روپیہ بیٹے کے لئے تجویز کر لیا گیا ہے۔ صرف نوکر کی عزت افزائی کے لئے ایسا کیا ہے۔

یہی حال درود شریف کا ہے کہ حق تعالیٰ کا یہ فرمانا کہ رحمت کی دعا کرو رسول کے لئے۔ رحمت بھیجنا تو منظور ہے ہی خواہ ہم درود بھیجیں یا نہ بھیجیں۔ چنانچہ اس کے قبل اِنَّ اللّٰهَ

وَمَلٰٓئِکَتَہٗ یُصَلُّوْنَ عَلَی النَّبِیِّ موجود ہے مگر ہماری قدر بڑھانے کو ہمیں کہہ دیا کہ درود بھیجو۔ تمہارا بھی بھلا ہو جائے گا۔ کوئی شخص کیا منہ لے کر کہہ سکتا ہے کہ آپ ہمارے محتاج ہیں۔ اور اس کہنے پر آپؐ پر رحمت ہوتی ہے۔ خوب سمجھ لیجئے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ جو معاملہ حق تعالیٰ کا ہے وہ ہماری درخواست پر موقوف نہیں۔ اس کی ایک دلیل یہ بھی ہے کہ علماء نے لکھا ہے کہ اور عبادات بعض دفعہ مقبول ہوتی ہیں اور بعض دفعہ مردود۔ لیکن درود شریف ہمیشہ مقبول ہوتا ہے سو اگر ہمارے عمل کا آپ پر رحمت نازل ہونے میں کوئی اثر ہوتا تو جیسے اور اعمال ہیں یہ بھی ہمارا عمل ایسا ہی ہونا چاہئے تھا کہ کبھی مقبول اور کبھی مردود ہوتا۔ سو ہمیشہ مقبول ہونا دلیل ہے اس کی کہ معلوم ہو جائے کہ ہمارے عمل کا اس میں کوئی اثر نہیں۔ حق تعالیٰ تو ضرور رحمت بھیجتے ہی ہیں ہم درود بھیجیں یا نہ بھیجیں اس لئے درود شریف کبھی غیر مقبول نہیں ہوتا۔ بس خدا تعالیٰ کو رحمت بھیجنا ہی ہے ہم کو جو حکم دیا تو صرف ہماری عزت بڑھانے کو۔ کوئی شخص یہ احسان نہ سمجھے کہ میں درود بھیجتا ہوں تب ہی رحمت ہوتی ہے۔ اگر ہم آفتاب کے سامنے ہو گئے تو آفتاب نے ہم کو منور کر دیا۔ آفتاب شعاع میں ہمارا محتاج ہرگز نہیں۔ علماء کے قول سے بھی اس کی تائید ہوگئی کہ حضور کسی کے نفع کے محتاج نہیں۔

خاتمہ نماز کا سلام

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے جس طرح نماز کے افتتاح اور آغاز کے لئے کلمہ اللہ اکبر تعلیم فرمایا ہے۔ جس سے بہتر دوسرا کلمہ افتتاح نماز کے لئے سوچا ہی نہیں جا سکتا۔ اسی طرح نماز کے اختتام کے لئے "السلام علیکم و رحمة الله" تلقین فرمایا ہے۔ اور بلاشبہ نماز کے خاتمہ کے لئے بھی اس سے بہتر کوئی لفظ سوچا نہیں جا سکتا۔ ہر شخص جانتا ہے کہ سلام اس وقت کہا جاتا ہے جب ایک دوسرے سے غائب اور الگ ہونے کے بعد پہلی ملاقات ہو۔ لہٰذا اختتام کے لئے السلام علیکم ورحمۃ اللہ کی تعلیم میں واضح اشارہ ہے بلکہ گویا ہدایت ہے کہ بندہ اللہ اکبر کہہ کر جب نماز میں داخل ہو اور بارگاہ خداوندی میں عرض معروض شروع کرے تو چاہئے کہ وہ اس وقت اس عالم شہود سے حتیٰ کہ اپنے ماحول اور اپنے دائیں بائیں والوں سے بھی غائب اور الگ ہو جائے اور اللہ کے سوا

کوئی بھی اس وقت اس کے دل کی نگاہ کے سامنے نہ رہے اور پوری نماز میں اس کا حال یہی رہے۔ پھر جب قعدہ اخیرہ میں تشہد اور درود شریف اور آخری دعا اللہ تعالیٰ کے حضور میں عرض کر کے اپنی نماز پوری کرے تو اس کے باطن کا یہ حال ہو کہ گویا اب وہ کسی دوسرے عالم سے اس دنیا میں اور اپنے ماحول میں واپس آیا ہے۔ اور دائیں بائیں والے انسانوں یا فرشتوں سے اب اس کی نئی ملاقات ہو رہی ہے اس لئے اب وہ ان کی طرف رخ کر کے اور انہی سے مخاطب ہو کر کہے السلام علیکم ورحمۃ اللہ اس عاجز کے نزدیک اس حکم کا یہی راز اور یہی اس کی حکمت ہے۔

نماز کی حقیقت اور اجتماعیت کا اثر غیر اقوام پر

اگر فی الحقیقت نماز اس روح کو لئے ہوئے ادا ہو جو پہلے بیان ہو چکی ہے تو اس نماز کا اثر ہم پر ہی نہیں بلکہ غیر اقوام پر بھی پڑتا ہے۔ پاکستان بننے سے پہلے کا واقعہ ہے کہ کلکتہ کے گول میدان میں جب عید کی نماز ہوتی تھی تو غالباً دس بارہ لاکھ آدمی جمع ہو کر ایک امام کے پیچھے اقتداء کرتے تھے۔ اس منظر کو دیکھنے کے لئے اکثر غیر مسلم بھی تماشائیوں کے طور پر جمع ہو جاتے تھے۔ ایک دفعہ ان تماش بینوں میں بلبل ہند مسز سروجنی نائیڈو بھی یہ نماز کا منظر دیکھنے کے لئے آئی اور وہ اس وقت کے بڑے لیڈروں میں شمار ہوتی تھی۔ وہ نماز عید کا یہ منظر دیکھ کر حیران تھی اور اس نے کہا کہ یہ ڈسپلن اور یہ نظام کہ لاکھوں کی مرتب صفیں صرف ایک لیڈر کی ایک آواز پر حرکت کر رہی ہیں۔ کیا ٹھکانہ ہے اس نظم کا کہ امام اور لیڈر کے ایک اشارہ پر لاکھوں گردنیں خم ہو جائیں اور لیڈر کی ایک حرکت بدن سے لاکھوں انسان حرکت میں آ جائیں۔

اسرائیلی اور اسلامی نماز کا مقابلہ

مشہور انگریز لیبان نے دی لیکچر آف اپیچز صفحہ ۴۶ پر لکھا ہے کہ میں نے کئی مرتبہ مسیحی و اسرائیلی نماز اور اسلامی نماز کا مقابلہ و موازنہ کیا تو ثابت ہوا کہ اسلامی نماز کی طرز عبادت افضل ہے۔ میں سمجھتا ہوں کہ اسلامی نماز بہت سی عبادتوں کا مجموعہ ہے۔ اس میں خدا کی حمد وثناء تقدیس و تمجید ہے۔ اسلامی نماز ایک دعا اور عاجزانہ التجا ہے اور اس میں انکساری اور عاجزی کا عجیب مظاہرہ

ہے۔ آگے لکھتا ہے۔ کہ میں التزاماً جمعہ کے دن اسکندریہ کی جامع مسجد میں محض اسلامی نماز کی شان دیکھنے جاتا ہوں میں نے جب خطیب کے پرجوش خطبہ صفوں کی ترتیب اور رکوع وسجود کے اہتمام پر غور کیا تو میرے قلب پر عجیب اثر ہوا جو ناقابل بیان ہے۔ جمعہ کے دوران میں سمجھتا تھا کہ اسلام مجھے آواز دے رہا ہے اور نماز کی عبادت کا پر کیف نظارہ میری روح پر قبضہ کر رہا ہے۔

غیر مسلم کا قبول اسلام ۔ معتبر ذرائع سے معلوم ہوا ہے کہ برطانیہ کے شہر نیو قیصر میں جب ایک دفعہ مسلمان اکٹھے ہو کر نماز پڑھنے لگے اور نماز کے لئے سب نے اکٹھے وضو کیا تو وہاں کا ایک پادری مع اپنے دس بارہ ساتھیوں کے وضو کا منظر دیکھ رہا تھا اور حیران تھا کہ سب مسلمانوں نے ایک ہی طریقہ پر وضو کیا۔ پھر جب جمع شدہ مسلمانوں نے باجماعت نماز پڑھی تو اس وقت بھی وہ حیرانی سے دیکھ رہا تھا کہ سب کا اکٹھا جھکاؤ ہے۔ سب مسلمان اکٹھے مل کر کھڑے ہوتے ہیں اور اکٹھے ہی یکدم زمین پر اپنی پیشانی کو خدا کے حضور رکھ دیتے ہیں۔ یہ ساری چیزیں وضو اور نماز کا منظر دیکھ کر ششدر اور دنگ رہ گیا اور اسی وقت مع اپنے ساتھیوں کے کلمہ پڑھ کر مشرف بہ اسلام ہو گیا (واللہ اعلم) اس نے کہا کہ میرے دل کو یقین آ گیا ہے کہ یہ وضو اور نماز ایسی شاندار ترکیب کسی جھوٹے مذہب کی ہر گز نہیں ہو سکتی۔ ذرا غور فرمائیے کہ صرف ایک نماز نے ایک اسلام دشمن فرنگی کے دل میں یہ بات بٹھا دی کہ مذہب اسلام ایک حق مذہب ہے اور اس کو بالآخر مذہب اسلام قبول کرنا پڑا۔

اذان اثر کر گئی ۔ ایک عرصہ ہوا کہ اخبار میں یہ مضمون نکلا تھا کہ ایک امریکن ڈاکٹر جو کہ بائسکوپ کمپنی کا منیجر تھا اس نے ایک دن مسلمانوں کی اذان و نماز کا تماشا کرنے کی نیت سے ایک مؤذن کو بلایا اور اس سے کہا کہ تم اذان دو اور ہم تمہاری اذان کو گراموفون میں بند کریں گے۔ مؤذن نے اذان دی تو اس منیجر کے دل پر ایسی چوٹ لگی کہ اس کی حالت بدلنے لگی۔ حالانکہ اس نے تماشا کی نیت سے اذان کو گراموفون میں بند کیا تھا۔ اور معتقد ہو کر اذان نہ سنی تھی مگر متبرک کلام میں برکت و اثر ہوتا ہے اگر قلب میں عناد نہ ہو۔

ابو محذورہ کا قبول اسلام ...... صحیح روایات میں منقول ہے کہ فتح مکہ کے بعد جب اسلامی لشکر

جنگ حنین سے واپس آ رہا تھا اور ایک پڑاؤ پر حضرت بلال رضی اللہ عنہ نے اذان کہی تو کفار کے چند نوعمر لڑکے جن میں ابو محذورہ بھی تھے اذان کی ہنسی اور نقل کرنے لگے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے حکم فرمایا کہ ان لڑکوں کو پکڑ لاؤ۔ چنانچہ کچھ لڑکے حاضر کئے گئے۔ پوچھا گیا کہ کون نقل اتارتا تھا۔ سب نے ابو محذورہ کی طرف اشارہ کر دیا۔ سب لڑکے رہا کر دیئے گئے اور ابو محذورہ کی خوش نصیبی نے اس کو روک لیا۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ اسی طرح کھڑے ہو کر اذان کہو۔ یہ کھڑے ہوئے اور جیسے آپ اذان تلقین فرماتے گئے وہ اپنی زبان سے ادا کرتے رہے۔ نتیجہ یہ ہوا کہ ابو محذورہ کے دل میں خدا نے اسلام ڈال دیا۔ اس طرح خدا کی قدرت سے نقل اصل بن گئی۔ حضورؐ نے ان کو مکہ کا مؤذن مقرر فرما دیا۔ حضرت ابو محذورہ نہایت خوش آواز اور بلند آواز تھے۔ ان کی وفات مکہ شریف میں ۵۹ھ میں ہوئی۔

مولانا ابو الکلام آزاد رحمۃ اللہ علیہ نے اپنی تصنیف ''جامع الشواہد'' کے صفحہ ۹۱ پر لکھا ہے کہ ۱۷۹۸ء میں جب نپولین بوناپارٹ نے مصر پر حملہ کر کے اسے فتح کر لیا اور ڈھائی برس تک مصر پر فرانسیسیوں کا قبضہ رہا تو خود نپولین اور اکثر افسران فوج نے اعلانیہ طور پر جامعہ ازہر میں اسلام قبول کر لیا تھا جمعہ کی نماز میں بھی شریک ہوتے تھے اور انہوں نے اسلامی نام بھی اختیار کر لئے تھے۔ یہ سب کچھ اسلام کی صداقت اور اسلام کی اجتماعی عبادت کا اثر ہے۔ تفصیل کے لئے حضرت مولانا حبیب الرحمٰن صاحب دیوبندی رحمۃ اللہ علیہ کی کتاب تاریخ الاسلام کا ملاحظہ کیجئے اس میں حضرت مولانا نے اسی پہلو سے روایات جمع کی ہیں۔

ایک انگریز مسٹر ایم کنگ اور مسیحی رہنما پادری جیمس مولر نے لکھا ہے کہ اسلامی نماز ایک بہترین ذریعہ ہدایت ہے۔ وہ لکھتا ہے کہ میں نے اعلیٰ پوزیشن کے مسلمانوں کو دیکھا ہے جو کہ اپنے اثر و اقتدار کے لحاظ سے ایک ممتاز حیثیت رکھتے ہیں کہ کم حیثیت والے آدمی ان سے بات کرنے کی بھی جرات نہیں کر سکتے لیکن جب نماز کا وقت آتا ہے تو ایک عظیم الشان آدمی بے تابانہ مسجد میں داخل ہو جاتا ہے اور اپنے غیر معروف اور کم درجہ کے مسلمان بھائیوں کے ساتھ مل کر فریضہ نماز ادا کرتا ہے۔ اس نظارے سے یہ بات صاف ظاہر ہوتی ہے کہ بیشک اس اسلامی نماز میں سادگی اور فروتنی کا سبق موجود ہے اور عبادت نماز میں مساوات کی ایک اعلیٰ شان نظر آتی ہے۔

آگے لکھتا ہے:۔ کہ واقعی اسلامی رسول نے عجیب انداز سے امیر و غریب' ادنیٰ و اعلیٰ'

کو ایک صف میں جمع کر دیا۔ اور مناسب طور پر غرور ونخوت کے طلسم کو پاش پاش کر کے رکھ دیا ہے۔ میں تسلیم کرتا ہوں کہ نماز ایک بہترین عبادت ہے۔ آگے یہ بھی تحریر کیا ہے کہ محمدیوں کا عقیدہ ہے کہ نماز برائیوں اور بے حیائی کے کاموں سے محفوظ رکھتی ہے۔ بظاہر یہ عقیدہ درست نہیں معلوم ہوتا کیونکہ اکثر نمازی بھی برائیوں کی طرف مائل نظر آتے ہیں لیکن تجربہ سے ثابت ہوا ہے کہ وہ شخص جو دن میں پانچ مرتبہ اور مہینے میں ایک سو پچاس مرتبہ اپنے خدا تعالیٰ سے پرہیز گاری کا عہد کرتا ہے اور گناہوں سے بیزاری ظاہر کرتا ہے وہ ایک نہ ایک دن ضرور اپنے عہد میں کامل ہو جاتا ہے اور حقیقتاً پرہیز گار بن جاتا ہے۔

نماز میں دنیاوی فائدے بھی ہیں...... اسی طرح جرمنی کے مشہور علمی رسالہ دی ہایف میں ایک مشہور جرمن فاضل نے لکھا ہے کہ اسلام کی عبادت نماز میں قیام ورکوع وقعود اور سجدہ کی حرکات ایک اعلیٰ حکمت عملی اور تدبر پر مبنی ہیں۔ اگر اہل یورپ میں اس اسلامی نماز کا رواج ہوتا تو ہمیں جسمانی ورزش کے لئے نئی نئی ورزشی حرکتیں ایجاد نہ کرنی پڑتیں''۔ آگے لکھا ہے۔ کہ ایشیا کے گرم ملک میں انسان کے جسم کے اندر چربی زیادہ پیدا ہوتی ہے اور دوران نماز سجدہ کے اندر دونوں ہاتھوں اور دیگر اعضاء ایک خاص کشش کے ساتھ پھیلانا اور سمیٹنا فربہی اور موٹاپا کی مضرتوں اور نقصانات کو دور کر دیتا ہے۔ آخر میں یہ بھی تحریر کیا ہے کہ اسلام میں غسل اور وضو کے واجبات نہایت دور اندیشی اور مصلحت پر مبنی ہیں۔ غسل میں تمام جسم اور وضو میں ان اعضاء کا پاک صاف کرنا ضروری ہے جو عام کاروبار یا چلنے پھرنے میں کھلے رہتے ہیں۔ منہ کو صاف کرنا اور دانتوں کو مسواک کرنا' ناک کے اندرونی گرد وغبار وغیرہ کو دور کرنا یہ تمام حفظان صحت کے لوازمات ہیں اور ان واجبات کی بڑی شرط آب رواں کا استعمال ہے کہ ان اعضاء کو صاف ستھرے اور بہتے ہوئے پانی سے دھویا جائے کیونکہ ایسا پانی فی الواقع جراثیم کے وجود سے پاک ہوتا ہے۔ یہ تمام شرطیں اور تمام چیزیں اسلامی نماز کے ادا کرنے سے بخوبی پوری ہو جاتی ہیں۔ پانچ وقت کی نماز کی پابندی کرنا اور صبح سویرے اٹھنا ایک نمازی کو چست و چالاک اور ہوشیار بناتا ہے۔ اور تندرستی میں ایک نمایاں اضافہ ہوتا ہے۔ فافهم یاولی الابصار۔

نحن قوم اعزنا الله بالاسلام

حضور اکرم صحابہ کرام اور اولیاء صالحین کی نماز کے ساتھ محبت

حق یہ ہے کہ نماز ایسی بڑی دولت ہے کہ اس کی قدر وہی کر سکتا ہے جس کو اللہ جل شانہ نے اس کا مزہ چکھا دیا ہو۔ اسی دولت کی وجہ سے حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اپنی آنکھ کی ٹھنڈک اس میں فرمائی اور اسی لذت کی وجہ سے حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کا اکثر حصہ نماز ہی میں گذار دیتے تھے۔ یہی وجہ ہے کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے وصال کے وقت خاص طور پر نماز کی وصیت فرمائی اور اس کے اہتمام کی تاکید فرمائی۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم ارشاد نقل کیا گیا **اتقو االلہ فی الصلوٰۃ** نماز کے بارے میں اللہ سے ڈرتے رہو۔

حضرت عبداللہ بن مسعودؓ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے نقل کرتے ہیں کہ تمام اعمال میں مجھ کو نماز سب سے زیادہ محبوب ہے۔ ایک صحابیؓ کہتے ہیں کہ میں ایک رات مسجد نبوی سے گذرا۔ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نماز پڑھ رہے تھے مجھے بھی شوق ہوا حضورؐ کے پیچھے نیت باندھ لی۔ حضورؐ سورۃ بقرہ پڑھ رہے تھے۔ میں نے خیال کیا کہ سو ۱۰۰ آیتوں پر رکوع کر دیں گے مگر جب وہ گزر گئیں اور رکوع نہ کیا تو میں نے سوچا کہ دوسو ۲۰۰ پر رکوع کریں گے مگر وہاں بھی نہ کیا تو مجھے خیال ہوا کہ سورت کے ختم ہی پر کریں گے۔ جب سورت ختم ہوئی تو حضورؐ نے کئی مرتبہ **اللھم لک الحمد اللھم لک الحمد** پڑھا اور سورۃ آلِ عمران شروع کر دی۔ میں سوچ میں پڑ گیا... آخر میں نے خیال کیا کہ آخر اس کے ختم پر تو رکوع کریں ہی گے۔ حضورؐ نے اس کو ختم فرمایا اور تین مرتبہ **اللھم لک الحمد** پڑھا اور سورۂ مائدہ شروع کر دی۔ اسکو ختم کر کے رکوع کیا اور رکوع میں **سبحان ربی العظیم** پڑھتے رہے اور اسکے ساتھ کچھ اور بھی پڑھتے رہے جو سمجھ میں نہ آیا۔ اس کے بعد اسی طرح سجدہ میں **سبحان ربی الاعلیٰ** بھی پڑھتے رہے اس کے ساتھ کچھ اور بھی پڑھتے تھے۔ اس کے بعد دوسری رکعت میں سورۂ انعام شروع کر دی۔ میں حضور کے ساتھ نماز پڑھنے کی ہمت نہ کر سکا اور مجبور ہو کر چلا آیا۔ پہلی رکعت میں تقریباً پانچ سیپارے ہوئے اور پھر حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کا پڑھنا جو نہایت اطمینان سے تجوید اور ترتیل کے ساتھ ایک ایک آیت

جدا جدا کر کے پڑھتے تھے۔ ایسی صورت میں کتنی لانبی رکعت ہوئی ہوگی۔ انہیں وجوہات سے آپ کے پاؤں پر نماز پڑھتے پڑھتے ورم آ جاتا تھا۔ مگر جس چیز کی لذت دل میں اُتر جاتی ہے اُس میں مشقت اور تکلیف دشوار نہیں رہتی۔ ابواسحٰق سبیعیؒ مشہور محدث ہیں۔ سو ۱۰۰ برس کی عمر میں انتقال فرمایا۔ اس پر افسوس کیا کرتے تھے کہ بڑھاپے اور ضعف کی وجہ سے نماز کا لطف جاتا رہا۔ دو رکعتوں میں صرف دو سورتیں سورۂ بقرہ اور سورہ آل عمران پڑھی جاتی ہیں زیادہ نہیں پڑھا جاتا (تہذیب التہذیب)

یہ دو سورتیں بھی پونے چار پاروں کی ہیں... محمدؒ بن سماک فرماتے ہیں کہ کوفہ میں میرا ایک پڑوسی تھا۔ اس کے ایک لڑکا تھا جو دن کو ہمیشہ روزہ رکھتا اور رات بھر نماز میں اور شوقیہ اشعار میں رہتا تھا۔ وہ سوکھ کر ایسا ہوگیا کہ صرف ہڈی اور چمڑہ رہ گیا۔ اس کے والد نے مجھ سے کہا کہ تم اسکو ذرا سمجھاؤ۔ میں ایک مرتبہ اپنے دروازہ پر بیٹھا ہوا تھا۔ وہ سامنے سے گذرا میں نے اُسے بلایا وہ آیا سلام کر کے بیٹھ گیا۔ میں نے کہنا شروع ہی کیا تھا کہ وہ کہنے لگا۔ چچا شاید آپ محنت میں کمی کا مشورہ دیں گے۔ چچا جان میں نے اس محلے کے چند لڑکوں کے ساتھ یہ طے کیا تھا کہ دیکھیں کون شخص عبادت میں زیادہ کوشش کرے۔ انہوں نے کوشش اور محنت کی اور اللہ تعالیٰ کی طرف بلالئے گئے جب وہ بلائے گئے تو بڑی خوشی اور سرور کے ساتھ گئے۔ ان میں سے میرے سوا کوئی باقی نہیں رہا۔ میرا عمل دن میں دو بار اُن پر ظاہر ہوتا ہوگا۔ وہ کیا کہیں گے جب اس میں کوتاہی پائیں گے۔ چچا جان اُن جوانوں نے بڑے بڑے مجاہدے کئے۔ اُنکی محنتیں اور مجاہدے بیان کرنے لگا جن کو سن کر ہم لوگ متحیر رہ گئے۔ اس کے بعد وہ لڑکا اُٹھ کر چلا گیا۔ تیسرے دن ہم نے سنا کہ وہ بھی رخصت ہوگیا۔ رحمۃ اللہ رحمۃً واسعۃً (نزہت) اب بھی اس گئے گزرے زمانے میں اللہ کے بندے ایسے دیکھے جاتے ہیں جو رات کا اکثر حصہ نماز میں گزار دیتے ہیں اور دن میں دین کے دوسرے کاموں تبلیغ و تعلیم میں منہمک رہتے ہیں۔

حضرت مجدد الف ثانیؒ کے نامِ نامی سے کون شخص ہندوستان میں ناواقف ہوگا... ان کے ایک خلیفہ مولانا عبدالواحدؒ لاہوری نے ایک دن ارشاد فرمایا کیا جنت میں نماز نہ ہوگی کسی نے عرض کیا کہ حضرت جنت میں نماز کیوں ہووہ تو اعمال کے بدلہ کی جگہ ہے نہ کہ عمل کرنے

کی۔اس پر ایک آہ کھینچی اور رونے لگے اور فرمایا کہ بغیر نماز کے جنت میں کیسے گزرے گی۔

ایسے ہی لوگوں سے دنیا قائم ہے اور زندگی کو وصول کرنیوالی حقیقت میں یہی مبارک ہستیاں ہیں۔ اللہ جل شانہ اپنے لطف اور اپنے پر مر مٹنے والوں کے طفیل ہمیں بھی نواز دے تو اُس کے لطفِ عام سے کیا بعید ہے۔ حافظ ابن حجرؒ نے منبہات میں لکھا ہے ایک مرتبہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ مجھے دنیا میں تین چیزیں محبوب ہیں۔ خوشبو عورتیں اور میری آنکھوں کی ٹھنڈک نماز میں ہے۔ حضورؐ کے پاس چند صحابہؓ تشریف فرما تھے۔ حضرت ابوبکر صدیقؓ نے ارشاد فرمایا آپؐ نے سچ فرمایا اور مجھے تین چیزیں محبوب ہیں آپ کے چہرہ کا دیکھنا۔ اپنے مال کو آپ پر خرچ کرنا اور یہ کہ میری بیٹی آپ کے نکاح میں ہے۔ حضرت عمرؓ نے فرمایا سچ ہے اور مجھے تین چیزیں محبوب ہیں۔ امر بالمعروف نہی عن المنکر (اچھے کاموں کا حکم کرنا اور بُری باتوں سے روکنا) اور پرانا کپڑا۔ حضرت عثمانؓ نے فرمایا آپ نے سچ کہا اور مجھے تین چیزیں محبوب ہیں۔ بھوکوں کو کھلانا۔ ننگوں کو کپڑا پہنانا اور قرآن پاک کی تلاوت کرنا۔ حضرت علیؓ نے ارشاد فرمایا آپ نے سچ فرمایا اور مجھے تین چیزیں پسند ہیں۔ مہمان کی خدمت گرمی کا روزہ اور دشمن پر تلوار اتنے میں حضرت جبرئیل علیہ السلام تشریف لائے اور عرض کیا کہ مجھے حق تعالیٰ شانہ نے بھیجا ہے اور فرمایا کہ اگر میں (یعنی جبرئیل) دنیا والوں میں ہوتا تو بتاؤں مجھے کیا پسند ہوتا۔ حضورؐ نے ارشاد فرمایا بتاؤ...عرض کیا بھولے ہوؤں کو راستہ بتانا۔ غریب عبادت کرنے والوں سے محبت رکھنا اور عیال دار مفلسوں کی مدد کرنا اور اللہ جل جلالہٗ کو بندوں کی تین چیزیں پسند ہیں۔ (اللہ کی راہ میں) طاقت کا خرچ کرنا (مال سے ہو یا جان سے) اور گناہ پر ندامت کے وقت رونا اور فاقہ پر صبر کرنا (فضائل اعمال)

نماز کے فوائد و برکات

حافظ ابن قیم زاد المعاد میں تحریر فرماتے ہیں کہ نماز روزی کو کھینچنے والی ہے۔ صحت کی محافظ ہے۔ بیماری کو رفع کرنے والی ہے۔ دل کو تقویت پہنچاتی ہے۔ چہرہ کو خوبصورت اور منور کرتی ہے جان کو فرحت پہنچاتی ہے۔ اعضاء میں نشاط پیدا کرتی ہے۔ کاہلی کو دفع کرتی

ہے شرح صدر کا سبب ہے رُوح کی غذا ہے دل کو منوّر کرتی ہے۔ اللہ کے انعام کی محافظ ہے اور عذاب الٰہی سے حفاظت کا سبب ہے شیطان کو دُور کرتی ہے اور رحمٰن سے قُرب پیدا کرتی ہے۔ غرض روح اور بدن کی صحت کی حفاظت میں اس کو خاص دخل ہے اور دونوں چیزوں میں اس کی عجیب تاثیر ہے۔ نیز دنیا اور آخرت کی مضرتوں کے دور کرنے میں اور دونوں جہان کے منافع پیدا کرنے میں اس کو بہت خصوصیت ہے۔

ایک نماز قضاء کرنے پر دوکروڑ اٹھاسی لاکھ سال عذاب ہوگا

حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے نقل کیا گیا ہے کہ جو شخص نماز کو قضا کردے گو وہ بعد میں پڑھ بھی لے پھر بھی اپنے وقت پر نہ پڑھنے کی وجہ سے ایک حقب جہنم میں جلے گا اور حقب کی مقدار اسی ۸۰ برس کی ہوتی ہے اور ایک برس تین سو ساٹھ دن کا اور قیامت کا ایک دن ایک ہزار برس کی برابر ہوگا (اس حساب سے ایک حقب کی مقدار دو کروڑ اٹھاسی لاکھ برس ہوئی ۲۸۸۰۰۰۰۰) (کذا فی مجالس الابرار)

حقب کے معنی لغت میں بہت زیادہ زمانہ کے ہیں۔ اکثر حدیثوں میں اُس کی مقدار یہی آئی ہے جو اُوپر گذری یعنی ۸۰ سال۔ درمنثور میں متعدد روایات سے یہی مقدار منقول ہے۔ حضرت علیؓ نے ہلال ہجریؒ سے دریافت فرمایا کہ حقب کی کیا مقدار ہے انہوں نے کہا کہ حقب اسی ۸۰ برس کا ہوتا ہے اور ہر برس بارہ مہینے کا اور ہر مہینہ تیس دن کا اور ہر دن ایک ہزار برس کا حضرت عبداللہ بن مسعودؓ سے بھی صحیح روایت سے اسی ۸۰ برس منقول ہیں۔ حضرت ابوہریرہ نے خود حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم سے یہی نقل کیا ہے کہ ایک حقب اسی ۸۰ سال کا ہوتا ہے اور ایک سال تین سو ساٹھ دن کا اور ایک دن تمہارے دنوں کے اعتبار سے (یعنی دنیا کے موافق) ایک ہزار دن کا یہی مضمون حضرت عبداللہ بن عمرؓ نے بھی حضورؐ سے نقل فرمایا ہے اُس کے بعد حضرت عبداللہ بن عمر فرماتے ہیں کہ اس بھروسہ پر نہیں رہنا چاہیے کہ ایمان کی بدولت جہنم سے آخر نکل جائیں گے اتنے سال یعنی دو کروڑ اٹھاسی لاکھ برس جلنے کے بعد نکلنا ہوگا وہ بھی جب ہی کہ اور وجہ زیادہ پڑے رہنے کی نہ ہو۔ اس کے علاوہ اور بھی کچھ مقدار اس سے کم وزیادہ حدیث میں آئی ہے مگر اوّل تو اُوپر والی مقدار کئی حدیثوں میں آئی ہے اس لئے یہ مقدم ہے دوسرے یہ بھی ممکن ہے کہ آدمیوں کی حالت کے اعتبار سے کم وبیش ہو۔

ابو اللیث سمرقندیؒ نے قرۃ العیون میں حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا ارشاد نقل کیا ہے جو شخص

ایک فرض نماز بھی دیدہ دانستہ طور پر چھوڑ دے اُس کا نام جہنم کے دروازہ پر لکھ دیا جاتا ہے اور اس کو اس میں جانا ضروری ہے اور حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ سے نقل کیا ہے کہ ایک مرتبہ حضورؐ نے ارشاد فرمایا یہ کہو کہ اے اللہ ہم میں کسی کو شقی محروم نہ کر۔ پھر فرمایا جانتے ہو شقی محروم کون ہے؟ صحابہؓ کے استفسار پر ارشاد فرمایا کہ شقی محروم نماز کا چھوڑنے والا ہے اس کا کوئی حصہ اسلام میں نہیں۔ ایک حدیث میں ہے کہ دیدہ دانستہ کر بلا عذر نماز چھوڑنے والے کی طرف حق تعالیٰ قیامت میں التفات ہی نہ فرمائیں گے اور عذابِ الیم (دکھ دینے والا عذاب) اس کو دیا جائے گا۔ ایک حدیث سے نقل کیا ہے کہ دس آدمیوں کو خاص طور سے عذاب ہوگا۔ منجملہ ان کے نماز کا چھوڑنے والا بھی ہے کہ اس کے ہاتھ بندھے ہوئے ہوں گے اور فرشتے منہ اور پشت پر ضرب لگا رہے ہوں گے۔ جنت کہے گی کہ میرا تیرا کوئی تعلق نہیں نہ میں تیرے لئے نہ تو میرے لیے۔ دوزخ کہے گی کہ آ جا میرے پاس آ جا تو میرے لیے میں تیرے لئے۔ یہ بھی نقل کیا ہے کہ جہنم میں ایک وادی (جنگل) ہے جس کا نام ہے لم لم۔ اُس میں سانپ ہیں۔ جو اونٹ کی گردن کے برابر موٹے ہیں اور ان کی لمبائی ایک مہینہ کے فاصلے کے برابر ہے اُس میں نماز چھوڑتے والوں کو عذاب دیا جائے گا۔ ایک دوسری حدیث میں ہے کہ ایک میدان ہے جس کا نام حُبّ الحزن (غم کا کنواں) ہے وہ بچھوؤں کا گھر ہے اور ہر بچھو خچر کے برابر بڑا ہے وہ بھی نماز چھوڑنے والوں کو ڈسنے کے لئے ہیں۔ ہاں مولائے کریم معاف کر دے تو کون پوچھنے والا ہے مگر کوئی معافی چاہے بھی تو ابن حجرؒ نے زواجر میں لکھا ہے کہ ایک عورت کا انتقال ہو گیا تھا۔ اُس کا بھائی دفن میں شریک تھا۔ اتفاق سے دفن کرتے ہوئے ایک تھیلی قبر میں گر گئی۔ اس وقت خیال نہیں آیا بعد میں یاد آئی تو بہت رنج ہوا۔ چپکے سے قبر کھول کر نکالنے کا ارادہ کیا... قبر کو کھولا تو وہ آگ کے شعلوں سے بھر رہی تھی۔ روتا ہوا ماں کے پاس آیا اور حال بیان کیا اور پوچھا کہ یہ بات کیا ہے۔ ماں نے بتایا کہ وہ نماز میں سستی کرتی تھی اور قضا کر دیتی تھی۔ اعاذنا اللہ منہا۔

نماز نہیں تو دین نہیں

حضور اقدسؐ کا ارشاد ہے کہ اسلام میں کوئی بھی حصہ نہیں اُس شخص کا جو نماز نہ پڑھتا ہو اور بے وضو کی نماز نہیں ہوتی۔ دوسری حدیث میں ہے کہ دین بغیر نماز کے نہیں ہے۔ نماز

دین کیلئے ایسی ہے جیسا آدمی کے بدن کیلئے سر ہوتا ہے (اخرجہ المنذ ارواخراج الحاکم)

فائدہ: جو لوگ نماز نہ پڑھ کر اپنے آپ کو مسلمان کہتے ہیں یا حمیت اسلامی کے لمبے چوڑے دعوے کرتے ہیں وہ حضورِ اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کے ان ارشادات پر ذرا غور کرلیں اور جن اسلاف کی کامیابیوں تک پہنچنے کے خواب دیکھتے ہیں ان کے حالات کی بھی تحقیق کریں کہ وہ دین کو کس مضبوطی سے پکڑے ہوئے تھے۔ پھر دنیا ان کے قدم کیوں نہ چومتی۔ حضرت عبداللہ بن عباسؓ کی آنکھ میں پانی اُتر آیا لوگوں نے عرض کیا کہ اس کا علاج تو ہوسکتا ہے مگر چندروز آپ نماز نہ پڑھ سکیں گے انہوں نے فرمایا یہ نہیں ہوسکتا۔ میں نے حضور سے سُنا ہے جو شخص نماز نہ پڑھے وہ اللہ جل شانہ کے یہاں ایسی حالت میں حاضر ہوگا کہ حق تعالیٰ شانہ اس پر ناراض ہوں گے۔ ایک حدیث میں آیا ہے کہ لوگوں نے کہا پانچ دن لکڑی پر سجدہ کرنا پڑے گا۔ انہوں نے فرمایا کہ ایک رکعت بھی اس طرح نہیں پڑھوں گا۔ عمر بھر بینائی کو صبر کرلینا ان حضرات کے یہاں اس سے سہل تھا کہ نماز چھوڑ دیں۔ حالانکہ اس عذر کی وجہ سے نماز کا چھوڑنا جائز بھی تھا۔ حضرت عمرؓ کو اخیر زمانہ میں جب برچھا مارا گیا تو ہر وقت خون جاری رہتا تھا اور اکثر اوقات غفلت رہتی تھی حتی کہ اسی غفلت میں وصال بھی ہوگیا مگر بیماری کے ان دنوں میں جب نماز کا وقت ہوتا تو ان کو ہوشیار کیا جاتا اور نماز کی درخواست کی جاتی۔ وہ اسی حالت میں نماز ادا کرتے اور فرماتے کہ ہاں ہاں ضرور جو شخص نماز نہ پڑھے اسلام میں اس کا کوئی حصہ نہیں۔ ہمارے یہاں بیمار کی خیر خواہی راحت رسانی اس میں سمجھی جاتی ہے کہ اسکو نماز کی تکلیف نہ دیجائے بعد میں فدیہ دیدیا جائیگا۔ ان حضرات کے یہاں خیر خواہی یہ تھی جو عبادت بھی چلتے چلاتے کرسکے دریغ نہ کیا جائے۔

حضرت علیؓ نے ایک مرتبہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے ایک خادم مانگا کہ کاروبار میں مدد کرے۔ حضورؐ نے فرمایا یہ تین غلام ہیں جو پسند ہو لے لو۔ انہوں نے عرض کیا آپ ہی پسند فرمادیں۔ حضورؐ نے ایک شخص کے متعلق فرمایا کہ اسکو لے لو یہ نمازی ہے مگر اس کو مارنا نہیں۔ ہمیں نمازیوں کے مارنے کی ممانعت ہے۔ اس قسم کا واقعہ ایک اور صحابی ابو الہیثمؓ کے ساتھ بھی ہوا۔ انہوں نے بھی حضور سے غلام مانگا تھا۔ اس کے بالمقابل ہمارا ملازم نمازی بن جائے تو ہم اُس کو طعن کرتے ہیں اور حماقت سے اس کی نماز میں اپنا حرج سمجھتے ہیں۔ حضرت سفیان ثوریؒ پر ایک مرتبہ غلبہ حال ہوا تو سات روز تک گھر میں رہے۔ نہ کھاتے تھے نہ پیتے تھے نہ

سوتے تھے... شیخ کو اس کی اطلاع کی گئی دریافت کیا کہ نماز کے اوقات تو محفوظ رہتے ہیں (یعنی نماز کے اوقات کا تو اہتمام رہتا ہے) لوگوں نے عرض کیا کہ نماز کے اوقات بیشک محفوظ ہیں۔ فرمایا تمام تعریف اللہ ہی کے لئے ہے جس نے شیطان کو اس پر مسلط نہ ہونے دیا۔

سب سے پہلے نماز فجر حضرت آدم علیہ السلام نے ادا کی

ہم جو فجر کی نماز ادا کرتے ہیں اور اس میں دو رکعتیں فرض پڑھتے ہیں اس کی حکمت یہ ہے کہ فجر کی نماز سب سے پہلے حضرت آدم علیہ السلام نے ادا فرمائی، جس وقت اللہ تعالیٰ نے ان کو دنیا میں اتارا، اس وقت دنیا میں رات چھائی ہوئی تھی، حضرت آدم علیہ السلام جنت کی روشنی سے نکل کر دنیا کی اس تاریک اور اندھیری رات میں دنیا میں تشریف لائے، اس وقت ہاتھ کو ہاتھ سجھائی نہیں دیتا تھا۔ حضرت آدم علیہ السلام کو بڑی تشویش اور پریشانی لاحق ہوئی کہ یہ دنیا اتنی تاریک ہے، یہاں زندگی کیسے گزریگی؟ نہ کوئی چیز نظر آتی ہے، نہ جگہ سمجھ میں آتی ہے کہ کہاں ہیں اور کہاں جائیں؟ ہر طرف اندھیرا ہی اندھیرا ہے۔ چنانچہ خوف محسوس ہونے لگا، اس کے بعد آہستہ آہستہ روشنی ہونے لگی اور صبح کا نور چمکنے لگا صبح صادق ظاہر ہوئی تو حضرت آدم علیہ السلام کی جان میں جان آئی اس وقت حضرت آدم علیہ السلام نے سورج نکلنے سے پہلے دو رکعتیں بطور شکرانہ ادا فرمائیں۔ یہ دو رکعتیں اللہ تعالیٰ کو اتنی پسند آئیں کہ اللہ تعالیٰ نے ان کو حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کی امت پر فرض فرما دیا (عنایہ)

سب سے پہلے ظہر کی نماز حضرت ابراہیم علیہ السلام نے ادا کی

یہ سب سے پہلے حضرت ابراہیم علیہ السلام نے ادا فرمائی تھیں اور اس وقت ادا فرمائی تھیں جس وقت وہ اپنے بیٹے حضرت اسماعیل علیہ السلام کو ذبح کرنے کے امتحان میں کامیاب ہوگئے تھے۔ ایک رکعت تو اس امتحان میں کامیابی پر شکرانہ کے طور پر ادا فرمائی۔ دوسری رکعت اس بات کے شکرانہ میں ادا فرمائی تھی کہ اللہ تعالیٰ نے حضرت اسماعیل علیہ السلام کے عوض میں جنت سے ایک مینڈھا اتار دیا۔ تیسری رکعت اس شکرانے میں ادا

فرمائی کہ اللہ تعالیٰ نے حضرت ابراہیم علیہ السلام سے خطاب کرتے ہوئے فرمایا۔ ﴿وَنَادَيْنٰهُ اَنْ يّٰاِبْرٰهِيْمُ﴾ (سورہ صفت:۱۰۵) ''یعنی ہم نے آواز دی: اے ابراہیم بلاشبہ تم نے اپنا خواب سچ کر دکھایا ہم نیکو کاروں کو اسی طرح بدلہ دیا کرتے ہیں۔'' چوتھی رکعت اس بات کے شکرانے میں ادا فرمائی کہ اللہ تعالیٰ نے ایسا صابر بیٹا عطا فرمایا، جو اس سخت امتحان کے اندر بھی نہایت صابر اور متحمل رہا اور صبر کا پہاڑ بن گیا۔ اس طرح یہ چار رکعتیں حضرت ابراہیم علیہ السلام نے ظہر کے وقت بطور شکرانے کے ادا فرمائی تھیں۔ اللہ تعالیٰ کو ایسی پسند آئی کہ سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم کی امت پر فرض فرمادیں۔ (عنایہ)

سب سے پہلے عصر کی نماز حضرت یونس علیہ السلام نے ادا فرمائی

نماز عصر کی چار رکعتیں سب سے پہلے حضرت یونس علیہ السلام نے ادا فرمائیں جس وقت وہ مچھلی کے پیٹ میں تھے وہاں انہوں نے اللہ تعالیٰ کو پکارا جس کو اللہ تعالیٰ نے اس طرح نقل فرمایا:

فَنَادٰى فِى الظُّلُمٰتِ اَنْ لَّآ اِلٰهَ اِلَّآ اَنْتَ سُبْحٰنَكَ اِنِّىْ كُنْتُ مِنَ الظّٰلِمِيْنَ فَاسْتَجَبْنَا لَهٗ وَنَجَّيْنٰهُ مِنَ الْغَمِّ وَكَذٰلِكَ نُنْجِى الْمُؤْمِنِيْنَ (سورہ انبیاء:۸۷۔۸۸)

چنانچہ جب اللہ تعالیٰ نے ان کو مچھلی کے پیٹ سے باہر نکالا تو انہوں نے شکرانے کے طور پر چار رکعت نماز ادا کی، اور چار رکعتیں اس لیے ادا فرمائیں کہ اللہ تعالیٰ نے ان کو چار تاریکیوں سے نجات عطا فرمائی تھی، ایک مچھلی کے پیٹ کی تاریکی سے، دوسرے پانی کی تاریکی سے، تیسرے بادل کی تاریکی سے اور چوتھے رات کی تاریکی سے، ان چار تاریکیوں سے نجات کے شکرانے میں عصر کے وقت حضرت یونس علیہ السلام نے چار رکعت نماز ادا فرمائی۔ اللہ تعالیٰ کو یہ چار رکعت اتنی پسند آئیں کہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کی امت پر ان کو فرض فرمادیا۔ (عنایہ)

سب سے پہلے مغرب کی نماز حضرت داؤد علیہ السلام نے ادا کی

مغرب کی تین رکعتیں سب سے پہلے حضرت داؤد علیہ السلام نے ادا فرمائیں، یہ تین رکعت اللہ تعالیٰ کو اتنی پسند آئیں کہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کی امت پر ان کو مغرب کے وقت فرض فرمادیا۔

نماز با جماعت......فضیلت واہمیت

مسلمان مرد حضرات کو فرض نماز کی ادائیگی کیلئے حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے مسجد میں باجماعت نماز ادا کرنے کی سخت تاکید فرمائی ہے اور نماز جماعت سے ادا نہ کرنے والے کے لئے اپنی ناراضی کا شدت سے اظہار فرمایا ہے، اس ناراضی کا اندازہ اس حدیث مبارکہ سے لگا سکتے ہیں کہ حضور کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ میرا دل چاہتا ہے کہ میں نوجوانوں کو حکم دوں کہ وہ ان لوگوں کے گھروں کو آگ لگادیں جو اذان سن کر نماز پڑھنے مسجد میں نہیں آتے، صحابہ کرامؓ فرماتے ہیں ہم نے اس سے پہلے کبھی حضور کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے چہرہ انور پر اتنی ناراضی اور غصے کے آثار نہ دیکھے تھے، آج ہم نے مسجدوں میں نماز پڑھنا چھوڑ دیا ہے، مسجدیں ویران ہورہی ہیں اور اسی وجہ سے ہمارے گھر بھی ویران ہور ، ہیں، بے سکونی بڑھتی جارہی ہے، حی علی الصلوۃ (نماز کی طرف آؤ) کی آواز آتی ہے تو ہم کیوں مسجد میں باجماعت نماز پڑھنے نہیں جاتے، یہ سب ہمارے ایمان کی کمزوری ہے اور ایمان اس وقت کمزور ہوتا ہے جب دنیا دین پر غالب آجاتی ہے، حضور کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے ایک صحابیؓ نے دریافت کیا میں معذور ہوں اور مسجد میں آکر نماز پڑھنا میرے لئے بہت مشکل ہے تو، حضور کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ تم اذان سنتے ہو انہوں نے کہا کہ جی سنتا ہوں تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا تو پھر مسجد میں آکر نماز پڑھو، ایک اور حدیث شریف میں آیا ہے کہ حضور کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اگر تمہیں باجماعت نماز پڑھنے کی اہمیت کا اندازہ ہوجائے تو تم مسجد میں نماز پڑھنے کے لئے گھستے آؤ، اس کا مطلب یہ ہے کہ ہمیں چاہے کتنی ہی تکلیف کیوں نہ ہو لیکن ہمیں باجماعت نماز کی اہمیت کا اندازہ ہوگا ضروری نماز جماعت سے ادا کرنے کے لئے مسجد ہی جائیں، اللہ تعالیٰ نے جن تین اشخاص پر لعنت فرمائی ہے وہ یہ ہیں ایک وہ امام جس سے اس کے مقتدی ناراض ہوں

(معقول وجہ سے) ایک وہ عورت جس سے اس کا شوہر ناراض ہو (معقول وجہ سے) اور ایک وہ شخص جو جماعت سے نماز نہیں پڑھتا اس سے یہ ظاہر ہوتا ہے کہ گویا بلا عذر جماعت سے نماز نہ پڑھنے والے کی نماز اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں قابل قبول نہیں اور جس پر اللہ تعالیٰ لعنت بھیجے اس پر فرشتے بھی لعنت بھیجتے ہیں اور جس شخص سے اللہ تعالیٰ ناراض ہو تو اس شخص سے اس کا محبوب رسول رحمت دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم کیسے خوش ہو سکتے ہیں، اگر شافع محشر صلی اللہ علیہ وسلم ہی ہم سے ناراض ہو جائیں تو قیامت کے دن اللہ تعالیٰ سے ہماری شفاعت کون کرائے گا، اللہ تعالیٰ سب کو نماز جماعت سے ادا کرنے کی توفیق عنایت فرمائے۔ آمین۔

نماز باجماعت کی برکتیں

(۱) مؤذن جب اذان دیتا ہے تو سننے والا اس کا جواب دیتا ہے اس سے ثواب ملتا ہے۔

(۲) نماز کیلئے جلدی پہنچنا باعث ثواب ہے۔

(۳) سکون اور وقار کے ساتھ مسجد کی طرف چلنا (نماز کیلئے) ثواب کا ذریعہ ہے۔

(۴) مسجد میں داخل ہوتے وقت کی دعاء: اللھم افتح لی ابواب رحمتک (مسلم شریف)

(۵) (مسجد میں داخل ہوتے وقت) تحیۃ المسجد کے دو نفل پڑھنا باعث ثواب ہے (بشرطیکہ مکروہ وقت نہ ہو اگر وقت مکروہ ہو تب چار مرتبہ تیسرے کلمے کا پڑھنا اس کا بدل بن جائیگا)

(۶) انتظار نماز کا ثواب ملتا ہے۔ (۷) مسجد میں فرشتے اس کیلئے دعاء و استغفار کرتے ہیں۔

(۸) فرشتے اس کے حق میں (کل روز قیامت) گواہی دیں گے۔

(۹) جب اقامت کہی جاتی ہے تو شیطان بھاگ جاتا ہے۔ اتنی دیر یہ نمازی شیطان سے محفوظ رہتا ہے۔

(۱۰) جب اقامت کہی جاتی ہے تو یہ نمازی اس اقامت کا جواب دیتا ہے، جو باعث ثواب ہے۔

(۱۱) جب اقامت کہی جاتی ہے تو نمازی امام کی تکبیر تحریمہ (وہ تکبیر جسے کہہ کر نماز شروع کرتے ہیں) کا انتظار کرتا ہے کہ امام تکبیر کہے تو میں بھی کہوں، اس انتظار کا بھی ثواب ملتا ہے۔

(۱۲) تکبیر اولیٰ (نماز کی پہلی تکبیر) پانے کا اس کو ثواب ملتا ہے۔

(۱۳) صفیں سیدھی کرنے اور خالی جگہ پر کرنے کا ثواب ملتا ہے۔

(۱۴) جب امام سمع اللہ لمن حمدہ کہتا ہے تو اس کے جواب میں مقتدی ربنا لک الحمد کہتا ہے، اس کا بھی بہت ثواب ہے جو جماعت میں شریک ہونے والے کو ملتا ہے۔

(۱۵) غالبًا با جماعت نماز میں سہو (بھولنا) نہیں ہوتا اور اگر ہو تو مقتدی کو تسبیح (سبحان اللہ) کے ذریعہ لقمہ دینے کا یا قرأت کی غلطی بتانے کا ثواب ملتا ہے۔

(۱۶) غالبًا (یعنی اکثر) با جماعت نماز خشوع اور توجہ سے ادا ہوتی ہے اور غفلت میں ڈالنے والی چیزوں سے نمازی بچا رہتا ہے۔

(۱۷) نیک لوگوں کی برکت سے ان جیسی نماز پڑھنے کی توفیق ہو جاتی ہے خربوزے کو دیکھ کر خربوزہ رنگ پکڑتا ہے۔

(۱۸) حدیث کے مطابق فرشتے احاطہ کرتے ہیں اس کی برکات نمازیوں کو نصیب ہوتی ہیں۔

(۱۹) عام طور سے امام اچھا قاری ہوتا ہے، نمازی کو (ان کی قرأت) سننے سے تجوید کی مشق کا موقعہ ملتا ہے۔ (۲۰) جماعت شعائرِ اسلام (شعائرِ اسلام ان خاص احکام کا نام ہے جو عرف میں مسلمان ہونے کی علامت سمجھے جاتے ہیں) میں سے ہے اس لئے با جماعت نماز پڑھنے والے کو شعائرِ اسلام قائم کرنے کا ثواب ملتا ہے۔

(۲۱) عبادت اور جماعت پر جمع ہونے سے شیطان ذلیل ہوتا ہے لہٰذا اس کو ذلیل کرنے کا ثواب ملتا ہے۔ (۲۲) جماعت چھوڑنا منافق کی علامت ہے اس علامت سے یہ (نمازی) شخص بچ گیا اور اس بدگمانی سے بھی بچ گیا کہ شاید یہ بے نمازی ہے۔

(۲۳) امام کو سلام کا جواب دینے کی نیت کرنے سے اس کا ثواب بھی مل جاتا ہے۔

(۲۴) (با جماعت نماز پڑھنے سے) اجتماعی دعاء اجتماعی ذکر اور کاملین کی برکت نصیب ہوتی ہے۔ (۲۵) پڑوسیوں سے محبت اور ان کی ملاقات کا ثواب مل جاتا ہے، پھر جہری نماز (جس میں اونچی آواز سے قرأت کی جائے) میں دو سبب زائد مل جاتے ہیں:

(۱) قرآن پاک کی طرف پوری توجہ کرنا اور خاموش رہنا۔

(۲) امام کی آمین کے ساتھ آمین کہنا تا کہ فرشتوں کی آمین کے ساتھ موافقت ہو جائے۔

نماز کی اہمیت وفوائد

قرآن کریم میں اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں

وَاسْتَعِيْنُوْا بِالصَّبْرِ وَالصَّلٰوةِ ط وَاِنَّهَا لَكَبِيْرَةٌ اِلَّا عَلَى الْخٰشِعِيْنَ الَّذِيْنَ يَظُنُّوْنَ اَنَّهُمْ مُّلٰقُوْا رَبِّهِمْ وَ اَنَّهُمْ اِلَيْهِ رٰجِعُوْنَ

اس آیت پاک میں اللہ پاک کا ارشاد ہے فرمایا مدد حاصل کیا کرو۔ صبر سے اور نماز سے صبر کا مطلب یہ ہے کہ جب طبیعت کے خلاف کوئی چیز آئے۔ اس وقت شریعت پر اپنے آپ کو جمائے رکھو۔ اور جو تکلیف ہو اس کو برداشت کرو دل چاہے یا نہ چاہے۔ مزاج کے خلاف کرنا پڑے طبیعت کو دبانا پڑے تو بس شریعت کو غالب رکھیں۔ اس کا نام صبر ہے اور صبر سے بہت مدد ملتی ہے انسان کو کوئی پریشانی آتی ہے اور وہ صبر کرتا ہے اور اللہ تعالیٰ سے امید رکھتا ہے۔ یہ کہ پریشانی دور ہو جائے تو پریشانی دور ہو جاتی ہے۔

صبر کا فائدہ

جیسے ایک روایت میں ہے (الصبر مفتاح الفرج) جب کوئی مصیبت آجائے یا کوئی تکلیف پہنچے تو صبر کریں یہ کشادگی کی چابی ہے۔ جو صبر کرتا رہتا ہے اللہ تعالیٰ ایک دن اس کی پریشانی دور کر دیتے ہیں۔ فرمایا اِنَّ مَعَ الْعُسْرِ يُسْرًا۔ اِنَّ مَعَ الْعُسْرِ يُسْرًا۔ یعنی ہر تکلیف کے ساتھ آسانی ہے۔ دو دفعہ فرمایا اِنَّ مَعَ الْعُسْرِ يُسْرًا ہر تنگی کے بعد آسانی ہوتی ہے اور دوسری چیز جس سے حاصل کرنے کو فرمایا وہ نماز ہے۔ نماز سے بھی مدد حاصل کیا کرو۔ نماز سے انسان کو بڑی مدد ملتی ہے۔ دین اور دنیا کی پریشانیوں کے دفع کرنے میں۔ پھر جب نماز کے بارے میں اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ نماز سے مدد حاصل کیا کرو یعنی نماز پڑھا کرو تمہاری امداد ہوگی۔

مشکل کا حل

دل میں خیال آتا ہے کہ نماز پڑھنا بڑا مشکل ہے۔ کیسے پابندی کریں گے پانچ

وقت نماز کی۔ تو اللہ پاک نے ایسا نسخہ بتایا کہ جس سے نماز آسان ہو جائے اور وہ نسخہ یہ بتایا ہے کہ نماز کو خشوع اور خضوع کے ساتھ ادا کرو۔ دھیان کے ساتھ ادا کیا کرو۔ پھر تمہیں نماز میں لطف آئے گا۔ توجہ الی اللہ قائم ہو جائے گی۔ اس کے بغیر پھر تمہیں چین نہیں آئے گا۔ وَاِنَّهَا لَكَبِيْرَةٌ اِلَّا عَلَى الْخٰشِعِيْنَ۔ نماز بڑی مشکل معلوم ہوتی ہے۔ ہاں مگر ان لوگوں کو جو خشوع اور خضوع کے ساتھ نماز پڑھتے ہیں۔ ان کو نماز مشکل معلوم نہیں ہوتی۔ ان کو نماز میں لذت آتی ہے اور یہ بھی ہے کہ جب ایک کام بار بار کیا جاتا ہے تو وہ کام آسان ہو جاتا ہے۔ ایک آدمی نے نماز کبھی نہ پڑھی ہو۔ اس کو واقعی نماز مشکل معلوم ہوتی ہے اور ایک آدمی روزانہ پڑھ رہا ہے اس کو مشکل معلوم نہیں ہوتی۔ اس کے لئے نماز بڑی آسان ہو جاتی ہے بلکہ اس کے لئے لذیذ غذا بن جاتی ہے۔

عبرت آموز واقعہ

چنانچہ ایک بزرگ فرماتے ہیں کہ میں نے بیس سال نماز پڑھنے کی مشقت اٹھائی ہے۔ میرا دل نہیں چاہتا کہ میں نے اپنے آپ کو مجبور کر کے نماز پڑھائی۔ بیس سال نماز کی مشقت برداشت کی اور اب بیس سال سے نماز کے مزے لوٹ رہا ہوں۔ تو نماز کو آسان کرنے کا طریقہ اللہ تعالیٰ نے بتلایا ہے کہ جب نماز پڑھو خشوع خضوع کے ساتھ پڑھو۔

مشکل کا دوسرا حل

آگے فرمایا اَلَّذِيْنَ يَظُنُّوْنَ اَنَّهُمْ مُّلٰقُوْا رَبِّهِمْ ایک دوسرا طریقہ بھی ارشاد فرمایا۔ فرمایا وہ لوگ جو یقین کرتے ہیں۔ اَنَّهُمْ مُّلٰقُوْا رَبِّهِمْ کہ اللہ تعالیٰ سے ان کی ملاقات ہونے والی ہے اور وہ اللہ تعالیٰ کی طرف لوٹنے والے ہیں ایک دن دنیا کو چھوڑ کر اللہ کے حضور میں پیش ہونا تو جن لوگوں کو یہ خوف ہوتا ہے کہ ہمیں مرنا ہے اور مرنے کے بعد ہمیں اللہ کے حضور پیش ہونا ہے۔ جو اس تصور اور دھیان سے نماز پڑھتے ہیں ایسے لوگوں کے لئے بھی نماز آسان ہو جاتی ہے۔ نماز پڑھنا ان کو مشکل نہیں رہتا۔ تو بھائی نماز دین میں ایک بہت بڑی عبادت ہے۔

مسلمانوں کی کوتاہی

اور آج مسلمانوں میں نماز میں بڑی کوتاہی ہے۔ بہت کم لوگ نماز پڑھتے ہیں۔ عورتوں کا حال بھی یہ ہے کہ نماز کی پوری پابندی کرنے والی عورتیں تھوڑی ہیں ایک نماز پڑھ لی پھر دو چھوڑ دیں کبھی پڑھ لی کبھی چھوڑ دی یہ طریقہ ٹھیک نہیں ہے۔ نماز کی پوری پابندی کرنی چاہئے کوئی نماز رہ نہ جائے۔

حضرت عمر رضی اللہ عنہ کا پیغام

حضرت سیدنا عمر رضی اللہ عنہ نے اپنے گورنروں کو یہ پیغام لکھا فرمایا۔ ان اھم امورکم عندی الصلوٰۃ۔ میرے نزدیک تمہارے سب کاموں میں سب سے اہم کام نماز ہے۔ من حفظھا و حافظ علیھا حفظ دینہ. جس نے نماز کی حفاظت کی۔ نماز کو پابندی کے ساتھ پڑھا اس نے اپنے دین کو محفوظ کرلیا۔ بغیر نماز کے دین محفوظ نہیں ہوسکتا۔ ومن ضیعھا فھو لما سواھا اضیع۔ (مشکوٰۃ ص ۵۹) جس نے نماز کو ضائع کر دیا اس نے نماز کے علاوہ سارے دین اور ساری دنیا کو برباد کردیا۔ تو نماز ضروری اور دین کی بنیادی چیز ہے۔

غلطی کا ازالہ

بہت کم عورتیں پورے سر کا مسح کرتی ہیں۔ چوتھائی مسح کرنا تو فرض ہے پورے سر کا مسح سنت مؤکدہ ہے۔ تو وضو بھی ٹھیک ہو کپڑے بھی ٹھیک ہوں۔ کپڑے یا بدن کو بچے کا پیشاب لگ گیا ہو تو اس کو دھونا ضروری ہے' دودھ پینے والے بچوں کا پیشاب بھی ناپاک ہے' بعض عورتیں اس کو پاک سمجھتی ہیں اس طرح جگہ بھی پاک ہو' پھر جو آدمی نماز پڑھے وقت پر نماز ادا کرے اور رکوع سجود صحیح ادا کرے۔

منافق کی نماز

جیسے مرغ ٹھونگے مارتا ہے ویسے نہ کرے۔ حدیث شریف میں آتا ہے یہ منافق کی

نماز ہے پہلے بیٹھا رہتا ہے جب نماز کا آخر وقت آ جاتا ہے پھر جلدی جلدی نماز پڑھتا ہے۔ چار ٹھونگے مارے اور فارغ ہو گیا۔ رکوع اور سجدے کو آرام آرام سے ادا کرنا چاہئے۔

مسئ الصلوٰۃ

جو مرد اور عورتیں بہت جلدی نماز پڑھتے ہیں۔ علماء فرماتے ہیں ان کی نماز نہیں ہوتی فرض شاید ادا ہو جاتا ہے لیکن نماز کے برکات حاصل نہیں ہوتے۔ حدیث پاک میں آتا ہے کہ ایک دفعہ مسجد میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم بیٹھے ہوئے تھے ایک صحابی جن کا نام خلادؓ ہے مسجد میں آئے بہت ہی جلدی رکعتیں پڑھیں پھر آ کر حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو سلام کیا آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے سلام کا جواب دیا اور فرمایا **قم فصل فانک لم تصل**۔ تم اٹھ کر دوبارہ نماز پڑھو تمہاری نماز نہیں ہوئی۔ دوبارہ پہلے کی طرح جلدی نماز پڑھی پھر حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو آ کر سلام کیا تو آپ نے فرمایا **قم فصل فانک لم تصل**۔ اٹھو دوبارہ نماز پڑھو تمہاری نماز نہیں ہوئی۔ تین دفعہ ایسے ہوا وجہ یہ ہے کہ اس نے نماز بہت جلدی پڑھی تھی نہ رکوع ٹھیک تھا نہ سجدہ ٹھیک تھا۔ پھر وہ صحابیؓ کہتے ہیں یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اس سے بہتر نماز میں نہیں پڑھ سکتا تو آپ نے سمجھایا کہ نماز پڑھنے سے پہلے وضو اچھے طریقے سے کرو اور پھر ہر رکن کو صحیح طریقے سے ادا کرو۔ رکوع میں سجدے میں اتنی دیر ٹھہر جاؤ کہ ہر ہڈی کا جوڑ اپنی جگہ پر پہنچ جائے۔ تو نماز کو صحیح طریقے کے ساتھ اور خشوع وخضوع کے ساتھ ادا کرنا چاہئے۔

مغفرت کا وعدہ

حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جو آدمی اس طرح پانچ نمازوں کو بروقت پڑھے۔ رکوع، سجدہ بھی ٹھیک ہو تو اللہ تعالیٰ اس شخص کی مغفرت فرمادیں گے اور جو آدمی ایسا نہ کرے نماز نہ پڑھے تو پھر اللہ تعالیٰ کی مرضی ہے چاہیں تو بخش دیں نہ چاہیں تو نہیں بخشیں گے۔

گناہوں سے مغفرت

حدیث پاک میں آتا ہے حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ انسان ایک نماز پڑھتا ہے۔

نماز پڑھنے کے بعد پھر گناہ کر بیٹھتا ہے۔تو پھر جب دوسری نماز پڑھتا ہے تو پہلے جتنے گناہ ہوتے ہیں پہلی نماز کے بعد والے سارے گناہ معاف ہو جاتے ہیں۔ (مشکوٰۃ ص ۵۷) لیکن علماء فرماتے ہیں اس سے صغیرہ گناہ مراد ہیں اور جو کبیرہ گناہ ہیں ان کے لئے توبہ ضروری ہے۔

توبہ کا طریقہ:۔ کبیرہ گناہ خدانخواستہ ہو جائے تو انسان کو جلدی توبہ کرنی چاہئے اور طریقہ یہ ہے کہ دو رکعت نماز نفل پڑھے اس کے بعد رو رو کر اللہ تعالیٰ سے معافی مانگے رونا نہ آئے تو رونے کی شکل بنائے اس سے بھی اللہ تعالیٰ کو رحم آجاتا ہے۔

ملائکہ کا جواب

ایک حدیث پاک میں آتا ہے کہ جب مسلمان فجر کی نماز پڑھتے ہیں تو دن کے فرشتے فجر کی نماز میں آجاتے ہیں اور رات کے فرشتے بھی فجر کی نماز میں ہوتے ہیں دونوں قسم کے فرشتے انسان کی حفاظت کرتے ہیں۔حدیث پاک میں آتا ہے کہ اگر یہ فرشتے نہ ہوتے تو یہ جنات انسانوں کو ختم کر دیتے۔ تباہ کر دیتے تو رات کو جو فرشتے ڈیوٹی دیتے ہیں اور جو دن کو ڈیوٹی دیتے ہیں دونوں فجر اور عصر کی نماز میں شامل ہوتے ہیں۔جب دونوں قسم کے فرشتے اللہ تعالیٰ کے حضور میں پیش ہوتے ہیں۔تو اللہ جل شانہ فرماتے ہیں یہ بتاؤ میرے بندے کیا کر رہے تھے تو فرشتے عرض کرتے ہیں۔ (یا رب العالمین ترکناھم وھم یصلون و اتینا ھم و ھم یصلون) (مشکوٰۃ ص ۶۲)

جب ہم واپس ہوئے تو نماز پڑھ رہے تھے اور جب ہم ان کے پاس گئے تو بھی نماز پڑھ رہے تھے۔بہر حال نماز بڑی اہم عبادت ہے۔

اُمت پر شفقت

حدیث پاک میں آتا ہے کہ ایک رات جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو عشاء کی نماز بڑی دیر ہوگئی آپ کو نیند آگئی یا کوئی اور مشغولیت ہوگئی۔صحابہ کرامؓ فرماتے ہیں ہم بڑی دیر تک انتظار کرتے رہے حتیٰ کہ آدھی رات ختم ہوگئی۔پھر حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم تشریف لائے آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے نماز پڑھائی نماز پڑھانے کے بعد فرمایا

اپنی اپنی جگہوں پر بیٹھے رہو۔ صحابہ کرامؓ بیٹھے رہے۔ آپ نے فرمایا اگر مجھے یہ خیال نہ ہوتا کہ تمہیں تکلیف ہوگی تو میں روزانہ عشاء کی نماز اس وقت پڑھاتا۔ لیکن مجھے خیال ہوتا ہے کہ تمہیں تکلیف ہوگی۔ انتظار کرنا پڑے گا۔ اس لئے میں جلدی پڑھ لیا کرونگا اس نماز کی بڑی پابندی کیا کرو۔ پھر آپ نے فرمایا یہ نماز آج تک کسی امت نے نہیں پڑھی سوائے تمہارے۔ پہلی اُمتوں نے اور نمازیں تو پڑھی ہیں صبح، ظہر، عصر اور مغرب کی لیکن عشاء کی نماز انہوں نے نہیں پڑھی۔ عشاء کی نماز والی دولت یہ صرف تمہیں عطا کی ہے فرمایا اس نماز کی بہت پابندی کیا کرو۔ (بخاری ج ۱۔۸۱)

خاتم الانبیاء صلی اللہ علیہ وسلم کا معجزہ

ایک رات صحابہ کرامؓ عشاء کی نماز پڑھنے گئے جب عشاء کی نماز پڑھ کر فارغ ہوئے تو جب باہر دیکھا تو رات بڑی اندھیری تھی۔ اندھیرا چھایا ہوا تھا آپ بڑے حیران ہوئے کہ گھر تک کیسے پہنچیں گے۔ وہ بجلی کا دور نہیں تھا۔ نہ کوئی ٹارچ، بیٹری ان کے پاس تھی۔ تو جب مسجد سے باہر نکلنے لگے تو حیران ہوئے۔ مسجد سے گھر بھی کافی فاصلے پر تھا۔ بالکل گھپ اندھیرا تھا۔ تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے ملے آپ نے ان کے لئے دعا فرمائی جب باہر جانے لگے ان کے پاس ایک لکڑی تھی لکڑی کا ایک سرا روشن ہوا۔ اور ایسی روشنی پیدا ہونے لگی جیسے بلب کی روشنی ہوتی ہے تو بڑے آرام سے راستے پر چلتے گئے جب دونوں کا راستہ جدا ہونے لگا اسے فکر ہونے لگی کہ روشنی تو ایک لے جائے گا۔ دوسرا روشنی کے بغیر رہ جائے گا۔ تو پھر ایسے ہوا کہ دونوں کے پاس جو لکڑیاں تھیں ہر ایک کی لکڑی کا کنارہ روشن ہو گیا اور گھر کے پہنچنے تک روشن رہا۔ (بخاری ۶۶ ج ۱) یہ ان صحابہ کرامؓ کی کرامت ہے اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا معجزہ ہے اس سے معلوم ہوا نماز کی بڑی برکات ہیں۔

قیامت میں اللہ تعالیٰ کی زیارت کرنے کا طریقہ

ایک حدیث پاک میں آتا ہے ایک رات حضور صلی اللہ علیہ وسلم چاند کی روشنی میں بیٹھے ہوئے تھے اور وہ چودھویں رات کا چاند تھا۔ تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا

مسلمانو! جیسے تم چاند کی روشنی میں بیٹھے ہوئے چاند دیکھ رہے ہو۔ چاند کو دیکھنا مشکل نہیں اس طرح قیامت کے دن اپنے اللہ کو دیکھو گے۔ اللہ جل شانہ کی زیارت کرو گے۔ صحابہ کرامؓ نے عرض کیا یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کوئی ایسا طریقہ بتلا دیجئے کہ قیامت کے دن اللہ تعالیٰ کی زیارت نصیب ہو جائے آپ نے فرمایا دو کام پابندی سے کرو۔ (بخاری ۸۷ ج ۱) فرمایا ان دو نمازوں کو تو پابندی سے پڑھا کرو وقت پر پڑھا کرو ایک صبح کی نماز ایک عصر کی نماز تمہیں اللہ تعالیٰ کی زیارت نصیب ہوگی۔ مطلب آپ کا یہ تھا جب ان دو نمازوں کی پابندی کریں گے باقیوں کی پابندی بھی ہو جائے گی۔ اس لئے پانچوں نمازوں کی پابندی بہت ضروری ہے۔ کوئی نماز رہ نہ جائے۔ خدانخواستہ کوئی نماز رہ جائے تو انسان اللہ تعالیٰ کے غضب میں آ جاتا ہے۔ یہ اور بات ہے کہ اللہ تعالیٰ بعض اوقات دنیا میں عذاب نہیں دیتے۔ آخرت میں پکڑیں گے عذاب دیں گے۔

نماز کا فائدہ

حدیث پاک میں آتا ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جو آدمی نمازوں کی پابندی کرے جب قیامت کے دن اٹھے گا اللہ تعالیٰ اس کو روشنی عطا فرمائیں۔ (مشکوٰۃ) جیسے ہمیں دنیا میں روشنی کی ضرورت ہے۔ اگر ایک رات بجلی بند ہو جائے اور گھروں میں اندھیرا ہو کتنی آفت آ جاتی ہے قبر کا سماں بن جاتا ہے۔ فرمایا جو دنیا میں نماز پڑھے گا قیامت کے دن اللہ پاک اس کو نور اور روشنی عطا فرمائیں گے اور یہ نماز اس کے لئے دلیل بن جائے گی کہ وہ مومن تھا۔ اس کو قیامت کے دن نجات مل جائے گی۔

نماز چھوڑنے کا نقصان

اور فرمایا جو نماز نہیں پڑھے گا۔ قیامت کے دن اس کا حشر قارون کے ساتھ ہوگا۔ فرعون کے ساتھ ہوگا۔ ہامان کے ساتھ ہوگا۔ ابی ابن خلف کے ساتھ ہوگا۔ ان کے ساتھ جہنم میں جائے گا۔ (مشکوٰۃ)

یہ اور بات کہ مومن ہونے کی وجہ سے اپنی سزا بھگت کر واپس آ جائے گا۔ اور کافر ہونے کی وجہ سے وہاں ہمیشہ رہیں گے لیکن ان کے ساتھ رہنا تو پڑے گا۔ علماء فرماتے ہیں جو آدمی بادشاہ ہونے کی وجہ سے افسر اور گورنر ہونے کی وجہ سے نماز چھوڑے گا وہ فرعون کے ساتھ ہوگا۔ کیونکہ فرعون بادشاہ تھا اور جو آدمی مال کی وجہ سے زمینداری کی وجہ سے پیسے کمانے کی وجہ سے نماز نہیں پڑھے گا۔ وہ قارون کے ساتھ ہوگا۔ قارون کے پاس بڑا پیسہ تھا اتنے اس کے خزانے تھے کہ تقریباً دس آدمی ان کی چابیاں اٹھاتے تھک جاتے تھے۔ اب آپ اندازہ کرلیں کہ صندوقیں کتنی ہوں گی۔ دس آدمی صندوقوں کی چابیاں اٹھاتے تھے جن میں خزانہ تھا۔ جو آدمی مال کی وجہ سے نماز کو چھوڑ دے گا۔ یہ قارون کے ساتھ ہوگا اور جو آدمی ملازم ہونے کی وجہ سے کسی کے نوکر ہونے کی وجہ سے نماز چھوڑے گا۔ وہ ہامان کے ساتھ ہوگا۔ ہامان فرعون کا وزیر تھا اور جو آدمی تجارت کی وجہ سے نماز چھوڑے گا۔ یہ آدمی ابی ابن خلف کے ساتھ ہوگا کیونکہ ابی ابن خلف تاجر تھا۔ تاجر کو بھی عذر نہیں ہے کہ میں دکان پر بیٹھا ہوا ہوں۔ بلکہ حکم یہ ہے کہ جب اذان ہو اللہ اکبر کان میں پڑے تو دکان کو بند کرو اور نماز ادا کرو نماز ادا کر کے پھر دکان کو کھولو۔ ایک نماز کا چھوڑنا بھی خطرناک ہے۔ حدیث پاک میں آتا ہے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جس آدمی نے عصر کی نماز چھوڑی۔ اس کا اتنا نقصان ہوا اتنا نقصان ہوا آپ نے سمجھانے کے لئے بتایا کہ یوں سمجھ لو کہ اس کا سارا مال بھی ہلاک ہو گیا۔ اور اہل وعیال بھی ہلاک ہو گئے۔ اس لئے کسی نماز کو چھوڑنا نہ چاہئے۔ ہر نماز کی پابندی کریں۔

نمازوں کا سلسلہ تخلیق کائنات سے ہے

جب سے اللہ تعالیٰ نے کائنات کو بنایا ہے اس وقت سے نمازوں کا سلسلہ آ رہا ہے۔ کتب حدیث میں لکھا ہے کہ سب سے پہلے صبح کی نماز حضرت آدم علیہ السلام نے پڑھی تھی۔ ان سے لغزش ہو گئی تھی۔ جنت کے اندر ایک درخت تھا اللہ تعالیٰ نے منع کیا۔ (وَلَا تَقْرَبَا هٰذِهِ الشَّجَرَةَ فَتَكُوْنَا مِنَ الظّٰلِمِيْنَ) کہ اس کے قریب نہ جانا مگر بھول گئے اس کو کھا لیا تو اللہ تعالیٰ ناراض ہو گئے پھر بڑے عرصے تک روتے رہے۔ زمین پر اتارے

گئے پھر اللہ تعالیٰ نے ان کی توبہ قبول فرمائی تو صبح کا وقت تھا حضرت آدم علیہ السلام نے دو رکعت نماز بطور شکرانہ ادا کی تو وہ فجر کی نماز بن گئی۔ اور پھر حضرت ابراہیم علیہ السلام نے دو رکعت نماز بطور شکرانہ ادا کی تو وہ فجر کی نماز بن گئی۔ اور پھر حضرت ابراہیم علیہ السلام کا زمانہ تھا۔ جب اللہ کی رضا کے لئے اپنے بیٹے اسماعیل علیہ السلام کی قربانی کرنے لگے تو اللہ تعالیٰ نے بیٹے کی جان بچائی اور جنت سے ایک دنبہ بھیجا کہ بیٹے کی جگہ اس کو ذبح کرلو تو ظہر کا وقت تھا حضرت ابراہیم علیہ السلام نے چار رکعتیں بطور شکر کے ادا کیں۔ تو وہ ظہر کی نماز بن گئی اور عصر کی نماز سب سے پہلے حضرت عزیر علیہ السلام نے پڑھی حضرت عزیر علیہ السلام نبی تھے۔ وہ ایک دفعہ اپنی سواری پر سوار ہو کر جا رہے تھے کہ دیکھا ایک بستی یعنی بیت المقدس ویران ہے۔ برباد ہوگئی ہے۔ ایک ظالم بادشاہ بخت نصر نے اس پر حملہ کیا سارے لوگوں کو قتل کر دیا' مکانوں کو ویران کر دیا تو وہ بستی ویران پڑی ہوئی تھی۔ چھتیں دیواروں پر گری ہوئی تھیں۔ حضرت عزیر علیہ السلام نے دیکھا اور کہنے لگے۔ (اَنّٰی یُحۡیٖ هٰذِهِ اللّٰهُ بَعۡدَ مَوۡتِهَا) یا اللہ آپ کیسے اس بستی کو آباد کریں گے۔ لوگ مر گئے ہیں کیسے زندہ ہوں گے۔ یہ تو ان کو یقین تھا زندہ ہوں گے لیکن یہ سوچ رہے تھے کیسے زندگی ملے گی۔ تو اللہ تعالیٰ نے ان کو نمونہ دکھایا ان کی وفات دی گئی۔ آپ علیہ السلام کی روح قبض کر لی ایک ۱۰۰ سال تک وہاں پڑے رہے ایک ۱۰۰ سال کے بعد ان کو زندہ کیا۔ عصر کا وقت تھا۔ حضرت عزیر علیہ السلام سے پوچھا آپ یہاں کتنا عرصہ رہے ہیں انہوں نے کہا (لَبِثۡتُ ط قَالَ لَبِثۡتُ یَوۡمًا) ایک دن یا دن کا کچھ حصہ۔ انہوں نے سمجھا آج صبح میری روح قبض ہوئی ہے۔ شام کو زندہ ہو گیا ہوں۔ یا یہ خیال کیا کل ہوئی ہوگی تو اللہ جل شانہ نے بتایا نہیں یہاں تم ایک ۱۰۰ سال تک رہے ہو (قَالَ بَلۡ لَّبِثۡتَ مِائَةَ عَامٍ) ایک سو سال رہے ہیں تو حضرت عزیر علیہ السلام نے شکریہ میں چار رکعتیں پڑھیں یہ عصر کی نماز ہوگئی۔ اور مغرب کی نماز سب سے پہلے حضرت داؤد علیہ السلام نے پڑھی تھی۔ ان سے بھی کوئی لغزش ہوگئی تھی وہ بہت روئے اتنا روئے اتنا روئے کہ ان کی آنکھوں سے جو آنسو بہتے تھے کہ ان کی تری سے سبزہ اُگ آیا تھا۔ پھر جب ان کی توبہ قبول ہوئی مغرب کی نماز کا وقت تھا آپ نے چار رکعتوں کی نیت کی لیکن جب تین

رکعتیں پڑھیں تو تھک گئے۔ ہمت نے جواب دے دیا روتے روتے کمزور ہو گئے تھے بس تین رکعتوں پر بیٹھ گئے اور تین پڑھ کر سلام پھیر دیا یہ مغرب کی نماز ہوئی اور عشاء کی نماز سب سے پہلے ہمارے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم اور ان کی اُمت نے پڑھی۔ (طحاوی)

اُمت محمدیہ صلی اللہ علیہ وسلم کیلئے تحفہ

حضور صلی اللہ علیہ وسلم اس دنیا پر تشریف لائے تھے اللہ تعالیٰ نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی اُمت پر نمازوں کو فرض کرنا چاہا تو اپنے پیارے پیغمبر کو آسمانوں پر بلایا معراج کرایا۔ آپ معراج میں تشریف لے گئے۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا اے میرے پیغمبر میں آپ کی اُمت کو تحفہ دیتا ہوں۔ اور وہ تحفہ آپ اپنی اُمت کو پہنچا دیں۔ فرمایا آپ کی اُمت پر پچاس نمازیں فرض ہوئیں جب آپ واپس آ رہے تھے راستہ میں حضرت موسیٰ جو بڑے اونچے نبی تھے ان سے ملاقات ہو گئی۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے پوچھا کتنی نمازیں فرض ہوئی ہیں، آپ نے فرمایا پچاس فرض ہوئی ہیں تو انہوں نے مشورہ دیا آپ واپس جائیں پچاس تو بہت زیادہ ہیں آپ کی اُمت نہیں پڑھ سکے گی۔ اللہ تعالیٰ سے درخواست کریں کہ کم کریں تو حضور واپس گئے پانچ نمازیں کم ہو گئیں پھر واپس آئے پھر حضرت موسیٰ علیہ السلام نے پوچھا کتنی نمازیں ہیں فرمایا ۴۵ تو انہوں نے فرمایا میرا مشورہ ہے واپس جاؤ پینتالیس نمازیں آپ کی اُمت نہیں پڑھ سکے گی پھر واپس گئے پھر پانچ نمازیں کم ہوئیں۔ اس طرح پھر آئے حضرت موسیٰ علیہ السلام نے مشورہ دیا یہ نمازیں زیادہ ہیں کم کروائیں اسی طرح آتے رہے جاتے رہے حتیٰ کہ پانچ نمازیں باقی رہ ہو گئیں حضرت موسیٰ علیہ السلام نے پھر بھی مشورہ دیا واپس جائیں اللہ تعالیٰ سے فرمائیں پانچ نمازوں میں کمی کر دیں تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ میں نے اپنے اللہ سے بہت مانگا ہے اب مجھے شرم آتی ہے تو پھر حضور صلی اللہ علیہ وسلم دوبارہ واپس نہیں گئے۔ اللہ پاک نے فرمایا اے میرے نبی جو میں نے پہلے تمہیں جس بات کا حکم دیا تھا میرے نزدیک اب بھی وہی ہے پڑھو گے پانچ، ثواب ملے گا پچاس کا جو میں نے کہا تھا اس میں فرق نہیں آیا اب بھی پچاس نمازیں ہیں لیکن اس طرح کہ پڑھو گے پانچ نمازیں ثواب ملے گا پچاس نمازوں کا (بحوالہ مسلم

و بخاری واقعہ معراج مسلم صفحہ۹۱۔ج ۱) کتنا اللہ کا کرم ہے اور حضرت موسیٰ علیہ السلام کا کتنا احسان ہے اور یہ ساری نعمتیں ہمیں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے صدقے سے ملی ہیں ان کا بھی احسان ہے اس لئے نمازوں کی بھی پابندی کرنی چاہئے کوئی نماز نہ رہ جائے۔

نماز پنجگانہ کی حکمت

علماء فرماتے ہیں جب انسان رات کو سو جاتا ہے نیند آ جاتی ہے فرماتے ہیں نیند یہ موت کی بہن ہے۔ جیسے موت سے آدمی کو کچھ پتہ نہیں چلتا نیند کا بھی یہی حال ہے۔ اللہ تعالیٰ صبح کے وقت زندگی عطا فرماتے ہیں وہ رات کو گویا کہ مرجاتا ہے۔ (وَهُوَ الَّذِىْ يَتَوَفّٰكُمْ بِالَّيْلِ) اللہ پاک فرماتے ہیں رات کو میں تمہیں وفات دے دیتا ہوں یعنی جب سو جاتے ہو گویا کہ تم مر جاتے ہو اللہ تعالیٰ صبح کے وقت زندگی عطا فرماتے ہیں جب صبح صادق ہو جاتی ہے۔ آدمی اٹھ بیٹھتا ہے پھر اللہ تعالیٰ کا حکم متوجہ ہوتا ہے کہ میں نے تمہیں زندگی دی ہے میرا شکریہ ادا کرو، بڑی نعمت میں نے تمہیں دی ہے رات کو تو تمہیں نیند نہیں آ گئی تھی تم مر گئے تھے اگر نیند میں پڑے رہتے تو کیا ہوتا میں نے تمہیں زندگی دی ہے اٹھو میرا شکریہ ادا کرو تو صبح کی نماز پڑھتے ہیں۔ یہ اللہ جل شانہ کا شکریہ ادا کرتے ہیں کہ جس نے ہمیں موت کے بعد حیات عطا فرمائی ہے اس کے بعد جب سورج ڈھل جاتا ہے تو گویا ہمیں کہا جاتا ہے کہ ایک دن تمہاری جوانی بھی ڈھل جائے گی اگر تم جوانی تک زندہ رہے تو ایک دن تمہاری جوانی ڈھل جائے گی، اٹھو نماز پڑھو اللہ پاک کا شکریہ ادا کرو آخرت کی تیاری کرو اس لئے ظہر کی نماز ہم پڑھتے ہیں، پھر عصر کی نماز کا وقت ہوتا ہے شام ہو جاتی ہے تو اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں ایک دن تمہاری زندگی کی بھی شام ہوگی، فکر کرو، غور کرو آخرت کی تیاری کرو اسے عصر کی نماز کہتے ہیں، پھر جب سورج غروب ہو جاتا ہے اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں اٹھو نماز پڑھو ایک دن تمہاری زندگی کا سورج غروب ہو جائے گا۔ تم دنیا سے چلے جاؤ گے تمہارا نام ونشان مٹ جائے گا پھر ہم مغرب کی نماز پڑھتے ہیں۔ پھر عشاء کا وقت آتا ہے

پھر اللہ پاک فرماتے ہیں جیسے مغرب کے بعد کچھ دیر سرخی رہتی ہے آپ نے دیکھا ہوگا گھنٹہ ۔ پون گھنٹہ تک سرخی رہتی ہے سورج کے غروب ہونے کا نشان باقی رہتا ہے۔ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں جب تم مرو گے تو کچھ عرصہ تمہیں تمہارے بیوی' بچے' تمہارے رشتہ دار یاد کریں گے جیسے مغرب کے بعد کچھ اثر رہتا ہے سرخی رہتی ہے پھر تمہارا نشان بھی ختم ہو جائے گا۔ پھر تمہیں یاد کرنا بھی چھوڑ دیں گے اٹھو نماز پڑھو اس لئے پانچ نمازوں میں اللہ تعالیٰ نے حکمت بھی بڑی رکھی ہے۔ عبرت کا سامان رکھا ہے۔ (تقریر بخاری از شیخ الحدیث)

انعامات الٰہی

اور بعض علماء فرماتے ہیں کہ اگر اللہ تعالیٰ کے احسانات دیکھو اللہ پاک کے اتنے احسانات ہیں۔ جن کی کوئی حد نہیں ہے یہی دیکھو جو ہم سانس لے رہے ہیں ایک سانس ہمارا اندر جاتا ہے ایک نعمت ہے اور ایک سانس باہر آتا ہے یہ بھی اللہ کی نعمت ہے۔ اور علماء فرماتے ہیں کہ تقریباً چوبیس ہزار سانس لیتا ہے تو اڑتالیس ہزار تو یہ نعمتیں ہوگئیں باقی اس کے علاوہ کھانے پینے کی نعمتیں اسی طرح آنکھیں دی ہیں کان دیئے عقل دی ایمان دیا بیوی دی' بچے دیئے ہیں گھر دیا' مکان دیا ہے' صحت دی ہے دیکھو کتنے احسان کئے ہیں فرمایا (**وَاِنْ تَعُدُّوْا نِعْمَتَ اللّٰهِ لَا تُحْصُوْهَا**) اگر اللہ تعالیٰ کی نعمتوں کا شمار کرنے لگو تو شمار نہیں کر سکو گے اس کا تقاضا یہ تھا کہ چوبیس گھنٹے ہم نماز ہی پڑھتے رہتے کوئی دوسرا کام نہ کرتے مگر اللہ تعالیٰ جانتے تھے ان کو کھانے کی ضرورت' لیٹنے کی ضرورت بھی پیش آئے گی۔ کھانے پینے کے لئے کمانا بھی ان کو پڑے گا۔ تو اللہ پاک نے بڑی مہربانی فرمائی ہے۔ یوں فرمایا (**نصف لی و نصف لکم**) آدھا میرا آدھا تمہارا فرمایا آدھا دن تم فارغ رہو اور دنیا کا کام کرو اور آدھا دن مجھے دے دو چنانچہ دن کا پہلا حصہ صبح سے لے کر دوپہر تک ہمارا فارغ ہے اس میں کوئی نماز فرض نہیں ہے اور جب سورج ڈھل گیا مسلسل نمازیں شروع ہوگئیں ظہر آ گئی' عصر آ گئی'

اس میں بھی حق تو یہ تھا کہ جب سورج ڈھل جاتا تو غروب ہونے تک ہم ساری کی ساری عبارت کرتے رہتے لیکن اللہ تعالیٰ نے یہ بھی مہربانی فرمائی فرمایا ظہر جلدی پڑھ لو۔

اوقات نماز ظہر وعصر

حکم یہ ہے کہ ظہر کی نماز سردی کے موسم میں جلدی پڑھنی چاہیے اور عصر کا حکم ہے کہ عصر دیر سے پڑھو تاکہ کسی حد تک وقت کا استیعاب ہو جائے درمیان میں جو تم کام کاج کرتے رہو گے وہ بھی میں عبادت ہی کے لکھ لوں گا۔ تو آدھا دن میری عبادت ہو گی آدھا دن چھٹی، عجیب نظام بنایا سارا آدھا نہیں ظہر جلدی پڑھو عصر دیر سے پڑھو درمیان کا سارا عبادت میں شمار ہو گا پھر جب رات آئی فرمایا رات کو بھی دو حصوں میں تقسیم کرتے ہیں فرمایا آدھی رات میری ہے شروع کی اور آخری رات تمہاری ہے آرام کرو، شروع کی رات میں اس طرح کہ مغرب کا حکم ہے جلدی پڑھو، عشاء دیر سے پڑھو آدھی رات کی خبر نہیں ہوتی۔ نماز آدھی رات کے قریب قریب ہو جاتی ہے۔ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں مغرب اور عشاء کے درمیان کا جو وقت ہے وہ بھی نماز لکھ دوں گا آدھی رات میں عبادت ہو جائے گی اور باقی آدھی رات تمہاری ہے آرام کرو سو جاؤ۔

اللہ تعالیٰ کے نیک بندے

لیکن بھائی جو اللہ کے نیک بندے ہیں ان کو اتنا صبر کہاں آ سکتا ہے کہ اتنی دیر گزر جائے اور اللہ کی نماز نہ پڑھیں۔ ہم تم تو نفسانی آدمی ہیں جو اللہ والے ہیں ان کا تو ہر وقت دل چاہتا ہے نماز پڑھنے کو۔

قرب الٰہی کا طریقہ

اللہ تعالیٰ نے ان کی بھی رعایت کی ہے۔ فرمایا جن کو ہماری ملاقات کا شدید

تقاضا ہو پھر تہجد بھی پڑھ لیا کرو ہم فرض نہیں کرتے تمہیں شوق و محبت ہو تو پڑھ لیا کرو۔ ایسے شروع دن میں اگر شوق ہو تو اشراق پڑھ لیا کرو' چاشت پڑھ لیا کرو' اللہ تعالیٰ نے عجیب نظام بنایا ہے اشراق کی نماز یہ بڑی اونچی نماز ہے کہ جب سورج کچھ اونچا آ جائے پڑھ لیں بلکہ عورتوں کو چاہیے جن کو کام کاج نہ ہو کہ صبح کی نماز پڑھ کر مصلّی پر بیٹھ جائیں عام طور پر نماز پڑھنے کے آدھا گھنٹہ یا بیس منٹ بعد سورج نکل آتا ہے سورج نکلنے کے دس پندرہ منٹ بعد دو رکعت یا چار رکعت اشراق کی نماز پڑھ لیں۔ حدیث پاک میں آتا ہے ایسے آدمی کو حج اور عمرے کا ثواب ملے گا (ترمذی) کتنی قیمتی نماز ہے۔ فرمایا جو آدمی نماز کے بعد ایک دوگانہ پڑھ لے غفرلہ (ترمذی) اللہ تعالیٰ اس کے گناہ معاف کر دیتے ہیں اس طرح تہجد کی نماز پڑھیں رات کو انسان صبح صادق سے پہلے اٹھ جائے اگر انسان صبح صادق سے ایک گھنٹہ پہلے ہی اٹھ جائے کچھ وقت وضو اور استنجے میں خرچ ہو جاتا ہے باقی آدھا گھنٹہ بچ جاتا ہے اس میں تہجد پڑھ لے۔ بس ہمت ہو تو کوئی چیز مشکل نہیں ہے اور جب ہمت ہی نہ ہو تو نفس ہزاروں بہانے بناتا ہے کبھی کہتا ہے کہ میں بیمار ہوں کبھی کہتا ہے کہ مجھے تکلیف ہے کبھی کوئی بہانہ کبھی کوئی بہانہ لیکن ہم دیکھتے ہیں جن کو اللہ پاک کی محبت ہے ان کو بھی عوارض پیش آتے رہتے ہیں لیکن کبھی نفس ان کا ان پر غالب نہیں آ سکتا وہ عبادت میں لگے رہتے ہیں۔ (از اصلاحی خطبات ومقالات)

❋❋❋

نماز میں عبادت کے پہلو

حکیم الاسلام قاری محمد طیب صاحب رحمہ اللہ اپنے خطبات میں فرماتے ہیں۔ نماز کے اندر دو ہی بنیادی چیزیں ہیں۔ ایک اذکار جو زبان سے متعلق ہیں اور ایک ہیئات جو اعضائے بدن اور جوارح سے متعلق ہیں۔ اذکار میں ثناء (سبحانک اللھم) سے لے کر فاتحہ و سورۃ تک۔ پھر تسبیحات سے لے کر التحیات و تشہد تک اپنی عبدیت غلامی اور فدویت۔ یا اللہ کی عظمت و برتری اور لامحدود بزرگی کے سوا اور کسی چیز کا بیان ہی نہیں ہوتا اور ہیئات کے لحاظ سے دیکھو تو نیازمندانہ سامنے ہاتھ باندھ کر کھڑے ہونا۔ پھر رکوع میں جھکنا اور آخر کار اپنی سب سے زیادہ باعزت چیز ناک اور پیشانی کو اپنے معبود کے سامنے خاک پر ٹیک دینا اور اس کی عزت مطلقہ کے سامنے اپنی ذلت مطلقہ کا عملاً و ہیئۃً اعتراف کرنا بندگی اور غلامی نہیں ہے تو اور کیا ہے؟

چنانچہ جب کسی کی انتہائی ذلت اور رسوائی ہو جاتی ہے تو کہا کرتے ہیں کہ فلاں شخص کی ناک کٹ گئی۔ یا فلاں کی پیشانی پر کلنک کا ٹیکہ لگ گیا۔

پس جبکہ انسان اپنے ان شریف اور باعزت اعضاء کو حسی طور پر ذلت کے ساتھ خاک میں رگڑنے لگتا ہے اور معنوی طور پر قلب و زبان سے اپنے ذلیل ہونے کا اعتراف کرتا ہے تو اس سے زیادہ اپنے کو ذلیل بنانے کی اس کے پاس اور کیا صورت ہو سکتی ہے اور جب اسی حقیقت کا نام عبادت ہے اور یہ صرف نماز میں پائی جاتی ہے تو حقیقی طور پر اگر عبادت کہلائے جانے کی مستحق ہے تو وہ صرف نماز ہی ہو سکتی ہے کہ اس میں کوئی ایک چیز بھی ایسی نہیں ہے جسے عزت نفس یا اپنی تنزیہ و تقدیس کہا جا سکے۔ یا کسی درجہ میں بھی اسے خدائی کمالات کے ساتھ تشبہ اور تخلق بتلایا جا سکے کہ خدا کی شان کسی کے آگے جھکنا وغیرہ نہیں ہے کہ یہ سب چیزیں احتیاج سے پیدا ہوتی ہیں اور وہاں غنائے مطلق کے سوا کسی ادنیٰ احتیاط کا نشان نہیں۔

غرض نماز ہی ایک چیز نکلتی ہے کہ اس میں ذاتی طور پر تشبہ بالخالق کا پتہ نہیں ہے بلکہ صرف تذلل للخالق اور صرف اعلان عبدیت وفدویت ہے اس لئے صحیح معنی میں عبادت کا لقب دیئے جانے کی مستحق بھی صرف یہ نماز ہی ہوسکتی ہے۔ ہاں پھر جب کہ نماز کا امر خدا کی طرف سے ہے تو امتثال امر کی نسبت بھی نماز میں آئی جس نے حج وزکوۃ اور صیام کو بھی عبادت بنادیا تھا اس لئے نماز جہاں حقیقی عبادت تھی وہاں اضافی عبادت بھی ثابت ہوئی۔ پس حقیقت وصورت اور اضافت ونسبت ہر ایک کے لحاظ سے اگر عبادت کہلائی جاسکتی ہے تو وہ صرف نماز ہے۔

نماز ساری کائنات پر لازم کی گئی ہے

یہی وجہ ہے کہ حق تعالیٰ نے اپنی ساری مخلوق کو صرف نماز ہی کا پابند بنایا ہے کہ عبادت ہی وہ تھی ارشاد ربانی ہے۔

''ہر ایک نے اپنی نماز اور تسبیح کو جان لیا ہے''۔ بعینہ اسی طرح کہ ہر ایک چیز نے خلقی اور پیدائشی طور پر اپنے کھانے پینے کے ڈھنگ اور اپنی طبعی خصوصیات کے رنگ کو پہچان لیا ہے کہ کوئی ذی حس بھی طبیعات میں کسی تعلیم کا محتاج نہیں ہوتا۔

غرض یہاں یہ نہیں فرمایا کل قد علم حجہ وزکوتہ بلکہ صلوۃ فرمایا ہے۔ یعنی ہر ایک نے اپنے حج وصیام وزکوۃ کو نہیں بلکہ نماز کو جان لیا ہے۔ ظاہر ہے کہ اس کلیہ کے عموم میں جمادات' نباتات' حیوانات' عنصریات اور مجردات سب آجاتے ہیں چنانچہ حضرت شاہ عبدالعزیز صاحب رحمہ اللہ نے اپنی بعض مصنفات میں تصریح کی ہے کہ ہر ایک چیز کی نماز کی ہیئت اس کی خلقت کے مناسب حال رکھی گئی ہے تا کہ اس کی نماز اس کی خلقی وضع قطع سے طبعًا ادا ہوتی رہے۔ مثلاً درختوں میں چلنا پھر جھکنا نہیں ہے۔ اس لئے درختوں کی نماز صرف قیام ہے۔ یعنی ان کی صورت نوعیہ ایسی بنائی گئی ہے کہ وہ گویا اپنی ساق پر کھڑے ہوئے قیام کے ساتھ نماز ادا کر رہے ہیں۔ فرق صرف اتنا ہے کہ انسان کی نماز تشریعی ہے کہ اس میں فہم وخطاب کا مادہ ہے اور درختوں کی نماز تکوینی ہے یعنی بجائے خطاب کرنے کے انہیں بنایا۔ اس طرز پر گیا ہے کہ وہ گویا ہمہ وقت قیام کی حالت میں حکم الٰہی کے سامنے

سر وقد کھڑے ہوئے اپنی نیاز مندی کا ثبوت دے رہے ہیں۔

پھر چوپایوں کی نماز صرف رکوع ہے یعنی ان کی خلقی ہیئت ایسی بنائی گئی ہے کہ وہ ہر وقت گویا اللہ کے سامنے رکوع میں جھکے ہوئے ہیں جس سے انحراف نہیں کر سکتے۔

پھر حشرات الارض یعنی رینگنے والے اور پیٹ کے بل سٹک کر چلنے والے کیڑے مکوڑوں کی نماز بصورت سجدہ ہے جیسے سانپ' بچھو' چھپکلی اور کیڑے مکوڑوں کی خلقی ہیئت ہی سجدہ نما بنائی ہے کہ وہ اوندھے اور سرنگوں رہتے ہیں۔ گویا یہ جانور ہر وقت اللہ کے سامنے سربسجود اور سرنگوں ہیں اور خلقی سجدوں سے اس کی یاد اور امتثال حکم میں مصروف ہیں جس سے کسی حال انحراف نہیں کر سکتے۔

پھر جبال اور پہاڑوں کی نماز بحالت تشہد وقعود ہے۔ گویا یہ ہر وقت زمین پر دوزانو جمے ہوئے بیٹھے ہیں اور ہمہ وقت التحیات میں ہیں ان کی خلقت اور صورت نوعیہ ہی یہی ہے کہ وہ رکوع وسجود اور قیام نہ کریں بلکہ قعود کے ساتھ عبادت میں مصروف رہیں اور جس ہیئت پر انہیں لگا دیا گیا ہے' لگے رہیں۔

پھر اڑنے والے پرندوں کی نماز انتقالات ہیں کہ نیچے سے اوپر اور اوپر سے نیچے منتقل ہوتے رہتے ہیں جیسے انسان قیام سے قعود اور قعود سے قیام کی طرف منتقل ہوتا ہے اور اس کے یہ انتقالات بھی عبادت ہی گنے جاتے ہیں۔ پس یہ پرندے بھی جب اوپر سے نیچے کی طرف اڑتے ہوئے آتے ہیں یا اگر زمین پر ٹھہرتے ہیں تو گویا رکوع میں ہیں اور نیچے سے اوپر اڑتے ہیں تو گویا رکوع سے قومہ وقیام کی طرف جاتے ہیں اور پر پھیلا کر زمین پر اوندھے پڑ جاتے ہیں تو گویا سجود میں ہیں۔ پس انکی نماز انتقالات محض ہیں۔ یہ مستقلاً رکوع میں نہ سجود وقعود میں بلکہ اڑتے ہوئے عروج ونزول کرتے رہتے ہیں۔

اس لئے ایک ہیئت سے دوسری ہیئت کی طرف منتقل ہونا ہی ان کی خلقی نماز ہے۔

پھر سیاروں اور آسمانوں کو دیکھو تو ان کی نماز دوران اور گردش ہے کہ ایک نقطہ سے گھوم کر پھر اسی نقطہ پر لوٹ آتے ہیں اور پھر وہی سابقہ حرکت شروع کر دیتے ہیں۔ پھر زمین کی نماز سکون ہے جسے انسان کی نظر دیکھتی ہے اور یہ بالکل مبتدیوں کی سی نماز ہے کیونکہ نماز کی

تمام حرکات کا مبدا سکون ہی ہے پہلے آدمی ساکن ہوتا ہے پھر حرکت کرتا ہے پس زمین بھی گویا ساکت وصامت ہو کر اپنے مرکز پر جمی ہوئی ہے اور یہ جمود وسکون اس کی تکوینی نماز ہے کہ یہ انتہائی تذلل اور خشوع ہے جو پوری نماز میں مطلوب ہے۔ ارشاد ربانی ہے۔

''نماز بھاری ہے مگر سکون قلب رکھنے والوں پر''۔

اور یہی وہ خشوع وسکون ذلت دوسری جگہ قرآن نے زمین کی طرف منسوب فرمایا ہے۔ ارشاد حق ہے۔ وہی ذات ہے جس نے تمہارے لئے زمین کو ذلیل بنایا ہے۔

ان دونوں آیتوں کو ملانے سے واضح ہے کہ زمین کی نیازمندی اور نماز یہی جمود اور سکون ذلت ہے۔ پھر جنت ونار کی نماز سوال ہے کہ (اے اللہ ہمیں ہمارے سکان سے پر کردے) چنانچہ حدیث میں ہے کہ جنت ودوزخ دونوں نے اللہ سے یہی سوال کیا ہوا ہے کہ قیامت کے دن ہمیں پُر کر دیا جائے اور دونوں کو اطمینان دلایا گیا ہے کہ قیامت کے دن تمہیں پر کر دیا جائے گا نار کو کفار سے اور اس کی باقی ماندہ جگہ پتھروں اور پہاڑوں سے اور پھر بھی خلا رہ جائے گا اور وہ ہل من مزید ہی کہے چلی جائے گی۔ تو حق تعالیٰ اپنے قدم اور ایڑھی سے پر کردیں گے جس سے وہ قط قط (بس بس) چلانے لگے گی۔ ادھر جنت جبکہ دنیا کے تمام اطاعت شعار ایمانداروں سے پر نہ ہوگی تو اس کیلئے ایک نئی مخلوق پیدا کر کے اسے بھر دیا جائے گا۔

غرض ان دونوں عالموں کی نماز سوال اور دعا ہے۔

پھر ملائکہ کی نماز اصطفاف ہے یعنی صف بندی کہ وہ قطار در قطار جمع ہو کر یاد الٰہی میں مصروف رہتے ہیں۔ ہاں اس اصطفاف کے ساتھ یہ بھی ہے کہ جتنی ہیئتیں ان جمادات و نباتات وحیوانات کی نمازوں میں رکھی گئی ہیں اتنی سب ملائکہ علیہم السلام کی مختلف الالوان نمازوں کو دی گئی ہیں۔ لاکھوں کی جماعت اپنے بدخلقت سے قیام ہی میں ہے اور بس یہی ان کی نماز ہے۔ ان گنت افراد رکوع ہی میں ہیں اور یہی ان کی صلوۃ ہے۔ بے شمار فرشتے سجود میں ہیں اور انہیں صرف سجدہ ہی کی نماز دی گئی ہے۔ بے تعداد قعود میں ہیں اور اسی کو انکی نماز مانا گیا ہے کتنے ہی عروج ونزول اور آسمان وزمین کے درمیان شب و روز اترنے چڑھنے میں مصروف ہیں اور یہی ان کی نماز ہے لاتعداد جو سکون وخشوع کے ساتھ ساکن ہیں

اورصرف یہی ہیئیت ان کی نماز ہے۔غرض اس صف بندی میں عبادت کی شاخیں مختلف ہیں جو ملائکہ کودی گئی ہیں۔پھر یہی سب ہیئتیں جوان جمادات ونباتات وحیوانات اور ملائکہ میں منقسم ہیں، بنی آدم اور دنیا کی مختلف اقوام میں تقسیم کی گئی ہیں۔کسی قوم کی نماز میں محض قیام ہے۔

کسی قوم کی نماز نیم قیام کے ساتھ گھٹنوں کے بل ڈنڈوت کرنا ہے کسی قوم کی نماز محض رکوع ہے کسی قوم کی نماز میں محض اوندھا لیٹ جانا گویا سجدہ ہی کرنا ہے کسی قوم کی نماز میں دوزانو ہو جانا یعنی قعود ہے۔ پھر جبکہ نماز کی ہر ایک ہیئت کے مناسب ہی اس میں ذکر اور تسبیح رکھا گیا ہے تو ان موالید ثلاثہ اور ملائکہ اور اقوام عالم کی نمازوں کی ان ہیئتوں اور شانوں کے مناسب حال ہی ان میں سے ہر مخلوق کو نماز کی تسبیح اور ذکر بھی اس کی خلقت و استعداد کے مناسب جدا جدا عطا کیا گیا ہے۔ ہر ایک کی اصطلاح الگ اور لغت علیحدہ ہے کہ ایک کی زبان دوسرا نہیں سمجھتا۔ بالکل اسی طرح کہ جس طرح سے ایک وطن کا انسان دوسرے وطن کے آدمیوں کی زبان نہیں سمجھ سکتا جب تک اسے سیکھ نہ لے۔

پس اگر ایک شخص اپنی وطنی زبان میں اللہ کو یاد کر کے اس کی پاکی بیان کرنے لگے تو دوسرے ملک والے یقیناً اس کی یہ بولیاں نہیں سمجھ سکیں گے۔اس لئے قرآن حکیم نے فرمایا ہے۔ **وان من شئی الا یسبح بحمدہ الخ** ''(دنیا کی) کوئی چیز نہیں جو خدا کی حمد کے ساتھ اس کی پاکی نہ بیان کرتی ہو(مگر تم اس کی تسبیح کو سمجھتے نہیں ہو)

اس آیت میں تعمیم کے ساتھ ذرہ ذرہ کو تسبیح خواں بتلایا گیا ہے،جس میں کسی نوع کی تخصیص نہیں ہے۔چنانچہ احادیث میں اس کی بہت سی تفصیلات ارشاد فرمائی گئی ہیں۔

مثلاً حدیث میں ہے کہ پانی جب تک جاری رہتا ہے تسبیح کرتا رہتا ہے درخت جب تک سرسبز رہتا ہے تسبیح کرتا رہتا ہے، کپڑا جب تک صاف ستھرا رہتا ہے تسبیح کرتا رہتا ہے۔ کھانا جب تک تازہ رہتا ہے تسبیح کرتا ہے۔کنکر پتھر سب یاد الٰہی میں تسبیح کرتے ہیں۔

چنانچہ حدیث شریف میں ہے کہ ایک دفعہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے مٹھی میں چند

کنکریاں اٹھائیں تو وہ زور سے تسبیح کرنے لگیں۔ یعنی ان کی تسبیح سنائی دینے لگی پھر آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کے ہاتھ میں دے دیں تو بدستور تسبیح مسموع ہوتی رہی۔ اسی طرح فاروق اعظمؓ کے ہاتھ میں بھی، پھر اسی طرح عثمان غنی رضی اللہ عنہ کے ہاتھ میں بھی۔

غرض نماز میں بھی ایک ہیئت ہے اور ایک حقیقت اس کی ہیئت یہ افعال وارکان ہیں اور اس کی حقیقت ذکر اللہ۔ یہی دونوں چیزیں قرآن نے ہر مکون اور پیدا شدہ چیز کی طرف منسوب کی ہیں۔ كُلٌّ قَدْ عَلِمَ صَلَاتَهُ وَتَسْبِيحَهُ صلوۃ اور تسبیح یعنی ہیئت ووضع صلوۃ اور اس کی روح یعنی تسبیح اور ذکر الٰہی اور نماز کی ہیئت وحقیقت کو ہر ایک مخلوق پر لازم کر دیا ہے جبکہ ہر ایک مخلوق بحیثیت مخلوق ہونے کے نمازی بنا دی گئی ہے تو کیسے ممکن تھا کہ انسان پر نماز نہ عائد کی جاتی، نہیں بلکہ انسان جبکہ جامع نمونہ ہائے مخلوق تھا یعنی مخلوقیت میں حد کمال کو پہنچا ہوا تھا تو ضروری تھا کہ اس کی نماز ساری مخلوقات کی نمازوں کی بھی جامع ہو اور اس میں نماز کے سب نمونے موجود ہوں جو غیر انسان میں منتشر تھے۔

نوع بشر کی نماز

چنانچہ نوع بشر میں مذاہب نے وہ ساری ہی ہیئتیں مختلف اقوام کو تقسیم کیں جو ان مخلوقات میں منقسم تھیں کسی قوم کو قیام کی نماز کسی کو قعود کی کسی کو رکوع کی اور کسی کو سجود کی۔ پھر ایسے ہی اقوام کی ان مختلف نمازوں میں اذکار بھی مختلف رکھے گئے جو ہر ایک قوم کی فطرت کے مناسب حال تھے کسی پر تعوذ کے اذکار کہ وہ ہر مضر چیز سے پناہ مانگتی رہیں اور صرف دفع مضرت کا پہلو سامنے رکھیں۔ کسی پر سوال ودعا کا غلبہ کہ وہ ہر نافع چیز کو سامنے رکھ کر خدا سے منافع جلب کرتی رہیں کسی پر اپنی ذاتی اغراض چھوڑ کر محض خدا کی پاکی بیان کرنے کا غلبہ کہ وہ ثنا وصفت کے بھجن گاتی رہیں کسی پر تضرع کا انتہائی غلبہ کہ نیاز اور زاری کرتی رہیں اور اسی میں مخمور رہیں۔ غرض ہر قوم کو اس کی ذہنیت کے مناسب ہی اذکار تلقین کئے گئے اور ان

کے مناسب شان ہیأت اور اوضاع صلوۃ دی گئیں مگر بہر حال نوع بشر میں یہ سب امور جمع کر دیئے گئے۔ تنہا ایک قوم کوئی ایسی عارف اور شئون الٰہیہ کو پہچاننے والی نہ تھی کہ سارے اذکار و اوضاع اور ساری ہیأت ایک ہی نماز میں جمع کر کے اس کے سامنے پیش کی جائیں۔

اسلامی نماز میں ساری کائنات کی نمازیں جمع ہیں

لیکن حضرت خاتم النبیین صلی اللہ علیہ وسلم نے جونہی اپنا معجزہ قرآن لا کر پیش کیا جو تمام کتب سماویہ کے علوم کا جامع تھا اور اس سے بنی نوع بشر کی ذہنیت اس درجہ منور ہوئی کہ ساری اقوام کی ذہنیتیں یکدم اس کے سامنے سرنگوں تھیں اور اس معرفت کاملہ سے اس کی ذہنیت مکمل ہوئی جس سے وہ تمام شئون ربانی ان پر کھل گئیں جو مختلف اقوام پر مختلف قرون و دہور میں کھلی تھیں تو فطرت الٰہی نے وہ تمام اوضاع و اطوار جو اقوام عالم کی مختلف نمازوں میں منقسم کی تھیں۔ مسلم قوم کی نماز میں ساری لا کر جمع کر دیں گویا یہ قوم جیسے معارف اقوام کی جامع ہوئی اور جیسے کہ معارف الٰہی کی جامع ہوئی۔ گویا ایسے ہی تمام عبادات اقوام کی بھی جامع ہوئی اور اس کی صلوۃ گویا مجموعہ صلوۃ اقوام ہوگئی۔ (خطبات حکیم الاسلام)

❁❁❁

نماز کی ہیئت مسنونہ

احادیث میں روایات ہیں کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم جب نماز کے لئے کھڑے ہوتے تو اللہ اکبر کہتے اور اس تکبیر تحریمہ کے ساتھ دونوں ہاتھ کانوں تک اٹھاتے اور اس کے بعد ہاتھ باندھ لیتے اس طرح کہ داہنے ہاتھ کو بائیں ہاتھ کی کلائی پر رکھتے۔

ہاتھ باندھنے کے بعد ثناء پڑھتے۔ **سبحانک اللھم**...... (الخ) اسکے بعد **اعوذ باللہ من الشیطان الرجیم** پڑھتے' اسکے بعد **بسم اللہ الرحمن الرحیم** پڑھتے۔

پھر اس کے بعد سورۃ فاتحہ پڑھتے اور اس کے آخر میں آمین کہتے۔ (امام اعظم رحمتہ اللہ علیہ کے مذہب میں آمین آہستہ کہنا ہے)

سیدنا عمر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ چار چیزوں میں اخفا کرے یعنی آہستہ سے کہے۔ تعوذ' بسم اللہ' آمین اور سبحانک اللھم ...... (الخ) پھر حضور صلی اللہ علیہ وسلم سورہ فاتحہ کے بعد کوئی سورۃ پڑھتے۔

پھر آپ جب اس قرأت سے فارغ ہوتے تو تکبیر کہتے ہوئے رکوع میں جاتے (جھکنے کے ساتھ ہی تکبیر کہتے)

اسی طرح جب رکوع سے سر اٹھاتے **سمع اللہ لمن حمدہ** فرماتے' رکوع میں دونوں ہتھیلیوں کو گھٹنوں پر خوب جماتے اور انگلیوں کو کھول کر رکھتے۔ علماء فرماتے ہیں کہ نماز میں انگلیوں کی تین حالتیں ہوتی ہیں۔ ایک رکوع کی حالت میں کھول کر رکھنا چاہئے' دوسرے سجدے کی حالت میں انگلیوں کو ملا کر رکھنا چاہئے' تیسرے تمام حالتوں میں انگلیوں کو اپنے حال پر چھوڑنا (خواہ قیام کی حالت میں ہو خواہ تشہد میں ہو)

حضور صلی اللہ علیہ وسلم رکوع میں بازوؤں کو پہلو سے دور رکھتے اور اپنی پشت کو سیدھا رکھتے اور سر کو اس کے برابر نہ نیچا کرتے اور نہ اٹھاتے اور تین بار **سبحان ربی العظیم** کہتے (یہ کم از کم ہے بسا اوقات آپ اس سے بھی زیادہ کہتے تھے اور زیادہ مرتبہ کہنا طاق عدد میں افضل ہے) اور جب رکوع سے سر اٹھاتے تو سجدہ میں اس وقت تک نہ جاتے

جب تک کہ سیدھا کھڑے نہ ہوجاتے اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم سجدے اسی انداز سے کرتے' آپ جب سجدے میں جاتے تو ہاتھوں سے پہلے گھٹنوں کو زمین پر رکھتے' اس کے بعد ہاتھوں کو رکھتے' پھر پہلے ہی بینی (ناک) زمین پر رکھتے پھر پیشانی مبارک رکھتے' سجدے میں بازوؤں اور پیٹ کو رانوں سے دور رکھتے اتنا کہ بکری کا بچہ اس کے درمیان سے گزر سکتا تھا۔

سجدے میں کم از کم تین بار سبحان ربی الاعلی کہتے اور جب سجدہ سے سر اٹھاتے تو جب تک بالکل سیدھے نہ بیٹھ جاتے' دوسرا سجدہ نہ فرماتے۔ جب قیام طویل ہوتا تو رکوع و سجدہ اور جلسہ بھی طویل ہوتا اور جب قیام مختصر ہوتا تو یہ سب مختصر ہوتے۔ (مدارج النبوۃ)

آپ ہر دو رکعت کے بعد التحیات پڑھتے تھے۔ (صحیح مسلم)

حضرت وائل رضی اللہ عنہ کی حدیث میں ہے کہ آپ جب سجدہ سے (قیام کے لئے کھڑے) ہوتے تو رانوں اور گھٹنوں پر ٹیک لگا کر کھڑے ہوتے اور سنت یہ ہے کہ دونوں کو گھٹنوں پر رکھے اور اسی سے ٹیک لگاتے ہوئے کھڑا ہو جائے اور حضرت عمر رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کھڑے ہوتے وقت زمین پر ہاتھوں سے ٹیک لگا کر کھڑے ہونے کو منع فرمایا ہے۔ (لیکن بحکم ضرورت زیادتی' مشقت' کبر سنی اور کمزوری کے وقت زمین پر ٹیک لگانا جائز ہے) (مدارج النبوۃ)

اور جب حضور صلی اللہ علیہ وسلم تشہد میں بیٹھتے تو بایاں پاؤں بچھاتے اس پر بیٹھتے اور داہنا پاؤں کھڑا رکھتے اور جب آخری رکعت کے بعد تشہد کے لئے بیٹھتے تو قعدہ اولیٰ کی طرح بیٹھتے اور جب تشہد پڑھتے تو دونوں ہاتھوں کو دونوں رانوں پر رکھتے اور داہنے ہاتھ کی انگشت شہادت سے اشارہ کرتے۔ (اس کی صورت یہ ہے کہ چھنگلی اور اس کے پاس کی انگلی کو ہتھیلی کے اندر جمع کرے اور بیچ کی انگلی اور انگوٹھے سے حلقہ بنائے اور شہادت کی انگلی سے اشارہ کرے اور جب لاالہ کہے تو انگلی اٹھائے اور الا اللہ کہنے پر نیچے کرے) (مدارج النبوۃ)

حضرت عبداللہ ابن مسعود اور حضرت عبداللہ ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہم اجمعین سے مروی ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ہمیں تعلیم فرمائی کہ ہم ان الفاظ میں التحیات پڑھیں۔ "التحیات للہ والصلوٰۃ والطیبت السلام علیک ایھا النبی و

رحمة الله و برکاته السلام علینا و علی عباداللہ الصالحین ' اشهد ان لا اله الا الله و اشهدان محمداً عبده و رسوله"

حضرت عبدالرحمٰن بن ابی لیلیٰ سے مروی ہے کہ مجھے کعب بن عجرہ ملے تو انہوں نے کہا کیا میں تمہیں ایک تحفہ جسے میں نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے سنا پیش کر دوں' میں نے کہا ہاں ضرور تو انہوں نے کہا کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے میں نے عرض کیا کہ آپ نے ہمیں آپ پر سلام بھیجنے کا طریقہ تو بتا دیا لیکن ہم درود کس طرح بھیجیں تو آپ نے فرمایا ان الفاظ میں **"اللهم صل علی محمد و علی ال محمد کما صلیت علی ابراهیم و علی ال ابراهیم انک حمید مجید ' اللهم بارک علی محمد وعلی ال محمد کما بارکت علی ابراهیم و علی ال ابراهیم انک حمید مجید"** (بخاری و مسلم' معارف الحدیث)

ایک دوسرے صحابی حضرت ابو مسعود انصاری رضی اللہ عنہ سے بھی قریب قریب اسی مضمون کی ایک حدیث مروی ہے. جس میں ہے کہ جب حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے درود کے متعلق دریافت کیا گیا کہ حضرت جب ہم نماز میں آپ پر درود پڑھیں تو کس طرح پڑھیں تو آپ نے مذکورہ درود شریف کی تلقین فرمائی۔ (مدارج النبوۃ)

طبرانی ابن ماجہ اور دار قطنی حضرت سہیل ابن سعدؓ سے روایت کرتے ہیں کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اس شخص کی نماز ہی نہیں جو اپنے نبی پر درود نہ بھیجے۔ (مدارج النبوۃ)

درود شریف کے بعد اور سلام سے پہلے دعا

مستدرک حاکم میں ہے کہ حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کا ارشاد ہے کہ نمازی تشہد کے بعد درود شریف پڑھے اور اس کے بعد دعا کرے۔

صحیح بخاری اور صحیح مسلم وغیرہ کی ایک روایت میں حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے تشہد کی تلقین والی حدیث کے آخر میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ ارشاد بھی مروی ہے یعنی نمازی جب تشہد پڑھ چکے تو جو دعا اسے اچھی معلوم ہو اس کا انتخاب کرے اور اللہ تعالیٰ سے وہی دعا مانگے۔ (معارف الحدیث)

درود شریف کے بعد نماز میں دعا آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے تعلیماً بھی ثابت

ہے اور عملاً بھی، حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا جب تم میں سے کوئی آخری تشہد پڑھ کر فارغ ہو جائے تو اسے چاہئے کہ چار چیزوں سے اللہ تعالیٰ کی پناہ مانگے۔ (مسلم)

حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم درود شریف کے بعد یہ دعا پڑھتے تھے۔

اَللّٰھُمَّ اِنِّیْ اَعُوْذُبِکَ مِنْ عَذَابِ الْقَبْرِ وَاَعُوْذُبِکَ مِنْ فِتْنَةِ الْمَسِیْحِ الدَّجَّالِ وَاَعُوْذُبِکَ مِنْ فِتْنَةِ الْمَحْیَا وَالْمَمَاتِ وَالْمَغْرَمِ.

ترجمہ: اے اللہ! میں آپ سے قبر کے عذاب کی پناہ چاہتا ہوں اور مسیح دجال کے فتنہ سے پناہ چاہتا ہوں اور موت و حیات کے فتنہ سے پناہ چاہتا ہوں اور گناہ سے اور بلاوجہ تاوان بھگتنے سے پناہ چاہتا ہوں۔ (صحیح مسلم۔ مدارج النبوۃ)

(اسوہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم حوالہ نمبر ۱۸) نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم تشہد کے بعد (نماز کے آخر میں) دائیں اور بائیں سلام پھیرتے اور اپنی چشم مبارک نماز میں کھلی رکھتے تھے، بند نہ کرتے تھے۔

نماز حاجت

قال اللّٰہ تعالیٰ وَاسْتَعِیْنُوْا بِالصَّبْرِ وَالصَّلٰوةِ فرمایا اللہ تعالیٰ سے مدد چاہو یعنی اپنے حوائج میں کما قالہ المفسر ون صبر اور نماز سے، حدیث شریف میں اس استعانت کا ایک خاص طرق وارد ہوا ہے۔ امام ترمذی نے حضرت عبداللہ بن اوفی رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے کہ ارشاد فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے جس شخص کو کسی قسم کی حاجت ہو اللہ تعالیٰ سے یا آدمی سے اس کو چاہیے کہ اچھی طرح وضو کرے پھر دو رکعت نماز پڑھے پھر اللہ تعالیٰ کی ثناء کہے، مثلاً سورۃ فاتحہ پڑھے اور حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم پر درود شریف بھیجے پھر یہ دعا پڑھے۔

لَآ اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ الْحَلِیْمُ الْکَرِیْمُ سُبْحَانَ اللّٰهِ رَبِّ الْعَرْشِ الْعَظِیْمِ وَالْحَمْدُلِلّٰهِ رَبِّ الْعَالَمِیْنَ اَسْئَلُکَ مُوْجِبَاتِ رَحْمَتِکَ وَعَزَائِمَ مَغْفِرَتِکَ وَالْعَزِیْمَةَ مِنْ کُلِّ بِرٍّ وَّسَلَامَةَ مِنْ کُلِّ اِثْمٍ لَاتَدَعْ لِیْ ذَنْباً اِلَّاغَفَرْتَه، وَلَا هَمًّا اِلَّافَرَّجْتَه، وَلَا حَاجَةً هِیَ لَکَ رِضًی اِلَّا قَضَیْتَهَا یَا اَرْحَمَ الرَّاحِمِیْنَ.

نماز کی مسنون ترکیب اور ضروری احکام

نماز شروع کرنے سے پہلے

شیخ الاسلام مولانا مفتی محمد تقی عثمانی صاحب مدظلہ تحریر فرماتے ہیں۔

یہ باتیں یاد رکھئے، اور ان پر عمل کا اطمینان کر لیجئے۔

(۱) آپ کا رخ قبلے کی طرف ہونا ضروری ہے۔

(۲) آپ کو سیدھا کھڑے ہونا چاہئے اور آپ کی نظر سجدے کی جگہ پر ہونی چاہئے۔ گردن کو جھکا کر ٹھوڑی سینے سے لگا لینا بھی مکروہ ہے، اور بلا وجہ سینے کو جھکا کر کھڑا ہونا بھی درست نہیں۔ اس طرح سیدھے کھڑے ہوں کہ نظر سجدے کی جگہ پر رہے۔

(۳) آپ کے پاؤں کی انگلیوں کا رخ بھی قبلے کی جانب ہے اور دونوں پاؤں سیدھے قبلہ رخ ہیں۔ (پاؤں کو دائیں بائیں ترچھا رکھنا خلاف سنت ہے) دونوں پاؤں قبلہ رخ ہونے چاہئیں۔



(۴) دونوں پاؤں کے درمیان کم از کم چار انگل کا فاصلہ ہونا چاہئے۔

(۵) اگر جماعت سے نماز پڑھ رہے ہوں تو آپ کی صف سیدھی رہے۔ سیدھی صف کرنے کا بہترین طریقہ یہ ہے کہ ہر شخص اپنی دونوں ایڑھیوں کے آخری سرے صف یا اس کے آخری نشان کے آخری کنارے پر رکھ لے، اس طرح

غلط طریقہ　　　صحیح طریقہ



(٦) جماعت کی صورت میں اس بات کا بھی اطمینان کرلیں کہ دائیں بائیں کھڑے ہونے والوں کے بازوؤں کے ساتھ آپ کے بازو ملے ہوئے ہیں اور بیچ میں کوئی خلا نہیں ہے۔

(٧) پاجامے کو ٹخنے سے نیچے لٹکانا ہر حالت میں ناجائز ہے، ظاہر ہے کہ نماز میں اس کی شناعت اور بڑھ جاتی ہے، لہٰذا اس کا اطمینان کرلیں کہ پاجامہ ٹخنے سے اونچا ہے۔

(٨) ہاتھ کی آستینیں پوری طرح ڈھکی ہوئی ہونی چاہئیں، صرف ہاتھ کھلے رہیں۔ بعض لوگ آستینیں چڑھا کر نماز پڑھتے ہیں، یہ طریقہ درست نہیں ہے۔

(٩) ایسے کپڑے پہن کر نماز میں کھڑے ہونا مکروہ ہے، جنہیں پہن کر انسان لوگوں کے سامنے نہ جاتا ہو۔

نماز شروع کرتے وقت

(١) دل میں نیت کرلیں کہ میں فلاں نماز پڑھ رہا ہوں۔ زبان سے نیت کے الفاظ کہنا ضروری نہیں۔

(٢) ہاتھ کانوں تک اس طرح اٹھائیں کہ ہتھیلیوں کا رخ قبلے کی طرف ہو اور انگوٹھوں کے سرے کان کی لو سے یا تو بالکل مل جائیں، یا اس کے برابر آجائیں اور باقی انگلیاں اوپر کی طرف سیدھی ہوں۔ بعض لوگ ہتھیلیوں کا رخ قبلے کی طرف کرنے کے بجائے کانوں کی طرف کر لیتے ہیں۔

بعض لوگ کانوں کو ہاتھوں سے بالکل ڈھک لیتے ہیں۔ بعض لوگ ہاتھ پورے کانوں تک اٹھائے بغیر ہلکا سا اشارہ کر دیتے ہیں۔ بعض لوگ کان کی لو کو ہاتھوں سے پکڑ لیتے ہیں۔ یہ سب طریقے غلط اور خلاف سنت ہیں۔ ان کو چھوڑنا چاہئے۔

(٣) مذکورہ بالا طریقے پر ہاتھ اٹھاتے وقت اللہ اکبر کہیں، پھر دائیں ہاتھ کے انگوٹھے اور چھوٹی انگلی سے بائیں پہنچے کے گرد حلقہ بنا کر اسے پکڑ لیں اور باقی تین انگلیوں

کو بائیں ہاتھ کی پشت پر اس طرح پھیلادیں کہ تینوں انگلیوں کا رخ کہنی کی طرف رہے۔
(۴) دونوں ہاتھوں کو ناف سے ذرا نیچے رکھ کر مذکورہ بالا طریقے سے باندھ لیں۔

کھڑے ہونے کی حالت میں

(۱) اگر اکیلے نماز پڑھ رہے ہوں یا امامت کر رہے ہوں تو پہلے سبحانک اللھم الخ، پھر سورۃ فاتحہ، پھر کوئی سورت پڑھیں، اور اگر کسی امام کے پیچھے ہوں تو صرف سبحانک اللھم پڑھ کر خاموش ہوجائیں، اور امام کی قرءات کو دھیان لگا کر سنیں۔ گر امام زور سے نہ پڑھ رہا ہو تو زبان ہلائے بغیر دل ہی دل میں سورۃ فاتحہ کا دھیان کئے رکھیں۔

(۲) جب خود قرأت کر رہے ہوں تو سورہ فاتحہ پڑھتے وقت بہتر یہ ہے کہ ہر آیت پر رک کر سانس توڑ دیں، پھر دوسری آیات پڑھیں، کئی کئی آیتیں ایک سانس میں نہ پڑھیں مثلاً اَلحَمدُ لِلّٰهِ رَبِّ العٰلَمِینَ پر سانس توڑ دیں۔ پھر الرَّحمٰنِ الرَّحِیمِ پر۔ پھر مٰلِکِ یَومِ الدِّینِ پر۔ اس طرح پوری سورہ فاتحہ پڑھیں۔ لیکن اس کے بعد کی قراءت میں ایک سانس میں ایک سے زیادہ آیتیں بھی پڑھ لیں تو کوئی حرج نہیں۔

(۳) بغیر کسی ضرورت کے جسم کے کسی حصے کو حرکت نہ دیں۔ جتنے سکون کے ساتھ کھڑے ہوں، اتنا ہی بہتر ہے۔ اگر کھجلی وغیرہ کی ضرورت ہو تو صرف ایک ہاتھ استعمال کریں اور وہ بھی صرف سخت ضرورت کے وقت اور کم سے کم۔

(۴) جسم کا سارا زور ایک پاؤں پر دے کر دوسرے پاؤں کو اس طرح ڈھیلا چھوڑ دینا کہ اس میں خم آجائے نماز کے ادب کے خلاف ہے، اس سے پرہیز کریں یا تو دونوں پاؤں پر برابر زور دیں یا ایک پاؤں پر زور دیں تو اس طرح کہ دوسرے پاؤں میں خم پیدا نہ ہو۔

(۵) جمائی آنے لگے تو اس کو روکنے کی پوری کوشش کریں۔

(۶) کھڑے ہونے کی حالت میں نظریں سجدے کی جگہ پر رکھیں، ادھر ادھر یا سامنے دیکھنے سے پرہیز کریں۔

رکوع میں جاتے وقت ان باتوں کا خاص خیال رکھیں

(۱) اپنے اوپر کے دھڑ کو اس حد تک جھکائیں کہ گردن اور پشت تقریباً ایک سطح پر آجائے نہ اس سے زیادہ جھکیں نہ اس سے کم۔

(۲) رکوع کی حالت میں گردن کو اتنا نہ جھکائیں کہ ٹھوڑی سینے سے ملنے لگے اور نہ اتنا اوپر رکھیں کہ گردن کمر سے بلند ہو جائے، بلکہ گردن اور کمر ایک سطح پر ہونی چاہئیں۔

(۳) رکوع میں پاؤں سیدھے رکھیں ان میں خم نہ ہونا چاہئے۔

(۴) دونوں ہاتھ گھٹنوں پر اس طرح رکھیں کہ دونوں ہاتھوں کی انگلیاں کھلی ہوئی ہوں، یعنی ہر دو انگلیوں کے درمیان فاصلہ ہو اور اس طرح دائیں ہاتھ سے دائیں گھٹنے کو اور بائیں ہاتھ سے بائیں گھٹنے کو پکڑ لیں۔

(۵) رکوع کی حالت میں کلائیاں اور بازو سیدھے تنے ہوئے رہنے چاہئیں، ان میں خم نہیں آنا چاہئے۔

(۶) از کم اتنی دیر رکوع میں رکیں کہ اطمینان سے تین مرتبہ (**سبحان ربی العظیم**) کہا جاسکے۔

(۷) رکوع کی حالت میں نظریں پاؤں کی طرف ہونی چاہئیں۔

(۸) دونوں پاؤں پر زور برابر رہنا چاہئے، اور دونوں پاؤں کے ٹخنے ایک دوسرے کے بالمقابل رہنے چاہئیں۔

رکوع سے کھڑے ہوتے وقت

(۱) رکوع سے کھڑے ہوتے وقت اتنے سیدھے ہو جائیں کہ جسم میں کوئی خم باقی نہ رہے۔

(۲) اس حالت میں بھی نظر سجدے کی جگہ پر رہنی چاہئے۔

(۳) جو لوگ، کھڑے ہوتے وقت کھڑے ہونے کے بجائے، کھڑے ہونے کا صرف اشارہ کرتے ہیں اور جسم کے جھکاؤ کی حالت ہی میں سجدے کے لئے چلے جاتے ہیں ان کے ذمے نماز کا لوٹانا واجب ہو جاتا ہے، لہٰذا اس سے سختی کے ساتھ پرہیز کریں۔ جب تک سیدھے ہونے کا اطمینان نہ ہو جائے، سجدے میں نہ جائیں۔

سجدے میں جاتے وقت اس طریقے کا خیال رکھیں

(۱) سب سے پہلے گھٹنوں کو خم دے کر انہیں زمین کی طرف اس طرح لے جائیں کہ سینہ آگے کو نہ جھکے۔ جب گھٹنے زمین پر ٹک جائیں۔ اس کے بعد سینے کو جھکائیں۔

(۲) جب تک گھٹنے زمین پر نہ ٹکیں، اس وقت تک اوپر کے دھڑ کو جھکانے سے حتی الامکان پرہیز کریں۔

آج کل سجدے میں جانے کے اس مخصوص ادب سے بے پروائی بہت عام ہوگئی ہے۔ اکثر لوگ شروع ہی سے سینہ آگے کو جھکا کر سجدے میں جاتے ہیں۔ لیکن صحیح طریقہ وہی ہے جو نمبر (۱) اور نمبر (۲) میں بیان کیا گیا، بغیر کسی عذر کے اس کو نہ چھوڑنا چاہئے۔

(۳) گھٹنوں کے بعد پہلے ہاتھ زمین پر رکھیں، پھر ناک، پھر پیشانی۔

سجدے میں

(۱) سجدے میں سر کو دونوں ہاتھوں کے درمیان اس طرح رکھیں کہ دونوں انگوٹھوں کے سرے کانوں کی لو کے سامنے ہو جائیں۔

(۲) سجدے میں دونوں ہاتھوں کی انگلیاں بند ہونی چاہئیں۔ یعنی انگلیاں بالکل ملی ہوئی ہوں اور ان کے درمیان فاصلہ نہ ہو۔

(۳) انگلیوں کا رخ قبلے کی طرف ہونا چاہیے۔

(۴) کہنیاں زمین سے اٹھی ہونی چاہئیں، کہنیوں کو زمین پر ٹیکنا درست نہیں۔

(۵) دونوں بازو پہلوؤں سے الگ ہٹے ہوئے ہونے چاہئیں انہیں پہلوؤں سے بالکل ملا کر نہ رکھیں۔ (۶) کہنیوں کو دائیں بائیں اتنی دور تک بھی نہ پھیلائیں جس سے برابر کے نماز پڑھنے والوں کو تکلیف ہو۔ (۷) رانیں پیٹ سے ملی ہوئی نہیں ہونی چاہئیں، پیٹ اور رانیں الگ رکھی جائیں۔ (۸) پورے سجدے کے دوران ناک زمین پر ٹکی رہے زمین سے نہ اٹھے۔

(۹) دونوں پاؤں اس طرح کھڑے رکھے جائیں کہ ایڑیاں اوپر ہوں اور تمام انگلیاں اچھی طرح مڑ کر قبلہ رخ ہو گئی ہوں۔ جو لوگ اپنے پاؤں کی بناوٹ کی وجہ سے

تمام انگلیاں موڑنے پر قادر نہ ہوں، وہ جتنی موڑ سکیں، اتنی موڑنے کا اہتمام کریں۔ بلا وجہ انگلیوں کو سیدھا زمین پر ٹیکنا درست نہیں۔

(۱۰) اس بات کا خیال رکھیں کہ سجدے کے دوران پاؤں زمین سے اٹھنے نہ پائیں، بعض لوگ اس طرح سجدے کرتے ہیں کہ پاؤں کی کوئی انگلی ایک لمحہ کیلئے بھی زمین پر نہیں ٹکتی۔ اس طرح سجدہ ادا نہیں ہوتا اور نتیجۃً نماز بھی نہیں ہوتی اس سے اہتمام کے ساتھ پرہیز کریں۔

(۱۱) سجدے کی حالت میں کم از کم اتنی دیر گزاریں کہ تین مرتبہ **سبحان ربی الاعلیٰ** اطمینان کے ساتھ کہہ سکیں۔ پیشانی ٹیکتے ہی فوراً اٹھالینا منع ہے۔

دونوں سجدوں کے درمیان

(۱) ایک سجدے سے اٹھ کر اطمینان سے دوزانو سیدھے بیٹھ جائیں، پھر دوسرا سجدہ کریں۔ ذرا سا سر اٹھا کر سیدھے ہوئے بغیر دوسرا سجدہ کر لینا گناہ ہے اور اس طرح کرنے سے نماز کا لوٹانا واجب ہو جاتا ہے۔

(۲) بایاں پاؤں بچھا کر اس پر بیٹھیں اور دایاں پاؤں اس طرح کھڑا کر لیں کہ اس کی انگلیاں مڑ کر قبلہ رخ ہو جائیں۔ بعض لوگ دونوں پاؤں کھڑا کر کے ان کی ایڑھیوں پر بیٹھ جاتے ہیں یہ طریقہ صحیح نہیں ہے۔

(۳) بیٹھنے کے وقت دونوں ہاتھ رانوں پر رکھے ہونے چاہئیں، مگر انگلیاں گھٹنوں کی طرف لٹکی ہوئی نہ ہوں۔ بلکہ انگلیوں کے آخری سرے گھٹنے کے ابتدائی کنارے تک پہنچ جائیں۔

(۴) بیٹھنے کے وقت نظریں اپنی گود کی طرف ہونی چاہئیں۔

(۵) اتنی دیر بیٹھیں کہ اس میں کم از کم ایک مرتبہ **سبحان اللہ** کہا جا سکے اور اگر اتنی دیر بیٹھیں کہ اس میں اَللّٰھُمَّ اغْفِرْلِی وَارْحَمْنِیْ وَاسْتُرْنِیْ وَاجْبُرْنِیْ وَاھْدِنِی وَارْزُقْنِی پڑھا جا سکے تو بہتر ہے لیکن فرض نمازوں میں یہ پڑھنے کی ضرورت نہیں، نفلوں میں پڑھ لینا بہتر ہے۔

دوسرا سجدہ اور اس سے اٹھنا

(۱) دوسرے سجدے میں بھی اس طرح جائیں کہ پہلے دونوں ہاتھ زمین پر رکھیں، پھر ناک، پھر پیشانی۔
(۲) سجدے کی ہیئت وہی ہونی چاہیے جو پہلے سجدے میں بیان کی گئی۔
(۳) سجدے سے اٹھتے وقت پہلے پیشانی زمین سے اٹھائیں، پھر ناک، پھر ہاتھ، پھر گھٹنے۔
(۴) اٹھتے وقت زمین کا سہارا نہ لینا بہتر ہے لیکن اگر جسم بھاری ہو یا بیماری یا بڑھاپے کی وجہ سے مشکل ہو تو سہارا لینا بھی جائز ہے۔
(۵) اٹھنے کے بعد ہر رکعت کے شروع میں سورہ فاتحہ سے پہلے بسم اللہ الرحمن الرحیم پڑھیں۔

قعدے میں

(۱) قعدے میں بیٹھنے کا طریقہ وہی ہوگا جو سجدوں کے بیچ میں بیٹھنے کا ذکر کیا گیا۔
(۲) التحیات پڑھتے وقت جب "اشھد ان لا" پر پہنچیں تو شہادت کی انگلی اٹھا کر اشارہ کریں، اور "الا اللہ" پر گرادیں۔
(۳) اشارے کا طریقہ یہ ہے کہ بیچ کی انگلی اور انگوٹھے کو ملا کر حلقہ بنائیں، چھنگلی اور اس کے برابر والی انگلی کو بند کرلیں اور شہادت کی انگلی کو اس طرح اٹھائیں کہ انگلی قبلے کی طرف جھکی ہوئی ہو۔ بالکل سیدھے آسمان کی طرف نہ اٹھانی چاہیے۔
(۴) "الا اللہ" کہتے وقت شہادت کی انگلی تو نیچے کرلیں لیکن باقی انگلیوں کی جو ہیئت اشارے کے وقت بنائی تھی، اس کو آخر تک برقرار رکھیں۔

سلام پھیرتے وقت

(۱) دونوں سلام پھیرتے وقت گردن کو اتنا موڑیں کہ پیچھے بیٹھے آدمی کو آپ کے رخسار نظر آئیں۔ (۲) سلام پھیرتے وقت نظریں کندھے کی طرف ہونی چاہئیں۔
(۳) جب دائیں طرف گردن پھیر کر "السلام علیکم ورحمة اللہ" کہیں تو نیت یہ کریں کہ دائیں طرف جو انسان اور فرشتے ہیں، ان کو سلام کر رہے ہیں۔ اور بائیں طرف سلام پھیرتے وقت بائیں طرف موجود انسانوں اور فرشتوں کو سلام کرنے کی نیت کریں۔

دعاء کا طریقہ

(۱) دعاء کا طریقہ یہ ہے کہ دونوں ہاتھ اتنے اٹھائے جائیں کہ سینے کے سامنے آجائیں' دونوں ہاتھوں کے درمیان معمولی سا فاصلہ ہو' نہ ہاتھوں کو بالکل ملائیں اور نہ دونوں کے درمیان زیادہ فاصلہ رکھیں۔ (۲) دعاء کرتے وقت ہاتھوں کے اندرونی حصے کو چہرے کے سامنے رکھیں۔

خواتین کی نماز

اوپر نماز کا جو طریقہ بیان کیا گیا ہے وہ مردوں کیلئے ہے۔ عورتوں کی نماز مندرجہ ذیل معاملات میں مردوں سے مختلف ہے' لہٰذا خواتین کو ان مسائل کا خیال رکھنا چاہیے۔

(۱) خواتین کو نماز شروع کرنے سے پہلے اس بات کا اطمینان کر لینا چاہیے کہ ان کے چہرے' ہاتھوں اور پاؤں کے سوا تمام جسم کپڑے سے ڈھکا ہوا ہے۔

بعض خواتین اس طرح نماز پڑھتی ہیں کہ ان کے بال کھلے رہتے ہیں۔

بعض خواتین کی کلائیاں کھلی رہتی ہیں۔ بعض خواتین کے کان کھلے رہتے ہیں۔

بعض خواتین اتنا چھوٹا دوپٹہ استعمال کرتی ہیں کہ ان کے نیچے بال لٹکے نظر آتے ہیں۔ یہ سب طریقے ناجائز ہیں اور اگر نماز کے دوران چہرے' ہاتھ اور پاؤں کے سوا جسم کا کوئی عضو بھی چوتھائی کے برابر اتنی دیر کھلا رہ گیا جس میں تین مرتبہ **سبحان ربی العظیم** کہا جا سکے تو نماز ہی نہیں ہوگی اور اس سے کم کھلا رہ گیا تو نماز ہو جائے گی مگر گناہ ہوگا۔

(۲) خواتین کیلئے کمرے میں نماز پڑھنا برآمدے سے افضل ہے اور برآمدے میں پڑھنا صحن سے افضل ہے۔ (۳) عورتوں کو نماز شروع کرتے وقت ہاتھ کانوں تک نہیں بلکہ کندھوں تک اٹھانے چاہئیں اور وہ بھی دوپٹے کے اندر ہی اٹھانے چاہئیں۔ دوپٹے سے باہر نہ نکالے جائیں۔ (بہشتی زیور) (۴) عورتیں ہاتھ سینے پر اس طرح باندھیں کہ دائیں ہاتھ کی ہتھیلی بائیں ہاتھ کی پشت پر رکھ دیں۔ انہیں مردوں کی طرح ناف پر ہاتھ نہ باندھنے چاہئیں۔

(۵) رکوع میں عورتوں کیلئے مردوں کی طرح کمر کو بالکل سیدھا کرنا ضروری نہیں۔ عورتوں کو مردوں کے مقابلے میں کم جھکنا چاہیے۔ (طحطاوی علی المراقی ص ۱۴۱)

(۶) رکوع کی حالت میں مردوں کو انگلیاں گھٹنوں پر کھول کر رکھنی چاہئیں لیکن عورتوں کیلئے حکم یہ ہے کہ وہ انگلیاں ملا کر رکھیں۔ یعنی انگلیوں کے درمیان فاصلہ نہ ہو۔ (درمختار)

(۷) عورتوں کو رکوع میں اپنے پاؤں بالکل سیدھے نہ رکھنے چاہئیں بلکہ گھٹنوں کو آگے کی طرف ذرا سا خم دے کر کھڑا ہونا چاہیئے۔ (درمختار)

(۸) مردوں کو حکم یہ ہے کہ رکوع میں ان کے بازو پہلوؤں سے جدا اور تنے ہوئے ہوں لیکن عورتوں کو اس طرح کھڑا ہونا چاہیے کہ ان کے بازو پہلوؤں سے ملے ہوئے ہوں۔

(۹) عورتوں کو دونوں پاؤں ملا کر کھڑا ہونا چاہیے۔ خاص طور پر دونوں ٹخنے تقریباً مل جانے چاہئیں پاؤں کے درمیان فاصلہ نہ ہونا چاہیے۔ (بہشتی زیور)

(۱۰) سجدے میں جاتے وقت مردوں کیلئے یہ طریقہ بیان کیا گیا ہے کہ جب تک گھٹنے زمین پر نہ ٹکیں اس وقت تک سینہ نہ جھکائیں، لیکن عورتوں کیلئے یہ طریقہ نہیں ہے وہ شروع ہی سے سینہ جھکا کر سجدے میں جا سکتی ہیں۔

(۱۱) عورتوں کو سجدہ اس طرح کرنا چاہیے کہ ان کا پیٹ رانوں سے مل جائے اور بازو بھی پہلوؤں سے ملے ہوئے ہوں نیز عورت پاؤں کو کھڑا کرنے کے بجائے انہیں دائیں طرف نکال کر بچھاوے۔

(۱۲) مردوں کیلئے سجدے میں کہنیاں زمین پر رکھنا منع ہے، لیکن عورتوں کو کہنیوں سمیت پوری بانہیں زمین پر رکھ دینی چاہئیں۔ (درمختار)

(۱۳) سجدوں کے درمیان اور التحیات پڑھنے کیلئے جب بیٹھنا ہو تو کولہے پر بیٹھیں اور دونوں پاؤں دائیں طرف کو نکال دیں، سرین دائیں پنڈلی پر رکھیں۔

(۱۴) مردوں کیلئے حکم یہ ہے کہ وہ رکوع میں انگلیاں کھول کر رکھنے کا اہتمام کریں اور سجدے میں بند رکھنے کا اور نماز کے باقی افعال میں انہیں اپنی حالت میں چھوڑ دیں، نہ بند کرنے کا اہتمام کریں، نہ کھولنے کا لیکن عورت کیلئے ہر حالت میں حکم یہ ہے کہ وہ انگلیوں کو بند رکھیں، یعنی ان کے درمیان فاصلہ نہ چھوڑے رکوع میں بھی، سجدے میں بھی، دو سجدوں کے درمیان بھی اور قعدوں میں بھی۔

(۱۵) عورتوں کا جماعت کرنا مکروہ ہے۔ ان کیلئے اکیلی نماز پڑھنا ہی بہتر ہے۔ البتہ اگر گھر کے محرم افراد گھر میں جماعت کر رہے ہوں تو ان کے ساتھ جماعت میں شامل ہو جانے میں کوئی حرج نہیں۔ لیکن مردوں کے بالکل پیچھے کھڑا ہونا ضروری ہے برابر میں ہرگز کھڑی نہ ہوں۔

نماز...احکام وآداب

اللہ تعالیٰ نے مؤمن کی صفات میں سب سے پہلے ’’نماز میں خشوع‘‘ کی صفت ذکر فرمائی ہے۔ عام طور پر دو لفظ نماز کے اوصاف کے سلسلے میں بولے جاتے ہیں۔ ایک خضوع اور دوسرا خشوع ’’خضوع‘‘ کے معنی ہیں: انسان کا اپنے ظاہری اعضاء کو اللہ تعالیٰ کے سامنے جھکا دینا۔ اور ’’خشوع‘‘ کے معنی ہیں: انسان کا اپنے دل کو اللہ تعالیٰ کی طرف متوجہ کر دینا۔ نماز میں دونوں چیزیں مطلوب ہیں یعنی نماز میں خضوع بھی ہونا چاہئے اور خشوع بھی ہونا چاہئے۔

میرے والد ماجد حضرت مولانا مفتی محمد شفیع صاحب رحمہ اللہ اپنی عمر کے آخری دور میں فرمایا کرتے تھے کہ آج مجھے قرآن وحدیث اور فقہ پڑھتے پڑھاتے ہوئے اور فتاویٰ لکھتے ہوئے ساٹھ سال ہو گئے ہیں اور ان کاموں کے علاوہ کوئی اور مشغلہ نہیں ہے لیکن ساٹھ سال گزرنے کے بعد اب بھی بعض اوقات نماز میں ایسی صورت پیش آ جاتی ہے کہ مجھے پتہ نہیں چلتا کہ اب میں کیا کروں؟ پھر نماز کی کتاب اٹھا کر دیکھنی پڑھتی ہے کہ میری نماز درست ہوئی یا نہیں؟ میرا تو یہ حال ہے، لیکن میں لوگوں کو دیکھتا ہوں کہ ساری عمر نماز پڑھتے چلے جارہے ہیں اور کبھی کسی وقت دل میں یہ سوال ہی پیدا نہیں ہوتا کہ میری نماز سنت کے مطابق ہوئی یا نہیں؟ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کے طریقے کے مطابق ہوئی یا نہیں؟ کبھی ذہن میں یہ سوال ہی پیدا نہیں ہوتا۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ ہمارے ذہنوں میں اس بات کی اہمیت ہی نہیں کہ اپنی نمازوں کو سنت کے مطابق بنائیں۔ اس لئے یہ ضروری ہے کہ آدمی سب سے پہلے نماز کا طریقہ درست کرے۔

نماز کے مقدمات میں سب سے پہلے اللہ تعالیٰ نے ’’طہارت‘‘ رکھی ہے ہر نماز کے لئے طہارت اور پاکی حاصل کرنا ضروری ہے۔ **مفتاح الصلوۃ الطھور.**

طہارت کا سلسلہ ''استنجاء'' سے شروع ہوتا ہے اور استنجاء کرنے کو واجب قرار دیا گیا ہے اور اس کے بارے میں یہ کہا گیا کہ انسان استنجاء کے وقت طہارت حاصل کرنے کا اچھی طرح اطمینان حاصل کرے اور اگر پیشاب کے بعد قطرے آنے کا خطرہ ہو تو اس وقت تک انسان فارغ نہ ہو جب تک قطرہ آنے کا خطرہ ہو۔

استنجا کے بعد وضو ہے

یہ وضو بھی بڑی عجیب وغریب چیز ہے، حدیث شریف میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جب انسان وضو کرتا ہے اور وضو میں اپنا چہرہ دھوتا ہے تو اس کے نتیجے میں آنکھوں سے کئے ہوئے تمام صغیرہ گناہ اللہ تعالیٰ دھو دیتے ہیں، اسی طرح جس وقت انسان ہاتھ دھوتا ہے تو اللہ تعالیٰ ہاتھوں سے کئے ہوئے صغیرہ گناہ دھو دیتے ہیں اور جس وقت وہ پاؤں دھوتا ہے تو اللہ تعالیٰ اس کے پاؤں سے کئے ہوئے گناہ معاف فرما دیتے ہیں۔ اور جو چار اعضاء وضوء میں دھوئے جاتے ہیں عام طور پر یہی چار اعضاء انسان کو گناہ کی طرف لے جاتے ہیں انہی اعضاء کے ذریعہ گناہ سرزد ہوتے ہیں، اللہ تعالیٰ نے یہ انتظام فرمایا کہ جب بندہ نماز کے لئے میرے دربار میں حاضر ہو تو اس سے پہلے وہ گناہوں سے پاک ہو چکا ہو، اس کے ہاتھ، اس کا چہرہ، اس کے پاؤں گناہوں سے پاک ہو گئے ہوں۔

لیکن ہماری غلطی سب سے پہلے وضو سے شروع ہوتی ہے، جب ہم وضو کرنے بیٹھے تو دنیا کے سارے خرافات وضو کے دوران چلتے رہتے ہیں۔ بات چیت ہو رہی ہے، گپ شپ ہو رہی ہے۔ ہواس باختہ حالت میں وضو کر رہے ہیں، بس جلدی میں اپنا فرض نبھایا اور فارغ ہو گئے اس کا نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ اس وضو کے فوائد وثمرات حاصل نہیں ہوتے۔ ان چیزوں کا خاص خیال رکھنا چاہیے۔

قبولیت نماز کی نشانی

فرمایا: حضرت حاجی امداد اللہ مہاجر مکی رحمہ اللہ نے فرمایا: کہ اگر ایک حاضری میں بادشاہ ناراض ہو جائے تو کیا دوسری حاضری میں وہ دربار میں گھسنے دے گا؟ ہرگز نہیں۔

بس جب تم ایک مرتبہ نماز کے لئے مسجد میں آ گئے اس کے بعد پھر توفیق ہوئی تو سمجھ لو کہ پہلی نماز قبول ہو گئی اور تم مقبول ہو۔ (ملفوظ حضرت تھانویؒ بحوالہ انمول خزانہ)

نماز کا تیسرا مقدمہ یہ ہے کہ جب وضو کر کے مسجد میں آؤ تو مسجد میں جماعت سے کچھ دیر پہلے پہنچ جاؤ اور تحیۃ المسجد اور تحیۃ الوضوء کی نیت سے دو رکعت ادا کرو، یہ دو رکعت واجب یا سنت مؤکدہ نہیں ہیں۔ لیکن بڑی فضیلت والی ہیں۔

ہر وضو کے بعد دو رکعت نفل پڑھنے میں دو منٹ خرچ ہوتے ہیں۔ لیکن اللہ تعالیٰ نے اس کی وجہ سے اتنی بڑی فضیلت عطا فرمائی اور مسجد میں داخل ہونے کے بعد بیٹھنے سے پہلے دو رکعت تحیۃ المسجد پڑھنا افضل ہے، البتہ اگر آدمی بھول کر بیٹھ گیا اور بعد میں یاد آیا تو اس وقت پڑھ لے۔ اس میں بھی کوئی حرج نہیں۔ لیکن افضل یہ ہے کہ بیٹھنے سے پہلے پڑھ لے۔ یہ نماز کی تیسری تمہید ہے۔

نماز کا چوتھا مقدمہ یہ ہے کہ ہر فرض نماز سے پہلے کچھ رکعتیں سنت مؤکدہ یا غیر مؤکدہ رکھی گئی ہیں۔ مثلاً فجر سے پہلے دو رکعتیں، ظہر سے پہلے چار رکعتیں سنت مؤکدہ ہیں اور عصر سے پہلے اور عشاء سے پہلے چار رکعت سنت غیر مؤکدہ رکھی گئی ہیں۔ مغرب کی نماز کو چونکہ جلدی پڑھنے کا حکم ہے اس لئے مغرب سے پہلے دو رکعت پڑھنے کی اتنی فضیلت نہیں ہے۔ لیکن بعض روایات میں اس وقت بھی دو رکعتیں ثابت ہیں۔ لہٰذا فرض نماز سے پہلے جو نمازیں پڑھی جا رہی ہیں وہ بھی مقدمات میں سے تمہید ہیں۔

چاروں مقدمات پر عمل کے بعد خشوع کا حصول

ان چاروں مقدمات سے گزرنے کے بعد جب فرض نماز میں شامل ہوگا تو اس کو وہ شکایت پیش نہیں آئے گی جو عام طور پر لوگوں کو پیش آتی ہے کہ جب ہم نماز کے لئے کھڑے ہوتے ہیں تو ہمارا دل کہیں ہوتا ہے اور دماغ کہیں ہوتا ہے اور حواس باختہ حالت میں نماز ادا ہوتی ہے۔ اذان اور فرض نماز کے درمیان جو پندرہ منٹ یا زیادہ کا وقفہ رکھا جاتا ہے یہ وقفہ اس لئے رکھا جاتا ہے تاکہ اس وقفہ کے دوران انسان یہ تمہیدات پوری کرے، یعنی اطمینان سے وضو کرے، پھر تحیۃ الوضوء اور تحیۃ المسجد

اطمینان سے ادا کرے اور پھر سنتیں ادا کرے۔ ان سب تمہیدات کے بعد جب فرض نماز کے لئے کھڑا ہوگا تو ان شاء اللہ تعالیٰ خشوع، یکسوئی اور اللہ تعالیٰ کی طرف توجہ حاصل ہوگی۔ ان تمہیدات میں چند منٹ صرف ہوتے ہیں۔ لیکن ان کی وجہ سے ہماری نمازیں درست ہو جائیں گی اور اس کے نتیجے میں صلاح فلاح حاصل ہو جائے گی۔

ان تمہیدات کو انجام دینے کے بعد پھر بھی فرض نماز میں خیالات آتے ہیں تو اس صورت میں بالکل گھبرانا نہیں چاہئے۔ اگر وہ خیالات غیر اختیاری طور پر آرہے ہیں تو اللہ تعالیٰ کے یہاں معاف ہیں۔ بعض لوگ ان خیالات کی وجہ سے اس نماز کی ناقدری کرنا شروع کر دیتے ہیں، چنانچہ بہت سے لوگ یہ کہتے ہیں کہ ہماری نماز کیا ہے؟ ہم تو ٹکریں مارتے ہیں، بہت سے لوگ یہ کہتے ہیں کہ ہماری نماز بالکل بیکار ہے۔ اس لئے کہ اس میں تو خیالات بہت آتے ہیں اور خشوع بالکل نہیں ہوتا۔

یاد رکھئے! یہ سب ناقدری کی باتیں ہیں اور اللہ تعالیٰ کو یہ باتیں پسند نہیں ارے یہ تو دیکھو کہ اللہ تعالیٰ کے فضل و کرم سے نماز پڑھنے کی توفیق تو ہوئی، بارگاہ الٰہی میں سجدہ ریز ہونے کی توفیق تو ملی، پہلے اس توفیق اور نعمت پر شکر ادا کرو کہ ان کے دربار میں آکر نماز ادا کر لی نہ جانے کتنے لوگ ہیں جو اس نعمت سے محروم ہیں، اگر ہم بھی محروم ہو گئے ہوتے تو کتنی بڑی محرومی کی بات ہوتی۔ اللہ تعالیٰ نے حاضری کی جو توفیق عطا فرمادی یہ کوئی معمولی نعمت نہیں۔

قبول ہو کہ نہ ہو پھر بھی ایک نعمت ہے
وہ سجدہ جس کو تیرے آستاں سے نسبت ہے

تیرے آستانے پر سر ٹیکنے کا ایک ظاہری موقع جو مل گیا یہ بھی بہت بڑی نعمت ہے لہٰذا اس پر شکر ادا کرو۔ البتہ اپنی طرف سے جو کوتاہی ہوئی ہے اور خشوع حاصل نہیں ہوا، خیالات آتے رہے اس پر استغفار کرو۔

نیت کا مطلب: نیت نام ہے دل کے ارادہ کرنے کا، بس آگے زبان سے نیت کرنا کوئی ضروری نہیں۔ چنانچہ آج بہت سے لوگ نیت کے خاص الفاظ زبان سے ادا کرنے کو ضروری سمجھتے ہیں مثلاً چار رکعت نماز فرض، وقت ظہر کا، منہ میرا کعبہ شریف کی طرف،

پیچھے پیش امام کے، واسطے اللہ تعالیٰ کے اللہ اکبر۔ زبان سے یہ نیت کرنے کو لوگوں نے فرض و واجب سمجھ لیا ہے، گویا اگر کسی نے یہ الفاظ نہ کہے تو اس کی نماز ہی نہیں ہوئی۔ یہاں تک دیکھا گیا کہ امام صاحب رکوع میں ہیں، مگر وہ صاحب اپنی نیت کے تمام الفاظ ادا کرنے میں مصروف ہیں اور اس کے نتیجے میں رکعت بھی چلی جاتی ہے، حالانکہ یہ الفاظ زبان سے ادا کرنا کوئی ضروری اور فرض و واجب نہیں، جب دل میں یہ ارادہ ہے کہ فلاں نماز امام صاحب کے پیچھے پڑھ رہا ہوں، بس یہ ارادہ کافی ہے۔

تکبیر تحریمہ کے وقت ہاتھ اٹھانے کا طریقہ

اسی طرح جب تکبیر تحریمہ کہتے وقت ہاتھ کانوں تک اٹھاتے ہیں تو اس کی کوئی پرواہ نہیں ہوتی کہ ان کو سنت کے مطابق اٹھائیں، سنت طریقہ یہ ہے کہ ہتھیلی کا رُخ قبلہ کی طرف ہو اور انگوٹھوں کے سرے کانوں کی لو کے برابر آجائیں، یہ صحیح طریقہ ہے۔

ہاتھ باندھنے کا صحیح طریقہ

اسی طرح ہاتھ باندھنے کا معاملہ ہے، سنت طریقہ یہ ہے کہ آدمی اپنے داھنے ہاتھ کی چھوٹی انگلی اور انگوٹھے کا حلقہ بنا کر پہنچے کو پکڑ لے اور درمیان کی تین انگلیاں بائیں ہاتھ کی کلائی پر رکھ لے اور ناف کے ذرا نیچے ہاتھ باندھ لے۔ یہ مسنون طریقہ۔ اس طریقے پر عمل کرنے سے سنت کی برکت بھی حاصل ہوگی اور نور بھی حاصل ہوگا، اگر اس طریقے کے خلاف ویسے ہی ہاتھ پر ہاتھ رکھ دو گے تو کوئی مفتی یہ نہیں کہے گا کہ نماز نہیں ہوئی، نماز درست ہو جائے گی، لیکن سنت کے طریقے پر عمل نہ ہوگا، بس ذرا سی توجہ اور دھیان کی بات ہے۔

قرأت کا صحیح طریقہ

ہاتھ باندھنے کے بعد ثنا "سُبحَانَکَ اللّٰھُمَّ" پڑھے، پھر سورۃ فاتحہ پڑھے اور سورۃ پڑھے۔ ایک نمازی یہ سب چیزیں نماز میں پڑھ تو لیتا ہے لیکن اردو لہجہ میں پڑھتا ہے، یعنی اس کا لب ولہجہ اور اس کی ادائیگی سنت کے مطابق نہیں ہوتی صحیح طریقہ یہ ہے کہ قرآن

کریم کو تجوید کے ساتھ اور اس کے ہر حرف کو اس کے صحیح مخرج سے ادا کیا جائے۔ لوگ یہ سمجھتے ہیں کہ تجوید اور قرأت سیکھنا بڑا مشکل کام ہے، حالانکہ اس کا سیکھنا کچھ مشکل نہیں، کیونکہ قرآن کریم میں جو حروف استعمال ہوئے ہیں، وہ کل ۲۹ حروف ہیں اور ان میں سے اکثر حروف ایسے ہیں جو اردو میں بھی استعمال ہوتے ہیں، ان کو صحیح طور پر ادا کرنا تو بہت آسان ہے، البتہ صرف آٹھ دس حروف ایسے ہیں جن کی مشق کرنی ہوگی، مثلاً یہ کہ ''ث'' کس طرح ادا کیا جائے۔ ''ح'' کس طرح ادا کی جائے اور ''ض'' اور ''ظ'' میں کیا فرق ہے۔ اگر آدمی ان چند حروف کی کسی اچھے قاری سے مشق کرلے کہ جب ''ح'' ادا کرے تو ''ہ'' زبان سے نہ نکلے، کیونکہ ہمارے یہاں ''ح'' اور ''ہ'' کی ادائیگی میں فرق نہیں کیا جاتا، لیکن عربی زبان میں دونوں کے درمیان بڑا فرق ہے، بعض اوقات ایک کو دوسرے کی جگہ پڑھ لینے سے معنی بدل جاتے ہیں۔ اس لئے ان حروف کی مشق کرنا ضروری ہے۔

خلاصہ: اپنے محلے کی مسجد کے امام صاحب یا قاری صاحب کے پاس جا کر چند دن تک مشق کرلیں گے تو ان شاء اللہ تمام حروف کی ادائیگی درست ہوجائیگی اور نماز سنت کے مطابق ہوجائیگی۔

رکوع کا مسنون طریقہ

جب آدمی رکوع میں جائے تو اس کی کمر سیدھی ہوجائے، اور ہاتھ کی انگلیوں کو کھول کر گھٹنے پکڑ لینے چاہئیں، اور گھٹنے بھی سیدھے ہونے چاہئیں اس میں بھی خم نہ ہو، اور ڈھیلے ڈھالے نہ ہوں، بلکہ کسے ہوئے ہوں، یہ رکوع کا سنت طریقہ ہے۔

''قومہ'' کا مسنون طریقہ

رکوع کے بعد جب آدمی '' سمع اللہ لمن حمدہ '' کہتے ہوئے کھڑا ہوتا ہے، اس کو ''قومہ'' کہا جاتا ہے اس قومہ کی ایک سنت آج کل چھوٹ گئی ہے، وہ یہ کہ اس قومہ میں بھی آدمی کو کچھ دیر کھڑا ہونا چاہئے، یہ نہیں کہ ابھی پوری طرح کھڑے بھی نہ ہونے پائے تھے کہ سجدے میں چلے گئے۔

''قومہ'' کی دعا

حدیث شریف میں آتا ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم قومہ میں یہ الفاظ پڑھا کرتے تھے۔

رَبَّنَا لَکَ الْحَمْدُ حَمْداً کَثِیْراً طَیِّباً مُبَارَکاً فِیْهِ کَمَا یُحِبُّ رَبُّنَا وَیَرْضٰی

ایک صاحب کی نماز کا واقعہ

حدیث شریف میں آتا ہے کہ ایک مرتبہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم مسجد نبوی میں تشریف فرما تھے، ایک صاحب آئے اور مسجد نبوی میں نماز پڑھنی شروع کردی، لیکن نماز اس طرح پڑھی کہ رکوع میں گئے تو ذرا سا اشارہ کر کے کھڑے ہو گئے اور قومہ میں ذرا سے اشارہ کر کے سجدہ میں چلے گئے اور سجدہ میں گئے تو ذرا سی دیر میں سجدہ کر کے کھڑے ہو گئے۔ اس طرح انہوں نے جلد جلد ارکان ادا کر کے نماز مکمل کر لی، اور پھر حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہو کر سلام عرض کیا، جواب میں حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

کہ کھڑے ہو کر نماز پڑھو، اس لئے کہ تم نے نماز نہیں پڑھی۔ وہ صاحب اٹھ کر گئے اور دوبارہ نماز پڑھی۔ لیکن دوبارہ بھی اسی طرح نماز پڑھی جس طرح پہلی مرتبہ پڑھی تھی، اس لئے کہ ان کو اسی طرح پڑھنے کی عادت پڑی ہوئی تھی، نماز پڑھنے کے بعد پھر حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئے اور آکر سلام کیا، آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے سلام کا جواب دیا اور فرمایا کہ:

جاؤ نماز پڑھو کیونکہ تم نے نماز نہیں پڑھی۔ تیسری مرتبہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے پھر ان سے یہی بات ارشاد فرمائی تو ان صاحب نے عرض کیا کہ یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم! آپ مجھے بتا دیجئے کہ میں نے کیا غلطی کی ہے، اور مجھے کس طرح نماز پڑھنی چاہئے؟ اس کے بعد حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کو نماز کا صحیح طریقہ بتایا۔

اطمینان سے نماز ادا کرو

بہر حال! ایک طرف حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کو ان کی طلب کا انتظار تھا کہ جب ان کے اندر طلب پیدا ہو تو ان کو بتایا جائے۔ دوسری طرف یہ بات تھی کہ آپ نے سوچا کہ جب یہ دو

تین مرتبہ نماز دھرائیں گے اور اس کے بعد نماز کا صحیح طریقہ سیکھیں گے تو وہ طریقہ دل میں زیادہ پیوست ہوگا اور اس بتانے کی اہمیت زیادہ ہوگی۔ اس لئے آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے تین مرتبہ ان کو نماز پڑھنے کا حکم دیا، اس کے بعد حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کو نماز کی تعلیم دی۔

نماز واجب الاعادہ ہوگی

اس حدیث میں حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے ان صاحب سے فرمایا کہ جاؤ نماز پڑھو کیونکہ تم نے نماز نہیں پڑھی۔ اس کا مطلب یہ ہے کہ اگر رکوع میں یا قومہ میں یا سجدہ میں اس قسم کی کوتاہی رہ جائے تو نماز واجب الاعادہ ہوگی۔ لہٰذا اگر رکوع کے اندر کمر سیدھی نہیں ہوئی، یا قومہ کے اندر کمر سیدھی نہیں ہوئی اور بس اشارہ کر کے آدمی اگلے رکن میں چلا گیا جیسا کہ بہت سے لوگ کرتے ہیں تو اس حدیث کی رو سے نماز واجب الاعادہ ہے۔ اس لئے اس کا بہت اہتمام کرنا چاہئے اور بہتر یہ ہے کہ قومہ میں بھی اتنا ہی وقت لگائے جتنا وقت رکوع میں لگایا ہے۔

قومہ کا ایک ادب

ایک صحابی رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ بعض مرتبہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو ہم نے دیکھا کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم رکوع سے قومہ میں کھڑے ہوئے تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم اتنی دیر کھڑے رہے کہ ہمیں یہ خیال ہونے لگا کہ کہیں آپ صلی اللہ علیہ وسلم بھول تو نہیں گئے کیونکہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے رکوع لمبا فرمایا تھا اس لئے قومہ بھی لمبا فرمایا اور اس کے بعد آپ صلی اللہ علیہ وسلم سجدے میں گئے۔ یہ قومہ کا ادب ہے۔

سجدہ میں جانے کا طریقہ

سجدہ میں جانے کا طریقہ یہ ہے آدمی سیدھا سجدے میں جائے، یعنی سجدے میں جاتے وقت کمر کو پہلے سے نہ جھکائے جب تک گھٹنے زمین پر نہ ٹکیں اس وقت تک اوپر کا بدن بالکل سیدھا رہے، البتہ جب گھٹنے زمین پر رکھ دے اس کے بعد اوپر کا بدن آگے کی طرف جھکاتے ہوئے سجدے میں چلا جائے، یہ طریقہ زیادہ بہتر ہے۔

سجدہ میں جانے کی ترتیب

سجدہ میں جانے کی ترتیب یہ ہے کہ پہلے گھٹنے زمین پر لگنے چاہئیں، اس کے بعد ہتھیلیاں، اس کے بعد ناک اس کے بعد پیشانی زمین پر ٹکنی چاہئے۔

اور سجدہ کرتے وقت یہ سب اعضاء بھی سجدے میں جاتے ہیں، لہٰذا سجدہ دو ہاتھ، دو گھٹنے، دو پاؤں، ناک اور پیشانی یہ سب اعضاء سجدے میں جانے چاہئیں اور زمین پر ٹکنے چاہئیں۔ بکثرت لوگ سجدے میں پاؤں زمین پر نہیں ٹیکتے، پاؤں کی انگلیاں اوپر رہتی ہیں اگر پورے سجدے میں ایک لمحہ کے لئے بھی انگلیاں زمین پر نہ ٹکیں تو سجدہ ہی نہیں ہوگا اور نماز فاسد ہو جائے گی البتہ اگر ایک لمحہ کے لئے بھی ''سبحان اللہ'' کہنے کے بقدر انگلیاں زمین پر ٹک گئیں تو سجدہ اور نماز ہو جائے گی، لیکن سنت کے خلاف ہوگی۔ کیونکہ سنت یہ ہے کہ پورے سجدے میں دونوں پاؤں کی انگلیاں زمین پر ٹکی ہوئی ہوں، اور ان انگلیوں کا رخ بھی قبلہ کی طرف ہونا چاہئے۔

نماز مؤمن کی معراج ہے

نماز مؤمنین کی معراج ہے۔ کیونکہ ہمارے اور آپکے بس میں یہ تو نہیں ہے کہ ساتوں آسمانوں کو عبور کر کے ملأ اعلیٰ میں پہنچ جائیں اور سدرۃ المنتہیٰ تک پہنچیں۔ لیکن سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم کے صدقے میں ہر مؤمن کو یہ معراج عطا ہوگئی کہ سجدے میں جاؤ اور اللہ تعالیٰ کے قریب ہو جاؤ۔ لہٰذا یہ سجدہ معمولی چیز نہیں۔ اسلئے اس کو قدر سے کرو۔

سجدہ میں کہنیاں کھولنا

سجدہ میں تمہارے اعضاء، اسی طرح ہونے چاہئیں جس طرح نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے ہوا کرتے تھے، وہ اس طرح کہ کہنیاں پہلو سے جدا ہوں۔ البتہ کہنیاں پہلو سے الگ ہونے کے نتیجے میں برابر والے نمازی کو تکلیف نہ ہو۔ اور سجدہ میں کم از کم تین مرتبہ ''سبحان ربی الاعلیٰ'' کہے، زیادہ کی توفیق ہو تو پانچ مرتبہ، سات مرتبہ، گیارہ مرتبہ کہے، اور محبت، عظمت اور قدر سے یہ تسبیح پڑھے۔

جلسہ کی کیفیت

جلسہ (دونوں سجدوں کے درمیان بیٹھنا) میں کچھ دیر اطمینان سے بیٹھنا چاہئے، یہ نہ کریں کہ بیٹھتے ہی فوراً دوبارہ سجدے میں چلے گئے۔

اخلاص حاصل کرنے کا طریقہ

اخلاص یہ ہے کہ کوئی غرض نفسانی نہ ہو صرف رضاء حق مطلوب ہو اور اس کے حاصل کرنے کا طریقہ یہ ہے کہ جب کوئی کام کرنا ہو تو پہلے یہ دیکھ لیجئے کہ میں یہ کام کیوں کرتا ہوں اگر کوئی بات فاسد نظر آئے تو اسے قلب سے نکال ڈالے اور نیت خالص خدا کے لئے کرنی چاہئے۔ (ملفوظ حکیم الامت تھانویؒ بحوالہ دوائے دل)

رکوع اور سجدہ میں ہاتھوں کی انگلیاں

جب آدمی رکوع میں ہو تو ہاتھ کی انگلیاں کھلی ہونی چاہئیں' اور گھٹنوں کو انگلیوں سے پکڑ لینا چاہئے اور سجدہ کی حالت میں مسنون یہ ہے کہ ہاتھوں کی انگلیاں بند ہوں اور ہاتھ اس طرح رکھے جائیں کہ چہرہ ہاتھوں کے درمیان آجائے اور ہتھیلیاں کندھوں کے قریب ہوں انگوٹھے کانوں کی لو کے سامنے ہوں اور کہنیاں پہلو سے علیحدہ ہوں' ملی ہوئی نہ ہوں۔

التحیات میں بیٹھنے کا طریقہ

جب آدمی التحیات میں بیٹھے تو التحیات میں بیٹھتے وقت دایاں پاؤں کھڑا ہو اور اس پاؤں کی انگلیوں کا رخ قبلے کی طرف ہو اور بایاں پاؤں بچھا کر آدمی اس کے اوپر بیٹھ جائے۔ اور ہاتھ کی انگلیاں رانوں پر اس طرح رکھی ہوئی ہوں کہ ان کا آخری سر گھٹنوں پر آرہا ہو۔ انگلیوں کو گھٹنوں سے نیچے لٹکانا اچھا نہیں ہے۔

سلام پھیرنے کا طریقہ

سلام پھیرنے کا صحیح طریقہ یہ ہے کہ جب دائیں طرف سلام پھیرے تو پوری گردن دائیں طرف موڑ لی جائے اور اپنے کندھوں کی طرف نظر کی جائے اور بائیں طرف سلام پھیرتے وقت پوری گردن بائیں طرف پھیر دی جائے اور بائیں کندھوں کی طرف نظر کی جائے یہ چند چھوٹی چھوٹی باتیں ہیں۔ اگر ان باتوں کا خیال کر لیا جائے تو نماز سنت کے مطابق ہو جاتی ہے اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی سنت کی اتباع کا نور حاصل ہو جاتا ہے۔ اس کی برکات حاصلہ ہوتی ہیں اور اس کے ذریعہ نماز کے اندر خشوع حاصل ہونے میں بھی مدد ملتی ہے۔ اور ان باتوں میں زیادہ وقت لگتا ہے نہ زیادہ محنت صرف ہوتی ہے' نہ پیسہ خرچ ہوتا ہے لیکن اس کے نتیجے میں نماز سنت کے مطابق ہو جاتی ہے۔ اللہ تعالیٰ ہم سب کو اس کی توفیق عطا فرما دے۔ آمین۔

ہر چیز اللہ تعالیٰ کے وجود پر دلالت کر رہی ہے

لہٰذا جب آدمی نماز کے لئے کھڑا ہوا ہو تو اس وقت اس بات کا تصور کرے کہ میرے سامنے جتنی چیزیں ہیں وہ سب اللہ جل شانہ کی ذات کی طرف اشارہ کر رہی ہیں ۔ یہ روشنی جو نظر آ رہی ہے اس کے پیچھے سورج ہے' لیکن سورج کے پیچھے کون ہے؟ سورج کس نے پیدا کیا؟ اور اس کے اندر روشنی کس نے رکھی؟ یہ سب اللہ تعالیٰ کی خالقیت اور وجود پر دلالت کر رہی ہیں۔ لہٰذا نماز کے اندر آدمی یہ تصور باندھے کہ میں اللہ تعالیٰ کے سامنے کھڑا ہوں' اور اللہ جل جلالہ مجھے دیکھ رہے ہیں اور اللہ جل جلالہ کے میرے سامنے ہونے کا ایسا یقین ہے جیسا کہ اللہ تعالیٰ کو آنکھوں سے دیکھ رہا ہوں' یہ تصور جما کر نماز پڑھ کر دیکھو کہ کیا کیفیت ہوتی ہے۔ اللہ تعالیٰ ہر مسلمان کو یہ کیفیت فرما دے۔ آمین۔ اس لئے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اس طرح نماز پڑھو کہ گویا کہ تم اللہ کو دیکھ رہے ہو۔ اگر تم اللہ کو نہیں دیکھ رہے ہو تو وہ اللہ تمہیں دیکھ رہا ہے۔

خشوع کی پہلی سیڑھی

اگر خشوع حاصل کرنا ہے تو پہلا کام یہ کرو کہ جب نماز پڑھنا شروع کرو تو زبان سے جو الفاظ ادا کر رہے ہو دھیان اس کی طرف ہو،انسان کی خاصیت یہ ہے کہ ایک غیر مرئی چیز جو آنکھوں سے نظر نہیں آ رہی ہے اس کی طرف دھیان جمانا شروع میں دشوار ہوتا ہے لیکن حضرت تھانوی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ خشوع حاصل کرنے کی پہلی سیڑھی یہ ہے کہ الفاظ کی طرف دھیان جماؤ۔

خشوع کی دوسری سیڑھی

دوسری سیڑھی یہ ہے کہ ان الفاظ کے معنی کی طرف دھیان کرو، جس وقت زبان سے ''اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ رَبِّ الْعٰلَمِیْنَ '' ادا کیا تو اس کے معنی کی طرف دھیان کرو تمام تعریفیں اس اللہ کے لئے ہیں جو رب العالمین ہے اور ان الفاظ کے ذریعہ میں اللہ جل شانہ کی تعریف کر رہا ہوں۔ جب ''اَلرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ '' ادا کرو تو اس وقت دل میں اللہ تعالیٰ کی صفت رحمت کا تصور دل میں ہو کہ اللہ تعالیٰ رحمٰن بھی ہیں اور رحیم بھی ہیں۔ جس وقت ''مٰلِکِ یَوْمِ الدِّیْنِ '' ادا کرو اس وقت یہ دھیان کرو میں اللہ جل شانہ کو قیامت کے دن کا مالک قرار دے رہا ہوں۔ جس وقت ''اِیَّاکَ نَعْبُدُ وَاِیَّاکَ نَسْتَعِیْنُ '' زبان سے ادا کرو اس وقت اس کے معنی کو ذہن میں لائے کہ اے اللہ! ہم تیری ہی عبادت کرتے ہیں اور تجھ ہی سے مدد چاہتے ہیں اور جس وقت ''اِھْدِنَا الصِّرَاطَ الْمُسْتَقِیْمَ '' کہا اس وقت یہ معنی ذہن میں مستحضر کرے کہ میں اللہ تعالیٰ سے دعا کر رہا ہوں کہ اے اللہ! مجھے صراط مستقیم عطا فرمادے، جس وقت ''صِرَاطَ الَّذِیْنَ اَنْعَمْتَ عَلَیْھِمْ ۙ غَیْرِ الْمَغْضُوْبِ عَلَیْھِمْ وَلَاالضَّآلِّیْنَ '' اس وقت یہ معنی ذہن میں لائے کہ اے اللہ! مجھے ان لوگوں کا راستہ دکھادے جس پر آپ نے انعام فرمایا، اور ان لوگوں کا راستہ مجھے نہیں چاہئے جن پر آپ کا غضب ہوا۔ اور جو گمراہ ہوئے۔

لہٰذا پہلے الفاظ کی طرف دھیان کرے، پھر معنی کی طرف دھیان کرے، بہر حال! اپنی طرف سے نماز کے اندر اس بات کی کوشش کی جائے کہ دھیان ان چیزوں کی طرف رہے۔ جب ان چیزوں کی طرف دھیان رہے گا تو پھر جو ادھر ادھر کے خیالات آتے ہیں وہ انشاءاللہ ختم ہوجائیں گے۔

نماز میں خیالات آنے کی بڑی وجہ

پھر یہ بھی عرض کردوں کہ جو دوسرے خیالات آتے ہیں اس کی بہت بڑی وجہ یہ بھی ہوتی ہے کہ ہم وضو ڈھنگ سے نہیں کرتے، سنت کے مطابق نہیں کرتے، حواس باختہ حالت میں ادھر ادھر باتیں کرتے ہوئے وضو کرلیا۔ آدمی اطمینان سے وضو کرکے ایسے وقت میں مسجد میں آئے جبکہ نماز کھڑی ہونے میں کچھ وقت ہو اور مسجد میں آکر آدمی پہلے سنت اور نفل ادا کرلے کیونکہ یہ سنت اور نفل جو نماز سے پہلے رکھی گئی ہے، یہ درحقیقت فرض نماز کی تمہید ہیں تاکہ فرض نماز سے پہلے ہی اس کا دھیان اللہ تعالیٰ کی طرف ہو جائے اور اِدھر اُدھر کے خیالات آنا بند ہو جائیں۔ ان سب آداب کا لحاظ کرکے آدمی نماز پڑھے گا تو پھر دوسرے خیالات نہیں آئیں گے۔

خشوع حاصل کرنے کیلئے مشق اور محنت

یاد رکھیے اس دنیا کے اندر کوئی بھی مقصد بغیر محنت اور مشق کے حاصل نہیں ہو سکتا، جو کام بھی کرنا ہو اس کے لئے مشق کرنی پڑتی ہے۔ اسی طرح خشوع حاصل کرنے کے لئے کچھ محنت اور مشق کرنی پڑتی ہے۔ وہ مشق یہ ہے کہ انسان یہ ارادہ کرلے کہ جب نماز پڑھیں گے تو اپنا دھیان ان الفاظ کی طرف رکھیں گے جو الفاظ زبان سے ادا کر رہے ہیں اور اگر ذہن بھٹکے گا تو دوبارہ ان الفاظ کی طرف واپس آجائیں گے، پھر بھٹکے گا تو پھر واپس آجائیں گے، جتنی مرتبہ بھٹکے گا اتنی مرتبہ واپس آئیں گے۔

تیسری سیڑھی اللہ تعالیٰ کا دھیان

جب یہ بات حاصل ہو جائے تو اس کے بعد تیسری سیڑھی پر قدم رکھنا ہے وہ تیسری سیڑھی یہ ہے کہ نماز کے اندر اس بات کا دھیان ہو کہ میں اللہ تعالیٰ کے سامنے کھڑا ہوں اور جب یہ دھیان حاصل ہو جائے گا تو بس مقصد حاصل ہے۔ انشاء اللہ۔ یہ ہے خلاصہ خشوع حاصل کرنے کا جس کی طرف قرآن کریم نے اس آیت میں ارشاد فرمایا:

قَدْ اَفْلَحَ الْمُؤْمِنُوْنَ . اَلَّذِيْنَ هُمْ فِيْ صَلَاتِهِمْ خٰشِعُوْنَ

یعنی وہ مؤمن جو اپنی نماز میں خشوع اختیار کرنیوالے ہیں، وہ فلاح یافتہ ہیں۔ ہم نے ان کو دنیا و آخرت میں فلاح دے دی۔ اللہ تعالیٰ اپنے فضل و کرم سے اپنی رحمت سے ہم سب کو اس پر عمل کرنے کی توفیق عطا فرمائے اور ہماری نمازوں میں خشوع پیدا فرمادے، اور اللہ تعالیٰ ہمارے دھیان کو مجتمع فرمادے، اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی سنت کے مطابق نماز پڑھنے کی توفیق عطا فرمادے۔ آمین۔ (اصلاحی خطبات سے انتخاب)

نماز میں خواتین کی غفلت... نماز اپنے وقت پر

جو خواتین نماز پڑھتی ہیں وہ عموماً وقت پر نہیں پڑھتیں۔ دیر سے پڑھتی ہیں۔ ایک بار میں مدینۃ الرسول صلی اللہ علیہ وسلم کے ائیر پورٹ پر بیٹھا ہوا تھا۔ وہاں سے سوار ہونا تھا۔ میرے پیچھے جو کرسیوں کی قطار تھی ان پر ایک مرد اور اس کے ساتھ ایک خاتون بیٹھی تھی۔ وہ خاتون بار بار بہت افسوس سے یہ کہہ رہی تھی "ہم نے اب تک عصر کی نماز نہیں پڑھی" یہ سُن کر میرے دل پر ایک چوٹ لگی کہ یا اللہ! تمام خواتین کو ایسا دل عطا فرمادے۔ لہٰذا بلاوجہ زیادہ تاخیر کرنا سستی و غفلت کی علامت ہے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے نماز دیر سے پڑھنے کو منافق کی علامت قرار دیا ہے۔

غرض جیسے ہی اذان ہو خواتین کو چاہیے کہ فوراً نماز شروع کردیں۔ کیونکہ یہ خطرہ ہے کہ اگر کام میں لگ گئیں نماز یاد ہی نہیں رہی اور ادھر وقت نکل گیا۔

اذان کا احترام

جیسے اذان شروع ہو فوراً خاموش ہو جائے حتیٰ کہ اگر تلاوت میں مشغول ہیں۔ تو تلاوت بھی چھوڑ دیجئے۔ بچپن میں خواتین کو دیکھا کہ اگر کسی خاتون کے سر سے ڈوپٹہ سرک گیا تو اذان کی آواز سنتے ہی فوراً سر ڈھانپ لیتیں۔ اذان کے دوران اگر کوئی بچہ بولا یا کسی نے بات شروع کی تو ہر طرف سے آوازیں شروع ہو جاتیں۔ خاموش! خاموش، اذان ہو رہی ہے۔ مگر آج کیا حالت ہے سب کو معلوم ہے۔ کچھ معلوم نہیں اذان کب شروع ہوئی کب ختم ہوئی۔

پاکی کے فوراً بعد نماز

ایک مسئلہ خواتین کا یہ ہے کہ ماہواری ختم ہونے کے بعد فوراً نماز شروع نہ کرنے کا ہے۔ ماہواری ختم ہونے کے بعد کب نماز فرض ہوتی ہے اس بارے میں بڑی غفلت پائی جاتی ہے دوسرے عورتوں نے مشہور کر رکھا ہے کہ ولادت کے بعد چالیس دن تک نماز معاف ہے۔ یہ بالکل غلط ہے۔ اگر چالیس روز سے پہلے ہی خون بند ہو گیا تو بند ہوتے ہی فوراً نماز فرض ہو گئی۔ یعنی زیادتی کی مدت تو چالیس دن ہے مگر کمی کی کوئی مدت نہیں۔ مہینہ، ہفتہ اور ایک دن بھی ہو سکتا ہے نیز اگر چالیس دن کے بعد بھی خون آتا رہا تو اس کا اعتبار نہیں۔ یہ بیماری کی وجہ سے ہے۔ جسے استحاضہ کہتے ہیں۔ اس دوران نماز پڑھنا فرض ہے۔ جبکہ بظاہر اچھی اچھی دیندار عورتیں بھی اس کوتاہی کا شکار ہیں خود کو نماز کا پابند سمجھتی ہیں مگر ایسے مواقع میں کئی نمازیں ضائع کر دیتی ہیں۔ اس کے ساتھ خواتین میں جو مرض ہے سَیلان الرحم۔ اس بارے میں خواتین یہی سمجھتی ہیں کہ اس سے وضو نہیں ٹوٹتا۔ خوب سمجھ لیں کہ یہ پانی نجس ہے۔ بہشتی زیور میں رطوبتِ فرج کی طہارت کے بارے میں جو اختلاف لکھا ہے وہ فرج کی مقامی رطوبت کے بارے میں ہے۔ جبکہ سیلان الرحم کا پانی اُوپر رحم سے اترتا ہے۔ وہ بالاتفاق نجس ہے۔ خواتین بہشتی زیور کے مسئلے کو صحیح طور پر نہ سمجھنے کی وجہ سے اپنی نمازیں ضائع کر رہی ہیں۔

باریک لباس میں نماز

اس بارے میں بھی عورتوں میں بہت غفلت پائی جاتی ہے ایسا لباس جس میں سے جسم کا رنگ نظر آتا ہو یا ایسی چادر جس میں سے بالوں کا رنگ نظر آتا ہو۔ اسے پہن کر نماز نہیں ہوتی۔ ایک لڑکی کا یہاں دارالافتاء سے اصلاحی تعلق ہے۔ اُس نے اپنے حالات میں بتایا کہ اس کی والدہ نماز کی پابند ہیں۔ لیکن جارجٹ کا باریک دوپٹہ اوڑھ کر نماز پڑھتی ہیں۔ اس نے اُنہیں بتایا کہ اس دوپٹے سے آپ کی نماز نہیں ہوگی۔ کیونکہ دوپٹے میں سے بالوں کا رنگ صاف نظر آتا ہے۔ اس کی والدہ نے موٹے کپڑے کا دوپٹہ بنالیا لیکن اس میں ہاتھ گٹوں تک نہیں ڈھکتے تھے۔ اس نے والدہ سے کہا کہ اس میں بھی آپ کی نماز نہیں ہوگی کیونکہ جتنا جسم نماز میں ڈھکنے کا حکم ہے وہ نہیں ڈھک رہا۔ بہرحال انہوں نے پھر نماز کیلئے موٹے کپڑے کی بڑی چادر بنالی۔

نماز میں جلدی

نماز سے اس قدر بے اعتنائی عام ہوگئی ہے کہ نماز پڑھتی بھی ہیں تو جلدی سے جلدی نمٹانے کی کوشش کرتی ہیں۔ جو نماز آہستہ قرأت سے پڑھ کر اتنی جلدی نمٹاتی ہیں۔ ذرا بلند آواز سے پڑھ کر سنائیں۔ کچھ پتہ تو چلے۔ بہرحال نماز اطمینان سے پڑھنا چاہیے۔

نماز میں ہاتھ ہلانا

نماز میں ہاتھ ہلانا بہت سخت گناہ ہے۔ اگر بلا ضرورت ایک بار ہاتھ ہلا دیا تو وہ مکروہ تحریمی ہے۔ یہ مرض بہت عام ہے۔ مدت العمر ایسی نمازیں پڑھتی رہیں ہیں۔ ایسی عادت ہوگئی ہے کہ پتا بھی نہیں چلتا۔ یہ سوچا کریں کہ کس کے دربار میں کھڑے ہیں۔ دنیا میں کسی چھوٹے سے چھوٹے دربار میں پہنچ جائیں تو ہمہ تن ایسے متوجہ ہوتے ہیں کہ کیا مجال ہے کہ ذرا بھی حرکت ہو جائے۔ اگر اللہ کی عظمت، اللہ کے دربار کی عظمت مسلمانوں کے دل میں ہوتی تو یہ کیسے بار بار ہاتھ ہلاتا۔

بچوں کو جب نماز سکھائی جاتی ہے تو اُنہیں یہ نہیں بتایا جاتا ہے کہ نماز میں حرکت نہ کریں اس وجہ سے ہاتھ ہلانے کی عادت پڑ جاتی ہے۔ لہٰذا جب بچوں کو نماز سکھائیں تو اُنہیں بتائیں کہ نماز کے دوران کسی عضو میں کسی قسم کی حرکت نہ ہونے پائے۔ اللہ تعالیٰ ہمیں نماز پورے آداب کے ساتھ ادا کرنے کی توفیق عطا فرمائے۔ آمین (خلاصہ وعظ حضرت مفتی رشید احمد صاحب رحمہ اللہ)

مخالف کے پیچھے نماز

حکیم الامت حضرت تھانوی رحمہ اللہ سے ایک صاحب نے دریافت کیا کہ کسی کو کسی کے ساتھ مخالفت ہے تو اس کے پیچھے نماز درست ہے یا نہیں؟

اس پر ارشاد فرمایا: ''حضرت عثمان رضی اللہ عنہ سے لوگوں نے پوچھا تھا کہ آپ سے جتنے لوگوں نے بغاوت کی ہے وہ لوگ نماز پڑھاتے ہیں، ہم ان کے پیچھے نماز پڑھیں یا نہیں؟ انہوں نے فرمایا ''نماز اچھی چیز ہے اچھے کام میں شریک رہو بُرے کام میں شریک مت ہو۔ آپ نے دلیل کیسی اچھی بیان کی پھر جب حضرت عثمانؓ کے بُرا کہنے والے کے پیچھے نماز ہو جاتی ہے خود حضرت عثمانؓ کے فتوے سے تو پھر اور لوگوں کے پیچھے کیوں نہ درست ہوگی''۔ (اشرف الاحکام)

نماز کی برکتیں

ایک بزرگ خاتون کا واقعہ

حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے زمانہ میں ایک عورت نیک بخت تھی اس نے آٹا گوندھ کر خمیری روٹی بنا کر تنور میں لگائی۔ چونکہ نماز کا وقت تنگ ہو رہا تھا۔ اس لئے اسی وقت اس نے نماز شروع کر دی۔ ایسے وقت ابلیس ملعون ایک عورت کی صورت بن کر اس کے پاس آ کر کہنے لگا کہ اری روٹی تنور میں جلی جاتی ہے مگر اس نیک بخت عورت نے اس کے کہنے کا کچھ خیال نہ کیا۔ اور نہایت خشوع و خضوع سے نماز پڑھتی رہی۔ جب ابلیس ملعون نے دیکھا کہ اس نے نماز نہیں توڑی اور میرا داؤ نہیں چلا تو اس نے ایک اور زبردست داؤ چلایا۔ وہ یہ کہ اس کا شیر خوار بچہ جو کھیل رہا تھا اس کو اٹھا کر تنور میں پھینک دیا۔ مگر اس پارسا نے نہ نماز کو توڑا اور نہ ہی اس کا دل خدا کی طرف سے ایک بال برابر پھرا۔ خدا کی شان دیکھو کہ اسی وقت اس عورت کا خاوند باہر سے آیا اور دیکھا کہ بچہ تنور میں کھیل رہا ہے اللہ تعالیٰ نے تنور کی آتش کو لعل و عقیق بنا دیا۔ جب یہ خبر حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو پہنچی تو اسی وقت آپ نے اس عورت کو بلا کر پوچھا کہ تو نے کونسا ایسا عمل کیا ہے جس کی برکت سے تجھے یہ کرامت ملی۔ اس نے کہا کہ میرا کوئی ایسا زبردست عمل تو نہیں ہے مگر ہاں ایک عمل کی میں بڑی پابند ہوں۔ وہ یہ ہے کہ جس وقت میرا وضو ٹوٹتا ہے اسی وقت پھر وضو کر لیتی ہوں شاید اس کی برکت سے اللہ تعالیٰ نے مجھ پر رحم کیا اور اس جانکاہ صدمہ سے محفوظ رکھا اور حق تعالیٰ نے مجھے یہ کرامت بخشی اور جو کوئی حاجت و مراد مجھ سے مانگے وہ بھی خدا تعالیٰ پوری کر دیتا ہے۔ کتاب طبقات میں لکھا ہے کہ خدا تعالیٰ فرماتا ہے اے موسیٰ! ہمیشہ وضو کے ساتھ رہ جس وقت بے وضو رہے گا اس وقت اگر بلا اور مصیبت تجھ کو پہنچے تو کسی کو ملامت نہ کر اپنے نفس کو ملامت کر کیونکہ بے وضو رہنے کے

سبب سے بلا و مصیبت پہنچتی ہے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت انس ؓ کو فرمایا: وضو سے ہمیشہ رہنے کی اگر قدرت ہو تو ہمیشہ وضو سے رہ۔ کیونکہ ملک الموت جس وقت بندے کی روح قبض کرتا ہے اور وہ بندہ اس وقت اگر وضو سے ہے تو اس کو شہید کا قرب ملتا ہے۔ (راہ جنت)

باجماعت نماز کی اہمیت

1 - حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: باجماعت نماز اکیلے کی نماز سے ۲۷ درجے (ثواب میں) زیادہ ہے۔ (بخاری و مسلم)

2 - نابینا صحابی حضرت عبداللہ ابن ام مکتوم رضی اللہ عنہ حضرت نبی کریم علیہ الصلوٰۃ والسلام کی خدمت میں حاضر ہو کر درخواست کرتے ہیں کہ مجھے مسجد نبوی لانے والا کوئی نہیں اس لئے مجھے گھر میں نماز پڑھنے کی اجازت دے دیجئے آپ ؐ نے اجازت دے دی پھر جب وہ جانے لگے تو بلا کر پوچھا کہ اذان کی آواز سنتے ہو؟ عرض کیا جی ہاں! فرمایا پھر تو مسجد میں آیا کرو (رواہ مسلم)

3 - دوسری روایت میں ہے کہ ان نابینا صحابی نے عرض کیا کہ مدینہ میں سانپ بچھو اور درندے بہت ہیں، میں نابینا ہوں، کیا مجھے اس کی اجازت ہے کہ میں گھر میں نماز پڑھ لیا کروں؟ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ تم حی علی الصلوٰۃ حی علی الفلاح سنتے ہو؟ عرض کیا جی ہاں! فرمایا: پھر مسجد آیا کرو۔ جب ایک معذور کو عذر کے باوجود جماعت کی نماز چھوڑنے کی اجازت نہ ملی تو تندرست کیسے گھر میں بلا جماعت نماز پڑھ سکتا ہے؟

نبی کریم علیہ الصلوٰۃ والسلام نے ساری عمر کبھی جماعت کو ترک نہ کیا، یہاں تک کہ مرض وفات میں بھی جب چلنے کی طاقت نہ تھی تب بھی آپ دو آدمیوں کے سہارے سے تشریف لے گئے اس وقت آپ ؐ میں اتنی طاقت نہ تھی کہ زمین سے پیر اٹھائیں۔ پیر گھسیٹے ہوئے مسجد تک اٹھائے۔

جماعت چھوڑنے پر وعید

1 - رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اس ذات کی قسم جس کے قبضہ میں میری جان ہے، میرا ارادہ ہوا کہ کسی کو لکڑیاں جمع کرنے کا حکم دوں جب لکڑیاں جمع ہو جائیں تو

اذان دلا کر کسی کو اپنی جگہ امامت کیلئے مقرر کر کے ان لوگوں کی طرف جاؤں جو بلا عذر باجماعت نماز کیلئے نہیں آتے اور گھروں سمیت ان کو جلا دوں۔ (بخاری ومسلم)

صفیں سیدھی رکھنے کی تاکید اور اس کا طریقہ

صف بالکل سیدھی بنا کر ایک دوسرے سے اس طرح مل کر کھڑے ہوں کہ درمیان میں بالکل فاصلہ نہ رہے۔

حضرت نعمان بن بشیر رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ نبی کریم علیہ الصلوٰۃ والسلام ہماری صفوں کو اس طرح برابر کیا کرتے تھے گویا ان کے ساتھ تیروں کو برابر کر رہے ہوں۔ یہاں تک کہ ہم صفوں کو سیدھا کرنا سیکھ گئے۔ ایک مرتبہ تکبیر شروع ہونے والی تھی کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم ایک صف کے قریب کھڑے ہوئے اور دیکھا کہ ایک شخص کا سینہ صف سے باہر نکلا ہوا ہے فرمایا: اے بندگان خدا! اپنی صفوں کو سیدھا کرو ورنہ اللہ تعالیٰ تمہارے دلوں میں اختلاف پیدا کر دے گا۔ (رواہ مسلم)

حضرت ابوامامہ باہلی رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی کریم علیہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا: اپنی صفوں کو برابر کرو اور کاندھوں کو کاندھوں کے برابر سیدھ میں رکھو اور اپنے بھائیوں کیلئے نرم ہو جاؤ (یعنی اگر تمہارے کاندھے پر کوئی ہاتھ رکھ کر صف سیدھا کرنا چاہے تو اس کا کہنا مانو) اور صف کے درمیان خلاء کو پر کر لیا کرو اس لئے کہ شیطان تمہارے درمیان بھیڑ کے چھوٹے بچے کی مانند آ گھستا ہے (رواہ احمد)

مذکورہ بالا دونوں احادیث سے جس طرح صفوں کو سیدھا رکھنے کی تاکید معلوم ہوئی اسی طرح یہ بھی معلوم ہوا کہ کاندھوں اور اسی طرح ٹخنوں کو برابر کرنے سے صف سیدھی ہو جائے گی۔

نماز میں ہماری غفلتیں

انداز تبلیغ: نئے لوگوں میں اور ناواقف لوگوں میں دین کی بات کہنے کے دو طریقے ہیں۔ ایک تو یہ کہ بغیر کسی قسم کے خاص تعارف کے اور اثر و رسوخ کے ایسی بات کہہ دی جس کا علم عام مسلمانوں کو نہیں تو لوگ لڑیں گے کہ یہ کیا کہہ دیا۔ فائدہ کی بجائے نقصان ہوگا۔ دوسری صورت

یہ ہے کہ بالکل خاموش بھی نہ رہیں کہ کچھ ہی نہ کہو۔ گونگے شیطان ہی بنے رہو۔ کہنا ہی چھوڑ دیں۔ ایسے بھی نہیں ایسے ذرا سی چلتی سی بات کہہ دیا کریں۔ جسے کہتے ہیں کہ ایسے ہی شوشہ چھوڑ دیا۔ پھر اگر وہ کہے کہ نہیں ایسے نہیں تو آپ زیادہ نہ بولیں۔ بحث ومباحثہ نہ کریں۔ بس اتنا کہہ دیں کہ بھائی علماء سے پوچھ لو۔ دوسری بار کہہ دیں کہ علماء سے پوچھ لو۔ تیسرا جملہ بالکل نہ بولیں۔ پھر کان دبا کر وہاں بیٹھے رہیں گویا کہ آپ سن ہی نہ رہے ہوں۔ اس کا اثر یہ ہوگا کہ وہ آپ کے سامنے قبول نہ کرے شاید بعد میں سوچنے کی توفیق ہو جائے اور اسے ہدایت ہو جائے۔ اسی طرح نماز میں مردوں کی جو غفلتیں پائی جاتی ہیں ان کو آگے چلاتے رہیں۔

صفوں کا درست رکھنا

پہلی صف میں امام کے قریب علماء پھر صلحاء یا کم از کم جس کی صورت اللہ کے حبیب صلی اللہ علیہ وسلم کی صورت جیسی ہو۔ حضرت اقدس مولانا ابرار الحق صاحب ہردوائی دامت برکاتہم نے یہاں دارالافتاء سے یہی مسئلہ پوچھا تو دلائل سے اس کا جواب دینے میں پانچ دن لگ گئے کہ امام کے قریب صف اول میں علماء کا حق ہے۔ یہاں اس مسجد میں اس کا اہتمام کیا جاتا ہے کہ ایسے صفیں بنائیں۔ جب بھی سفر سے واپس آتا ہوں پھر مجھے بتانا پڑتا ہے۔ صاحبزادو! صفیں درست کرو۔ اگر کوئی یہ مسئلہ بیان کرے گا تو کہیں گے ارے! یہ مسئلہ تو پہلی بار سنا ہے یہ کہاں سے نکال لیا۔ بات یہ ہے کہ بتانے والے بتاتے نہیں۔ پوچھنے والے پوچھتے نہیں تو مسئلے کا علم کیسے ہو؟ اگر کوئی مسئلہ کسی کو بتایا جاتا ہے تو اتنے تعجب سے کہتے ہیں کہ ہم نے تو کبھی سنا ہی نہیں۔ یوں لگتا ہے کہ جیسے اللہ کے بندے کا خاندان بیس پشتوں سے علماء کا خاندان ہو۔ ایسے کہہ دیتے ہیں گویا بہت بڑے علما میں رہا ہو۔ ایسے لوگوں کے بارے میں کسی نے کیا خوب کہا ہے

انہوں نے دین کب سیکھا ہے رہ کر شیخ کے گھر میں
پلے کالج کے چکر میں مرے صاحب کے دفتر میں

نماز کے مسائل سے لاعلمی

آج کے مسلمان شریعت کے ایک ایک حکم سے غفلت برتتے ہیں حتیٰ کہ اسلام کے بنیادی ارکان سے متعلق مسائل کا بھی علم نہیں۔ نماز جو دن میں پانچ بار پڑھی جاتی ہے مسلمانوں کو یہ معلوم نہیں کہ اس کا طریقہ کیا ہے۔ کتنی نمازیں غلط طریقے سے پڑھ کر پھر آخر میں کہہ دیتے ہیں کہ ہم نے تو ساٹھ سال تک نمازیں ایسے ہی پڑھی ہیں اب کیا کریں؟ بس اب قضا کریں اور کیا کریں۔ جو نماز پڑھتے ہی نہیں تو ان کا قصہ ہی الگ ہے لیکن جو نمازی ہیں نماز پڑھتے ہیں اور نمازیں نہیں ہو رہیں۔

کسی نے بتایا کہ ہم فرض نماز میں سورۂ فاتحہ پڑھتے رہتے ہیں۔ دوسری سورت نہیں ملاتے۔ معلوم نہیں کتنی مدت گزر گئی۔ ارے یہ جو نمازی لوگ ہیں ان کا حال یہ ہے کسی نے بتایا کہ وہ التحیات کے بارے میں نہیں جانتے تھے کہ عبدہٗ ورسولہٗ تک پڑھا جائے۔ ورنہ اس سے پہلے والطیبٰت تک پڑھتا تھا۔ خوب یاد رکھیں جہالت عذر نہیں۔ کوئی ساٹھ سال تک پڑھے یا سو سال تک۔ ساری عمر اگر (غلط) پڑھتا رہے تو اس کی ایک نماز بھی نہیں ہوگی۔ سب نمازیں لوٹائے۔ (نماز کے ضروری مسائل سے واقفیت کے لئے بہشتی زیور حصہ دوم کا پڑھنا ضروری ہے)

وضو نہ ٹھہرنا

ٹیلی فون پر جو لوگ مسائل پوچھتے ہیں تو اس میں ایک بات بہت زیادہ پوچھی جاتی ہے کہ وضو نہیں ٹھہرتا۔ آج کل مسلمان کھائے بغیر تو رہتا نہیں۔ بار بار کھاتا رہتا ہے۔ خاص طور پر آئس کریم اور کیک وغیرہ یہ چیزیں تو معدے کو بہت نقصان پہنچاتی ہیں۔ وضو نہ ٹھہرنے کی تین وجوہات ہیں۔ ضرورت سے زیادہ کھاتے پیتے ہیں۔ دوسرے دو خوراکوں کے درمیان وقفہ بہت کم رکھتے ہیں۔ تیسری بات یہ ہے کہ مرغن غذائیں کھاتے ہیں۔

دوسری شکایت ٹیلی فون پر لوگ یہ کرتے ہیں کہ قطرہ نکل جاتا ہے۔ اس کی وجہ بے پردگی (نظروں کی حفاظت نہ کرنا) ہے۔ ایک تو لوگ اپنی عورتوں کو پردہ نہیں کراتے دوسرے جو ہیں وہ دیکھنے سے باز نہیں آتے۔ (اس وجہ سے قطرہ نکلنے کی شکایت عام ہے)

نماز میں خیالات کا آنا

نماز میں جب کھڑے ہوتے ہیں تو خیالات بہت آتے ہیں۔ اول تو یہ سوچیں کہ آپ کس کے سامنے کھڑے ہیں۔ دوسرے حدیث شریف میں آتا ہے کہ ایسی توجہ سے نماز پڑھیں کہ جیسے یہ آخری نماز ہے۔ نماز میں توجہ قائم رکھنے کے لئے تین طریقے ہیں۔

اول جتنا اللہ تعالیٰ سے تعلق بڑھے گا۔ اور یہ تعلق گناہوں کو چھوڑنے سے حاصل ہوتا ہے تو نماز میں توجہ ہوگی۔

دوسرے ایک ایک لفظ کو صحیح صحیح کر کے پڑھیں۔ ہر لفظ ہر جملے سے پہلے یہ سوچیں کہ کیا کر رہے ہیں۔ کس کے دربار میں حاضر ہو رہے ہیں اور ہر ہر لفظ تجوید کے مطابق پڑھیں۔

تیسری چیز کہ جب کھڑے ہوں تو نگاہ سجدے کی جگہ رکوع میں پیروں پر سجدے میں ناک پر اور التحیات میں گود پر نظر رہے تو اس سے یکسوئی حاصل ہوتی ہے۔

نماز میں ہاتھ ہلانا

لوگ نماز میں ہاتھ بہت ہلاتے ہیں۔ ایک صاحب کو میں نے کہا کہ نماز میں ہاتھ نہ ہلایا کریں۔ آپ لوگ نماز میں ہاتھ کیوں ہلاتے ہیں؟ فرمایا بس جب انسان نماز میں کھڑا ہوتا ہے۔ شیطان اس کی نماز خراب کرتا ہے۔ نماز میں ہاتھ پاؤں ہلانا اس کی دلیل ہے کہ دل میں خشوع نہیں۔ میں نے انہیں یوں تبلیغ کی کہ آپ لوگوں کو روکا کریں کہ نماز میں ہاتھ نہ ہلائیں۔ مقصد یہ تھا کہ جب دوسروں کو روکیں گے تو خود بھی سوچیں گے۔ اللہ تعالیٰ ہمیں نمازوں میں خشوع و خضوع نصیب فرمائے آمین۔ (حضرۃ مولانا مفتی رشید احمدؒ کے ایک وعظ کا خلاصہ)

نماز کے چند آداب

امت مسلمہ کی خوش قسمتی ہے کہ اسے نماز جیسی عظیم الشان عبادت کا تحفہ ملا۔ اور تحفہ بھی وہ جو اللہ رب العزت نے اپنے محبوب صلی اللہ علیہ وسلم کو عرش پر بلوا کر اپنے قرب خاص میں عطا کیا۔

لیکن ہماری بدقسمتی کہ ہم آج اس تحفے کے ناقدرے نکلے ہیں۔ وہ نماز جسے معراج المومنین کہا گیا، آج مومنین کی معراج نہ بن سکی۔ وہ نماز جسے نبی علیہ السلام نے اپنی آنکھوں کی ٹھنڈک بتایا تھا۔ آج ہمارے اوپر بوجھ بن گئی ہے۔ آج ۷۵ فیصد مسلمان تو نماز جیسی عظیم عبادت کو ترک ہی کر چکے ہیں اور جو ۲۵ فیصد نمازی ہیں ان میں بھی اکثریت ایسی ہے جو نماز کو بطور خانہ پری کے پڑھتے ہیں۔ شوق ومحبت اور احساس بندگی کے ساتھ نماز ادا کرنے والے بہت تھوڑے ہیں۔

حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے۔

کہ جو شخص نماز کو اپنے وقت پر پڑھے، وضو اچھی طرح کرے، خشوع وخضوع سے بھی پڑھے، کھڑا بھی پورے وقار سے ہو پھر اسی طرح رکوع وسجدہ بھی اچھی طرح اطمینان سے کرے غرض ہر چیز کو اچھی طرح ادا کرے تو وہ نماز نہایت روشن چمکدار بن کر جاتی ہے اور نمازی کو دعا دیتی ہے کہ اللہ تعالیٰ تیری بھی ایسی ہی حفاظت کرے جیسی تو نے میری حفاظت کی اور جو شخص نماز کو بری طرح پڑھے وقت کو ٹال دے وضو بھی اچھی طرح نہ کرے اور رکوع سجدہ بھی اچھی طرح نہ کرے تو وہ نماز بری صورت سیاہ رنگ میں بددعاء دیتی ہوئی جاتی ہے کہ اللہ تعالیٰ تجھے بھی ایسے ہی برباد کرے جیسے تو نے مجھے ضائع کیا۔ اس کے بعد وہ نماز پرانے کپڑے میں لپیٹ کر نمازی کے منہ پر ماردی جاتی ہے۔

اب ہم ذرا اپنی نمازوں پر غور کریں کہ ہم ان کی حفاظت کرنے والے ہیں یا انہیں ضائع کرنیوالے ہیں۔ یقیناً آج ہم اپنی نمازوں سے غافل ہیں، ان کی حفاظت نہیں کرتے اسی لئے اللہ کی رحمت ونصرت کی بجائے اللہ کے غضب کا شکار ہیں۔

آج بھی اگر مسلمان حقیقت والی نمازیں پڑھنا شروع کر دیں تو کوئی وجہ نہیں کہ ہمارے حالات نہ بدلیں۔ صحابہ کرام خشوع وخضوع والی نمازیں پڑھا کرتے تھے لہٰذا ان کی غیبی طور پر مدد کی جاتی تھی۔ ان کی عادت تھی کہ اپنے تمام کام دو رکعت نفل پڑھ کر اللہ تعالیٰ سے حل کروالیا کرتے تھے۔ اور یہی وجہ تھی کہ اللہ رب العزت کی مدد ونصرت ان کے ساتھ تھی۔ وہ اطمینان وسکون والی زندگیاں گزارتے تھے اور اللہ تعالیٰ نے ان کو پوری دنیا میں

غلبہ عطا کر دیا تھا۔ آج بھی اگر ہم دنیا و آخرت میں کامیابی و سرخروئی حاصل کرنا چاہتے ہیں، اپنی پریشانیوں کا ازالہ چاہتے ہیں اور چاہتے ہیں کہ ہمیں عزت رفتہ ملے تو ہمیں اپنی نمازوں کے معاملے میں فکر مند ہونے کی ضرورت ہے۔

خشوع خضوع کی اہمیت

حدیث میں فرمایا گیا ہے کہ۔ ''اس اُمت میں سب سے پہلے خشوع اٹھا لیا جائے گا، یہاں تک کہ تمہیں اُمت میں ایک بھی خشوع والا نہ ملے گا۔

حضرت حذیفہ بن یمان رضی اللہ عنہ کا فرمان ہے: ''سب سے پہلے خشوع اٹھا لیا جائے گا، اور سب سے آخر میں نماز اٹھائی جائے گی، بہت سے نمازی ایسے ہوں گے جن میں کوئی خیر نہ ہوگی (یعنی وہ رسمی نماز ادا کرتے ہوں گے نہ کہ ایمانی و حقیقی) وہ زمانہ آنے کو ہے کہ تم مسجد میں جاؤ گے اور تمہیں ایک بھی خشوع والا نہ ملے گا۔ اس لیے اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم مسلسل ایسے دل سے پناہ مانگا کرتے تھے جو خشوع والا نہ ہو، فرماتے تھے: ''خدایا میں اس دل سے پناہ کا خواہاں ہوں جو خشوع کی دولت سے محروم ہو۔''

اللہ تعالیٰ ہم سب کو خشوع خضوع والی نماز نصیب فرمائیں آمین

قومہ اور جلسہ کی اصلاح

نماز بڑی اہم عبادت ہے اس کو نہایت خشوع وخضوع سے ادا کرنا چاہئے اور تمام ارکان کی ادائیگی میں سکون واطمینان کی کیفیت قائم رہنی چاہئے لیکن آج کل نمازوں میں یہ سکون غائب نظر آتا ہے، بھری مسجد میں خال خال کوئی شخص سکون سے نماز ادا کرتا نظر آتا ہے اسلئے ذیل میں اس بارے میں کچھ ضروری باتیں عرض کی جارہی ہیں پہلے قومہ اور جلسہ کا مطلب سمجھ لیں!

قومہ: رکوع سے سیدھا کھڑے ہونے کو کہتے ہیں۔

جلسہ: دونوں سجدوں کے درمیان بیٹھنے کو کہتے ہیں۔

قومہ اور جلسہ کا صحیح طریقہ

قومہ کا صحیح طریقہ یہ ہے کہ رکوع سے اٹھنے کے بعد کمر بالکل سیدھی کرلیں اور اطمینان سے کھڑے ہوجائیں اس کے بعد سجدہ میں جائیں۔

جلسہ کا صحیح طریقہ یہ ہے کہ پہلا سجدہ ادا کرنے کے بعد کمر سیدھی کرکے اطمینان سے بیٹھ جائیں پھر دوسرے سجدے میں جائیں۔

بعض لوگ جلدی کی وجہ سے ان دونوں جگہوں پر اپنی کمر سیدھی نہیں کرتے ابھی رکوع سے ذرا سا سر اٹھایا اور کمر آدھی سیدھی ٹیڑھی ہوگی کہ دوبارہ سجدے میں چلے جاتے ہیں، ایسے ہی ایک سجدے سے اٹھ کر ابھی پوری طرح بیٹھ نہیں پاتے کہ دوسرے سجدے میں چلے جاتے ہیں یاد رکھیں قومہ اور جلسہ کی اس غلطی اور جلد بازی سے بعض مرتبہ نماز خراب ہوجاتی ہے اور اس کو دوبارہ پڑھنا ضروری ہوجاتا ہے، احادیث میں بھی اسے ٹھونگیں مارنے سے مشابہ قرار دیا گیا ہے۔

قومہ اور جلسہ کے دو درجے

۱-قومہ اور جلسہ کا واجب درجہ: قومہ اور جلسہ کا واجب درجہ یہ ہے کہ رکوع سے اٹھنے کے بعد اتنی دیر سیدھے کھڑے رہیں جتنی دیر میں ایک مرتبہ ''سبحان اللہ'' یا ''اللہ اکبر'' کہہ سکیں اتنی مقدار کھڑا رہنا واجب ہے اسی طرح جلسہ میں بھی ایک سجدہ کرنے کے بعد اتنی دیر سیدھے بیٹھنا واجب ہے، جتنی دیر میں ایک مرتبہ ''سبحان اللہ'' کہہ سکیں، اگر کسی نے اس میں کوتاہی کی اور قومہ کے اندر ایک تسبیح کی مقدار کے برابر کھڑے رہنے کے بجائے فوراً سجدے میں چلے گئے یا جلسہ میں ایک سجدہ ادا کرنے کے بعد ایک تسبیح کے برابر بیٹھے بغیر فوراً سجدہ کرلیا تو اس صورت میں واجب درجہ چھوڑ دیا یا مسئلہ معلوم نہ ہونے کی وجہ سے ایسا کیا تو چونکہ احکام شریعت میں جہالت معتبر نہیں اس لئے دونوں صورتوں میں اس کو نماز دوبارہ پڑھنی ہوگی، البتہ اگر بھول کر ایک تسبیح کی مقدار کے برابر نہ قومہ کیا اور نہ جلسہ کیا تو ایسی صورت میں سجدہ سہو کرنا ضروری ہے سجدہ سہو کرنے سے نماز درست ہو جائیگی اور اگر سجدہ سہو بھی نہیں کیا تو نماز دوبارہ پڑھنا ضروری ہے یعنی اس کا لوٹانا واجب ہے۔

۲-قومہ اور جلسہ کا مسنون درجہ: قومہ اور جلسہ کا مسنون درجہ یہ ہے کہ قومہ کے اندر آدمی اتنی دیر وقفہ کرے جتنی دیر میں کم از کم تین مرتبہ "سبحان الله" کہہ سکے، خلاصہ یہ ہے کہ قومہ اور جلسہ میں ایک تسبیح کے برابر توقف کرنا واجب ہے اور تین تسبیح کے برابر وقفہ کرنا سنت ہے۔

قومہ اور جلسہ کی دعائیں

قومہ اور جلسہ میں حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے کچھ دعائیں منقول ہیں، ان کا پڑھنا باعث فضیلت ہے اور مستحب ہے ان کو یاد کر کے پڑھنا شروع کردیں۔

قومہ میں ربنا لک الحمد کے بعد حمداً کثیراً طیباً و مبارکاً فیه کہہ لیا کریں، حدیث پاک میں ان کلمات کی بڑی فضیلت آئی ہے۔

جلسہ میں اللهم اغفرلی وارحمنی و عافنی و اهدنی و ارزقنی کہہ لیا

کریں، یہ بڑی جامع دعا ہے اگر ان تمام کلمات کو یاد کرنا مشکل ہو تو صرف اللھم اغفرلی تین بار کہہ لیا کریں ان دعاؤں کے پڑھنے اور قومہ اور جلسہ کا واجب اور مسنون درجہ آسانی سے ادا ہوگا اور ان میں سکون اور ٹھیراؤ پیدا ہوگا اور ان دعاؤں کی برکات بھی حاصل ہونگی اس طرح ہماری نماز خشوع و خضوع سے ادا ہونے لگے گی جو نماز کی زینت ہے، اللہ تعالیٰ ہمیں توفیق عمل عطا فرمائیں۔ آمین۔ (از افادات مولانا مفتی عبدالرؤف سکھروی)

نماز میں دو سجدوں کا راز

ابلیس نے جب سجدہ نہیں کیا اور ملائکہ نے سجدہ کیا پھر جو ملائکہ نے سر اٹھایا تو دیکھا کہ ابلیس متکبرانہ شکل میں کھڑا ہے سجدہ نہیں کیا تو دوبارہ فرشتوں نے سجدۂ شکر ادا کیا کہ ہم کو توفیق ملی اور یہ توفیق سے محروم رہا جس سے یہ ثابت ہوتا ہے کہ اگر اطاعت کی ہو تو مزید جھکنے کی ضرورت ہے کبر کی ضرورت نہیں ہے سجدہ شکر ادا کیا، خدا کو یہ ادا اتنی پسند آئی کہ ہر رکعت میں دو سجدے رکھ دیئے، یا وجہ یہ ہے کہ پہلا سجدہ کیا تو ان کا قرب ہی بہت زیادہ بڑھ گیا، ہوسکتا تھا کہ زیادتی قرب کی وجہ سے غرور کی کیفیت پیدا ہو تو غرور کو مٹانے کے لئے پھر سجدہ کیا تا کہ قرب خداوندی قائم و دائم رہے اور قرب اسی طریقے سے باقی رہا۔ (فیض ابرار)

صف بندی کی تاکید اور طریقہ

نماز بہت اہم عبادت ہے جس کو ادا کرنے کے لئے شریعت نے جماعت کی شکل میں ایک اجتماعی طریقہ تجویز فرمایا ہے کہ امام درمیان میں ہو اور لوگ اس کے پیچھے صفیں بنا کر برابر برابر کھڑے ہوں، نماز ادا کرنے کا یہ طریقہ بہت خوبصورت اور حسین ہے، رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کامل طریقہ کے اختیار کرنے کی بڑی تاکید اور ترغیب دی ہے لیجئے! پہلے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے چند ارشادات پڑھئے اس کے بعد صف بنانے کا طریقہ غور سے دیکھئے اور اس کے مطابق عمل کیجئے!

حدیث: حضرت ابو مسعود انصاریؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نماز میں (یعنی نماز کے لئے جماعت کھڑی ہونے کے وقت ہمیں برابر کرنے کے لئے) ہمارے

مونڈھوں پر ہاتھ پھیرتے اور فرماتے تھے برابر، برابر ہو جاؤ اور آگے پیچھے نہ ہو کہ خدا نہ کرے اس کی سزا میں تمہارے دل آپس میں مختلف ہو جائیں (اور فرماتے تھے کہ) تم میں سے جو عقلمند اور سمجھدار ہیں وہ میرے قریب کھڑے ہوں ان کے بعد وہ لوگ جو اس صفت میں ان کے قریب ہوں اور ان کے بعد وہ لوگ جن کا درجہ ان سے قریب ہو۔ (مسلم شریف)

حدیث: حضرت نعمان بن بشیرؓ سے روایت ہے کہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم ہماری صفوں کو اس قدر سیدھا اور برابر کرواتے تھے گویا کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم ان کے ذریعہ تیروں کو سیدھا کریں گے یہاں تک کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو خیال ہو گیا کہ اب ہم لوگ سمجھ گئے (کہ ہم کو صف میں کس طرح برابر کھڑا ہونا چاہئے) اس کے بعد ایک دن ایسا ہوا کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم باہر سے تشریف لائے اور نماز پڑھانے کے لئے اپنی جگہ پر کھڑے بھی ہو گئے، یہاں تک کہ قریب تھا کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم تکبیر کہہ کر نماز شروع فرمادیں کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی نگاہ ایک شخص پر پڑی جس کا سینہ صف سے کچھ نکلا ہوا تھا تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ: اللہ کے بندو! اپنی صفوں کو سیدھا کرو اور بالکل برابر کردو ورنہ اللہ تعالیٰ تمہارے رخ ایک دوسرے کے مخالف کردیں گے۔ (مسلم شریف)

حدیث: حضرت نعمان بن بشیرؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا طریقہ تھا کہ جب ہم کو نماز پڑھانے کے لئے کھڑے ہوتے تو پہلے آپ صلی اللہ علیہ وسلم ہماری صفوں کو برابر فرماتے، اور جب ہماری صفیں درست اور برابر ہو جاتیں تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم تکبیر کہتے یعنی نماز شروع فرماتے۔ (ابوداؤد)

ان تمام احادیث سے واضح ہو گیا کہ نماز باجماعت ادا کرنے کے لئے صفوں کو سیدھا کرنا اور برابر کرنا کتنا ضروری اور اہم ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم خود اس کا کس قدر اہتمام فرماتے تھے اور دوسروں کو بھی اس کی کتنی زبردست تاکید فرماتے تھے اور ایک مرتبہ جب آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس میں کوتاہی محسوس فرمائی تو بڑے جلال کے ساتھ تنبیہ فرمائی کہ: "اللہ کے بندو! میں تم کو آگاہ کرتا ہوں کہ اگر صفوں کو برابر اور سیدھا کرنے میں کوتاہی اور لاپرواہی برتو گے تو اللہ تعالیٰ اس کی سزا میں تمہارے دلوں کے رخ ایک

دوسرے سے پھیر دیں گے''۔ (اور تم میں پھوٹ پڑ جائے گی) جو قوموں کے لئے اس دنیا میں سو عذابوں کا ایک عذاب ہے، آج امت مسلمہ اسی مصیبت سے دوچار ہے، کیونکہ دوسری چیزوں کی طرح صفیں سیدھی نہ کرنے کی غفلت اور کوتاہی بہت عام ہو چکی ہے، اللہ تعالیٰ سب مسلمانوں کو اس سے بچنے کی توفیق دیں۔ (آمین)

صف سیدھی کرنے کا مکمل طریقہ

جب جماعت کا وقت ہو اور امام اپنی جگہ پر آجائے تو اس کو چاہئے کہ حاضرین کو صفیں بنانے کے لئے کہے اور اگر امام کے کہے بغیر حاضرین صفیں بنالیں تو کہنے کی ضرورت نہیں، اس کے بعد امام حاضرین سے مناسب انداز میں صفیں سیدھی اور برابر کرنے، مل مل کر کھڑا ہونے، درمیان میں خالی جگہ نہ چھوڑنے، مونڈھے کے سامنے مونڈھا اور ٹخنہ کے سامنے ٹخنہ کرنے کی تلقین کرے اور تمام حاضرین اس کے حکم کی تعمیل کریں، چنانچہ سب حاضرین اپنی اپنی صفیں درست اور سیدھی کرلیں، مل مل کر کھڑے ہوں، درمیان میں کوئی خالی جگہ نہ چھوڑیں، مونڈھے کے سامنے مونڈھا اور ٹخنہ کے سامنے ٹخنہ کرلیں، کوئی شخص بھی آگے پیچھے نہ ہو، نہ صف سے کوئی شخص جدا کھڑا ہو اس طرح تمام حاضرین صفیں بالکل سیدھی کرلیں۔

حاضرین میں جو حضرات ذی علم اور سمجھدار ہوں وہ پہلے آکر امام کے پیچھے پہلی صف میں جگہ حاصل کرنے کی کوشش کریں، نابالغ بچے بالغان کے پیچھے کھڑے ہوں، امام سب سے آگے اور صفوں کے درمیان کھڑا ہو۔ (خلاصہ از احادیث وفقہ)

صفیں سیدھی کرنے کے لئے صف میں پڑے ہوئے نشان، قالینوں اور دریوں کے کناروں سے بھی مدد لی جاسکتی ہے وہ اس طرح کہ صف کے نشان کے کنارے پر ایڑیاں قریب قریب اور ایک دوسرے کے سامنے رکھیں اور مل مل کر کھڑے ہوں، یاد رکھیں! صف کے کنارے پر پاؤں کے پنجے ملانے اور برابر کرنے سے صف سیدھی نہیں ہوتی کیونکہ پنجے چھوٹے، بڑے ہوتے ہیں، بعض مساجد میں اسی طرح صفیں سیدھی کرنے کا دستور دیکھا گیا ہے جو درست نہیں۔

بعض کوتاہیاں: اکثر مساجد میں بعض لوگ بڑی غفلت اور لاپرواہی کا مظاہرہ کرتے

ہوئے اپنی ایڑیاں صف کے کناروں سے آگے یا پیچھے نکال کر کھڑے ہوتے ہیں اور بعض لوگ ٹیڑھے، ترچھے کھڑے ہونے کے عادی ہوتے ہیں، بعض لوگ مل کر نہیں کھڑے ہوتے، درمیان میں خلا چھوڑ دیتے ہیں، چنانچہ بعض نمازی ایک بالشت اور بعض اس سے بھی زیادہ فاصلہ چھوڑ کر کھڑے ہوجاتے ہیں یہ سب غفلت، لاپرواہی اور سراسر کوتاہی کی بات ہے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے ارشادات کے مطابق اس سے بچنے کی سخت ضرورت ہے، خصوصاً جب اس کوتاہی پر متنبہ کیا جائے تو بجائے غصہ کرنے کے غلطی کو مان کر دور کرنا چاہئے اور غلطی بتانے والے کا احسان ماننا چاہئے اور غلطی بتانے والے کو بھی ادب واحترام سے آگاہ کرنا چاہئے۔ اللہ پاک سارے مسلمانوں کو صفیں سیدھا کرنے کا خاص اہتمام کرنے کی توفیق دیں۔ (آمین)

امت میں انتشار کا ایک سبب

ابو مسعود انصاریؓ نے لوگوں کو باہم مختلف اور لڑتا جھگڑتا دیکھ کر تسویہ صفوف (صفوں کو سیدھا کرنا) کی نصیحت کرنے کے بعد فرمایا کہ "فانتم الیوم اشد اختلافاً"تم آج کے دن سب سے زیادہ اختلاف کے شکار ہو۔ (کیونکہ صفیں برابر کرنے کا اہتمام نہیں کرتے)

(حضرت مفتی عبدالرؤف سکھروی مدظلہٗ)

ہماری نمازیں بے اثر کیوں؟

کیا ہماری نماز میں جان ہے؟ ایسا تو نہیں کہ زبان سے فر فر نماز پڑھ رہے ہوں اور ذہن کہیں اور ہو۔ سوچ دنیاوی معاملات میں لگی ہو۔ اگر یہی معاملہ کسی آفیسر سے کریں کہ بات آفیسر سے کر رہے ہوں اور دیکھ رہے ہوں کہیں اور۔ آنکھیں لگی ہوں کمرے کی چھت کی طرف، آفیسر ایسے پاگل کو فوراً نکل جانے کا حکم دیگا اسی طرح بے پرواہی اور بے توجہی سے پڑھی جانے والی نماز بھی لپیٹ کر نمازی کے منہ پر ماردی جاتی ہے۔

نماز میں چار مقامات زیادہ اہم ہیں۔ ۱-نماز کی حاضری لگوانا ۲-نماز کو اللہ تعالیٰ کے ہاں جمع کروانا۔ ۳-سلامتی رحمت اور برکت کا حقدار بننا ۴-دعاء کا قبول کرانا

۱-تکبیر تحریمہ کے بعد پہلا کام نماز کی حاضری لگوانا ہے کیونکہ ملازم کو بغیر حاضری لگائے تنخواہ نہیں ملتی، پوری نماز میں اگر ذہن دنیا میں کھویا رہا' اللہ کی یاد ہی نہیں آئی تو یہ نماز کس کھاتہ میں شمار ہوگی، اس لیے فوراً یہ نیت کرلیں کہ میں اللہ تعالیٰ کو دیکھ رہا ہوں یا یہ کہ اللہ تعالیٰ مجھے دیکھ رہا ہے۔

۲- اگر آپ نے تشھد میں دھیان اور توجہ سے ترجمہ ذہن میں رکھ کر اَلتَّحِیَّاتُ لِلّٰہِ وَالصَّلَوٰتُ وَالطَّیِّبَاتُ کہہ دیا تو اس نماز کا اجر اللہ تعالیٰ کے پاس آپ کے کھاتہ میں جمع ہوگیا اگر آپ نے دنیا کے خیالات میں التحیات پڑھ دیا تو نماز کا مقصد فوت ہوگیا نماز دل میں پڑھنا بھی منع ہے اتنا زور سے پڑھیں کہ خود سن سکیں اسی طرح نماز میں غیر ضروری حرکت کرنا' ہلتے رہنا یا بار بار کپڑوں کو صحیح کرنا نماز کے اجر کو کم کر دیتا ہے۔

۳- جب آپ نے نبی علیہ السلام پر سلام رحمت اور برکت بھیجی یعنی اَلسَّلَامُ عَلَیْکَ اَیُّھَا النَّبِیُّ وَرَحْمَۃُ اللّٰہِ وَبَرَکَاتُہٗ نیت سے کہا تو فرشتے کی دعاء سے آپ خود بھی ان تینوں چیزوں کے حقدار بن گئے بس توجہ شرط ہے، مگر شیطان آپ سے یہ جملے بلا سوچے سمجھے فرفر کہلوانے کی کوشش کریگا تا کہ آپ بلاؤں اور بیماریوں میں گھرے رہیں سلامتی رحمت اور برکت سے محروم رہیں۔ اپنے اوپر سلام بھیجنا بھی مت بھولیں اَلسَّلَامُ عَلَیْنَا توجہ سے پڑھیں۔ آپ اللہ تعالیٰ کی ایک اور نعمت عظمیٰ سے بھی باخبر رہیں وہ ہے دنیا میں ہر نماز پڑھنے والے کی طرف سے آپ کو سلام پہنچنا، اگر آپ اللہ تعالیٰ کی نافرمانی سے ڈرتے ہیں اور گناہ کی صورت میں (چوبیس گھنٹے کے اندر) معافی مانگ لیتے ہیں تو آپ کا شمار عِبَادِ اللّٰہِ الصَّالِحِیْنَ میں ہوگا پھر آپ ہر نمازی کے سلام کے حقدار ہیں اور خود بھی توجہ سے یہ جملہ پڑھ کر صالحین کو سلام بھیجا کریں۔

۴- دعاء کی قبولیت کیلئے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم پر درود شریف پڑھنا شرط ہے اور درود شریف دھیان سے پڑھیں ترجمہ ذہن میں رکھ کر پڑھیں تا کہ آگے آنے والی آخری دعا قبول ہو' جو عبادت کا نچوڑ اور مغز ہے، اور خود دعا ہی بغیر سوچے سمجھے پڑھ لی تو خدا حافظ سب محنت پر پانی پھر گیا۔ سلام کے بعد اَللّٰہُ اَکْبَرُ اور تین بار اَسْتَغْفِرُ اللّٰہَ پڑھ لیں نماز میں کمی یا کوتاہی کا ازالہ ہو جائے گا۔

مزید اپنی نماز کو قیمتی بنانے میں ہر نماز کے بعد اس دعا کے ذریعے اللہ تعالیٰ کی مدد حاصل کریں۔
رَبِّ اَعِنِّیْ عَلٰی ذِکْرِکَ وَشُکْرِکَ وَحُسْنِ عِبَادَتِکَ۔ اس طرح آپ نفس و شیطان پر ایک دن ضرور غالب آ جائیں گے شیطان ناکام ہو نیکی صورت میں نماز کے علاوہ بھی آپکو بُرے خیالات ڈالے گا اسوقت آپ اعوذ باللہ من الشیطان الرجیم اور لا حول ولا قوۃ الا باللہ پڑھ لیا کریں۔

نماز وتر

کبھی آپ نے غور کیا؟ کہ نماز وتر میں پڑھی جانے والی دعائے قنوت میں ہم اللہ تعالیٰ سے کیا درخواست کرتے ہیں۔ یہ معلوم کرنے کیلئے ذیل میں یہ دعا مکمل ترجمہ کے ساتھ دی جارہی ہے۔ اسی طرح اگر آپ پوری نماز کے ترجمہ کا خیال رکھتے ہوئے پڑھیں گے تو ان شاء اللہ آپ کی نماز کامل ہوگی۔ یومیہ پانچ نمازیں فرض ہیں تو نماز وتر واجب ہے۔ جس کے بارے میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جو شخص وتر نہ پڑھے وہ ہماری جماعت میں نہیں۔ (ابوداؤد)

اَللّٰھُمَّ اِنَّا نَسْتَعِیْنُكَ وَنَسْتَغْفِرُكَ وَنُؤْمِنُ بِكَ وَنَتَوَكَّلُ

اے اللہ! ہم آپ سے مدد مانگتے ہیں اور آپ کی بخشش چاہتے ہیں اور آپ پر ایمان رکھتے ہیں اور آپ پر بھروسہ کرتے ہیں۔

عَلَیْكَ وَنُثْنِیْ عَلَیْكَ الْخَیْرَ وَنَشْكُرُكَ وَلَا نَكْفُرُكَ وَنَخْلَعُ

اور آپ کی خوبیاں بیان کرتے ہیں اور آپ کا شکر کرتے ہیں اور ہم آپ کی ناشکری نہیں کرتے اور علیحدہ رہتے ہیں۔

وَنَتْرُكُ مَنْ یَّفْجُرُكَ ط اَللّٰھُمَّ اِیَّاكَ نَعْبُدُ

اور چھوڑتے ہیں ہم اس کو جو آپ کی نافرمانی کرے۔ اے اللہ! ہم آپ ہی کی عبادت کرتے ہیں اور آپ ہی کے لئے۔

وَلَكَ نُصَلِّیْ وَنَسْجُدُ وَاِلَیْكَ نَسْعٰی وَنَحْفِدُ وَنَرْجُوْا

نماز پڑھتے ہیں اور سجدہ کرتے ہیں اور آپ ہی کی طرف دوڑتے ہیں۔ اور خدمت کرتے ہیں اور آپ کی

رَحْمَتَكَ وَنَخْشٰى عَذَابَكَ اِنَّ عَذَابَكَ بِالْكُفَّارِ مُلْحِقٌ ؕ

رحمت کی اُمید رکھتے ہیں اور آپ کے عذاب سے ڈرتے ہیں۔ تحقیق آپ کا عذاب کافروں کو پہنچنے والا ہے۔

طریقہ نماز وتر: وتر کی نماز بھی مغرب کی نماز کی طرح تین رکعت ہے اس کے پڑھنے کا طریقہ بھی وہی ہے جو فرض نمازوں کا ہے۔ فرق صرف اس قدر ہے کہ فرض کی صرف پہلی دو رکعتوں میں سورہ فاتحہ کے بعد دوسری سورہ ملائی جاتی ہے جبکہ وتر کی تینوں رکعتوں میں دوسری سورت پڑھنے کا حکم ہے اور تیسری رکعت میں دوسری سورت کے بعد دونوں ہاتھ تکبیر کے ساتھ کانوں تک اسی طرح اٹھا کر جس طرح تکبیر تحریمہ کے وقت اٹھاتے ہیں پھر باندھے اور اس دعا کو آہستہ آواز سے پڑھے۔ (علم الفقہ)

مسئلہ: وتر' سنت موکدہ اور نوافل کی تمام رکعتوں میں سورۃ فاتحہ کیساتھ کوئی سورت ملانا ضروری ہے۔ (نماز مسنون)

مسائل نماز سیکھئے

نماز دین کا اہم فریضہ ہے جسکے ذریعے بندہ پانچ وقت دربار خداوندی میں اپنی جبین نیاز جھکا کر اپنی عبدیت کا اظہار کرتا ہے۔ حدیث شریف میں ہے کہ بندہ سجدہ میں پیشانی رکھتا ہے تو اس وقت خدا کے زیادہ قریب ہوتا ہے۔

نماز جیسے اہم فریضہ کا حق ہے کہ جہاں ہم اس کی ادائیگی کا اہتمام کریں وہاں اس بات کی بھی کوشش کریں کہ اس کے شرعی احکام وآداب ہر وقت سیکھتے رہیں۔

حضرات صوفیا نے لکھا ہے کہ نماز میں بارہ ہزار چیزیں ہیں جن کا علم اہل معرفت کو ہوتا ہے۔ لیکن ایک عام مسلمان کیلئے اس قدر جاننا ضروری ہے کہ نماز کے فرائض واجبات' سنن و مستحبات' مفسدات و منکرات کا علم ضرور حاصل کرے اور برابر اہل علم سے سیکھتا رہے۔

ایک بڑے بزرگ جن کی ساری عمر درس و تدریس اور افتاء نویسی میں گزری۔ وہ فرمایا کرتے تھے کہ اب جا کر مجھے نماز کے مسائل دیکھنے یا پوچھنے کی ضرورت محسوس نہیں ہوتی۔ یہ تو اس شخصیت کا حال ہے جو ہمہ وقت علمی مشاغل میں مصروف رہے۔ لیکن ہم دینی مسائل پوچھنے میں شرم محسوس کرتے ہیں اور معمولی لاعلمی کی وجہ سے اپنی ساری محنت ضائع کر بیٹھتے ہیں۔

ایک بزرگ عالم سے کسی شخص نے نماز کا مسئلہ پوچھا تو فرمایا کہ جواب سے پہلے مجھے شکرانہ کے دو نفل پڑھنے دو کہ آج عرصہ دراز کے بعد تم پہلے شخص ہو جس نے نماز کا مسئلہ پوچھا ہے۔

حضرت مولانا رشید احمد گنگوہی رحمہ اللہ جیسے عظیم فقیہ نے اپنے شیخ حضرت حاجی امداد اللہ مہاجر مکی رحمہ اللہ کی خدمت میں لکھا کہ ''دعا فرمایئے کہ میری نماز درست ہو جائے''۔

حضرت حاجی امداد اللہ مہاجر مکی رحمہ اللہ کو نماز سے کس قدر شغف تھا فرماتے تھے کہ مجھے جنت کی حور و قصور کی بجائے میری خواہش یہ ہے کہ آخرت میں اللہ تعالیٰ مجھے اپنے عرش کے نیچے مصلے کی جگہ دیدیں اور میں وہاں نماز ہی پڑھتا رہوں۔

بزرگان دین کے یہ واقعات ہمیں سبق دیتے ہیں کہ ہم بھی نماز کا اہتمام کریں اور اسے سیکھ کر ادا کرنیکی کوشش کریں۔ معاشرے کی اکثریت نماز سے غافل ہے۔ جن سعید روحوں کو نماز کی توفیق مل جاتی ہے انہیں کوشش کرنی چاہئے کہ ہم اسکے احکام و آداب سیکھیں تاکہ نماز کی درستگی کی برکت سے دیگر مراحل میں بھی کامیاب ہو سکیں۔

ایک ایم بی بی ایس ڈاکٹر ہسپتال یا کلینک میں مریضوں کا معائنہ کرتا رہے تو اس کی ڈاکٹری کا علم بڑھتا رہتا ہے۔ لیکن اگر وہ ڈاکٹر بننے کے بعد خود کو کسی اور کام میں لگا دے تو اس کا علم بتدریج بھول کا شکار ہو جائیگا۔ یہی حال عالم کا ہے اگر ہم اپنے قریبی عالم سے بار بار دینی مسائل پوچھتے رہیں اور علمی مذاکرہ ہوتا رہے تو اس میں آپ کا بھی فائدہ ہے اور صاحب علم کا بھی نفع ہے۔ آج اگر مصروفیت کا دور ہے تو اسی کے مطابق آسانیاں بھی ہیں۔ ہم اپنے موبائل میں کتنے دوست احباب کے نمبر محفوظ رکھتے ہیں اپنے کسی معتمد قریبی عالم یا مفتی صاحب کا نمبر بھی اپنے پاس محفوظ رکھیں اور کوئی بھی مسئلہ معلوم کرنے کیلئے مقررہ وقت پر رابطہ کر کے گھر بیٹھے مسائل معلوم کرتے رہیں۔ اللہ تعالیٰ ہم سب کو نماز سیکھ کر سنت کے مطابق ادا کرنے کی توفیق سے نوازیں آمین۔

نماز کی حقیقت اور مصائب کا علاج

عارف باللہ حضرت ڈاکٹر محمد عبدالحئی عارفی رحمہ اللہ فرماتے ہیں۔

روز بروز زندگی کے واقعات پیچیدہ سے پیچیدہ تر ہوتے جارہے ہیں' اللہ تعالیٰ کا احسان عظیم ہے کہ ہم لوگ یہاں بیٹھے ہوئے ہیں اور چند لمحات کیلئے ہم کو اللہ تعالیٰ نے بہت سے خلفشاروں سے نجات دیدی ہے۔ اس لیے ہمارا حسن ظن ہے اور اللہ کرے ایسا ہی ہو کہ دین کی بات معلوم ہو جانے کے بعد عمل کی بھی توفیق ہو جائے۔ اللہ تعالیٰ سے دعا کرلیا کرو' عقل کا تقاضا یہی ہے کہ اگر دنیا میں عافیت و عزت کی زندگی بسر کرنا چاہتے ہو تو پھر دین ہی کے اندر سلامتی ہے اور آخرت کی فلاح بھی دین ہی کے اندر ہے۔ حدیث شریف کا مضمون ہے کہ قرب قیامت کی ایک علامت یہ بھی ہوگی کہ عقلیں سلب ہو جائیں گی' اچھی بات بری معلوم ہوگی اور بری بات اچھی معلوم ہوگی' اللہ تعالیٰ ہم سب کو اس وبال سے محفوظ رکھیں۔ (آمین)

ایمان کے تقاضے اور معاشرے کی خرابیاں

آپ سب مشاہدہ کر رہے ہیں کہ آج پاکستان اور ممالک اسلامیہ کے ہر شعبہ زندگی میں گناہ کبیرہ رائج الوقت ہو رہے ہیں اور فواحشات و منکرات کو تہذیب حاضرہ کا طرہ امتیاز سمجھا جارہا ہے۔ اِنَّا لِلّٰہِ وَ اِنَّآ اِلَیْہِ رٰجِعُوْنَ۔ پاکی صفائی' حیاء شرم' غیرت عصمت' عفت سب ختم ہوتی جارہی ہیں۔ میں نے ایک بار گذشتہ نشست میں عرض کیا تھا کہ سب لوگ کہتے ہیں کہ دعا کرو کہ ایمان پر خاتمہ ہو' مگر ایمان ہے کیا چیز؟ جس پر خاتمہ ہو پہلے اس کا احساس تو کرلیا جائے اگر ذرا غور کیا جائے تو معلوم ہوتا ہے کہ ایمان پر خاتمہ کی تمنا یہ محض ہماری خوش فہمی ہے ورنہ حقیقت یہ ہے کہ ہم نے اپنے عقیدوں اور اعمال سے خود ہی ایمان کا خاتمہ کررکھا ہے۔ حدیث شریف میں ہے کہ ایمان اور حیا ایک ہی چیز ہے اگر حیا ختم ہوا

ایمان بھی ختم ہوا۔ اب ذرا اپنے ماحول اور معاشر میں بے شرمی اور بے حیائی خواص و عوام سب میں ظاہر ہو رہی ہے۔ غور فرمائیں کہ ہمارے اجزائے ایمان خود ماؤف ہو گئے ہیں تو پھر ایمان پر خاتمہ ہوگا' اس لئے ضرورت ہے کہ پہلے یہ خوب سمجھ لیا جائے کہ ایمان کیا ہے؟ پھر اس کا جائزہ لیا جائے کہ ایمان کے تقاضوں پر ہم کس قدر عمل کر رہے ہیں' جس قدر بھی ایمان کے تقاضوں پر عمل ہو رہا ہے اس پر اللہ کا شکر ادا کیا جائے اور مزید توفیق کیلئے دعا کی جائے۔ اللہ تعالیٰ کا وعدہ ہے کہ جو بندہ ہماری دی ہوئی نعمتوں پر شکر ادا کرتا ہے ہم اس کی نعمتیں اور بڑھا دیتے ہیں اور ان میں برکت عطا فرماتے ہیں۔ ہر روز صبح کو جب اپنے معمولات سے فارغ ہوا کرو تو اس پر شکر ادا کیا کرو۔ الحمدللہ ہم صاحب ایمان ہیں اور دعا کیا کرو کہ یا اللہ ہمارا ایمان ہماری بداعمالی اور ہماری غفلت کی وجہ سے ضعیف ہے۔ یا اللہ ہم کو اعمال صالحہ کی توفیق دیجئے' کوتاہیوں پر استغفار کی توفیق عطا فرمایئے اور ہم کو ہر شعبہ زندگی میں نیک ہدایت عطا فرمایئے اور بے غیرتی اور بے حیائی کے کاموں سے بچایئے تاکہ ہمارا ایمان کمزور نہ ہونے پائے' عافیت بہت بڑی دولت ہے۔ عافیت کی بہت دعا مانگا کرو اور جو عافیت حاصل ہے اس پر شکر ادا کیا کرو کہ یا اللہ آپ نے ہمیں ہر طرح سے عافیت دے رکھی ہے' باوجود اس کے کہ ہمارا ماحول پر آشوب ہے' ہر جگہ حادثات ہیں' سانحات ہیں' پریشانیاں ہیں' بیماریاں ہیں پھر بھی یا اللہ آپ نے ہم کو ہر طرح کا اطمینان عطا فرمایا ہے۔ سکون قلب دیا ہے' فراغت دی ہے۔ **اللھم لک الحمد و لک الشکر۔**

اللہ تعالیٰ کا شکر کرنے سے ان نعمتوں کا بیمہ ہو جاتا ہے۔ اللہ تعالیٰ کا وعدہ ہے تو بھائیو اللہ تعالیٰ کی عطا کی ہوئی ان نعمتوں کا شکر ادا کر لیا کرو۔ ایک ایمان کے حاصل ہونے پر دوسرے عافیت کے حاصل ہونے پر آپ ان کی قدر کریں۔

حقانیت اسلام

خلاف فطرت اور خلاف عقل سلیمہ یعنی احکامات اور ہدایات الٰہیہ کے خلاف زندگی بسر کرنے سے آج دنیا بدحواس ہے اور برباد ہو رہی ہے' اپنی لغویتوں سے اور اپنی بیہودگیوں اور ناپاکیوں سے تمام دنیا میں اکثر لوگ اپنے اس گندے ماحول اور معاشرہ سے عاجز آ گئے

ہیں، مگر ان کیلئے اس سے نجات کی صورت نہیں، میں اسی لیے ان واقعات سے متاثر ہو کر بار بار دہراتا ہوں کہ اللہ کے لیے اپنے ایمان کی قدر کرو، اپنے اسلام کی قدر کرو اور اس کے ضابطے اور حدود کے اندر رہ کر عافیت حاصل کرو، اسی میں دنیا اور آخرت کی فلاح ہے۔

بڑے افسوس کی بات ہے کہ ہماری مملکت اسلامیہ اور دوسرے ممالک اسلامیہ دشمنوں کی سازشوں کی زد میں ہیں اور اپنی ناعاقبت اندیشی سے مغلوب ہو کر دشمنوں کی رائج کردہ تہذیب و معاشرہ کی دلفریبی سے مغلوب ہو کر...... اور نفسانی و شہوانی تفریحات...... (مشاغل)...... میں مبتلا ہو کر ہر صورت سے برباد ہو رہے ہیں، سیاسی اعتبار سے بھی اور اقتصادی لحاظ سے بھی، اخلاقی شعور و شعائر بھی ختم ہو رہا ہے، ہم بڑی غفلت کے ساتھ اپنا وقار اسلامی ختم کرتے جا رہے ہیں، اللہ تعالیٰ ہم پر رحم فرمائیں اور دین و دنیا کی ہلاکت سے بچالیں، ایمان کی کمزوری سے قوت و ہمت بھی زائل ہو جاتی ہے اور جہاد کا جذبہ سرد پڑ جاتا ہے، نفس و شیطان نے ہم کو ایسا بزدل بنادیا ہے کہ ہم دشمنوں کا مقابلہ نہ سیاسی اعتبار سے کر سکتے ہیں اور نہ ان کی مہلک سازشوں سے بچ سکتے ہیں اور ہر طرح سے ان کے دست نگر اور ضروریات زندگی میں ان کے محتاج بن گئے ہیں۔

نماز کی پابندی ایمان اور عافیت کی محافظ ہے

بھائی اللہ تعالیٰ سے پناہ مانگا کرو کہ ایسا وقت ہمارے اور آپ کے سامنے نہ آئے اور ایسی بات نہ ہو کہ ہمارا انجام عبرتناک ہو اور دوسری قومیں ہم پر ہنسیں۔

اب میں آپ کو اس حقیقت کی طرف متوجہ کرنا چاہتا ہوں کہ اگر ہم ایمان اور اسلام کو محفوظ رکھنا چاہتے ہیں تو جو طریقہ اللہ تعالیٰ نے اپنی رحمت کاملہ سے ہمارے دین کی حفاظت کیلئے بتلایا ہے اور جو ہمارے لئے قوی اور مستحکم قلعہ ہے اس کو عمل میں لاؤ اور وہ ہے نماز۔

نماز کی محبوبیت

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: **الصلوة عماد الدين** (نماز دین کا ستون ہے) جس نے اسے چھوڑا اس نے اپنا دین ویران کیا، صحابہ کرامؓ نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے پوچھا کہ تمام کاموں میں کون سا کام افضل ہے، آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا

وقت پر نماز ادا کرنا اور آپ نے فرمایا جنت کی کنجی نماز ہے اور آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا اللہ تعالیٰ نے توحید کے بعد اپنے بندوں پر سوائے نماز کے اور کوئی محبوب چیز فرض نہیں کی' اگر اللہ تعالیٰ کے نزدیک نماز سے زیادہ کوئی چیز محبوب ہوتی تو وہ اپنے فرشتوں کو اسی میں مشغول رکھتا اور ہمیشہ نماز میں رہتے ہیں۔ ایک گروہ فرشتوں کا رکوع میں ہے' ایک گروہ سجدہ میں ہے' ایک گروہ قیام میں ہے' ایک گروہ قعود میں ہے۔

نماز کی پابندی ایمان وعافیت کی محافظ ہے

نماز ہی ایسی چیز ہے کہ جس میں اللہ تعالیٰ نے ایسی قوت رکھی ہے کہ جس سے ایمانی تقاضے پیدا ہوتے ہیں اور شرف انسانیت کا شعور پیدا ہوتا ہے' نماز ایسی چیز ہے کہ ہم لوگوں نے اس کو روزمرہ کا ایک معمولی عمل سمجھ لیا ہے اور اس کی کوئی قدر و اہمیت ہماری نظر میں نہیں ہے اور یہ ہماری بڑی محرومی قسمت ہے۔

ایسا معلوم ہوتا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اپنے بندوں کو اپنے ساتھ رابطہ قائم کرنے کیلئے اپنے ساتھ تعلق محبت کو بڑھانے کیلئے اور اپنی معرفت وقرب عطا فرمانے کے لیے اور اپنی نصرت و اعانت عطا فرمانے کیلئے خاص طور پر نماز کی طرف متوجہ فرمایا ہے۔ غور کیجئے تو نماز میں یہ سب مقاصد بدرجہ اتم موجود ہیں۔ دیکھئے جب حضرت موسیٰ علیہ السلام کو اللہ تعالیٰ سے شرف حضوری اور اعزاز ہم کلامی حاصل ہوا تو اللہ تعالیٰ کس خصوصیت کے ساتھ ان کو مخاطب فرما کر فرماتے ہیں۔ واقم الصلوۃ لذکری...... یعنی مجھے یاد رکھنے کیلئے نماز پڑھا کرو' پھر ہمارے آقائے نامدار حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کو معراج میں وہ درجہ قرب الٰہی عطا ہوا جس کا اندازہ کون کرسکتا ہے' عالم کائنات کے تمام تخیلات وتصورات میں اس کے ادراک سے قاصر ہے۔

اللہ اللہ قرب معراج رسولؐ ۔۔۔ دو کماں سے فرق ادنے رہ گیا
اٹھ گئے مابین سے سارے حجاب ۔۔۔ اک فقط آنکھوں کا پردہ رہ گیا

اس قرب خصوصی پر فائز فرمانے کے بعد اللہ جل شانہ نے اپنی حضوری میں اپنے محبوب کو جو خلعت شاہانہ کا تحفہ عطا فرمایا وہ پانچ وقت کی نمازیں ہیں۔

نماز کی قدر و منزلت

اللہ اکبر اس کی قدر و منزلت کا کیا ٹھکانہ ہے' اس کا انتہائی شرف یہ ہے کہ نماز معراج المومنین ہے' کلام اللہ میں جس کثرت سے نماز کا ذکر اور اس کی اہمیت اور تاکید اور اس کے برکات و ثمرات مذکور ہیں وہ کسی دوسرے فرض و واجب کے اس قدر نہیں ہیں' بار بار اللہ تعالیٰ نے مسلمانوں کو اس طرف متوجہ فرمایا ہے اور بڑی تاکید کے ساتھ اس کو وقت مقررہ پر ادا کرنے کی تاکید فرمائی ہے۔ نماز کو جب تک ہوش و حواس قائم رہیں کسی حالت میں بھی ترک نہیں کیا جا سکتا۔ خواہ کوئی بھی حالت ہو' ہر حال میں نماز کا ادا کرنا فرض ہے اگر جہاد ہو رہا ہے تو اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں کہ وقت پر ایک خاص طریقہ سے نماز ادا کرلو اور اس طرح اگر سفر میں ہو تب بھی نماز پڑھو اور نماز میں قصر کرلیا کرو مگر ترک نہ کرو اگر وضو نہیں کر سکتے تو تیمّم کرلیا کرو۔ اگر کھڑے ہو کر نہیں پڑھ سکتے تو بیٹھ کر پڑھ لیا کرو' اگر اس طرح بھی تکلیف ہو تو لیٹ کر پڑھو اور اگر ضعف کا غلبہ ہو تو اشارہ سے نماز پڑھو' اسی طرح جو بھی نماز ہوگی وہ کامل نماز ہوگی' کیونکہ یہ رخصت عملی اللہ تعالیٰ ہی کی طرف سے ہے اور بندہ جس حالت مجبوری میں ہے وہ ان کے علم میں ہے' اس کو ایسے وقت میں نماز کا مکلّف فرمایا ہے اور اس حالت کے مطابق نماز ادا کرنے کی آسان صورت بھی تعلیم فرمادی ہے تو ان کے حکم کی بجا آوری میں جو نماز ہوگی وہ ضرور کامل ہوگی' حکم بھی ہے کہ جب تک نزع میں ہوش ہے نماز ضرور پڑھی جائے۔

اللہ اکبر کچھ انتہا ہے اللہ تعالیٰ کے رحم و کرم کی ہر حال میں بندہ کو اپنی حضوری میں رکھنا چاہتے ہیں' ایمان پر خاتمہ کیا ہے یہی ہے کہ اگر نزع میں بھی نماز کا وقت آ گیا ہے تو اشارہ ہی سہی نماز کی طرف متوجہ ہو جاؤ۔ یہی ایمان پر خاتمہ ہے۔

سجدہ خصوصی مقام قرب ہے

یہاں سے یہ حقیقت بھی واضح ہوتی ہے جو تمام حقائق و معارف کی روح رواں ہے کہ اللہ تعالیٰ نے ہم پر جس قدر بھی فرائض و واجبات عائد فرمائے ہیں ان کی ادائیگی میں بے حد و

حساب اجر وثواب کا وعدہ ہے اور اپنی رضائے کاملہ حاصل کرنے کیلئے ان کو قوی اور غیر متزلزل ذریعہ بنایا ہے مگر اپنا خصوصی مقام قرب حاصل کرنے کیلئے اپنے ایک عاجز بندہ مومن کو صرف نماز ہی کے اندر یہ راز مخفی فرمایا ہے کہ جب حالت نماز میں خواہ وہ نماز اشارہ ہی سے کیوں نہ ہو بندہ حالت سجدہ میں ہوتا ہے تو یہ سجدہ ہی وہ مقام قرب ہے جس کی علویت وعظمت کی کوئی انتہاء نہیں تو گویا موت کے وقت حالت نماز میں بندہ مقام قرب ہی میں واصل الی اللہ ہوتا ہے۔

اعمال صالحہ روح کی غذائیں

اس مضمون کے ساتھ ایک اور حقیقت پر نظر جاتی ہے کہ اللہ تعالیٰ نے ایمان عطا فرمانے کے بعد اعمال صالحہ کی ترغیب وتاکید فرمائی ہے کیونکہ اعمال صالحہ ہی یعنی عبادات وطاعات' اذکار تسبیحات ہی روح کی خاص غذائیں ہیں اور تمام فرائض وواجبات میں نماز کی روح کیلئے خاص الخاص غذا ہے چنانچہ روح کو اپنی قوت بڑھانے اور اس کو روبکار لانے کیلئے دن رات میں کم از کم پانچ وقت شدید ضرورت ہے اس لیے ظاہر ہے کہ مومن کے آخری لمحات زندگی میں ایمان کے مستحضر رہنے کیلئے اور جب تک جسم میں روح باقی ہے روح کو اپنی خاص غذا حاصل کرنے کیلئے نماز کی ضرورت ہے۔ خواہ وہ نماز اشارہ ہی سے کیوں نہ پڑھی جائے۔ مریض کے جانکنی کے وقت سورۃ یٰس پڑھنی اور کلمہ طیبہ کی تلقین سے بھی یہی بات مترشح ہوتی ہے کہ جب تک جسم میں روح باقی ہے روح کو کلام الٰہی سے غذا ملتی ہے۔ واللہ اعلم بالصواب۔

حدیث شریف میں ہے کہ وصال کے وقت آخری وصیت جو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے امت کیلئے فرمائی تھی وہ یہ تھی (**الصلوۃ الصلوۃ وما ملکت ایمانکم الصلوۃ الصلوۃ وما ملکت ایمانکم**) یعنی نماز کی پابندی کرو اور اپنے ماتحتوں کا خیال رکھو یہ دو مرتبہ ارشاد فرمایا' اس حدیث شریف سے نماز کی اہمیت کا اندازہ لگائیے کہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم آخری وقت میں بھی نماز کی تاکید فرمار ہے ہیں' معلوم ہوا کہ ہمارا ایمان صلوۃ ہی کی پابندی سے محفوظ ہے اس کی بڑی قدر کرو۔ اللہ تعالیٰ ہم سب کو یقین اور ایمان کامل کے ساتھ اس پر عمل کرنے کی توفیق عطا فرمائیں۔ (آمین)

اگر صحت وتندرستی میں نماز کی عادت قوی ہو جاتی ہے تو آخر وقت میں بھی عادت عود کر آتی ہے اور نماز کسی نہ کسی طرح ادا کرنے کا تقاضا ہوتا ہے اور نماز میں اللہ تعالیٰ کی طرف حضوری ہو جاتی ہے اور یہی ایمان کی دلیل ہے۔ تو اللہ کیلئے نماز کی بڑی قدر کرو اور اس کی برکات سے فائدہ حاصل کرو خواہ اس وقت ابتداء میں نماز کی حقیقت اور اس کے برکات و ثمرات ہم کو محسوس نہ ہوں، مگر جن لوگوں نے نماز پابندی کے ساتھ اور اس کے تمام لوازمات ظاہری و باطنی کے ساتھ پڑھنے کی عادت ڈالی ہے ان سے پوچھو کہ نماز کیا چیز ہے۔ جب ان کو نماز میں خشوع وخضوع اور حضور قلب کی کیفیت طاری ہوتی ہے تو ان تمام نفسانی لذتیں قابل نفرت معلوم ہوتی ہیں اور دنیا ہیچ معلوم ہوتی ہے۔ یہ بھی سوچنے کی بات ہے کہ نماز کے ذریعہ سے تقرب الٰہی کے حصول یوں بھی سمجھئے کہ جاندار مخلوق کی طرح حق تعالیٰ نے نماز کو بھی ایک صورت اور دوسرے روح عطا فرمائی ہے، چنانچہ نماز کی روح تو نیت وقلب ہے اور قیام وقعود نماز کا بدن ہے اور رکوع و سجود نماز کا سر اور ہاتھ پاؤں ہیں اور جس قدر اذکار و تسبیحات نماز میں ہیں وہ نماز کے آنکھ کان وغیرہ ہیں اور اذکار وتسبیحات کے معنی کو سمجھنا گویا آنکھ کی بینائی اور کانوں کی قوت سماعت وغیرہ ہے اور نماز کے تمام ارکان کو اطمینان اور خشوع وخضوع کے ساتھ ادا کرنا نماز کا حسن یعنی بدن کا سڈول اور رنگ وروغن کا درست ہونا ہے۔ الغرض اس طرح پر نماز کے اجزاء اور ارکان کو بحضور قلب ادا کرنے سے نماز کی ایک حسین وجمیل اور پیاری صورت پیدا ہو جاتی ہے اور نماز میں نمازی کو جو تقرب حق تعالیٰ سے حاصل ہوتا ہے اس کی مثال ایسی سمجھو جیسے کوئی خدمت گار اپنے بادشاہ کی خدمت میں کوئی خوبصورت حسین وجمیل کنیز کا ہدیہ پیش کرے اور اس وقت اس کو بادشاہ جیسا تقرب حاصل ہو، تو گویا نماز شاہی نذرانہ ہے جو نمازی دن رات میں پانچ مرتبہ تقرب سلطانی حاصل کرنے کے لیے پیش کرتا ہے۔

جب اللہ تعالیٰ نے ہمارے لیے ہر روز پنجگانہ نماز فرض کی ہے تو ضرور اس میں ہماری ظاہری و باطنی فلاح اور دنیا و آخرت کی شادمانی اور کامرانی رکھی ہوگی چنانچہ ابتدائے اسلام میں جب مسلمانوں نے اللہ تعالیٰ کی اس عبادت کو اپنا شعار بنالیا تو تمام دنیا ان کی عزت ووقار مغلوب ہوگئی اور تاریخ اس بات کی شاہد ہے۔

بہر حال ہم کو اہتمام کے ساتھ نماز کا پابند ہونا چاہیے اور نماز کی پابندی کے یہ معنی ہیں کہ مسجد میں جماعت کے ساتھ نمازیں ادا کی جائیں' تم جب مسجد میں نماز پڑھو گے تو وقت کی پابندی سے نماز کی عادت بھی راسخ ہو جائے گی۔ ان شاء اللہ تعالیٰ اس سے دین کی حفاظت بھی رہے گی اور دنیوی فلاح بھی نصیب ہوگی' اذان میں اسی کا اعلان ہے کہ نماز کے لئے آؤ اس وقت اگر کہیں فلاح ہے تو صرف نماز میں ہے۔ یہ اعلان بالکل حق ہے۔ جس نے اس اعلان کے بعد کسی دنیاوی مفاد کو ترجیح دی اس کو ہرگز اس میں فلاح نصیب نہیں ہو سکتی اور یہ حقیقت ہے کہ نماز کی حالت میں تمام دنیاوی علائق و مشاغل بھی منقطع ہو جاتے ہیں۔ خواہ اس کے دل و دماغ میں کتنی ہی پراگندگی ہو لیکن اس کا جسمانی وجود بارگاہ الٰہی میں شرف یاب ہوتا ہے اور یہی شرف یابی اس کی دنیا و آخرت کا سرمایہ و فلاح ہے۔ اس کا احساس تو آنکھ بند ہونے پر ہی ہوگا' یہ بھی پنجگانہ نماز کی حقیقت ہے کہ ہمارے رب کریم رحمٰن و رحیم کا ہم پر احسان عظیم ہے کہ ہمارے حالات پر رحم فرما کر ہمارے روز مرہ کے معاملات و حالات کا اندازہ فرما کر ہم کو مدعو فرمایا ہے جب کبھی ہم کو کسی قسم کی مشکلات و تفکرات درپیش ہوں اس کے لیے ان کا دروازہ رحمت کھلا ہوا ہے۔ دن رات کے مختلف اوقات میں ہم ان کی بارگاہ رحمت میں حاضر ہو جائیں' نماز کی حالت میں آجائیں اور جو کچھ عرض و معروضات کرنا ہوں بے تکلف ان کے سامنے پیش کریں اور خود ہی اپنے الفاظ کریمانہ ہم کو تلقین فرماتے ہیں کہ "یا رحمٰن الرحیم یا مالک یوم الدین ایاک نعبد و ایاک نستعین" یعنی ہم عاجز و بے نوا ہیں۔ ہماری اعانت و نصرت فرمایئے جب از راہ محبت و شفقت ہم سے اس طرح مخاطب ہونے کا شرف عطا فرمایا ہے تو پھر ہم کو اپنی پوری ایمانی صلاحیت سے اس کا یقین رکھنا چاہیے کہ ضرور ان کی اعانت ہمارے شامل حال رہے گی۔

یہ بھی سمجھ لیجئے کہ ہماری روز مرہ کی زندگی میں صبح سے شام تک کتنے حالات و معاملات اور تغیرات سے سابقہ رہتا ہے' فطرتاً ان سب کا اثر ہمارے دل و دماغ پر ہوتا ہے اور اسی حالت میں ہم کو پنجگانہ نماز کا فریضہ بھی ادا کرنا پڑتا ہے۔

اگر طبیعت ناساز ہے تو اسی اثر کے ساتھ نماز کا وقت پر ادا کرنا ہے۔ اگر خوشی یا غم کا ماحول ہے تو اس کا بھی اثر ہے' اگر موسم کے تغیرات اثر انداز ہیں تو بھی وقت پر نماز پڑھنا ہی

ہے اگر معاملات میں افکار پریشانی اور تر ددات ہیں یا ادائے حقوق کیلئے تد ابیر درپیش ہیں یا اپنی دوسروں کی ضروریات پوری کرنا ہے یا کسی مشاغل وہجوم میں شمولیت ہے اور اس کی طرف توجہ ہے تو یہ سب باتیں نماز کی حالت میں ضرور ہم پر اثر انداز رہتی ہیں مگر بہر حال ہم کو نماز پڑھنا ہے' بس اس کے وقت اور ارکان کی ادائیگی کا اہتمام جس قدر ممکن ہے وہ کرنا ہے خواہ دل ودماغ کی کوئی بھی حالت ہو ان شاء اللہ نماز ادا ہو جائے گی۔

ترک فواحش ومنکرات کے لیے ارادہ وہمت شرط ہے

بعض نادان کہتے ہیں کہ ہم دیکھتے ہیں کہ لوگ نماز بھی پڑھتے ہیں اور دنیا بھر کے خرافات میں بھی مبتلا ہیں' نماز بھی پڑھتے ہیں تفریحا ٹیلی ویژن بھی دیکھتے ہیں' فضولیات اور لغویات بھی کرتے جاتے ہیں' جھوٹ بھی بولتے ہیں' غیبت بھی کرتے ہیں' وعدہ شکنی بھی کرتے ہیں' اہل تعلقات سے بدمعاملگی بھی ہوتی جاتی ہے تو پھر ایسی نماز سے کیا فائدہ ' سنئے پہلی بات تو یہ ہے کہ ہم نماز کا حق جیسا چاہے وہ ادا ہی نہیں کر سکتے' پھر یہ بھی ہے کہ منکرات ولغویات ترک کرنے کا ہم ارادہ نہیں کرتے یا ان منکرات کو ہم گناہ ہی نہیں سمجھتے تو پھر توبہ کی بھی توفیق نہیں ہوتی مگر میں کہتا ہوں اور آپ خود اس کا اندازہ کر کے دیکھیں کہ ایک مسلمان خواہ وہ کیسی ہی نماز پڑھتا ہو بے نمازی سے اس کی دینی حالت پھر بھی بہتر ہوگی۔ پھر اس پر بھی غور کیجیے کہ کتنے گناہ کبیرہ ہیں کہ لوگ اس میں مبتلا ہیں مگر ہم اور آپ ہیں کہ ان سے بالطبع نفرت کرتے ہیں' پھر بہت سے ایسے گناہ ہیں جن میں ہم اور آپ نفس وشیطان سے مغلوب ہو کر مبتلا ہو جاتے ہیں مگر پھر تنبہ ہوتا ہے تو توبہ واستغفار کی توفیق ہو جاتی ہے۔ یہ بھی نماز ہی کی تو برکت ہے اور یہی برکت فلاح دارین کا باعث ہے۔

اکثر لوگ کہتے ہیں کہ اتنے دنوں سے دعائیں مانگ رہے ہیں قبول نہیں ہوتیں' اتنے دنوں سے وظیفے پڑھ رہے ہیں ان کا کوئی اثر نہیں ہوتا' اتنے دنوں سے نماز پڑھ رہے ہیں نماز میں دل نہیں لگتا' جب نفس وشیطان غالب ہو جاتا ہے تو نماز بھی ترک کر دیتے ہیں' اول تو عقیدہ ہی فاسد ہے کہ نماز اور وظائف اس لیے ہیں کہ ان کی برکت

سے ہمارے دنیاوی مقاصد پورے ہوتے رہیں نماز تو اللہ تعالیٰ کا حکم ہے تم پر فرض ہے کہ نماز پڑھو تم کو حکم ہے کہ دعا کرو اس لئے ہر حال میں حکم الٰہی کی تعمیل تم کو کرنا پڑے گی خواہ کوئی بھی حالت ہو' جب تم نے ان کے حکم کی تعمیل کر لی خواہ طوعاً یا کسلاً ہی سہی تو پھر اللہ تعالیٰ کی شان رحمانیت تم کو دنیا کی کسی سعادت سے محروم نہ رکھے گی۔

نماز فجر کا اہتمام

اکثر لوگ یہ بھی کہتے ہیں کہ صبح کی نماز نہیں بن پڑتی' تو بھائی اس میں قصور کس کا ہے' جب تم رات کے بارہ بجے تک اپنی تفریحات ولغویات میں مشغول رہو گے تو پھر صبح کیسے آنکھ کھلے گی' یہ سب نفس کی شرارت ہے کیونکہ تمہارے دل میں نماز کی کوئی اہمیت نہیں ہے اس لیے نفس ترک نماز کے لئے نامعقول عذر اور بہانے کرتا رہتا ہے۔ یاد رکھو نماز کا ترک کرنا کوئی معمولی بات نہیں ہے۔ یہ اللہ جل شانہ کی حکم عدولی ہے۔ دنیا میں بھی اس کا وبال بھگتنا پڑے گا اور آخرت میں بھی اس کی بڑی سنگین سزا ہے' عبرت کی نظر سے دیکھو آج جو گھر گھر پریشانیاں اور بیماریاں زور پکڑ رہی ہیں وہ یہی شامت اعمال ہے جس سے پناہ مانگنے کی بھی توفیق اس لیے نہیں ہوتی کہ نماز نہیں پڑھی جاتی جس کے وبال سے توبہ کی بھی توفیق نہیں ہوتی اور اپنے شامت اعمال کا احساس ہی نہیں ہوتا کہ یہ سب اللہ تعالیٰ سے رجوع نہ ہونے کا وبال ہے' اللہ تعالیٰ اپنا رحم فرمائیں اور ہدایت فرمائیں اور توفیق دیں کہ ہم ان کی طرف رجوع ہوتے رہیں تاکہ ہر حال میں اس کی رحمت ہمارے شامل حال رہے۔

اپنے وقت کا انضباط کر لو ان شاء اللہ تعالیٰ اس سے بڑی برکت ہوتی ہے اور سب ضروری کام آسانی سے ہو جاتے ہیں اور نمازیں وقت کی پابندی کے ساتھ ادا ہوتی رہتی ہیں اور دل میں سکون رہتا ہے اس کی بڑی قدر کرو ہمارے حضرت والا فرماتے ہیں کہ عشاء کی نماز پڑھ لینے کے بعد اگر میں دیکھتا ہوں کہ کوئی دنیا کی باتیں کر رہا ہے تو جی چاہتا ہے کہ اس کو گولی مار دوں' ایسا ناقدرداں ہے یہ وقت کا کہ عشاء کی نماز کے بعد یہ فضولیات میں مبتلا ہو گیا ہے' ارے عشاء کی نماز تو تم کو سارے دن کی ناپاکی سے اور

آلودگی سب سے پاک کر چکی تھی اور پھر تم اس میں مبتلا ہو گئے' عشاء کے بعد پھر وہی لغو باتیں شروع کر دیں تو جب خود دیدہ و دانستہ اپنی عافیت برباد کر رہے ہو تو ہم اس کا تدارک کیا بتائیں پھر کہتے ہیں کہ صبح آنکھ نہیں کھلتی' صبح کیسے آنکھ کھلے؟

اسی طرح ہمارے حضرت والا فرماتے ہیں کہ جو لوگ صبح کی نماز کے لیے نہیں اٹھتے ہیں بڑے ناقدرداں ہیں وقت ہوتا ہے اللہ تعالیٰ کی رحمتوں کے نزول کا اس وقت اللہ تعالیٰ عالم کائنات میں ایک نئی روح پیدا فرماتے ہیں۔ ایک نئی تازگی آتی ہے۔ زمین میں روئیدگی پیدا ہوتی ہے' پھول کھلتے ہیں' کلیاں کھلتی ہیں' خوشگوار ہوائیں چلتی ہیں جن سے جسم و جان میں تازگی آجاتی ہے اور اس وقت تم پڑے سو رہے ہو عالم امکان میں بیداری کا سماں ہے' نباتات میں جان آرہی ہے' حیوانات اور پرندوں سب پر سکون و فرحت طاری ہے اور اپنی اپنی زبان میں سب اللہ تعالیٰ کے ذکر میں مشغول ہیں' اس وقت تم غافل پڑے سو رہے ہو' تمہارے دل و دماغ سب بے حس ہیں' یہ بڑی ناقدری کی بات ہے' پھر کہتے ہیں کہ صحت خراب ہے' وہ بیماری ہے اور یہ پریشانی ہے۔ فلاں کام میں رکاوٹ ہو رہی ہے' آئے دن طرح طرح کی بیماریاں پیدا ہوتی جارہی ہیں کیونکہ تم فطرت کی خلاف ورزی کر رہے ہو' طبی لحاظ سے بھی دیر میں سونا اور دیر میں جاگنا دونوں مضر ہیں۔ تندرستی خراب ہو جاتی ہے۔ دیدہ و دانستہ ہم لوگ اس میں مبتلا ہیں اور پھر شکایت کرتے رہتے ہیں' خیر یہ تو طویل بات تھی۔

نماز میں ظاہری و باطنی صحت کا راز ہے

میں یہ کہنا چاہتا تھا کہ نماز کی پابندی کرو' نماز بڑی نعمت ہے' نماز ہماری ظاہری اور باطنی صحت کا راز ہے۔ خواہ تمہاری سمجھ میں آئے یا نہ آئے' نماز پڑھنے کی عادت ڈالو' ایک وقت ایسا آئے گا کہ سمجھ لو گے کہ نماز واقعی ہمارے لیے منجانب اللہ بڑی نعمت ہے پھر اس احساس کے بعد اگر نماز چھوڑنا بھی چاہو تو نہ چھوڑ سکو گے جب تک اس کا احساس غالب نہ ہوگا' یہی سمجھو گے کہ یہ صرف اٹھک بیٹھک ہوتی ہے۔ دل کہیں ہے دماغ کہیں ہے۔ رکوع میں ہیں اور فاسد خیال آرہے ہیں۔ سجدہ میں اللہ میاں کے سامنے سر رکھا ہوا ہے لیکن نفسانی

اور شہوانی حالات چکر لگا رہے ہیں۔ یہ کیا نماز پڑھ چکنے کے بعد یہ بھی یاد نہیں کہ کتنی رکعت پڑھیں، تین پڑھیں یا چار پڑھیں یا پانچ پڑھیں' بس حواس باختہ نماز پڑھ لی' دیکھئے پھر میں آپ سے یہی کہتا ہوں کہ اللہ کے لئے نماز کی پابندی کیجئے' چاہے اٹھک بیٹھک کرو' چاہے بے حسی سے پڑھو چاہے غفلت سے پڑھو جس طرح بھی پڑھو لیکن نماز کسی حال میں بھی نہ چھوڑو' تم اللہ تعالیٰ کے حکم کی تعمیل کر رہے ہو' یہی تمہاری نماز مقبول ہے' یہی نجات دلانے والی چیز ہے' اسی نماز سے حشر میں تمہارے اعمال کا پلہ وزن میں بھاری ہوگا' ان شاء اللہ تعالیٰ یہی نماز تم کو جنت میں لے جائے گی جس کی آج تم ناقدری کر رہے ہو' یہی نماز اور یہی سجدے قیامت کے دن تمہارے پیشانی پر نور بن کر چمکیں گے۔

ان شاء اللہ تعالیٰ خشوع وخضوع نہ سہی' حضور قلب نہ سہی توجہ الی اللہ نہ سہی لیکن یہ تو دیکھو کہ کس کے سامنے ہاتھ باندھے کھڑے ہو' کس کے آگے جھک رہے ہو' تمہارا سر کس کے آستانہ پر ہے' کس احکم الحاکمین کی بارگاہ میں بلا تکلف شرف باریابی حاصل فرماتے ہیں' کس کے قرب کی حضوری نصیب ہوگئی' یہ عبدیت کا بہت بڑا مقام ہے' اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں کہ سجدہ کرو اور ہمارے قریب آ جاؤ تو جب اللہ تعالیٰ نے اپنے قریب بلا لیا تو چاہے بدحواس سجدہ ہو یا ہوش وحواس والا سجدہ ہو' بغیر خشوع وخضوع والا سجدہ ہو یا تفکرات وبدحواسی کا سجدہ ہو بہر حال صورت سجدہ تو ہے' اگر یہ تمہاری نماز قبول نہ ہوتی تو پھر دوبارہ نماز کی توفیق بھی نہ ہوتی' اللہ کے لئے اس کی قدر کرو' نماز کی مستقل توفیق خود علامت ہے مقبولیت کی۔

نماز میں یکسوئی کے حصول کا طریقہ

عام طور پر لوگ کہتے ہیں کہ نماز میں یکسوئی نہیں ہوتی' یہ ایک خواہ مخواہ کا خیال ہے۔ نماز میں یکسوئی نہیں ہوتی' دل نہیں لگتا اگر یکسوئی نہیں ہوتی تو پھر کیا ہوتا ہے......؟ ذرا غور تو کرو کہ جب تک نماز کیوقت پر نماز کا ارادہ کیا' وضو کیا' مسجد کی طرف روانہ ہوئے یا اپنے مصلے پر گئے تو اسی طرح دل نہیں لگا تو اور کیا ہوا' یہ یکسوئی نہ ہوئی تو کیا ہوئی؟ تمام تعلقات کو چھوڑ دیا' تھوڑی دیر کے لئے عالم تعلقات سے الگ ہو گئے' تھوڑی دیر کے لئے سب سے تعلقات منقطع

کر لئے، سب مشاغل چھوڑ دیئے اور اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں حاضر ہو گئے، اب دل لگنے نہ لگنے کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا، جس قدر کہ ہم نے وہ کر لیا، اب اگر غیر اختیاری طور پر خیالات آتے ہیں، آئیں مگر ہم کو چاہیے کہ ہم ان کی طرف متوجہ نہ ہوں بلکہ اپنی نماز کے ارکان کی طرف متوجہ رہیں، اسی قدر ہم کو یکسوئی کی ضرورت ہے اور وہ اس طرح حاصل ہے اس کو اس طرح سمجھئے کہ نماز پڑھنے کے لئے جو شرائط ہیں وہ ہم کو پورا کرنا ہیں، زمین پاک ہونا چاہئے، طہارت کاملہ ہونی چاہئے، باوضو ہونا چاہئے، قبلہ رخ ہونا چاہئے، جب یہ شرطیں موجود ہیں تو اب شریعت آپ کو نماز ادا کرنے کی اجازت دیتی ہے، آپ ظاہری آداب کے اسی قدر مکلف ہیں۔

ہمارے حضرت والا کا ارشاد ہے کہ تم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی نماز کے مطابق اپنی نماز کی صورت بنا لو، کہاں تک ہاتھ اٹھائے جائیں، کہاں تک ہاتھ باندھے جائیں، کس طرح جھکا جائے، کس طرح سجدہ کیا جائے، کس طرح نماز میں تلاوت کی جائے، غرض جو نماز کے آداب ہیں وہ بجا لاؤ اور ٹھہر ٹھہر کر اور سنبھال سنبھال کر نماز کے ارکان ادا کرو پھر چاہے دل لگے یا نہ لگے، ان شاء اللہ یہی نماز مقبول ہو جائے گی، جس وقت نیت باندھو یہ سوچ لو کہ اللہ تعالیٰ کے سامنے کھڑے ہو یہ بھی درجہ ہے احسان کا کیونکہ تم تجلی کعبہ کی طرف منہ کر کے ہاتھ باندھے کھڑے ہو وہ بھی تمہاری طرف متوجہ ہے یہ کس کی تجلی ہے، غور کرو اللہ جل شانہ کی تجلی ہی تو ہے۔ ایک درجہ میں یہی احسان ہے، نماز کی حالت میں اعضاء کو غیر ضروری حرکت نہ دو، بس ایک درجہ یہ خضوع کا ہے اور قلب کو غیر ضروری باتوں کی طرف از خود متوجہ نہ کرو، یہی خشوع ہے، رفتہ رفتہ ان شاء اللہ یہی کیفیات حقیقت میں تبدیل ہو جائیں گی، اپنے اختیار میں جو باتیں ہیں، ہم ان ہی کے مکلف ہیں، غیر اختیاری باتوں کے ہم مکلف نہیں ہیں، اس طرح ہماری نماز ہماری استعداد کے مطابق کامل نماز ہے، اس پر اللہ تعالیٰ کا شکر ادا کرو، اس طرح رفتہ رفتہ نماز کا کما حقہ وہ درجہ بھی نصیب ہو جائے گا جو نماز کا خاص مقام ہے۔

وساوس و خطرات کا علاج

ایک بات اور سمجھ لیجئے کہ آپ یہ کہتے ہیں کہ نماز پڑھنے کھڑے ہوں گے تو خطرات اور وساوس اور گندے اور ناپاک تصورات نماز میں آنا شروع ہو جاتے ہیں۔ یہاں ایک بات

سمجھنے کی ہے وہ یہ کہ تمہارا وضو اس وقت تک قائم ہے جب تک کوئی ناپاک چیز جسم سے خارج نہ ہو' اس کے خارج ہونے پر وضو ٹوٹ جائے گا مگر وہ خارج ہونے والی ناپاک چیزیں تمہارے جسم کے اندر بھری ہوئی ہیں' خون ناپاک ہے وہ رگ رگ میں دوڑ رہا ہے' پیٹ میں ریاح بھرے ہوئے ہیں' مثانہ میں پیشاب بھرا ہوا ہے' پیٹ میں فضلہ بھرا ہوا ہے مگر شریعت کا فتویٰ ہے کہ ان تمام گندی چیزوں کے باجود جو جسم کے اندر ہیں تم پاک ہو اور نماز پڑھ سکتے ہو' اگر ان میں سے کوئی چیز ذرا بھی خارج ہوئی تو وضو ٹوٹ جائے گا' تو ناپاک چیز کے جسم سے خارج ہونے پر وضو ٹوٹتا ہے' اسی طرح سمجھ لو کہ فاسد خیالات اور ناپاک تصورات جو دل و دماغ میں غیر اختیاری طور پر بھرے ہوئے ہیں سب پاک ہیں' جس طرح جسم کے اندر جو دوسری گندی چیزیں بھری ہوئی ہیں پاک ہیں...... اسی طرح نماز کی حالت میں جو گندے اور ناپاک خیالات دل و دماغ میں بھرے ہوئے ہیں وہ سب پاک ہیں' شریعت کا حکم یہی ہے کہ جب گندے اور ناپاک خیالات کا عمل کی صورت میں اظہار ہوگا تو ناپاک ہو جاؤ گے لیکن جب تک اظہار نہیں ہوگا پاک رہو گے' جس طرح ناپاک چیز خارج ہونے پر وضو ٹوٹ جاتا ہے اور پھر وضو کرنے سے پاک ہو جاتے ہیں اسی طرح تمہارے ناپاک ارادے اور فاسد خیالات جب عملی صورت اختیار کر لیتے ہیں تو تم ناپاک ہو جاتے ہو' اس کی طہارت کا طریقہ یہ ہے کہ گناہ کا عمل ہو جانے پر ندامت قلب کے ساتھ استغفار کر لو' اللہ تعالیٰ معاف فرما دیتے ہیں اور ہم پاک ہو جاتے ہیں' اتنا کھلا اور آسان راستہ ہے' اس کو آپ لوگوں نے کیوں اتنا پیچیدہ اور مشکل بنا رکھا ہے' آپ یہ کیوں چاہتے ہیں کہ ہم نماز پڑھیں تو ایسی پڑھیں کہ جیسا کھمبا کھڑا ہو' اس میں نہ کوئی احساسات ہوں نہ کوئی جذبات ہوں اور نہ کوئی خیالات' لیکن یہ تو فطرت انسانی کی خصوصیت ہیں کہ دل و دماغ میں ایسے خیالات و تصورات ہر وقت آتے رہتے ہیں۔ ان سے کوئی بشر خالی نہیں' بس ان کے تقاضوں پر ہم عمل نہ کریں تو ہم پارسا ہیں اور اگر عمل کریں تو گنہگار ہیں' پھر اگر توبہ کر لیں تو پھر پارسا ہیں تو ایسے ناپاک خیالات و تصورات کا نماز میں ہونا ہرگز مضر نہیں کیونکہ ان کے تقاضوں پر نماز کی حالت میں عمل ہو ہی نہیں سکتا اور چونکہ وہ غیر اختیاری ہیں اس لئے مخل نماز نہیں تو پھر ان کی طرف توجہ نا ہی بیکار ہے اور ان کی وجہ سے نماز کو ناقص سمجھنا بھی بے معنی ہے' ہاں اگر کوئی قصداً ان

خیالات کو قائم رکھے تو ضرور نماز میں کراہت ہے' نماز تو ان شاء اللہ شرائط نماز ادا کرنے سے قبول ہو ہی جاتی ہے بعض وقت خیالات کے ہجوم سے دماغ ارکان نماز کی طرف سے غیر حاضر ہو جاتا ہے اور ارکان صحیح طریقہ سے ادا نہیں ہوتے۔ یہ بات البتہ قابل اصلاح ہے' ایسا نہ ہونا چاہئے' نماز تو اپنی طرف سے پوری توجہ ہی کے ساتھ پڑھنا واجب ہے' لیکن اللہ تعالیٰ کی رحمت ہے کہ شریعت نے ایسی حالت میں ہمارے لیے رعایت رکھی ہے کہ اگر بے خبری اور بے توجہی سے نماز کے اندر کوئی واجب ترک ہو جائے یا یہ یاد نہ رہے کہ تین رکعت پڑھی ہیں یا چار تو ایسی حالت میں چار رکعت پوری کرلو' نماز کے آخر میں سجدہ سہو کرلو' نماز درست ہو جائے گی' یہ اللہ تعالیٰ کا اپنے بدحواس بندوں پر مزید احسان ہے کہ ان کے ناقص عمل کو بھی صحیح کر لینے کی ترکیب بھی بتلادی اور اس عمل کو قبول کرنے کا وعدہ بھی فرمالیا۔

پھر ایک بات عرض کرتا ہوں جو بڑے اطمینان کی ہے کہ ہم نے خواہ کیسی ہی نماز پڑھی ہو سلام پھیرنے کے بعد تین بار استغفر اللہ استغفر اللہ استغفر اللہ کہو یہ مسنون ہے' پھر اللہ تعالیٰ سے عرض کرو کہ میں نے ایسی نماز پڑھی ہے جو آپ کی بارگاہ میں قبول ہونے کے قابل نہیں ہے' آپ علیم و خبیر ہیں' ارحم الراحمین ہیں۔ میری یہ ناقص نماز محض اپنے فضل و کرم سے قبول فرمالیجئے اور مجھے مغفرت سے مایوس نہ فرمایئے اور مجھے ہدایت فرمایئے کہ میں نماز صحیح آداب کے ساتھ پڑھا کروں اور آپ کی معبودیت کی عظمت کا حق ادا کروں۔ نماز کے ان نقائص کا اعتراف نماز کی مقبولیت کا سبب ہو جائے گا۔

نماز کی حقیقت

نماز کی حقیقت اس طرح بھی سمجھ لیجئے کہ نماز ایک نور ہے جس وقت اللہ تعالیٰ کے حضور میں دست بستہ کھڑے ہو گئے اور کلام اللہ کی تسبیحات و آیات کی تلاوت کرنے لگے تو آپ اس کے نور سے منور ہو گئے۔ اب آپ کے دل میں جو پوشیدہ رذائل اور جذبات تھے جو زندگی میں غیر محسوس طریقے سے اثر انداز ہوتے رہتے ہیں وہ اس نور میں نظر آنے لگے اور آپ کو مکدر کرنے لگے اور آپ ان کی طرف متوجہ ہو گئے اور ان کی ناپاکیوں سے آپ کا حضور قلب ختم ہو گیا' آپ گھبرانے لگے اب اس وقت یہ سمجھنے کی ضرورت ہے کہ ان جذبات

وخیالات کا ظہور اختیاری ہے یا غیر اختیاری' یقیناً غیر اختیاری ہے کیونکہ یہ آپ کو پسند نہیں ہیں اور آپ ان کو نماز میں مخل سمجھ رہے ہیں مگر آپ کے اختیاری امور یعنی ارکان نماز کی ادائیگی میں کوئی خلل واقع نہیں ہوتا اور آپ اسی کے مکلّف ہیں' جب آپ نے ارکان نماز کما حقہ ادا کر لئے تو آپ کی نماز تو ادا ہوگئی اور غیر اختیاری خیالات کا اس پر کوئی اثر نہیں ہوا' اس لئے اطمینان رکھئے کہ فریضہ نماز ادا ہوگیا اب کوئی وہم نہ کیجئے' غیر اختیاری طور پر جو کچھ ہوا اس سے بھی نماز کے اختتام پر توبہ کر لیجئے' بس آپ اسی قدر مکلّف ہیں۔

دوسری بات ایک اور سمجھ لیجئے کہ صرف نماز میں وساوس وخطرات کا ہجوم ہوتا ہے' آخر نماز کے علاوہ دوسرے تعلقات ومعاملات زندگی میں کیوں نہیں ہوتا' معلوم ہوتا ہے کہ نماز ہی ایک ایسا عمل ہے جو مرکز بن جاتا ہے۔ ان غیر اختیاری خطرات وغیرہ کا تو معلوم ہوا کہ اس میں بھی آپ کے لئے کوئی حکمت ہے ممکن ہے کہ منجملہ اور حکمتوں کے ایک یہ بھی ہو کہ اس میں اپنا عجز اور فطری کمزوریاں مشاہد ہوتی ہیں جن کے استحضار سے ندامت اور رقت قلب پیدا ہوتی ہے اور اس کے تدارک کے لئے اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں مغفرت اور رحمت کی احتیاج محسوس ہوتی ہے اور ہم استغفار میں مشغول ہو جاتے ہیں اور اس طرح رجوع الی اللہ ہونا عبد کے لئے عین مقصود اور مطلوب ہے۔

ایک اور حقیقت پر بھی نظر جاتی ہے کہ یہ خیال کیجئے کہ آپ نے نماز کیوں پڑھی۔ اس لئے کہ اللہ جل شانہ کا حکم ہے' کس صورت سے پڑھی اور کس طرح اس کے ارکان ادا کئے' اسی صورت سے جس طرح نبی الرحمۃ صلی اللہ علیہ وسلم نے ادا کئے اور پڑھی کس حالت میں نہایت ہی پراگندہ اور آشفتہ خیالی کے ساتھ' نماز کے ساتھ یہ تین نسبتیں وابستہ ہیں۔

اب غور کرنے کی بات ہے کہ جس عمل میں امتثال امر الٰہی ہو اور جس عمل کی ادائیگی میں اتباع سنت کی سعادت حاصل ہو' اس عمل کی حقیقت اور اس کی عظمت اور علویت کا کیا درجہ ہے' کیا یہ کوئی معمولی بات ہے' کوئی معمولی توفیق سعادت ہے' ہماری حیات مستعار میں یہ لمحات کس قدر مغتنم اور گرامی قدر ہیں اس کا کوئی اندازہ بھی ہو سکتا ہے؟ ان کی حقیقت تو آنکھ بند ہونے پر ہی ان شاء اللہ تعالیٰ روشن ہوگی۔

نماز کی حقیقت اور اہمیت ایک مومن کے لئے اس سے بھی واضح ہوتی ہے کہ جب بچہ پیدا ہوتا ہے تو سب سے اول حکم ہے کہ اس کے کانوں میں اذان اور تکبیر کے الفاظ باآواز ادا کیے جائیں تا کہ اس کی فطرت اصلی اس کو قبول کرلے اور اس کی روح میں یہ الفاظ محلول ہو جائیں جو اس کے ایمان کا حاصل ہیں یعنی ایمان کا القاء الفاظ اذان و تکبیر میں کیا جاتا ہے۔

فریضہ نماز میں نسبتیں اور برکات

اب دیکھئے فریضہ نماز کی ادائیگی میں دو جلیل القدر نسبتیں شامل ہیں۔ امتثال امر رب اور ہیئت مسنونہ اب رہے دوران نماز اپنے خیالات فاسدہ ان کا قطعی تدارک ندامت اور استحضار سے ہو جاتا ہے مگر ہماری حالت یہ ہے کہ ہم اپنے خیالات فاسدہ اور خطرات و وساوس کو بہت زیادہ اہمیت دیتے ہیں اور اس کو نماز کا نقص سمجھتے ہیں مگر اس پر شکر کیوں ادا نہیں کرتے کہ اللہ تعالیٰ کے حکم کے مطابق نماز پڑھ لی اور ہیئت مسنونہ سے پڑھ لی۔ ان شاء اللہ تعالیٰ ضرور مقبول ہو جائے گی۔ بس اس بات کا اہتمام ضروری ہے کہ ارکان نماز سنت کے مطابق ادا ہوں لہٰذا عمل نماز کی ناقدری یہی ہے کہ اس کے ارکان صحیح ادا نہ کیے جائیں اور اپنے خیالات کی پراگندگی کے خیال سے نماز کی قبولیت سے مایوسی ہو ہر حال میں نماز کی قبولیت کا یقین واثق ہونا چاہئے اللہ تعالیٰ ہماری فطرت کے خالق ہیں اور ان کے علم میں ہماری تمام بشری و فطری کمزوریاں ہیں۔ ہمارا ظاہر و باطن سب ان کے سامنے ہے۔ بایں ہمہ وہ سب معاف فرما دیتے ہیں اور ہم کو ادائے نماز کے برابر توفیق بالائے توفیق عطا فرماتے رہتے ہیں اور یہی علامت ہے قبولیت کی۔ اللہ تعالیٰ کا احسان عظیم ہے اور اس پر شکر واجب ہے۔

گناہ چھوڑنے کا اہتمام

لیکن یہ بات خوب اچھی طرح سمجھ لی جائے کہ باوجود اس کے کہ ہم نماز پڑھتے ہیں مگر گناہوں سے بچنے کا اہتمام و فکر نہیں کرتے تو گناہوں کے ارتکاب پر سزا ضرور ملے گی وعدہ خلافی کرو گے جھوٹ بولو گے اور غیبت کرو گے بدگمانی کرو گے ایذا رسانی کرو گے دھوکہ دو گے اس کو سزا ضرور ملے گی کیونکہ تم نے اوامر الٰہی کیخلاف کیا ہے۔ ضابطہ فطرت کے خلاف کیا ہے اس کی سزا ضرور ملے گی لیکن ہمارے پاس ایمان ہے اور ایمان کا تقاضا یہ ہے کہ اپنے

گناہوں سے ندامت قلب کے ساتھ توبہ واستغفار کریں۔ اللہ تعالیٰ سب معاف فرمادیں گے اور نماز ہی ایسی چیز ہے جس سے ایمانی تقاضے پورے ہوتے ہیں اور توبہ واستغفار کی توفیق ہوتی ہے اور بہت سے گناہ اور بہت سی لغزشوں کو اللہ تعالیٰ نماز کی بدولت معاف فرمادیں گے۔ان شاء اللہ یہ ان کا وعدہ ہے' بھائی نماز کی بڑی قدر کرو اور اس کی پابندی کرو۔

نماز باجماعت کی فضیلت

ہماری روزمرہ زندگی میں نظم اوقات بہت اہم چیز ہے' تمام فرائض وواجبات وقت مقررہ پرآسانی سے سرانجام ہوجاتے ہیں اور اگر بچنا چاہیں تو ہم سب لغو اور فضول کاموں سے بچ سکتے ہیں' دن رات میں ہم پر پنجگانہ نماز وقت مقررہ پر فرض کی گئی ہے۔اپنے محلّہ کی مسجد میں جماعت کے ساتھ نماز پڑھا کرو' اللہ تعالیٰ اس کے طفیل میں سب کی دعا قبول فرمالیتے ہیں۔

اگر نمازیوں میں سے کسی ایک کو بھی ایک لمحہ کیلئے کسی رکن نماز میں حضوری ہوگئی' ایک پرخلوص سجدہ بھی قبول ہوگیا تو سب مقتدیوں کی طرف سے قبول ہوگیا' جب امام سورۃ فاتحہ پڑھتا ہے تو آخر میں اس کی آمین پر فرشتے بھی آمین کہتے ہیں۔ان کی آمین کے ساتھ ہماری آمین ان شاء اللہ تعالیٰ ضرور قبول ہوگی' جب امام سلام پھیرتا ہے اور السلام علیکم ورحمۃ اللہ کہتا ہے تو فرشتے بھی کہتے ہیں تو جتنے نمازی داہنی جانب ہوتے ہیں ان سب پر سلام ہوجاتا ہے' اسی طرح پھر بائیں طرف کے سلام سے سب مشرف ہوتے ہیں تو یہ کیسی بڑی سعادت ہے۔ یہ جماعت کی کتنی گراں فضیلت ہے اور جماعت کی پابندی وقت مقررہ پر صرف مسجد ہی میں ممکن ہے اس لیے مسجد میں جماعت کی نماز کی بڑی فضیلت ہے اور ستائیس گنا فضیلت ہے البتہ اگر کوئی شرعی عذر ہو تو گھر میں پڑھ سکتے ہیں لیکن بلا عذر جماعت کی نماز ترک مت کرو کیونکہ یہ بڑی محرومی کی بات ہے۔ تجربہ یہی ہے کہ جو لوگ مسجد میں جماعت میں شریک نہیں ہوتے ان کی اکثر نمازیں یا تو قضا ہوجاتی ہیں یا بے وقت ادا ہوتی ہیں۔

حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا ہے کہ میری امت کی رہبانیت نماز کے انتظار میں مسجدوں میں بیٹھنا ہے۔ یہ بھی حدیث شریف میں آیا ہے کہ جب مسجدوں میں داخل ہوجاؤ تو اعتکاف کی نیت کرلو اس میں بھی بڑا ثواب ہے۔

نماز دافع مصائب وآلام ہے

اب ایک بات رہ گئی ہے جو میں کہنا چاہتا تھا کہ آج کل کوئی دل خالی نہیں ہے اور کوئی دل ایسا نہیں ہے جس میں کوئی تشویش نہ ہو' فکر نہ ہو' بیماری نہ ہو' سب کچھ ہے چاروں طرف افکار و پریشانیاں ہیں' بیماریاں ہیں' دشواریاں ہیں' ایسے حالات میں ہمارے ایمان اور عقل کا تقاضا یہی ہے کہ ہم اپنے مالک حقیقی اور کارساز حقیقی کی بارگاہ میں رجوع کریں اور پناہ مانگیں اس کی صورت یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اپنی رحمت سے ہم کو یہ طریقہ بتلایا ہے کہ جب تم پریشان ہو تو صبر کرو اور نماز پڑھو۔

يَآيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوا اسْتَعِيْنُوْا بِالصَّبْرِ وَالصَّلٰوةِ ط اِنَّ اللّٰهَ مَعَ الصّٰبِرِيْنَ

ان آیات میں اللہ تعالیٰ صاف ارشاد فرمارہے ہیں کہ اگر تم مبتلائے غم ہو' کسی پریشانی یا بیماری یا نقصانات جانی و مالی کا تم کو صدمہ ہے تو اس کے ازالہ کے لئے تمہارے لئے واحد طریقہ یہ ہے کہ تم اس کو منجانب اللہ یقین کرتے ہوئے صبر سے کام لو اور اطمینانیت قلب حاصل کرنے کیلئے بارگاہ الٰہی میں حاضر ہو جاؤ' اللہ تعالیٰ صبر کرنے والوں کے ساتھ ہیں اور جس عاجز بندے کو ایسی بے بسی کی حالت میں اللہ تعالیٰ کی معیت حاصل ہو اس کیلئے اس سے زیادہ قوی اور یقینی سہارا اور کیا ہو سکتا ہے اور اس قوی یقین کا نام ایمان ہے جس کا ظہور نماز میں ہو رہا ہے۔ گویا ایمان کی مثالی صورت نماز ہے چونکہ فطرت انسانی ایسی ہی ہے کہ کوئی شخص آخر وقت تک ایسا نہیں ہے کہ وہ کسی نہ کسی جسمانی یا ذہنی فکر اور غم والم میں مبتلا نہ ہو۔

اللہ تعالیٰ نے محض اپنے فضل وکرم سے ہر مومن کے لئے مقام عبدیت پر فائز ہونے اور اپنا مقام قرب ورضا عطا فرمانے کے لئے اس کا مکلف کیا ہے کہ آخر وقت تک جب تک ہوش وحواس صحیح ہیں نماز پڑھنا واجب ہے کیونکہ نماز ہی کی تکمیل پر ایمان منحصر ہے یعنی ایمان پر خاتمہ کے یہ معنی ہیں کہ نماز کی حالت میں موت آئے تو جس مومن نے ہوش وحواس کی حالت میں نماز پڑھ لی تو پھر جس وقت بھی موت اس کو آئے گی وہ نماز ہی کی حالت میں ہوگی' ایک وقت کی نماز پڑھنے کے بعد دوسرے وقت کی نماز کے انتظار تک مومن حالت نماز ہی میں رہتا ہے اس لئے اگر غیر وقت نماز میں کسی کی موت واقع ہوگی تو بھی چونکہ وہ انتظار نماز ہی میں تھا اس

لئے عین نماز ہی کی حالت میں اس کی موت واقع ہوئی اور ایمان کامل کے ساتھ ہوئی۔

سُبْحَانَ اللّٰہِ وَ الْحَمْدُ لِلّٰہِ وَ لَآاِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ وَ اللّٰہُ اَکْبَرُ

مختصر بات یہ ہے کہ اگر ایمان پر خاتمہ چاہتے ہو تو کسی حالت میں بھی نماز ترک نہ کرو کیونکہ نماز ہی ایمان کی محافظ ہے۔ دعا کرو کہ اللہ تعالیٰ ہمیں ادائیگی نماز میں استقامت نصیب فرماویں اور ہمارے ایمان کی تکمیل فرماویں اور اسی پر ہمارا خاتمہ فرماویں۔ آمین۔

بارگاہ خداوندی میں نماز کے بعد دعا

اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں نیازمندانہ اور نہایت شکستگی اور درماندگی کی حالت میں حاضر ہو کر نماز پڑھو اور پھر الحاح وزاری کے ساتھ دعا مانگو یا اللہ میں آپ کا پریشان حال بندہ ہوں' یا اللہ یہ افکار ہیں' یہ پریشانیاں ہیں' یہ بیماریاں ہیں' یہ رکاوٹیں ہیں ان سے کوئی نجات دے سوائے آپ کے "انت ربی انت حسبی انت ولی فی الدنیا والآخرۃ"

آپ ہی ہمارے کارساز ہیں آپ ہی ہمارے مشکل کشا ہیں' آپ کے سوا کون آسان کر سکتا ہے ان دشواریوں کو' ان بیماریوں کو' یا اللہ آپ ہی دور فرما سکتے ہیں' یا اللہ ہم آپ سے رجوع کرتے ہیں: اِیَّاکَ نَعْبُدُ وَاِیَّاکَ نَسْتَعِیْنُ

آپ ہم کو اپنی رحمتوں اور مغفرتوں سے محروم نہ فرماویں اور طمانیت قلب نصیب فرماویں۔ (آمین)

ہم آپ کے عاجز بندے ہیں' ہم کو اپنی بارگاہ میں حاضری سے کبھی محروم نہ فرمائیں' یا اللہ ہم سب کو نماز کی توفیق عطا فرماتے رہیں اور آخر وقت تک اس پر قائم رکھیں' یا اللہ ہر حال میں ہماری نصرت فرمائیے اور نفس و شیطان کے مقابلے میں ہم کو ہدایت دیجئے اور صراط مستقیم پر استقامت عطا فرمائیے اور ہماری بداعمالیوں کے وبال سے ہم کو بچا دیجئے اور معاف فرما دیجئے۔

رَبَّنَا وَ لَاتُحَمِّلْنَا مَا لَا طَاقَةَ لَنَا بِهٖ وَاعْفُ عَنَّا وَاغْفِرْلَنَا وَارْحَمْنَا اَنْتَ مَوْلٰنَا فَانْصُرْنَا عَلَى الْقَوْمِ الْكٰفِرِيْنَ

یا اللہ! ہم کو اپنے سامنے ہاتھ باندھ کر کھڑے ہونے کی توفیق ضرور عطا فرماتے رہیں ہم آپ کی بارگاہ میں سجدے کرتے رہیں اور آپ کے سامنے ہاتھ اٹھا کر التجائیں اور مناجاتیں

کرتے رہیں' یا اللہ ہماری نماز ہر حال میں قبول فرمالیجئے' ہم کو ہدایت فرمایئے اور توفیق عطا فرمایئے کہ ہم نماز کا حق واجب ادا کرتے رہیں' یا اللہ جو نماز کی شرط قبولیت ہے کہ اس میں احسان کا درجہ ہو' خشوع وخضوع اور حضور قلب ہو تو پھر یا اللہ آپ ہمارے ہی خالق ہیں اور ہماری ان قابلیتوں کے بھی خالق ہیں' ہماری برباد شدہ استعداد کو ازسر نو درست فرمادیجئے اور اپنی توجہات اور رحم وکرم کا اور نماز کی ان تمام خصوصیات کا مورد بنادیجئے' یا اللہ یہ آپ کا ارشاد ہے کہ جو بھی نماز پڑھتا ہے' اس کے برکات یہ ہوتے ہیں کہ نماز منکرات وفواحشات سے روکتی ہے' یا اللہ دور حاضر میں ہزاروں تباہ کن فتنے پیدا ہورہے ہیں۔ آپ کے احکامات کی کھلے بندوں نافرمانی ہورہی ہے۔ ہر طرف بے حیائی اور بے غیرتی اب عورتوں اور مردوں میں رائج الوقت ہورہی ہے۔ اب نہ ناموس شریعت کا کسی کو احساس ہے اور نہ شرافت خاندانی کا نتیجہ یہ ہے کہ تمام خاندان کے خاندان برباد ہورہے ہیں' تجارت گاہیں ہوں یا تعلیم گاہیں اور دفاتر ہوں یا اسمبلیاں ہر جگہ انسانیت سوز فضائیں چھائی ہوئی ہیں۔ جب ہر طرف سے ہم ایسے پر آشوب اور تباہ کن ماحول میں گھرے ہوئے ہیں تو پھر اس سے فرار کی کیا صورت ہے' یہ ہماری شامت اعمال ہم سے کیسے دفع ہو۔ اللہ تعالیٰ خالق خیر بھی ہیں اور خالق شر بھی ہیں۔ ایمان والوں کو اللہ تعالیٰ حکم فرماتے ہیں کہ شر سے پناہ مانگو اور ہم سے خیر طلب کرو۔ بار بار کلام اللہ میں اس کی تاکید آئی ہے۔

مصائب وآلام سے پناہ ملنے کا واحد طریقہ

اس لئے آشوب روزگار سے پناہ ملنے کا واحد طریقہ یہ ہے کہ ہم اللہ تعالیٰ کی رحمت طلب کریں اور ان کی طرف کمال عجز وبے بسی کے ساتھ رجوع کریں اور کہیں ایاک نعبدو ایاک نستعین جب ہم ان سے رجوع کریں گے تو ان کا وعدہ ہے کہ وہ ہماری اعانت ونصرت فرمائیں گے اور اللہ تبارک وتعالیٰ نے اپنے عاجز بندے کو اپنی حضوری میں طلب رحمت ونصرت کے لئے نماز کی حالت میں یہ کلمات عطا فرمائے ہیں۔ ایاک نعبدوایاک نستعین تو پھر کون ان کی رحمت سے محروم کرسکتا ہے۔

یا اللہ! ہم پر رحم فرمایئے۔ یا اللہ! آپ نے اپنے محبوب نبی رحمت عالم حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے امتیوں کو دنیا اور آخرت کی جہنم سے بچنے کے لئے اپنی عبادات میں نماز ہی کو

ایسا وسیلہ بنایا ہے جس کے ذریعہ ہم آپ کی پناہ حاصل کر سکتے ہیں تو یا اللہ ہم سب کو اس پناہ سے محروم نہ فرمایئے۔ ہم سب کو نماز کی دائمی اور مستقل توفیق عطا فرمایئے۔

ہمارے اہل وعیال اور اعزہ واقرباء اور احباب وجمیع مسلمین ومسلمات کے لئے نماز کی برکات سے اس جہنم کو گلزار ابراہیم بنا دیجئے' یا اللہ ہم کو نماز کی برکات سے محروم نہ فرمایئے۔ یا اللہ! ہم آپ کے سامنے وسیلہ لاتے ہیں' اس وسیلہ کے صدقہ اور طفیل میں یا اللہ ہماری دعائیں قبول فرمالیجئے اور وہ وسیلہ ہے آپ کے محبوب نبی الرحمۃ صلی اللہ علیہ وسلم کا۔ ہم ان کے امتی ہیں اور ان کے امتی ہونے کی حیثیت سے ہم آپ کی بارگاہ میں دست بدعا ہیں کہ ہماری نمازیں قبول فرمالیجئے اور فواحشات ومنکرات سے ہمیں پاک کر دیجئے' ہماری تشویشات' ہماری بیماریاں' ہماری پریشانیاں ہمارے حالات کی خرابیاں سب آپ کے علم میں ہیں۔ آپ ارحم الراحمین ہیں۔ آپ سب کو اپنی رحمت کاملہ سے عافیت سے بدل دیجئے۔

یا اللہ! آپ قادر مطلق ہیں اور ہم آپ کے عاجز بندے ہیں۔ اِیَّاکَ نَعْبُدُ وَاِیَّاکَ نَسْتَعِیْنُ' اللھم اعنا علی ذکرک و شکرک و حسن عبادتک۔

یا اللہ! ہم اس پر شکر ادا کرتے ہیں کہ ہم نماز تو پڑھ لیتے ہیں اگر یہ توفیق بھی ہم سے سلب کر لی جائے تو ہم آپ کی بدترین خلائق میں سے ہو جائیں۔

یا اللہ! آپ ہم پر رحم فرمایئے اور ہماری نمازیں اور دعائیں سب قبول فرمالیجئے اور اپنی بارگاہ میں حاضری سے محروم نہ فرمایئے۔ یا اللہ! محض اپنے فضل لامتناہی سے ہم امتیان نبی رحمت عالم صلی اللہ علیہ وسلم کو آخر وقت میں اپنی اس رحمت کاملہ اور رحمت خاصہ کا مورد بنایئے۔ (خطبات عارفی)

نماز اس طرح پڑھئے

از: فقیہ العصر حضرت مولانا مفتی جمیل احمد تھانوی رحمہ اللہ

اصلی نماز اور طریقۂ نماز: حضرت مولانا مفتی جمیل احمد تھانوی رحمہ اللہ لکھتے ہیں ایک خلجان ہم سب مسلمانوں کو یہ پیش آرہا ہے کہ حق تعالیٰ نے تو فرمایا کہ **اِنَّ الصَّلٰوۃَ تَنْھٰی عَنِ الْفَحْشَآءِ وَالْمُنْکَرِ** (بے شک نماز روک دیتی ہے گندی اور بری باتوں سے) لیکن ہم باہم یہ دیکھ رہے ہیں کہ ہم میں سے بہت سے نمازیں بھی پڑھتے ہیں اور بہت سے پڑھنے والوں کو دیکھتے رہتے ہیں، اگرچہ نماز میں ہم سب کوتاہ ہیں یا تو بالکل نہیں پڑھتے یا دو ایک پڑھ لیں باقی غائب، اور مردوں سے زیادہ عورتیں ایسا کر رہی ہیں، حالانکہ سب بالغ مسلمان مرد و عورتیں آخر مسلمان ہیں لیکن بہر حال کوئی نہ کوئی نماز پڑھ ہی لیتے ہیں، پھر ہماری نماز ہم کو گناہوں سے، مکروہ باتوں سے، نماز چھوڑنے سے، روزہ نہ رکھنے سے اور طرح طرح کے گناہوں سے کیوں نہیں روکتی؟

یہ تو ہو ہی نہیں سکتا کہ ارشاد الٰہی سچا نہ ہو، تو اب اس کے سوا اور کیا صورت ہو سکتی ہے کہ ہماری نماز اصلی نماز نہیں ہو رہی، صرف نقلی نماز ہے کہ جیسے قیام، رکوع، سجدہ کرتے دیکھا، یا سنا، ہم نے بھی ویسی ہی صورت بنالی مگر اندر دل دماغ وغیرہ پر کوئی اثر نہیں ہوتا، اگر اصل نماز پڑھتے تو بحکم الٰہی ہماری نماز ہم کو سب برائیوں سے روک دیتی بلکہ دل و دماغ کی صفائی کے لئے سچی توبہ بھی کرا دیتی اور ہم حقیقت میں مسلمان بن جاتے، حقیقت میں اصلی نماز پڑھنا اور اصلی مسلمان بننا کوئی مشکل نہیں، اس مشکل کو مشکل نہ سمجھئے، اول اول مشق نہ ہونے سے کچھ دیر سے ہوگی پھر رفتہ رفتہ آسانی ہوتی جائے گی۔

سب مسلمانوں کے لئے آسانی کے ساتھ نماز کو اصلی نماز بنا کر پڑھنے کی شکل عرض

کی جاتی ہے، امید ہے کہ اس طرح کی (اصلی) نماز سب کو بدیوں، بدمعاملگیوں، بری باتوں اور سب گناہوں سے بہت جلد روک دے گی۔

لیکن اس کے لئے ہم کو نماز کے ہر ہر جزو کو اور اس کے معنی و مفہوم کو حفظ کر لینا ضروری ہے تا کہ اس کے بعد لفظ کو نقل کرنے پر ہی اس کا تصور اور معنی ذہن میں حاضر ہو جائے اور دل و دماغ سے حاضر ہو یعنی دل و دماغ سے ادا ہو اس طرح ہر ہر لفظ کو ادا کریں گے تو وہ نماز زبان کی بھی ہوگی اور دل و دماغ اور عقل کی بھی ہوگی۔

چونکہ سب آیات اور دعائیں پہلے سے سب کے ذہن میں ہیں اور خوب یاد سے پڑھی جاتی ہیں تو پوری پوری آیت یا دعا کے بجائے اس کے ایک ایک لفظ کا پورا مفہوم پیش کرتے ہیں تا کہ جب زبان سے وہ لفظ ادا ہو تو دل و دماغ میں اس کا مفہوم و مطلب بھی آتا رہے، اس طرح نماز پڑھی جائے گی تو وہ اصلی نماز بن جائے گی پھر چند روز میں آپ کو اثرات معلوم ہونے شروع ہو جائیں گے۔

طریقہ نماز: اول قبلہ کی طرف منہ کرتے ہی یہ تصور رکھئے کہ میں حق تعالیٰ کو دیکھ رہا ہوں، اگر میں نہیں دیکھ سکتا تو وہ دیکھ رہے ہیں حدیث میں احسان یعنی عمدہ عبادت کا طریقہ یہ آیا ہے کہ تم ایسے عبادت کرو گویا اللہ تعالیٰ کو دیکھ رہے ہوں کیونکہ اگر تم نہیں دیکھ رہے تو وہ دیکھ رہا ہے اس تصور سے کوئی ناشائستہ حرکت یا بات نہ ہوگی؟

پھر ''اللہ اکبر'' کہو، یعنی اللہ تعالیٰ سب کی مدد کرنے والے اور سب کچھ دینے والے ہیں، اے اللہ آپ سب سے بڑے ہیں۔

ثناء: اس کے بعد سبحنک اللھم ''پاک ہیں آپ اے اللہ''

اس لفظ کے ساتھ دل میں تمام برائیوں سے پاکی کا خیال رکھ کر یہ سوچیں کہ اللہ! میں سب سے پہلے آپ کا پاک ہونا بیان کرتا ہوں۔

وبحمدک: اور آپ کی تعریف کے ساتھ یعنی پھر میں آپ کی تعریف بیان کرتا ہوں۔

وتبارک اسمک: ''اور برکت والا ہے آپ کا نام''

وتعالیٰ جدک: ''اور بہت بلند ہے آپ کا رتبہ''

ولا الٰہ غیرک: ''اور کوئی معبود نہیں آپ کے سوا''

ان سب کلمات کو زبان کے ساتھ دل سے بھی سمجھیں۔

تعوذ، تسمیہ: پھر اعوذ باللہ من الشیطٰن الرجیم ''میں پناہ مانگتا ہوں اللہ تعالیٰ کی شیطان سے جو لعنت کیا ہوا ہے'' اس میں یہ تصور کریں کہ میں شیطان سے دور ہو گیا ہوں۔

بسم اللہ الرحمن الرحیم ''شروع اللہ تعالیٰ کے نام سے جو بہت رحم والے اور سب پر رحم کرنے والے ہیں'' اس میں یہ تصور کریں کہ میں اللہ تعالیٰ کی رحمت میں آ گیا ہوں۔

سورۃ فاتحہ: **اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ رَبِّ الْعٰلَمِیْنَ۔** ''ہر تعریف اللہ تعالیٰ کے لئے ہے جو تمام جہانوں کے پیدا کرنے اور پالنے والے ہیں'' زبان یہ ادا ہو اور دل و دماغ میں تمام اٹھارہ ہزار جہانوں کو پیدا کرنے اور ان سب کے پالنے والے پروردگار کا خیال ہو۔

الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ ''بہت ہی رحم کرنے والے اور سب پر رحم کرنے والے''

الْعٰلَمِیْنَ کے نون پر زیر رکھیں تو اس کو الرحمٰن کی ''ر'' سے ملائیں پھر یہ بھی درست ہے اور سانس توڑ کر ''الرحمٰن'' پڑھیں تو یہ بھی درست ہے اور دل و دماغ میں یہ بات حاضر ہو کہ پروردگار جو کہ بہت ہی رحم کرنے والے اور سب پر رحم کرنے والے ہیں ان کو سامنے دیکھ رہا ہوں یا اپنے کو ان کے سامنے دیکھ رہا ہوں، اس تصور سے رعب ہو گا۔

مٰلِکِ یَوْمِ الدِّیْنِ جو جزاء یعنی نیک کا ثواب اور برے کا حساب کے دن کے مالک ہیں'' یعنی اچھے کاموں کے اچھے اور برے کاموں کے برے بدلہ کے دن، قیامت کے دن، کے مالک ہیں، زبان سے یہ ادا ہو اور دل میں یہ بات گھوم جائے کہ ہم نے جو برائیاں کی ہیں ان کا برا بدلہ اور جو نیک کام کئے ہیں ان کا نیک بدلہ قیامت کے دن ملے گا، پروردگار نے قیامت کے دن دونوں بدلے تیار کر رکھے ہیں، ہمارے پہنچتے ہی اللہ تعالیٰ ادا کریں ایسے حال سے دل لرز جانا چاہئے۔

اِیَّاکَ نَعْبُدُ وَاِیَّاکَ نَسْتَعِیْنُ ''ہم صرف آپ ہی کی عبادت کرتے ہیں اور صرف آپ سے مدد مانگتے ہیں'' زبان سے یہ الفاظ کہتے ہوئے دل کو ہر بڑی چیز، بڑے کام، بڑی دولت سے الگ کر دیں اور اللہ تعالیٰ کے سوا بندگی میں کسی کا خیال دل میں نہ آنے دیں نہ کسی کا خوف و خطر، نہ کسی سے امید رکھیں، اگر کبھی ضرورت میں کسی سے کام کہہ بیٹھیں تو خیر مگر دل میں صرف اللہ تعالیٰ

سے مدد مانگیں اور بندگی تو سب سے بڑے یعنی اللہ پاک کے سوا اور کسی کی ہو ہی نہیں سکتی، جو اللہ تعالیٰ کے سوا کسی کی بندگی کرتے ہیں وہ دھوکے میں ہیں، صرف ایک ہی ذات سب سے اعلیٰ سب سے اول اس کی حقدار ہے اور وہ اللہ تعالیٰ ہیں، یہ مضمون دل میں گھوم گھوم جائے۔

اِهْدِنَا الصِّرَاطَ الْمُسْتَقِيْمَ ''آپ ہم کو ہدایت دیجئے سیدھے راستہ کی یعنی ہمیں سیدھا راستہ دکھا دیجئے'' زبان پر یہ الفاظ ہوں اور دل میں یہ ہو کہ اللہ تعالیٰ داہنے اور بائیں راستوں سے بچا کر سیدھے راستہ پر لگا دیں جو جتنے سیدھے راستے سے ہٹا ہوا ہو، داہنے کو ہٹا ہوا ہو یا بائیں کو وہ اتنا ہی حق سے دور ہے اتنا ہی باطل ہے، ہم کو ان سب سے بچا کر سیدھے راستے پر لگا دیجئے، اے اللہ! یہ آپ سے ہی ہوگا کسی اور کے بس کا نہیں۔

صِرَاطَ الَّذِيْنَ اَنْعَمْتَ عَلَيْهِمْ ''راستہ ان لوگوں کا (تصور ہو) جن پر آپ نے اپنا انعام وفضل فرمایا ہے''۔

دوسری ایک آیت میں ان سب کا بیان بھی ہے۔

فَاُولٰٓئِكَ مَعَ الَّذِيْنَ اَنْعَمَ اللّٰهُ عَلَيْهِمْ مِّنَ النَّبِيّٖنَ وَالصِّدِّيْقِيْنَ وَالشُّهَدَآءِ وَالصّٰلِحِيْنَ (النساء:۶۹)

''یہی ہیں وہ لوگ جن پر اللہ تعالیٰ نے اپنا انعام فرمایا ہے وہ ہیں سب نبی، سب صدیقین، سب شہداء، سب نیک لوگ لہٰذا ذہن میں یہ رہے کہ یہ دعا ان بزرگوں کے راستہ کی ہے۔

غَيْرِ الْمَغْضُوْبِ عَلَيْهِمْ وَلَا الضَّآلِّيْنَ ''نہ راستہ ان کا جن پر آپ کا غضب ہوا نہ گمراہوں کا'' حدیث میں ہے کہ غضب کئے جانے والے یہود ہیں اور گمراہی والے عیسائی ہیں یہ لفظ تو زبان سے ادا ہوں اور ان یہودیوں، عیسائیوں کے طریقوں سے خوب بچاؤ ہو، یعنی اپنی زندگی میں یہودیوں اور عیسائیوں کے طور طریق سے بچنے کی پوری کوشش کی نیت کریں۔ آمین! اے اللہ! یہ دعا قبول فرمالے۔

دل سے بھی اس پوری دعا کی قبولیت کی تمنا ہو، اب کوئی سورت پڑھیں اس سے پہلے بسم اللہ الرحمٰن الرحیم۔ ''شروع کرتا ہوں اللہ کے نام سے جو بہت مہربان بڑے رحم والے ہیں'' دل ودماغ میں اللہ تعالیٰ معبود حقیقی کے مفہوم کو ذہن میں رکھیں اور تمام موجودات پر بہت رحم اور سب کے سب پر مہربان ہونے کا تصور کریں اور وقت وفرصت کے موافق بڑی یا چھوٹی سورت شروع کریں۔

سورۃ العصر: وَالْعَصْرِ اِنَّ الْاِنْسَانَ لَفِیْ خُسْرٍ اِلَّا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ وَتَوَاصَوْا بِالْحَقِّ وَتَوَاصَوْا بِالصَّبْرِ

''وقت کی قسم! بے شک انسان نقصان میں ہے، سوائے ان لوگوں کے جو ایمان لے آئے اور انہوں نے نیک کام کئے اور ایک نے دوسرے کو حق بات کی وصیت کی اور ایک دوسرے کو صبر کی وصیت کی''۔

یہ الفاظ پڑھ کر سوچیں کہ جس چیز کی اللہ تعالیٰ قسم کھا رہے ہیں وہ کس قدر مہتم بالشان ہے، یعنی وقت جو انسان کی پیدائش سے لے کر وفات تک کی سب سے عظیم الشان چیز ہے اس کا معمولی حصہ ایک سیکنڈ بھی ضائع کرنے کی چیز نہیں، اس کے ایک ایک سیکنڈ سے کام لیا جائے ورنہ موت آنے پر سوائے افسوس و پریشانی کے کچھ نہ ہوگا، اس لئے حق تعالیٰ نے فرمایا، وقت کی قسم! ہر انسان خسارہ ونقصان میں ہے، سوائے ان لوگوں کے جو ایمان لے آئے اور انہوں نے نیک عمل کئے اور ایک دوسرے کو حق کے کام کرنے اور صبر کی وصیت کرتے رہے، دل و دماغ میں حق کو جمانے اور تکلیف، تنگی مصیبت پر صبر کرنے کا سوچیں اور دل و دماغ میں اسے جمائیں۔

رکوع: اب اس کے بعد رکوع میں جانا ہے، اللہ اکبر، کہہ کر رکوع میں جائیں۔

اللہ اکبر ''اللہ تعالیٰ ہر شے سے بڑے ہیں اور سب کمتر ہیں خواہ کوئی ہو''

رکوع میں یہ تسبیح پڑھنی ہے ''**سبحان ربی العظیم**'' ''پاکی ہے میرے پروردگار کی جو بڑی عظمت والے ہیں''۔

رکوع میں تسبیح پڑھنی ہے ''**سبحان ربی العظیم**'' ''پاکی ہے میرے پروردگار کی جو بڑی عظمت والے ہیں''۔

تین بار یہ الفاظ کہیں اور دل ودماغ میں یہ تصور رہے کہ ہمارے پیدا کرنے والے اور پرورش کرنے والے پروردگار ہر چیز سے بڑے اور عظمت والے ہیں، ہر چیز کتنی ہی بڑی سے بڑی ہو اور آفت کتنی بری سے بری ہو ان کے آگے کچھ نہیں وہ سب سے بڑی عظمت والے ہیں، کائنات کی چیزیں ہوں یا انسان اور جانور سب اس کی عظمت کے سامنے کچھ نہیں، یہ تصور دل میں جما کر تسبیح کہیں، پھر رکوع سے کھڑے ہوتے وقت ایک بار زبان سے کہے۔

سمع اللہ لمن حمد ''سن لی اللہ تعالیٰ نے اس کی جس نے ان کی تعریف کی''

اوردل ودماغ میں یقین کرے کہ اللہ تعالیٰ کی تعریف قبول ہوتی ہے اور ہم نے جو تعریف کی ہے وہ مقبول ہے۔ اور اگر مقتدی ہو یعنی امام کے پیچھے نماز پڑھ رہا ہو تو صرف یہ کہے:
ربنا لک الحمد ''اے ہمارے رب! آپ ہی کیلئے ہے سب تعریف، اور اگر اکیلا نماز پڑھ رہا ہے تو دونوں جملے کہے اور دل ودماغ سے تصور کر کے کہے''۔

سجدہ: اب الله اکبر ''اللہ تعالیٰ سب سے ہی بڑے ہیں'' زبان سے کہیں اور دل اور دماغ میں یہ غور کریں کہ کوئی کتنا ہی بڑا شمار ہو، بڑی طاقت، بڑی دولت، بڑی عزت، بڑی فوج اور کیسی ہی بڑی سے بڑی حالت والا ہو ان کے سامنے کچھ نہیں، وہی سب سے بڑے ہیں اور سب ان کے سامنے حقیر بے توقیر ہیں، پھر سجدہ میں جائیے اور پڑھے۔
سبحان ربی الاعلیٰ ''پاک ہے میرا پروردگار جو سب سے بلند ہے، اسے تین بار کہیں اور اس کے مفہوم کو بھی ہر بار دل میں جمالیں'' دوسری رکعت: پھر دوسری رکعت کے لئے کھڑے ہوں اور الله اکبر ''اللہ سب سے بڑے ہیں'' کہتے ہوئے کھڑے ہوں اور صرف بسم الله الرحمن الرحیم، پڑھ کر اس کے مفہوم کو دل ودماغ میں جما کر پڑھیں۔
سورۂ فاتحہ: اب آگے بڑھیں اور سورۂ فاتحہ پڑھیں اور اس کا ترجمہ اور مفہوم سوچتے رہیں۔

پہلی رکعت کی طرح ہر آیت کے مضمون کو دل ودماغ میں حاضر کرتے رہیں۔ آمین تک۔

سورۃ اخلاص: اب سورۃ فاتحہ کے بعد کوئی سورۃ پڑھیں، مثلاً قُلْ هُوَ اللّٰهُ اَحَدٌ ''وہ معبود اللہ یکتا ہے''۔ دل ودماغ میں ہو کہ کوئی ان کے قریب کا بھی نہیں، وہ تمام عمدہ صفات اور پیدا کرنے، پالنے میں اکیلے ہیں، کوئی ان کے برابر تو کیا قریب کا بھی نہیں۔

اَللّٰهُ الصَّمَدُ ''اصل معبود ہیں، سب کی پناہ ہیں'' دل ودماغ میں یہ ہو کہ ان جیسا نہ ہوا ہے نہ ہوگا۔ لَمْ يَلِدْ وَلَمْ يُوْلَدْ ''نہ اس نے کسی کو جنا اور نہ وہ کسی سے جنا گیا''

دل ودماغ میں یہ ہو کہ سب چیزیں، کوئی کسی کی جنی ہوئی اور کوئی کسی کو جن رہی ہے۔
لیکن وہ ذات دونوں سے پاک ہے۔

وَلَمْ يَكُنْ لَّهٗ كُفُوًا اَحَدٌ ''اور کوئی ان کے برابر نہ ہوسکا'' دل ودماغ میں یہ رہے کہ جس قدر کمالات، بزرگیاں، بڑائیاں اور عمدہ صفات ان میں ہیں ان میں کوئی انکے برابر نہیں ہوسکا۔

الله اکبر کہیں ''اللہ تعالیٰ ہی سب سے بڑے ہیں'' اور دل ودماغ میں اللہ

تعالیٰ کو ہر بڑائی میں سب سے بڑا مانتے رہیں پھر سبحان ربی العظیم'' پاک ہے میرا رب جو سب سے عظمت والا ہے'' تین بار کہیں اور دل و دماغ میں ان کو ہر بڑے سے بڑا اور ہر وصف و کمال میں بڑا اقرار دیں۔

حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ'' جو دو رکعت نماز ایسی پڑھے گا کہ اپنے نفس سے اس میں بات نہ کرے گا تو اس کے لئے جنت واجب ہوگی''۔

اب خیال کیجئے! کہ جو شخص ساری نمازیں اسی طرح سے پڑھے گا تو وہ کیا بن جائے گا؟ اس جیسا کون ہوگا؟ اس لئے دل میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا وعدہ خوب جما لیجئے، اور ہر نماز اسی طرح ادا کیجئے تو وہ ہوگی اصلی نماز، یہ نماز جنت کی نماز ہوگی، تو آپ کیا بن جائیں گے؟ جنتی! اور جو مسلمان ویسا کرے گا وہ سب اصلی مسلمان بن جائیں گے، ایک شبہ کا جواب: شاید کسی کو یہ خیال ہو کہ ایسی نماز پڑھیں تو ہم ساری رات اور سارے دن میں ایک ہی نماز پڑھ سکیں گے تو سب نمازوں سے بے نماز رہ کر بے نمازی کے عذاب میں ہمیشہ کیلئے مبتلا ہو جائیں گے تو سمجھ لیجئے کہ! یہ خیال شیطانی خیال ہے جو اس نے گناہ گار بنانے کیلئے بطور جال پھیلایا ہے تو اس کے جال میں نہ آیئے۔

سنئے! پہلے پہلے ہر کام دیر میں ہوتا ہے اور خراب بھی ہوتا ہے، پھر رفتہ رفتہ روز بروز جلدی جلدی ہونے لگتا ہے اور ہر دن پچھلے دن سے بہتر ہوتا چلا جاتا ہے لکھنے میں پڑھنے میں خود تجربہ کیا ہوگا کہ اول اول تو ایک حرف لکھنا، پڑھنا مشکل ہوتا تھا، پھر صفحے کے صفحے ذرا دیر میں اور پہلے سے اچھی طرح پورے ہونے لگتے ہیں، ایسے ہی لوہار، بڑھائی، دھوبی، معمار اور ہر کام کا کاریگر اول دیر سے اور مشکل سے کام کرتا ہے پھر ایک عرصہ بعد نہایت عمدہ اور درست جلدی جلدی کرنے لگتا ہے، یہی سب کاموں کا طریقہ ہے۔

لہٰذا آج ہی سے آپ یہ طریقہ اختیار کرنا شروع کر دیجئے تو دیکھئے ہر روز پہلے سے زیادہ عمدہ اور کم وقت میں اول سے آخر تک نماز اصلی حاصل ہو جائے گی۔

چند روز کی مشکل ہے پھر بہت آسان، بہت عمدہ نماز اور پھر دین کا ہر کام اسی طرح عمدہ اور جلدی ہو جایا کریں گے (حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اپنے زمانہ خلافت میں

ایک اعلان سب جگہ کے حکام کے پاس بھیجا تھا کہ میرے نزدیک سب سے زیادہ مہتم بالشان نماز ہے، جو شخص اس کی حفاظت اور اس کا اہتمام کرے گا وہ دین کے اور اجزاء کا بھی اہتمام کرسکتا ہے اور جو اس کو ضائع کردے گا وہ دین کے اور اجزاء کو بھی ضائع کردے گا، پھر آنکھوں سے نظر آجائے گا کہ ہم خود سچے پکے مسلمان ہوگئے ہیں۔

غرض اس کیمیاوی نسخہ کی صرف چند روز کی مشق سے دنیا و دین دونوں سنور جائیں گے، اس سو فیصد کامیاب نسخہ میں نہ وقت زیادہ لگتا ہے نہ کوئی خرچہ پڑتا ہے اور دین، دنیا کا نفع، ملک کا نفع بلکہ سارے عالم کا نفع اس میں ہے۔

حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا وعدہ اور نہایت پکا وعدہ کہ اس کے خلاف ہو نہیں سکتا یعنی جنت اگر قوت، عزت، دولت، جان محنت ختم کرکے بھی ملے تو بے حد سستی ہے ایسی چیز میں ہمت ہار جانا بدبختی اور نادانی ہے، اللہ تعالیٰ ہمیں سستی سے محفوظ رکھے۔

اجتماعی کوشش: اگر ہر محلّہ میں اس طرح سے کام کرنے والوں کی ایک جماعت ہوگئی جو نماز کا مفہوم دل و دماغ میں بٹھا کر اصلی نماز ادا کریں، اور زندگی میں گناہوں سے بچیں تو آپ صرف پاکستان کو ہی پاک در پاک نہیں بنادیں گے بلکہ ساری دنیا کے انسانوں اور حکومتوں کو حقیقی خدائی بندے اور پاک در پاک بنالیں گے۔

اللہ تعالیٰ ہم سب کو ایسا مسلمان بننے کی توفیق عطاء فرمائیں، آمین، تب پاکستان، پاکستان بن جائے گا، اس موجودہ حالت میں تو ''برعکس نہند نام زندگی کافور'' کی صورت ہورہی ہے ناپاک کو پاک کہا جارہا ہے۔

آیئے! ہم سب مل کر بہت عاجزی خشوع وخضوع سے اس کی پابندی کریں اور برابر ہر نماز کے بعد سب کے لئے سچے پکے مسلمان ہونے کی دعاء اور کوششیں کریں۔ اللہ تعالیٰ مدد فرمائیں، آمین۔

نمازوں میں بکثرت پڑھی جانے والی آخری دس سورتیں اور ان کا ترجمہ

سورۃ الفیل

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ ○
﴿شروع اللہ کے نام سے جو نہایت مہربان بڑا رحم والا ہے﴾
اَلَمۡ تَرَ کَیۡفَ فَعَلَ رَبُّکَ بِاَصۡحٰبِ
تو نے دیکھا نہیں کیسا برتاؤ کیا تیرے
الۡفِیۡلِ ؕ﴿۱﴾ اَلَمۡ یَجۡعَلۡ کَیۡدَہُمۡ فِیۡ
پروردگار نے ہاتھی والوں کے ساتھ! کیا اس نے ان کا داؤ
تَضۡلِیۡلٍ ۙ﴿۲﴾ وَّ اَرۡسَلَ عَلَیۡہِمۡ طَیۡرًا

غلط نہیں کر دیا؟ اور ان پر بھیجے پرندے
اَبَابِيْلَ ۝٣ تَرْمِيْهِمْ بِحِجَارَةٍ مِّنْ
غول غول جو ان پر پھینکتے تھے پتھر کی کنکریاں
سِجِّيْلٍ ۝٤ فَجَعَلَهُمْ كَعَصْفٍ مَّاْكُوْلٍ ۝٥
تو ان کو ایسا کر ڈالا جیسے بھوسہ کھایا ہوا۔

سورۃ القریش

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ ۝
﴿شروع اللہ کے نام سے جو نہایت مہربان بڑا رحم والا ہے﴾
لِاِيْلٰفِ قُرَيْشٍ ۝١ اٖلٰفِهِمْ رِحْلَةَ
اس (نعمت کے شکریہ میں کہ اللہ نے) قریش میں الفت ڈالی۔ ان کو الفت دی
الشِّتَآءِ وَالصَّيْفِ ۝٢ فَلْيَعْبُدُوْا
جاڑے اور گرمی کے سفر میں۔ تو ان کو چاہیئے کہ

رَبَّ هٰذَا الْبَيْتِ ﴿٣﴾ الَّذِيْٓ
عبادت کریں اس خانہ (کعبہ) کے مالک کی
اَطْعَمَهُمْ مِّنْ جُوْعٍ ۙ وَّاٰمَنَهُمْ مِّنْ
جس نے ان کو کھانا دیا بھوک میں اور ان کو امن دیا
خَوْفٍ ﴿٤﴾
خوف میں

سورة ماعون

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ
﴿شروع اللہ کے نام سے جو نہایت مہربان بڑا رحم والا ہے﴾
اَرَءَيْتَ الَّذِيْ يُكَذِّبُ بِالدِّيْنِ ﴿١﴾
بھلا تو نے اسے بھی دیکھا جو جھوٹ سمجھتا ہے جزا کو!
فَذٰلِكَ الَّذِيْ يَدُعُّ الْيَتِيْمَ ﴿٢﴾ وَلَا يَحُضُّ

وہی تو ہے جو دھکے دیتا ہے یتیم کو۔ اور ترغیب نہیں دیتا

عَلٰى طَعَامِ الْمِسْكِيْنِ ۝٣ فَوَيْلٌ

مسکین کے کھانا کھلانے کی تو ان

لِّلْمُصَلِّيْنَ ۝٤ الَّذِيْنَ هُمْ عَنْ

نمازیوں کی خرابی ہے۔ جو اپنی

صَلَاتِهِمْ سَاهُوْنَ ۝٥ الَّذِيْنَ هُمْ

نماز سے بے خبر ہیں وہ جو ریا کرتے ہیں۔

يُرَآءُوْنَ ۝٦ وَيَمْنَعُوْنَ الْمَاعُوْنَ ۝٧

اور ماعون بھی (عاریۃً) نہیں دیتے

سورۃ الکوثر

بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ ○
﴿شروع اللہ کے نام سے جو نہایت مہربان بڑا رحم والا ہے﴾
اِنَّآ اَعْطَیْنٰکَ الْکَوْثَرَ ؕ ①
ہم نے تجھے کوثر عطا فرمائی۔
فَصَلِّ لِرَبِّکَ وَانْحَرْ ؕ ② اِنَّ
تو نماز پڑھ اپنے پروردگار کی اور قربانی کر! جو
شَانِئَکَ ھُوَ الْاَبْتَرُ ع ③
تیرا دشمن ہے وہی بے نسل رہا

سورۃ الکافرون

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ ○

﴿شروع اللہ کے نام سے جو نہایت مہربان بڑا رحم والا ہے﴾

قُلۡ یٰۤاَیُّہَا الۡکٰفِرُوۡنَ ① لَاۤ اَعۡبُدُ

کہہ دے کہ اے کافرو نہ تو میں اس کی پرستش کرتا ہوں جس کی تم

مَا تَعۡبُدُوۡنَ ② وَ لَاۤ اَنۡتُمۡ عٰبِدُوۡنَ

پرستش کرتے ہو اور نہ تم ہی اس کی عبادت کرتے ہو

مَاۤ اَعۡبُدُ ③ وَ لَاۤ اَنَا عَابِدٌ مَّا

جس کی میں عبادت کرتا ہوں اور آئندہ بھی نہ میں اس کو پرستش کروں گا

عَبَدۡتُّمۡ ④ وَ لَاۤ اَنۡتُمۡ عٰبِدُوۡنَ مَاۤ

جس کی تم پرستش کرتے ہو اور نہ تم ہی اس کی پرستش

اَعۡبُدُ ⑤ لَکُمۡ دِیۡنُکُمۡ وَلِیَ دِیۡنِ ⑥

کرو گے جس کی میں پرستش کرتا ہوں تم کو تمہارا دین اور مجھ کو میرا دین۔

سورۃ النصر

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ ○
﴿شروع اللہ کے نام سے جو نہایت مہربان بڑا رحم والا ہے﴾
اِذَا جَآءَ نَصۡرُ اللّٰہِ وَ الۡفَتۡحُ ۙ﴿۱﴾ وَ رَاَیۡتَ
جب کہ آ پہنچی اللہ کی مدد اور فتح (مکہ کی) اور تو نے لوگوں کو
النَّاسَ یَدۡخُلُوۡنَ فِیۡ دِیۡنِ اللّٰہِ اَفۡوَاجًا ۙ﴿۲﴾
دیکھ لیا کہ داخل ہو رہے ہیں اللہ کے دین میں جوق جوق۔
فَسَبِّحۡ بِحَمۡدِ رَبِّکَ وَ اسۡتَغۡفِرۡہُ ؕؔ اِنَّہٗ
پس تسبیح کر اپنے پروردگار کی حمد کیساتھ اور اس سے گناہوں کی معافی مانگ بیشک
کَانَ تَوَّابًا ﴿۳﴾ ع
وہ معاف فرمانے والا ہے

سورۃ اللھب

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ ○

﴿شروع اللہ کے نام سے جو نہایت مہربان بڑا رحم والا ہے﴾

تَبَّتۡ یَدَاۤ اَبِیۡ لَہَبٍ وَّتَبَّ ؕ ① مَاۤ

ٹوٹیں دونوں ہاتھ ابو لہب کے اور ہلاک ہو نہ تو اس کے

اَغۡنٰی عَنۡہُ مَالُہٗ وَمَا کَسَبَ ؕ ② سَیَصۡلٰی

کام اس کا مال آیا اور نہ اس کی کمائی۔ وہ عنقریب داخل ہو گا

نَارًا ذَاتَ لَہَبٍ ۚۖ ③ وَّامۡرَاَتُہٗ ؕ

شعلہ والی آگ میں اور نیز اس کی

حَمَّالَۃَ الۡحَطَبِ ۚ ④ فِیۡ جِیۡدِہَا

جورو بھی جو لکڑ ہیں سر پر اٹھاتی ہے۔ اس کی گردن

حَبۡلٌ مِّنۡ مَّسَدٍ ⑤ ع

میں مونج کی رسی ہے

سورۃ الاخلاص

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ ○
﴿شروع اللہ کے نام سے جو نہایت مہربان بڑا رحم والا ہے﴾
قُلۡ ہُوَ اللّٰہُ اَحَدٌ ۚ﴿۱﴾ اَللّٰہُ الصَّمَدُ ۚ﴿۲﴾
کہہ دے کہ وہ اللہ ایک ہے اللہ بے نیاز ہے
لَمۡ یَلِدۡ ۙ وَ لَمۡ یُوۡلَدۡ ۙ﴿۳﴾ وَ لَمۡ یَکُنۡ
نہ اس سے کوئی پیدا ہوا نہ وہ کسی سے پیدا ہوا
لَّہٗ کُفُوًا اَحَدٌ ٪﴿۴﴾
اور نہ کوئی اس کی مثل ہے۔

سورۃ الفلق

بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ ○

﴿شروع اللہ کے نام سے جو نہایت مہربان بڑا رحم والا ہے﴾
قُلْ اَعُوْذُ بِرَبِّ الْفَلَقِ ﴿۱﴾ مِنْ
کہہ میں پناہ مانگتا ہوں صبح کے مالک کی ہر چیز کے
شَرِّ مَا خَلَقَ ﴿۲﴾ وَمِنْ شَرِّ غَاسِقٍ
شر سے جو اللہ نے پیدا کی اور اندھیری رات کے شر سے
اِذَا وَقَبَ ﴿۳﴾ وَمِنْ شَرِّ النَّفّٰثٰتِ
جب کہ اس کی سیاہی سمٹ آوے۔ اور ان (جادو گرنیوں) کے شر سے
فِی الْعُقَدِ ﴿۴﴾ وَمِنْ شَرِّ حَاسِدٍ
جو گرہوں میں پھونکتی ہیں اور ہونسے والے کے شر سے
اِذَا حَسَدَ ﴿۵﴾ ع
جب کہ لگے ہونسے

سورة الناس

بِسۡمِ اللّٰهِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِيۡمِ ۝

﴿شروع اللہ کے نام سے جو نہایت مہربان بڑا رحم والا ہے﴾
قُلۡ اَعُوۡذُ بِرَبِّ النَّاسِ ۝١ مَلِكِ
کہہ میں پناہ مانگتا ہوں لوگوں کے پروردگار لوگوں
النَّاسِ ۝٢ اِلٰهِ النَّاسِ ۝٣ مِنۡ
کے بادشاہ لوگوں کے معبود کی۔
شَرِّ الۡوَسۡوَاسِ ۙ الۡخَنَّاسِ ۝٤
(شیطان) کے شر سے جو وسوسہ ڈالے (اور) نظر نہ آوے
الَّذِىۡ يُوَسۡوِسُ فِىۡ صُدُوۡرِ
کہ وسوسہ ڈالتا ہے لوگوں کے دلوں میں۔
النَّاسِ ۝٥ مِنَ الۡجِنَّةِ وَالنَّاسِ ۝٦ ع
جنات اور آدمی دونوں ہی کی جنس میں سے ہوتا ہے۔

خواتین کا طریقۂ نماز

مندرجہ ذیل باتیں یادرکھئے اوران پرعمل کا اطمینان کرلیجئے۔

ا۔آپ کارخ قبلہ کی طرف ہونا ضروری ہے۔

۲۔آپ کو سیدھا کھڑا ہونا چاہئے، اور آپ کی نظر سجدے کی جگہ پر ہونی چاہئے۔ گردن کو جھکا کر ٹھوڑی سینے سے لگا لینا مکروہ ہے، اور بلاوجہ سینے کو جھکا کر کھڑا ہونا بھی درست نہیں، لہٰذا اس طرح سیدھی کھڑی ہوں کہ نظر سجدے کی جگہ پر رہے۔

۳۔آپکے پاؤں کی انگلیوں کارخ بھی قبلہ کی جانب رہےاور دونوں پاؤں سیدھے قبلہ رخ رہیں (پاؤں کو دائیں بائیں ترچھا رکھنا خلاف سنت ہے) دونوں پاؤں قبلہ رخ ہونے چاہئیں۔

۴۔دونوں پاؤں کے درمیان کم از کم چار انگلی کا فاصلہ رکھنا چاہئے۔(امدادالاحکام)

۵۔خواتین کسی موٹی اور بڑی چادر سے اپنے سارے جسم کو اچھی طرح ڈھانپ لیں، جس میں سر، سینہ، بازو، باہیں، پنڈلیاں، مونڈھے، گردن وغیرہ سب ڈھکے رہیں۔ ہاں اگر چہرہ یا قدم یا گٹوں تک ہاتھ کھلے رہیں تو نماز ہوجائے گی کیونکہ یہ تینوں چیزیں ستر سے مستثنٰی ہیں اور اگر یہ بھی ڈھکی رہیں تب بھی نماز ہوجائے گی۔

۶۔نماز کے لئے ایسا باریک دوپٹہ استعمال کرنا جس میں سر، گردن، حلق اور حلق کے نیچے کا بہت سا حصہ نظر آتا رہے، اسی طرح بازو، کہنیاں اور کلائیاں نہ چھپیں یا پنڈلیاں کھلی رہیں تو ایسی صورت میں نماز بالکل نہیں ہوگی، لہٰذا نماز کے وقت سارے جسم کو چھپانے کا خاص اہتمام کریں۔اس مقصد کے لئے موٹا دوپٹہ استعمال کریں۔

۷۔اگر نماز کے دوران چہرے، ہاتھ اور پاؤں کے سوا جسم کا کوئی عضو بھی چوتھائی کے برابر اتنی دیر کھلا رہ گیا جس میں تین مرتبہ سُبْحَانَ رَبِّیَ الْعَظِیْم کہا

جا سکے تو نماز ہی نہیں ہوگی اور اس سے کم کھلا رہ گیا تو نماز ہو جائے گی مگر گناہ ہوگا۔

۸۔ ایسے کپڑے پہن کر نماز میں کھڑی ہونا مکروہ ہے جنہیں پہن کر انسان لوگوں کے سامنے نہ جاتا ہو۔

نماز شروع کرتے وقت

۱۔ دل میں نیت کرلیں کہ میں فلاں نماز پڑھ رہی ہوں، زبان سے نیت کے الفاظ کہنا ضروری نہیں۔

۲۔ دونوں ہاتھ دوپٹے سے باہر نکالے بغیر کندھوں تک اس طرح اٹھائیں کہ ہتھیلیوں کا رخ قبلہ کی طرف ہو اور انگلیاں اوپر کی طرف سیدھی ہوں۔ خواتین کانوں تک ہاتھ نہ اٹھائیں۔

۳۔ مذکورہ بالا طریقہ پر ہاتھ اٹھاتے وقت "اللّٰہُ اَکْبَرُ" کہیں اور دونوں ہاتھ سینے پر بغیر حلقہ بنائے اس طرح رکھیں کہ داہنے ہاتھ کی ہتھیلی بائیں ہاتھ کی پشت پر آجائے، خواتین کو مردوں کی طرح ناف پر ہاتھ نہ باندھنے چاہئیں۔

کھڑے ہونے کی حالت میں

۱۔ اکیلے نماز پڑھنے کی حالت میں پہلی رکعت میں پہلے سُبْحٰنَکَ اللّٰھُمَّ آخر تک پڑھیں، اس کے بعد اَعُوْذُ بِاللّٰہِ مِنَ الشَّیْطٰنِ الرَّجِیْمِ پڑھیں، اس کے بعد بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ پڑھیں، اس کے بعد سورۂ فاتحہ پڑھیں اور جب وَلَا الضَّآلِّیْنَ کہیں تو اس کے بعد فوراً آمین کہیں، اس کے بعد بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ پڑھ کر کوئی سورت پڑھیں یا کہیں سے بھی تین آیتیں پڑھیں۔

۲۔ اگر اتفاقاً امام کے پیچھے ہوں تو صرف سُبْحٰنَکَ اللّٰھُمَّ پڑھ کر خاموش ہو جائیں اور امام کی قرأت کو دھیان لگا کر سنیں، اگر امام زور سے نہ پڑھ رہا ہو تو زبان ہلائے بغیر دل ہی دل میں سورۂ فاتحہ کا دھیان کئے رکھیں۔

۳۔ جب خود قرأت کر رہی ہوں تو سورۂ فاتحہ پڑھتے وقت بہتر یہ ہے کہ ہر آیت پر رک کر سانس توڑیں، پھر دوسری آیت پڑھیں، کئی کئی آیتیں ایک سانس میں نہ پڑھیں،

مثلاً اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ، پر سانس توڑ دیں پھر دوسری آیت پر پھر تیسری آیت پر۔ اسی طرح پوری سورۂ فاتحہ پڑھیں، لیکن اس کے بعد کی قرأت میں ایک سانس میں ایک سے زیادہ آیتیں بھی پڑھ لیں تو کوئی حرج نہیں اور خواتین کو ہر نماز میں الحمد شریف اور سورۃ وغیرہ ساری چیزیں آہستہ پڑھنی چاہئیں۔ (بہشتی زیور)

۴۔ بغیر کسی ضرورت کے جسم کے کسی حصہ کو حرکت نہ دیں، جتنے سکون کے ساتھ کھڑی ہوں اتنا ہی بہتر ہے، اگر کھجلی وغیرہ کی ضرورت ہو تو ایک ہاتھ استعمال کریں اور وہ بھی سخت ضرورت کے وقت اور کم سے کم۔

۵۔ جسم کا سارا زور ایک پاؤں پر دے کر دوسرے پاؤں کو اس طرح چھوڑ دینا کہ اس میں خم آ جائے نماز کے ادب کے خلاف ہے، اس سے پرہیز کریں، یا تو دونوں پاؤں پر برابر زور دیں یا ایک پاؤں پر زور دیں تو اس طرح کہ دوسرے پاؤں میں خم پیدا نہ ہو۔

۶۔ جمائی آنے لگے تو اس کو روکنے کی پوری کوشش کریں۔

۷۔ کھڑے ہونے کی حالت میں نظریں سجدہ کی جگہ پر رکھیں، ادھر ادھر یا سامنے دیکھنے سے پرہیز کریں۔

رکوع میں

رکوع میں جاتے وقت ان باتوں کا خیال رکھیں۔

۱۔ جب قیام سے فراغت ہو جائے تو رکوع کرنے کیلئے "اَللّٰهُ اَكْبَرُ" کہیں، جس وقت رکوع کرنے کیلئے جھکیں اسی وقت تکبیر کہنا بھی شروع کر دیں اور رکوع میں جاتے ہی تکبیر ختم کر دیں۔

۲۔ خواتین رکوع میں معمولی جھکیں کہ دونوں ہاتھ گھٹنوں تک پہنچ جائیں، مردوں کی طرح خوب اچھی طرح نہ جھکیں۔ (شامی)

۳۔ خواتین گھٹنوں پر ہاتھ کی انگلیاں ملا کر رکھیں، مردوں کی طرح کشادہ کر کے گھٹنوں کو نہ پکڑیں اور گھٹنوں کو (ذرا آگے) کو جھکا لیں اور اپنی کہنیاں بھی پہلو سے خوب ملا کر رکھیں۔ (درمختار)

۴۔ کم از کم اتنی دیر رکوع میں رکیں کہ اطمینان سے تین مرتبہ سُبْحَانَ رَبِّيَ الْعَظِيْم کہا جا سکے۔

۵۔ رکوع کی حالت میں نظریں پاؤں کی طرف ہونی چاہئیں۔

۶۔ دونوں پاؤں پر زور برابر رہنا چاہئے۔ اور دونوں پاؤں کے ٹخنے ایک دوسرے کے قریب رہنے چاہئیں۔

رکوع سے کھڑے ہوتے وقت

۱۔ رکوع سے کھڑے ہوتے وقت اس قدر سیدھی ہوجائیں کہ جسم میں کوئی خم باقی نہ رہے۔

۲۔ اس حالت میں بھی نظر سجدے کی جگہ پر رہنی چاہئے۔

۳۔ بعض خواتین کھڑے ہوتے وقت کھڑی ہونے کے بجائے کھڑے ہونے کا صرف اشارہ کر دیتی ہیں اور جسم کے جھکاؤ کی حالت ہی میں سجدے کے لئے چلی جاتی ہیں، ان کے ذمے نماز کا لوٹانا واجب ہو جاتا ہے لہٰذا اس سے سختی کے ساتھ پرہیز کریں، جب تک سیدھے ہونے کا اطمینان نہ ہوجائے، سجدے میں نہ جائیں۔

سجدے میں جاتے وقت

سجدے میں جاتے وقت اس طریقہ کا خیال رکھیں کہ:

۱۔ خواتین سینہ آگے کو جھکا کر سجدے میں جائیں، پہلے اپنے گھٹنے زمین پر رکھیں، گھٹنوں کے بعد پہلے ہاتھ زمین پر رکھیں، پھر ناک، پھر پیشانی۔

۲۔ سجدے میں خواتین خوب سمٹ کر اور دبک کر اس طرح سجدہ کریں کہ پیٹ رانوں سے بالکل مل جائے، بازو بھی پہلوؤں سے ملے ہوئے ہوں، نیز پاؤں کو کھڑا کرنے کے بجائے انہیں دائیں طرف نکال کر بچھادیں، جہاں تک ہوسکے انگلیوں کا رخ قبلہ کی طرف رکھیں۔

۳۔ خواتین کو کہنیوں سمیت پوری بانہیں بھی زمین پر رکھ دینی چاہئیں۔

۴۔ سجدے کی حالت میں کم از کم اتنی دیر گزاریں کہ تین مرتبہ سُبْحَانَ رَبِّيَ الْأَعْلٰى۔ اطمینان کے ساتھ کہہ سکیں، پیشانی ٹیکتے ہی فوراً اٹھا لینا منع ہے۔

دونوں سجدوں کے درمیان

۱۔ایک سجدے سے اٹھ کر اطمینان سے بیٹھ جائیں، پھر دوسرا سجدہ کریں، ذرا سا سر اٹھا کر سیدھے ہوئے بغیر دوسرا سجدہ کرلینا گناہ ہے اور اس طرح کرنے سے نماز کا لوٹانا واجب ہوجاتا ہے۔

۲۔خواتین پہلے سجدہ سے اٹھ کر بائیں کولہے پر بیٹھیں اور دونوں پاؤں دائیں طرف کو نکال دیں اور دائیں پنڈلی کو بائیں پنڈلی پر رکھیں اور دونوں ہاتھ رانوں پر رکھ لیں اور انگلیاں خوب ملا کر رکھیں۔

۳۔ بیٹھنے کے وقت نظریں اپنی گود کی طرف ہونی چاہئیں۔

۴۔اتنی دیر بیٹھیں کہ اس میں کم از کم ایک مرتبہ سُبْحَانَ اللّٰہ کہا جاسکے اور اگر اتنی دیر بیٹھیں کہ اس میں اَللّٰھُمَّ اغْفِرْلِیْ وَارْحَمْنِی وَاسْتُرْنِیْ وَاجْبُرْنِی وَاھْدِنِیْ وَارْزُقْنِیْ پڑھا جاسکے تو بہتر ہے لیکن فرض نمازوں میں یہ پڑھنے کی ضرورت نہیں، نفلوں میں پڑھ لینا بہتر ہے۔

دوسرا سجدہ اور اس سے اٹھنا

۱۔دوسرے سجدے میں بھی اس طرح جائیں کہ پہلے دونوں ہاتھ زمین پر رکھیں، پھر ناک، پھر پیشانی۔

۲۔ سجدے کی ہیئت وہی ہونی چاہئے جو پہلے سجدے میں بیان کی گئی۔

۳۔سجدے سے اٹھتے وقت پہلے پیشانی زمین سے اٹھائیں، پھر ناک، پھر ہاتھ، پھر گھٹنے۔

۴۔ اٹھتے وقت زمین کا سہارا نہ لینا بہتر ہے، لیکن اگر جسم بھاری ہو یا بیماری یا بڑھاپے کی وجہ سے مشکل ہو تو سہارا لینا بھی جائز ہے۔

۵۔اٹھنے کے بعد ہر رکعت کے شروع میں سورۂ فاتحہ سے پہلے بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ پڑھیں۔

قعدہ میں

۱۔قعدہ میں بیٹھنے کا طریقہ وہی ہوگا جو دو سجدوں کے بیچ میں بیٹھنے کا طریقہ ذکر کیا گیا ہے۔

۲۔ التحیات پڑھتے وقت جب اَشْھَدُ اَنْ لَّا پر پہنچیں تو شہادت کی انگلی اٹھا کر اشارہ کریں اور اِلَّا اللّٰہُ پر گرادیں۔

۳۔ اشارے کا طریقہ یہ ہے کہ بیچ کی انگلی اور انگوٹھے کو ملا کر حلقہ بنائیں، چھنگلی اور اس کے برابر والی انگلی کو بند کرلیں، اور شہادت کی انگلی کو اس طرح اٹھائیں کہ انگلی کا رخ قبلہ کی طرف ہو، بالکل سیدھی آسمان کی طرف نہ اٹھانی چاہئے۔

۴۔ اِلَّا اللّٰہُ کہتے وقت شہادت کی انگلی تو نیچے کرلیں لیکن باقی انگلیوں کی جو ہیئت اشارے کے وقت بنائی تھی، اس کو آخر تک برقرار رکھیں۔

سلام پھیرتے وقت

۱۔ دونوں طرف سلام پھیرتے وقت گردن کو اتنا موڑیں کہ پیچھے بیٹھنے والی عورت کو آپ کے رخسار نظر آجائیں۔

۲۔ سلام پھیرتے وقت نظریں کندھے کی طرف ہونی چاہئیں۔

جب دائیں طرف گردن پھیر کر اَلسَّلَامُ عَلَیْکُمْ وَرَحْمَۃُ اللّٰہِ کہیں تو یہ نیت کریں کہ دائیں طرف جو فرشتے ہیں ان کو سلام کر رہی ہوں اور بائیں طرف سلام پھیرتے وقت بائیں طرف موجود فرشتوں کو سلام کرنے کی نیت کریں۔

دعا کا طریقہ

دعا کا طریقہ یہ ہے کہ دونوں ہاتھ اتنے اٹھائے جائیں کہ وہ سینے کے سامنے آجائیں۔ دونوں ہاتھوں کے درمیان معمولی سا فاصلہ ہو، نہ ہاتھوں کو بالکل ملائیں اور نہ دونوں کے درمیان زیادہ فاصلہ رکھیں۔

دعا کرتے وقت ہاتھوں کے اندرونی حصے کو چہرے کے سامنے رکھیں۔

ایک مسئلہ: عورتوں کا جماعت کرنا مکروہ ہے، ان کے لئے اکیلے نماز پڑھنا ہی بہتر ہے البتہ اگر گھر کے محرم افراد گھر میں جماعت کر رہے ہوں تو ان کے ساتھ جماعت میں شامل ہونے میں کچھ حرج نہیں لیکن ایسے میں مردوں کے بالکل پیچھے کھڑا ہونا ضروری ہے، برابر ہرگز کھڑی نہ ہوں۔

نماز کی ضروری معلومات

منفرد: اکیلے نماز پڑھنے والے کو منفرد کہتے ہیں۔

جماعت: کسی امام کے پیچھے سب لوگ مل کر اسکی اقتداء میں نماز پڑھیں اسے جماعت کہتے ہیں۔

امام: جس کے پیچھے اس کی اقتداء میں نماز پڑھی جائے، جو جماعت کرائے)

مقتدی: امام کے پیچھے اس کی اقتداء میں نماز پڑھنے والے کو مقتدی کہتے ہیں۔

مدرک: جس شخص کو پوری نماز امام کی اقتداء میں مل جائے یا جو شروع سے آخر تک جماعت میں امام کی اقتداء میں شریک ہو اسے مدرک کہتے ہیں۔

مسبوق: جس شخص کی جماعت کی کچھ رکعتیں چھوٹ جائیں جسے وہ امام کے سلام پھیرنے کے بعد مکمل کرتا ہے اس شخص کو مسبوق کہتے ہیں۔

لاحق: جو امام کے ساتھ اس کی اقتداء میں جماعت میں شریک تھا لیکن درمیان میں وضو ٹوٹ جانے کی وجہ سے جماعت سے نکل گیا اور نیا وضو کر کے دوبارہ جماعت میں شامل ہو جائے ایسے شخص کو لاحق کہتے ہیں۔

خلیفہ: امام نماز پڑھاتے ہوئے کسی عذر کی وجہ سے خود نماز توڑ کر چلا جائے اور اپنی جگہ کسی کو امام بنا دے اس شخص کو خلیفہ کہتے ہیں۔

فرض: نماز کے وہ اعمال جن کے بغیر نماز قبول نہیں ہوتی اور نماز کو شروع سے دوبارہ پڑھنا پڑتا ہے، چاہے وہ عمل جان بوجھ کر چھوڑ دیئے ہوں یا بھول کر رہ گئے ہوں۔

واجب: نماز کے وہ اعمال جن کے بغیر نماز نامکمل رہتی اور ناقص ہوتی ہے لیکن اس کی تلافی کے لئے (اس نقصان کو پورا کرنے کیلئے) شریعت نے سجدۂ سہو بتلایا ہے اگر اسے ادا کر لیا جائے تو وہ نماز قبول ہو جاتی ہے۔

سنت: سنت اس کام اور عمل کو کہتے ہیں جس کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کیا ہو یا صحابہؓ کو کرنے کا حکم فرمایا ہو، اس کی دو قسمیں ہیں سنت موکدہ اور سنت غیر موکدہ،

سنت موکدہ اس کام کو کہتے ہیں جسے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ہمیشہ کیا ہو یا ہمیشہ کرنے کے لئے فرمایا ہو اور وہ کام ہمیشہ کیا گیا ہو اور بغیر عذر کبھی نہ چھوڑا ہو، ایسی سنتوں کو بغیر عذر چھوڑ دینا گناہ ہے اور چھوڑنے کی عادت بنالینا سخت گناہ ہے۔

سنت غیر موکدہ اس کام کو کہتے ہیں جسے حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اکثر کیا ہو لیکن کبھی کبھی بغیر عذر چھوڑ بھی دیا ہو ان سنتوں کو ادا کرنے میں ثواب ہے اور چھوڑنے میں گناہ نہیں، انہیں مستحب بھی کہتے ہیں ان سنتوں کو سنن زوائد بھی کہتے ہیں۔

نفل: ان کاموں کو کہتے ہیں جن کی فضیلت شریعت میں ثابت ہو، ان کے کرنے میں ثواب اور چھوڑنے میں عذاب نہ ہو، اسے تطوع بھی کہتے ہیں اور اسی کو مباح بھی کہتے ہیں۔

حرام: اس کام کو کہتے ہیں جس کی ممانعت دلیل قطعی سے ثابت ہو اور اس کو کرنے والا فاسق اور عذاب کا مستحق ہے اس کا منکر کافر ہے۔

مکروہ تحریمی: مکروہ تحریمی اس کام کو کہتے ہیں جس کی ممانعت دلیل ظنی سے ثابت ہو اس کا منکر کافر نہیں اس کام کو کرنے والا گنہگار رہوتا ہے۔

مکروہ تنزیہی: اس کام کو کہتے ہیں جس کے چھوڑنے میں ثواب ہے اور کرنے میں عذاب تو نہیں لیکن اس کا کرنا ناپسندیدہ ہونے کی وجہ سے ایک قسم کی برائی ہے۔

اذان: پنج وقتہ نمازوں کے اوقات کے اعلان کے لئے مخصوص کلمات بلند آواز سے پکارے جاتے ہیں ان کلمات کو اذان کہتے ہیں، یہ کلمات مخصوص ہیں ان کے علاوہ کوئی دوسرا طریقہ ناجائز ہوگا، ان کلمات میں بھی کسی قسم کا اضافہ بدعت کہلائے گا۔

مؤذن: اذان دینے والے کو موذن کہتے ہیں۔

تکبیر: جماعت شروع ہونے سے پہلے ادا کئے جانے والے مخصوص کلمات کو تکبیر کہتے ہیں اس کے علاوہ کے کلمات کا ادا کرنا صحیح نہیں، اس کو اقامت بھی کہتے ہیں۔

مکبر: تکبیر کہنے والے کو مکبر کہتے ہیں۔

نیت: دل کے ارادے کو نیت کہتے ہیں نماز شروع کرنے سے پہلے دل کے اندر یہ

ارادہ ہونا چاہئے کہ کون سی نماز پڑھ رہا ہے، زبان سے کہنا بہتر ہے ضروری نہیں۔

تکبیر تحریمہ: نماز شروع کرنے کی پہلی تکبیر یعنی اللہ اکبر کہنے کو تکبیر کہتے ہیں اس کو اتنی آواز سے کہنا چاہئے کہ خود سن لے۔

قیام: تکبیر تحریمہ کہنے کے بعد نماز کی حالت میں سیدھا سکون اور وقار سے کھڑے ہونے کو قیام کہتے ہیں۔

قرأت: نماز کی حالت میں قیام کے اندر مطلق قرآن پڑھنے کو قرأت کہتے ہیں۔

رکوع: رکوع کے معنیٰ ہیں جھکنا، نماز کی حالت میں قیام میں قرأت مکمل کرنے کے بعد اتنا جھکیں کے سر اور کمر ایک سیدھ میں آجائیں ہتھیلیوں سے گھٹنے پکڑلیں اور کہنیاں پسلیوں سے جدا رہیں اس شکل کو رکوع کہتے ہیں اور یہ حکم مردوں کے لئے ہے، عورتیں اتنا جھکیں کہ ان کے ہاتھ گھٹنوں تک پہنچ جائیں اور ان کی کہنیاں پسلیوں سے ملی رہیں۔

قومہ: رکوع سے فارغ ہونے کے بعد سیدھا سکون و وقار سے کھڑے ہونے کا نام قومہ ہے۔

سجدہ: دونوں ہتھیلیاں، دونوں گھٹنے، پیشانی اور ناک کو زمین پر رکھنے سے جو شکل بنتی ہے، اس کو سجدہ کہتے ہیں۔

مسجد میں حاضری کے آداب سیکھئے

حضرت مولانا علامہ محمد عبداللہ صاحب رحمہ اللہ لکھتے ہیں۔

ایک شخص اپنے ساتھ کچھ رقم لے کر گھر سے باہر نکلتا ہے، کوئی جیب تراش یا راہزن گھات میں لگا رہتا ہے، جہاں اسے موقعہ ملتا ہے، ہاتھ کی صفائی دکھا کر اپنا مقصد حاصل کرنے کی کوشش کرتا ہے۔ کیا آپ کو معلوم ہے کہ آپ گھر سے نماز ادا کرنے کے لئے نکلے ہیں تو آپ کہاں جا رہے ہیں؟ آپ کا رخ مسجد کی طرف ہے اور یہ مساجد اللہ رب العزت کے دربار ہیں، شاہی دربار میں پہنچ کر بندہ اپنے رب کے حضور میں پیش ہوتا ہے۔ فان المصلی ینا جی ربه (بخاری شریف)

احکم الحاکمین کی حمد وثناء کے نغمے زبان پر لاتا ہے اس کی عظمت و کبریائی کے بیان کے ساتھ اس کی تسبیح و تقدیس کرتا ہے کبھی دست بستہ اس کے سامنے کھڑا ہوتا ہے کبھی جھک کر آداب شاہی بجالاتا ہے اور کبھی جبین نیاز زمین پر ٹیک کر اپنی بندگی کا اعتراف کرتا ہے، بندہ اور کرہی کیا سکتا ہے؟ بس یہی دو چار مرتبہ کی اٹھک بیٹھک ہے، جس سے وہ اپنے عجز و نیاز کا اظہار کرتا ہے اور پھر باادب گھٹنے ٹیک کر بیٹھتا ہے اور یوں عرض گزار ہوتا ہے، مولا! میری کیا بساط ہے کہ بندگی کا حق ادا کرسکوں؟ بس تمام قولی بدنی اور مالی عبادتیں، تیری ہی نذر ہیں، میں تیرا ہی پرستار اور تیرے محبوب کا نام لیوا ہوں۔

ہمینم بس کہ داند ماہر ویم   کہ من نیز از خریداران اویم

حضرت شاہ عبدالعزیز دہلویؒ تفسیر عزیزی میں فرماتے ہیں کہ نماز میں بندہ تکبیر تحریمہ کہتے وقت دونوں ہاتھ اوپر کو اٹھا کر گویا اس بات کا اظہار کرتا ہے کہ اے اللہ! میں ہر دو عالم سے دست بردار ہو کر تیری بارگاہ میں حاضر ہو رہا ہوں اور جب اخیر میں سلام پھیرتا ہے تو

گویا وہ یہ ظاہر کرتا ہے کہ وہ کسی اور دنیا سے واپس اس دنیا میں آ گیا ہے۔

بہر حال جو بندہ اس طرح کے جذبات کے ساتھ نماز ادا کر کے مسجد سے باہر آتا ہے تو شہنشاہ مطلق کی طرف سے ایک تو اسے خطاؤں کی بخشش کا پروانہ ملتا ہے، دوسرا رب کی خوشنودی اور حسنات و درجات کی ترقی کا۔

کیا آپ نے کبھی یہ سوچا ہے کہ آپ مسجد کی طرف روانہ ہوتے ہیں تو آپ کا ازلی دشمن شیطان آپ کے ہمراہ ہو لیتا ہے اس کی پہلی کوشش تو یہی ہوتی ہے کہ آپ راستے ہی سے واپس آ جائیں، اگر آپ اندر داخل ہو کر ''رکوع کرنے والوں'' کے گروہ میں شامل ہو جاتے ہیں تو پھر وہ دوسرے حربوں سے کام لیتا ہے، ایک ایک رکن میں رخنہ اندازی کی سعی کرتا ہے جماعت میں کہیں خلل (درمیان میں خالی جگہ) دیکھتا ہے تو وہاں سے گھس کر نمازیوں کے اتحاد اور محبت کو پامال کرتا ہے، کبھی قرأت میں مغالطہ ڈال دیتا ہے، کبھی رکعتوں کی تعداد بھلوا دیتا ہے، کبھی وسوسے ڈال کر دلجمعی اور یکسوئی کو ختم کر دیتا ہے وغیرہ وغیرہ، شیطانی مشینری کا وہ کارندہ جو لوگوں کی نمازیں خراب کرنے پر تعینات ہے، حدیث شریف میں اس کا نام خنزب بتایا گیا ہے، بہر حال وہ ظالم جس نے بہشت سے نکلتے یہ کہا تھا: ''(اے اللہ!) میں بھی گھات لگا کر تیری سیدھی راہ میں بیٹھ جاؤں گا، پھر (ان کو گمراہ کرنے کے لئے) ان کے آگے سے آؤں گا، پیچھے سے آؤں گا، دائیں طرف سے آؤں گا، بائیں طرف سے آؤں گا''۔

وہ پوری کوشش میں لگا رہتا ہے کہ آدم علیہ السلام کا بیٹا بامراد اور کامیاب واپس نہ جائے نماز کے ثمرات میں سے اسے کچھ حاصل نہ ہو، چنانچہ تکبیر تحریمہ سے لے کر سلام پھیرنے تک ہر مرحلے میں اس کی دسیسہ کاریوں کا سلسلہ جاری رہتا ہے۔

اس لئے میں اپنے ملی بھائیوں کی خدمت میں عرض گزار ہوں کہ آپ اپنی نمازیں درست کیجئے، اگر آپ اللہ کی بارگاہ میں حاضری کے آداب جانتے ہیں تو ان پر عمل کیجئے، نہیں جانتے تو اہل علم سے پوچھ کر، کتابیں پڑھ کر معلوم کیجئے، اگر آپ نماز کے ساتھ دین کے دوسرے احکام پر بھی عمل پیرا ہیں تو بڑی خوشی کی بات ہے، ورنہ تو یہ خیال نہ کیجئے کہ اور تو کچھ ہوتا نہیں، اس نماز پڑھنے کا کیا فائدہ؟ یہ انداز فکر بجائے خود ایک شیطانی چکر ہے، آپ اس سے بچ کر رہئے، آپ خدا کے حضور پیش ہو کر تو دیکھئے، آپ کی ادائیں مالک کو پسند

آ گئیں تو وہ بار بار آپ کو شرف باریابی سے سرفراز فرمائیں گے۔

نماز کے مسائل یوں تو بہت زیادہ ہیں اور ان پر بڑی بڑی کتابیں لکھی ہوئی ہیں، آج کی فرصت میں ہم تین مسائل کا ذکر کرتے ہیں، جن سے عوام تو بجائے خود رہے، بہت سے خواص بھی بے خبر یا غافل ہیں۔

پہلا مسئلہ: یہ آغاز نماز سے تعلق رکھتا ہے، جب آدمی نماز شروع کرتا ہے تو تکبیر تحریمہ (یعنی اللہ اکبر) کہتا ہے یہ تکبیر کہنا نماز کا پہلا رکن اور فرض ہے اور بحالت قیام اس کا ادا کرنا ضروری ہے یعنی کھڑے کھڑے کہے یا کم از کم رکوع تک پہنچنے سے پہلے ختم کرلے، یہ جو عموماً دیکھنے میں آتا ہے کہ ایک شخص مسجد میں آتا ہے، آگے جماعت ہو رہی ہے، امام رکوع میں ہے وہ شخص رکوع میں جاتے جاتے تکبیر تحریمہ کہہ لیتا ہے، اگر اس کی تکبیر رکوع میں پہنچ کر ختم ہوئی تو اس کی نماز نہ ہوئی، امداد الفتاویٰ میں ہے:

''تکبیر تحریمہ میں قیام فرض ہے، یہ جو عادت ہے کہ اللہ اکبر کے ساتھ اول ہی سے رکوع میں پہنچ جاتے ہیں، ان لوگوں کی نماز نہیں ہوتی''۔ صحیح طریقہ یہ ہے کہ صف میں کھڑا ہو کر ہاتھ اٹھائے اور اللہ اکبر کہے، پھر ہاتھ باندھ لے، دوبارہ تکبیر کہہ کر رکوع میں جائے، تکبیر تحریمہ کے بعد ہاتھ باندھ لینا اور رکوع میں جانے کے لئے تکبیر کہنا فرض تو نہیں ہے بلکہ یہ دونوں کام سنت ہیں، صرف تکبیر تحریمہ کھڑے کھڑے کہنا فرض ہے لیکن نماز کی تکمیل یوں ہی ہوتی ہے کہ سنتوں پر بھی عمل کیا جائے، زیادہ تفصیل کتب فقہ میں ہے۔ **وھذا القدر کاف ھھنا.**

دوسرا مسئلہ: نماز میں رکوع سے اٹھ کر کھڑا ہونے کو قومہ کہا جاتا ہے اور پہلے سجدہ سے اٹھ کر بیٹھنے کو جلسہ کہتے ہیں، اول تو بہت سے لوگ رکوع سجود ہی صحیح طرح سے ادا نہیں کرتے، حالانکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا فرمان ہے کہ لوگوں میں بدترین چور وہ ہے جو اپنی نماز میں سے چوری کر لیتا ہے، صحابہؓ نے پوچھا، یارسول اللہ (صلی اللہ علیہ وسلم)! نماز میں کیسے چوری کر لیتا ہے، فرمایا: وہ رکوع، سجود پورا نہیں کرتا۔ (مشکوٰۃ شریف)

تعدیل ارکان یعنی رکوع سجود کو اچھی طرح اطمینان سے ادا کرنا واجب ہے اور بعض ائمہ دین نے اسے فرض کہا ہے پھر بہت سے آدمی اگر رکوع سجود صحیح طرح سے ادا بھی کر لیتے

ہیں تو قومہ اور جلسہ میں بڑی غفلت سے کام لیتے ہیں رکوع سے ذرا سا سر اٹھایا، سیدھے نہیں ہوئے کہ سجدے میں چلے گئے اور سجدے سے تھوڑا سر اٹھایا اور پھر سجدے میں چلے گئے، حدیث شریف میں اس طرح کرنے کو نقر الدیک یعنی مرغ کی طرح ٹھونگے مارنے سے تعبیر کیا گیا ہے، ظاہر ہے ایسی نماز کو عبادت تو نہیں کہا جا سکتا، پھر لذت خدا شناسی کہاں سے میسر آئے؟ ایسی ہی نماز کے بارے میں اقبال مرحوم نے کہا ہے ؎

تیرا امام بے حضور، تیری نماز بے سرور ایسے امام سے گزر، ایسی نماز سے گزر

قومہ اور جلسہ کو بہت سے فقہاء نے واجب قرار دیا ہے جیسا کہ فتح القدیر اور شامی میں ہے۔

اکابر دیوبند میں سے حضرت مولانا مفتی کفایت اللہؒ اور بریلوی علماء میں سے صاحب بہار شریعت نے بھی ایسا ہی لکھا ہے۔

الغرض! رکوع سے اٹھ کر اطمینان کے ساتھ سیدھا کھڑا ہونا اور پہلے سجدے سے اٹھ کر اطمینان کے ساتھ بیٹھنا بہت ضروری ہے ورنہ تو نماز ہو جاتی ہے۔

احادیث میں قومہ اور جلسہ پڑھنے کے لئے مختلف دعائیں منقول ہیں، ہو سکے تو نوافل میں یہ دعائیں بھی پڑھی جائیں۔

تیسرا مسئلہ: نماز سے فارغ ہونے کے لئے آدمی دونوں طرف سلام پھیرتا ہے لیکن بہت کم لوگوں کو معلوم ہے کہ السلام علیکم میں کس پر سلام کرنے کی نیت ہونی چاہئے، درمختار اور شامی میں لکھا ہے کہ لوگوں کے طرز عمل سے ایسا معلوم ہوتا ہے کہ یہ کسی منسوخ شریعت کا مسئلہ ہے کیونکہ جید علماء کے علاوہ نہ کسی کو یہ مسئلہ معلوم ہے نہ اس پر کوئی عمل کرتا ہے، مسئلہ کی تفصیل کچھ اس طرح ہے۔

ا: اگر آدمی تنہا نماز پڑھ رہا ہو تو دائیں بائیں فرشتگان کی نیت کرے۔

ب: اگر امام ہو تو پہلے دائیں طرف کے مقتدیوں اور فرشتوں کی نیت کرے، اسی طرح پھر بائیں طرف کے سلام میں نیت کرے اور جو مقتدی اس کے پیچھے برابر میں ہو، اس کو دونوں مرتبہ شامل کرے۔

ج: اگر مقتدی ہو تو پہلے دائیں طرف کے نمازیوں اور ان کے ساتھ فرشتوں کی نیت

کرے، پھر بائیں طرف کے، امام اس سے جس طرف کھڑا ہو اس میں اسے شامل کرے۔

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا فرمان ہے کہ جو شخص آداب کو ملحوظ رکھتے ہوئے نماز کی پابندی کرے گا، نماز اس کے لئے نور (سچے مسلمان ہونے کا...... قبر حشر میں نجات کا باعث ہوگی اور جو ایسا نہیں کرے گا، نماز اس کے لئے نہ نور ہوگی، نہ برہان، نہ نجات کا سامان، وہ قارون، فرعون، ھامان اور ابی بن خلف (جیسے بدبختوں) کے ساتھ اٹھایا جائیگا۔

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ چار نام جو لئے ہیں تو محدثین نے ان کی تخصیص کی عجیب وجہ بیان فرمائی ہے وہ یہ کہ انسان کیلئے یاد خداوندی سے غفلت کا باعث چار چیزیں ہوسکتی ہیں۔

۱- تخت اور کرسی اقتدار کا گھمنڈ جیسے کہ فرعون اس کا شکار تھا۔

۲- مال و دولت کی فراوانی اور یہ سمجھنا کہ میں نے یہ سب کچھ اپنی عقل مندی اور دانائی سے جمع کیا ہے، جیسا کہ قارون سمجھتا تھا، بے حساب دولت کا مالک تھا اور کہتا تھا:

قال انما اوتیته علی علم عندی۔

۳- دفتری کام کاج اور منصبی فرائض، جیسا کہ ھامان، فرعون کے ایک کارندہ کی حیثیت سے کام کرتا تھا۔

۴- کاروبار اور کسب معاش کی مصروفیات، جیسے ابی بن خلف مکہ کا ایک مشہور تاجر تھا، اب جو شخص ان حیلوں بہانوں سے یاد خداوندی سے غفلت برتتا ہے اسے سوچ لینا چاہئے کہ اس کا حشر کن لوگوں کے ساتھ ہوگا، آخرت کی زندگی کو سنوارنے کے لئے ضروری ہے کہ انسان دربار خداوندی میں باقاعدگی سے حاضری دیا کرے اور اس کے طور طریقے اور آداب سیکھ کر بجالایا کرے۔

مسجد کے چند ضروری آداب

(۱) مسجد میں داخل ہوتے وقت یہ دعا پڑھیں

بسم اللہ والصلوۃ والسلام علی رسول اللہ

اللھم افتح لی ابواب رحمتک

(۲) مسجد میں داخل ہوتے وقت یہ نیت کر لیں کہ جتنی دیر مسجد میں رہوں گا' اعتکاف میں رہوں گا' اس طرح ان شاء اللہ اعتکاف کا ثواب بھی ملے گا۔

(۳) داخل ہونے کے بعد اگلی صف میں بیٹھنا افضل ہے' لیکن اگر جگہ بھر گئی ہو تو جہاں جگہ ملے وہیں بیٹھ جائیں۔ لوگوں کی گردنیں پھلانگ کر آگے بڑھنا جائز نہیں۔

(۴) جو لوگ مسجد میں پہلے سے بیٹھے ذکر یا تلاوت میں مشغول ہوں' ان کو سلام نہیں کرنا چاہیے البتہ اگر ان میں سے کوئی از خود متوجہ ہو اور ذکر وغیرہ میں مشغول نہ ہو' تو ان کو سلام کرنے میں کوئی حرج نہیں۔

(۵) مسجد میں سنتیں یا نفلیں پڑھنی ہوں تو اس کیلئے جگہ کا انتخاب کریں جہاں سامنے سے لوگوں کے گزرنے کا احتمال نہ ہو۔ بعض لوگ پچھلی صفوں میں نماز شروع کر دیتے ہیں' حالانکہ ان کے سامنے اگلی صفوں میں جگہ خالی ہوتی ہے۔ چنانچہ ان کی وجہ سے دور تک لوگوں کیلئے گزرنا مشکل ہو جاتا ہے' اور انہیں لمبا چکر کاٹ کر جانا پڑتا ہے' ایسا کرنا گناہ ہے' اور اگر کوئی شخص ایسی حالت میں نمازی کے سامنے سے گزر گیا تو اس گزرنے کا گناہ بھی نماز پڑھنے والے پر ہوگا۔

(۶) مسجد میں داخل ہونے کے بعد اگر نماز میں کچھ دیر ہو تو بیٹھنے سے پہلے دو رکعتیں تحیۃ المسجد کی نیت کر لیں' اس کا بہت ثواب ہے۔ اگر وقت نہ ہو تو سنتوں ہی میں تحیۃ المسجد کی نیت کر لیں اور اگر سنتیں پڑھنے کا بھی وقت نہیں ہے' اور جماعت کھڑی ہے تو فرض میں بھی یہ نیت کی جا سکتی ہے۔

(۷) جب تک مسجد میں بیٹھیں' ذکر کرتے رہیں' خاص طور پر اس کلمے کا ورد کرتے رہیں سبحان اللہ والحمدللہ ولا الہ الا اللہ واللہ اکبر

(۸) مسجد میں بیٹھنے کے دوران بلا ضرورت باتیں نہ کریں' نہ کوئی ایسا کام کریں جس سے نماز پڑھنے والوں یا ذکر کرنے والوں کی عبادت میں خلل آئے۔

(۹) نماز کھڑی ہو تو اگلی صفوں کو پہلے پُر کریں' اگر اگلی صفوں میں جگہ خالی ہو تو پچھلی صف میں کھڑا ہونا جائز نہیں ہے۔

(۱۰) جمعہ کا خطبہ دینے کیلئے جب امام منبر پر آ جائے تو اس وقت سے نماز ختم ہونے تک بولنا یا نماز پڑھنا یا کسی کو سلام کرنا یا سلام کا جواب دینا جائز نہیں ہے۔ اس دوران اگر کوئی شخص بولنے لگے تو اسے چپ رہنے کی تاکید کرنا بھی جائز نہیں۔

(۱۱) خطبہ کے دوران اس طرح بیٹھنا چاہیے جیسے التحیات میں بیٹھتے ہیں۔ بعض لوگ پہلے خطبہ میں ہاتھ باندھ کر بیٹھتے ہیں اور دوسرے خطبہ میں ہاتھ رانوں پر رکھ لیتے ہیں یہ طریقہ بے اصل ہے۔ دونوں خطبوں میں ہاتھ رانوں پر رکھ کر بیٹھنا چاہیے۔

(۱۲) ہر ایسے کام سے پرہیز کریں جس سے مسجد میں گندگی ہو بدبو پھیلے یا کسی کو تکلیف پہنچے۔

(۱۳) کسی دوسرے شخص کو کوئی غلط کام کرتے دیکھیں تو چپکے سے نرمی کے ساتھ سمجھا دیں، اس کو برسر عام رسوا کرنے، ڈانٹ ڈپٹ یا لڑائی جھگڑے سے مکمل پرہیز کریں۔

نماز کے بارہ آداب

صوفیہ فرماتے ہیں نماز میں بارہ چیزیں ہیں، جن کو حق تعالیٰ نے بارہ چیزوں میں منقسم فرمایا ہے، ان بارہ کی رعایت ضروری ہے تا کہ نماز مکمل ہو جائے اور اس کا پورا فائدہ حاصل ہو، یہ بارہ حسب ذیل ہیں اول علم، حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے کہ علم کے ساتھ تھوڑا سا عمل بھی جہل کی حالت کے بہت سے عمل سے افضل ہے۔ دوسرے وضو، تیسرے لباس، چوتھے وقت، پانچویں قبلہ کی طرف رخ کرنا، چھٹے نیت، ساتویں تکبیر تحریمہ، آٹھویں نماز میں کھڑا ہونا، نویں قرآن شریف پڑھنا، دسویں رکوع، گیارہویں سجدہ، بارہویں التحیات میں بیٹھنا اور ان سب کی تکمیل اخلاص کے ساتھ ہے، پھر ان بارہ کے تین تین جزو ہیں۔

(۱) علم کے تین جزو یہ ہیں کہ فرضوں اور سنتوں کو علیحدہ علیحدہ معلوم کرے، دوسرے یہ معلوم کرے کے وضو اور نماز میں کتنی چیزیں فرض ہیں اور کتنی سنت ہیں، تیسرے یہ معلوم کرے کہ شیطان کس کس فکر سے نماز میں رخنہ ڈالتا ہے۔

(۲) اس کے بعد وضو کے تین جزو ہیں، اول یہ کہ دل کو کینہ اور حسد سے پاک کرے، جیسا کہ ظاہری اعضاء کو پاک کر رہا ہے، دوسرے ظاہری اعضاء کو گناہوں سے پاک رکھے،

تیسرے وضو کرنے میں نہ اسراف کرے نہ کوتاہی کرے۔

(۳) پھر لباس کے بھی تین جزو ہیں، اول یہ کہ حلال کمائی سے ہو، دوسرے یہ کہ پاک ہو، تیسرے سنت کے موافق ہو کہ ٹخنے وغیرہ ڈھکے ہوئے نہ ہوں، تکبر اور برائی کے طور پر نہ پہنا ہو۔

(۴) وقت کے بھی تین جزو ہیں، اول یہ کہ دھوپ ستاروں وغیرہ کی خبر گیری رکھے تا کہ اوقات صحیح معلوم ہو سکیں (اور ہمارے زمانہ میں اس کے قائم مقام گھڑی گھنٹے ہو گئے ہیں) دوسرے اذان کی خبر رکھے، تیسرے دل سے ہر وقت نماز کے وقت کا خیال رکھے، کبھی ایسا نہ ہو وقت گذر جائے اور پتہ نہ چلے۔

(۵) پھر قبلہ کی طرف منہ کرنے میں بھی تین چیزوں کی رعایت رکھے، اول یہ کہ ظاہری بدن سے ادھر متوجہ ہو، دوسرے یہ کہ دل سے اللہ کی طرف توجہ رکھے کہ دل کا کعبہ وہی ہے، تیسرے مالک کے سامنے جس طرح ہمہ تن متوجہ ہو جانا چاہئے اس طرح متوجہ ہو۔

(۶) نیت بھی تین چیزوں کی محتاج ہے، اول یہ کہ کونسی نماز پڑھ رہا ہے، دوسرے یہ کہ اللہ کے سامنے کھڑا ہے، اور وہ دیکھتا ہے، تیسرے یہ کہ وہ دل کی حالت کو بھی دیکھتا ہے۔

(۷) تکبیر تحریمہ کے وقت بھی تین چیزوں کی رعایت ضروری ہے، اول یہ کہ لفظ صحیح ہو، دوسرے ہاتھوں کو کانوں تک اٹھائے (گویا اشارہ ہے کہ اللہ کے ماسوا سب چیزوں کو پھینک دیا) تیسرے یہ کہ اللہ اکبر کہتے ہوئے اللہ کی بڑائی اور عظمت دل میں بھی ہو۔

(۸) قیام یعنی کھڑے ہونے میں بھی تین چیزوں کی رعایت ضروری ہے، اول یہ کہ نگاہ سجدہ کی جگہ رہے، دوسرے دل سے اللہ کے سامنے کھڑے ہونے کا خیال کرے، تیسرے کسی دوسری طرف متوجہ نہ ہو، کہتے ہیں جو شخص نماز میں ادھر ادھر متوجہ ہو، اس کی مثال ایسی ہے جیسے کوئی شخص بڑی مشکل سے دربانوں کی منت سماجت کر کے بادشاہ کے حضور میں پہنچے اور جب رسائی ہو اور بادشاہ اس کی طرف متوجہ ہو تو وہ ادھر ادھر دیکھنے لگے، ایسی صورت میں بادشاہ اس کی طرف کیا توجہ کرے گا۔

(۹) قرأت میں بھی تین چیزوں کی رعایت کرے، اول صحیح ترتیل سے پڑھے، دوسرے اس کے معنی پر غور کرے، تیسرے جو پڑھے اس پر عمل کرے۔

(۱۰) رکوع میں بھی تین چیزیں ہیں، اول یہ کہ کمر کو رکوع میں بالکل سیدھا رکھے، نہ نیچا کرے، نہ اونچا (علماء نے لکھا ہے کہ سر کمر اور سرین تینوں چیزیں برابر رہیں) دوسرے ہاتھوں کی انگلیاں کھول کر چوڑی کر کے گھٹنے پر رکھے، تیسرے تسبیحات کو عظمت اور وقار کے ساتھ پڑھے، سجدہ میں بھی تین چیزیں ضروری ہیں اول یہ کہ دونوں ہاتھ سجدے میں کانوں کے برابر رہیں، دوسرے ہاتھوں کی کہنیاں کھڑی رہیں، تیسرے تسبیحات کو عظمت سے پڑھے، بیٹھنے میں بھی تین چیزوں کی رعایت کرے، اول یہ کہ دایاں پاؤں کھڑا کرے اور بائیں پر بیٹھے۔

دوسرے یہ کہ عظمت کے ساتھ معنی کی رعایت کر کے تشہد پڑھے کہ اس سے حضور صلی اللہ علیہ وسلم پر سلام ہے، مؤمنین کے لئے دعاء ہے، تیسرے پھر فرشتوں پر اور دائیں بائیں جانب جو لوگ ہیں ان پر سلام کی نیت کرے، پھر اخلاص کے بھی تین جزو ہیں، اول یہ کہ اس نماز سے صرف اللہ کی خوشنودی مقصود ہو، دوسرے یہ سمجھے کہ اللہ کی توفیق سے یہ نماز ادا ہوتی ہے، تیسرے اس پر ثواب کی امید ہے۔ (فضائل اعمال)

نماز قائم کیجئے

اقامت صلوٰۃ: اقامت صلوٰۃ سے مراد یہ ہے کہ نماز کے پورے آداب و شرائط اس طرح بجالائے جس طرح رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے قول و عمل سے بتلائے ہیں، مطلق نماز پڑھ لینے کا نام اقامت صلوٰۃ نہیں ہے نماز کے جتنے فضائل اور آثار و برکات قرآن و حدیث میں آئے ہیں وہ سب اقامت صلوٰۃ کے ساتھ مقید ہیں۔ (معارف القرآن ص ۱۴۲ ج ۱)

امتی کی معراج: اللہ تعالیٰ نے اپنے حبیب صلی اللہ علیہ وسلم کو آسمان پر بلا کر سیر کرائی اور وہاں اپنی قدرت کی اعلیٰ سے اعلیٰ نشانیاں دکھائیں اور اپنا انتہائی قرب عطا فرمایا جنت کی نعمتوں کا مشاہدہ کرایا اور جہنم دکھائی، یہ آپ کی معراج ہے لیکن جب آپ کا امتی نماز میں ہوتا ہے یہ اس امتی کی معراج ہے جیسا کہ معروف ہے، الصلوٰۃ معراج المؤمن۔

نماز سے بے توجہی: آج کتنے مسلمان ایسے ہیں جو نماز بھی نہیں پڑھتے، کتنے دکھ کی بات ہے کہ انسان اپنے خالق و مالک کے سامنے جھکنے سے بھی اعتراض کرتا ہے، غالباً حضرت شیخ علی ہجویری رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کا ارشاد ہے کہ جو سر خدا کے سامنے نہیں جھکتا وہ

کاٹ دینے کے قابل ہے اور بقول۔

ایک سجدہ جسے تو گراں سمجھتا ہے ہزاروں سجدوں سے آدمی کو دیتا ہے نجات

نماز صحیح صحیح پڑھنا: نمازیوں میں اکثر اوقات نماز کے مسائل سے واقف نہیں حالانکہ نماز کے فضائل جو قرآن وحدیث میں وارد ہوئے ہیں وہ صحیح مسائل کے مطابق پڑھی ہوئی نماز پر ملیں گے لہٰذا بہشتی زیور حصہ دوم اور تعلیم الاسلام مکمل کا بار بار مطالعہ کر کے اپنی نمازوں کو مرنے سے پہلے درست کر لینا چاہئے۔

مسائل سے لاعلمی کا نقصان: حضرت اقدس حضرت مولانا ابرار الحق صاحب ہردوئی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے فرمایا کہ ایک مجلس وعظ میں نماز سے متعلق ایک مسئلہ بتایا کہ سنتوں کی ہر رکعت میں سورۃ فاتحہ کے ساتھ دوسری کوئی سورت بھی پڑھنی ہوتی ہے بعد وعظ ایک سفید ریش بڑے میاں نے پوچھا کہ کیا واقعی یہی مسئلہ ہے؟ میں نے جواب دیا ہاں! فرمایا کہ میں پچاس برسوں سے سنتوں کی صرف پہلی دو رکعتوں میں سورت ملاتا ہوں آخری دو رکعتوں میں سورت نہیں ملاتا، میں نے کہا کہ بڑے میاں یہ ہے علم نہ جاننے کا نقصان کہ آپ پچاس برس سے خلاف سنت نماز پڑھ رہے ہیں۔

جماعت کی پابندی: بعض نمازی نماز تو پڑھ لیتے ہیں لیکن مسجد میں باجماعت نہیں پڑھتے، حالانکہ حدیث شریف میں ہے کہ ''شیطان انسان کیلئے بھیڑیا ہے جس طرح بھیڑیا ان بھیڑوں اور بکریوں کو اچک لیتا ہے جو ریوڑ سے الگ تھلگ رہتی ہیں اسی طرح شیطان (جماعت سے) الگ تھلگ رہنے والوں کو اچک لیتا ہے، لہٰذا تھوڑی سی تکلیف گوارا کر کے مسجد میں باجماعت نماز کی عادت ڈالنی چاہئے۔

عام کوتاہیاں: اب بعض ان کوتاہیوں کا ذکر کیا جاتا ہے جسکی وجہ سے نماز کی برکت سے محرومی ہو جاتی ہے۔

(۱) معمولی عذر میں نماز چھوڑ دینا: ایک عالم کا ارشاد پڑھا کہ بعض نمازی معمولی تکلیف، پریشانی اور کام کی مشغولی کی وجہ سے نماز چھوڑ دیتے ہیں تو ایسے نمازی سے مرض الموت میں جبکہ انسان زیادہ بے بسی کا شکار ہوتا ہے کیا توقع کی جاسکتی ہے کہ اس وقت نماز کا اہتمام کرے نتیجتاً آخری بیماری کے ایام میں اچھے اچھے نمازی بھی نماز کی پابندی چھوڑ دیتے ہیں جس سے وہ نمازی بے نمازی ہو کر دنیا سے رخصت ہوتا ہے یہ کتنی بڑی محرومی کی بات

ہے لہذا آج ہی سے اس بات کا تہیہ وعزم کرلیں کہ ہر عذر پریشانی اور مشغولی میں نماز کو کسی حال میں نہیں چھوڑنا ہے تو پھر انشاء اللہ آخری وقت بھی نماز کا تقاضا پیدا ہوگا اور خدا کے حضور نمازی بن کر حاضر ہوگا، یہی وہ عمل ہے جس کے ذریعے انسان کا اپنے خالق سے تعلق قائم رہتا ہے، اگر نماز چھوٹ گئی تو گویا تعلق ٹوٹ گیا۔ کسی نے کیا خوب کہا ہے۔

تو ملے تو کوئی مرض نہیں   نہ ملے تو کوئی دوا نہیں

(۲) نماز میں چوری: حدیث شریف میں ہے کہ بدترین چور وہ ہے جو نماز میں سے چوری کرے، صحابہؓ نے عرض کیا یارسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نماز میں سے کیسے چوری کرے گا؟ آپ نے ارشاد فرمایا کہ "اس کا رکوع وسجدہ صحیح نہ کرے" آج اکثر نمازی محض جلدی کی وجہ سے رکوع وسجدہ میں تسلی سے تسبیحات نہیں پڑھتے جس سے رکوع وسجدہ عجلت میں ادا ہوتا ہے جس کو حدیث میں چوری فرمایا گیا ہے لہٰذا اس سے اجتناب کرنا چاہئے۔

(۳) قومہ اور جلسہ چھوڑنا: رکوع کے بعد کھڑے ہونے کو قومہ اور دوسجدوں کے درمیان بیٹھنے کو جلسہ کہتے ہیں رکوع کے بعد اور سجدے کے بعد پیٹھ کا بالکل سیدھا کرنا فرض ہے اگر پیٹھ سیدھی کئے بغیر کوئی جھک جائے تو اس نے گویا فرض چھوڑ دیا تو پھر نماز کہاں ہوئی؟ قومہ اور جلسہ کا واجب درجہ یہ ہے کہ ایک تسبیح یعنی سبحان اللہ کے بقدر ٹھہرنا، مگر آج ہماری نمازوں میں یہ ٹھہراؤ ختم ہوگیا ہے جس سے تمام نمازیوں کا واجب چھوٹ رہا ہے جبکہ جان بوجھ کر واجب چھوڑنے سے نماز ہی نہیں ہوتی بلکہ قومہ اور جلسہ کا سنت درجہ تین بار سبحان اللہ کے بقدر ٹھہرنا ہے۔

کم از کم قومے اور جلسے کے واجب درجہ پر تو عمل کرلیں ورنہ تو نماز ہی نہ ہوگی، یہی وجہ ہے کہ آج ہم نمازوں کی برکات سے محروم ہیں یہ مسئلہ اپنے جاننے والوں اور گھر میں خواتین کو بھی بتادینا چاہئے تاکہ ان کی نماز بھی فاسد ہونے سے بچ جائے، رب تعالیٰ عمل کی توفیق عطا فرمائے۔ آمین

دعوت نماز: ہر شخص اپنے گھر والوں، دوستوں اور ماتحتوں کو نماز پڑھنے کی دعوت دیا کرے، ہماری دعوت سے جتنے لوگ نمازی بنیں گے ہمیں بھی ان شاء اللہ پورا پورا اجر ملے گا، حدیث شریف میں ایسے شخص کیلئے قیامت کے خوف سے امن اور حساب وکتاب سے خلاصی کی بشارت آئی ہے جو محض اللہ کی رضا کیلئے لوگوں کو نماز کی طرف بلائے۔ (فضائل قرآن ص ۵۳)

اللہ تعالیٰ ہم سب کو عمر بھر صحیح نماز پڑھنے کی توفیق عطا فرمائے۔ (آمین)

اسلامی معاشرہ میں مساجد کا کردار

مفتی اعظم مولانا مفتی محمد شفیع صاحب رحمہ اللہ فرماتے ہیں۔

اس بات میں کسی کو اختلاف نہیں ہوسکتا کہ موجودہ دور میں ہم مسلمانوں پر شدید قسم کی غفلت اور بے عملی مسلط ہوگئی ہے اور اس بے عملی کا تعلق کسی خاص شعبہ حیات سے نہیں بلکہ زندگی کے ہر شعبہ میں ہم اپنے فرائض سے مجرمانہ غفلت برت رہے ہیں، ہم میں دین و دیانت کا داعیہ کمزور ہو چکا ہے، اسلام کا پرچم سربلند کرنے کے لئے ہماری ہمتیں پست ہوگئی ہیں ہمارے دلوں میں اللہ تعالیٰ کی اطاعت و بندگی کے انوار مدھم ہوگئے ہیں اور ہر تبلیغ اسلام کا وہ جذبہ بے تاب کھو چکے ہیں جس نے روئے زمین کے ہر گوشے پر اسلام کا جھنڈا لہرا کر چھوڑا تھا۔

اسی عمومی دینی انحطاط کا ایک چھوٹا سا شعبہ یہ بھی ہے کہ ہم نے مساجد کا حق ادا کرنے اور اس کے پیغام کی نشر و اشاعت میں اس حد تک غفلت سے کام لیا ہے کہ مجھے ڈر ہے کہ کہیں ہم پر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ ارشاد صادق نہ آ رہا ہو کہ:

مساجد هم عامرة وهي خراب. ''ان کی مسجدیں (ظاہری طور پر) آباد ہوں گی لیکن (درحقیقت) ویران''

یہ بات کسی بھی مسلمان سے مخفی نہیں ہوسکتی کہ مساجد درحقیقت روئے زمین پر اللہ کے گھر ہیں اور ان میں نمازیں ادا کی جاتی ہیں لیکن جب ہم قرآن کریم، سنت نبویہ، خیر القرون کے تعامل اور سلف صالحین کے طرز پر غور کرتے ہیں تو ہمیں نظر آتا ہے کہ اس دور کی مسجدیں درحقیقت مسلمانوں کے روحانی مراکز کی حیثیت رکھتی تھیں، انہی مسجدوں میں اللہ تعالیٰ کا ذکر ہوتا تھا انہیں میں نمازیں پڑھی جاتی تھیں، انہی میں امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کا فریضہ ادا ہوتا تھا۔ انہی میں قرآن وسنت کی تعلیم دی جاتی تھی انہی میں اسلام کی

طرف دعوت کا اہتمام ہوتا تھا انہی میں نوخیز نسل کو صحیح اسلامی تربیت دی جاتی تھی یہیں سے جان و مال سے بے پرواہ ہوکر کلمہ حق کہا جاتا تھا، یہیں پر مسلمانوں کے باطنی تزکیہ کا انتظام ہوتا تھا، یہیں ان کے اخلاق سنوارے جاتے تھے، یہیں پر ذہنوں کو دینی خطوط پر استوار کیا جاتا تھا اور یہیں سے دعوت اسلامی کے وہ سپاہی نمودار ہوتے تھے جو صرف زبان اور باتوں سے نہیں بلکہ اپنی ایک ایک نقل وحرکت اور ایک ایک ادا سے اسلام کی تبلیغ کرتے تھے۔

یہ سارے کام مسجد میں اس سرگرمی سے انجام دیئے جاتے تھے کہ ہر مسجد اپنے محلّہ کے لئے ہر بھلائی کا منبع اور ہر ہدایت کا سرچشمہ بن گئی تھی جو مسلمانوں میں خالص دینی روح پھونکتی تھی اور ان میں ایسی دینی غیرت وحمیت پیدا کردیتی تھی کہ وہ نہ کبھی کسی بیرونی ترغیب وترہیب کے آگے سر جھکانے کے لئے تیار تھے اور نہ کسی باطل نظریہ وعمل کو اپنانے کا خیال ان کے دل میں آسکتا تھا خواہ اس باطل نظریہ وعمل کا ظاہری روکار کتنا دلکش ہو اور خواہ ساری دنیا اس کی شہرت اور رواج سے کتنی گونج رہی ہو۔

خلاصہ یہ ہے کہ اگر ہم مختصر لفظوں میں "مسجد کے پیغام" کو تعبیر کرنا چاہیں تو وہ ہے دعوت الی اللہ، کلمہ حق کی نشر واشاعت، خالص اسلامی ذہنیت کی تعمیر، اور ایک ایسی عام دینی اور روحانی فضاء کا قیام جس میں نیکیوں کو خود بخود فروغ ہو اور برائیاں اپنی موت آپ مرجائیں۔

ہوسکتا ہے کہ کسی کے دل میں یہ خیال پیدا ہو کہ یہ سارے کام تو آج بھی مسجدوں میں ہورہے ہیں، یہاں نمازیں بھی پابندی سے ہوتی ہیں ہر جمعہ کو ان کے منبروں سے وعظ و نصیحت بھی کی جاتی ہے اور یہاں عموماً بچوں کی تعلیم کے مراکز بھی موجود ہیں اور یہ سارے کام ماضی کی طرح اب بھی مسلسل انجام پارہے ہیں، تو کیا اس کا مطلب یہ ہے کہ آج کل مساجد کے اصحاب حل وعقد اپنی ذمہ داریوں سے سبکدوش ہوگئے ہیں؟

اس سوال کا جواب کلی طور پر نفی میں ہے اول تو اس لئے کہ جن مساجد میں یہ سارے کام قابل ذکر اہتمام کے ساتھ ہوتے ہوں ان کی تعداد بہت تھوڑی ہے دوسرے اس لئے کہ جو حضرات اپنی مسجدوں میں ان دینی خدمات کا اہتمام کرتے ہیں عام طور سے وہ یہ سارے کام رسمی طور پر انجام دیتے ہیں جو عموماً اپنی حقیقت اور روح سے خالی ہوتے ہیں، یہاں سے عموماً

چند بے اثر کلمات سنائی دیتے ہیں جو صرف کانوں تک پہنچتے ہیں دل میں داخل نہیں ہوتے۔

اور اس صورتحال کے دو اسباب ہیں۔

پہلا سبب یہ ہے کہ جو حضرات آج کل کی مساجد سے دعوت و تبلیغ و تعلیم و تدریس کا کام کرتے ہیں ان کی بھاری تعداد، الا ماشاء اللہ یہ کام سچے دینی جذبے سے انجام نہیں دیتی بلکہ بسا اوقات ان حضرات میں دین کے صحیح علم اور ٹھیٹھ اسلامی تربیت کا بھی فقدان ہوتا ہے۔

اور دوسرا سبب یہ ہے کہ مسجدوں کی دعوت اس وقت ٹھیک ٹھیک اثر انداز ہو سکتی ہے کہ جب مسجدوں اور عوام کے درمیان ایک مضبوط رشتہ اور متواتر رابطہ قائم ہو، خیر القرون میں ائمہ کے وعظ و نصیحت کے مؤثر ہونے کا ایک بہت بڑا راز یہ بھی تھا جو آج کلیتاً مفقود ہے، آج ہمارے آئمہ مساجد اور محلے کے عوام کے درمیان کوئی ایسا رابطہ باقی نہیں رہا جو اسلامی دعوت کی راہ ہموار کر سکے، جو کچھ رابطہ ہے وہ انتہائی کمزور ہے، جو دن بھر میں چند منٹ سے زیادہ قائم نہیں رہتا اور یہ چند منٹ کا رابطہ بھی محلے کی اقلیت کے ساتھ قائم ہوتا ہے رہی محلے کی اکثر آبادی سو وہ اپنے امام کی صورت بھی نہیں پہچانتی چہ جائیکہ اس کے ساتھ کوئی تعلق قائم کرے اور جب تک یہ صورت حال تبدیل نہ ہو اس وقت تک مساجد کی دعوت کے مؤثر ہونے کی کوئی امید نہیں کی جا سکتی اور نہ مساجد کے وہ فوائد حاصل ہو سکتے ہیں جو ماضی میں حاصل ہوتے رہے ہیں۔

''مسجد کے کردار'' کو زندہ کرنے کیلئے اہم تجاویز

1۔ ائمہ مساجد ایسے علمائے کرام میں سے منتخب کئے جائیں جنہوں نے اسلامی علوم کو ماہر اساتذہ سے حاصل کیا ہو یا وہ ایسی دینی درسگاہوں سے فارغ التحصیل ہوں جن کے معیار تعلیم و تربیت پر عام طور سے اعتماد کیا جاتا ہے۔

2۔ ہر مسجد میں ایک ایسی انجمن ہونی چاہئے جو امام مسجد اور محلے کے عوام پر مشتمل ہو، یہ انجمن دعوت تبلیغ کے لئے ایک عملی نظام بنائے اس نظام کے تحت یہ سب لوگ ہر روز یا ہر ہفتے محلے کی عوام کے پاس جا کر ان سے شخصی ملاقاتیں کر کے انہیں نمازوں کی پابندی اور مسجدوں کو حاضری کی دعوت دیں نیکیوں کی ترغیب دیں اور برائیوں سے باز رہنے کی تلقین کریں لیکن یہ سارا کام نرمی، محبت و شفقت اور حکمت و موعظہ حسنہ کے اصول پر ہونا چاہئے۔

نیز اس انجمن کے افراد کو چاہئے کہ وہ محلے کے عوام کی مشکلات و مسائل سے باخبر ہوں اور ان کو نگاہ میں رکھتے ہوئے اپنا کام کریں اور سب سے بڑھ کر اس کام کے لئے سچی دینی لگن اور حقیقی تڑپ کی ضرورت ہے جو کسی بھی مرحلہ پر اکتاہٹ، تھکن اور سستی سے آشنا نہ ہو، انبیاء علیہم السلام کی سنت یہی ہے کہ انہوں نے اس کام میں اپنی پوری پوری عمریں خرچ کردیں نہ کبھی اس سے اکتائے اور نہ مایوس ہوئے نہ انہوں نے مذاق اڑانے والوں کی پرواہ کی، نہ برا بھلا کہنے والوں کو خاطر میں لائے، بلکہ مسلسل اپنے کام میں لگے رہے، دراصل یہی وہ دعوت ہے۔

جس کے بارے میں قرآن کریم کا ارشاد ہے: وذکر فان الذکریٰ تنفع المؤمنین (اور نصیحت کرو کیونکہ نصیحت مومنین کو نفع پہنچاتی ہے)

3۔ ہر مسجد میں روزانہ مختصر درس قرآن ہونا چاہئے جس میں عام مسلمان شریک ہوں اس درس میں قرآن کریم کی تعلیمات سادہ اور عام فہم انداز میں بیان کی جائیں اور اس میں طویل فنی بحثیں یا علمی اختلافات نہ چھیڑے جائیں۔

4۔ امام مسجد کو چاہئے کہ وہ ایک دن عورتوں کی تعلیم کے لئے مقرر کرے خواتین محلے کے کسی گھر میں جمع ہوں اور امام ان کو نصیحت کرے، انہیں دین کے ضروری احکام سکھائے اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم اور ازواج مطہراتؓ کے حالات اور تاریخ اسلام کے چیدہ چیدہ واقعات سنائے۔

5۔ ائمہ مساجد کو تمام مسلمان حکومتوں کی طرف سے مکمل آزادی ہونی چاہئے کہ وہ اپنے مواعظ خطبوں اور درس قرآن وغیرہ میں کسی خوف و خطر کے بغیر دین کی صحیح تعلیمات بیان کریں خواہ وہ کسی فرد یا جماعت کے خلاف پڑتی ہوں۔

6۔ ہر مسجد میں ایک مختصر دارالمطالعہ ہونا چاہئے جس میں مقامی زبان میں لکھی ہوئی دینی کتابوں کا مستند ذخیرہ موجود ہو اور عام مسلمان اس سے فائدہ اٹھائیں، اگر ہم ان تجاویز پر ٹھیک ٹھیک عمل کرنے میں کامیاب ہو گئے تو امید ہے کہ ان شاء اللہ مساجد میں وہ فوائد دوبارہ حاصل ہوسکیں گے جو ماضی میں حاصل ہوئے ہیں، لیکن ہم ان سے اب تک محروم ہیں۔

ایک اور اہم بات قابل ذکر ہے اور وہ یہ کہ مسلمانوں کے بعض حلقے بسا اوقات پورے اخلاص سے یہ تجویز پیش کرتے ہیں کہ مسجدوں کو مختلف اجتماعی اور معاشرتی سرگرمیوں کا مرکز بنا دینا چاہئے مثلاً تجویز یہ ہے کہ مسجدوں میں ہسپتال ہو، شادی گھر ہو، ان میں بعض کھیلوں کا

انتظام ہو، یا ان میں کچھ میونسپل ادارے قائم کیے جائیں۔

لیکن مجھے یہ کہنے کی اجازت دیجئے کہ یہ تجویز خواہ کتنے اخلاص اور خیر طلبی کے جذبے سے پیش کی گئی ہو، اسلام کے مزاج و مذاق اور مساجد کی حرمت سے کسی طرح میل کھانے والی نہیں ہے بلکہ مساجد کے اصل مقصد تعمیر کو مجروح کرنے کا باعث ہوگی۔

اس میں کوئی شک نہیں کہ ایک مسلمان کی دنیا بھی دین ہوتی ہے اس میں بھی کوئی شبہ نہیں کہ اسلام رہبانیت کا دین نہیں یہ بھی سچ ہے کہ اسلام صرف عبادات ہی نہیں سکھاتا بلکہ اس میں معاملات کی بھی تعلیم و تلقین ہے لیکن اس کا یہ مطلب ہرگز نہیں ہے کہ ایک موضوع کو دوسرے موضوع میں خلط ملط کر دیا جائے باہم تقسیم کار کے اصول کا انکار کر بیٹھیں یا ہم ایک چیز کے وظائف و فرائض کو کسی دوسری چیز کے سر ڈال دیں۔

واقعہ یہ ہے کہ مساجد کا موضوع اور ان کا مقصد تعمیر وہی ہے جو ہم نے شروع میں ذکر کیا اور مسجدیں کسی دوسرے کام کے لئے وضع نہیں ہوئیں خواہ وہ عمل فی نفسہ مباح (یعنی جس کا کرنا یا نہ کرنا برابر ہو) یا مستحسن (پسندیدہ) ہو مشہور و معروف حدیث ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے مسجد میں کسی گمشدہ چیز کی تلاش کا اعلان کرنے سے منع فرمایا اور فرمایا کہ ایسے شخص سے کہہ دو: **لا ردها علیک فان المساجد لم تبن لهذا۔** ''اللہ یہ چیز تمہیں واپس نہ کرے، اس لئے کہ مسجدیں اس کام کے لئے تعمیر نہیں ہوئیں''۔

ظاہر ہے کہ اپنی کسی گمشدہ چیز کو تلاش کرنا کوئی حرام یا مکروہ نہیں مباح کام ہے، بلکہ بسا اوقات مستحب ہے لیکن ممانعت کی وجہ یہ ہے کہ مسجدیں اس کام کے لئے نہیں بنائی گئیں۔

بعض حضرات ان واقعات سے استدلال کرتے ہیں کہ بعض اوقات مسجدوں میں مریضوں کا علاج بھی کیا گیا ہے، وہاں سے لشکر بھی تیار کر کے بھیجے گئے ہیں وہاں مقدمات کے فیصلے بھی ہوئے ہیں لیکن درحقیقت یہ سارے کام مسجدوں میں جب بھی کئے گئے وقتی اور ہنگامی ضرورت لئے کئے گئے ان کو عام معمول بنانے کے لئے نہیں جو مسجد کو مستقل طور سے ہسپتال یا عدالت .. نے کی گنجائش پیدا کر سکیں، اس کی واضح مثال یہ ہے کہ وقتی ضرورت کے تحت حضرت ثمامہ بن ثال کو مسجد نبوی کے ستون سے باندھ کر گرفتار بھی رکھا گیا ہے لیکن اس کا یہ مطلب کون نکال سکتا

ہے کہ آئندہ مسجدوں کو مستقل جیل یا قید خانہ بنا دینا چاہئے دراصل یہ سارے کام وقتی اور ہنگامی ضروریات کے تحت انجام دیئے گئے ہیں اور آج بھی ایسی ہنگامی صورتحال میں مسجدوں سے یہ کام لیا جاسکتا ہے، لیکن ان کاموں کو مساجد کے مستقل وظائف و مقاصد میں شامل کر لینا مغالطہ انگیز غلط مبحث ہے اور دین و شریعت کے لحاظ سے کسی طرح درست نہیں۔ (خطبات مفتی اعظم)

''مسجد کی صفائی بیرسٹری سے بہتر ہے''

حکیم الامت حضرت تھانوی رحمہ اللہ نے فرمایا: مدارس اسلامیہ میں بے کار پڑے رہنا بھی انگریزی میں مشغول ہونے سے لاکھوں کروڑوں درجہ بہتر ہے، اس لئے گو لیاقت اور کمال حاصل نہ ہو، لیکن کم از کم عقائد تو خراب نہ ہونگے اور مسجد کی جاروب کشی اس وکالت اور بیرسٹی سے بہتر ہے جس میں ایمان میں تزلزل ہو اور خدا، رسول صلی اللہ علیہ وسلم، صحابہؓ اور بزرگان دین کی شان میں بے ادبی ہو جو انگریزی کا اس زمانہ میں اکثر بلکہ لازمی نتیجہ ہے، ہاں جس کو دین ہی کے جانے کا غم نہیں وہ جو چاہے اور کرے۔ (تعلیم وتبلیغ)

حکیم الامت حضرت تھانوی رحمہ اللہ کے مذکورہ ملفوظ کی تشریح میں حضرت مولانا مفتی عبدالستار صاحب رحمہ اللہ تحریر فرماتے ہیں۔

اللہ والوں کی بعض باتیں عوام کی سمجھ سے بالا ہوتی ہیں لیکن حق اور سچ وہی ہوتا ہے جو کچھ یہ حضرات فرماتے ہیں دینی مدرسوں میں پڑے رہنا انگریزی اسکولوں کی ڈگریوں سے واقعی لاکھوں کروڑوں درجہ بہتر ہے، وجہ اس کی یہ ہے کہ انسان کے لئے سب سے بڑی دولت اور سب سے بڑا اعزاز ایمان اور اعمال صالحہ ہے، دینی مدرسہ میں اہل خیر کی صحبت میں رہتے ہوئے گو کہ ڈگری حاصل نہ ہو لیکن ایمان اور اعمال صالحہ کی دولت یقیناً حاصل ہوگی اور یہ تمام ڈگریوں سے بہتر ہے، قارون فن زرسازی میں بہت بڑا اسپیشلسٹ تھا جس کی وجہ سے اس نے سونے کے ڈھیر جمع کر لئے تھے، لیکن ایمان کی دولت سے خالی تھا، اسے خزانوں سمیت زمین میں دھنسا دیا گیا، کوئی ڈگری، کوئی یار دوست، کوئی لشکر اس کے کام نہ آیا، نہ کوئی انتقامی کارروائی کر سکا اور اب وہ لوگ بھی جو قارون کے مال و دولت و ڈگریوں پر رشک کرتے تھے

اوراس جیسا ہونے کے متمنی تھے کہنے لگے کہ مال و دولت کے خزانے کامیاب زندگی کی دلیل نہیں، یہ تو اللہ تعالیٰ جس کو چاہتے ہیں دے دیتے ہیں، اگر اللہ تعالیٰ کا احسان نہ ہوتا کہ ہمیں مسلمان بنایا تو قارون کی طرح ہمیں بھی زمین میں دھنسا دیا جاتا۔

پس حکیم الامت حضرت تھانویؒ بالکل درست فرمارہے ہیں کہ مدرسہ اسلامیہ میں بے کار پڑے رہنا اور ''مسجد کی جاروب کشی اس وکالت اور بیرسٹری سے بہتر ہے جس میں ایمان متزلزل ہوجائے اور خدا، رسول صلی اللہ علیہ وسلم، حضرات صحابہؓ اور بزرگان دین کی شان میں بے ادبی ہو'' کیونکہ انگریزی تعلیم میں عموماً یہ بے دینی پیدا ہوجاتی ہے، الا ماشاء اللہ کیونکہ لارڈ میکالے کی اس تعلیم کا مقصد ہی یہی ہے کہ یہ تعلیم حاصل کرنے والے رنگ کے لحاظ سے گو ہندوستانی ہوں لیکن ذہنیت کے لحاظ سے فرنگی ہوں، لباس فرنگی کا، وضع قطع فرنگی کی، عادات و افکار اس کے، حضرتؒ کی تنقید اکثر ان فنون پر نہیں جو کالجوں میں پڑھائے جاتے ہیں، اعتراض اس تہذیب، ان خیالات، عادات و کردار و اخلاق پر ہے جو کالج سے ہمیں ملتے ہیں اور دین کی بیخ کنی پر منتج ہوتے ہیں، علامہ اقبال صاحب کہہ گئے ہیں، کسی کے کان ہو تو سنے، فرماتے ہیں ؎

فرنگی کا یہ نظام تعلیم اک سازش ہے فقط دین محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے خلاف

فکر مستقبل انسان کا خاصہ ہے، ہم بھی اگر اپنے حقیقی مستقبل (قبر حشر) کو روشن اور شاندار بنانا چاہتے ہیں تو آسمانوں، زمینوں اور تمام کائنات کو پیدا کرنے والے مالک حقیقی کے ارشاد فرمودہ طریقہ زندگی کو اپنائیں جو قرآن و سنت اور شریعت مقدسہ کی شکل میں ہمارے ہاتھوں میں موجود ہے اور دینی مدارس جس کی تعلیم و تعلم، تعلیم و تبلیغ اور اشاعت و حفاظت میں شب و روز لگے ہوئے ہیں، اللہ پاک تا قیامت ان کی حفاظت فرماویں اور ہمیں ان سے مکمل استفادہ کی توفیق بخشیں۔ (آمین)

مساجد اور ان کی آبادی

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جو شخص اپنے گھر سے وضو کر کے فرض نماز کے لئے مسجد کی طرف نکلا، اس کا ثواب اس شخص جیسا ہے جو احرام باندھ کر گھر سے حج کیلئے نکلا ہو اور جو

شخص نماز اشراق کیلئے اپنے گھر سے وضو کر کے مسجد کی طرف چلا تو اس کا ثواب عمرہ کرنے والے جیسا ہے، فرمایا کہ جب کوئی شخص وضو کرے اور اچھی طرح (سنت کے مطابق) وضو کرے پھر مسجد کو صرف نماز کی نیت سے چلے اور کوئی غرض نہ ہو تو ہر قدم پر اس کا ایک مرتبہ ایک درجہ بلند ہو جاتا ہے اور ایک گناہ معاف ہو جاتا ہے یہاں تک کہ وہ مسجد میں پہنچ جائے پھر جب تک نماز کے انتظار میں بیٹھا رہے گا اس کو نماز ہی کا ثواب ملتا رہے گا اور فرشتے اس کے لئے یہ دعا کرتے رہیں گے کہ اے اللہ! اس پر رحمت نازل فرما اور اس کی مغفرت فرما، حضرت ابوالدرداءؓ نے اپنے بیٹے کو نصیحت فرمائی کہ تمہارا گھر مسجد ہونا چاہئے، کیونکہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے سنا ہے کہ مساجد متقی لوگوں کے گھر ہیں، جس شخص نے مساجد کو (کثرت کے ذریعہ) اپنا گھر بنالیا، اللہ تعالیٰ اس کیلئے راحت وسکون اور پل صراط پر آسانی سے گذرنے کا ضامن ہو گیا، اور ابوصادق ازدی نے شعیب بن الحجاب کو خط لکھا کہ مسجدوں کو لازم پکڑو کیونکہ مجھے یہ روایت پہنچی ہے کہ مساجد ہی انبیاء کی مجالس تھیں ایک اور حدیث میں ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ آخر زمانے میں ایسے لوگ ہونگے جو مسجدوں میں آکر جگہ جگہ حلقہ بنا کر بیٹھ جاویں گے اور وہاں دنیا ہی کی اور اس کی محبت کی باتیں کریں گے، تم ایسے لوگوں کے ساتھ نہ بیٹھو، اللہ تعالیٰ کو ایسے مسجد میں آنے والوں کی ضرورت نہیں اور حضرت سعید بن المسیبؒ نے فرمایا کہ جو شخص مسجد میں بیٹھا گویا وہ اپنے رب کی مجلس میں بیٹھا ہے، اس لئے اس کے ذمہ ہے کہ زبان سے سوائے کلمہ خیر کے اور کوئی کلمہ نہ نکالے۔ (معارف القرآن ص ۳۲۷ ج ۶)

حضرت سہلؒ فرماتے ہیں حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ جو لوگ اندھیرے میں مسجدوں میں بکثرت جاتے رہتے ہیں ان کو قیامت کے دن پورے پورے نور کی خوشخبری سنادے ایک حدیث میں ہے کہ وہ قیامت کے دن نور کے ممبروں پر ہونگے اور بے فکر اور لوگ گھبراہٹ میں ہونگے، ایک حدیث میں ہے کہ حق تعالیٰ شانہٗ قیامت کے دن ارشاد فرمائیں گے کہ میرے پڑوسی کہاں ہیں؟ فرشتے عرض کریں گے کہ آپ کے پڑوسی کون ہیں، ارشاد ہوگا کہ مسجدوں کو آباد کرنے والے، ایک حدیث میں آیا ہے کہ اللہ تعالیٰ کو سب جگہوں سے زیادہ محبوب مسجدیں ہیں اور سب سے زیادہ ناپسند بازار ہیں، ایک

حدیث میں ہے کہ مسجدیں جنت کے باغ ہیں اور ایک صحیح حدیث میں وارد ہے حضرت ابو سعید خدریؓ حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے نقل کرتے ہیں کہ جس شخص کو دیکھو کہ مسجد کا عادی ہے تو اس کے ایماندار ہونے کی گواہی دو، اس کے بعد **انما یعمر مساجد اللہ** یہ آیت تلاوت فرمائی، یعنی مسجدوں کو وہی لوگ آباد کرتے ہیں جو اللہ پر اور قیامت پر ایمان رکھتے ہیں۔

ایک حدیث میں ارشاد ہے کہ قیامت کے دن جب ہر شخص پریشان حال ہوگا اور آفتاب نہایت تیزی پر ہوگا، سات آدمی ایسے ہونگے جو اللہ کی رحمت کے سایہ میں ہوں گے ان میں ایک شخص وہ بھی ہوگا جس کا دل مسجد میں اٹکا رہے کہ جب کسی ضرورت سے باہر آئے تو پھر مسجد ہی میں واپس جانے کی خواہش ہو، ایک حدیث میں وارد ہے جو شخص مسجد سے الفت رکھتا ہے، اللہ جل شانہٗ اس سے الفت فرماتے ہیں۔ (فضائل نماز ص ۵۱،۵۲)

حضرت انسؓ حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے حق تعالیٰ شانہٗ کا یہ ارشاد نقل کرتے ہیں کہ میں کسی جگہ عذاب بھیجنے کا ارادہ کرتا ہوں مگر وہاں ایسے لوگوں کو دیکھتا ہوں جو مسجدوں کو آباد کرتے ہیں، اللہ کے واسطے آپس میں محبت رکھتے ہیں اخیر راتوں میں استغفار کرتے ہیں تو عذاب کو موقوف کر دیتا ہوں، حضرت ابو درداءؓ نے حضرت سلمان فارسیؓ کو ایک خط لکھا جس میں یہ لکھا کہ مسجد میں اکثر اوقات گذارا کرو، میں نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے سنا ہے کہ مسجد متقی کا گھر ہے اور اللہ جل شانہٗ نے اس بات کا عہد فرمالیا ہے کہ جو شخص مسجد میں اکثر رہتا ہے اس پر رحمت کرونگا اس کو راحت دوں گا اور قیامت میں پل صراط کا راستہ آسان کر دوں گا اور اپنی رضا نصیب کروں گا، حضرت عبداللہ بن مسعودؓ حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے نقل کرتے ہیں کہ مسجد اللہ کا گھر ہیں اور گھر آنے والوں کا اکرام ہوتا ہی ہے، اس لئے اللہ پر ان کا اکرام ضروری ہے جو مسجدوں میں حاضر ہونے والے ہیں۔ (حوالا بالا ص ۳۵)

اللہ اکبر! مسجد کو آباد کرنے کے اتنے فضائل پڑھ کر کیا اب بھی کوئی مسلمان مسجد آنے میں سستی کرے گا؟ بھائیو! پانچوں نمازیں باجماعت مسجد میں آکر پڑھنے کا اہتمام کریں۔ اب ذیل میں ان آداب کا ذکر کیا جاتا ہے، جن کا اہتمام کرنے سے مذکورہ فضائل نصیب ہونگے۔

مسجد کے پندرہ آداب

علماء نے آداب مسجد میں پندرہ چیزوں کا ذکر کیا ہے، اول یہ کہ مسجد میں پہنچنے پر اگر کچھ لوگوں کو بیٹھا دیکھے تو سلام کرے اور کوئی نہ ہو تو السلام علینا وعلیٰ عباد اللہ الصالحین کہے (لیکن یہ اس صورت میں ہے جبکہ مسجد کے حاضرین نفلی نماز یا تلاوت و تسبیح وغیرہ میں مشغول نہ ہوں ورنہ ان کو سلام کرنا درست نہیں) دوسرے یہ کہ مسجد میں داخل ہو کر بیٹھنے سے پہلے تحیۃ المسجد پڑھے (مکروہ وقت نہ ہو) تیسرے یہ کہ مسجد میں خرید وفروخت نہ کرے، چوتھے یہ کہ وہاں تیر وتلوار نہ نکالے، پانچویں یہ کہ مسجد میں اپنی گمشدہ چیز تلاش کرنے کا اعلان نہ کرے، چھٹے یہ کہ مسجد میں آواز بلند نہ کرے، ساتویں یہ کہ وہاں دنیا کی باتیں نہ کرے، آٹھویں یہ کہ مسجد میں بیٹھنے کی جگہ مین کسی سے جھگڑا نہ کرے، نویں یہ کہ جہاں صف میں پوری جگہ نہ ہو وہاں گھس کر لوگوں میں تنگی پیدا نہ کرے، دسویں یہ کہ کسی نماز پڑھنے والے کے آگے سے نہ گذرے، گیارہویں یہ کہ مسجد میں تھوکنے یا ناک صاف کرنے سے پرہیز کرے، بارہویں اپنی انگلیاں نہ چٹخائے، تیرہویں یہ کہ اپنے بدن کے کسی حصہ سے کھیل نہ کرے، تیرھویں نجاسات سے پاک صاف رہے اور چھوٹے بچے یا مجنون کو ساتھ نہ لے جائے، پندرھویں یہ کہ کثرت سے ذکر اللہ میں مشغول رہے۔

قرطبیؒ نے یہ پندرہ آداب لکھنے کے بعد فرمایا ہے کہ جس نے یہ کام کر لئے، اس نے مسجد کا حق ادا کر دیا اور مسجد اس کے لئے حرز وامان کی جگہ بن گئی۔ (معارف القرآن)

لمحہ فکریہ

یہ بات بھی یاد رکھنی چاہئے کہ مسجد کی آبادی کا تعلق ساز وسامان اور اشیاء سے نہیں بلکہ اعمال سے ہے، لہٰذا ماہ مبارک سے اس بات کو معمول بنالیں کہ کچھ وقت مسجد کیلئے بھی نکالیں گے، جس میں صرف ذکر وتلاوت، نوافل وتسبیحات کا اہتمام ہو ان شاء اللہ پھر مسجد کی برکات نصیب ہوں گی اللہ تعالیٰ ہمیں مسجد کا صحیح صحیح ادب کرنے کی توفیق عطا فرمائے۔ (آمین)

آداب مسجد

(۱) مسجد میں اگر کچھ فارغ بیٹھے ہوں تو ان کو سلام کرنا۔

(۲) مسجد میں داخل ہو کر بیٹھنے سے پہلے دو رکعت تحیۃ المسجد پڑھنا۔

(۳) مسجد میں خرید و فروخت نہ کرنا۔

(۴) مسجد میں تیر یا تلوار نہ نکالنا۔

(۵) مسجد میں گمشدہ چیز کا اعلان نہ کرنا۔

(۶) مسجد میں آواز بلند نہ کرنا۔

(۷) دنیا کی باتیں نہ کرنا۔

(۸) بیٹھنے کی جگہ میں کسی سے جھگڑا نہ کرنا۔

(۹) جس صف میں پوری جگہ نہ ہو اس صف میں گھس کر تنگی پیدا نہ کرنا۔

(۱۰) کسی نمازی کے آگے سے نہ گزرنا۔

(۱۱) تھوکنے اور ناک صاف کرنے سے پرہیز کرنا۔

(۱۲) انگلیاں نہ چٹخانا۔

(۱۳) اپنے بدن کے کسی حصے سے نہ کھیلنا۔

(۱۴) مسجد میں نجاست اور گندگی سے پاک صاف رہنا اور کسی چھوٹے بچے یا مجنون کو ساتھ نہ لے جانا۔

(۱۵) کثرت سے ذکر اللہ میں مشغول رہنا۔ (بحوالہ (معارف القرآن)

(۱۶) مسجد میں داخل ہوتے وقت یہ دعاء پڑھنا، بسم اللہ والصلوٰۃ والسلام علیٰ رسول اللہ اللھم افتح لی ابواب رحمتک .

(۱۷) مسجد میں داخل ہونے کے بعد پہلی صف میں بیٹھنا افضل ہے مگر جگہ بھر جانے پر گردنیں پھلانگ کر آگے بڑھنا ناجائز ہے۔

(۱۸) مسجد میں داخل ہوتے وقت یہ نیت کرنا کہ جب تک مسجد میں رہونگا اعتکاف میں رہونگا۔

(۱۹) مسجد میں سنت یا نفل نماز کے لئے ایسی جگہ کا انتخاب کرنا جہاں سامنے سے لوگوں کے گزرنے کا احتمال نہ ہو۔

(۲۰) مسجد میں کسی کو غلط کام کرتے دیکھے تو چپکے سے نرمی سے سمجھا دیں برسر عام رسوا کرنا اور جھگڑا کرنا منع ہے۔

(۲۱) مسجد میں لہسن، پیاز اور مولی لانا یا کھا کر آنا نا جائز ہے (درمختار)

(۲۲) مسجد میں مٹی کا تیل جلانا جائز نہیں۔

(۲۳) مسجد میں جاتے ہوئے سکون کے ساتھ چلنا چاہئے دوڑنا نہ چاہئے۔

(۲۴) مسجد میں غسل کی حاجت والے شخص کو داخل ہونا حرام ہے (درمختار)

(۲۵) مسجد میں جوں مار کر ڈالنا مکروہ ہے، یہاں حکم کھٹمل کا ہے۔

(۲۶) مسجد میں بچوں کو قرآن شریف اجرت لے کر پڑھانا بالاتفاق نا جائز ہے۔

(۲۷) مسجد میں نماز کے لئے اپنے لئے کوئی جگہ مقرر کر لینا منع ہے۔

(۲۸) مسجد میں جمعہ کا خطبہ دینے کے لئے امام جب منبر پر آجائے تو اس وقت سے لیکر نماز ختم ہونے تک بولنا یا نماز پڑھنا، کسی کو سلام کرنا، سلام کا جواب دینا جائز نہیں، اس دوران اگر کوئی شخص یا بچہ بولنے لگے تو اسے چپ رہنے کی تاکید کرنا بھی جائز نہیں ہے۔

(۲۹) (مسجد میں) خطبے کے دوران اس طرح بیٹھنا چاہئے کہ جس طرح التحیات میں بیٹھتے ہیں، بعضے پہلے خطبے میں ہاتھ باندھ کر بیٹھتے ہیں اور دوسرے خطبے میں ہاتھ زانوں پر رکھ لیتے ہیں، یہ طریقہ بے اصل ہے دونوں خطبوں کے دوران ہاتھ زانوں پر رکھ کر بیٹھنا چاہئے۔

مسجد میں جانے کی مختلف نیتیں

مسجد میں جاتے وقت یہ نیتیں کی جا سکتی ہیں؟

(۱) جب بندہ کسی مسجد میں جائے تو اللہ تعالیٰ جل شانہ کی زیارت کی نیت بھی کر لے۔

(۲) اللہ تعالیٰ سے ملاقات کی نیت بھی کی جا سکتی ہے۔

(۳) حق تعالیٰ جل شانہ سے ہم کلامی کی نیت بھی کر لینی چاہئے۔

(۴) جماعت کے لئے مسجد میں ذرا جلدی چلے جائیں تو نماز کے انتظار کی نیت بھی ہوسکتی ہے۔

(۵) اعتکاف کی نیت بھی کر لینی چاہئے۔

(۶) اللہ تعالیٰ کے ذکر کی نیت بھی ہوسکتی ہے۔

(۷) آخرت کی فکر کی نیت بھی کرنی چاہئے۔

(۸) تنبیہ الغافلین کی نیت بھی باعث ثواب ہے۔

(۹) نیکی کا حکم اور تلقین کرنا بھی دین کا کام ہے۔

(۱۰) برائی اور گناہ کو ختم کرنا ہر مومن اور مومنہ کے لئے ضروری ہے۔

(۱۱) علماء کی زیارت کی نیت بھی کی جاسکتی ہے۔

(۱۲) خدمت مسجد کی بھی نیت ہوسکتی ہے۔

(۱۳) خدمت خلق یا اس کا ذریعہ بننے کی نیت بھی درست ہے۔

(۱۴) تلاوت قرآن پاک کی نیت بھی مطلوب ہے۔

(۱۵) علماء اور صالحین سے دعا کروانے کی نیت بھی کر لینی عاہئے۔

(۱۶) نمازیوں کو سلام کرنے یا اس کا جواب دینے کا ثواب بھی حاصل کیا جاسکتا ہے۔

(۱۷) حدیث کے حکم کہ جماعت کے ساتھ نماز پڑھو پر عمل کرنے کی نیت کرنا۔

(۱۸) آخری نماز سمجھ کر پڑھنے جانے کی نیت (جیسا کہ حدیث میں آتا ہے)

(۱۹) علم اور دین کی طلب وتلاش۔

(۲۰) علم اور دین کو آگے پہچانا۔

(۲۱) سنت پر عمل پیرا ہونا۔

(۲۲) مسجد میں داخل ہونے کے وقت دعائیں پڑھنا۔

(۲۳) اپنی انا یعنی تکبر کو ختم کرنے کی نیت کرنی چاہئے۔

(۲۴) دعا کی صورت میں مقصودی چیز یعنی تواضع کو حاصل کرنے کی نیت کرنا۔

(۲۵) نمازیوں اور نیک لوگوں کی صحبت۔

(۲۶) گناہوں سے بچے رہنے کی نیت۔

(۲۷) اللہ تعالیٰ کی رحمت اور خصوصی توجہ حاصل کرنے کی نیت کرنا۔

(۲۸) جنت میں جانے کی نیت۔

حدیث شریف میں آتا ہے کہ مسجدیں جنت کے باغ ہیں، ان شاء اللہ تعالیٰ مسجد میں باقاعدگی سے جانے والا شخص جنت سے محروم نہ ہوگا۔

مساجد کے بعض منکرات

مسجد کے منکرات یعنی ناپسندیدہ امور میں سے یہ بات بھی ہے کہ لوگ نماز پڑھنے میں بڑی بے احتیاطی کرتے ہیں نہ تو تعدیل ارکان کرتے ہیں اور نہ رکوع اور سجدہ کو ہی اطمینان سے ادا کرتے ہیں اور یہ چیزیں امام ابوحنیفہؒ کے نزدیک مکروہ ہیں اور امام شافعیؒ کے نزدیک مفسد نماز ہیں لہٰذا ان پر روک ٹوک کرنا ان کے مذہب میں تو واجب ہوا اور ہمارے مذہب پر مستحب ہے۔

فائدہ..... تعدیل ارکان اور طمانینت سے مراد یہ ہے کہ رکوع اور سجود میں بقدر تسبیح کے ٹھہرنا ایسا کہ بدن کا ہر ہر جزو اپنی جگہ پر آ جائے یہ چیز رکوع اور سجدہ میں تو واجب ہے ہی قومہ اور جلسہ میں بھی واجب ہے لہٰذا اس کا ترک علماء محققین کے نزدیک مکروہ تحریمی ہے اور اس کا لحاظ نہ کرنے کی وجہ سے نماز بالکل ناقص ہو جاتی ہے یعنی واجب الاعادہ ہو جاتی ہے۔

جو شخص کسی نماز پڑھنے والے کے اندر کوئی عیب دیکھے مثلاً یہ کہ اس کے کپڑے میں نجاست لگی ہوئی ہے یا قبلہ کی جانب سے وہ کچھ پھر گیا ہے وغیرہ وغیرہ اور اس پر سکوت کرے تو خود بھی اس میں شریک سمجھا جائے گا۔ حدیث میں اسی طرح آیا ہے بلکہ یہ حکم ہر اس گناہ کا ہے جس پر قادر ہونے کے باوجود منع نہ کرے۔ چنانچہ حدیث شریف میں آتا ہے کہ غیبت کا سننے والا جو اپنے کسی بھائی مسلمان کی غیبت سنے اور خاموش رہے غیبت کرنے والے کے حکم میں ہے۔

اسی طرح سے منجملہ منکرات مسجد کے اس میں زور زور سے غلط قرآن شریف کا پڑھنا ہے اس سے منع کرنا اور اس کو صحیح قرآن سکھلانا واجب ہے چنانچہ اگر کوئی شخص مسجد میں معتکف ہو اور اس کا اکثر و بیشتر وقت اسی طرح سے لوگوں کے قرآن کی صحت کرانے اور انہیں منکرات مسجد سے منع کرنے میں ہوتا ہو اور اس کی وجہ سے وہ نوافل ادا کرنے اور ذکر و فکر میں مشغول

ہونے سے رہ جاتا ہے تو کچھ حرج نہیں ہے۔ اس کا پہلا شغل ہی بہتر ہے اور اسی میں ثواب زیادہ ہے اس لئے کہ اس کا نفع دوسروں کو بھی پہنچتا ہے اور نوافل کا نفع تو محض اپنی ذات کے لئے خاص رہتا ہے اور اس عبادت کی فضیلت جو متعدی ہو لازمی عبادت سے زیادہ ہوتی ہے۔

جو شخص قرآن شریف بہت زیادہ غلط پڑھتا ہو اگر اس کے اندر اس کو صحیح کرنے کی قدرت و قابلیت ہو تو چاہئے کہ بدون تصحیح کئے پڑھنے سے اس کو منع کرے کیونکہ قرآن شریف کا غلط پڑھنا گناہ ہے اور اگر اس کے اندر سیکھنے کی صلاحیت ہی نہیں ہے یعنی حروف کو اس کے مخارج سے نکالنے پر وہ قادر نہیں ہے تو اسے چاہئے کہ بہت مقدار نہ پڑھے بلکہ بقدر ضرورت پر یعنی اس قدر پر کہ جس سے نماز اس کی صحیح ہو جائے اختصار کرے لیکن اگر غلطی کم کرتا ہے اور زیادہ تر صحیح ہی پڑھتا ہے تو اگر قدر ضرورت سے زیادہ پڑھے تو کوئی حرج نہیں ہے لیکن ایسے شخص کو چاہئے کہ بلند آواز سے نہ پڑھے بلکہ آہستہ آہستہ پڑھے تاکہ اور لوگ اس کی قرأت نہ سنیں (یعنی چونکہ وہ کہیں کہیں غلط پڑھ جاتا ہے تو وہ تو عنداللہ معذور ہو سکتا ہے دوسرے لوگ اس کی غلط قرأت کو کیوں سنیں) اور اگر اس کو زیادہ پڑھنے سے منع کر دیا جائے تو یہ بھی ایک درجہ میں درست ہے باقی اگر اس کو تلاوت کا شوق ہی ہے اور قرآن شریف کے ساتھ انس ہے اس لئے وہ زیادہ پڑھنا چاہتا ہے تو اگر اس کے شوق و انس کو دیکھتے ہوئے اسے منع نہ کیا جائے تو اس میں بھی کچھ مضائقہ نہیں۔ واللہ تعالیٰ اعلم۔

اور منجملہ منکرات مسجد کے مؤذنوں کا جلدی جلدی اذان کہنا ہے اور اس کے کلمات کو بہت زیادہ کھینچنا ہے (مطلب یہ کہ اذان ٹھہر ٹھہر کر کہنا چاہئے اور اس کے کلمات کو اس قدر نہ کھینچے کہ لفظ ہی بدل جائے۔ مثلاً اکبر کو ایسا کہا کہ اکبار ہو گیا یہ منع ہے) اور ایک غلط طریقہ ان لوگوں کا یہ ہے کہ حی علی الصلوٰۃ اور حی علی الفلاح کہتے وقت سارے بدن کو قبلہ سے پھیر لیتے ہیں حالانکہ مستحب صرف چہرہ کا پھیرنا ہے۔ سینہ کا نہیں۔ اسی طرح سے ایک غلط طریقہ یہ ہے کہ فجر کی اذان صبح صادق سے پہلے کہہ دی جائے۔ اذان دینے والے اس کا بھی اہتمام نہیں کرتے جس کا نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ جو لوگ وقت کی پہچان نہیں رکھتے محض اذان پر رہتے ہیں ان کا نماز روزہ سب خراب ہو جاتا ہے اس لئے یہ سب چیزیں مکروہ ہیں۔

منجملہ منکرات مسجد کے ایسے واعظوں کا وہاں وعظ بیان کرنا ہے جو کہ بے اصل قصے اور موضوع حدیثیں بیان کریں اور جو شخص جھوٹے قصے بیان کرے وہ فاسق ہے اور اس سے اس کو روکنا واجب ہے۔ اسی طرح جو واعظ مبتدع یا دینی امور میں تہاون یعنی سستی کرنے والا ہو اور اکثر کلام اس کا اشعار اور بدعت کی باتیں ہوں تو اس کے وعظ میں بھی جانا جائز نہیں ہے مگر یہ کہ کوئی شخص اس لئے جائے کہ اس کو منع کریگا تو خیر وہ جا سکتا ہے۔ علماء نے فرمایا ہے کہ بہت زیادہ نقصان دہ چیز عالم فاسق (یعنی بے عمل عالم) اور صوفی جاہل یعنی زاہد بے علم اور عمل میں سستی کرنے والے واعظ ہیں۔ پس چاہیے کہ وعظ کہنے والا صرف اور جاہی کے مضامین نہ بیان کرے کہ سبب بنے گا لوگوں کے طاعت میں سست اور عصبت پر دلیر ہو جانے کا (یعنی عمل میں سستی کریں گے اور نفس کی خواہشات بجالائیں گے اور ٹوکنے پر اس واعظ کے وعظ کا حوالہ دیدیں گے کہ خدا بڑا غفور رحیم ہے) اس لئے واعظ کو چاہیے کہ رجا اور خوف دونوں ہی کے مضامین بیان کرے جیسا کہ قرآن شریف کا طریقہ ہے۔

چنانچہ خوف اور تہدید بہت ہی نافع ہے اور خوف ورجا کا اعلیٰ درجہ یہ ہے جیسا کہ امیر المومنین حضرت عمر ابن خطاب رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا کہ اگر قیامت کے دن (جب کہ تمام اولین وآخرین جمع ہوں گے) حق تعالیٰ کی جانب سے یہ اعلان کا جائے کہ تمام لوگ دوزخ میں ہوں گے بجز ایک شخص کے تو اللہ تعالیٰ کی رحمت سے میں یہ امید رکھتا ہوں کہ وہ ایک شخص میں ہوں گا اور اگر یہ اعلان کیا جائے کہ سب لوگ جنت میں جائیں گے سوائے ایک شخص کے تو مجھے اندیشہ اور خوف ہوگا کہ شاید وہ میں ہی ہوں۔

منجملہ منکرات مسجد کے ایک یہ ہے کہ پاگلوں اور دیوانوں اور چھوٹے بچوں کو مسجد میں لایا جائے۔ ان لوگوں کا مسجد میں داخل ہونا اس لئے ٹھیک نہیں ہے کہ یہ خود تو کچھ کریں گے نہیں اور دوسرے لوگوں کے لئے بھی خلل انداز ہی ثابت ہوں گے نیز ان کی وجہ سے مسجد کا نجاست سے آلودہ ہو جانا بھی کچھ بعید نہیں پس طہارت والے مقام کو نجاسب سے ملوث کرنا اور عبادت گاہ کو تفریح گاہ بنانا کب زیبا ہے۔

فائدہ۔ جو مٹی کہ مسجد میں پڑی ہوئی یا ٹاٹ اور چٹائی جو مسجد میں بچھی ہوئی ہو اس سے اپنے پاؤں کا پوچھنا درست نہیں اس لئے کہ مسجد میں ہونے کی وجہ سے وہ قابل احترام

ہےاوراس سے پاؤں پوچھنا ادب کے خلاف ہے۔ اسی طرح سے مسجد میں بیٹھ کر اجرت پر کچھ لکھنا یا اجرت پر لڑکوں کو اس میں پڑھانا اور کوئی پیشہ اور کسب کمائی مسجد میں کرنا مکروہ ہے۔ نیز اگر کوئی عیدگاہ میں نفل پڑھے یا مسجد میں نماز جناہ پڑھے تو اس سے منع کیا جائیگا کیونکہ یہ امور مکروہ ہیں۔ اسی طرح سے مسجد میں سائلین کا (لوگوں سے) سوال کرنا بھی جائز نہیں ہے بڑے گناہ کی بات ہے (کہ مسجد خالق سے مانگنے کی جگہ ہے نہ کہ مخلوق سے)

چنانچہ سوال کرنے والے کو مسجد میں دینا بھی مکروہ ہے لیکن بعض علماء نے فرمایا ہے کہ اگر سائل نمازیوں کے آگے سے نہ گذرے اوران کی گردنوں کو نہ پھلانگے تو اس کو دینا مکروہ نہیں ہے۔ مسجد میں ریح خارج کرنا یا مسجد کے فرش اور دیوار پر تھوکنا اور مسجد کے اندر وضو کرنا اور بلند آواز سے بولنا یہ سب چیزیں منع ہیں اور بری ہیں۔ اسی طرح سے مسجد کو بلاضرورت راستہ اور گزرگاہ بنانا بھی مکروہ ہے۔ نیز بلاضرورت مسجد میں دنیا کی باتیں کرنا بھی مکروہ ہے۔

کتاب الاشباہ والنظائر میں لکھا ہے کہ مسجد میں مباح کلام کرنا بھی نیکیوں کو اس طرح سے کھا جاتا ہے (یعنی ختم کر دیتا ہے) جس طرح آگ لکڑیوں کو جلا دیتی ہے اس لئے چاہئے کہ مسجد میں خاموش بیٹھے اور بس اللہ تعالیٰ کی جانب متوجہ رہے (جب مباح کلام کا یعنی جن باتوں کا ذکر کرنا جائز ہے اور وہ غیبت شکایت وغیرہ پر بھی مشتمل نہیں ہے یہ اثر اور ضرر ہے تو ظاہر ہے کہ وہ باتیں جو فی نفسہ بری اور گناہ کی ہیں مسجد میں کس درجہ بری ہوں گی)۔

اسی طرح سے مسجد کی چھت پر چڑھنا بلا کسی ضرورت کے مکروہ ہے ہاں کوئی ضرورت وداعی ہو مثلاً مرمت وغیرہ کرنا ہے تو جائز ہے اسی لئے گرمی کی شدت کی وجہ سے مسجد کے نیچے کا حصہ چھوڑ کر چھت کے اوپر جماعت کرنا مکروہ ہے ہاں اگر نمازی زیادہ ہوں اور نیچے کا حصہ تنگ ہو جائے تو اوپر نماز پڑھنا جائز ہے اور اگر کوئی شخص مسجد میں لوگوں کی گردنیں پھلانگتا ہو تو اس کو اس سے منع کیا جائے گا (جیسا کہ لوگوں کا طریقہ ہے کہ بعد میں آتے ہیں اور صفوں میں بیٹھنے کے لئے لوگوں کی گردنیں پھلانگتے چلے جاتے ہیں لیکن جس طرح ان کا یہ فعل برا ہے اسی طرح پہلے آنے والوں کو بھی اس کا لحاظ ضروری ہے کہ وہ پہلے اگلی صفیں پوری کریں ورنہ اگر سردی، گرمی، دھوپ اور پنکھے کے خیال سے پچھلی صفیں بھر لیں ہیں اور آگے جگہ خالی چھوڑ دی ہے تو اس وقت وہاں جانے والے سے اگر انکو کوئی تکلیف پہنچ جائے

تو وہ خود اس کے ذمہ دار ہیں دوسروں کو ملامت کرنے کے بجائے اپنے کو ملامت کریں کہ دنیاوی معمولی سی راحت کی خاطر صف اول کی فضیلت سے خود کو محروم رکھا۔

اسی طرح کسی مصیبت یا غم کی وجہ سے (لوگوں کی تعزیتی ملاقات کے لئے) مسجد میں تین دن تک یا اس سے کم بیٹھنا مکروہ ہے پس یہ جو (ہمارے) یہاں رسم ہے کہ جس کا کوئی عزیز مر گیا تو وہ مسجد میں دوڑا گیا۔ پھول (یعنی تیجا وغیرہ) کے کرنے کے لئے یہ بات خلاف شرع ہے اس لئے کہ مسجد میں جب مطلق تعزیت کے لئے بیٹھنا مکروہ ہے تو کیا حال ہوگا اس کا کہ مسجد میں بیٹھا ہو قرآن کے پارے ہاتھ میں ہوں اور فاسق فاجر بلکہ غیر مسلموں تک کی تعظیم کے لئے بیچ بیچ میں کھڑا ہوتا ہو۔ نیز پڑھنے کے درمیان دنیاوی باتیں بھی کرتا جاتا ہو۔ تلاوت قرآن کرنے کے بغیر بھی مسجد میں دنیاوی باتیں کرنا مکروہ ہے چہ جائیکہ مسجد میں بھی ہو اور ہاتھ میں پارہ بھی لئے ہو اور تلاوت کے بیچ بیچ میں دنیا کی باتیں بھی ہوتی رہیں۔ اس کی برائی ظاہر ہے نیز اس کے علاوہ اس کی وجہ سے اور بہت سی خرابیاں ہوتی ہیں۔

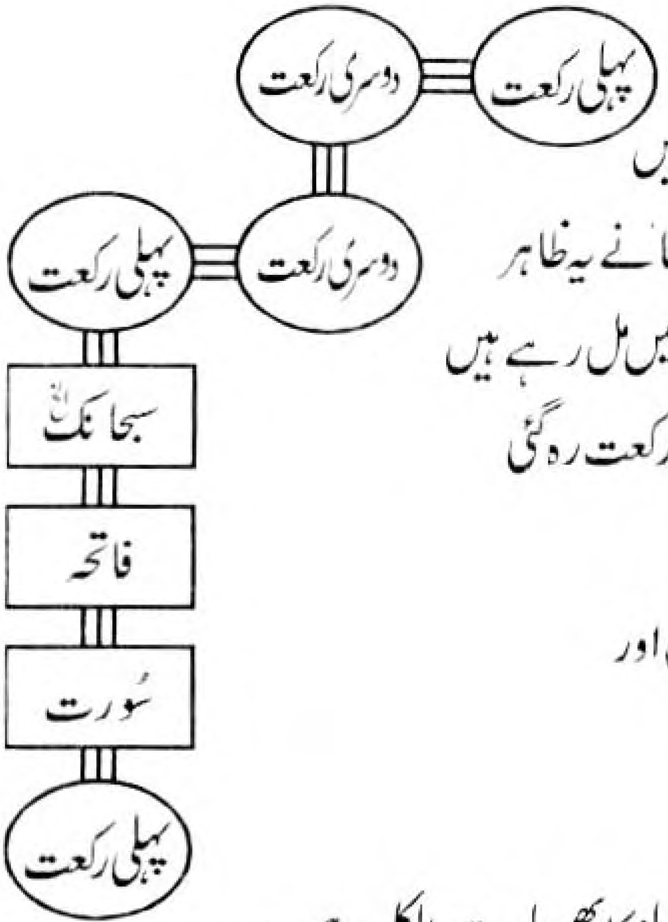
چنانچہ کتاب نصاب احتساب میں تقریباً تیئیس وجہیں ایسی مجلس تعزیت کی کراہت کے متعلق لکھی ہیں جس کا نام لوگوں نے ثواب کی مجلس رکھا ہے۔ سبحان اللہ مجلس کریں اپنے نام و نمود کے لئے اور اس میں بیٹھ کر طرح طرح کے گناہوں کے مرتکب ہوں اور پھر امید رکھیں ثواب عظیم کی۔ ایسے لوگوں کو غور کرنا چاہئے کہ کہتے کیا ہیں اور کرتے کیا ہیں۔

انہی مفاسد کی وجہ سے تیجا اور چالیسواں کی مجلسیں علمائے ربانی کے نزدیک بدعت اور منع ہے اور یہ ظاہر ہے کہ جب ان میں ثواب ہی نہ ملے گا تو پھر ایصال ثواب کیسا؟

بہر حال ہر چیز اتباع سنت کی برکت ہی کچھ اور ہوتی ہے۔ فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے جس نے میری سنت کو دوست رکھا اس نے مجھے دوست رکھا اور جس نے مجھے دوست رکھا وہ میرے ساتھ جنت میں ہوگا۔

لہٰذا اے بھائیو! اور عزیزو! اس سعادت عظمیٰ کے حاصل کرنے کی کوشش کرو اور اپنے جی سے نکالی ہوئی باتوں پر عمل کرنا چھوڑ دو۔ اللھم ارزقنا وایاکم اتباع حبیبک صلی اللہ علیہ وسلم. اللہ تعالیٰ ہمیں بھی اور تمہیں بھی اپنے حبیب پاک صلی اللہ علیہ وسلم کے نقش قدم پر چلنے کی توفیق عطا فرمائے (آمین)۔ (اسوۃ الصالحین)

جماعت کی نمازوں میں ملنے کا طریقہ



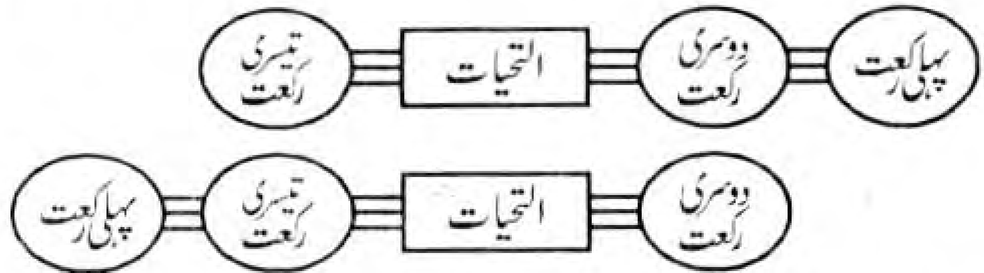
دوسری رکعت میں ملنے کا طریقہ

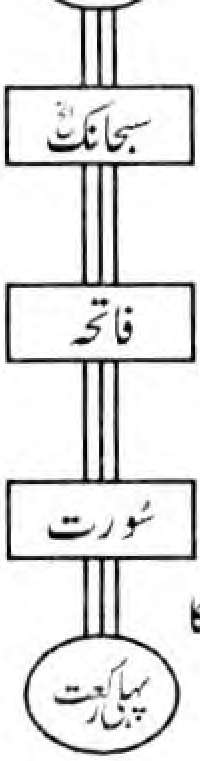
نقشے کے اوپر کے خانے ظاہر کررہے ہیں کہ امام دوفرض پڑھارہاہے نیچے کے خانے یہ ظاہر کررہے ہیں کہ مقتدی دوسری رکعت میں مل رہے ہیں اور ترتیب کے لحاظ سے مقتدی کی پہلی رکعت رہ گئی اور دوسری رکعت امام کے پیچھے ہوگئی اب وہ اکیلا پہلی رکعت پڑھ کر اپنی پہلی اور چھوٹی ہوئی رکعت کو پورا کرلے گا۔

(الدر المختار، جلد نمبر ا صفحہ ۸۶)

نوٹ: جمعہ کی نماز میں امام کے ساتھ ملنے کا بھی طریقہ بالکل وہی ہے

مغرب کی دوسری رکعت میں ملنے کا طریقہ



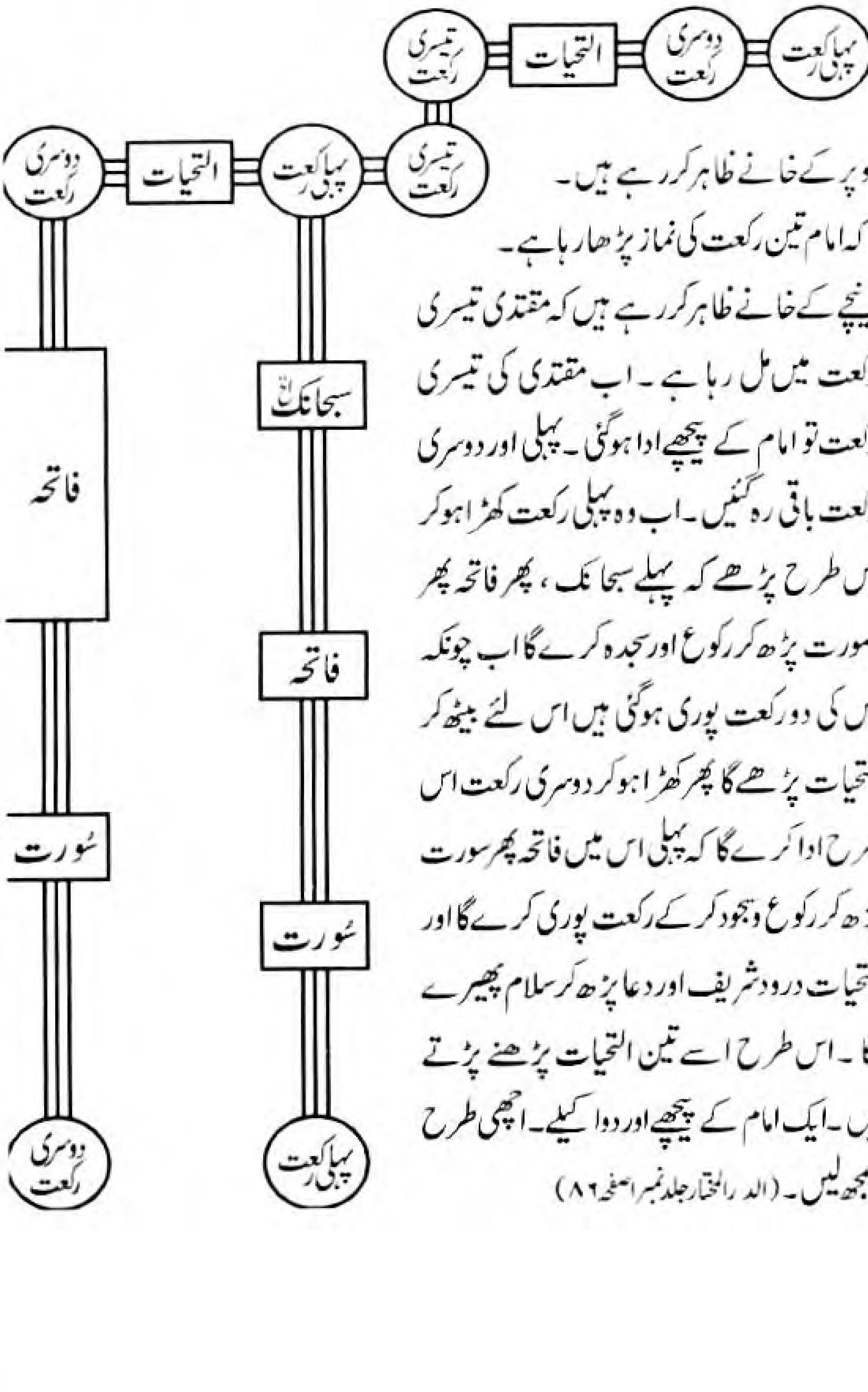


اوپر کے خانے ظاہر کر رہے ہیں کہ امام تین رکعت کی جماعت کرا رہا ہے نیچے کے خانے ظاہر کر رہے ہیں کہ مقتدی دوسری رکعت میں مل رہا ہے۔ اب مقتدی نے امام کے پیچھے دوسری اور تیسری رکعت تو پڑھ لی۔ باقی اس کی پہلی رکعت رہ گئی وہ کھڑا ہو کر اسے اس طرح پڑھے گا کہ پہلے اس میں سبحانک پھر فاتحہ اور پھر سورت پڑھے گا۔

نوٹ: ماہ رمضان میں وتر کی جماعت ہوتی ہے اس میں ملنے کا طریقہ بھی بالکل مغرب کی نماز کی طرح ہے۔

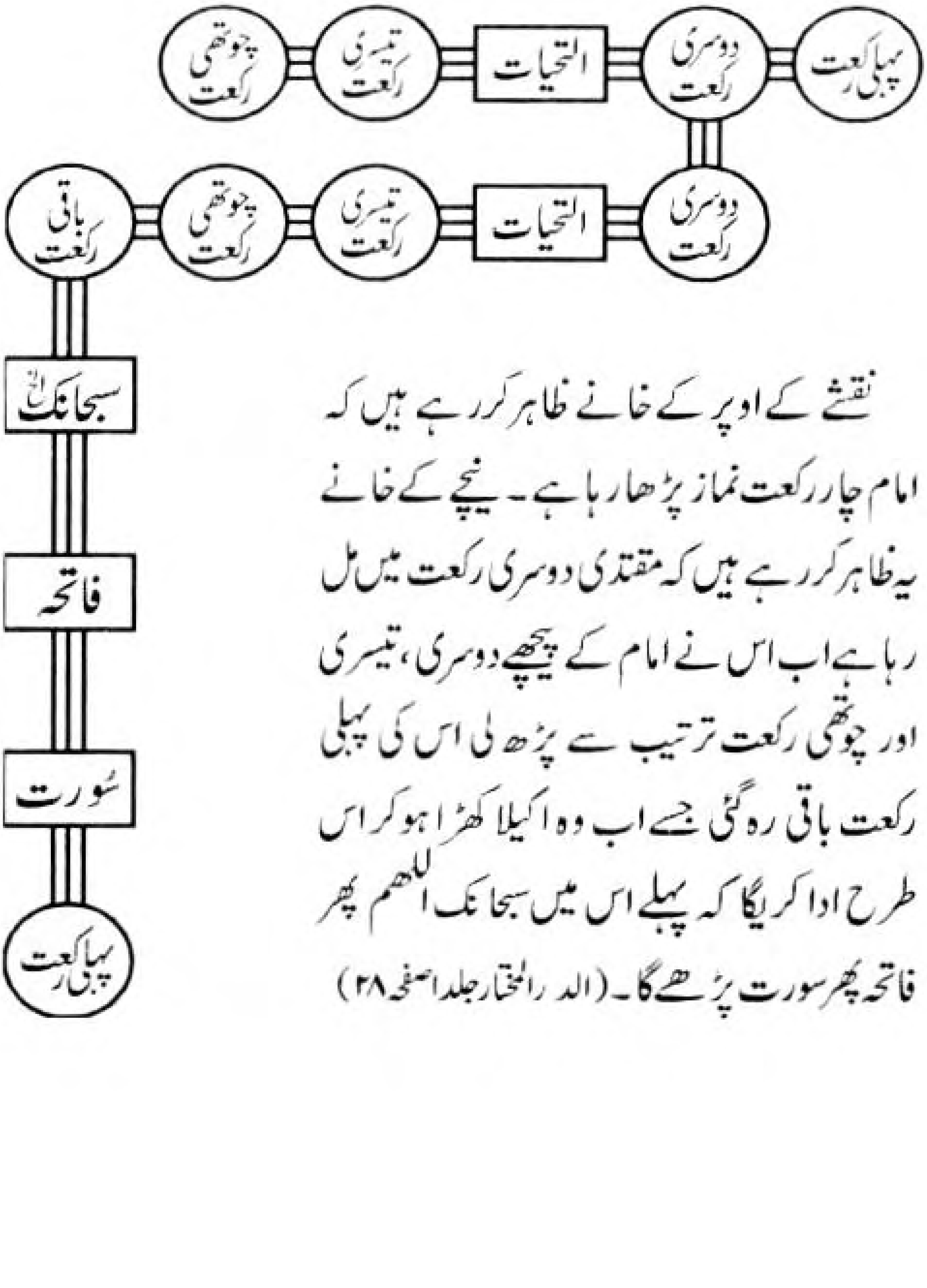
عصر اور عشاء سے قبل چار رکعت غیر مؤکدہ سنتیں پڑھنے کی ترتیب یہ ہے۔ پہلی رکعت میں سبحانک اللھم الخ، تعوذ، تسمیہ، فاتحہ اور سورت پڑھنے کے بعد رکوع سجود کر کے دوسری رکعت میں تسمیہ، فاتحہ اور سورت پڑھنے کے بعد رکوع سجود کریں اور تشہد میں التحیات، درود شریف اور دعا پڑھنے کے بعد تیسری رکعت کو سبحانک اللھم الخ سے شروع کریں اور پہلی دو رکعتوں کی طرح نماز مکمل کریں۔

مغرب کی تیسری رکعت میں ملنے کا طریقہ



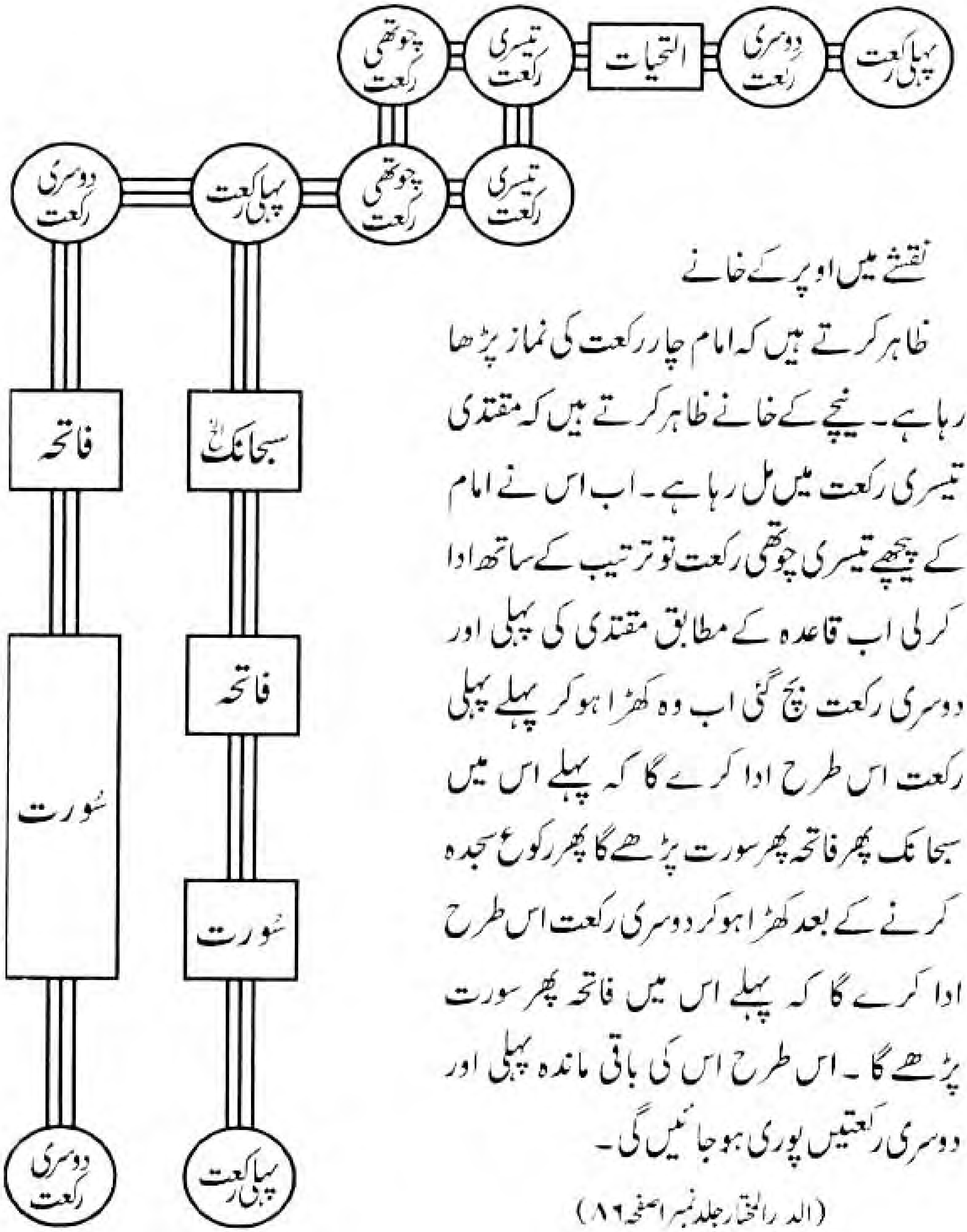
اوپر کے خانے ظاہر کر رہے ہیں۔
کہ امام تین رکعت کی نماز پڑھا رہا ہے۔
نیچے کے خانے ظاہر کر رہے ہیں کہ مقتدی تیسری رکعت میں مل رہا ہے۔ اب مقتدی کی تیسری رکعت تو امام کے پیچھے ادا ہوگئی۔ پہلی اور دوسری رکعت باقی رہ گئیں۔ اب وہ پہلی رکعت کھڑا ہو کر اس طرح پڑھے کہ پہلے سبحانک، پھر فاتحہ پھر صورت پڑھ کر رکوع اور سجدہ کرے گا اب چونکہ اس کی دو رکعت پوری ہوگئی ہیں اس لئے بیٹھ کر التحیات پڑھے گا پھر کھڑا ہو کر دوسری رکعت اس طرح ادا کرے گا کہ پہلی اس میں فاتحہ پھر سورت پڑھ کر رکوع وسجود کر کے رکعت پوری کرے گا اور التحیات درود شریف اور دعا پڑھ کر سلام پھیرے گا۔ اس طرح اسے تین التحیات پڑھنے پڑتے ہیں۔ ایک امام کے پیچھے اور دو اکیلے۔ اچھی طرح سمجھ لیں۔ (الد رالمختار جلد نمبر ۱ صفحہ ۸۶)

ظہر، عصر اور عشاء کی
دوسری رکعت میں ملنے کا طریقہ



نقشے کے اوپر کے خانے ظاہر کر رہے ہیں کہ امام چار رکعت نماز پڑھا رہا ہے۔ نیچے کے خانے یہ ظاہر کر رہے ہیں کہ مقتدی دوسری رکعت میں مل رہا ہے اب اس نے امام کے پیچھے دوسری، تیسری اور چوتھی رکعت ترتیب سے پڑھ لی اس کی پہلی رکعت باقی رہ گئی جسے اب وہ اکیلا کھڑا ہو کر اس طرح ادا کریگا کہ پہلے اس میں سبحانک اللھم پھر فاتحہ پھر سورت پڑھے گا۔ (الدر المختار جلد ا صفحہ ۲۸)

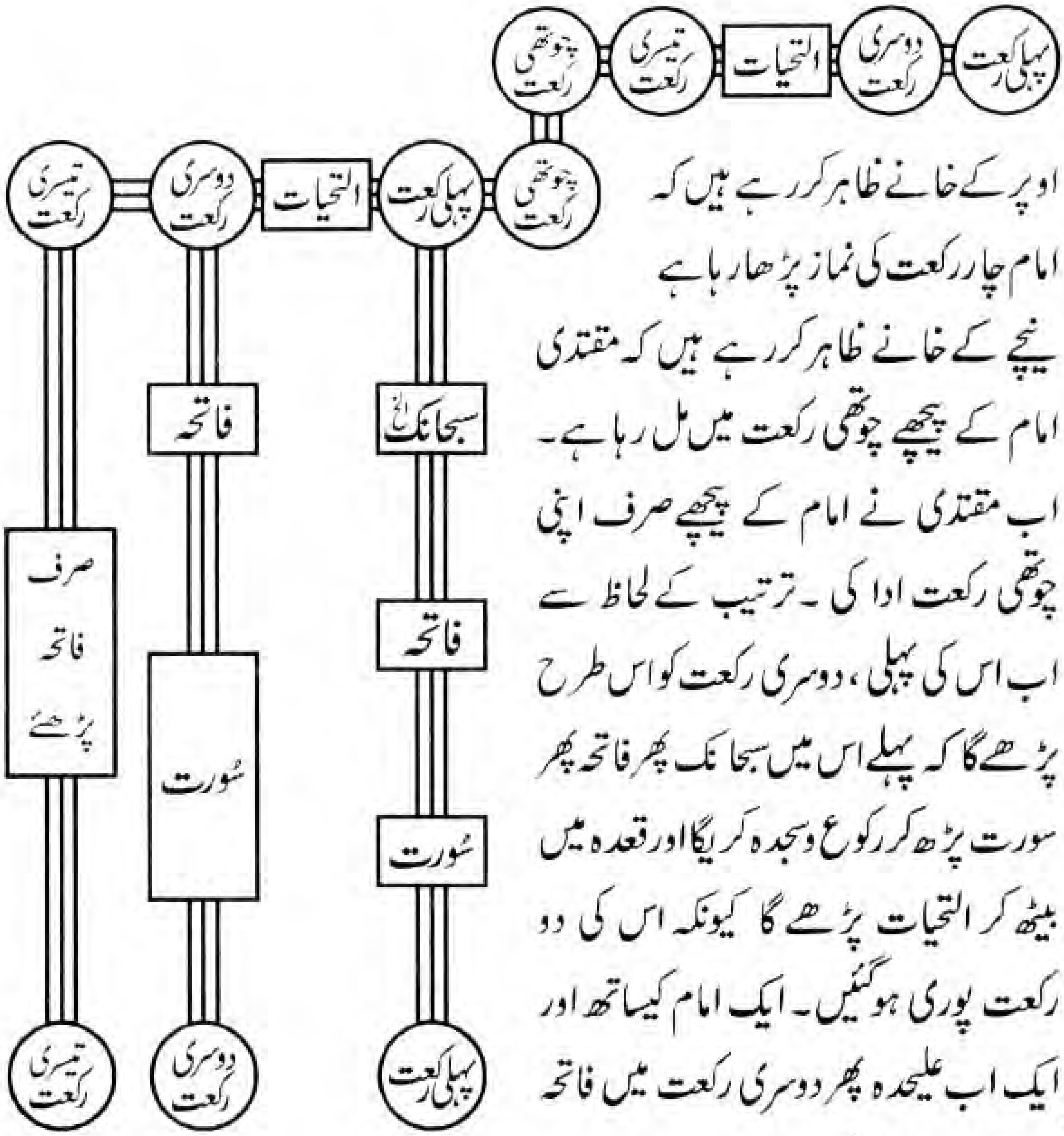
ظہر، عصر اور عشاء کی تیسری رکعت میں ملنے کا طریقہ



نقشے میں اوپر کے خانے ظاہر کرتے ہیں کہ امام چار رکعت کی نماز پڑھ رہا ہے۔ نیچے کے خانے ظاہر کرتے ہیں کہ مقتدی تیسری رکعت میں مل رہا ہے۔ اب اس نے امام کے پیچھے تیسری چوتھی رکعت تو ترتیب کے ساتھ ادا کر لی اب قاعدہ کے مطابق مقتدی کی پہلی اور دوسری رکعت بچ گئی اب وہ کھڑا ہو کر پہلے پہلی رکعت اس طرح ادا کرے گا کہ پہلے اس میں سبحانک پھر فاتحہ پھر سورت پڑھے گا پھر رکوع سجدہ کرنے کے بعد کھڑا ہو کر دوسری رکعت اس طرح ادا کرے گا کہ پہلے اس میں فاتحہ پھر سورت پڑھے گا۔ اس طرح اس کی باقی ماندہ پہلی اور دوسری رکعتیں پوری ہو جائیں گی۔

(الدر المختار جلد نمبر ا صفحہ ۸۶)

ظہر عصر اور عشاء کی چوتھی رکعت میں ملنے کا طریقہ

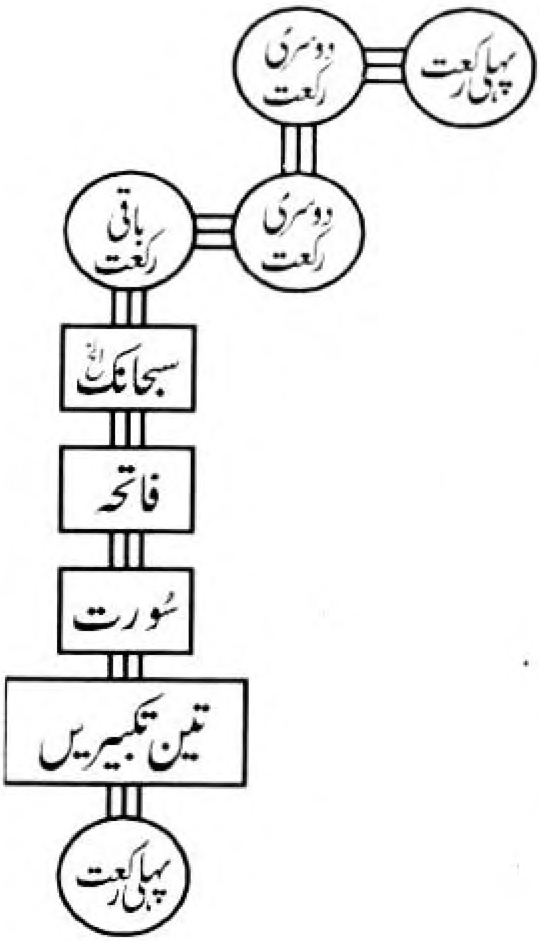


اوپر کے خانے ظاہر کر رہے ہیں کہ امام چار رکعت کی نماز پڑھا رہا ہے نیچے کے خانے ظاہر کر رہے ہیں کہ مقتدی امام کے پیچھے چوتھی رکعت میں مل رہا ہے۔ اب مقتدی نے امام کے پیچھے صرف اپنی چوتھی رکعت ادا کی ۔ ترتیب کے لحاظ سے اب اس کی پہلی، دوسری رکعت کو اس طرح پڑھے گا کہ پہلے اس میں سبحانک پھر فاتحہ پھر سورت پڑھ کر رکوع وسجدہ کریگا اور قعدہ میں بیٹھ کر التحیات پڑھے گا کیونکہ اس کی دو رکعت پوری ہوگئیں۔ ایک امام کیساتھ اور ایک اب علیحدہ پھر دوسری رکعت میں فاتحہ اور سورت پڑھے گا۔

باقی رہ گئی تیسری رکعت تو چونکہ فرض کی آخری رکعتوں میں صرف فاتحہ پڑھا جاتا ہے۔ اس میں صرف فاتحہ پڑھ کر تیسری رکعت پوری کرے گا۔ اس ترتیب سے اس کی ساری رکعتیں پوری ہوجائیں گی۔ اب بیٹھ کر التحیات، درود شریف اور دعا پڑھ کر سلام پھیر دے گا۔

(الدر المختار جلد نمبر ۱ صفحہ ۸۶)

عیدالفطر اور عید قربان کی دوسری رکعت میں ملنے کا طریقہ



نقشہ میں اوپر کے دو خانے ظاہر کر رہے ہیں کہ امام عید کی دو رکعت پڑھا رہا ہے۔ نیچے کے خانے یہ ظاہر کر رہے ہیں کہ مقتدی دوسری رکعت میں مل رہا ہے۔ اب ترتیب کے لحاظ سے مقتدی کی پہلی رکعت بچ گئی اب وہ اکیلا پہلی رکعت کو اس طرح ادا کرے گا کہ پہلے سبحانک پھر فاتحہ، پھر سورۃ پڑھ کر تین تکبیریں پڑھے گا اور ہر تکبیر کے وقت اوپر ہاتھ اٹھائے گا پھر چوتھی تکبیر پڑھ کر رکوع کرے گا اس طرح عید کی پہلی چھوٹی ہوئی رکعت پوری ہو جائیگی۔

فرائض وسنن کی تعداد

نام نماز	فرض	سنت موکدہ	سنت غیر موکدہ ونفل
فجر	۲ رکعت	۲ رکعت قبل از فرض	....
ظہر	۴ رکعت	۴ رکعت قبل از فرض ۲ رکعت بعد از فرض	۲ رکعت نفل
عصر	۴ رکعت	....	۴ رکعت سنت قبل از فرض
مغرب	۳ رکعت	۲ رکعت بعد از فرض	۲ رکعت نفل ۴ یا ۶ رکعت اوابین
عشاء	۴ رکعت فرض ۳ رکعت وتر	۲ رکعت بعد از فرض	۴ رکعت قبل از فرض ۲ نفل بعد از سنت، ۲ نفل بعد از وتر
جمعہ	۲ رکعت فرض	۴ سنت قبل از فرض ۴ اور ۲ سنت بعد فرض	....

منصب امامت اور صبر

امام پیشوا اور قائد کو کہتے ہیں جو لوگوں کی قیادت کرے اور لوگ اس کی پیروی کریں، امامت کا منصب ایک اونچا بلکہ بہت اونچا منصب ہے، ایک لحاظ سے منصب نبوت کی نیابت ہے رحمت عالم صلی اللہ علیہ وسلم امام المسلمین بھی تھے اور امام الانبیاء علیہم السلام بھی، اس عظیم منصب کے باوجود حق تعالیٰ جل شانہٗ نے قرآن مجید میں خطاب کرکے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو فرمایا فَاصْبِرْ كَمَا صَبَرَ أُولُوا الْعَزْمِ مِنَ الرُّسُلِ وَلَا

تَسْتَعْجِلْ لَّهُمْ۔ ترجمہ: تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم ویسا ہی صبر کیجئے جیسا اور ہمت والے پیغمبروں نے صبر کیا تھا اور ان لوگوں کے لئے انتقام الٰہی کی جلدی نہ کیجئے۔ (بیان القرآن)

اسی لئے حضرت عائشہؓ کی روایت کے مطابق رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ دنیا کی عیش وعشرت اور تنعم محمد صلی اللہ علیہ وسلم اور آل محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے شایان نہیں کیونکہ اللہ تعالیٰ اولوالعزم سے بجز صبر کے اور کسی چیز پر راضی نہیں اور مجھے یہی حکم دیا ہے کہ میں اس طرح صبر کروں جیسے اوراولوالعزم پیغمبروں نے صبر کیا ہے۔

لہٰذا امام کے لئے صبر کے سوا چارہ نہیں، اگر امام، امامت وقیادت کے منصب پر فائز رہنا چاہتا ہے اور دنیا وآخرت میں بلند مقام حاصل کرنا چاہتا ہے تو اس کے لئے ضروری ہے کہ وہ رحمت عالم سید المرسلین صلی اللہ علیہ وسلم کی پیروی کرتے ہوئے صبر سے کام لیں، خواہ مصائب اور تکالیف پر صبر کرنا پڑے یا مقتدیوں کی فضول لایعنی اور دلخراش باتوں پر صبر سے کام لینا پڑے۔

قرآن مجید کی آیت سے یہ بات معلوم ہوتی ہے کہ پرانی امتوں میں انہی لوگوں کو امامت وقیادت کے منصب پر فائز کیا گیا جو صبر اور یقین کی دولت سے مالا مال تھے، سورۃ السجدہ میں ارشاد باری ہے۔

وَجَعَلْنَا مِنْهُمْ اَئِمَّةً يَّهْدُوْنَ بِاَمْرِنَا لَمَّا صَبَرُوْا وَكَانُوْا بِاٰيٰتِنَا يُوْقِنُوْنَ.

ترجمہ: ہم نے ان میں بہت سے ائمہ بنائے جو ہمارے حکم سے ہدایت کرتے تھے جبکہ وہ صبر کرتے رہے اور ہماری آیتوں پر یقین رکھتے تھے۔

علامہ ابن کثیرؒ نے اس آیت کی تفسیر میں بعض علماء کا قول نقل کیا ہے، یعنی صبر اور یقین ہی کے ذریعہ دین میں کسی کو امامت کا درجہ مل سکتا ہے۔ (معارف القرآن)

امامت سیکھئے

امامت چونکہ ایک انتہائی نازک اور عالی منصب ہے لہٰذا اس کے آداب کی رعایت رکھنا بھی بہت ضروری ہے، ذرا سی غفلت اس منصب کو آلودہ کرنے کیلئے کافی ہے چنانچہ امام کو درج ذیل باتوں کا خیال رکھنا چاہئے۔

۱- امام نماز سنت کے عین مطابق پڑھائے تمام تر مستحبات وآداب کا لحاظ رکھے اور بہتر یہ ہے کہ بزرگوں کے سامنے اس کی عملی مشق سیکھے اور اس کو عار نہ سمجھے۔

۲- مقتدیوں سے مطالبات وفرمائشیں کرنے سے احتراز کرے اور استغناء کی صفت سے خود کو آراستہ کرے اور سنجیدہ طبیعت رکھے، پروقار رہے۔

۳- بیانات میں سیاسی باتوں سے احتراز کرے اور اسی طرح وعظ اور تعلیم و تعلم میں بھی سیاسی جماعتوں پر تبصرے کرنے سے گریز کرے اپنا زیادہ وقت درس و تدریس اور خدمات دینیہ میں صرف کرے۔

۴- خاص جماعت سے تعلق نہ رکھے اگرچہ اہل حق کی جماعت ہو بلکہ اہل حق کی تمام جماعتوں سے یکساں وابستگی رکھے اور ایک خاص جماعت سے تعلق ظاہر نہ کرے کسی ایک جماعت کی طرف میلان رکھنے سے باقی جماعتوں سے وابستہ افراد سے دوری پیدا ہونا شروع ہو جاتی ہے۔

۵- دین کی بات سمجھانے میں حکمت اور نرمی سے کام لے اور یاد رکھنا چاہئے کہ یہ شرعاً واجب ہے، حضرت موسیٰ و ہارون علیہما السلام کو جب فرعون کی طرف تبلیغ کے لئے روانہ فرمایا گیا تو ارشاد باری تعالیٰ ہوا کہ تم دونوں اس (فرعون) سے نرمی سے بات کرنا، ایک اور جگہ قرآن پاک میں ارشاد ہے کہ اللہ تعالیٰ کی طرف حکمت اور نصیحت سے بلاؤ، موجودہ دور میں جو حق بات لوگوں پر اثر نہیں کرتی اس کی ایک وجہ یہ بھی ہے کہ حق بات حق طریقے سے نہیں کی جاتی حق بات کیلئے موقع دیکھ کر کہے حق طریقے سے کہے۔

۶- کسی انتظامی معاملہ میں دخل نہ دے، اپنے کام سے مطلب رکھے اگر کوئی مشورہ طلب کرے تو مضائقہ نہیں، جائز امور میں اپنی مرضی ٹھونسنے کی کوشش نہ کرے، البتہ اپنی طرف سے کوئی رائے دینا چاہے تو ایک دفعہ انتظامیہ کو تو اپنا موقف پہنچا دے اور پھر خاموش رہے۔

۷- کسی سے الجھنا نہ چاہئے اس سے وقار جاتا رہتا ہے، بس احسن طریقے سے اپنی بات پیش کرے۔

۸- امامت ایک نعمت ہے، بہت سے فروعی اختلافات سے اس کی نماز محفوظ رہتی ہے، باجماعت نماز کی پابندی رہتی ہے اس پر خوب شکر کرنا چاہئے اور نماز کے وقت سے پہلے مسجد میں آجائے اور نماز کے بعد زیادہ دیر تک مسجد میں رہے۔

۹- اگر کوئی غلطی ہو جائے دوسرا احساس دلائے تو اس پر معذرت کرے، اسی طرح سے نماز میں کوئی ایسی بات ہو جائے جس سے نماز فاسد ہو جاتی ہے تو معلوم

ہونے پر اس کا اعلان کرادے اور اس کو معیوب نہ سمجھے۔

۱۰- اپنے آپ کو امامت کا اہل نہ سمجھے انکساری و تواضع طبیعت میں رکھے، حکیم الامت حضرت مولانا اشرف علی تھانویؒ سے ایک امام صاحب نے دریافت کیا کہ میں خود کو امامت کا اہل نہیں سمجھتا، حضرتؒ نے فرمایا کہ جب تک خود کو امامت کا اہل نہ سمجھو امامت کراتے رہو اور جب اہل سمجھنے لگو تو چھوڑ دو۔

۱۱- حضرت ابن عباسؓ سے روایت ہے کہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ تین شخص ایسے ہیں جن کی نماز ان کے سروں سے ایک بالشت بھی مقام مقبولیت کی طرف نہیں اٹھائی جاتی۔

ان میں ایک شخص وہ ہے جو امام بنا اس حال میں کہ لوگ اس کے امام بننے کو برا سمجھتے ہیں، غور کرنے کی بات ہے کہ منصب امامت میں کس قدر احتیاط کی ضرورت ہے۔

تجویز: نسائی شریف میں ہے کہ حضرت معاذؓ نے نماز پڑھائی ایک شخص آیا اور جماعت میں شامل ہوگیا، حضرت معاذؓ نے نماز میں قرأت لمبی کی اس نے مسجد کے ایک گوشے میں اپنی نماز پڑھ لی پھر فارغ ہو کر چلا گیا، حضرت معاذؓ کو بھی یہ واقعہ معلوم ہوا تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں آکر بطور شکایت یہ واقعہ بیان کیا، آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس آدمی کو بلوا کر پوچھا تو اس نے کہا حضور صلی اللہ علیہ وسلم! میں کیا کرتا میں اس کے پیچھے نماز پڑھ رہا تھا انہوں نے لمبی قرأت شروع کی تو میں نے گھوم کر مسجد کے کونے میں اپنی نماز پڑھ لی، پھر اپنی اونٹنی کو چارہ ڈالا، آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اے معاذؓ کیا تو فتنے میں ڈالنے والا ہے، تو ان سورتوں کا کیا ہے؟ یعنی امامت میں ایسی سورتوں کو پڑھا کرو۔ سبح اسم ربک الاعلیٰ الخ. والشمس وضحٰھا الخ. والفجر الخ .والیل اذا یغشیٰ الخ.

جمعۃ المبارک کی فضیلت واہمیت

جس طرح روزانہ اخیر شب کی گھڑیوں میں اللہ تعالیٰ کی رحمت وعنایت بندوں کی طرف زیادہ متوجہ ہوتی ہے اور جس طرح سال کی راتوں میں سے ایک رات (شب قدر) خاص الخاص درجہ میں برکتوں اور رحمتوں والی ہے۔ اسی طرح ہفتہ کے سات دنوں میں سے جمعہ کا دن اللہ تعالیٰ کے خاص الطاف وعنایات کا دن ہے۔ اور اسی لئے اس میں بڑے بڑے اہم واقعات اللہ تعالیٰ کی طرف سے واقع ہوئے ہیں۔ سید الانام صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جمعہ کا دن سب دنوں سے پاکیزہ اور سب دنوں سے بڑا دن ہے۔ جمعہ کا دن اللہ تعالیٰ کے ہاں سب سے بڑی عظمت والا ہے۔

جمعہ کا دن تھا آخری ساعت تھی کہ جس میں حضرت آدم علیہ السلام پیدا کئے گئے۔ اسی واسطے فرمایا گیا کہ جمعہ کے دن میں ایک گھڑی ہے' ایک ساعت ہے کہ اگر کسی مسلمان بندے کو حسن اتفاق سے خاص اس گھڑی میں خیر اور بھلائی کی کوئی چیز اللہ تعالیٰ سے مانگنے کی توفیق مل جائے تو اللہ تعالیٰ اس کو عطا فرما ہی دیتا ہے۔ اس ساعت میں علماء کا ایک معتبر قول یہ ہے کہ یہ وہی ساعت ہے جس میں حضرت آدم علیہ السلام کی پیدائش عمل میں آئی۔ یعنی عصر کے بعد سے لے کر غروب آفتاب تک کا وقفہ ہے۔ مگر جمعہ کے دن ولادت اور موت' حیات و جمعیت کو خاص مناسبت وفضیلت ہے۔ حضرت آدم علیہ السلام جنت میں گئے تو عجیب نزول ہوا۔ دنیا میں آئے تو صورتاً نزول ہوا۔ اور حقیقتاً عروج ہوا۔ کیونکہ اگر آدم دنیا میں نہ آتے تو خلافت نہ پاتے۔ ظاہر میں تو نیچے اتارے گئے مگر حقیقت میں اسی عمل گاہ کے ذریعہ سے جب عمل کرنے شروع کئے تو انسان کے بڑے بڑے مراتب اور درجات بلند ہوئے حاصل یہ کہ معنوی طور پر انسان بلند ہوا۔ اور ظاہری طور پر اسے نیچے اتارا گیا۔ معنوی

خلافت کا تاج رکھا گیا۔ انبیاء علیہم السلام پیدا ہوئے۔ اولیاء اللہ پیدا ہوئے۔ علمائے ربانی، علمائے ظاہر و باطن پیدا ہوئے اور ہر ایک کا جوہر ظاہر ہوا۔ کسی کے دل میں علم و حکمت تھا وہ نمایاں ہوا۔ کسی کے دل میں کمالات باطن تھے وہ نمایاں ہوئے۔ دنیا مظہر ہے کمالات کے ظہور کا۔ اگر دنیا نہ ہوتی تو کمالات کا ظہور ہی نہ ہوتا۔ جنت میں اگر آدم علیہ السلام کی اولاد پیدا ہوتی تو بادشاہوں کی طرح زندگی بسر کرتی۔ رات دن کھانے اور عیش اڑانے میں لگے رہتے لیکن دنیا میں لا کر مصائب میں مبتلا کیا گیا تا کہ ان مصائب کے توڑ اور دفعیہ کے لئے اندر سے جوہر نمایاں ہوں۔ مصیبت رکھی گئی تا کہ دفاع کی قوتیں اور طاقتیں کام میں آئیں اقوام کو اقوام کے مقابلہ پر ڈالا گیا تا کہ شجاعتوں کا ظہور ہو اور صبر و تحمل کا ظہور ہو کیونکہ جنت میں نہ جنگ و جدال ہوتا نہ دفعیہ کی تدبیریں سوجھتیں نہ صبر و تحمل کام آتا۔ اس طرح بہت سے جوہر انسان کے اندر چھپے رہ جاتے۔ دنیا کو ان کے لئے ظہور گاہ بنایا گیا۔ سو آدم علیہ السلام ظاہراً تو جنت سے نیچے اتارے گئے۔ یعنی نزول ہوا مگر حقیقتاً عروج ہوا۔ کیونکہ جب تک دنیا میں نہ آئیں انسانی کمالات کا ظہور نہیں ہو سکتا۔

قیامت جمعہ کے دن ...... قیامت بھی قائم ہوگی تو جمعہ کے دن ہوگی۔ جس میں اولین و آخرین سب جمع کئے جائیں گے۔ اس سے معلوم ہوا کہ جمعہ کے دن میں جامعیت کا ایک مادہ موجود ہے۔ مٹی بکھری ہوئی تھی آدم کی وہ جمع ہوگئی یوم جمعہ میں کمالات چھپے ہوئے تھے وہ جمع ہو کر نمایاں ہو گئے جمعہ کے دن جبکہ حضرت آدم کا نزول ہوا دنیا میں۔ قیامت قائم ہوگی تو کروڑوں اربوں انسان چھپے پڑے ہوں گے۔ زمین میں تو جمعہ کا دن انہیں اپنی اپنی قبروں سے اٹھا کر میدان محشر میں جمع کردے گا معلوم ہوا کہ اس میں جامعیت کی شان ہے اسی لئے جمعہ دنیا میں لایا گیا تا کہ انسان تکمیل طور پر اپنے ارادے سے جمعیت کی شان پیدا کرے۔ جیسے اس کی چیزیں جمع ہوئی ہیں جمعہ کے دن انسان جمع ہونا سیکھیں۔ قلوب کا میل ملاپ اور اتحاد سیکھیں۔ اور اختلاف سے بچیں۔ گروہ بندیوں سے بچیں اس کے لئے نمونہ بنا دیا جمعہ کو۔ شکلیں مختلف عقلیں مختلف رنگ مختلف مگر آ کر جمع ہو جاتے ہیں جمعہ کے دن۔ دیہات کے بھی، قصبات کے بھی اور محلوں کے لوگ بھی ایک جگہ ہزاروں لاکھوں کی تعداد میں جمع ہوتے ہیں۔

پھر باوجود اختلاف مذاق کے ان میں وحدت پیدا ہے اور یہ جمعہ ہی کی برکت ہے۔ جب ہفتہ میں ایک دن جمع ہونا سیکھ لیا تو باقی ایام میں بھی ان کیلئے جمع ہونا آسان ہو جاتا ہے۔ کیونکہ ان میں خو پیدا ہو جاتی ہے اجتماع کی۔ جمعہ کا دن اجتماعیت کی دعوت دیتا ہے کہ باہمی میل ملاپ اور محبت پیدا ہو۔ جمعہ کے دن قرآن پڑھا جاتا ہے پورے شہر کے آگے تاکہ وہ پیغام خداوندی سن کر اس سے وابستہ ہوں اور اپنے اندر اجتماعی شان پیدا کریں جمعہ کا دن گویا عبرت اور موعظت کا دن ہے اور جمعہ کا دن ایک امتحان بھی ہے۔ اور یہ امت مرحومہ کامیاب ہوئی ہے جمعہ کی وجہ سے۔ امتحان میں کامیابی کی فضیلت اسی کو ملی ہے جمعہ کی وجہ سے جبکہ یہودیوں نے ہفتہ کا دن اور عیسائیوں نے اتوار کا دن خصوصی عبادت کے لئے انتخاب کیا تھا۔

خطبہ جمعہ سے آگاہی قیامت...... آدمی خیر و برکت سے اگر اپنی جھولیاں بھرنا چاہتا ہے تو اسے جمعہ کا اہتمام کرنا چاہئے جمعہ صرف انسان کے آغاز ہی کو یاد نہیں دلاتا بلکہ انسان اور کائنات کے انجام کی طرف بھی توجہ کو موڑ دیتا ہے۔ یہی وہ دن ہے جس میں لیل ونہار کی آمد ورفت بند ہو جائے گی۔ شمس و قمر ماند پڑ جائیں گے۔ اور ان کی گردش رک جائے گی۔ سیاروں اور ستاروں کی گردش جواب دے دیگی آسمان پھٹ جائے گا زمین کا جگر چاک ہو جائیگا اور کائنات کی مشین خاموش ہو جائے گی۔ جمعہ کہتا ہے کہ اس دن کے لئے تیاری کرو اور امام تم کو خطبہ کے ذریعہ زندگی کا پروگرام دیگا۔ تم اس کے ساتھ مل کر اپنے مالک کی بندگی کی راہ پر لگ جاؤ۔ مگر آہ! اے امت مسلمہ کے افراد تمہاری بدنصیبی کہ پتھر ہل جاتے ہیں زمین شق ہو جاتی ہے چٹانیں ٹوٹ جاتی ہیں مگر تم ٹس سے مس نہیں ہوتے۔ حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہٗ سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جب جمعہ کا دن ہوتا ہے تو فرشتے مسجد کے دروازے پر کھڑے ہو جاتے ہیں اور شروع میں آنے والوں کے نام یکے بعد دیگرے لکھتے ہیں کہ سب سے پہلے کون آیا پھر جب امام خطبہ کے لئے منبر کی طرف جاتا ہے تو یہ فرشتے اپنے لکھنے کے دفتر لپیٹ لیتے ہیں اور خطبہ سننے میں شریک ہو جاتے ہیں۔

سیاہ نقطہ اور آئینہ؟ حدیث شریف میں ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم تشریف فرما تھے حضرت جبرائیل علیہ السلام حاضر ہوئے اس شان سے کہ ایک آئینہ ان کے ہاتھ میں تھا اور اس آئینہ

کے وسط میں ایک سیاہ نقطہ تھا جو بالکل ممتاز تھا۔ آپؐ نے پوچھا اے جبرائیل! یہ سیاہ نقطہ کیسا ہے اور یہ آئینہ کیا ہے؟ فرمایا کہ یہ سیاہ نقطہ مزید ہے۔ جس کے معنیٰ زیادتی کے آتے ہیں۔ آپؐ نے فرمایا کہ مزید کیا ہے؟ عرض کیا یا رسول اللہ! یہ ایک میدان ہے جنت میں اور جنت کے بھی بالائی حصہ میں جنتیں ایک سو ہیں اوپر نیچے اور ہر جنت آسمانوں اور زمینوں سے بڑی ہے۔ سب سے اوپر کا حصہ جو عرش کے نیچے ہے۔ اس میں ایک میدان ہے جو بالکل سفید ہے۔ اس کی گھاس بھی سفید اور درخت بھی سفید۔ غرض اس کی ہر چیز سفید و شفاف ہے اور فرمایا کہ یہ اتنا بڑا میدان ہے کہ ہزار ہا برس ہو گئے ہیں مجھے گھومتے ہوئے مگر میں اب تک اس کی کنہ کو نہیں پا سکا ہوں۔ اندازہ کیجئے کہ وہ میدان کتنا بڑا ہو گا۔ جس میں حضرت جبرئیل علیہ السلام ہزار ہا سال سے گھوم رہے ہیں لیکن ابھی تک پورا معلوم نہیں کر سکے۔ اور وادی مزید کے طول و عرض کا کوئی اندازہ نہیں کر سکتا اس میں بڑے بڑے اونچے مشک کے ٹیلے ہیں اور وہ مشک اتنا خوشبودار ہے کہ اگر دنیا کی کوئی عورت وہ مشک لگا لے تو ساری زمین خوشبو سے بھر جائے۔

پھر حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اس میدان کی غرض و غایت کیا ہو گی؟ عرض کیا کہ یہ موقع ہو گا دربار خداوندی کے منعقد ہونے کا۔ اس میدان میں انبیاء علیہم السلام کے منبر بچھائے جائیں گے۔ گول دائرے کی شکل میں نور کے منبر ہوں گے۔ اور ہر نبی کے منبر کے پیچھے امت کی کرسیاں ہوں گی اور وہ پورا میدان بھر جائے گا۔ ان بیٹھنے والوں کی کرسیوں سے۔ دنیا میں جتنا جس کو تعلق تھا نبی سے اور دین سے اتنا ہی وہ قریب ہو گا۔ منبر نبی کے اور وہ کرسیاں اس شان سے ہوں گی کہ ایک کے دیکھنے میں دوسرا حائل نہ ہو گا۔ جیسے آپ نے دیکھا ہو گا کہ بڑی بڑی مجالس میں کرسیاں اس ترتیب سے بچھاتے ہیں کہ اگلی صف ذرا نیچی پچھلی اونچی تا کہ ہر شخص بے تکلف سامنے کی سٹیج کو دیکھ سکے۔ اس طرح سے یہ میدان بھر جائے گا۔ گویا کہ وہ دربار ہے کہ ہر چہار طرف منبر ہیں انبیاء علیہم السلام کے اور ان کی پشت پر کرسیاں ہیں۔ بیچ میں آئے گی کرسی حق تعالیٰ شانہ کی کہ جس کا ذکر قرآن مجید میں ہے وَسِعَ كُرْسِيُّهُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ۔ اس کی کرسی کی عظمت و بڑائی حدیث میں فرمائی گئی ہے کہ ساتوں آسمان اور زمین اس کرسی کے سامنے ایسے ہیں جیسے ایک

بڑے میدان میں ایک چھوٹا سا چھلہ پڑا ہوا ہوتا ہے۔ یہ کرسی اتنی عظیم ہے۔ آخر جس شہنشاہ کی یہ کرسی ہے اس کی بڑائی اور عظمت کے مناسب اس کرسی کی شان ہے۔

عرش و کرسی ...... یاد رکھئے حق تعالیٰ شانہٗ اس کرسی و تخت پر بیٹھتے نہیں کیونکہ وہ تو جسم سے بری اور صورت سے منزہ ہیں۔ لیکن چونکہ ان کی صفت ہے ملک (بادشاہ) اس لئے بادشاہت کے جتنے لوازم ہیں وہ سب جمع کئے گئے ہیں۔ تخت سلطنت بھی ہے جس کا نام عرش عظیم ہے۔ عرش مثل قبہ کے ہے کہ ساری کائنات پر چھایا ہوا ہے اور ساری کائنات کو ڈھانپے ہوئے ہے اور عرش کے اوپر اللہ پاک کی رحمت کی تجلی مستوی ہے۔ فرمایا گیا ہے۔ اَلرَّحْمٰنُ عَلَی الْعَرْشِ اسْتَوٰی تو عرش کے اوپر رحمت چھائی ہوئی ہے اور عرش کائنات پر چھایا ہوا ہے نتیجہ یہ نکلتا ہے کہ رحمت چھائی ہوئی ہے کائنات کے اوپر۔ یعنی جو تعلق اللہ تعالیٰ نے اپنے بندوں کے ساتھ قائم کیا ہے وہ رحمت کے ساتھ کیا ہے۔ غضب کے ساتھ نہیں۔ غضب اگر سامنے آ جائے تو مخلوق کا پتہ بھی نہ چلے۔ رحمت ہی نے سنبھال رکھا ہے۔

وَّكَانَ عَرْشُهٗ عَلَى الْمَآءِ حضرت سلمان رضی اللہ عنہٗ فرماتے ہیں کہ ہم نے تورات میں لکھا دیکھا ہے کہ جب اللہ تعالیٰ نے زمین اور اس کی ساری مخلوقات کو پیدا فرمایا تو صفت رحمت کے سو حصے کر کے اس میں سے ایک حصہ ساری مخلوق کو تقسیم کر دیا۔ چنانچہ آدمی اور جانور اور دوسری مخلوقات میں جہاں بھی کوئی اثر رحمت کا پایا جاتا ہے وہ اسی تقسیم شدہ حصہ کا اثر ہے۔ ماں باپ اور اولاد میں۔ بھائی بہنوں میں۔ شوہر بیوی میں عام رشتہ داروں میں۔ پڑوسیوں اور دوسرے دوستوں میں جو باہمی ہمدردی اور محبت و رحمت کے تعلقات مشاہدہ کئے جاتے ہیں وہ سب اسی ایک حصہ رحمت کے نتائج ہیں۔ باقی ننانوے حصے رحمت کے اللہ تعالیٰ نے خود اپنے لئے رکھے ہیں۔ بعض روایات میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی حدیث کی حیثیت سے بھی روایت کیا گیا ہے اس سے انسان کچھ اندازہ لگا سکتا ہے کہ اللہ تعالیٰ کی رحمت اپنی مخلوق پر کیسی اور کس درجہ ہے۔ یہ ظاہر ہے کہ کوئی انسان بلکہ فرشتہ بھی اللہ جل شانہٗ کے شایان شان عبادات و طاعت ادا نہیں کر سکتا اور ہماری طاعت و عبادت اور حسنات کا حال تو یہ ہے کہ حق تعالیٰ شانہ کی بارگاہ عالی کی نسبت سے دیکھا جائے

تو سیئات سے کم نہیں اوراس پر مزید یہ کہ سیئات اور معاصی سے بھی کوئی بشر خالی نہیں۔ الامن عصمه الله ان حالات میں تقاضائے انصاف تو یہ تھا کہ کوئی بھی عذاب سے نہ بچتا۔ لیکن ہو یہ رہا ہے کہ ہر انسان پر اللہ تعالیٰ کی نعمتیں ہر وقت برس رہی ہیں۔ یہ سب اسی رحمت کا نتیجہ ہے جو پروردگار نے اپنے ذمہ لکھ لی ہے۔

سو رحمت کی تجلی مستوی ہے عرش پر۔ اور اس رحمت سے احکام پھوٹتے ہیں ہدایت اور رہنمائی اور کتب سماوی اور قوانین خداوندی اور قضا وقدر سب وہیں سے چلتے ہیں جیسے ملک کی تمام کی تمام تجاویز واحکامات تخت وسلطنت سے جاری ہوتے ہیں اور اس طرح سے تخت سلطنت قائم کیا گیا اوراسی کا نام عرش عظیم ہے۔

عرش کے نیچے عظیم سمندر...... اب سنئے عرش کے نیچے ہے عظیم سمندر۔ وَّكَانَ عَرْشُهٗ عَلَى الْمَآءِ یہ سمندر جس پر یہ عرش قائم ہے اس سمندر کے نیچے سوجنتیں ہیں اور ہر جنت آسمانوں اور زمینوں سے زیادہ بڑی ہے۔ سوجنتوں کے نیچے ہیں ہفت آسمان تہ بہ تہ اوراس کے نیچے ہے ہفت زمین تہ بہ تہ۔ یہ ایک سلسلہ ہے کائنات کا کہ نیچے زمین اوپر فضا اوراس کے اوپر آسمان اوراس کے اوپر جنتیں اوراس کے اوپر سمندر اوراس پر عرش عظیم ہے۔ عرش پر پہنچ کر مخلوق کا سلسلہ ختم ہو جاتا ہے۔ پس عرش اور جنتوں کے درمیان ہے یہ میدان جس کی عظمت و بڑائی اوپر بیان ہوئی اس میں دربار خداوندی منعقد ہوگا۔ اوراس کے بیچ میں کرسی حق بچھائی جائے گی۔

دربار اہل جنت...... تمام اہل جنت اس دربار میں شرکت کرنے کے لئے پہنچیں گے اپنی اپنی سواریوں پر۔ ان سواریوں کی یہ شان ہوگی کہ بعض تخت ہوا پر سوار ہوں گے اور تخت ہوا میں اڑتے ہوں گے بعض براق پر سوار ہوں گے۔ اس طرح مختلف قسم کی سواریاں ہوں گی جن کے ذریعے پہنچیں گے۔ اہل جنت اور ایسا وقت آئے گا کہ کل دربار مکمل منعقد ہو جائے گا۔ تمام اہل جنت جمع ہوں گے اور حضرات انبیاء کرام اپنے اپنے منبروں پر ہوں گے اور درمیان میں حق تعالیٰ شانہٗ کی کرسی ہوگی۔ جب سارا دربار جم جائے گا تو بندے محسوس کریں گے کہ اب تجلیات حق کا ظہور ہوگا۔ حدیث شریف میں ہے کہ وہ کرسی باوجود اس عظمت کے اس طرح چڑچڑائے گی کہ جیسے بوجھ سے دب کر کوئی چیز ٹوٹنے کے قریب ہوتی ہے اور وہ ہیبت حق کا بوجھ ہوگا کوئی جسمانی بوجھ نہیں ہوگا کیونکہ اللہ تعالیٰ ان چیزوں سے منزہ ہیں۔

حضرت داؤد علیہ السلام کی خوش آوازی...... حدیث شریف میں فرمایا گیا ہے کہ حضرت داؤد علیہ السلام کو معجزہ دیا گیا تھا خوش آوازی کا۔ اتنی پاکیزہ آواز تھی کہ جب وہ مناجات پڑھتے تو چرند پرند ان کے ارد گرد جمع ہو جاتے اور محو ہو جاتے تھے۔ انسان تو بجائے خود جانوروں پر غنودگی کی کیفیت طاری ہو جاتی تھی۔ سو اس دن فرمایا جائے گا حضرت داؤد علیہ السلام کو کہ ان تمام درباریوں کو اپنے مضمونوں سے مستفید کریں۔

حضرت داؤد علیہ السلام اس اعجازی خوش آوازی سے مناجات و مضامین پڑھیں گے کہ اہل جنت پر خاص کیفیت طاری ہوگی۔ ملائکہ کو فرمایا جائے گا کہ ان میں شراب طہور تقسیم کرو۔ یہ شراب طہور دنیا کی شراب جیسی نہیں ہوگی۔ دنیا کی شراب میں تلخی ہوتی ہے اور آخرت کی شراب میں شیرینی ہوگی۔ دنیا کی شراب سے عقلیں جاتی رہتی ہیں مگر اس شراب طہور سے عقلوں میں تیزی اور معرفت و بصیرت پیدا ہوگی۔ وہ سکر مشابہ ہوگا اس سکر کے جو حضرات صوفیاء پر کثرت ذکر سے ایک نشہ معرفت کا طاری ہو جاتا ہے۔

سب جنتیوں سے سوال...... سب پھر سب کو خطاب عام فرمایا جائے گا۔ سلونی ما شئتم اے وہ لوگو! جنہوں نے غائبانہ میری اطاعت کی اور مجھے دیکھا نہیں اور میرے رسولوں کی تصدیق کی اور میرے احکام کی اتباع کی' مجھ سے مانگو جو مانگنا چاہتے ہو۔ یہی یوم مزید ہے۔ سب مل کر عرض کریں گے کہ خدایا کونسی نعمت ہے جو آپ نے ہمیں عطا نہیں فرما دی۔ ہمیں ساری نعمتیں مل چکی ہیں بس ہماری درخواست ہے کہ اپنی رضا ہمیں عطا فرما دیجئے۔ حق تعالیٰ شانہ فرمائیں گے کہ یہ نعمت مل چکی ہے میں اگر راضی نہ ہوتا تو تمہیں اس مقام پر گھسنے نہ دیتا۔ میں راضی ہوں اور ایسا راضی ہوں کہ ابدالآباد تک کبھی بھی ناراض نہ ہوں گا۔ یہ مقام تمہیں مل چکا اور کچھ مانگو۔ یہ سن کر سب حیرانگی میں ایک دوسرے کا منہ تکنے لگیں گے کہ کیا چیز مانگیں۔ کونسی چیز ہے جو ہمیں نہیں مل گئی۔ اس وقت سب مل کر علماء کی طرف رجوع کریں گے اور ان سے استفسار کریں گے کہ کیا چیز رہ گئی ہے جو ہم مانگیں کیونکہ ہمارے علم کے اعتبار سے تو ہر نعمت مل چکی ہے گویا علم اور اہل علم کی احتیاج وہاں بھی باقی رہے گی۔ لوگ تو دنیا میں حضرات علماء سے مستغنی ہونا چاہتے ہیں حالانکہ حاجتمندی وہاں بھی قائم رہے گی۔ وہ کسی کی ذات کی احتیاج نہیں ہوگی بلکہ وہ علم کی احتیاج ہوگی۔

ہمیشہ ہمیشہ انسان علم کا محتاج رہے گا...... انسان ابدالآباد تک علم کا محتاج ہے اس لئے کہ علم اللہ کی صفت ہے۔ جیسے اللہ تعالیٰ کی ذات لامحدود ہے اس کی صفات بھی لامحدود ہیں۔ انسان علم کے کتنے ہی بڑے سے بڑے مقامات طے کر لے پھر بھی لامتناہی مقامات رہتے ہیں کہ انسان کو جن کی طلب رہے گی۔ حضرت امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ کا ایک قطعہ ہے جو وہ پڑھا کرتے تھے کہ جوں جوں زمانہ مجھے ادب سکھاتا ہے مجھ پر میری عقل کا نقصان ظاہر ہوتا ہے جب بھی ادب کا کوئی مقام طے کیا تو سمجھ میں آیا کہ میری عقل نے اب تک یہ پایا ہی نہیں تھا۔ اس مقام تک میری عقل ناقص ہے۔ پھر جب اگلا مقام طے ہوا تو معلوم ہوا کہ اس کو بھی میری عقل اب تک نہیں پا سکی۔ اسی طرح جو جو مقامات ادب کے آتے رہے میری عقل کا نقصان مجھ پر واضح ہوتا رہا۔ جیسے میرے علم کے مراتب بڑھتے رہے میری جہالت مجھ پر واضح ہوتی رہی جب بھی کسی علم کے مقام پر پہنچا تو معلوم ہوا کہ اب تک اس سے جاہل تھا۔ چونکہ علم اللہ تعالیٰ کی صفت ہے اس لئے میں نے عرض کیا کہ علم کی محتاجگی صرف دنیا میں ہی نہیں بلکہ جنت میں بھی رہے گی کیونکہ صفت خداوندی وہاں پہنچ کر محدود نہیں بن جائے گی۔ علم و معرفت کے مقام وہاں بھی لامحدود ہی رہیں گے۔

جنت میں بھی علماء کی ضرورت رہے گی

غرضیکہ لوگ علماء کی طرف رجوع کریں گے کہ ساری نعمتیں مل گئیں اب کونسی چیز باقی ہے جو ہم مانگیں۔ علماء مل کر ایک مشورہ دیں گے کہ ایک چیز رہ گئی ہے جو نہیں ملی اور اس کو طلب کرنا چاہئے اور وہ یہ ہے کہ حق تعالیٰ سے مانگو کہ اپنا جمال مبارک دکھائے۔ دیدار خداوندی ابھی تک باقی ہے۔ یہ نعمت نہیں ملی۔ پھر سب مل کر یک زبان ہو کر عرض کریں گے کہ ہمیں یہ نعمت عطا فرما دیجئے۔ اپنا جمال مبارک دکھلا دیجئے۔ اسی کی تمنا میں ہم نے عبادتیں کی ہیں۔ عمریں گزاری ہیں۔ مشاہدۂ حق اصل مقصود تھا جس کا وعدہ قرآن مجید میں فرمایا گیا۔ اب اگر اس مقام پر مشاہدہ نہ ہوا تو اور کونسا مقام ہوگا کہ جہاں حق کا مشاہدہ ہو۔ چنانچہ درخواست قبول کر لی جائے گی۔ حدیث شریف میں ہے کہ حجابات اٹھنے شروع ہو جائیں گے صرف ایک

حجاب کبریائی اور عظمت باقی رہ جائے گا باقی سب حجابات اٹھ جائیں گے اور بندے اپنے خدا کو دیکھیں گے اس شان سے کہ نہ سمت ہے نہ جہت ہے نہ رنگ ہے اور پھر مشاہدہ ہو رہا ہے اور دیکھ رہے ہیں۔ بہرحال یہ ایک حدیث ہے، جس کا میں نے ترجمہ اور تفسیر بیان کی ہے۔

جنت کا میدان مزید...... جنت میں یہ ایک میدان مزید ہے اور ہفتے میں ایک بار اجتماع ہوگا۔ جب دربار ختم ہوگا۔ تو اللہ تعالیٰ اہل جنت کو فرمائیں گے کہ اپنے اپنے مقامات پر جاؤ اہل جنت واپس ہوں گے اور اپنے اپنے محلوں میں پہنچ جائیں گے۔ اس دربار کی مثال دنیا میں جمعہ رکھا گیا ہے۔ ہفتے میں ایک مرتبہ دربار خداوندی منعقد ہوتا ہے۔ خطیب اور امام نائب حق ہوتا ہے جیسا کہ تجلیات ربانی کرسی پر ہوتی ہیں۔ یہاں خطیب منبر پر بیٹھتا ہے گویا کہ وہ نمائندہ ہے اور تجلی حق ہے کہ اس میں ظہور کر رہی ہے۔

خطابت کی تجلی: اس لئے کہ اصل خطیب حق تعالیٰ شانہ ہیں ان کے بعد خطباء انبیاء علیہم السلام ہیں۔ چونکہ اصل خطیب حق تعالیٰ شانہ ہیں تو اس دنیا میں ان کا نمائندہ خطیب اور امام ہوتا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ عام واعظوں اور خطبوں کے جو آداب ہیں خطبۂ جمعہ کے آداب اس سے کچھ زیادہ ممتاز ہیں۔ فرمایا گیا ہے کہ جب خطبے کے لئے امام اپنی جگہ سے اٹھ کھڑا ہو تو اب نہ سلام و کلام جائز ہے نہ نفلیں پڑھنی جائز ہیں۔ صرف کام یہ ہے کہ امام کو دیکھو اور خطبہ سنو خطبہ کی حالت میں فرمایا گیا ہے کہ جو کنکریوں سے کھیلنے لگا اس نے لغو حرکت کی یعنی اس کے لئے مکروہ ہے۔ عام وعظوں میں اگر کوئی کنکر اٹھا لے تو کراہت نہیں لیکن خطبہ جمعہ میں اگر کوئی کنکریوں سے یا چٹائی صف وغیرہ کی تیلیوں سے کھیلنے لگے تو اس پر نکیر کی گئی ہے۔ فرمایا گیا کہ اس نے لغو حرکت کی۔ خطبہ شروع ہونے کے بعد نماز بھی جائز نہیں ہے۔ درود شریف جیسی طاعت بھی خطبہ کے دوران جائز نہیں۔ تلاوت قرآن بھی جائز نہیں۔ سب سے بڑا کام اس وقت یہ ہے کہ خطیب کو دیکھا جائے اور خطبے کے اوپر کان لگائے جائیں۔ جو جمعہ کے اندر زیادہ سے زیادہ خطیب کو دیکھنے کی عادت ڈالے گا میدان مزید میں اسی کو زیادہ سے زیادہ حق تعالیٰ کا دیدار میسر ہوگا۔ وہاں تجلیات حق عین سامنے ہوں گی۔ اسی لئے فرمایا گیا کہ جمعہ میں جو اذان سے پہلے اول وقت میں آ گیا اور صف اولیٰ میں جگہ ملی وہ ایسا

ہے جیسے ایک اونٹ قربانی کا ذبح کر دیا۔ جو اس کے بعد آیا وہ اس سے کم درجے کا ہے اور اس دوم نمبر پر آنے والی کی مثال اس شخص کی سی ہے جو گائے کی قربانی پیش کرتا ہے۔ پھر اس کے بعد آنے والے کی مثال مینڈھا پیش کرنے والے کی ہے۔ اس کے بعد مرغی پیش کرنے والے کی۔ اس کے بعد انڈا پیش کرنے والے کی اللہ کی راہ میں۔ حدیث بالا میں آگے پیچھے آنے والوں کے ثواب اور درجات کے فرق کو حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے مختلف درجہ کی قربانیوں کی مثال دے کر سمجھانا چاہا ہے۔

رجسٹر بند...... پھر جب خطبہ کے لئے امام کھڑا ہو گیا تو ملائکہ اپنے صحیفے لپیٹ کر خطبہ سننے کے لئے بیٹھ جاتے ہیں پھر کوئی درجات عالی مقام نہیں رہتے کہ اسکا نام لکھا جائے بس اس کا فرض ادا ہو جائے گا جو جمعہ میں صف اولیٰ میں ہوگا وہ میدان مزید میں بھی انبیاء علیہم السلام کے پیچھے صف اولیٰ میں ہوگا جو یہاں جتنا پیچھے ہوگا اتنا ہی وہاں بھی پیچھے ہوگا۔

جمعہ کی نماز بے شک فرض ہے مگر عام فرائض سے کچھ زیادہ اس میں خصوصیت ہے۔ اور جمعہ کا خطبہ عام خطبوں سے بڑھ کر نئی شان رکھتا ہے جو امتیازی شان ہے۔ علماء لکھتے ہیں کہ ظہر کے چار فرض ہیں اور جمعہ کے دو فرض ہو جاتے ہیں اور دو فرضوں کے قائم مقام یہ دو خطبے ہوتے ہیں جو امام منبر پر بیٹھ کر دیتا ہے۔ اسی لئے ان خطبوں کے آداب عام خطبوں سے زائد ہیں حکم ہے کہ امام کو دیکھو تلاوت قرآن وغیرہ مت کرو۔ کوئی عبادت بھی نہ کرو۔ بڑی عبادت اس وقت کی یہی ہے کہ خطبہ سنو اور امام کو دیکھو گویا یہ دو خطبے بمنزلہ دو رکعت نماز کے ہیں۔ اس طرح چار رکعتیں ہو جاتی ہیں اس شان سے کہ دو رکعتیں جمعہ کی اور دو رکعتیں قائم مقام ان دو خطبوں کے ہیں۔ اسی لئے ان دو خطبوں کے آداب زیادہ رکھے گئے ہیں۔

بہر حال حق تعالیٰ شانہٗ نے دنیا میں جمعہ کو میدان مزید کا نمونہ اتارا ہے۔ اسی لئے شریعت کی اصطلاح میں جمعہ کا نام بھی یوم المزید ہے۔ یوم المزید اس کو اس لئے کہا گیا ہے کہ جنت کا میدان مزید جو دنیا میں ہے جنت میں جا کر یہ وہاں کی شان کے مطابق ہوگا۔ ساری دنیا کے جمعے اور ساری دنیا کی جامع مسجدیں مل کر میدان مزید کا ایک نقشہ ہیں دنیا کے اندر۔ اور ان کے مجموعوں کو اٹھا کر آخرت میں لے جائیں گے۔ یہ خطبے بھی اٹھائے

جائیں گے۔ جنتوں کی طرف۔ سو وہاں کے دربار خداوندی کا ایک نمونہ یہاں دنیا میں ہے۔ اسی واسطے جمعہ کو سید الایام کہا گیا ہے کہ تمام دنوں کا سردار ہے۔

حق تعالیٰ کا فرمان ہے وَرَبُّكَ يَخْلُقُ مَا يَشَآءُ وَيَخْتَارُ تیرا پروردگار جو چاہتا ہے پیدا کرتا ہے اور اپنی پیدا کی ہوئی چیزوں میں جس چیز کو چاہتا ہے چھانٹ لیتا ہے۔ صحیح مسلم شریف میں ہے کہ سدرۃ المنتہیٰ ساتویں آسمان پر ہے جو جبرائیل علیہ السلام کا مقام ہے اور قرآن کریم میں فرمایا گیا ہے۔ عِنْدَ سِدْرَةِ الْمُنْتَهٰى عِنْدَهَا جَنَّةُ الْمَاْوٰى سدرۃ المنتہیٰ کے نزدیک ہی جنت الماویٰ ہے۔

غرضیکہ سدرۃ المنتہیٰ ساتویں آسمان پر ہے اور سدرہ کے پاس مقام جنت ہے تو جنتیوں کا علاقہ ساتویں آسمان سے شروع ہوتا ہے۔ سرکاری مہمان خانہ اسی میں بنایا گیا ہے۔ زمینوں میں سات زمینیں پیدا کیں۔ اور اوپر کی زمین کو منتخب کیا۔ کیونکہ وہ مقام ہے۔ انبیاء علیہم السلام کا اور سید الانبیاء صلی اللہ علیہ وسلم کا۔ ساتوں زمینوں کی تہہ میں جہنم ہے جیسے جنت ساتوں آسمانوں سے بالاتر ہے جہنم بھی ساتوں زمینوں سے نیچے ہے۔ قیامت کے دن جب صور پھونکا جائے گا۔ آسمان توڑ دیئے جائیں گے تو جنتیں نمایاں ہو جائیں گی تو جہنم نیچے سے نمایاں ہو جائے گی درمیان میں جو پردے حائل ہیں زمینوں کے اور آسمانوں کے یہ سب توڑ پھوڑ کر برابر کر دیئے جائیں گے۔ اللہ پاک نے زمینوں میں سے اوپر کی زمین کو پسند کیا۔ پیدا کیا سات کو اور منتخب کر لیا ایک کو۔ ایک سو جنتیں پیدا کیں اور پسند کر لیا جنت الفردوس کو جو مقام ہے انبیاء علیہم السلام کا اور سب سے اوپر کی جنت ہے۔ پہاڑ ہزاروں بنائے اللہ نے مگر پسند کیا طور سینا کو کہ اسے اپنی تجلی گاہ بنایا۔ اس مالک الکل کے شہر ہزاروں لاکھوں ہیں مگر پسند کر لیا بلد الامین (مکہ مکرمہ) کو جس میں حرم کعبہ واقع ہے۔ زمین کے ٹکڑے ہزاروں کروڑوں بنائے مگر سب سے زیادہ پسندیدہ وہ ٹکڑا ہے جس میں افضل رسل، سید کل، آقائے نامدار، روحانیت کے آخری تاجدار احمد مختار صلی اللہ علیہ وسلم آرام فرما ہیں۔ ہمارے علماء (دیوبند) لکھتے ہیں کہ وہ ٹکڑا قبر شریف کا عرش سے بھی افضل ہے اور وجہ یہ بیان کرتے ہیں کہ عرش معلی کی نسبت ہے حق تعالیٰ کی طرف۔ مگر حق تعالیٰ اس

کے اوپر بیٹھے ہوئے نہیں ہیں۔ حق تعالیٰ تو جسم سے پاک ہیں لیکن وہ ٹکڑا جو آپ کی قبر مبارک کا ہے وہ آپؐ کے جسد اطہر (بدن مبارک) کو لگا ہوا ہے اور جس کو چھو جائے بدن مبارک نبی کا' اس کی شان اور افضلیت کا کون اندازہ کرسکتا ہے۔

جمعہ کے دن درود شریف کی کثرت

الغرض یہ بات بھی ذہن نشین رکھیں کہ جمعہ کے مبارک اور محترم دن میں درود شریف کثرت سے پڑھنا چاہئے۔ گویا جس طرح رمضان المبارک کا خاص وظیفہ تلاوت قرآن پاک ہے اور اس کو رمضان المبارک سے خاص مناسبت ہے اور جس طرح سفر حج کا خاص وظیفہ تلبیہ **لبیک اللھم لبیک**..... الخ ہے اسی طرح جمعہ کے مبارک دن کا خاص وظیفہ حدیث کی رو سے درود شریف ہے۔ جمعہ کے دن خصوصیت سے اس کی کثرت کرنی چاہئے۔

بروز جمعہ غسل کی تاکید

پس شاندار ہفتہ وار اجتماعی نماز کے لئے جمعۃ المبارک کا دن مقرر کیا گیا اور اس میں شرکت و حاضری کی سخت تاکید کی گئی۔ اور نماز سے پہلے غسل کرنے' اچھے صاف ستھرے کپڑے پہننے اور خوشبو لگانے کی ترغیب بلکہ ایک درجہ میں تاکید کی گئی تاکہ مسلمانوں کا یہ مقدس ہفتہ واری اجتماع توجہ الی اللہ اور ذکر و دعا کی باطنی و روحانی برکات کے علاوہ ظاہری حیثیت سے بھی پاکیزہ خوش منظر بارونق اور پر بہار ہو اور مجمع کو ملائکہ کے پاک وصاف مجمع کے ساتھ زیادہ سے زیادہ مناسبت اور مشابہت ہو۔

نافع بن عمرؓ سے روایت ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جو شخص ہر جمعہ کو غسل کرے اللہ تعالیٰ اس کے گناہ معاف کر دیتا ہے اور حکم دیتا ہے کہ اب نئے سرے سے عمل کرو۔ یعنی پچھلے گناہ معاف ہو گئے۔ ایک روایت میں ہے کہ جو شخص اپنے اہل کو غسل کراتا ہے اس سے بھی یہی ثواب ملتا ہے اہل کے غسل سے جماع کا غسل مراد ہے۔ اس لئے کہ جمعہ کے دن اپنی اہلیہ سے ہم بستر ہونا مستحب ہے۔

حضرت حسن رضی اللہ عنہُ نے حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اے ابو ہریرہ تم ہر جمعہ کو غسل کرلیا کرو خواہ ایک دن کی قیمت دے کر پانی خریدنا پڑے۔

فقہاء نے جمعہ کے غسل کو مستحب قرار دیا ہے لیکن داؤد فرماتے ہیں کہ اس دن کا غسل واجب ہے جو شخص نماز جمعہ پڑھنا چاہے وہ اس دن کا غسل ہرگز نہ چھوڑے۔ غسل کا وقت طلوع آفتاب کے بعد بتایا گیا ہے۔ اللہ تعالیٰ کی اطاعت کے لئے غسل کی نیت کرے اور غسل کرنے کے بعد جلد مسجد میں چلا جانا چاہئے۔ تاکہ لغویات سے بچے۔ اپنے ناخن اور بال بھی کٹوانے چاہئیں۔ بدبو کو دور کر کے صاف لباس پہنے۔ سفید لباس بہتر ہے۔ سر پر پگڑی باندھے۔ پگڑی باندھنے والوں کے لئے فرشتے دعا کرتے ہیں۔ لباس میں اچھی خوشبو لگائے۔ نماز جمعہ سے فارغ ہونے کے بعد عصر تک علمی مجلسوں میں شرکت کرنا زیادہ بہتر ہے۔ عصر سے نماز مغرب تک عبادت کرے۔ توبہ کرے دن رات کا سارا وقت یا زیادہ وقت اللہ کی عبادت میں بسر کرے تو بہت بہتر ہے۔ حدیث شریف میں آیا ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جو شخص نمازیوں کے سروں اور گردنوں کو روندتا پھرے تو قیامت کے دن اس کی پیٹھ دوزخ کا پل بنے گی۔ اور لوگ اس کے اوپر سے گزریں گے اور لوگ اسے اپنے پاؤں تلے روندیں گے۔ نمازی کے آگے سے گزرنا بڑا جرم ہے۔ نیز نمازی کے آگے سے گزرنے کی نسبت فرمایا کہ یہ زیادہ بہتر ہے کہ چالیس برس بھی کھڑا رہنا پڑے تو کھڑے رہو۔

ایک حدیث میں آیا ہے کہ اگر کوئی شخص ریت کے ذروں کی مانند ہوا میں اڑ جائے تو یہ اس سے زیادہ بہتر ہے کہ وہ کسی نمازی کے سامنے سے گزرے۔ (غنیۃ الطالبین صفحہ ۱۷۴)

بغیر مجبوری ترک جمعہ حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جو شخص بغیر کسی مجبوری کے جمعہ کی نماز چھوڑے گا وہ اللہ کے اس دفتر میں جس میں کوئی ردوبدل نہیں ہوسکتا منافق لکھا جائے گا۔ (مسند شافعی) بعض روایات میں تین دفعہ چھوڑنے کا ذکر ہے۔ حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ ہم نے خود رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے سنا' آپ برسر منبر فرما رہے تھے کہ جمعہ

چھوڑنے والے لوگ یا تو اپنی اس حرکت سے باز آجائیں یا یہ ہوگا کہ ان کے اس گناہ کی سزا میں اللہ تعالیٰ ان کے دلوں پر مہر لگا دے گا۔ پھر وہ غافلوں ہی میں سے ہو جائیں گے۔ (اور اصلاح کی توفیق سے محروم کر دیئے جائیں گے) (صحیح مسلم)

ایک حدیث کا مفہوم یہ ہے کہ اگر کوئی لگا تار تین جمعے چھوڑ دے قضا کر دے بلا کسی شرعی عذر کے، تو ظن غالب یہ ہے کہ پھر اسے عمر بھر جمعہ پڑھنے کی توفیق نہیں ہوگی، جب تک وہ سچی توبہ نہ کرے اور رجوع نہ کرے۔ اللہ تعالیٰ ان سب معصیات ومنکرات سے بچنے کی توفیق دے جن کے نتیجہ میں بندہ اللہ تعالیٰ کی نظر کرم سے گر جاتا ہے۔ اور اس کے دل پر مہر لگا دی جاتی ہے۔ **اللھم احفظنا**

باقی کتب حدیث میں نماز جمعہ کے بعد سنتوں کے بارے میں جو روایات ہیں ان میں دو رکعت کا بھی ذکر ہے چار کا بھی اور چھ کا بھی۔ آئمہ مجتہدین کے رجحانات بھی اس بارے میں مختلف ہیں۔ بعض حضرات دو کو ترجیح دیتے ہیں۔ بعض چار کو اور بعض چھ کو۔

طارق بن شہاب رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جمعہ کی نماز جماعت کے ساتھ ادا کرنا ہر مسلمان پر لازم وواجب ہے۔ اس وجوب سے چار قسم کے آدمی مستثنیٰ ہیں۔ ایک غلام بے چارہ جو کسی کا مملوک ہو۔ دوسرے عورت، تیسرے لڑکا جو ابھی بالغ نہ ہوا ہو اور چوتھے بیمار (سنن ابی داؤد)

نماز جمعہ کا اہتمام

نماز جمعہ کا اہتمام: حضرت سلمان فارسیؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: جو آدمی جمعہ کے دن غسل کرے اور جہاں تک ہو سکے صفائی و پاکیزگی کا اہتمام کرے اور جو تیل خوشبو اس کے گھر میں ہو وہ لگائے (ایک حدیث میں ہے کہ مسواک ضروری کرنا چاہئے) (ابن ماجہ) پھر وہ گھر سے نماز کے لئے جائے اور مسجد میں پہنچ کر اس کی احتیاط کرے کہ جو دو آدمی پہلے سے بیٹھے ہوں ان کے بیچ میں نہ بیٹھے (یعنی جگہ تنگ نہ کرے) پھر جو نماز یعنی سنن ونوافل کی جتنی رکعتیں اس کے لئے مقدر ہیں وہ پڑھے، پھر جب امام خطبہ دے تو

توجہ اور خاموشی کے ساتھ اس کو سنے، تو اللہ تعالیٰ کی طرف سے اس جمعہ اور دوسرے جمعہ کے درمیان کی اس کی ساری خطائیں ضرور معاف کردی جائیں گی۔ (معارف الحدیث، صحیح بخاری)

حضرت ابوسعید خدریؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جو شخص جمعہ کے دن سورۂ کہف پڑھے گا تو اس کے لئے دونوں جمعوں کے درمیان ایک نور چمکتا رہے گا۔ (نسائی)

حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ جمعہ کے دن میں ایک ایسی ساعت ہے کہ اگر کوئی مسلمان اس وقت اللہ تعالیٰ سے کوئی دعا مانگے تو ضرور قبول ہوتی ہے، ایک روایت میں ہے کہ وہ ساعت خطبہ پڑھنے کے وقت سے نماز کے ختم ہونے تک ہے، ایک اور روایت میں ہے کہ وہ ساعت اخیر دن ہے، عصر سے لیکر مغرب تک۔ (از بہشتی گوہر، بخاری)

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے کہ جمعہ کے دن مجھ پر کثرت سے درود بھیجا کرو، اس روز درود میں فرشتے حاضر ہوتے ہیں اور یہ درود میرے حضور میں پیش کیا جاتا ہے۔ (ابن ماجہ)

موت بروز جمعہ: روز جمعہ اور جمعہ کی شب میں موت آنے کی فضیلت میں احادیث و آثار مروی ہیں کہ مرنے والا عذاب قبر سے محفوظ رہتا ہے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے: **ما من مسلم یموت یوم الجمعة اولیلة الجمعة الا وقاه الله فتنة القبر۔** (کوئی ایک مسلمان بھی) ایسا نہیں ہے جو جمعہ کے دن یا اس کی رات میں مرے مگر اللہ تعالیٰ اسے عذاب قبر سے محفوظ رکھے گا۔ (مدارج النبوۃ)

اچھے کپڑوں کا اہتمام: حضرت عبداللہ بن سلامؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ تم میں سے کسی کیلئے اس میں کوئی مضائقہ نہیں ہے کہ اگر اس کو وسعت دے تو وہ روز مرہ کے کام کاج کے وقت پہنے جانے والے کپڑوں کے علاوہ جمعہ کے دن کیلئے کپڑوں کا ایک خاص جوڑا بنا کر رکھ لے۔ (سنن ابن ماجہ، معارف الحدیث)

ناخن ترشوانا: حضرت ابوہریرہؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم جمعہ کے دن نماز کیلئے جانے سے پہلے اپنے ناخن اور اپنی لبیں تراشا کرتے تھے۔ (مسند بزار و معجم اوسط الطبرانی، معارف الحدیث)

صاحب سفر السعادۃ فرماتے ہیں کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا لباس عادۃً چادر، رومال اور سیاہ کپڑا تھا لیکن مشکوۃ میں مسلم سے بروایت حضرت عمر بن حارثؓ سے مروی ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم

اس حال میں خطبہ فرماتے تھے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے سر مبارک پر سیاہ عمامہ ہوتا تھا اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم اس کا شملہ اپنے دونوں کندھوں کے درمیان کئے ہوئے تھے۔ (مدارج النبوۃ)

اول وقت مسجد جانے کی فضیلت: حضرت ابو ہریرہؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا، جب جمعہ کا دن ہوتا ہے تو فرشتے مسجد کے دروازے پر کھڑے ہو جاتے ہیں اور شروع میں آنے والوں کے نام یکے بعد دیگرے لکھتے ہیں اور اول وقت دوپہر میں آنے والے کی مثال اس شخص کی سی ہے جو اللہ تعالیٰ کے حضور اونٹ کی قربانی پیش کرتا ہے پھر اس کے بعد دوئم نمبر پر آنے والی کی مثال اس شخص کی ہے جو گائے کی قربانی پیش کرتا ہے، پھر اس کے بعد آنے والی کی مثال مینڈھا پیش کرنے والے کی ہے، پھر جب امام خطبہ کے لئے منبر کی طرف جاتا ہے تو یہ فرشتے اپنے لکھنے کے دفتر لپیٹ لیتے ہیں اور خطبہ سننے میں شریک ہو جاتے ہیں۔ (معارف الحدیث)

نماز جمعہ کا زبردست ثواب: ۱- جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا فرمان ہے کہ جس نے جمعہ کی نماز پالی اس کے لئے اللہ تعالیٰ کے پاس سو شہیدوں کا اجر و ثواب ہے۔ (ابوداؤد)

۲- جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا فرمان ہے کہ جو شخص ہر جمعہ کو غسل کرے اللہ تعالیٰ اس کے گناہ معاف کر دیتے ہیں اور حکم دیتے ہیں کہ اب نئے سرے سے عمل کر یعنی پچھلے سب (چھوٹے) گناہ معاف ہو گئے۔

۳- جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا فرمان ہے کہ اے ابو ہریرہ تم ہر جمعہ کو غسل کرو خواہ ایک دن کی قیمت دے کر پانی خریدنا پڑے۔

۴- جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا فرمان ہے کہ جو شخص بغیر مجبوری کے جمعہ کی نماز چھوڑے گا وہ اللہ تعالیٰ کے اس دفتر میں جس میں کوئی ردوبدل نہیں ہو سکتا منافق لکھا جائیگا۔ (مسند شافعی)

۵- جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا فرمان ہے کہ جمعہ کی نماز جماعت کے ساتھ ادا کرنا غلام، عورت، نابالغ اور بیمار کے علاوہ ہر مسلمان پر لازم ہے۔ (ابوداؤد)

۶- جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا فرمان ہے کہ جمعہ چھوڑنے والے لوگ یا تو اپنی حرکت سے باز آئیں یا یہ ہوگا کہ انکے گناہ کی سزا میں اللہ تعالیٰ ان کے دلوں پر مہر لگا دیگا پھر وہ غافلوں ہی میں سے ہو جائینگے (صحیح مسلم) یعنی اصلاح کی توفیق سے محروم کر دیئے جائیں گے۔

جمعہ کی پہلی اذان کے بعد کاروبار وغیرہ کا حکم

مفتی عبدالرؤف سکھروی مدظلہ اپنے ایک فتویٰ میں تحریر فرماتے ہیں۔

جمعہ کے دن ہر ایسے مسلمان عاقل بالغ تندرست مرد پر جو کسی شہر میں ہو جمعہ کی پہلی اذان ہوتے ہی نماز جمعہ ادا کرنے کا اہتمام واجب ہے، اسکے سوا کسی اور کام میں مشغول ہونا جائز نہیں، جس کی چند صورتیں درج ذیل ہیں:

۱- جمعہ کی پہلی اذان کے بعد کسی بھی قسم کے کاروبار، تجارت اور خرید وفروخت جائز نہیں لہٰذا جمعہ کی پہلی اذان پر دوکان کو مکمل بند کریں، مالک دوکان اور ملازم سب جمعہ ادا کریں۔

۲- جمعہ کے دن بعض دوکاندار ایسا کرتے ہیں کہ ان کی دوکان کا ایک فرد ایسی مسجد میں نماز جمعہ ادا کرتا ہے جہاں جمعہ کی نماز جلدی ہوتی ہے اور وہ آکر دوکان پر بیٹھ جاتا ہے، پھر دوسرا شخص دوسری مسجد میں نماز جمعہ ادا کرتا ہے، جہاں نماز جمعہ دیر سے ہوتی ہے اور دوکان برابر کھلی رہتی ہے اور کاروبار جاری رہتا ہے یہ جائز نہیں، ہاں اگر دوکان کے تمام افراد کسی ایسی مسجد میں جمعہ کی نماز ادا کریں جہاں نماز جمعہ جلد ہوتی ہے اور پھر آکر دوکان کھول لیں تو یہ جائز ہے۔

۳- ملازمت سرکاری ہو یا غیر سرکاری جمعہ کی پہلی اذان کے بعد ملازمت کرنا جائز نہیں اس کو چھوڑ کر نماز جمعہ ادا کرنے کا اہتمام ضروری ہے، البتہ جمعہ کی نماز ادا کرنے کے بعد ملازمت کرنا جائز ہے۔

۴- جمعہ کی پہلی اذان کے بعد اگر کارخانہ یا دوکان یا فیکٹری باہر سے بند کردیں اور اندر مسلمان کام کرتے رہیں یہ بھی جائز نہیں، سب کو کام چھوڑ کر نماز جمعہ ادا کرنا فرض ہے ورنہ سخت گناہ ہوگا۔

۵- اگر کسی مسلمان ملازم کو جمعہ کی پہلی اذان کے بعد مالک کام کرنے پر مجبور کرے تو مجبور کرنے والا گناہگار ہے اور ملازم پر اس کا کہنا ماننا جائز نہیں اگر وہ مجبور کرنے سے باز نہ آئے تو ملازم کو چاہئے کہ اس کی یہ ناجائز بات نہ مانے بلکہ

جمعہ کی نماز اپنے وقت پر ادا کرنے کا اہتمام کرے۔

۶- جمعہ کی پہلی اذان کے بعد گلی کوچوں اور بازاروں میں محنت مزدوری کرنے والوں اور چل پھر کر مال بیچنے والوں ریڑھی اور ٹھیلہ لگانے والوں پر بھی واجب ہے کہ کام بند کر کے نماز جمعہ ادا کریں۔

۷- اذان جمعہ کے بعد کھانا پینا، سونا یا کسی سے باتوں میں مشغول رہنا یہاں تک کہ کسی اخبار یا کتاب کا مطالعہ کرنا وغیرہ، غرضیکہ ہر وہ کام جو جمعہ کی تیاری کیلئے مانع بنے جائز نہیں، صرف جمعہ کی تیاری کے لئے جو کام ہوں وہ کئے جا سکتے ہیں۔

۸- اذان جمعہ کے بعد مرد حضرات کو جن پر جمعہ کی نماز فرض ہے گھر میں نوافل یا ذکر و تلاوت یا کسی اور عبادت میں مشغول رہنا جائز نہیں، انہیں چاہئے کہ نماز جمعہ کے لئے مسجد میں حاضر ہو، مسجد میں اگر چاہیں اور موقعہ ہو تو ان عبادات کو انجام دے سکتے ہیں۔ مسائل بالا کو غور سے پڑھیں اور عمل کریں۔

مساجد کی زیب و زینت کیلئے ضروری امور

حضرت مولانا شاہ ابرارالحق صاحب رحمہ اللہ فرماتے ہیں آج کل مساجد کے اندر سامنے کی دیواروں پر نصائح کے کتبے آویزاں ہوتے ہیں۔ حالانکہ وہاں تک نمازیوں کی شعاع بصری پہنچنے سے تشویش و انتشار پیدا ہوتا ہے۔ اس لئے یا تو بہت بلندی پر لگائیں۔ ورنہ دائیں جانب یا بائیں جانب لگائیں۔

اسی طرح آج کل مساجد میں پینٹ کا رواج ہو رہا ہے۔ حالانکہ اس میں کس قدر بدبو ہوتی ہے۔ بعض لوگ کہتے ہیں کہ خشک ہو جانے پر یہ بو زائل ہو جاتی ہے۔ مگر افسوس کہ منکرات اور معصیت کے اس ارتکاب کو کہ اس سے اذیت ملائکہ اور مسلمین ہے کیا تھوڑی دیر کیلئے بھی روا رکھنا جائز ہوگا۔ پھر مساجد میں پیاز لہسن جیسی بدبودار چیزوں کو کھا کر آنا کیوں منع فرمایا گیا۔ میں نے بمبئی کی ایک مسجد میں یہ بیان کیا کہ یہ پینٹ بدبودار نا جائز ہے اور اس کیلئے چندہ دینے والے بھی گنہگار ہوں گے۔ بس ایک صاحب نے مہتمم سے اپنے سو روپے اسی وقت واپس لئے ایک اہل علم نے اسی مجلس میں دریافت کیا کہ پھر دروازوں اور کھڑکیوں پر کیسے رنگ ہو۔ اس میں بھی تو بدبو ہوتی ہے۔ فرمایا کہ دروازوں اور کھڑکیوں کو لگانے سے پہلے ہی مسجد کے باہر رنگ کر لیا جائے۔ (یادگار باتیں)

مسنون جمعہ گزارنے کی ترتیب

۱۔ شب جمعہ میں درود پاک کا کثرت سے اہتمام کرے۔

۲۔ ہر دن تہجد نہ پڑھ سکتا ہو تو شب جمعہ میں یعنی کم از کم اس مبارک شب میں تہجد پڑھ لیا کرے اگر نماز کا موقع نہ مل سکے تو بیٹھ کر ذکر و استغفار میں اور مراقبہ میں وقت گزارے کہ یہ وقت بہت قیمتی ہے خصوصاً شب جمعہ میں اس کی نورانیت اور بڑھ جاتی ہے جس کا مشاہدہ یا احساس اہل ذوق کو ہوتا ہے۔

۳۔ صبح کی نماز سے قبل تین مرتبہ استغفار پڑھے۔ ''اَسْتَغْفِرُ اللّٰهَ الَّذِیْ لَا اِلٰهَ اِلَّا هُوَ الْحَیُّ الْقَیُّوْمُ وَاَتُوْبُ اِلَیْهِ''۔ (مجمع الزوائد صفحہ ۱۶۸' الاذکار صفحہ ۱۹)

۴۔ جمعہ کی صبح کی نماز میں پہلی رکعت میں سورہ الم سجدہ اور دوسری رکعت میں پوری سورہ دہر پڑھے۔ اگر امام مسجد نہ پڑھتا ہو تو اس سنت کی ترغیب دے کہ سنت ایسی چھوٹی کہ لوگوں کو معلوم بھی نہیں کہ یہ سنت ہے' خصوصاً مدارس کی مساجد میں اس کا خیال رہے کہ اس سے اس کی ترویج ہوگی۔

۵۔ فجر کے وقت ''صبح کے اذکار مسنونہ کا ورد کرے''

۶۔ تلاوت کرے' سورہ کہف پڑھے' کہ یہ جمعہ کے دن سنت ہے' شامی میں ہے کہ دن کے شروع میں پڑھ لے۔ ۷۔ اشراق کی دو یا چار رکعت پڑھ لے۔

۸۔ حسب موقعہ چاشت دو یا چار رکعت پڑھ لے' کہ ان اعمال مذکورہ کی ہر دن فضیلت ہے۔ جمعہ کے دن جمعہ کی وجہ سے اس کا ثواب، فضیلت' نورانیت بڑھ جاتی ہے۔

۹۔ زوال سے قبل ہی غسل سے فارغ ہو جائے اور اسی غسل کی طہارت سے جمعہ کی نماز پڑھے۔

۱۰۔ غسل کے وضو میں مسواک کرے' اگر غسل کسی عذر سے نہ کر سکے تو وضو میں مسواک کا اہتمام کرے۔ ۱۱۔ موجودہ کپڑوں میں اچھا عمدہ کپڑے پہنے' بہتر ہے کہ ایسا ایک جوڑا رکھ لے جو عمدہ ہو اور جمعہ اور عیدین میں اسے پہن کر جائے۔

۱۲۔ عطر لگائے، عطر رکھنے کا اہتمام کرے، صرف عید بقرعید ہی میں سنت نہیں بلکہ جمعہ وغیرہ میں بھی ہے۔ ۱۳۔ عمامہ باندھے، جمعہ کے دن سنت ہے، کسی رومال وغیرہ کا عمامہ کی طرح لپیٹ لینا بھی کافی ہے۔ (حدیث)

۱۴۔ اذان سے قبل بلکہ زوال سے پہلے مسجد میں جانے کا اہتمام کرے۔ (حدیث)

۱۵۔ جب مسجد کے دروازے پر جائے تو دروازے پر چوکھٹ پکڑ کر (اگر موقعہ ہو اور گنجائش ہو تو) یہ دعا پڑھے۔ ''اَللّٰهُمَّ اجْعَلْنِىْ اَوْجَهَ مَنْ تَوَجَّهَ اِلَيْکَ وَاَقْرَبَ مَنْ تَقَرَّبَ اِلَيْکَ وَاَفْضَلَ مَنْ سَاَلَکَ وَرَغِبَ اِلَيْکَ۔'' (اذکار نووی صفحہ ۱۷۳، ابن سنی)

۱۶۔ مسجد میں داخل ہونے کی مسنون دعائیں پڑھے۔

۱۷۔ زوال کا وقت نہ ہو تو تحیۃ المسجد کی دو رکعت بیٹھنے اور دیگر اذکار سے پہلے پڑھے۔

۱۸۔ جمعہ کی اذان کے بعد جمعہ کی چار رکعت سنن قبلیہ پڑھے۔

۱۹۔ صف اول میں امام محراب کے بالکل قریب بیٹھے۔

۲۰۔ صلوۃ التسبیح پڑھنے کا اہتمام کرے، نماز سے پہلے جائے کہ اس سے بسہولت فارغ ہو جائے، اگر اس وقت نہ پڑھ سکے تو جمعہ کے دن صبح یا جمعہ کے بعد پڑھ لے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے چچا حضرت عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو (روزانہ نہ ہو سکے تو) جمعہ کے جمعہ پڑھنے کی تاکید فرمائی تھی، اکابرین کا طریق یہ رہا ہے کہ زوال کے بعد ظہر سے قبل پڑھ لیا کرتے تھے، اسی لئے جمعہ کے دن جلد جانے کی فضیلت اور تاکید ہے تاکہ ان جیسی عبادتوں کے ثواب کی سہولت حاصل کرے۔

۲۱۔ سنت کے بعد اور خطبہ سے قبل وقت ملے تو نوافل نماز میں مشغول رہے، یا استغفار درود ذکر تلاوت میں مشغول رہے کہ مبارک و مستجاب وقت ہے، خاموش بیٹھنا بھی گناہ کا سبب ہے۔

۲۲۔ خطبہ کی جب اذان شروع ہو جائے تو اذان کا جواب زبان کی آواز سے نہ دے دل دل میں دے، اور اذکار و نماز کو بند کر دے۔ ۲۳۔ خطبہ غور سے اور دھیان سے سنے۔

۲۴۔ ایسی شکل اور ہیئت سے نہ بیٹھے کہ نیند آئے۔

۲۵۔ دھیان توجہ انابت الی اللہ کے ساتھ اور خشوع الٰہی اختیار کرتے ہوئے امام کے ساتھ نماز پڑھے۔ ۲۶۔ جمعہ کی نماز میں بہتر اور مسنون ہے کہ امام پہلی رکعت میں سورہ جمعہ اور دوسری میں سورہ منافقون پڑھے یا پہلی رکعت میں سبح

الاسم ربک الاعلی اور دوسری میں سورہ غاشیہ پڑھے۔ (مسلم تلخیص)

۲۷۔ سلام کے بعد یہ دعا اور ورد کرے، سورہ اخلاص، سورہ فلق اور سورہ ناس، سات سات مرتبہ اسی جگہ بیٹھے بیٹھے پڑھے۔ اگر فرصت اور موقع ہو تو سلام کے بعد یہ سو مرتبہ پڑھ لے۔ ''سُبْحَانَ اللّٰہِ وَبِحَمْدِہٖ سُبْحَانَ اللّٰہِ الْعَظِیْمِ وَبِحَمْدِہٖ وَاَسْتَغْفِرُ اللّٰہَ۔ (اتحاف صفحہ ۲۷۲)

۲۸۔ جمعہ کی نماز کے بعد اولاً چار رکعت پھر دو رکعت سنت پڑھے۔

۲۹۔ جمعہ کے دن نماز سے فارغ ہونے پر دوپہر کا کھانا کھائے۔

۳۰۔ جمعہ کے دن جمعہ کے بعد کھانا کھا کر حسب ضرورت و فرصت قیلولہ کرے۔

۳۱۔ جمعہ کے بعد تجارت دوکانداری و ملازمت وصنعت وحرف کے امور میں حسب معمول لگ جائے۔

۳۲۔ اگر بازار جانا ہو کچھ خرید و فروخت کرنا ہو تو جمعہ سے فارغ ہونے پر کرے، کہ جمعہ کے بعد ان امور میں برکت ہے۔

۳۳۔ عصر کی نماز حسب معمول جماعت سے پڑھ کر اسی جگہ بیٹھے بیٹھے یہ درود اسّی بار پڑھے۔ "اَللّٰھُمَّ صَلِّ عَلٰی سَیِّدِنَا مُحَمَّدِ نِ النَّبِیِّ الْاُمِّیِّ وَعَلٰی آلِہٖ وَسَلِّمْ تَسْلِیْماً " (زادالابرار)

۳۴۔ اگر ہو سکے تو عصر سے لے کر مغرب تک مسجد میں معتکف رہ کر درود پاک میں مشغول رہے اور دعا کرے کہ یہ وقت مستجاب ہے۔

۳۵۔ غروب سے چند ساعت پہلے ذکر و دعا میں مشغول رہے کہ یہ قبولیت دعا کا وقت ہے۔

جمعہ کے اوراد، وظائف، اذکار، دعائیں

(۱)۔ استغفار: حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جو جمعہ کی صبح کو صبح کی نماز سے پہلے یہ استغفار تین مرتبہ پڑھے گا اس کے گناہ معاف ہو جائیں گے، خواہ سمندر کے جھاگ کے برابر کیوں نہ ہو۔ (ابن سنی طبرانی اوسط، شرح احیاء ۲۹۱، مجمع جلد ۲ صفحہ ۱۶۸)

''اَسْتَغْفِرُ اللّٰہَ الَّذِیْ لَا اِلٰہَ اِلَّا ھُوَ الْحَیُّ الْقَیُّوْمُ وَاَتُوْبُ اِلَیْہِ''

(۲)۔ حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے کہ جو یہ استغفار سات مرتبہ جمعہ کے دن پڑھے گا، اسی دن انتقال ہو جائے گا تو جنت میں جائے گا، اگر شب جمعہ

میں پڑھا اور شب ہی میں مر گیا تو جنت میں داخل ہو جائے گا۔

اَللّٰهُمَّ اَنْتَ رَبِّیْ لَا اِلٰهَ اِلَّا اَنْتَ خَلَقْتَنِیْ وَاَنَا عَبْدُکَ وَابْنُ اَمَتِکَ وَفِیْ قَبْضَتِکَ نَاصِیَتِیْ بِیَدِکَ اَصْبَحْتُ اَوْ اَمْسَیْتُ عَلٰی عَهْدِکَ، وَوَعْدِکَ مَااسْتَطَعْتُ اَعُوْذُبِکَ مِنْ شَرِّ مَا صَنَعْتُ اَبُوْءُ بِنِعْمَتِکَ وَاَبُوْءُ بِذَنْبِیْ فَاغْفِرْلِیْ ذُنُوْبِیْ اِنَّهٗ لَا یَغْفِرُ الذُّنُوْبَ اِلَّا اَنْتَ۔ (شرح احیاء جلد۳ صفحہ۲۹۱' کنز العمال جلد۷ صفحہ۲۷۸)

(۳)۔عون نے حضرت اسماء سے نقل کیا ہے کہ جو "قل ھو اللہ احد 'قل اعوذ برب الفلق 'قل اعوذ برب الناس" سات سات مرتبہ نماز جمعہ کے بعد اسی جگہ بیٹھے بیٹھے پڑھے گا 'ایک جمعہ سے دوسرے جمعہ تک اس کی حفاظت ہوگی۔ (ابن ابی شیبہ صفحہ۱۵۹' اذکار صفحہ۱۷۳)

علامہ سیوطی نے سورہ فاتحہ کا بھی اسی کے ساتھ پڑھنا ذکر کیا ہے' چنانچہ احیاء العلوم میں امام غزالی نے سورہ فاتحہ' سورہ احد' معوذتین کا سات سات مرتبہ پڑھنا ذکر کیا ہے' اور اس کی خاصیت یہ بیان کی کہ وہ ایک ہفتہ تک شیطان سے محفوظ رہے گا۔

شرح احیاء میں ہے کہ جو شخص اس عمل پر ہمیشگی اور مداومت اختیار کرے گا' اللہ پاک اسے مردوں میں اور عورتوں میں مقبولیت اور ہیبت سے نوازے گا' بعضوں نے بیان کی کہ ایک جمعہ سے دوسرے جمعہ تک تمام برائیوں سے محفوظ رہے گا۔

(۴)۔حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مرفوعاً منقول ہے کہ جو شخص جمعہ کی نماز کے بعد اسی جگہ بیٹھا ہوا اٹھنے سے قبل (فرض کے فوراً) یہ سو مرتبہ پڑھے گا اس کے ایک لاکھ گناہ اور اس کے والدین کے چوبیس ہزار گناہ معاف ہوں گے۔ (کنز صفحہ۶۷۷' اتحاف جلد۳ صفحہ۲۷۲)

سُبْحَانَ اللّٰهِ وَبِحَمْدِهٖ سُبْحَانَ اللّٰهِ الْعَظِیْمِ وَبِحَمْدِهٖ وَاَسْتَغْفِرُاللّٰهَ۔

امام غزالی رحمتہ اللہ علیہ نے جمعہ کے مبارک و اہم دن کے مسنون و ماثور اعمال ترتیب کے ساتھ بیان کئے ہیں جس سے جمعہ کے آداب و اعمال مستحسنہ کا علم ہوتا ہے اور ہر مومن کو اس دن اسی ترتیب سے گزارنی چاہیے۔

(۱)۔اس کی تیاری جمعرات ہی کے دن سے شروع کرے' مثلاً کپڑے صاف کرے' بال ناخن بنالے' جمعہ کے دن صبح کی تیاری سے جو چیز مانع ہو اسے ختم کرے ہو سکے تو جمعرات کو ملا کر روزہ رکھے۔شب جمعہ میں نماز' تلاوت قرآن میں وقت گزارے' اس

رات قرآن پاک ختم کرے' اس کی بڑی فضیلت ہے' بعض اسلاف اس رات کو جامع مسجد میں گزارتے' مستحب ہے کہ اس رات اہل سے ملے یا دن میں ملے۔

(۲)۔ صبح ہو جائے تو اولاً غسل کرے۔

(۳)۔ تزئین نظافت اس دن اختیار کرنا مستحب ہے یعنی اچھا کپڑا' مسواک' خوشبو' بال ناخن کی صفائی وغیرہ عمامہ' خوشنما لباس۔

(۴)۔ صبح جلد از جلد جامع مسجد جانا' جانے میں خشوع' تواضع سکنت کا اظہار کرنا' اعتکاف کی نیت کرنا۔ (۵)۔ مسجد میں نہ لوگوں کی گردنوں کو پھاندنا۔

(۶)۔ مسجد میں لوگوں کے آگے گزر کر نہ بیٹھنا۔

(۷)۔ صف اول میں جگہ حاصل کرنا۔

(۸)۔ امام کے آتے ہی نماز کا سلسلہ بند کر دے' بلکہ کلام و گفتگو بند کر دے' اذان کا جواب دے اور خطبہ دھیان سے سنے۔

(۹)۔ ان امور مذکورہ کی رعایت کرنے کے بعد جب نماز جمعہ سے فارغ ہو جائے تو سورہ فاتحہ سات اور معوذتین اور قل ھو اللہ احد سات سات مرتبہ پڑھے۔ اسلاف سے منقول ہے جو ایسا کرے گا وہ ایک جمعہ سے دوسرے جمعہ تک شیطان سے محفوظ رہے گا۔ اس کے بعد جمعہ کے بعد کی سنتیں چھ رکعت پڑھے' چار رکعت پھر دو رکعت۔ (اتحاف السادۃ جلد ۳ صفحہ ۲۷۶)

مزید نماز کے علاوہ دیگر امور مستحب جمعہ کے دن بیان کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

(۱)۔ جمعہ کے بعد' جنازہ' مریض کی عیادت اپنے احباب کی ملاقات

(۲)۔ عصر کے بعد سے مغرب تک دعا درود' استغفار وغیرہ میں لگا رہے

(۳)۔ درود شریف کا خوب کثرت سے ورد رکھے۔

(۴)۔ قرآن کی تلاوت بکثرت کرے' سورہ کہف پڑھے۔

(۵)۔ صلاۃ التسبیح کا معمول رکھے۔

(۶)۔ صدقہ خیرات کرنا اس دن خاص کر کے مستحب ہے کہ اس کا ثواب دیگر ایام سے زائد ملتا ہے۔ (اتحاف السادۃ شرح احیاء جلد ۳ صفحہ ۳۰۱)

جمعہ کے دن درود کی فضیلت

حضرت ابوامامہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: مجھ پر درود جمعہ کے دن خوب کثرت سے پڑھا کرو۔ ہماری امت کا درود ہر جمعہ کو مجھ پر پیش کیا جاتا ہے۔ جس کا درود تم میں سے زائد ہوگا میرے نزدیک اس کا مرتبہ سب سے زائد ہوگا۔ (جلاء الافہام صفحہ ۱۲۲، الترغیب صفحہ ۵۰۳)

جمعہ کے دن کثرت سے درود پڑھنے کا حکم

حضرت ابودرداء رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ہر جمعہ کے دن مجھ پر کثرت سے درود پڑھا کرو۔ یہ یوم مشہود ہے۔ اس میں ملائکہ حاضر ہوتے ہیں، اور تم میں سے جو مجھ پر درود پڑھتا ہے وہ مجھ کو پیش کیا جاتا ہے۔ یہاں تک کہ وہ اس سے فارغ ہو جائے۔ حضرت ابودرداء نے پوچھا موت کے بعد بھی۔ آپ نے فرمایا اللہ پاک نے زمین پر حرام کر دیا ہے کہ وہ انبیاء کرام کے جسموں کو کھائے۔ (الترغیب جلد ۲ صفحہ ۵۰۳)

جمعرات کی شام سے ہی اہتمام

حضرت جعفر صادق رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے نقل ہے کہ جب جمعرات کے دن عصر کا وقت ہوتا ہے تو اللہ پاک آسمان سے ملائکہ کو نازل فرماتے ہیں، جن کے پاس چاندی کے صحیفے، سونے کا قلم ہوتا ہے جو شخص جمعہ کی شب سے لے کر جمعہ کے غروب شمس تک درود پڑھتا ہے اسے وہ لکھ لیتے ہیں۔ (بیہقی فی الشعب صفحہ ۲۱۱، القول صفحہ ۱۸۸)

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جب جمعرات کا دن ہوتا ہے تو اللہ تعالیٰ فرشتوں کو نازل فرماتے ہیں جن کے پاس چاندی کے رجسٹر سونے کا قلم ہوتا ہے، جمعرات اور جمعہ کی شب کو جو بکثرت درود پڑھتا ہے اسے لکھ لیتے ہیں۔ (القول صفحہ ۱۸۶)

جمعہ کے دن عصر کے بعد درود کی فضیلت

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی ایک حدیث میں نقل کیا گیا ہے کہ جو شخص جمعہ کے دن عصر کی نماز کے بعد اپنی جگہ سے اٹھنے سے پہلے اسّی مرتبہ درود پڑھے تو اس کے اسّی سال کے گناہ معاف ہوں گے اور اسّی سال کی عبادت کا ثواب اس کے لئے لکھا جائے گا۔ "اَللّٰهُمَّ صَلِّ عَلٰى مُحَمَّدِ نِ النَّبِيِّ الْاُمِّيِّ وَعَلٰى آلِهٖ وَسَلِّمْ تَسْلِيْماً۔ (القول البدیع صفحہ ۱۸۸)

حضرت سہیل بن عبداللہ کی روایت میں ہے کہ جو شخص جمعہ کے دن عصر کے بعد یہ درود شریف اسّی مرتبہ پڑھے گا اس کے اسّی سال کے گناہ معاف ہوں گے۔ "اَللّٰهُمَّ صَلِّ عَلٰى مُحَمَّدِ نِ النَّبِيِّ الْاُمِّيِّ وَعَلٰى آلِهٖ وَسَلِّمْ تَسْلِيْماً" (القول البدیع صفحہ ۱۸۹)

فائدہ: اس دوسری حدیث میں اسی جگہ بیٹھ کر جس جگہ نماز پڑھی ہے قید نہیں ہے۔ اس حدیث کے اطلاق سے فائدہ اٹھاتے ہوئے اگر کسی وجہ سے متصلاً اسی وقت اسی جگہ نہ پڑھ سکے تو مغرب سے قبل جب بھی جہاں بھی موقعہ ملے اسّی مرتبہ یہ درود شریف پڑھ لے گا تو اس فضیلت کا حامل اور حاصل کرنے والا ہو جائے گا۔

جمعہ کے دن سورہ کہف کی فضیلت

حضرت ابو سعید خدری رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جو سورہ کہف جمعہ کے دن پڑھے گا اس کیلئے دونوں جمعہ کے درمیان نور روشن کر دیا جائیگا۔ (ترغیب صفحہ ۵۱۲)

ایک نور اس کے پیر سے لیکر آسمان تک

حضرت ابن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی روایت میں ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جو سورہ کہف جمعہ کے دن پڑھے گا اس کے پیر سے آسمان تک ایک نور روشن ہوگا جو قیامت کے دن اسے روشنی دے گا اور اس کے دونوں جمعہ کے درمیان کے گناہ معاف کر دیئے جائیں گے۔ (ترغیب صفحہ ۵۱۳، اتحاف صفحہ ۲۹۲)

جمعہ کے بعد تجارت میں برکت

حضرت عراک بن مالک جب جمعہ کی نماز پڑھ لیتے تو مسجد کے دروازے پر کھڑے ہو جاتے اور کہتے اے اللہ! میں نے تیری بلاہٹ کو قبول کیا' تیرے فریضہ کو ادا کر دیا' تیرے حکم کے مطابق زمین پر پھسل گیا' پس اپنے فضل سے ہمیں رزق عطا فرما' آپ بہترین رزق عطا فرمانے والے ہیں۔ (تفسیر احکام القرآن' قرطبی جلد ۹ صفحہ ۱۰۵)

بعض سلف سے منقول ہے کہ جو شخص نماز جمعہ کے بعد تجارتی کاروبار کرتا ہے اللہ تعالیٰ اس کے لئے ستر مرتبہ برکات نازل فرماتے ہیں۔ (معارف القرآن جلد ۸ صفحہ ۴۴۳)

صبح سویرے کیسے اٹھیں؟

اکثر لوگ یہ بھی کہتے ہیں کہ صبح کی نماز نہیں بن پڑتی تو بھائی اس میں قصور کس کا ہے جب تم رات کے بارہ بجے تک اپنی تفریحات ولغویات میں مشغول رہو گے تو پھر صبح کیسے آنکھ کھلے گی، یہ سب نفس کی شرارت ہے کیونکہ تمہارے دل میں نماز کی کوئی اہمیت نہیں ہے اس لئے نفس ترک نماز کے لئے نامعقول عذر اور بہانے کرتا رہتا ہے، یاد رکھو! نماز کا ترک کرنا کوئی معمولی بات نہیں ہے، یہ اللہ جل شانہٗ کی حکم عدولی ہے دنیا میں بھی اس کا وبال بھگتنا پڑتا ہے اور آخرت میں بھی اس کی بڑی سنگین سزا ہے، عبرت کی نظر سے دیکھو آج جو گھر گھر پریشانیاں اور بیماریاں زور پکڑ رہی ہیں وہ یہی شامت اعمال ہے جس سے پناہ مانگنے کی بھی توفیق اس لئے نہیں ہوتی کہ نماز نہیں پڑھی جاتی جس کے وبال سے توبہ کی بھی توفیق نہیں ہوتی اور اپنے شامت اعمال کا احساس ہی نہیں ہوتا کہ یہ سب اللہ تعالیٰ سے رجوع نہ ہونے کا وبال ہے، اللہ تعالیٰ اپنا رحم فرمائیں۔

اپنے وقت کا انضباط کرلو ان شاء اللہ تعالیٰ اس سے بڑی برکت ہوتی ہے اور سب ضروری کام آسانی سے ہو جاتے ہیں، اور نمازیں وقت کی پابندی کے ساتھ ادا ہوتی رہتی ہیں، اور دل میں سکون رہتا ہے اس کی بڑی قدر کرو، ہمارے حضرت والا

تھانویؒ فرماتے ہیں کہ عشاء کی نماز پڑھ لینے کے بعد اگر میں دیکھتا ہوں کہ کوئی دنیا کی باتیں کررہاہے تو جی چاہتا ہے کہ اس کو گولی ماردوں، ایسا ناقدردان ہے کہ عشاء کی نماز کے بعد یہ فضولیات میں مبتلا ہوگیا، ارے عشاء کی نماز تو تم کو سارے دن کی ناپاکی سے اور آلودگی سب سے پاک کرچکی تھی اور پھر تم اس میں مبتلا ہوگئے عشاء کے بعد پھر وہی لغو باتیں شروع کردیں تو جب خود دیدہ ودانستہ اپنی عافیت برباد کررہے ہوتو ہم اس کا تدارک کیا بتائیں، پھر کہتے ہیں صبح آنکھ نہیں کھلتی، صبح کیسے آنکھ کھلے؟

اسی طرح ہمارے حضرت والا فرماتے ہیں کہ جولوگ صبح کی نماز کے لئے نہیں اٹھتے بڑے ناقدرداں ہیں، یہ وقت ہوتا ہے اللہ تعالیٰ کی رحمتوں کے نزول کا اس وقت اللہ تعالیٰ عالم کائنات میں ایک نئی روح پیدا فرماتے ہیں، ایک نئی تازگی آتی ہے، زمین میں روئیدگی پیدا ہوتی ہے، پھول کھلتے ہیں کلیاں کھلتی ہیں، خوشگوار ہوائیں چلتی ہیں جن سے جسم وجان میں تازگی آجاتی ہے اوراس وقت تم پڑے سورہے ہو عالم امکان میں بیداری کا سماں ہے، نباتات میں نئی جان آرہی ہے حیوانات اور پرندوں سب پر سکون وفرحت طاری ہے اوراپنی اپنی زبان میں سب اللہ تعالیٰ کے ذکر میں مشغول ہیں اس وقت تم غافل پڑے سورہے ہو، تمہارے دل ودماغ سب بے حس ہیں یہ بڑی ناقدری کی بات ہے، پھر کہتے ہیں کہ صحت خراب ہے، وہ بیماری ہے اور یہ پریشانی ہے، فلاں کام میں رکاوٹ ہورہی ہے، آئے دن طرح طرح کی بیماریاں پیدا ہوتی جارہی ہیں، کیونکہ تم فطرت کی خلاف ورزی کررہے ہو، طبی لحاظ سے بھی دیر سے سونا اور دیر سے جاگنا دونوں مضر ہیں، تندرستی خراب ہوجاتی ہے۔

نماز میں خشوع وخضوع کی اہمیت

خشوع کی تعریف

لفظ خشوع خاکساری وفروتنی کا مظاہرہ کرنے اور پستی وسکون کے معنوں میں استعمال ہوتا ہے۔ قرآن مجید میں اللہ تعالیٰ نے بارش نہ ہونے کے باعث زمین کے خشک ہو جانے کو خشوع کے لفظ سے تعبیر کیا ہے۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے۔

''اور اس (اللہ) کی نشانیوں میں سے ایک یہ ہے کہ تم دیکھتے ہو زمین سوکھی پڑی ہوئی ہے پھر جونہی ہم نے پانی برسایا' یکا یک وہ پھبک اٹھتی ہے اور پھول جاتی ہے' یقیناً جو اللہ اس مری ہوئی زمین کو جلا اٹھاتا ہے وہ مردوں کو زندگی بخشنے والا ہے۔ یقیناً وہ ہر چیز پر قادر ہے''۔

اسی طرح قیامت کے دن لوگوں کی ''پست آواز'' کے لئے خشوع کا لفظ مستعمل ہے۔ قرآن پاک میں ہے۔ وَخَشَعَتِ الْاَصْوَاتُ الخ

''اور آوازیں رحمٰن کے آگے دب جائیں گی' ایک سرسراہٹ کے سوا تم کچھ نہ سنو گے''۔

اسی لفظ کے ذریعے قیامت کے دن مجرمین وکفار کے جھکے ہوئے چہروں اور خوف کے سبب جھکی ہوئی نگاہوں کی حالت کو بھی بیان کیا گیا ہے۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے ھل اتک حدیث الغاشیہ ''کیا تمہیں اس چھا جانے والی آفت کی خبر پہنچی ہے؟ کچھ چہرے اس روز خوفزدہ ہوں گے سخت مشقت کر رہے ہوں گے''۔ سورہ معارج میں ارشاد فرمایا خَاشِعَةً اَبْصَارُهُمْ الخ ''ان کی نگاہیں جھکی ہوئی ہوں گی' ذلت ان پر چھا رہی ہوگی''۔

جبکہ خشوع کی اصطلاحی تعریف علماء نے مختلف انداز سے کی ہے۔ علامہ ابن قیم رحمہ اللہ کے نزدیک خشوع' اللہ رب العالمین کے حضور انتہائی عاجزی وانکساری کے

ساتھ دل کے ٹک جانے اور پھر اس پر جم جانے کا نام ہے۔ بعض کے نزدیک خشوع حق کی ماتحتی اختیار کرنے سے عبارت ہے اور کچھ دوسرے علماء کی رائے میں شہوت کی آگ بجھانے' سینوں میں پیدا ہو جانے والے فتنوں کو ختم کرنے اور دل کو نور تعظیم سے جلا بخشنے کو خشوع کہتے ہیں جبکہ علامہ جنید بغدادی کہتے ہیں کہ دلوں کا اپنی کم مائیگی کے احساس کے ساتھ علام الغیوب کے تابع ہو جانے کا نام خشوع ہے۔

خشوع کی اہمیت اور نماز میں اس کا مقام

نماز درحقیقت بندے اور اس کے رب کے مابین تعلق کا نام ہے' خشوع و خضوع تدبر اور حضور قلب کو نماز کی روح قرار دیا گیا ہے اس لئے اس نماز کی مثال جو خشوع سے خالی ہو' ایسے جسم کی مانند ہے جس کی روح نکال لی گئی ہو اور روح کے نکال لئے جانے کے بعد وہ جسم کیوں کر زندہ رہ سکتا ہے۔

یہی وجہ ہے کہ آج کل لوگ اپنی نمازوں میں لذت مناجات محسوس نہیں کرتے کیونکہ وہ نماز کی روح کھو چکے ہیں اور خشوع کے حوالے سے بے پروائی برتتے ہیں جس کے باعث وہ نماز کے ثمرات و برکات سے محروم ہیں۔ نماز کے چند اہم فوائد ذیل میں بیان کئے جاتے ہیں۔

۱۔ دنیا اور آخرت کی فلاح

قرآن کریم میں اللہ تعالیٰ فرماتا ہے **قد افلح المومنون الذین هم فی صلوتهم خاشعون** ''یقیناً فلاح ہے ایمان والوں کیلئے جو اپنی نماز میں خشوع اختیار کرتے ہیں''۔

۲۔ گناہوں اور لغزشوں کی معافی

اس ضمن میں بہت سی احادیث مروی ہیں' مثلاً حضرت عثمان بن عفان رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا ''ہر مسلمان جس پر فرض نماز کا وقت گزرے پس اگر وہ نماز کیلئے اچھی طرح وضو کر کے خشوع و خضوع اختیار کرے اور ٹھیک طریقے سے رکوع کرے تو وہ نماز اس شخص کے سابقہ گناہوں کو ختم کر دیتی ہے سوائے اس

کے کہ وہ گناہ کبیرہ کا مرتکب ٹھہرے اور یہ زمانہ دراز تک کیلئے ہے"۔

حضرت عثمان رضی اللہ عنہ سے ہی مروی ہے کہ ایک حدیث میں نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا "جو شخص دو رکعت نماز ادا کرے اور اس دوران وہ اپنے نفس سے کلام نہ کرے تو اس کے پچھلے گناہ بخش دیئے جائیں گے۔

امام لقدوسی رحمہ اللہ فرماتے ہیں: خوب جان لو کہ نماز کے ارکان، واجب اور کچھ سنتیں ہیں اور اس کی روح نیت کرنا، اخلاص، خشوع اور حضور قلب ہے۔

نماز دراصل چند افعال، مناجات اور اذکار کا نام ہے اور حضور قلب کے بغیر محض اذکار و مناجات سے یہ مقصود حاصل نہیں ہوتا کیونکہ وہ گفتگو جو مافی الضمیر بیان نہ کرے نامعقولیت کے زمرے میں آتی ہے اور یہی حال افعال کا ہے کہ نماز کے افعال میں سے اگر قیام سے فرض کی بجا آوری اور اسی طرح رکوع وسجود سے عاجزی وانکساری اور تعظیم مقصود ہو لیکن دل حاضر نہ ہو تو مطلوب پورا نہیں ہوتا اور یہ اس لئے کہ کوئی بھی فعل جو اپنے ہدف سے ہٹ جائے بے فائدہ تصور کیا جاتا ہے اور اسی بارے میں اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے "اللہ کو اس (قربانی وذبیحہ) کا گوشت اور خون ہرگز نہیں پہنچتا، لیکن اسے تمہارا تقویٰ پہنچتا ہے"۔

خشوع کا مرکز دل ہے جبکہ اس کا ثمرہ اعضا کے افعال ہیں

خشوع کا اطلاق مختلف معانی پر ہوتا ہے جو درج ذیل ہیں۔

۱۔ حضور قلب۔ یہ مضبوط ارادے، انتہائی یکسوئی اور پختہ تعلق کے سبب حاصل ہوتا ہے۔

۲۔ قرآنی ومسنون دعاؤں کے ہر لفظ کو خوب سمجھ کر پڑھنا۔

۳۔ تعظیم: پختہ ارادے اور صحیح فہم کے نتیجے میں اللہ کی عظمت کا احساس پیدا ہوتا ہے جیسے تکبیر سے ہر عظیم سے بالا ایک ہستی کی عظمت مترشح ہوتی ہے اور اسی احساس کا نام خشوع ہے۔

۴۔ ہیبت الٰہی۔ یہ تعظیم کے بعد پیدا ہوتی ہے اور خشوع کا باعث ہے۔

۵۔ رجا امید۔ دنیا وآخرت کی بھلائی کے حصول کی رغبت رجا کہلاتی ہے۔ لہٰذا اگر کوئی شخص یہ سمجھتا ہے کہ اس کی دنیا وآخرت کی بہتری ایک مالک ومختار ہستی کے ہاتھ میں ہے اور اس ذات بابرکت کے سوا کوئی دوسرا اسے یہ نہیں نواز سکتا تو اسے چاہئے کہ وہ اسی

کے حضور گڑگڑائے اور اپنی عاجزی اور کمتری کا اظہار کرے۔ اس لئے کہ وہ کبھی بھی مستغنی نہیں ہوسکتا اور جو کچھ بھی اللہ کے پاس ہے کسی اور ذات سے حاصل کرنا ممکن نہیں۔

۶۔ حیا۔ یہ مذکورہ بالا تمام اوصاف کا ثمرہ ہے اور یہ ایسی نفسیاتی حالت کا نام ہے کہ جس میں انسان اللہ کے احکامات کی عدم اطاعت اور اس کی منع کردہ چیزوں کی مخالفت سے باز رہتا ہے۔ امام ابن قیم جوزی رحمہ اللہ کہتے ہیں ''تمام عارفین باللہ کا اس بات پر اتفاق ہے کہ خشوع کا مرکز وسرچشمہ دل ہے اور اس کے اثرات انسانی اعضا پر مرتب ہوتے ہیں'' اور یہی وجہ ہے کہ سعید بن میسّب نے جب ایک شخص کو نماز میں اپنی داڑھی سے کھیلتے ہوئے دیکھا تو فرمایا ''اگر اس شخص کے دل میں خشوع ہوتا تو اس کے اعضا پر بھی خشوع طاری ہوجاتا۔

حضرت حذیفہ رضی اللہ عنہ کہتے ہیں نفاق کے خشوع سے بچو' ان سے پوچھا گیا کہ نفاق کا خشوع کیا ہوتا ہے؟ تو انہوں نے جواب دیا ''تم جسم کو تو خاشع دیکھو لیکن دل میں خشوع نہ ہو''۔ حضرت معاذ بن جبل رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ انہوں نے فرمایا وہ شخص جسے نماز کے دوران یہ معلوم ہوجائے کہ اس کے دائیں اور بائیں کون کھڑا ہے اور ایسا وہ جان بوجھ کر کرے تو اس کی نماز درست نہیں ہے''۔ حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ نے ایک شخص کو نماز میں گردن جھکائے دیکھا تو کہا ''اے گردن والے! اپنی گردن اوپر کرو' خشوع گردن نیچی کرنے میں نہیں' بلکہ دل میں ہوتا ہے''۔

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے کچھ نوجوانوں کو مریل چال چلتے دیکھا تو اپنے ساتھ والوں سے دریافت فرمایا یہ کون لوگ ہیں؟ تو انہیں بتایا گیا کہ یہ عابد وزاہد لوگ ہیں۔ اس پر آپؓ نے فرمایا حضرت عمر رضی اللہ عنہ جب چلتے' تو تیز چلتے جب بات کرتے تو اتنی بلند کہ دوسرے سن لیں' جب پیٹتے تو تکلیف دہ ضرب لگاتے اور جب کبھی کسی کو کھانا کھلایا کرتے تو اسے پیٹ بھر کر کھانا کھلاتے اور وہی حقیقی طور پر عابد وزاہد تھے۔

فضیل بن عیاضؒ اس بات کو ناپسند کرتے تھے کہ کوئی شخص ظاہری حالت میں خشوع کا مظاہرہ کرے لیکن اس کا دل اس سے خالی ہو۔ کسی عارف باللہ نے ایک شخص کو دیکھا جو اپنے شانوں اور بدن پر خشوع طاری کرنے کا مظاہرہ کررہا تھا اس پر انہوں نے کہا اے فلاں! خشوع یہاں ہوتا ہے

اوراس کے سینے کی طرف اشارہ کیااور کندھوں کی طرف اشارہ کرتے ہوئے کہا کہ یہاں نہیں ہوتا۔

حضرت حذیفہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں تم اپنے دین میں سب سے پہلی چیز جو ضائع کردو گے وہ خشوع ہوگا اور سب سے آخر میں جو کھودو گے وہ نماز ہوگی اور بہت سے نمازی ایسے ہیں جو خیر سے خالی ہیں اور قریب ہے کہ مسجد میں لوگوں کی بڑی جماعت ہوگی لیکن تم ان میں کوئی خاشع نہ پاؤ گے۔

سفیان ثوری رحمہ اللہ کہتے ہیں ''جس شخص نے خشوع اختیار نہ کیا اس کی نماز فاسد ہوگئی حضرت حسن بصریؒ کہتے ہیں ہر وہ نماز جس میں دل حاضر نہ ہو سزا آور ہوتی ہے۔

خشوع پیدا کرنے کا طریقہ

نماز کے دوران آنے والے خیالات ہی خشوع کو زائل کرتے ہیں' لہٰذا اس کا علاج ضروری ہے اور کسی بھی چیز کو ختم کرنے کیلئے ضروری ہے کہ اس کے اسباب کو ختم کیا جائے۔ ان خیالات کے پیدا کرنے کے اسباب یا تو ظاہری ہوں گے یا باطنی۔ ظاہری سبب یہ ہے کہ انسان کانوں سے کوئی اور چیز سنے یا آنکھوں سے کچھ اور دیکھ رہا ہو جس کی وجہ سے اسکا خشوع جاتا رہتا ہے اور اس کا پہلا علاج یہ ہے کہ اس سبب کو ختم کرنے کیلئے نظریں جھکالی جائیں اور ایسی جگہ پر نماز پڑھنے سے گریز کیا جائے جو نماز سے غافل کردینے والی جیسے سڑک وغیرہ۔

حدیث شریف میں ہے جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ابوجہم کی دی ہوئی وہ قمیض پہنی جس پر نقوش بنے ہوئے تھے تو آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے نماز پڑھنے کے بعد اسے اتار دیا اور فرمایا یہ ابوجہم کی دی ہوئی قمیض اس کے پاس لے جاؤ اور اس سے موٹا کھردرا کرتا لے آؤ اور اس دھاری دار کرتے نے ابھی مجھے نماز سے غافل کردیا تھا۔

اسی طرح جب آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے نعلین مبارک کا تسمہ تبدیل کیا گیا تو نماز میں آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی اس پر نظر پڑگئی۔ امام مالک بیان کرتے ہیں کہ ابوطلحہ رضی اللہ عنہ اپنے باغ میں نماز پڑھ رہے تھے کہ ایک کبوتر اڑا اور باہر جانے کا راستہ تلاش کرنے لگا لیکن وہ باغ سے نہ نکل سکا۔ یہ منظر حضرت طلحہ رضی اللہ عنہ کو اچھا لگا اور آپ رضی اللہ عنہ کی نظر کچھ وقت

اس کا پیچھا کرتی رہی۔ پھر اچانک انہیں نماز کا خیال آیا تو انہیں پتہ نہ چلا کہ کتنی رکعتیں ادا کر چکے ہیں۔ اس پر انہوں نے کہا کہ یہ میرے مال کی وجہ سے ہوا ہے جو میرے فتنے کا باعث ہے لہٰذا آپ رضی اللہ عنہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئے اور واقعہ ذکر کیا پھر عرض کی: اے اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم! میں اس باغ کو اللہ کے راستے میں صدقہ کرتا ہوں آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم جہاں چاہیں استعمال میں لائیں"۔

البتہ باطنی اسباب ظاہری اسباب سے زیادہ خطرناک ہیں کیونکہ وہ شخص جسے دنیا کے بکھیڑوں نے گھیر رکھا ہو اس کی سوچ کسی ایک معاملے تک محدود نہیں رہتی بلکہ وہ مختلف سوچوں میں غرق رہتا ہے اور اس کا علاج یہ ہے کہ انسان اس وقت تک نماز شروع نہ کرے جب تک کہ اپنے تمام کام نمٹا نہ لے۔

ابوداؤد روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے حضرت عثمان بن طلحہ رضی اللہ عنہ سے فرمایا "میں تمہیں یہ حکم دینا بھول گیا ہوں کہ تم دونوں سینگوں کو ڈھانپ دو کیونکہ یہ مناسب نہیں کہ بیت اللہ میں ایسی چیز موجود ہو جو نمازی کو غافل کر دے۔

دوسرا علاج، اللہ پر پختہ ایمان و یقین ہے اور یہ یقین نماز اور اللہ کے ذکر میں منہمک کر دینے میں بڑی مدد دیتا ہے۔ امام ابن قیم جوزی خشوع کی بڑھوتری کے اسباب بیان کرتے ہوئے کہتے ہیں کہ خشوع میں اضافہ دو طریقوں سے ہوتا ہے۔ اول، عمل اور نفس کی آفات سے اپنے آپ کو محفوظ رکھنا۔ دوم، اپنے سے بہتر عمل صاحب فضل آدمی کا مشاہدہ کرنا۔

انسان کو اپنے نفس اور اعمال کے اندر موجود خرابیوں اور کمزوریوں سے مکمل آگاہی کے بعد دل لامحالہ خشوع اختیار کرتا ہے اور بغور جائزہ لینے سے یہ نقائص مثلاً غرور و تکبر، خود پسندی، ریا، ضعف صدق اور کمزور ایمان کھل کر سامنے آجاتے ہیں اور یہ عمل خشوع کا سبب بنتا ہے جبکہ صاحب فضل آدمی کے مشاہدے سے مراد یہ ہے کہ انسان لوگوں کے حقوق کا پاس رکھے اور انہیں صحیح طریقے سے ادا کرے۔ یہ نہ سوچے کہ لوگوں نے اس کے ذاتی حقوق کے بارے میں کیا رویہ اختیار کر رکھا ہے اور یہ کہ وہ بھی اس وقت لوگوں کے حقوق پورے کرے گا جب کہ دوسرے لوگ اس کے حقوق کے سلسلے میں بہتر رویے کا اظہار

کریں گے۔ ابن قیم رحمہ اللہ کہتے ہیں کہ میں نے شیخ الاسلام ابن تیمیہ رحمہ اللہ کو فرماتے سنائے ہے کہ صاحب عرفان یہ سمجھتا ہے کہ لوگوں پر اس سے متعلق کوئی حق نہیں ہے اور وہ اپنے آپ کو دوسروں سے افضل نہیں سمجھتا ہے یہی وجہ ہے کہ وہ کسی کو سرزنش کرتا ہے نہ کسی چیز کا مطالبہ کرتا ہے اور نہ ہی کسی سے لڑتا جھگڑتا ہے۔

خشوع کی تکمیل

پہلی بات اس ضمن میں یہ ہے کہ انسان لوگوں کے سامنے اصلاح وتقویٰ کے اظہار سے گریز کرتے ہوئے اصلاح ذات کی کوشش کرتا رہے بلکہ اسے اپنے خشوع وخضوع اور عاجزی وانکساری کی کیفیت کو لوگوں سے حتی المقدور مخفی رکھنا چاہئے۔ مبادا کہ ان کے ظاہر ہونے سے اس میں ریا پیدا ہو جائے اور اللہ کے ساتھ جڑے ہوئے تعلق اور قلبی کیفیات جو اس نے اصلاح حال کی کوشش کے ذریعے بنائی تھیں اس میں خلل واقع ہو جائے۔ کیونکہ انسان کیلئے محض کمتری کے احساس، کم مائیگی وعاجزی پیدا کرنے کے علاوہ دیگر تمام چیزیں اور ذرائع بے معنی و بے فائدہ ہیں اور یہ کہ وہ خود کچھ حیثیت نہیں رکھتا بلکہ یہاں تک کہ وہ اپنے آپ کو ان لوگوں میں شمار کرنے لگے کہ جو تمام چیزوں سے دست کش ہو جاتے ہیں اور اللہ سے لو لگانے کیلئے دنیاوی مناصب اور بلند مراتب کو بھی چھوڑ دیتے ہیں۔

ابن قیم کہتے ہیں کہ میں نے شیخ الاسلام ابن تیمیہ کی شخصیت میں اس حوالے سے ایسی چیز کا مشاہدہ کیا ہے جو کسی اور کی شخصیت میں مجھے نظر نہیں آتی اور نہ ہی میرے اندر کوئی ذاتی کمال وصلاحیت ہے۔ اس طرح کی باتیں اس شعر سے بہت مماثل ہیں۔

انا المکدی وابن المکدی   وھذا کان ابی وجدی

میں حاجت مند ہوں، حاجت مند کا بیٹا ہوں اور اسی طرح میرے آباء واجداد تھے۔

اور اگر ان کے چہرے پر کوئی ان کی تعریف کر دیتا تو کہتے بخدا میں تو اب تک اپنے اسلام کی تجدید کر رہا ہوں اور میں ابھی تک صحیح طور پر حقیقی مسلمان نہیں بن سکا۔ ان کی زندگی کے آخری دنوں میں میرے پاس ایک ان کے ہاتھ کا لکھا ہوا تفسیری مخطوطہ لایا گیا تو اس کی

پشت پر یہ اشعار انہوں نے خود منظوم کر کے درج کیے تھے۔

میں اپنے رب کا محتاج ہوں میں ہر حال میں انتہائی مسکین ہوں میں اپنے نفس پر بے انتہا ظالم ہوں اور وہ (نفس) مجھ پر ظلم کرتا ہے اگر مجھے بھلائی ملتی ہے تو اسی کی طرف سے ملتی ہے۔ اپنے لئے منفعت کا حصول میرے لئے ممکن نہیں ہے اور نہ ہی نفس کو پہنچنے والے نقصان کو دور کر سکتا ہوں۔ فقر میرا ایسا لازمی ذاتی وصف ہے جو ہمیشہ رہتا ہے جیسا کہ غنی ہونا اللہ تعالیٰ کی لازمی ذاتی صفت ہے۔

تکمیل خشوع کیلئے دوسرا امر یہ ہے کہ انسان احساس برتری کو دل سے نکال دے لہٰذا اسے چاہئے کہ وہ یہ جان لے کہ فضل واحسان اللہ ہی کی طرف سے ہے اور بندے پر اس کا یہ احسان بلا سبب ہے۔ حقیقت یہ ہے کہ انسان کو جو بھی خیر و بھلائی میسر ہے وہ اس کے کسی عمل کا نتیجہ نہیں ہے کہ اس بنا پر وہ مستحق ٹھہرا ہے بلکہ یہ سب کچھ تو اللہ کے محض احسان کے نتیجے میں اسے حاصل ہوا ہے۔

سب سے پہلے خشوع اٹھایا جائے گا

حضرت ابوالدرداءؓ فرماتے ہیں کہ ایک مرتبہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے آسمان کی طرف نگاہ اٹھائی اور یہ ارشاد فرمایا کہ اس وقت علم دنیا سے اُٹھ جانے کا وقت (منکشف) ہے... حضرت زیادؓ صحابی نے عرض کیا... یارسولؐ اللہ علم ہم سے کس طرح اُٹھ جائے گا ہم لوگ قرآن شریف پڑھتے ہیں... اور اپنی اولاد کو پڑھاتے ہیں (اور وہ اسی طرح اپنی اولاد کو پڑھائیں گے اور سلسلہ چلتا رہے گا) حضورؐ نے فرمایا میں تو تجھ کو بڑا سمجھدار خیال کرتا تھا یہ یہود و نصاریٰ بھی تو توراۃ انجیل پڑھتے پڑھاتے ہیں پھر کیا کارآمد ہوا... ابوالدرداءؓ کے شاگرد کہتے ہیں کہ میں نے دوسرے صحابی حضرت عبادہؓ سے جا کر یہ قصہ سنایا... انہوں نے فرمایا کہ ابوالدرداءؓ سچ کہتے ہیں... اور میں بتاؤں کہ سب سے پہلے کیا چیز دنیا سے اُٹھے گی... سب سے پہلے نماز کا خشوع اُٹھ جائے گا تو دیکھے گا کہ بھری مسجد میں ایک شخص بھی خشوع سے نماز پڑھنے والا نہ ہوگا... حضرت حذیفہؓ جو حضورؐ کے راز دار کہلاتے ہیں... وہ بھی فرماتے ہیں کہ سب سے

پہلے نماز کا خشوع اٹھایا جائے گا ایک حدیث میں آیا ہے کہ حق تعالیٰ شانہ...اس نماز کی طرف توجہ ہی نہیں فرماتے جس میں رکوع سجدہ اچھی طرح نہ کیا جائے...ایک حدیث میں ارشاد نبویؐ ہے کہ آدمی ساٹھ برس تک نماز پڑھتا ہے مگر ایک نماز بھی قبول نہیں ہوتی کہ کبھی رکوع اچھی طرح کرتا ہے تو سجدہ پورا نہیں کرتا...سجدہ کرتا ہے تو رکوع پورا نہیں کرتا...

حضرت مجدد الف ثانی نوراللہ مرقدہ نے اپنے مکاتیب (خطوط) میں نماز کے اہتمام پر بہت زور دیا ہے اور بہت سے گرامی ناموں میں مختلف مضامین پر بحث فرمائی ہے..ایک گرامی نامہ میں تحریر فرماتے ہیں کہ سجدہ میں ہاتھوں کی انگلیوں کو ملانے کا اور رکوع میں انگلیوں کو علیٰحدہ علیحدہ کرنے کا اہتمام بھی ضروری ہے شریعت نے انگلیوں کو ملانے کا کھولنے کا حکم بے فائدہ نہیں فرمایا ہے یعنی ایسے معمولی آداب کی رعایت بھی ضروری ہے اسی سلسلہ میں تحریر فرماتے ہیں کہ نماز میں کھڑے ہونے کی حالت میں سجدہ کی جگہ نگاہ کا جمائے رکھنا اور رکوع کی حالت میں پاؤں پر نگاہ رکھنا اور سجدہ میں جا کر ناک پر رکھنا اور بیٹھنے کی حالت میں ہاتھوں پر نگاہ رکھنا نماز میں خشوع کو پیدا کرتا ہے اور اس سے نماز میں دلجمعی نصیب ہوتی ہے جب ایسے معمولی آداب بھی اتنے اہم فائدے رکھتے ہیں تو بڑے آداب اور سنتوں کی رعایت تم سمجھ لو کہ کس قدر فائدہ بخشے گی...

خشوع کی حقیقت

خشوع کی حقیقت لوگ یہ سمجھتے ہیں کہ سوائے حق کے کسی قسم کا خطرہ یعنی وسوسہ نہ آئے یہ غلط ہے۔ خشوع کی حقیقت یہ ہے کہ وسوسہ خود نہ لاوے گو از خود آ جائے۔ اور خطرہ یعنی وسوسہ کا نہ آنا تو غیر اختیاری ہے لیکن نہ لانا اختیار میں ہے۔ آورد خطرات منافی خشوع ہے۔ اور آمد خطرات منافی نہیں۔ آمد و آورد میں فرق ظاہر ہے۔ ہاں البتہ یہ بھی نہ کرنا چاہئے کہ جب وسوسہ بلاقصد آئے تو اس میں بقصد مشغول ہو جائے۔ بعض ایسا کرتے ہیں کہ وسوسہ خود لاتے تو نہیں لیکن جب آتا ہے تو اس میں مشغول ہو جاتے ہیں۔ یہ بھی غلطی ہے۔ نہ قصد سے لانا ہو اور نہ قصد سے ابقا ہو۔ کیونکہ بقصد باقی رکھنا بھی منافی خشوع ہے۔ بس جب وسوسہ آئے تو اس کو رکھے نہیں دفع کر دے۔

یہ ہے حقیقت خشوع کی جو حکیم الامت حضرت تھانوی قدس سرہ نے بیان فرمائی ہے۔
مگر یہ بات بھی ذہن نشین رکھئے کہ ہر عمل میں جتنی تاثیر نیت کی ہوتی ہے اتنی ظاہری عمل کی نہیں ہوتی۔ مثلاً نماز کا اصل مقصد اپنے رب کے سامنے تواضع اور اظہار عجز و نیاز ہے۔ ظاہری ارکان اس کے لئے صرف ایک وسیلہ ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے قلب و جوارح میں ایسا محکم علاقہ رکھا ہے کہ جب قلب پر کوئی خوف وصدمہ آپڑتا ہے تو ظاہری اعضاء بھی فوراً لرزنے لگتے ہیں۔ اسی طرح جب کسی یتیم وبیکس کے سر پر ہاتھ پھیرا جاتا ہے تو فوراً قلب میں رقت و نرمی کا اثر پیدا ہونے لگتا ہے۔ رکوع و سجود کا مقصد بھی صرف ان اعضاء کو جھکانا یا زمین پر رکھنا نہیں بلکہ قلب میں خشوع و خضوع کی کیفیت پیدا کرنا ہے۔ پس اگر کوئی شخص دنیوی تفکرات میں گرفتار ہو کر سجدہ میں جا پڑتا ہے اور اپنا مقصد پیش نظر نہیں رکھتا تو ظاہر ہے کہ اس عمل سے اس کے قلب میں تواضع و نیاز کا کوئی اثر پیدا نہیں ہوسکتا۔ پھر جب اس کا کوئی نفع نہ ہوا تو کیا یہ کہنا صحیح نہ ہوگا کہ یہ عبادت ہی باطل ہے کیونکہ اس کا کرنا نہ کرنا دونوں برابر ہو گئے اور اگر کہیں اس نے کسی نمائش اور ریا کی نیت کر لی تو اب معاملہ اور سخت ہو جاتا ہے اور بجائے بطلان کے وہ عمل خیر معصیت کی صورت اختیار کر لیتا ہے۔ اس سے ثابت ہوا کہ مومن کے عمل سے اس کی نیت کا مرتبہ بلند ہے کیونکہ عمل خیر کی خیریت بھی نیت کی خیریت پر موقوف ہے۔ (احیاء العلوم)

تنبیہ: بہر حال اگر کسی نمازی کو قلب کا سکون اور روح کی توجہ نماز میں میسر نہ ہو تو نماز کو چھوڑا نہیں جا سکتا۔ کیونکہ نماز تو ہر حالت میں پڑھنا ہی ہوگی خواہ دل لگے یا نہ لگے۔ البتہ توجہ اور دل لگانے کے ذریعے بھی استعمال کرتے رہیئے تاکہ رفتہ رفتہ آپ کی نماز نماز کامل بن جائے اور اللہ والوں کی طرح آپ بھی حضور قلب اور کامل توجہ سے نماز ادا کرنے کے قابل بن جائیں۔

دفع وساوس کا آسان طریقہ

حکیم الامت مجدد الملت حضرت مولانا اشرف علی تھانوی نور اللہ مرقدہ نے نماز میں دفع وساوس کا ایک آسان طریقہ یہ بتایا ہے کہ نماز کے جس جزو میں مشغول ہو کر اسی کی طرف توجہ رکھے مثلاً **سبحانک اللّٰھم** پڑھتے ہو تو اس کو اس طرح مت پڑھو کہ رٹا ہوا ہونے کی وجہ سے زبان سے خود بخود نکلتا چلا جائے بلکہ ہر ہر جزو کو سوچ کر پڑھو کہ اب **سبحانک اللّٰھم** کہہ رہا

ہوں۔اب تبارک اسمک پڑھتا ہوں۔اب و لا الٰہ غیرک نکالتا ہوں۔اوراب بسم اللہ ۔اب الحمدللہ ۔علیٰ ہذا ہر ہر لفظ کو ارادہ سے ادا کرو جب قلب افکار کی طرف متوجہ رہے گا تو وساوس کی طرف توجہ نہ رہے گی۔ کیونکہ قاعدہ مسلم ہے۔ النفس لا تتوجہ الیٰ شیئین فی آن واحد سواس طریقہ سے اول ہی دن خشوع حاصل ہو جائے گا۔مگر یہ ضرور ہے کہ اول اول نماز میں تنگی ہوگی۔ کیونکہ قلب کو خیالات سے توجہ ہٹا کر ذکر کی طرف توجہ کرنی پڑے گی۔ اس وجہ سے طبیعت کو گرانی ہوگی مگر چند دنوں کے بعد پھر یہی قرۃ عینی فی الصلوٰۃ کی لذت و راحت میسر ہوگی۔اور پھر نماز میں کچھ بھی گرانی نہ رہے گی۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک مرتبہ ایک شخص کو دیکھا کہ نماز میں داڑھی پر ہاتھ پھیر رہا ہے۔ارشادفرمایا کہ اگر اس کے دل میں خشوع وسکون اور توجہ الی اللہ ہوتی تو بدن کے سارے اعضاء میں سکون ہوتا۔یعنی اس طرح داڑھی پر ہاتھ نہ پھیرتا۔ ام المومنین حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کی والدہ حضرت ام رومان رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ میں ایک مرتبہ نماز پڑھ رہی تھی اور نماز میں ادھر ادھر جھکنے لگی۔ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے دیکھ لیا تو مجھے اس زور سے ڈانٹا کہ میں ڈر کی وجہ سے نماز توڑنے کے قریب ہوگئی۔ پھر ارشادفرمایا کہ میں نے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے سنا ہے کہ جب کوئی شخص نماز کو کھڑا ہو تو اپنے تمام بدن کو بالکل سکون سے رکھے۔ یہود کی طرح ہلے نہیں۔ بدن کے تمام اعضاء کا نماز میں بالکل سکون سے رہنا نماز کے پورا ہونے کا جزو ہے۔

ایک مرتبہ حضور نے ارشادفرمایا کہ جو لوگ نماز میں اوپر دیکھتے ہیں وہ اپنی حرکت سے باز آ جائیں ورنہ نگاہیں اوپر کی اوپر رہ جائیں گی۔

خشوع کیسے پیدا ہو۔ حضرت مجدد الف ثانی نوراللہ مرقدہ نے اپنے خطوط میں نماز کے اہتمام پر بہت زور دیا ہے۔ ایک گرامی نامہ میں تحریر فرماتے ہیں کہ سجدہ میں ہاتھوں کی انگلیاں ملانے اور رکوع میں انگلیوں کو علیحدہ علیحدہ کا اہتمام بھی ضروری ہے اور رکوع کی حالت میں پاؤں پر نگاہ رکھنا اور سجدہ میں جا کر ناک پر رکھنا اور بیٹھنے کی الت میں گود اور ہاتھوں پر نگاہ رکھنا نماز میں خشوع کو پیدا کرتا ہے اور اس سے نماز .ں دلجمعی نصیب ہوتی ہے۔ جب ایسے معمولی آداب بھی اتنے اہم فائدے رکھتے ہیں تو بڑے آداب اور سنتوں کی رعایت تم سمجھ لو کہ کس قدر فائدہ بخشے گی۔

نماز میں دل کیوں نہیں لگتا؟

عارف باللہ حضرت ڈاکٹر محمد عبدالحئی عارفی رحمہ اللہ اپنی مجالس میں فرماتے ہیں ایک صاحب میرے پاس آئے اور کہا ''حضرت نماز میں دل نہیں لگتا اور دعائیں قبول نہیں ہوتیں'' یہ بات انہوں نے بڑی حسرت وتاسف کے ساتھ کہی اور یہ کہہ کر وہ خاموش ہو گئے۔ میں نے کہا ''آپ سچ کہتے ہیں' یہ بالکل قدرتی بات ہے' ایسا ہی ہونا چاہیے' اس لئے کہ دل تو کہیں اور لگا ہوا ہے۔ وہاں سے فرصت پائے تو ادھر آئے۔ دل تو خرافات وتفریحات میں لگا ہوا ہے اور کہتے ہو کہ نماز میں دل نہیں لگتا۔ دل بدعات میں' منکرات میں' مکروہات میں اور فواحشات میں لگا ہوا ہے اور کہتے ہو کہ نماز میں دل نہیں لگتا۔ اچھا تم ہی بتاؤ کہ دل آخر کہاں کہاں جائے تم جدھر چاہو گے ادھر ہی وہ جائے گا...... بھائی سچ پوچھو تو نقشہ ہماری زندگی کا یہ ہو گیا ہے کہ

ترا دل تو ہے صنم آشنا تجھے کیا ملے گا نماز میں

اب دیکھئے نا کہ نماز کی کون پروا کرتا ہے۔ ہر روز پانچ وقت مسجد کے میناروں سے حی علی الصلوۃ کی ندا بلند ہوتی ہے لیکن مسلمانوں کا دل کھیل تماشے میں' سیر وتفریح میں لگا رہتا ہے۔ وہ دنیا کمانے کی فکر میں لگے رہتے ہیں اور یہ نہیں سمجھتے کہ مسلمانوں کی دنیا دراصل دین میں پوشیدہ ہوتی ہے' دنیا کی دلکشی اور رعنائی نے مسلمانوں کو اپنی طرف کھینچ رکھا ہے' پھر جب دل سارا ان ہی باتوں میں لگا رہتا ہے تو پھر نماز میں کیسے لگے گا؟ یہی وجہ ہے کہ نمازیں پھیکی اور بے مزہ ہوتی ہیں پھر بھی یہ گلہ ہے کہ نماز میں دل نہیں لگتا۔ یہ عجیب بات ہے۔ ہمارے معاشرے کا یہ نقشہ بڑا عجیب اور بڑا بھیانک ہے اور بڑا مایوس کن ہے۔

آپ دیکھئے شادی بیاہ میں روپیہ پیسہ بے دریغ صرف کیا جاتا ہے' خوبصورت شامیانے لگائے جاتے ہیں اور روشنیوں کا ایک سیلاب امڈ آتا ہے' جہیز کے سامان کا انبار دکھایا جاتا ہے۔ لذت کام ودہن کے لئے بڑا شاندار اہتمام کیا جاتا ہے۔ لڑکی کے باپ کو کسی اور بات کا ہوش ہی نہیں رہتا۔ وہ اپنے مہمانوں کی پذیرائی اور تواضع میں غرق رہتا ہے' اس میں اس کا دل بہت لگتا ہے۔ میں پوچھتا ہوں کہ یہ دل آخر نماز میں کیوں نہیں لگتا۔؟

اور سنو! موت، زندگی کا بڑا عبرتناک واقعہ ہے۔ جو انسان ابھی زندہ تھا، چلتا پھرتا تھا وہ اب بے حس وحرکت پڑا ہے۔ روح پرواز کر گئی ہے۔ جسم مٹی کا ڈھیر بن گیا ہے۔ ورثاء اسے قبر میں دفن کرتے ہیں، قبر پر چادر چڑھاتے ہیں، تیجہ اور چالیسواں کرتے ہیں اور بڑے اہتمام سے، زر کثیر خرچ کر کے یہ تقریبات انجام دیتے ہیں اور قبر پر اگر بتی جلائی جاتی ہے ان تمام کاموں میں بڑا دل لگتا ہے۔

شکایت بے جا

لیکن ایک نماز ہی بے چاری ایسی ہے کہ جس کے بارے میں لوگوں کو شکایت رہی ہے کہ اس میں دل نہیں لگتا، بھائی دل لگاؤ تو لگے، یہ تو تمہارے اختیار کی بات ہے۔ یہ کیا بات ہے کہ ہر جگہ تو دل خوب لگتا ہے لیکن یہیں نہیں لگتا، بھائی یہ بات بھی عجیب ہے کہ لوگ یہودیوں اور نصرانیوں کی وضع قطع اختیار کرتے ہیں، ان کی تہذیب اور اس پر فخر کرتے ہیں۔

ایک تو یہ عمل قومی خودداری کے خلاف ہے بلکہ یہ بڑی بے غیرتی کی بات ہے کہ اپنی معاشرت اپنی تہذیب چھوڑ کر ان کی تہذیب اور معاشرت اختیار کی جائے، جو اسلام کے دشمن ہیں، مسلمانوں کے خون کے پیاسے ہیں، دوسرے یہ کہ کافر اور مسلم کا کیا جوڑ ہے۔ یہود و نصاریٰ پر تو اللہ نے لعنت بھیجی ہے۔ ایک کو ''مغضوب'' اور دوسرے کو ''ضالین'' قرار دیا ہے۔ پھر یہ عجیب بات ہے کہ اللہ کے دشمنوں سے تعلق پیدا کرنا اور ان کی وضع قطع اختیار کرنا مسلمان گوارہ کر لیتا ہے بلکہ اسے اپنا شرف سمجھتا ہے۔ سوچو کہ کیا یہ بات اللہ کے غضب کو بھڑکانے والی نہیں ہے......؟ پھر کیا ایسی باتوں سے دل لگانے والے کا دل نماز میں لگا رہ سکتا ہے۔؟

معاشرہ کی بھیانک تصویر

بھائیو آج ہمارے معاشرے کی صورت یہ ہوگئی ہے کہ کوئی گھر ذہنی اذیت اور کلفت اور رنج وغم سے خالی نہیں، ہر جگہ بے اطمینانی ہے، پریشانی ہے اور ہراسانی ہے، ہر گھر میں غم واندوہ کا دھواں اٹھ رہا ہے، ہر دل میں آگ سلگ رہی ہے، باپ بیٹے

میں، ماں بیٹی میں، ساس بہو میں، میاں بیوی میں، بھائی بھائی میں جنگ جاری ہے۔ بڑی کربناک صورت ہے۔ بڑی اذیت بخش فضا ہے، اس کا واحد سبب وہ غلط کاری ہے جو ابتداء میں اختیار کی گئی تھی، غلط کام کا غلط انجام ہوتا ہے۔

مرد آخر بیں مبارک بندہ ایست

اب ذرا زندگی کا یہ پہلو بھی دیکھو، ہمارے معاشرے میں سود، رشوت، بددیانتی، حرام کاری بڑے شدومد سے جاری ہے، لوگ پیسے کے پیچھے دوڑ رہے ہیں، حلال وحرام سے لاپروائی جائز وناجائز سے بے نیازی ان کے نزدیک گویا کوئی آسمانی قانون ہی نہیں ہے۔ انہیں اس کا یقین نہیں کہ اللہ دیکھ رہا ہے اور وہ حاضر وناظر ہے، علیم وخبیر ہے، اب دیکھو کہ ان تمام کاموں میں دل بہت لگتا ہے، لگاؤ لیکن یہ نہ بھولو کہ ہر عمل کا ردعمل ہوتا ہے اور وہ ہو کر رہے گا۔ اسے کوئی روک نہیں سکتا، اس طرح زندگی کے تمام شعبوں کو بھی قیاس کرلو، یہ اشارات بہت واضح ہیں اور یہ ہمارے معاشرے کے عکاس ہیں۔

آستانہ الوہیت کی جبہ سائی

بھائی اب سوال یہ ہے کہ ان برائیوں کا علاج کیا ہے؟ علاج بھی بتائے دیتا ہوں، تم مسلمان ہو، تمہارا خدا تم پر بے حد مہربان ہے تم اس سے مایوس نہ ہو، اس کی رحمت اور بخشش کا دروازہ ہر وقت کھلا ہوتا ہے۔ تم اس کی بارگاہ میں جاؤ، مگر اس طرح تمہارے دل میں خدا کا خوف وخشیت ہو، آنکھوں میں ندامت کے آنسو ہوں اور آستانہ الوہیت میں جبہ سائی کا شوق بھی ہو، تم اپنی پیشانی اس کی چوکھٹ پر رکھ دو اور یہ التجا کرو اور یہ دعا کرو۔

اے اللہ میں گنہگار ہوں اور امیدورحمت کردگار ہوں، خطا کار ہوں لیکن تیری رحمت کا امیدوار ہوں، میں نے ظلم کیا ہے، میں نے تیری نافرمانی کی ہے، میں صراط مستقیم سے بھٹک گیا تھا، اب نادم وشرمسار ہوں اور امیدورحمت کردگار ہوں، اے اللہ تو مجھے معاف کردے، بخش دے اور اپنے کرم کے دامن میں مجھے سمیٹ لے اور مجھے گناہوں سے بچنے کی توفیق دے۔

تم جب اس طرح بارگاہ ایزدی میں التجا کروگے، گڑگڑاؤ گے، آنسو بہاؤ گے تو ان شاء اللہ تمہاری دعا ضرور قبول ہوگی، بامراد ہوگے، اللہ تعالیٰ نے تمہیں یہ دعا بھی سکھائی ہے۔ اسے پڑھو:

رَبَّنَا لَا تُؤَاخِذْنَآ اِنْ نَّسِيْنَآ اَوْ اَخْطَاْنَا رَبَّنَا وَلَا تَحْمِلْ عَلَيْنَآ اِصْرًا كَمَا حَمَلْتَهٗ عَلَى الَّذِيْنَ مِنْ قَبْلِنَا رَبَّنَا وَ لَاتُحَمِّلْنَا مَا لَا طَاقَةَ لَنَا بِهٖ وَاعْفُ عَنَّا وَاغْفِرْلَنَا وَارْحَمْنَا اَنْتَ مَوْلٰنَا فَانْصُرْنَا عَلَى الْقَوْمِ الْكٰفِرِيْنَ

ترجمہ: اے ہمارے پروردگار ہماری پکڑ نہ کر' اگر ہم بھول جائیں یا چوک جائیں اور ہم پر بھاری بوجھ نہ رکھ' جیسا کہ تو نے ہم سے پہلے کے لوگوں پر رکھا تھا' اے ہمارے پروردگار ہم سے وہ چیز نہ اٹھوا جسے ہم آسانی سے نہ اٹھا سکتے ہوں اور ہم سے درگزر فرما اور ہمیں بخش دے اور ہم پر رحم کر' تو ہی ہمارا مالک ہے تو ہم کو کافر لوگوں پر غالب کردے۔ (خطبات عارفی)

نماز میں وساوس کا علاج

حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ سے کسی نے کہا' ایک شخص پتہ نہیں دین کی کیسی کیسی باتیں کرتا ہے جو کبھی سنی بھی نہیں' انہوں نے کہا بلا کے لاؤ' کون ہے؟ کیا نام ہے اسکا؟ کہا ابن مسعود۔ انہوں نے کہا ارے ان کو کچھ نہ کہنا۔

یہ تو مرتبے تھے صحابہ کے' صحابہ بھی تو ایک درجے کے نہیں تھے' سب اللہ تعالیٰ کا قانون فطرت جو جس کی فطرت بنادی ہے...... حیثیت بنادی ہے اسی تڑپ سے نماز پڑھے گا' اس کا خشوع وخضوع وہی ہے۔ ایک شخص فارغ ہے۔ عالم ہیں' مصنف ہیں' مؤلف ہیں' صاحب طریقت ہیں' محلے میں رہتے ہیں' مسجد کے قریب' اب ان کے اوپر مسجد کے آداب' محلے کی مسجد کے آداب بہت ہوتے ہیں۔ اذان سننے کے بعد کوئی کام نہیں' مسنون طریقے سے مسجد میں آتے ہیں' صف اول میں بیٹھے ہوئے ہیں' یاد الٰہی میں مشغول ہیں' تکبیر اولیٰ میں بھی شریک ہیں' طہارت کاملہ کے ساتھ جاؤ اور مسجد میں دنیا کی کوئی بات نہ کرو۔ جب تک بیٹھو تسبیحات پڑھو' مکلّف ہیں چونکہ یہ شرائط آداب مسجد میں داخل ہیں جو باتیں میں نے عرض کیں۔

ایک شخص ہے ظہر کی نماز ڈیڑھ بجے ہوتی ہے۔ وہ جلدی جلدی گھبرایا ہوا آیا۔ تھیلا اس نے مسجد کے دروازے پر چھوڑا اور دوڑتا ہوا آیا' استنجا کیا' جلدی جلدی وضو کیا اور جب تک نماز کھڑی ہوگئی اور یہ بھی شریک ہوگیا۔

بتاؤ کس شخص کی نماز کامل ہے؟ وہ جو گھبرایا ہوا آیا' دل کہیں اور دماغ کہیں' ہانپ رہا ہے یا وہ صاحب جو بیٹھے ہوئے ہیں۔ صاحب اقتداء دونوں ہیں' کامل نماز تو اس کی' اس کی نماز میں شک ہو سکتا ہے' اس کے حضور قلب میں کوئی شک نہیں کہ اس کی نماز کی عظمت اور مسجد کا احترام کھینچ لایا' اس کو ایمان کا یہ درجہ حاصل ہے۔ خشوع و خضوع بھی حاصل ہے' خشیت الٰہی بھی حاصل ہے اگر یہ چیزیں نہ ہوتیں تو آتا کیوں' کیوں چھوڑ کر آتا اپنا کاروبار اور دروازے پر اپنا سرمایہ چھوڑ آیا۔

تو ہر شخص کی حیثیت کے مطابق قانون فطرت ہے' اس سے استنباط کر لو۔ اس کی نماز کامل ہے نہ اس میں وسوسہ' نہ اس میں خطرہ' تو جیسا کسی کا ظرف ہے ویسا ہی وہ مکلف ہے۔

اگر وزیر اعظم سے ذرا سی غلطی ہو گئی' لغزش ہو گئی' پکڑ ہو جائے گی' اکثر دیکھا مساجد میں جاہل لوگ مزدور پیشہ آ جاتے ہیں' پوچھو تو خشوع و خضوع کیا چیز ہے؟ ایمان کا درجہ کیا ہے؟

جواب ملے گا آپ ہی کو مبارک ہو ہمیں نہیں معلوم۔ ہم تو اللہ میاں کی حاضری دینے آ جاتے ہیں۔ تو یہ کہ ایمان کا درجہ کیا ہے؟ ہر مومن کو حاصل ہے کوئی مومن اس سے خالی نہیں' اور سچ پوچھئے تو یہ جاہل لوگ' جن کو ہم جاہل کہتے ہیں ان کا ایمان بھی ہم سے کہیں زیادہ قوی ہوتا ہے۔

بے چوں چرا اں ابھی کسی مسجد پر حملہ ہو گیا۔ ہم لوگ جلدی سے گھروں میں چھپ جائیں گے' سب سے پہلے وہی لوگ جان دیں گے یعنی وہ اللہ کے گھر کے لئے اپنی جانیں قربان کر دیں گے۔ ہم سوچیں گے' بیوی بچے کہاں جائیں گے؟ کیا ہو گا کیا نہ ہو گا اور ہزاروں واقعات آپ کے سامنے آنے لگتے ہیں۔

وَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا اَشَدُّ حُبًّا لِّلّٰهِ تو جو جاہل حب شدید کے ساتھ نماز پڑھ رہا ہے۔ یہاں میں نے تشریح نہیں کی کسی کی' کہ صاحب ایمان میں عارفین کو' علماء کو لے لیا ہو۔ کیا رحمت ہے حضرت سے تعلق ہونے کے بعد الحمدللہ...... عجیب عجیب باتیں سمجھ میں آئی ہیں۔

''ایک شخص نے ہم سے کہا کہ نماز پڑھتے ہیں' اتنے عرصے میں نہ احسان کا معنی سمجھ میں آیا نہ خضوع ہوا' نہ خشوع ہوا' نہ حضور قلب ہوا' نہ رقت آئی۔

ہم نے کہا نماز پڑھنے کے بعد اللہ میاں سے کہا کرو۔ اے اللہ! اگر نماز میں احسان کا درجہ

خشوع وخضوع ہے' حضور قلب ہے تو مجھے کچھ حاصل نہیں ہوا اور سنتے ہیں اس کے بغیر نماز نہیں ہوتی۔ تو کیا میری سب نمازیں رائیگاں گئیں اور اگر وہ ضروری ہیں تو اب تک میں ایسے ہی پڑھتا رہا ہوں۔..... عمر بھر ایسے ہی پڑھوں گا۔ کوئی تغیر بھی کرنے کا ارادہ نہیں ہے اور نہ ہی کوئی تغیر پیدا کرنے کی قابلیت ہے۔ اس کے تو معنی بھی سمجھ میں نہیں آتے۔ تو کیا نماز کی تمام معلومات سے میں محروم ہی رہوں گا۔ اللہ میاں سے کہو۔ میں نے کہا میرے کہنے سے چالیس دن پڑھو۔ وہاں سے جواب ملے گا جو کچھ تیرا دعا مانگنا ہے یہ حضور قلب ہی تو ہے' جو چیز تیرے اختیار میں نہیں وہ تو مجھ سے مانگ رہا ہے۔ میں نے سن لیا۔ سب حاصل تجھے حاصل ہے اگر حاصل نہ ہو تو میں منگتا ہی نہیں' کیونکہ تجھے ان چیزوں کی قدرت ہے اور ہم سے مانگ رہا ہے۔ یہ ہم جانیں اور ہمارا کام جانے۔ تجھے سب حاصل ہے۔ بھئی بڑی تسکین کی بات ہے اور ہمارے حضرت طبیب ہیں' معالج ہیں اور وہ شفقت فرماتے ہیں' حضرت سے لوگ سوال کرتے ہیں' حضور جواب دیتے ہیں' اس کی تدبیر ہے تا کہ وہ راستے پر لگ جائیں' جب لگ جائیں گے' چھوڑ دیں گے۔ جاؤ اپنے آپ نمٹو' ہم نہیں جانتے' وہ راستے پر لگانا چاہتے ہیں' کیسی اچھی بات سمجھ میں آئی 'وسوسے اور خطرات' ان کا بھی علاج ہے۔ طبیعت کو اس طرف لگالو۔ اس طرح یہ کرلو اس طرح وہ کرلو۔ معنی کی طرف نظر کرلو۔ ارکان کی طرف نظر کرلو' بعض وقت جواب خوب خوب بن پڑتا ہے اور طبیعت خود ہی خوش ہو جاتی ہے' مجھے مطب میں کسی نے پوچھا کہ نماز میں بڑی شہوانی اور نفسانی تصورات و خیالات آتے ہیں تو ہم نے کہا کیا نقصان ہے؟ نماز کیا ہوئی۔ تمام گندے خیالات رکوع کررہے ہیں' سجدے کررہے ہیں کیا کریں؟ بس تصورات و خیالات ہی گندے ہیں' پیٹ میں فضلہ بھرا ہوا ہے' مثانے میں پیشاب' اس کا کوئی ذکر نہیں۔ پیٹ سے قراقر ہو رہا ہے۔ ارے اس کا بھی تو ذکر کیا کرو' نماز ایسی حالت میں پڑھ رہے ہو۔ ناپاکی کی حالت میں۔ یہ تمام ناپاک چیزیں بھری ہوئی ہیں' مادی طور پر یہ وزنی ہیں اور خیالات ..... یہ تو آتے جاتے رہتے ہیں' وہ بھی ہیں' میں نے کہا ان کی شان کریمی دیکھو۔ اللہ کی شان رحمت دیکھو' کہتے ہیں یہ سب گندگی جو تمہارے پیٹ میں بھری ہوئی ہے' ہمارے حکم سے پاک ہے۔ نماز پڑھو تو اس ناپاکی کے ساتھ' غلاظت کے ساتھ تمہارے پیٹ میں ہو' آنتوں میں ہو' مثانے میں ہو' ہم نے اپنا قرب عطا کردیا' سر سجدے میں جا رہا ہے' خیالات گندے ہیں' جب انہوں نے اجازت

دیدی ہے تو سب پاک ہیں، ان کے نزدیک پاک ہے۔ اگر ناپاک ہوتے تو قرب کیوں نصیب ہوتا، گویا کبھی نصیب نہ ہوسکتا، ناپاکی میں اللہ تعالیٰ کا قرب نصیب نہ ہوتا، ناپاکی کی حالت میں مسجد میں، اللہ کے گھر میں نہیں جاسکتے، سجدہ کیسے کرسکتے ہو لیکن اللہ تعالیٰ نے اس کو پاک کردیا، جتنی غلاظتیں ہمارے اندر مادی ہوں یا جذباتی ہوں سب پاک ہیں، تمہیں اجازت ہے رکوع کرو، سجدہ کرو یا دعا مانگو سب اجازت ہے، تو ان کا کرم ہے شکر ادا کرو کہ اللہ میاں نے اس گندگی کے باوجود جو تمہارے پیٹ میں ہے نماز پڑھنے کی اجازت دے دی ہے، اب سجدے کرو، رکوع کرو، ہاتھ اٹھالو، دعا کرلو، ان کا شکر ادا کرو تم گندگی اور گندے خیالات کو لئے پھرتے ہو، اگر یہ خیالات گندے ہوتے، شہوانی ناپاکی میں نماز ادا نہ ہوتی، سجدے کی توفیق کبھی نہ ہوتی اور وہ (اللہ تعالیٰ) اپنا قرب کبھی عطا نہ فرماتے۔ ان کا قرب ہی اس کی علامت ہے کہ سب پاک ہے۔

آج ایک شخص کا خط آیا، اس نے لکھا ہے کہ تین تین قسم کی نماز پڑھتا ہوں۔ میں واقف نہیں۔ جاوید اقبال اس کا نام ہے۔ پہلی نوعیت جو نماز کی ہوتی ہے احسان کا درجہ ہے۔ دوسری وہ نماز جس میں قرآن شریف کے معنی پر نظر جاتی ہے۔ تیسری نماز یہ ہوتی ہے جس میں ارکان کی طرف نظر جاتی ہے۔ اس کے علاوہ کوئی اور کیمیائی نسخہ ہو تو بتائیں۔

اگر کوئی اور کیمیا کا نسخہ ہے تو آپ لوگ بتلائیں (حضرت علماء سے مخاطب ہوئے) ان سے کوئی جواب نہیں بن پڑا۔

حضرت فرماتے ہیں، بچپن میں پڑھا تھا۔ پہلے زمانے میں اچھی کتابیں پڑھائی جاتی تھیں، اب تو نہیں، ایک ملمعہ کی ہوئی انگوٹھی تھی۔ ایک سونے کی انگوٹھی تھی۔ دونوں میں مقابلہ ہوا ملمعہ والی کہتی تھی مجھ میں زیادہ جلا ہے، زیادہ دلکشی ہے اور تم کیا ہو۔ میلی معلوم ہوتی ہو۔ جب تک رگڑو نہیں تمہاری چمک ظاہر نہیں ہوتی، اصلی نے کہا (جب تاؤ دیا جائے گا منہ فق)

بھائی تین طرح کی نماز پڑھنے والے کو جواب دو، کوئی اور کیمیا کا نسخہ ہو تو بتلائیں میں نے کہا کیمیا کا نسخہ پوچھتے ہو تو یہ کہ نماز کی پابندی کرو اور ارکان نماز کو مسنونہ بناؤ، خضوع و خشوع کا اہتمام کرو اور جس قدر ہو جائے اس کا شکر ادا کرو۔ یہ تین طرح کی جو نمازیں پڑھتے ہو "جب تاؤ دیا جائے گا منہ ہو جائے گا فق" یہ زیادہ دیرپا نہیں ہے۔ یہ فطرت کے خلاف ہے۔ ابھی کچھ لمحات بے فکری کے حاصل ہوں گے، مشق کرلی ہے، ذرا سی خلش ہو جائے،

افکار کی ہو جائے' گھر والوں کی بیماری کی ہو جائے' ساری تینوں نمازیں ہو جائیں گی۔

ایک بہت بڑے عارف ہیں' مفسر ہیں' صاحب طریق ہیں اور نہایت خشوع وخضوع کے ساتھ نماز پڑھ رہے ہیں' صف اول میں بیٹھے ہیں' تکبیر اولیٰ کا اہتمام ہے اور اد و وظائف میں مشغول ہیں' ابھی نماز میں کچھ دیر باقی ہے' اگر ان بزرگ سے ذرا سی غلطی ہوئی تو پکڑے جائیں گے' اگر انہوں نے کوتاہی کی ہاتھ اٹھانے کی تکبیر اولیٰ میں نہ اٹھائے ہاتھ جہاں تک اٹھانے مسنون ہیں تو پکڑ ہوگی' انہوں نے ایسے مسنون طریقے سے نہ باندھے تو مؤاخذہ ہوگا۔ ان سے تو تھیلہ والے کی نماز کی عظمت ہے' کیونکہ عظمت الٰہی اس پر غالب ہے' اس غلبے کے اندر اس نے نماز پڑھی' اس جاہل آدمی نے جلدی سے نماز کی عظمت کے لئے جلدی کی تاکہ رکعت نہ جاتی رہے چنانچہ اس کی نماز کامل ترین ہے۔ اس کے دل میں عظمت الٰہی ہے' احسان کا درجہ خشوع وخضوع سب اس کو حاصل ہے' اس لیے کہ اس کی نیت بالکل خالص ہے۔ آخر میں کہتا ہے بڑا اللہ کا شکر ہے۔ میں وقت پر پہنچ گیا۔ مجھے نماز مل گئی۔

''لایکلف اللہ نفسا الا وسعھا'' پڑھا تو اس کی مطابقت بھی کیا کرو اور وہ بزرگ جو پہلے سے نماز کے لئے صف اول میں تشریف فرما ہیں ان کو یہ خیال بھی آسکتا ہے کہ میں بڑا متقی ہوں اور یہ وسوسہ شیطان ہوسکتا ہے۔

آ! سُن ...... کہ بہت ہی زیادہ اہتمام کرتا ہوں میں نماز کا...... عجز و نیاز کی کیفیت نہ ہو نماز میں ناز کی کیفیت پیدا ہو جاتی ہے۔ نیاز کی کیفیت کے بجائے ایسے آدمی کو جو بہت ہی اہتمام کرنے والا ہے' ناز کی کیفیت پیدا ہو جاتی ہے اور یہ فطرت انسانی ہے اس میں کسی کو اختیار نہیں...... یا تو ناز کی کیفیت پیدا ہو جائے گی یا پھر نیاز کی۔

ارے یہ سب تجربہ کی بناء پر کہہ رہا ہوں۔ میں ایک جگہ گیا' نماز کا وقت تنگ تھا' بڑے میاں کی چوکی بچھی ہوئی تھی' عصر کی نماز پڑھی' سلام پھیرا تو ایک کتاب رکھی ہوئی تھی۔ میں نے دیکھا کہ وہ کیمیا سعادت ہے۔ میں نے کہا ماشاء اللہ آپ کا شغل بہت اچھا ہے۔ اس کتاب نے تو نماز ...... میں کیا کمال کر دیا۔

کہنے لگے' انہوں نے دو تشریحات لکھی ہیں' حضور قلب میں' احسان کا درجہ

اگر نہ کریں گے تو ایسی نماز منہ پر ماردی جائے گی۔

میں نے کہا نماز بھی پڑھیں اور مار بھی کھائیں تو بھئی میں نے نماز چھوڑ دی' اللہ سے پناہ مانگ کر' ایسی نماز نہیں پڑھتے' میں تو مارے ڈر کے نماز نہیں پڑھتا ہوں' کیسے سمجھائے گا نہیں۔

میں نے کہا' حضرت ادبا کہہ رہا ہوں' آپ نماز پڑھئے' نماز کی مار کھایئے' بجائے اس کے کہ نماز پڑھیں اور جوتوں کی مار کھائیں۔

میں نے کہا نماز پڑھو اور ہر وقت نماز کی مار کھاؤ۔ یہ مار بڑی مبارک ہے 'اگر نہیں پڑھو گے تو جوتے کی مار ہے۔ بڑی ذلت کی مار ہے۔ ناقدری نہ کرو' تو بناتے ہیں مگر نہیں بنتا' احسان کا درجہ حاصل کرنا چاہتے ہیں مگر نہیں ہوتا' خشوع وخضوع نہیں ہوتا۔ معلوم ہوتا ہے ہم اس چیز سے محروم ہیں۔ یہ سعادت ہماری قسمت میں نہیں ہے۔

نماز فرض ہے' کس پر فرض ہے؟ صاحب ایمان پر' حضرت صدیق اکبرؓ پر' ان سے محاسبہ میں کون زیادہ افضل ہے؟ جس قدر وہ مکلّف ہیں ہر امتی مکلّف ہے' کون امتی مکلّف ہے' دورِ حاضر کا نہیں دورِ اصحاب کا نہیں۔ دورِ قیامت تک جب نماز کا فقدان ہو۔

ایک شخص پابندی سے نماز پڑھتا ہے۔ جاہل مطلق ہے' وہ بھی مکلّف ہے نماز پڑھنے کا صدیق اکبر بھی۔ بھئی ان کے مراتب حضوری الگ الگ ہیں۔ وہ اپنی حضوری کا حق ادا کر رہے ہیں۔ انہی فرائض وواجبات کے اندر انہی لوازمات نماز کے اندر اور جاہل مطلق بھی۔ لیکن اس کی نماز بھی کامل ہے۔

جب بارگاہِ الٰہی میں حاضر ہو گیا۔ معلوم ہوا سعادت کی توفیق دے دی گئی ہے۔

مقبولیت کی توفیق ملی اس لئے حاضر ہوا ورنہ حاضر ہی نہ ہوتا اسکی حضوری مقبولیت کی علامت ہے۔

بھئی آپ نے ہماری لکھی ہوئی' حقیقت نماز پڑھی ہے۔ اس میں بڑی اچھی تفصیل آگئی ہے۔ الحمدللہ ہر شخص کے سمجھ آگئی ہے۔ بھئی جیسا آدمی ہوتا ہے ویسا سمجھا بھی جاتا ہے۔ عارف اپنے عرفان سے ہم تو اپنے مرتبے سے سمجھاتے ہیں جو کہ ہم سمجھے ہوئے ہیں وہ عوام بھی سمجھ سکیں۔

ایک صاحب کہنے لگے' جب نماز کی نیت باندھتے ہیں' ہزاروں قسم کے گندے شہوانی اور ناپاک خیالات آتے ہیں۔ رکوع میں سجدے میں کیا نماز ہے؟ ہم نے کہا' ایسے نماز نہیں

ہوتی' چھوڑ دو نماز کو' نماز ہی مت پڑھو' چھٹی ہوگئی' بلاوجہ ایسی نماز پڑھ کر مجرم ہوتے ہو۔

کہنے لگے یہ کیسے ہوسکتا ہے؟

میں نے کہا جب خیالات پاکیزہ ہوں تب پڑھنا۔ جن کے خیالات پاکیزہ ہیں وہ بہت مقدس ہیں' بڑے عارف ہیں' خیالات تو ان کو بھی آتے ہیں' اللہ میاں کہتے ہیں مجھے شرم نہیں آتی۔ ہمارے سامنے تمام گندگی لئے ہوئے' تیری آنتوں میں فضلہ بھرا ہوا ہے۔ تیرے مثانہ میں گندگی ہے اور تو ہمارے سامنے آ گیا۔ نماز پڑھنے کے لئے صاف کر کے آتا۔

ہم نے کہا' پہلے تمام مادی غلاظتیں تو خارج کرو۔ خیالات کی پاکیزگی کی ترکیب بعد میں بتا دیں گے۔ پہلے یہ گندگی بھرے ہوئے نماز پڑھ رہے ہو۔ یہ نماز کیسے ہو جائے گی۔ بھئی جیسا آدمی ویسی بات کیا کرو۔ قدر کرو اللہ جل شانہ کی جو...... علیم بذات الصدور ہیں جو ہمارے خالق ہیں اور اندر کے وساوس اور خطرات کے خالق ہیں' ہمارے تقویٰ' ہماری طہارت' ہمارے تمام درجات جانتے ہیں' احسان کا درجہ' خشوع و خضوع' سب کے خالق ہیں' ان کی سب سے بڑی عطا یہ ہے کہ انسان مکلّف ہے۔ نماز کا' طہارت کا' بس اتنا مکلّف کہا ہے۔ حضرت صدیق اکبرؓ اس کے مکلّف ہیں اور ایک جاہل ...... وہ بھی اس کا مکلّف ہے۔ ظاہری پاکی ہو' جسمانی طہارت ہو اور باقی نماز اور کسی حالت میں سب پاک ہیں' جو غلاظت ہمارے اندر بھری ہوئی ہے اس کو اللہ نے اپنے قرب کا مقام دیا ہے۔ یہ اللہ تعالیٰ نے مادی ناپاکیوں کو حکمی طہارت عطا فرمائی ہے تو اس کا اطلاق گندے خیالات پر بھی ہوگا' وہ بھی ہوتے ہیں' ان کے حکم پر غور تو کرو' اللہ تعالیٰ کا قرب ناپاکی میں نہیں ہوسکتا یہ تو پاکی پر منحصر ہے لیکن جب انہوں نے اپنے حکم سے' اپنی رحمت سے اس کا اطلاق کر دیا تو پھر کیا وسوسہ رہ جاتا ہے۔ تمہاری تجویز سے نہیں ہمارے حکم سے ہوگا۔

ہم کہتے ہیں' آ جاؤ نماز پڑھو' ناپاک خیالات فاسدہ کے باوجود اجازت دے دی ہے۔ وضو کے آداب کیسے ہیں۔ کتنی شرطیں ہیں' کوئی حصہ خشک ہو جائے تو وضو فاسد ہو جاتا ہے۔

انہوں نے کہا اگر بیمار ہو' تین دفعہ پاک مٹی پر ہاتھ مارو اور تیمم کر لو۔ نماز پڑھ لو اور پڑھا بھی سکتے ہو۔ یہ کیا معاملہ ہے۔ وہاں تو اتنی شرطیں ہیں پانی پاک ہو۔ ایسا ہو' یہاں تک

دھوڈالو، وہاں تک دھوؤ' یہ شرطیں کہاں چلی گئیں۔

بندہ نواز طہارت نام ہے حکم کا نجاست نام ہے حکم کا جس کو ہم نے پاک کہہ دیا وہ پاک ہے' جس کو ہم نے نجس کہہ دیا وہ نجس ہے' فلسفہ ایک ناپاک چیز کا جو جسم کے اندر ہے۔ خون کا قطرہ باہر آ جائے گا تو وضو ٹوٹ جائے گا' ریح خارج ہو جائے گی تو وضو ٹوٹ جائے گا' اسی طرح تمہارے ذہن کے شہوانی خیالات بھرے ہونے سے کوئی فرق نہیں پڑتا' نماز میں کسی زخم سے خون بھی بہہ سکتا ہے لیکن خیالات خارج نہیں ہو سکتے۔

نماز سے فارغ ہو کر اگر فاسد خیالات کا ارتکاب کر لو گے تو گنہگار ہو جاؤ گے' توبہ کر لو گئے تو پاک ہو جاؤ گے۔

حضرت فرماتے ہیں کہ جس طرح باوضو رہنا ہمارے اختیار میں ہے اسی طرح متقی رہنا بھی ہمارے اختیار میں ہے۔ آنکھ بہک گئی' زبان بہک گئی تو استغفار پڑھ لو۔

ہائے ہائے کیوں کرتے ہو' شخص شناس نہ ای دلبرا خطا اینجا است۔

اللہ میاں کی ادائیں یہ بزرگان دین' یہ صاحب طریق ہمیں اللہ تعالیٰ کا ادا شناس بنا دیتے ہیں۔ ایک شخص نے ہم سے سوال کیا' نہ خضوع ہوتا ہے نہ خشوع؟

ہم نے اسے یہ ترکیب بتائی تھی' آپ کو بھی بتا رہے ہیں' اللہ کی عنایت سب پر ہے' ہمارے مخاطب سب ہیں ہم اپنے تجربہ کی بناء پر کہہ رہے ہیں اور فیصدی کا بھی سوال نہیں ہے سب مبرہ ہیں' اب ترکیب بتاؤ۔

ارے ہم کوئی چیز نہیں ہیں' ہماری کوئی حقیقت نہیں ہے' خدانخواستہ...... لافخری ناز نہیں' عجب نہیں' دعویٰ نہیں' الحمدللہ' ایک طالب علم' سوکھا سا کھا' ان سب چیزوں کو بھی پڑھا ہی نہیں۔

ایک صاحب نے ان سے کہا جب ایسی نماز نہیں ہوتی کہ حضور قلب نہیں احسان کا درجہ نہیں تو کیا نماز ہوئی' کب تک پڑھیں۔

انہوں نے کہا اب آئندہ سے پڑھو' ابھی تک جو کچھ ہوا وہ ہوا' اب احسان کا درجہ اختیار کرو (کہنے لگے کیسے اختیار کریں) ہم نے کہا اختیار کرو' کہنے لگے بنائے نہیں بنتا''۔

تو ہم نے کہا۔ خبردار نماز ہے اللہ میاں کی' معاملہ ہے اللہ میاں کا ہم سے مت پوچھو اللہ میاں

سے ہی پوچھو۔ ہم نے کہا سرکاری و درباری آدمی ہم مشورہ نہیں دیں گے، ہم ایک ترکیب بتاتے ہیں۔

جو نماز پڑھو، سلام پھیرو، کہو اے اللہ! احسان کا درجہ، حضور قلب، خضوع و خشوع رقت قلب نیاز مندی یہ نماز کے اجزاء ہیں، مجھے تو حاصل نہیں، کیا میری نماز نہیں؟ اللہ میاں سے کہو، شیخ کیا بتائیگا؟

ہم سے بھی زیادہ کشتہ تیغ ستم نکلے، بڑے بڑے علمائے کرام نے ہتھیار ڈالا ہے۔

اب تمام ٹریننگ حاصل کرنے کی ترکیب بتائیں۔

اے اللہ! نماز کی یہ شرائط ہیں، احسان کا بدلہ احسان، خضوع و خشوع تو مجھے حاصل نہیں، ساری عمر ایسی ہی نماز پڑھی، پچاس برس ہو گئے، ساٹھ برس ہو گئے، باقی ماندہ نمازیں تو ایسی پڑھوا دیں، مجھے کاہے کو محروم فرما رہے ہیں، یہ تو آپ کی عطا ہے۔ مجھے بھی عطا فرما دیں، میں آپ کا بندہ ہوں، آپ کے نبی رحمت کا امتی ہوں، آپ کے آگے رکوع و سجدے کر رہا ہوں، مجھے اس دولت سے کیوں محروم رکھا ہے۔

میں نے کہا، چالیس دن تک میرے کہنے سے یہ کہو۔ اکتالیسویں دن اللہ میاں کا جواب آئے گا، ارے نادان یہی نماز قبول ہے۔ جس چیز کا تو فقدان کہہ رہا ہے۔ میں نے سب عطا کئے ہیں، اگر عطا نہ ہوتا تو یہ حسرت پیدا نہ ہوتی کیونکہ فقدان کا احساس ہی عطا ہے۔

بھئی بہت بڑی بات کہہ گیا ہوں۔ یاد رکھنا، احساس فقدان کا نام ندامت ہے۔ عجز و نیاز کی کیفیت میرے اختیار سے باہر ہے اور اس میں نماز پڑھ رہا ہوں، ان چیزوں سے بالکل بے بہرہ ہو۔

انہوں نے کہا، ہرگز نہیں تجھے سب کچھ حاصل ہے، جب ایک چیز کی قدر تیرے دل میں ہے اور جو چیز تیرے اختیار سے باہر ہے وہی میری عطا ہے۔ تو میری عطا کے عنوانات ...... تک بھئی یاد رکھنا، کسی کو میں احساسات کے ساتھ یہ چیزیں عطا فرما دیتا ہوں اور کسی کو بغیر احساس کے۔

کوئی ادا شناس نہ ہو جب تو کیا علاج   ان کی نوازشوں میں تو کوئی کمی نہیں

ایک فاسق فاجر نماز پڑھنے آیا، نماز میں حاضر ہے اس کا وہی مرتبہ ہے جو بڑے سے بڑے عالم اور عارف کا درجہ ہے۔ نماز کی حالت میں ان کے مراتب الگ الگ ہیں، جس طرح وزیر اعظم بادشاہ کا زیادہ مقرب ہے اور ابھی میں نے مثال دی تھی کہ دربار میں وزیر اعظم بھی ہے اور دوسرے وزراء بھی ہیں اور بہت سے حکام ہیں، بہت سے منتظمین

ہیں، بہت سے درباری ہیں اوران میں درجہ بدرجہ ہوتے ہوتے چوکیدار بھی ہیں، نگہبان اور جمعدار بھی ہیں لیکن سب پر آداب شاہی لازمی ہیں لیکن جو وزیراعظم ہے اگر اس سے ایک لغزش ہوجائے تو گرفت ہوجائے گی، اگر جمعدار سے ہوجائے تو معاف کردیا جائے گا۔ بادشاہ کا حکم دربار میں سب پر واجب ہے اور سب دربار میں حاضر ہیں تو صاحبان سب کے درجے الگ الگ ہیں۔ عرفان کے، مراتب صاحب علم کے مراتب ذوق کے۔

لیکن فرائض و واجبات سب پر ایک ہیں، جو جس حیثیت کا ہے وہ اسی فرق سے فرض ادا کررہا ہے۔ اس کی نماز کامل ہے، کیا اس میں کوئی اشکال ہے؟ مولانا محمد تقی عثمانی۔

سوال: حضرت اگر کسی مسلمان کو اللہ میاں نے مرتبہ دے دیا ہے تو وہ بہت خطرے میں ہے؟

جواب: جو زیادہ مقرب ہے وہ زیادہ خطرے میں ہے لیکن وزیراعظم کو ایسا ظرف بھی دیا ہے۔ آداب بھی دیئے ہیں، وزیراعظم کوئی معمولی چیز تو نہیں ہے، ایک گڈریا اور لنگڑا ہے بکریاں چرارہا ہے۔ بادشاہ کا انتقال ہوگیا۔ انہوں نے کہا چلو بشارت ہوئی ہے جو پہلا شخص نظر آئے اسی کو بادشاہ بنایا جائے گا۔ تو پہلی نظر گڈریا پر پڑی۔ اے چلو تمہیں بادشاہ بنائیں۔

یہ صدا آتی ہے ہر دم تربت تیمور سے جو شکستہ پا ہے کرتا ہے جہاں میں سلطنت

تو تیمور صاحب لنگڑے تھے۔ لے جاکر بادشاہ بنادیئے گئے۔ نہلا دھلا کر، خلعت شاہی پہنا کر، ان کا دستور ہی یہ تھا۔ جب تخت سے اترنے لگے وزیراعظم کو اشارہ کیا۔ وزیراعظم نے سہارا دے کر نہایت ادب سے اتارا۔

انہوں نے کہا حضور یہ آداب آپ کو کس نے سکھائے۔ انہوں نے جواب دیا جس نے بادشاہ بنایا جس نے مجھے تخت پہ بٹھایا۔

تو بھئی جس سے اللہ میاں کام لیتے ہیں اسے سکھا بھی دیتے ہیں۔ نماز کس کی پڑھتے ہو؟ ارے اپنی طرف کیوں منسوب کرتے ہو، جس نے توفیق دی وہ پڑھوا بھی رہا ہے۔ وہ سب جانتا ہے۔ وہ سب قبول کرے گا۔ ہماری باتیں سن لو، پھر کوئی ایسا بے باک آدمی نہیں ملے گا۔

اسے اے عارفی سمجھا ہے کوئی اور نہ سمجھے گا میں بے خودی میں کہہ گیا جو راز مے خانہ

اللہ تعالیٰ کا قانون ہے۔ تکلیف بالائے طاقت نہیں ہے۔ وہ اس کا مکلف ہے اور۔۔

اس کا مکلف جتنا ظرف ہو۔ ہائے ہائے نہ کرو۔

ایک دن میں مسجد میں گیا۔ ماہ رمضان تھا۔ عصر کی نماز ہو چکی تھی۔ دیکھا کہ ایک پٹھان نماز پڑھ رہا ہے۔ بڑی خوش الحانی سے قرآن شریف کی تلاوت کر رہا ہے۔ والہانہ انداز میں نہایت نزاکتیں ہوں گی۔ میں نے تصور میں کہا چل کر اس کو دیکھیں رہتا کہاں ہے۔ معلوم نہیں جھگی میں رہتا ہے۔ میلا سا ایک کمبل ہے۔ میلی سی ایک چادر ہے۔ کچھ موسم کے برتن۔ میلی سی صراحی رکھی ہوئی ہے۔ کھانا نہایت سادہ' جلدی جلدی بڑے بڑے نوالے کھائے اور نماز پڑھ کر سو گیا۔

اب جنت میں کیسے جائے گا۔ ایک مرتبہ ایسا ہوا۔ تفصیل نہیں بتاؤں گا۔ نواب صاحب میں رام پور کے پرائیویٹ محل میں داخل ہوا۔ ایک خزانچی صاحب رام پور میں ہمارے دوست رہتے تھے' اس روز شملہ گئے ہوئے تھے تو انہوں نے ہم کو ان کے کمرے وغیرہ دکھائے۔ ایک کمرہ بلور ہی بلور۔ دوسرے کمرے میں زمرد ہی زمرد۔ تیسرے میں گئے تو جامنی رنگ کے نہایت معلق آئینے' ہم نے سوچا اگر ہم سے یہاں سونے کے لئے کہا جائے۔ ہم کہیں گے ہم تو نہیں سو سکتے۔ ہم نے پھر یہ سوچا کہ وہ پٹھان پھر جنت میں کیسے جائے گا۔ جنت میں اس کی تو روح کانپ جائے گی' جھونپڑی کا رہنے والا' مقام اس کا یہی ہے۔

چونکہ خضوع و خشوع سے نمازیں پڑھ رہا ہے۔ تہجد پڑھ رہا ہے۔ مقام اس کا جنت ہے۔ جائے گا کیسے نہیں۔

الحمد للہ اس وقت ذہن میں آیا کہ عبادات کا روح سے تعلق ہے نہ کہ جسم سے۔ اس کی روح مصفا ہے' مجلّا ہے' مقرب اللہ تعالیٰ کی درگاہ میں باریاب ہے۔ جب اللہ میاں چاہتے ہیں صلاحیتیں بدل دیتے ہیں تو اس کی روح میں جو لطافت' انوار و تجلیات اور ذکر اللہ سے پیدا ہو رہے ہیں' وہ بہت ہی لطیف تجلیات کا جنت کے اندر بھی جلوہ ہے۔؟

قلب مومن اللہ میاں کی جلوہ گاہ ہے۔ تجلیات الٰہی کیا ہوتی ہیں؟ یہ ایمان کے ساتھ بہت زیادہ لطیف ہیں' جنت کے آگے' جنت بھی مخلوق ہے۔ انسان بھی مخلوق ہے۔ جنت مظہر ہے۔ ان کی...... انسان ان کی صفات کا مظہر ہے۔ اس کا مرتبہ زیادہ ہے تو پٹھان جو تھا مظہر تھا اللہ تعالیٰ

کی صفات روحانی کے۔ اس کو سب چیزیں حاصل تھیں۔ وہ جنت میں بے تکلف جائے گا۔

بھئی مجھے بڑا اطمینان ہوا۔ مادی طور پر ہم جن مادی صلاحیتوں کا احساس کرتے ہیں' یہ ناممکن ہے۔ روحانی کیفیات اور لطافت کا اندازہ ہم جسمانی صلاحیت سے نہیں لگا سکتے۔ میں نے کتاب میں لکھا ہے کہ یہ ناممکن اور محال ہے۔ روحانی کیفیات کا ادراک جسمانی مادی دل و دماغ ہرگز نہیں کر سکتے۔ ان کے ادراکات مادی ہیں اور روح لطیف ہے۔

اب آگے نازک مسئلہ ہے۔ بزرگان دین کا القبہ غیر شعوری طور پر روحانی کیفیات کا وجدانی طور پر قلب میں ظہور نہیں ہوا اور ان کا ترتب اعمال پر ہوتا ہے۔ اب اس میں کوئی اشکال پیدا نہیں ہوا۔ غیر شعوری طور پر وجدانی کیفیت قلب کے اندر پیدا ہوتی ہے۔ روحانی وہ موجل ہو جاتی ہے۔ اعمال پر مرتب ہو جاتی ہے۔

ہمارے حضرت والا نے بہت اچھا کہا ہے مادی اور نفسانی میں فرق ہے۔ جیسے نفسانی کیفیات ہیں اور وہ ظاہر ہوتی ہیں مادے کی صورت میں۔ انکا اپنے اظہار کیلئے مادے کی ضرورت ہوتی ہے۔

تصوف ہے' کرامت ہے' کشف ہے' یہ سب مادی سے تعلق رکھتے ہیں لیکن روحانی سے بے نیاز ہیں' مادے سے مادہ اس کا ادراک نہیں کر سکتا۔

حضور صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں کہ نماز کی ٹھنڈک مادی ہے۔ اس کی مثال ہی نہیں مل سکتی۔ تم کو مادے سے کشف ہوگا' مادے میں تصوف ہوگا' کرامت ہوگی' مادے ہیں' وہ جو بھی پاکیزہ نفس ہیں' اعلیٰ مقام ہے نفس کا' تقویٰ کا' لیکن ہے یہ نفسانی روحانی جس کا ادراک مادے کے ساتھ نہ ہو۔

بھئی یاد رکھنا لطیف بات ہے۔ کیا کیا یاد رکھو گے۔ تکرار کرتے رہو۔ خود بخود دروازے کھلیں گے۔ خود بخود ادراک ہوگا۔ احساس ہوگا' روز اول میں کہاں سے آ ؤ گے۔ ایک چھوٹے سے بچے کو کہو کہ ہم شادی کر رہے ہیں مچل گیا' ایک بچے کے بڑے بھائی کی شادی ہو رہی تھی' وہ پانچ چھ برس کا بچہ کہہ رہا ہے' میرا بھی نکاح پڑھواؤ۔ ضد کر رہا ہے' تو بھئی ہم لوگوں کی ایسی حالت ہے۔ بھئی اللہ تعالیٰ سب کو فہم سلیم عطا فرمائے اور ہمیں اچھے اعمال کی توفیق عطا فرمائے۔ اللھم لک الحمد و لک الشکر۔ (خطبات عارفی)

سنتیں اور نوافل

جن کی قدر روز محشر ہو گی

صحیح مسلم میں ام المومنین حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جو مسلمان ہر دن اللہ کے لئے بارہ رکعت نفل پڑھے جو فرض کے سوا ہیں تو اس کے لئے اللہ تعالیٰ بہشت میں گھر بنا دیتا ہے۔ ترمذی کی روایت میں ان بارہ رکعتوں کی تفصیل اس طرح آئی ہے کہ چار رکعت فرض ظہر سے پہلے اور دو رکعت بعد فرض ظہر کے اور دو رکعت فرض مغرب کے بعد اور دو رکعت فرض عشاء کے بعد اور دو رکعت فجر سے پہلے۔

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم خود ان بارہ رکعتوں کو گھر میں پڑھا کرتے تھے۔ اور جو عمل ایسا ہو کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اس کی فضیلت بتائیں اور خود بھی ہمیشہ کریں وہ سنت موکدہ ہوتا ہے جو شخص بلا عذر اس کو ترک کرے اور اس کے ترک پر اصرار کرے وہ گمراہ ہے اس کو سخت ملامت کی جائے۔ (ردالمختار)

ان سنتوں کی مشروعیت کی حکمت یہ ہے کہ فرض میں جو نقصان رہے وہ کمی ان سے پوری کی جائے۔ انسان خواہ کتنا ہی عالم، صالح، ولی اور بلند مرتبہ ہو کچھ نہ کچھ تقصیر اور کوتاہی اس کے عمل میں رہ جاتی ہے پس فرائض میں جو کمی ہوگی وہ سنتوں اور نوافل سے پوری کی جائے گی۔

قیامت کے دن نوافل کے قدر ہو گی

حدیث شریف میں ہے کہ قیامت کے دن اول اول بندہ کا حساب نماز سے شروع ہو گا۔ پس جس کی نماز صحیح اور کامل نکلی تو اس کا چھٹکارا ہو جائے گا اور باقی سب معاملات سدھر

جاویں گے۔ جس کی نماز فاسد نکلی وہ ناکام ہوگا اور سخت ٹوٹے میں رہے گا۔ اگر نماز فاسد تو نہیں مگر اس میں کچھ کمی اور نقصان ہے تو اب اللہ سبحانہٗ وتعالیٰ فرشتوں سے فرماوے گا دیکھو اس میرے بندے کے کچھ نوافل بھی ہیں۔ پس اگر نوافل ہوں گے تو فرضوں کی کمی ان سے پوری کی جائے گی۔ پھر باقی اعمال کے حساب کتاب میں یہی طریقہ استعمال ہوگا۔ باقی رہی یہ بات کہ انبیاء علیہم السلام بھی نوافل ادا کرتے ہیں اور ان کی نماز فرض میں خلل نہیں ہوتا تو اس کا جواب یہ ہے کہ چونکہ انبیاء کے نوافل ادا کرنے سے امت کے لئے ایک دستور ٹھہر جاتا ہے اس لئے وہ تشریع کے لئے سب لوگوں کی طرح التزاماً پڑھتے ہیں اور انبیاء علیہم السلام کے حق میں نوافل رفع درجات کا فائدہ دیتے ہیں۔

فرض سے پہلے سنت پڑھنے میں حکمت

قاضی خاں رحمۃ اللہ علیہ نے کہا ہے کہ فرض سے پہلے جو سنتیں پڑھی جاتی ہیں وہ اس لئے مشروع ہوئیں کہ شیطان ناامید ہو جائے۔ وہ سنت پڑھتے دیکھ کر کہتا ہے کہ جو عمل اس پر فرض نہ تھا اس کے ترک کرنے کے لئے اس نے میرا کہنا نہ مانا تو جو عمل اس پر ضروری اور فرض کر دیا گیا ہے اس کے ترک کرنے میں یہ میری بات کب مانے گا (مراقی الفلاح)

نیز اس کے علاوہ یہ حکمت بھی ہے کہ چونکہ اشغال دنیاوی خدا کی یاد سے انسان کو غافل کر دیتے ہیں۔ لہٰذا ایسی بات کی ضرورت ہوئی کہ اس کدورت کو صاف کرنے کی غرض سے سنتوں کو قبل از فرائض کا استعمال کریں تا کہ فرائض کا شروع کرنا ایسے وقت میں پایا جائے کہ تمام مشغلوں سے دل خالی ہو۔ یہ تو قبل کی سنتوں کی حکمت ہوئی اور بسا اوقات آدمی اس طرح نماز پڑھ لیتا ہے کہ بوجہ عدم رعایت آداب نماز کا فائدہ اس کو پوری طرح حاصل نہیں ہوتا اس لئے ضروری ہوا کہ فرائض کے بعد بھی اس مقصود کے پورا کرنے کیلئے کچھ نماز مقرر کی جائے تا کہ جو کمی وقصور فرائض میں ہو سنتوں کے ذریعہ سے اس کی تکمیل ہو جائے۔

مادے سے روحانیت تک قابل بنانے والی چیز

نوافل کے اصل معنیٰ زوائد کے ہیں۔ اور حدیثوں میں فرض نمازوں کے علاوہ باقی سب نمازوں کو نوافل کہا گیا ہے۔ حاصل یہ ہے کہ نماز اللہ تعالیٰ کی ایک اہم ترین عبادت ہے۔ یہاں تک کہ یہ مومنوں کے لئے معراج ہے۔ نماز میں اللہ تعالیٰ کے انوار و تجلیات مومن کے دل پر نازل ہوتے ہیں اور بندے کو خدا تعالیٰ کا انتہائی قرب نصیب ہوتا ہے۔

چونکہ ہمیں دنیاوی کاموں سے نکل کر یک دم نماز میں مشغول ہونا پڑتا ہے اور نفس چونکہ امور دنیا کی انجام دہی کی وجہ سے مادیت کے ساتھ مکمل طور پر وابستہ ہوتا ہے اور ایک ہی جست میں مادیت سے کٹ کر مکمل طور پر روحانیت کے ساتھ تعلق ہو جانا بہت مشکل امر ہے اس لئے پہلے بندہ کو پانی کے ساتھ ہاتھ پاؤں اور چہرہ کے دھونے یعنی وضو کرنے کا حکم دیا جاتا ہے۔ گویا کہ یہ مادیت سے پاک ہونے کی پہلی علامت یا ایک نفسیاتی تاثر ہے اس کے بعد وہ تحیۃ الوضو کے نوافل یا موکدہ و غیر موکدہ سنتیں پڑھتا ہے۔ یہ گویا نماز میں مکمل طور پر مادیت سے منہ موڑ کر خدا تعالیٰ کے ساتھ متعلق ہو جانے کی مشق ہے۔ جب وضوٗ نوافل اور سنتوں سے بندہ فارغ ہو چکتا ہے تو اس عرصہ میں اس کے دل کی توجہ پستیوں سے ہٹ کر بلندیوں کی طرف مرکوز ہو چکی ہوتی ہے یا یوں سمجھئے کہ مادیت سے کٹ کر روحانیت سے وابستہ ہو چکی ہوتی ہے۔ اب اس کا دل تجلیات الٰہی کے مشاہدے کے لئے آمادہ اور مہبط انوار بننے کے لائق ہو چکا ہوتا ہے۔ چنانچہ اس وقت وہ فرض نماز میں مشغول ہوتا ہے اب وہ مکمل طور پر روحانیت سے متعلق ہو جاتا ہے۔ یا یوں کہہ لیجئے کہ انوار الٰہیہ کے گہرے سمندر میں ڈوب جاتا ہے۔ جب بندہ نماز سے فارغ ہوتا ہے تو وہ اپنی بشریت کی کوتاہیوں اور کمزوریوں کے پیش نظر یہ محسوس کرتا ہے کہ اگرچہ میں نے اللہ تعالیٰ کے حکم کے مطابق نماز تو پڑھ لی ہے لیکن حق تو یہ ہے کہ حق ادا نہ ہوا۔ چنانچہ وہ فرض نماز میں بشری کمزوریوں کی بے جا مداخلت کے کفارے کے طور پر اور اپنی انسانی کمزوریوں کے سبب ادائے حق بندگی میں اپنی کوتاہیوں کی تلافی کی خاطر پھر سنتوں اور نفلوں میں مصروف ہو جاتا ہے۔ تو گویا فرض

سے پہلے پڑھی جانے والی نماز فرض نماز کو صحیح طور پر پڑھنے کی استعداد پیدا کرنے کے لئے ہوتی ہے اور اس کے بعد پڑھی جانے والی نماز فرض نماز میں اپنی کوتاہیوں اور کمیوں کی غرض سے ہوتی ہے ورنہ اصل نماز جو مقصود بالذات ہے وہ تو فرض نماز ہی ہے۔ باقی ہر قسم کی نمازیں فرض نماز کی خاطر اور اس کے تابع ہیں۔

حدیث شریف میں ہے جس نے نماز نفل پڑھی عصر سے پہلے چار رکعت' حرام کر دے گا اس کو اللہ تعالیٰ دوزخ پر (رواہ طبرانی)

مطلب یہ ہے کہ اس نماز کو ہمیشہ پڑھنے سے نیکی کرنے اور بدی سے بچنے کی توفیق ہو گی۔ جس کی برکت سے جہنم سے نجات ملے گی۔ مگر یہ ضرور ہے کہ عبادت اس قدر کرے جس کا نباہ ہمیشہ ہو سکے۔ اگر چہ تھوڑی ہی ہو۔ یوں کبھی کسی مجبوری سے ناغہ ہو جائے وہ دوسری بات ہے۔ سو جب نوافل پڑھنا شروع کرے تو ہمیشہ اس کو نباہنا ضرور ہے۔ شروع کر کے چھوڑ دینا بہت بری بات ہے۔ اور شروع نہ کرنے سے یہ فعل بہت زیادہ برا ہے۔

تہجد کی فضیلت اور اہمیت

عشاء اور فجر کے درمیان کوئی نماز فرض نہیں کی گئی ہے۔ اگر عشاء اول وقت ہی میں پڑھ لی جائے یا کچھ دیر کر کے بھی پڑھی جائے تو فجر تک بہت بڑا وقت خالی رہ جاتا ہے یہ وقت اس لحاظ سے نہایت قیمتی ہوتا ہے کہ فضاء میں جیسا سکون رات کے سناٹے میں ہوتا ہے ایسا دوسرے کسی وقت میں نہیں ہوتا اور اگر عشاء کے بعد آدمی کچھ دیر کے لئے سو جائے اور آدھی رات گزرنے کے بعد کسی وقت اٹھ جائے جو تہجد کا اصلی وقت ہے تو پھر اس وقت جیسی یکسوئی اور دلجمعی کے ساتھ نماز نصیب ہو جاتی ہے وہ دوسرے وقت نصیب نہیں ہوتی۔ علاوہ ازیں اس وقت بستر چھوڑ کر نماز پڑھنا نفس کی ریاضت اور تربیت کا بھی خاص وسیلہ ہے۔ قرآن مجید میں یہ بھی فرمایا گیا ہے۔ اِنَّ نَاشِئَةَ الَّيْلِ هِيَ اَشَدُّ وَطْاً وَّاَقْوَمُ قِيْلاً یعنی رات میں نماز کے لئے کھڑا ہونا نفس کو بہت دبانے والا عمل ہے اور اس وقت دعا یا قرأت میں جو زبان سے نکلتا ہے وہ بالکل ٹھیک اور دل کے مطابق یعنی دل سے نکلتا ہے۔

دوسری جگہ قرآن مجید میں ایسے بندوں کی تعریف ان الفاظ میں کی گئی ہے۔

تَتَجَافٰى جُنُوْبُهُمْ عَنِ الْمَضَاجِعِ يَدْعُوْنَ رَبَّهُمْ خَوْفًا وَّ طَمَعًا

یعنی ان کے پہلو اس وقت میں جو لوگوں کے سونے کا خاص وقت ہے خواب گاہوں سے الگ رہتے ہیں وہ اس وقت اپنے پروردگار سے امید و بیم کے ساتھ دعائیں کرتے ہیں۔ آگے فرمایا گیا ہے کہ ان بندوں کے اس عمل کا جو انعام اور صلہ جنت میں ملنے والا ہے۔ جس میں ان کی آنکھوں کی ٹھنڈک کا پورا سامان ہے۔ اس کو اللہ کے سوا کوئی بھی نہیں جانتا۔ (سورۃ السجدہ)

قرآن مجید میں ایک موقع پر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو تہجد کا حکم دینے کیساتھ آپ کو مقام محمود کی امید دلائی گئی ہے کہ اے نبی آپ اس قرآن کے ساتھ تہجد پڑھئے۔ یعنی تہجد میں خوب قرآن پڑھا کیجئے۔ یہ حکم آپ کیلئے زائد اور مخصوص ہے۔ امید رکھنا چاہئے کہ آپ کو آپ کا رب مقام محمود پر فائز کرے گا۔

مقام محمود اور تہجد میں خاص مناسبت

''مقام محمود'' عالم آخرت میں اور جنت میں بلند ترین مقام ہوگا۔ اس آیت سے معلوم ہوا کہ مقام محمود اور نماز تہجد میں کوئی خاص نسبت اور تعلق ہے اس لئے جو امتی نماز تہجد سے شغف رکھیں گے۔ ان شاء اللہ مقام محمود میں کسی درجہ کی حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی رفاقت ان کو بھی نصیب ہوگی۔ نیز احادیث صحیحہ سے معلوم ہوتا ہے کہ رات کے آخری حصے میں اللہ تعالیٰ اپنے پورے لطف و کرم اور اپنی خاص شان رحمت کے ساتھ اپنے بندوں کی طرف متوجہ ہوتا ہے۔ اور جن بندوں کو ان باتوں کا کچھ احساس و شعور بخشا گیا ہے وہ اس مبارک وقت کی خاص برکات کو محسوس بھی کرتے ہیں۔

خاص وقت کی خاص برکات حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہمارا مالک اور رب تبارک وتعالیٰ ہر رات کو جس وقت آخری تہائی رات باقی رہ جاتی ہے سماء دنیا کی طرف نزول فرماتا ہے اور ارشاد فرماتا ہے کون ہے جو مجھ سے دعا کرے اور میں اس کی دعا قبول کروں۔ کون ہے جو مجھ سے مانگے میں اس کو عطا کروں۔ کون

ہے جو مجھ سے مغفرت اور بخشش چاہے میں اس کو بخش دوں۔ (صحیح بخاری ومسلم)

تشریح: سماء دنیا کی طرف اللہ تعالیٰ کا نزول فرمانا جس کا اس حدیث میں ذکر ہے۔ اللہ تعالیٰ کی ایک صفت اور اس کا ایک فعل ہے جس کی حقیقت ہم نہیں جانتے۔ جس طرح ید اللہ، وجہ اللہ، اور استویٰ علی العرش اور اس کے عام صفات وافعال کی حقیقت اور کیفیت بھی ہم نہیں جانتے۔ اللہ تعالیٰ کی ذات اور صفات وافعال کی حقیقت اور کیفیت کے علم سے اپنی عاجزی اور جہالت کا اقرار واعتراف ہی علم ہے۔ ائمہ سلف کا طریقہ اور مسلک یہی رہا ہے کہ ان کے بارے میں اپنی نارسائی اور بے علمی کا اقرار کیا جائے اور ان کی کیفیت اور حقیقت کا علم دوسرے متشابہات کی طرح خدا کے سپرد کیا جائے اور مانا جائے کہ جو بھی حقیقت ہے وہ حق ہے۔ لیکن اس حدیث کا یہ پیغام بالکل واضح ہے کہ رات کے آخری تہائی حصے میں اللہ تعالیٰ اپنی خاص شان رحمت کے ساتھ بندوں کی طرف متوجہ ہوتا ہے اور خود ان کو دعا اور سوال اور استغفار کے لئے پکارتا ہے۔

رات کے پچھلے حصے میں کچھ دولت بانٹی جاتی ہے
جو جاگت ہے سو پاوت ہے جو سووت ہے سو کھووت ہے

جو بندے اس حقیقت پر یقین رکھتے ہیں ان کے لئے اس وقت بستر پر سوتے رہنا اس سے زیادہ مشکل ہوتا ہے جتنا دوسروں کے لئے اس وقت بستر چھوڑ کر کھڑا ہونا۔ اللہ تعالیٰ اپنے فضل سے اس حقیقت کا ایسا یقین نصیب فرمائے جو اس وقت بے چین کر کے اللہ تعالیٰ کے دربار کی حاضری اور دعا وسوال واستغفار کے لئے کھڑا کر دیا کرے۔ صحیح مسلم میں حضرت ابو ہریرہؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ فرض نماز کے بعد سب سے افضل درمیانی رات کی نماز ہے۔ (یعنی تہجد)

حضرت ابو امامہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا تم ضرور پڑھا کرو تہجد کیونکہ وہ تم سے پہلے صالحین کا طریقہ اور شعار رہا ہے اور قرب الٰہی کا خاص وسیلہ ہے اور وہ گناہوں کے برے اثرات کو مٹانے والی اور معاصی سے روکنے والی چیز ہے۔ (جامع ترمذی)

نماز تہجد عظیم ترین دولت ہے

حضرت جنید بغدادی رحمۃ اللہ علیہ کے بارے میں منقول ہے کہ ان کے وصال کے بعد بعض حضرات نے ان کو خواب میں دیکھا تو پوچھا کہ کیا گزری اور آپ کے پروردگار نے آپ کے ساتھ کیا معاملہ کیا؟ جواب میں فرمایا۔ کہ حقائق و معارف کی جو اونچی اونچی باتیں ہم عبارات و اشارات میں کیا کرتے تھے وہ سب وہاں ہوا ہو گئیں اور بس وہ رکعتیں کام آئیں جو رات میں ہم پڑھا کرتے تھے۔ ذرا غور کرو کہ کس قدر نفع ہے اس نماز کے پڑھنے میں کہ ثواب بھی گناہوں کی معافی اور گناہوں سے روک دینا بھی اور جسمانی مرض کی شفا بھی اور باطنی بیماریوں کی تو شفا ہے ہی۔ سب سے بڑھ کر یہ کہ مغفرت کا باعث بھی ہے۔

تہجد کے وقت خاص طور پر دعا قبول ہوتی ہے' ضرور پڑھنا چاہئے۔ حضرت امام ابو حنیفہ رحمۃ اللہ علیہ نے چالیس سال تک عشاء کے وضو سے صبح کی نماز پڑھی ہے۔ رات بھر خدا کی عبادت کرتے تھے۔ بعض احادیث میں آیا ہے کہ حضرت داؤد علیہ السلام نے اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں عرض کیا کہ اے اللہ میں تیری عبادت کرنا چاہتا ہوں اس کے لئے بہتر وقت کونسا ہے۔ ارشاد ہوا۔ کہ بہتر یہ ہے کہ تو نصف رات کو اٹھ تا کہ مجھ سے خلوت میں ملے۔ اس وقت تو مجھ سے اپنی حاجتیں بیان کر۔

عمرو بن العاص رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں کہ رات کی ایک رکعت نماز دن کی دس رکعت سے بہتر ہے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے جبرائیل علیہ السلام سے پوچھا کہ رات کے کس وقت میں دعا قبول ہوتی ہے۔ آپ نے فرمایا کہ سحری کے وقت۔ اس وقت عرش عظیم بھی کانپتا ہے۔ اللہ تعالیٰ کے قرب کا بہترین وقت ہے۔ تہجد کی نماز کا اخیر رات میں پڑھنا افضل ہے۔ نصف شب کو اٹھ کر تہائی رات کی مقدار نماز پڑھے۔ اور چھٹا حصہ رات کا پھر سو رہے۔ (ردالمحتار)

تعداد رکعات تہجد..... نماز تہجد ادنیٰ درجہ کی دو رکعت ہیں۔ اور درمیانہ درجہ چار رکعت' اور اکثر آٹھ رکعت اور پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم کے عمل میں چار سے کم اور بارہ سے زیادہ ثابت نہیں۔

جو شخص تہجد پڑھنے کا عادی ہو اس کو تہجد کا چھوڑ دینا مکروہ ہے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ

وسلم نے ابن عمر رضی اللہ عنہما سے فرمایا کہ فلاں شخص کی طرح نہ ہو جو تہجد پڑھا کرتا تھا پھر چھوڑ بیٹھا اس لئے ہر شخص کو مناسب ہے کہ اتنے ہی عمل کا بیڑا اٹھائے جس کو نباہ سکے۔ یہ جو بعض لوگ کہتے ہیں کہ جو شخص تہجد پڑھا کرتا تھا پھر چھوڑ دے تو وہ اندھا ہو جاتا ہے اس کی کچھ اصل نہیں۔ بہر حال حق سبحانہ وتعالیٰ جل جلالہ رات کی نماز پڑھنے والوں پر خصوصی نظر رحمت فرماتے ہیں جبرائیل علیہ السلام کو ارشاد ہوتا ہے کہ جو لوگ میرے کلام سے لذت حاصل کرنے والے ہیں وہ میرے سامنے ہیں۔ پھر ان لوگوں سے مخاطب ہو کر ارشاد فرماتے ہیں کیا تم نے کسی دوست کو دیکھا ہے جو اپنے احباب کو عذاب دیتا ہو۔ پھر مجھے یہ کیونکر مناسب ہے کہ میں عذاب دوں ان لوگوں کو کہ جب رات ہوتی ہے تو وہ میری خوشامد کرنے کھڑے ہو جاتے ہیں۔ قسم ہے اپنی ذات کی جب وہ قیامت میں میرے پاس حاضر ہوں گے تو میں اپنا دیدار انہیں دکھاؤں گا تا کہ وہ مجھے دیکھیں اور میں انہیں دیکھوں۔ رضی اللہ تعالیٰ عنھم و نفعنابھم۔

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا' اللہ کی رحمت اس بندے پر ہے جو رات کو اٹھا اور اس نے نماز تہجد پڑھی اور اپنی بیوی کو بھی جگایا اور اس نے بھی نماز پڑھی اور اگر وہ نیند کے غلبہ کی وجہ سے نہیں اٹھی تو اس کے منہ پر پانی کا ہلکا سا چھینٹا دے کر اس کو بیدار کر دیا۔ اسی طرح اللہ کی رحمت اس بندی پر ہے جو رات کو نماز تہجد کے لئے اٹھی اور اس نے نماز ادا کی اور اپنے شوہر کو بھی جگایا۔ پھر اس نے بھی اٹھ کر نماز پڑھی۔ اگر وہ نہ اٹھا تو اس کے منہ پر پانی کا ہلکا سا چھینٹا دے کر اٹھا دیا۔ (سنن ابی داؤد۔ سنن نسائی)

حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی ترغیب انہی خوش نصیب شوہروں اور بیویوں کے لئے ہے جو اس کے اہل ہوں اور وہ بذات خود بھی اس عظیم نعمت نماز تہجد کے قدر شناس اور شائق ہوں۔

حضرت عمر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا جو شخص رات کو سوتا رہ گیا اپنے مقررہ ورد یا اس کے کسی جز سے۔ پھر اس نے اس کو پڑھ لیا نماز فجر اور نماز ظہر کے درمیان تو لکھا جائے گا اس کے حق میں جیسے اس نے پڑھا ہے رات ہی میں۔ (صحیح مسلم)

مطلب یہ ہے کہ جس شخص نے رات کے لئے اپنا کوئی ورد مقرر کر لیا ہو مثلاً یہ کہ میں اتنی رکعتیں پڑھا کروں گا اور اس میں اتنا قرآن مجید پڑھوں گا اور وہ کسی رات سوتا رہ گیا اور

اس کا پورا اور دیا کوئی جز فوت ہو جائے تو اگر وہ اسی دن ظہر سے پہلے پہلے اس کو پڑھ لے تو حق تعالیٰ اس کے لئے رات کے پڑھنے کے برابر ثواب عطا فرمائیں گے۔

حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ جب بیماری وغیرہ کسی عذر کی وجہ سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی نماز تہجد فوت ہو جاتی تو آپ دن کو پڑھ لیتے تھے۔ اس لئے ہم کو بھی چاہئے کہ نماز تہجد کا ناغہ نہ ہو۔ رات کو جاگ نہ آئے یا کسی اور عذر کی وجہ سے نہ پڑھ سکیں تو اشراق کے وقت پڑھ لیا کریں۔

فضائل تہجد

رات کے گھپ اندھیروں میں جب کہ پورا عالم محو استراحت ہوتا ہے اور ہر طرف ہو کا عالم ہوتا ہے، انسان، چرند، پرند، درند غرض ہر مخلوق اپنے آشیانے میں دبکی پڑی ہوتی ہے کہ کچھ دیوانے نرم وگرم بستر چھوڑ کر محبوب حقیقی کی محبت سے سرشار یکلخت اٹھتے ہیں یہ وہ برگزیدہ مخلوق ہے جسکے دل اللہ تعالیٰ کی محبت سے معمور ہیں یہ لوگ زمین کی کور باطن مخلوق کی نگاہوں سے اوجھل مگر آسمانی مخلوق کے سامنے روشن اور تابناک یوں جگمگاتے ہیں جیسے زمین والوں کی نظر میں تارے، ان کے دلوں میں ایک سوز ہوتا ہے، ایک درد ہوتا ہے جو ہر دم انہیں بے کل اور بے چین رکھتا ہے، ان کو اگر کوئی دھن ہے تو ایک ہی وہ یہ کہ اللہ تعالیٰ راضی ہو جائے۔

رات کا ایک بڑا حصہ گزر چکا ہے، تمام دنیا خواب غفلت میں مدہوش ہے اور یہ عاشق اپنے محبوب کے سامنے جھولی پھیلائے اس سے محبت کی بھیک مانگ رہے ہیں، آنسو بہا رہے ہیں گڑگڑا رہے ہیں اور آہیں بھر رہے ہیں ادھر آسمانوں پر رحمت کے دروازے کھل رہے ہیں حوران بہشت اپنی نغمگین آواز میں ان کو اپنی طرف متوجہ کر رہی ہیں ''کوئی ہے جو ہمیں حاصل کرے'' لیکن ان کی نگاہ ''یک بین'' حوروں پر بھی نہیں پڑتی ان کا منتہائے مقصود تو محبوب حقیقی کا وصال اور اس کی رضا جوئی ہے۔

اب رات کا آخری پہر ہے، رحمتوں کی موسلا دھار بارش شروع ہو چکی ہے، اللہ سوال کرنے والوں کو عطا فرما رہا ہے، اعلان ہو رہا ہے مانگو! کیا مانگتے ہو؟ جو مانگو گے عطا ہو گا، پھر رضاء الٰہی

کے پروانہ جاری ہونے لگتے ہیں، یہی ان کا مقصد حیات اور یہی ان کی معراج ہے جس کی خاطر یہ روزانہ اپنے نرم نرم بستر اور میٹھی میٹھی نیند قربان کر کے اٹھ بیٹھتے ہیں اور دربار الٰہی میں پروانہ وار حاضر ہو جاتے ہیں ان کے اسی حال کو شاعر مشرق نے ان الفاظ میں بیان کیا ہے۔

واقف ہو اگر لذت بیداریٔ شب سے　　　اونچی ہے ثریا سے بھی یہ خاک پراسرار

ان سعید روحوں کی سعادت کا اندازہ اس سے لگایئے کہ اللہ تعالیٰ ان کا تذکرہ قرآن مجید میں فرما رہے ہیں: **تَتَجَافٰى جُنُوْبُهُمْ عَنِ الْمَضَاجِعِ يَدْعُوْنَ رَبَّهُمْ خَوْفًا وَّ طَمَعًا** (سورۃ سجدہ ۱۶) ترجمہ: ان کے پہلو خوابگاہوں سے علیحدہ ہوتے ہیں اس طور پر کہ وہ اپنے رب کو (ثواب کی) امید اور (عذاب کے) خوف سے پکارتے ہیں۔

علامہ فخر الدین رازیؒ فرماتے ہیں کہ "یدعون" سے مراد "یصلون" ہے یعنی رات کو نماز پڑھنا مراد ہے" اللہ تعالیٰ کی راہ میں جان و مال کھپانے والے جوان جوان ہمت لوگوں کیلئے اللہ تعالیٰ کے ہاں انعام واکرام ہوگا؟ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں یہ تمہارے ناقص تصور اور تخیل سے بالا ہے۔

فَلَا تَعْلَمُ نَفْسٌ مَّآ اُخْفِيَ لَهُمْ مِّنْ قُرَّةِ اَعْيُنٍ (سورۃ السجدۃ ۱۷) ترجمہ: نہیں جانتا کوئی جی جو چھپا کے رکھی گئی ہے ان کے لئے آنکھوں کی ٹھنڈک، یہاں ان لوگوں کا انعام واضح طور پر بیان نہیں فرمایا ان کیلئے آنکھوں کی ٹھنڈک چھپا کر رکھی گئی ہے اس کو کوئی نفس نہیں جانتا انعام کے اس اخفاء میں اس کی عظمت کی طرف اشارہ ہے نیز اس کے اخفاء سے ان لوگوں کو شوق دلانا مقصود ہے جو اس عظیم عمل سے محروم ہیں۔

ایک مقام پر اللہ تعالیٰ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے واسطے سے امت کو تہجد کی ترغیب دیتے ہوئے فرماتے ہیں:

وَمِنَ الَّيْلِ فَتَهَجَّدْ بِهٖ نَافِلَةً لَّكَ. عَسٰٓى اَنْ يَّبْعَثَكَ رَبُّكَ مَقَامًا مَّحْمُوْدًا (الاسراء ۷۹) ترجمہ: اور کسی قدر رات کے حصہ میں تہجد پڑھا کریں جو کہ آپ کیلئے ایک زائد چیز ہے امید ہے کہ آپ کو آپ کا رب مقام محمود میں جگہ دے گا۔

مجدد الف ثانی رحمہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں کہ "اس آیت میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو اول نماز تہجد کا حکم دیا گیا پھر مقام محمود یعنی شفاعت کبریٰ کا وعدہ کیا گیا اس سے معلوم ہوتا

ہے کہ نماز تہجد کو مقام شفاعت حاصل ہونے میں خاص دخل ہے'' (معارف القرآن ص ۲۰ ج ۵) اسی طرح متعدد احادیث میں بھی نماز تہجد کی فضیلت وارد ہے، حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد گرامی ہے: ''اے لوگو! سلام پھیلاؤ اور کھانا کھلاؤ اور رات کو جب لوگ سوئے ہوئے ہوں تو نماز پڑھو (اگر ایسا کرو گے) تو سلامتی کے ساتھ جنت میں داخل ہو جاؤ گے (ترمذی)

عام طور پر لوگ ان اعمال کو بالکل معمولی سمجھتے ہیں لیکن قدر شناسوں سے پوچھئے کہ یہ کیسی واردات بے بہا اور انمول خزانے ہیں اور پھر ان پر کوئی زیادہ محنت بھی خرچ نہیں ہوتی، بس ذرا سی ہمت چاہیئے، خود حضور علیہ السلام کی شان یہ تھی کہ حضرت عائشہؓ فرماتی ہیں: کہ تہجد میں قیام کرتے کرتے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاؤں میں پھٹن آجاتی تھی آگے چل کر فرماتی ہیں کہ میں نے عرض کیا اے اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم آپ کے لئے تو بخشش لکھ دی گئی ہے پھر آپ صلی اللہ علیہ وسلم کیوں اتنی مشقت برداشت فرماتے ہیں تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

''اَفَلاَ اَکُوْنَ عَبْداً شُکُوْراً'' کہ کیا میں اللہ کا شکر گزار بندہ نہ بنوں؟

یہ اس ذات اقدس کا حال ہے جس کیلئے سب سے پہلے جنت میں داخلہ کا وعدہ ہے ایک ہم ہیں کہ گناہوں کے بوجھ تلے دبے جارہے ہیں پھر بھی آخرت کی فکر نہیں، اعمال کا شوق نہیں، ہم میں سے کون ہے جو جنت کا طلبگار نہ ہوگا لیکن کبھی ہم نے اپنے اندر جھانک کر دیکھا؟ کبھی ہم نے اپنے اعمال کا موازنہ کیا کہ کیا وہ اس قابل ہیں کہ ہمیں جنت کا حق دار ثابت کرسکیں؟ کیا ہی خوش نصیب ہیں وہ لوگ جن کی راتیں نورانی ہیں اور کیا سعادت مند ہیں وہ نوجوان کہ جو اس جوانی میں لذت بیداری شب سے آشنا ہوتے ہیں یہی نوجوان روز قیامت رب ذوالجلال کے عرش تلے ہونگے کہ جس دن اس کے عرش کے سوا اور کوئی سایہ نہ ہوگا۔

اے جوانان سعادت مند! یہ نعمت اتنی سستی نہیں اس کیلئے آہ سحر گاہی کو اپنانا ہوگا، راتوں کو اٹھ اٹھ کر مالک کو منانا ہوگا، اس کے سامنے جھولی پھیلا کر گڑگڑانا ہوگا تب جا کر رضاء الٰہی کا گوہر مقصود حاصل ہوگا۔

''حضرت جنید بغدادی رحمہ اللہ تعالیٰ کی وفات کے بعد کسی نے ان کو خواب میں دیکھا اور ان سے ان کا حال دریافت کیا تو انہوں نے فرمایا۔

''عبارات اڑ گئیں، اشارات سب فنا ہو گئے اور ہمیں نفع نہیں دیا مگر ان چند رکعات نے جو ہم نے آدھی رات میں ادا کی تھیں''۔ (تفسیر عزیزی)

میں نے ایک صاحب دل سے بارہا سنا فرماتے تھے کہ ''جس کو جو کچھ ملا ہے تنہائی میں ملا ہے اسی بات کو اقبال مرحوم نے یوں سمجھانے کی کوشش کی ہے ۔

عطا رہو رومی ہو رازی ہو غزالی ہو　　کچھ ہاتھ نہیں آتا بے آہ سحر گاہی

صد ہزار آفرین ان لوگوں پر جو راتوں کو اٹھتے ہیں اور اپنے رب کے ساتھ راز و نیاز میں مشغول ہوتے ہیں، یہی لوگ ہوتے ہیں جو اوج ثریا پر پہنچتے ہیں ستاروں پر کمند ڈالتے ہیں اور زمانے میں علم و حکمت کا آفتاب بن کر چمکتے ہیں کہ جس کی ضیا پاشیوں سے ایک عالم منور ہوتا ہے، افسوس صد افسوس ہم پر کہ دن رات ہم جن مقدس ہستیوں کا نام لیتے ہیں اور ان کے مراتب تک پہنچنے کیلئے آہیں بھرتے ہیں ان کی زندگی کے عملی گوشے کو نظر انداز کر دیتے ہیں آج بھی اگر ہم ان جیسا اخلاص و عمل اپنے اندر پیدا کر لیں تو ہم میں بھی رومی، رازی و غزالی پیدا ہو سکتے ہیں آج بھی عقل کو ذخیرہ کرنیوالی علمی و اصلاحی خدمات دوبارہ وجود میں آسکتی ہیں لیکن اس کیلئے اسلاف کی طرح ہمیں بھی بیداری شب سے آشنا ہونا پڑے گا راتوں کی نیند قربان کرنا پڑے گی سوز دروں بیدار کرنا پڑے گا، بقول شاعر:

تو اے مسافر شب! خود چراغ بن اپنا　　کر اپنی رات کو داغ جگر سے نورانی

اللہ تعالیٰ ہمیں اسلاف کے نقش قدم پر چلنے کی اور ان کے اعمال کو اپنے اندر پیدا کرنے کی توفیق عطا فرمائیں، آمین۔

اشراق اور چاشت کے نوافل

جس طرح عشاء کے بعد سے لے کر طلوع فجر تک کے طویل وقفہ میں کوئی نماز فرض نہیں کی گئی لیکن اس درمیان میں تہجد کی نماز پڑھنے کی ترغیب دی گئی ہے اسی طرح فجر سے لے کر ظہر تک کے طویل وقفہ میں بھی کوئی نماز فرض نہیں کی گئی ہے مگر اس درمیان میں ''صلوٰۃ الضحیٰ'' کے عنوان سے کم از کم دو اور زیادہ جتنی ہو سکیں نفلی رکعتیں پڑھنے کی ترغیب دی گئی ہے۔

اگر یہ رکعتیں طلوع آفتاب کے تھوڑی ہی دیر کے بعد پڑھی جائیں تو ان کو اشراق کہا جاتا ہے ۔اگر دن اچھی طرح چڑھنے کے بعد پڑھی جائیں تو ان کو چاشت کہا جاتا ہے۔ حضرت شاہ ولی اللہ رحمۃ اللہ علیہ نے ان کی حکمت بیان کرتے ہوئے جو کچھ لکھا ہے اس کا حاصل یہ ہے کہ ''اہل عرب کے نزدیک دن جو صبح سے یعنی فجر کے وقت سے شروع ہوتا ہے اور جو چار چوتھائیوں میں تقسیم ہے جن کو چار پہر کہتے ہیں ۔ حکمت الٰہی کا تقاضا ہوا کہ دن کے ان چار پہروں میں سے کوئی پہر بھی نماز سے خالی نہ رہے۔ اس لئے پہلے پہر کے شروع میں نماز فجر فرض کی گئی۔ اور تیسرے اور چوتھے پہر میں ظہر وعصر اور دوسرا پہر جو عوام الناس کی معاشی مشغولیوں کی رعایت سے فرض نماز سے خالی رکھا گیا تھا اس میں نفل اور مستحب کے طور پر یہ ''صلوٰۃ الضحیٰ'' یعنی نماز چاشت مقرر کر دی گئی اور اس کے فضائل و برکات بیان کر کے اس کی ترغیب دی گئی۔ کہ جو بندگان خدا اپنے مشاغل سے وقت نکال کر اس وقت میں چند رکعتیں پڑھ سکیں وہ یہ سعادت حاصل کریں۔ پھر یہ ''صلوٰۃ الضحیٰ'' کم سے کم دو رکعت ہے اور اس سے زیادہ نفع بخش چار رکعت اور اس سے بھی افضل آٹھ رکعت۔ (حجۃ اللہ البالغہ)

جسمانی ہر جوڑ پر صدقہ ہے

حضرت ابوذر غفاری رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔ تم میں سے ہر شخص کے جوڑ جوڑ پر صبح کو صدقہ ہے یعنی صبح کو جب آدمی اس حالت میں اٹھتا ہے کہ اس کے ہاتھ پاؤں وغیرہ سب اعضاء اور بدن کا ہر جوڑ صحیح سلامت ہے تو اللہ کی اس نعمت کے شکریہ میں ہر جوڑ کی طرف سے اس کو صدقہ یعنی کوئی نیکی اور ثواب کا کام کرنا چاہئے۔ اور ایسے کاموں کی فہرست بہت وسیع ہے۔ پس ایک دفعہ سبحان اللہ کہنا بھی صدقہ ہے اور الحمد للہ کہنا بھی صدقہ ہے اور لآ الٰہ الا اللہ کہنا بھی صدقہ ہے اور اللہ اکبر کہنا بھی صدقہ ہے اور امر بالمعروف اور نہی عن المنکر بھی صدقہ ہے اور اس شکر کی ادائیگی کے لئے دو رکعتیں کافی ہیں جو آدمی چاشت کے وقت پڑھے (صحیح مسلم)

مطلب یہ ہے کہ آدمی کو اپنے ہر جوڑ کی طرف سے شکرانہ کا جو صدقہ ہر روز صبح کو ادا

کرنا چاہئے چاشت کی دو رکعتیں پڑھنے سے وہ پوری طرح ادا ہو جاتا ہے اور اللہ تعالیٰ اس مختصر شکرانے کو اس کے ہر جوڑ کی طرف سے قبول فرمالیتا ہے۔ غالباً اس کی وجہ یہ بھی ہے کہ نماز ایسی عبادت ہے جس میں انسان کے سارے اعضاء اور اس کے تمام جوڑ اور اس کا ظاہر و باطن سب ہی شریک رہتے ہیں۔ واللہ اعلم

حضرت ابوالدرداء اور حضرت ابوذر غفاری رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اللہ تعالیٰ کی طرف سے نقل کیا ہے کہ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے کہ اے فرزند آدم! تو دن کے ابتدائی حصے میں چار رکعتیں میرے لئے پڑھا کر۔ میں دن کے آخری حصے تک تجھے کفایت کروں گا۔ (جامع ترمذی)

تشریح: اللہ کا جو بندہ رب کریم کے اس وعدہ پر یقین رکھتے ہوئے صبح یعنی اشراق یا چاشت کے وقت پورے اخلاص کے ساتھ چار رکعتیں اللہ تعالیٰ کے لئے پڑھے گا ان شاء اللہ اس حدیث قدسی کے مطابق وہ ضرور دیکھے گا کہ مالک الملک دن بھر کے اس کے مسائل کو کس طرح حل فرماتا ہے۔

معاذہ عدویہ بیان کرتی ہیں کہ میں نے حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے دریافت کیا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم چاشت کی نماز کی کتنی رکعت پڑھا کرتے تھے۔ انہوں نے فرمایا کہ چار رکعتیں۔ اور اس سے زیادہ جتنی اللہ چاہتا (صحیح مسلم)

تشریح: حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کی اس حدیث سے معلوم ہوتا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم جب چاشت کی نماز پڑھتے تھے تو اکثر چار رکعت پڑھتے تھے اور کبھی کبھی اس سے زیادہ بھی پڑھتے تھے لیکن خود حضرت عائشہ صدیقہؓ کا معمول آٹھ رکعت پڑھنے کا تھا اور ان کو یہ رکعتیں اتنی محبوب تھیں کہ فرماتی تھیں "لو نشرلی ابو ای ماترکتھا" اگر میرے والدین ماجدین پھر سے دنیا میں بھیج دیئے جائیں تو ان کی زیارت و ملاقات کی پر مسرت مشغولیت میں بھی میں ان رکعتوں کو نہیں چھوڑوں گی۔

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہٗ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جس نے دوگانہ چاشت کا اہتمام کیا اس کے سارے گناہ بخش دیئے جائیں گے۔ اگرچہ وہ کثرت میں سمندر کے جھاگوں کے برابر ہوں۔ (مسند احمد جامع ترمذی سنن ابن ماجہ)

یاد رکھیں کہ عبادات یا دوسرے اعمال صالحہ کی برکت سے گناہوں کی بخشش کے بارے میں جو وضاحت پہلے کئی بار کی جاچکی ہے وہ یہاں بھی ملحوظ رکھنی چاہئے کہ ان گناہوں سے صغیرہ گناہ مراد ہیں اور کبیرہ گناہ بغیر توبہ کے معاف نہیں ہوتے۔

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ میرے محبوب صلی اللہ علیہ وسلم نے مجھے تین باتوں کی خاص وصیت فرمائی ہے۔ ایک مہینے میں تین دن کے روزے۔ دوسرے چاشت کی دو رکعتیں اور تیسرے یہ کہ میں سونے سے پہلے ہی وتر پڑھ لیا کروں (صحیح مسلم)

فائدہ:۔ یہ بات پہلے بھی ذکر کی جاچکی ہے کہ عرف عام میں جو نماز آفتاب بلند ہونے کے بعد متصل پڑھی جائے اس کو اشراق اور جو اس کے بعد دھوپ پوری طرح پھیل جانے کے بعد پڑھی جائے اس کو چاشت یا ضحیٰ کہا جاتا ہے اور احادیث معتبرہ میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے ان دونوں وقتوں میں نماز پڑھنا ثابت ہے۔ پس معلوم ہوا کہ جو فضیلت نماز ضحیٰ کی احادیث میں مذکور ہے وہ نماز اشراق اور نماز چاشت دونوں کو شامل ہے ان میں سے جو بھی ادا کرلی جائے اس فضیلت کا مستحق ہوگا اور اگر دونوں کو جمع کرے تو سبحان اللہ۔

جامع صغیر میں یہ حدیث بھی ہے کہ جو شخص چاشت کی بارہ رکعت پڑھے تو اللہ اس کیلئے ایک محل سونے کا جنت میں تیار فرمائیگا۔ ذرا خیال فرمائیے کہ تھوڑی سی محنت میں کس قدر درجہ ملتا ہے۔

نماز اوابین

مغرب کے فرض اور سنتوں کے بعد کم سے کم چھ رکعتیں اور زیادہ سے زیادہ بیس رکعتیں پڑھے اس کو اوابین کہتے ہیں۔ حدیث شریف میں ہے جس نے مغرب اور عشاء کے درمیان چھ رکعت پڑھیں اسطرح کہ انکے درمیان کوئی بری بات نہ کی تو وہ بارہ برس کی (نفل) عبادت کے برابر (ثواب) میں شمار کی جائینگی۔ (رواہ فی الجامع الصغیر)

مطلب یہ ہے کہ ان چھ رکعات پڑھنے کا ثواب بارہ سال کی نفل عبادت کے برابر ہوگا۔

ایک حدیث میں ہے کہ جو مغرب اور عشاء کے درمیان بیس رکعت (نفل) پڑھے تو اللہ تعالیٰ اس کے لئے ایک مکان جنت میں بنائیں گے (رواہ الامام السیوطی)

مگر پڑھتا رہے جب یہ انعام اور برکت حاصل ہوگی۔

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جو شخص نماز مغرب کے بعد چار رکعت ادا کرے اور اس دوران میں بے ہودہ گفتگو نہ کرے تو فرشتے اس کے اس عمل کو علیین میں لے جاتے ہیں۔ اسے بڑا مرتبہ ملتا ہے گویا اس نے شب قدر کو مسجد اقصیٰ میں پالیا۔

حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ میں نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے سنا ہے کہ نماز مغرب کے بعد چار رکعت ادا کرنے والا ایسا ہے گویا اس نے دوبارہ حج کیا اور اس کے پچاس برس کے گناہ معاف کردیئے جاتے ہیں۔

صلوٰۃ التسبیح

حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک دن اپنے چچا حضرت عباس بن عبدالمطلب سے فرمایا۔ اے عباس، اے میرے محترم چچا! کیا میں آپ کی خدمت میں ایک گرانقدر عطیہ اور ایک قیمتی تحفہ پیش کروں؟ کیا میں آپ کو ایک خاص بات بتاؤں؟ کیا میں آپ کے دس کام اور آپ کی دس خدمتیں کروں (یعنی آپ کو ایک ایسا عمل بتاؤں جس سے آپ کو دس عظیم الشان منفعتیں حاصل ہوں) وہ ایسا عمل ہے کہ جب آپ اس کو کریں گے تو اللہ تعالیٰ آپ کے سارے گناہ معاف فرمادے گا۔ اگلے بھی اور پچھلے بھی، پرانے بھی اور نئے بھی، بھول چوک سے ہونے والے بھی اور دانستہ ہونے والے بھی۔ صغیرہ بھی اور کبیرہ بھی، ڈھکے چھپے بھی اور علانیہ ہونیوالے بھی (وہ عمل صلوٰۃ التسبیح ہے) (سنن ابی داؤد و ابن ماجہ)

عام معروف طریقہ...... صلوٰۃ التسبیح کا یہ ہے کہ آپ چار رکعت نماز کی نیت باندھیں اور جب آپ پہلی رکعت میں ثناء الحمد شریف اور سورۃ سے فارغ ہو جائیں تو قیام ہی کی حالت میں پندرہ دفعہ کہیں **سبحان اللہ والحمد للہ ولآ الٰہ الا اللہ واللہ اکبر** پھر اس کے بعد رکوع کریں۔ اور رکوع میں بھی یہی کلمہ **سبحان ربی العظیم** کے بعد دس دفعہ کہیں۔

پھر رکوع سے اٹھ کر قومہ میں بھی سمع اللہ لمن حمدہ کے بعد یہی کلمہ دس دفعہ کہیں۔ پھر سجدہ میں چلے جائیں اور اس میں بھی سبحان ربی الاعلیٰ کے بعد یہ کلمہ دس دفعہ کہیں۔ پھر سجدے سے اٹھ کر جلسہ میں یہی کلمہ دس دفعہ کہیں۔ پھر دوسرے سجدے میں بھی یہی کلمہ دس دفعہ کہیں پہلے کی طرح۔ پھر دوسرے سجدے کے بعد بھی (کھڑے ہونے سے پہلے) یہ کلمہ دس دفعہ کہیں۔ چاروں رکعتیں اسی طرح پڑھیں مگر یاد رکھیں کہ دوسری رکعت میں جب التحیات کے لئے بیٹھیں تو پہلے وہی کلمہ سبحان اللہ .... دس دفعہ پڑھ لیں تب التحیات پڑھیں۔ اسی طرح چاروں رکعتیں پوری کریں اور ترتیب سے ہر رکعت میں یہ کلمہ پچھتر دفعہ کہیں۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا میرے چچا اگر آپ سے ہو سکے تو روزانہ یہ نماز پڑھا کریں اگر روزانہ نہ پڑھ سکیں تو ہر جمعہ کے دن پڑھ لیا کریں اور اگر آپ یہ بھی نہ کر سکیں تو سال میں ایک دفعہ پڑھ لیا کریں اور اگر یہ بھی نہ ہو سکے تو کم از کم زندگی میں ایک دفعہ پڑھ لیں۔

صلوٰۃ التسبیح کا جو طریقہ اور اس کی جو ترتیب امام ترمذی وغیرہ نے حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما والی حدیث سے لی ہے اس میں دوسری عام نمازوں کی طرح قراءت سے پہلے ثناء یعنی **سبحانک اللھم و بحمدک** اور رکوع میں **سبحان ربی العظیم** اور سجدہ میں **سبحان ربی الاعلیٰ** پڑھنے کا ذکر نہیں ہے۔

اس نماز کا دوسرا طریقہ۔ یہ ہے کہ ہر رکعت کے قیام میں پہلے کلمہ **سبحان اللہ والحمد للہ ولآالٰہ الا اللہ واللہ اکبر** پندرہ دفعہ اور قراءت کے بعد رکوع میں جانے سے پہلے یہی کلمہ دس دفعہ پڑھے۔ اس طرح ہر رکعت کے قیام میں یہ کلمہ پچیس دفعہ ہو جائے گا اور اس طریقے میں دوسرے سجدے کے بعد یہ کلمہ کسی رکعت میں بھی نہیں پڑھا جائے گا۔ اس طرح اس طریقے کی ہر رکعت میں بھی اس کلمہ کی مجموعی تعداد پچھتر اور چاروں رکعتوں کی مجموعی تعداد تین سو ہی ہوگی۔ بہر حال صلوٰۃ التسبیح کے یہ دونوں ہی طریقے منقول اور معمول ہیں۔ پڑھنے والے کے لئے گنجائش ہے جس طرح چاہے پڑھے۔ صلوٰۃ التسبیح کا یہ دوسرا طریقہ امام ترمذی وغیرہ نے حضرت عبداللہ بن مبارک رحمہ اللہ سے روایت کیا ہے۔

سنن ابی داؤد کی ایک روایت میں ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے ایک

صحابی عبداللہ بن عمرو رضی اللہ عنہما کو صلوٰۃ التسبیح کی تلقین کرنے کے بعد ان سے فرمایا فانک لو کنت اعظم اھل الارض ذنباً غفرلک بذالک یعنی تم اگر بالفرض دنیا کے سب سے بڑے گنہگار ہوگے تو بھی اس کی برکت سے اللہ تعالیٰ تمہاری مغفرت فرمادے گا۔

اللہ تعالیٰ محرومی سے حفاظت فرمائے اور اپنے ان خوش نصیب بندوں میں سے کردے جو رحمت ومغفرت کے ایسے اعلانات کو سن کر ان سے فائدہ اٹھاتے اور ان کا حق ادا کرتے ہیں۔

خاص نکتہ...... حضرت شاہ ولی اللہ محدث دہلوی رحمۃ اللہ علیہ نے صلوٰۃ التسبیح کے بارے میں ایک خاص نکتہ لکھا ہے جس کا حاصل یہ ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے نمازوں میں خاص کر نفلی نمازوں میں بہت سے اذکار اور دعائیں ثابت ہیں۔ اللہ کے جو بندے ان اذکار اور دعاؤں پر ایسے قابو یافتہ نہیں ہیں کہ اپنی نمازوں میں ان کو پوری طرح شامل کرسکیں اور اس وجہ سے ان اذکار ودعوات والی کامل ترین نماز سے وہ بے نصیب رہتے ہیں ان کے لئے یہی صلوٰۃ التسبیح اس کامل ترین نماز کے قائم مقام ہوجاتی ہے کیونکہ اس میں اللہ کے ذکر اور تسبیح وتحمید کی بہت بڑی مقدار شامل کردی گئی ہے نیز چونکہ ایک ہی کلمہ بار بار پڑھا جاتا ہے اس لئے عوام کے لئے بھی اس نماز کا پڑھنا مشکل نہیں ہے۔

مسائل صلوٰۃ التسبیح

مسئلہ نمبر ا: صلوٰۃ التسبیح ایک نفل نماز ہے اس لئے جو احکام شرعیہ عام نوافل کے متعلق وارد ہوئے ہیں وہ یہاں بھی ملحوظ رکھے جائیں۔ مثلاً رات کو پڑھیں تو قراءت میں جہر واخفاء دونوں کا اختیار ہے اور اگر دن میں پڑھیں تو اخفاء کرنا لازم ہے اور تسبیحات مذکورہ بہر حال آہستہ پڑھنا چاہئے۔

مسئلہ نمبر ۲: یہ نماز اوقات مکروہہ یعنی آفتاب کے طلوع وغروب کے وقت اور نصف النہار کے وقت نہ پڑھے۔ اسی طرح جن اوقات میں نفل پڑھنا مکروہ ہے مثلاً نماز فجر کے بعد طلوع آفتاب سے پہلے اور عصر کے بعد غروب سے پہلے۔ ان میں بھی صلوٰۃ التسبیح نہ پڑھیں۔ افضل وقت اس نماز کا زوال آفتاب کے بعد نماز ظہر سے پہلے

ہے۔ حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما اور بہت سے علماء سلف جمعہ کے روز زوال کے بعد خطبہ جمعہ سے پہلے صلوٰۃ التسبیح پڑھا کرتے تھے۔

مسئلہ نمبر۳: صلوٰۃ التسبیح میں قراءت فاتحہ کے بعد اختیار ہے جو سورت بھی چاہے پڑھے۔ اور بعض روایات میں سورۃ زلزال اور عادیات اور سورۃ نصر اور سورۃ اخلاص منقول ہے۔ بعض روایات میں سورۃ تکاثر اور سورۃ عصر اور کافرون اور اخلاص وارد ہوئی ہیں۔

مسئلہ نمبر۴: رکوع سجدہ میں پہلے رکوع سجدہ کی تسبیحات معروضہ یعنی سبحان ربی العظیم رکوع میں تین مرتبہ اور سبحان ربی الاعلیٰ سجدہ میں تین مرتبہ پڑھے۔ اس کے بعد صلوٰۃ التسبیح کے کلمات تسبیح دس دس مرتبہ پڑھیں۔ ترمذی کی روایت میں حضرت عبداللہ بن مبارک رحمہ اللہ سے اسی طرح منقول ہے۔

مسئلہ نمبر۵: اگر تسبیحات کو انگلیوں پر شمار کرنے کی ضرورت محسوس کرے تو جائز ہے۔ مگر اس طرح کہ رکوع میں ہاتھ گھٹنے پر اور سجدے میں زمین پر اور قعدہ میں ران پر رہے۔

مسئلہ نمبر۶: دوسری رکعت کے بعد جب قعدہ اولیٰ میں بیٹھے تو پہلے تسبیحات مذکورہ پڑھے۔ پھر تشہد پڑھے۔

مسئلہ نمبر۷: اگر صلوٰۃ التسبیح میں کوئی سہو ہو جائے جس کے سبب سجدہ سہو کرنا پڑے تو سہو کے دونوں سجدوں میں تسبیحات مذکورہ نہ پڑھے کیونکہ اس نماز کی کل تسبیحات تین سو ہیں وہ چاروں رکعات میں پوری ہو چکیں۔

مسئلہ نمبر۸: صلوٰۃ التسبیح میں جو تسبیح پڑھی جاتی ہے اگر کوئی شخص کسی موقع پر یہ تسبیح پڑھنا بھول جائے یا تعداد میں کمی رہ جائے تو اس کا تدارک کس طرح کیا جائے۔ اس کے متعلق شیخ ملا علی قاری رحمۃ اللہ علیہ نے شرح مشکوٰۃ میں تحریر فرمایا ہے کہ ''اگر ایک جگہ میں یہ تسبیح رہ جائے یا سہواً کم پڑھی جائے تو جب یاد آئے اسی رکن میں رہے ہوئے عدد کی بھی قضا کر لی جائے۔ مثلاً رکوع میں دس مرتبہ تسبیح پڑھنا بھول گیا سجدہ میں یاد آیا تو سجدہ میں یہ دس بھی پڑھے اور سجدہ کی بھی۔ اس طرح بیس تسبیح سجدہ میں پڑھ لے۔ اسی طرح اگر یاد آیا کہ رکوع میں تین مرتبہ تسبیح کم پڑھی گئی تو سجدہ میں تیرہ مرتبہ پڑھ کر پورا کرے۔ ملا علی قاری رحمہ اللہ نے یہ حکم حضرت عبداللہ

بن مبارک رحمہ اللہ کی روایت سے اخذ کیا ہے۔جس میں تسبیحات کی مقررہ تعداد تین سو بتلائی ہے۔جس سے معلوم ہوتا ہے کہ تین سو کی مقدار پوری کرنا صلوٰۃ التسبیح کے لئے ضروری ہے۔

مسئلہ نمبر۹:اگر نماز پوری کرنے اور سلام پھیرنے کے بعد یاد آیا کہ کچھ تسبیحات کم پڑھی گئیں تو اس کی وجہ سے اس پر سجدہ سہو نہیں آتا کیونکہ سجدہ سہو ترک واجب پر مرتب ہوتا ہے اور یہ تسبیحات واجب نہیں۔اس صورت میں یہ نماز مطلق نفل ہوگئی۔اور صلوٰۃ التسبیح کا ثواب حاصل نہ ہوا۔

مسئلہ نمبر۱۰:اگر تسبیحات مذکورہ تعداد معینہ سے زیادہ پڑھی گئی اور اگر سہواً ایسا ہوگیا تو کوئی مضائقہ نہیں اور ثواب میں بھی کمی نہیں اور اگر قصداً ایسا کیا ہے تو بہت سے علماء کے نزدیک صلوٰۃ التسبیح کا خاص ثواب فوت ہوگیا کیونکہ جن اذکار میں سنت سے کوئی خاص عدد منقول ہے تو جس طرح اس عدد سے کمی اس کے اثر کو ضائع کر دیتی ہے اسی طرح زیادتی سے بھی وہ اثر ضائع ہو جاتا ہے۔مگر حافظ ابن حجر عسقلانی نے اپنے شیخ ابوالفضل کی شرح ترمذی سے نقل کیا ہے کہ اس زیادتی سے صلوٰۃ التسبیح کا ثواب اور اثر تو فوت نہیں ہوتا مگر اس کے ثواب میں اس زیادتی سے کوئی زیادتی بھی نہیں ہوتی۔(نجات المسلمین)

مختصر صلوٰۃ التسبیح

صلوٰۃ التسبیح مشہور تو وہی ہے۔جس کی صورت پہلے لکھی جا چکی ہے اور فضائل مذکورہ بھی اسی کے لئے منقول ہیں مگر بعض روایات حدیث میں ایک اور مختصر صورت بھی منقول ہے۔جو مقاصد دینیہ اور دنیویہ پورے ہونے کے لئے مجرب ہے۔اس کو بھی مشائخ نے صلوٰۃ التسبیح صغریٰ کے نام سے موسوم کیا ہے۔ابن حبان نے اپنی صحیح میں اور حاکم نے مستدرک میں حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے کہ حضرت ام سلیم رضی اللہ عنہا نے فرمایا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کو چند کلمات سکھائے جن کو وہ نماز کے اندر پڑھ لیں تو جو دعا مانگیں وہ قبول ہو وہ کلمات یہ ہیں۔سبحان اللہ دس مرتبہ الحمد للہ دس مرتبہ اللہ اکبر دس مرتبہ

فائدہ:۔مناوی نے اس حدیث کو نقل کر کے فرمایا کہ یہ فوائد و آثار جب مرتب ہوں گے کہ ان کلمات کے معنیٰ کا بھی دل میں استحضار ہو محض زبان کی حرکت نہ ہو۔واللہ اعلم۔

یاد رکھئے اس مختصر صلوٰۃ التسبیح میں جو دس دس مرتبہ کلمات مذکورہ پڑھنا منقول ہے وہ مصلی یعنی نماز پڑھنے والے کو اختیار ہے کہ جس رکن میں چاہے پڑھ لے۔ یا آخر میں تشہد کے بعد پڑھ لے۔ واللہ اعلم۔

تحیۃ الوضو کی فضیلت

بلال رضی اللہ عنہ' کا وہ بہترین جس عمل کی برکت سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کی پاپوش کی آواز جنت میں معراج کی رات سنی تھی وہ وضو کی حفاظت اور ہمیشہ باوضو رہنے کی عادت کی برکت تھی۔

صحیح بخاری و مسلم میں حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اے بلال مجھے بتلا وہ عمل جو تو نے اسلام میں کیا ہے۔ جس پر تجھے ثواب اور بلند درجات کی بہت امید ہے کیونکہ میں نے تیری جوتیوں کی آواز جنت میں اپنے آگے سنی ہے۔ حضرت بلالؓ نے عرض کیا کہ میرے نزدیک جس عمل پر مجھے بہت امید ہے وہ یہ ہے کہ رات دن میں جب بھی میں نے وضو کیا ہے تو اس کے ساتھ جس قدر نماز میرے لئے مقدر تھی ضرور پڑھی ہے یعنی کوئی وضو نماز سے خالی نہیں جانے دیا۔ اس حدیث شریف میں تحیۃ الوضو کی فضیلت ہے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت بلالؓ سے اس واسطے پوچھا تھا کہ بلالؓ اس عمل کو ہمیشہ کیا کریں نیز دوسروں کو اس کے پڑھنے کا شوق ہو۔

مغفرت کیلئے نماز توبہ

حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ' سے روایت ہے کہ مجھ سے ابو بکرؓ نے بیان فرمایا (جو بلاشبہ صادق و صدیق ہیں) کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے سنا آپ فرماتے تھے۔ جس شخص سے کوئی گناہ ہو جائے پھر وہ اٹھ کر وضو کرے پھر نماز پڑھے' پھر اللہ سے مغفرت اور معافی طلب کرے تو اللہ تعالیٰ اس کو معاف فرما ہی دیتا ہے۔ اس کے بعد آپ نے قرآن مجید کی یہ آیت تلاوت فرمائی۔ وَالَّذِيْنَ اِذَا فَعَلُوْا فَاحِشَةً اَوْ ظَلَمُوْٓا (جامع ترمذی)

اس حدیث میں یہ بتایا ہے کہ اللہ تعالیٰ کی مغفرت اور معافی حاصل کرنے کا بہترین اور پیٹنٹ طریقہ یہ ہے کہ بندہ وضو کر کے پہلے دو رکعت نماز پڑھے اس کے بعد اللہ تعالیٰ سے اپنے گناہوں کی بخشش اور معافی طلب کرے۔ اگر وہ ایسا کرے گا تو اللہ تعالیٰ اس کے گناہوں کی بخشش کا فیصلہ فرما ہی دے گا۔ اس لئے انسان سے جب بھی گناہ سرزد ہو جائے تو جلدی وضو کرے اور دوگانہ نماز پڑھ کر توبہ واستغفار کرے اور گذشتہ پر سخت نادم ہو اور آئندہ عزم مصمم کرے کہ پھر کبھی اس گناہ کے پاس نہ جاؤں گا۔

صلوۃ الحاجۃ

حضرت عبداللہ بن ابی اوفیٰ رضی اللہ عنہٗ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جس شخص کو کوئی حاجت اور ضرورت ہو اللہ تعالیٰ سے متعلق یا کسی اور آدمی سے متعلق (یعنی خواہ وہ حاجت ایسی ہو جس کا تعلق براہ راست اللہ تعالیٰ ہی سے ہو اور کسی بندے سے اس کا واسطہ ہی نہ ہو، یا ایسا معاملہ ہو کہ بظاہر اس کا تعلق کسی بندے سے ہو، بہر صورت) اس کو چاہئے کہ وہ وضو کرے اور خوب اچھا وضو کرے اس کے بعد دو رکعت نماز پڑھے۔ اس کے بعد اللہ تعالیٰ کی کچھ حمد وثناء کرے اور اس کے نبی (علیہ السلام) پر درود پڑھے پھر اللہ کے حضور میں اس طرح عرض کرے **لآاله الا الله الحليم الكريم**.......... الخ (ترجمہ) ''اللہ کے سوا کوئی مالک ومعبود نہیں وہ بڑے حلم والا اور بڑا کریم ہے پاک اور مقدس ہے وہ اللہ جو عرش عظیم کا بھی رب اور مالک ہے۔ ساری حمد و ستائش اس اللہ کے لئے جو سارے جہانوں کا رب ہے۔ اے اللہ! میں تجھ سے سوال کرتا ہوں ان اعمال اور ان اخلاق واحوال کا جو تیری رحمت کا موجب اور وسیلہ اور تیری مغفرت اور بخشش کا پکا ذریعہ بنیں اور تجھ سے طالب ہوں ہر نیکی سے فائدہ اٹھانے اور حصہ دینے کا اور ہر گناہ اور مصیبت سے سلامتی اور حفاظت کا۔ خداوندا! میرے سارے ہی گناہ بخش دے اور میری ہر فکر اور پریشانی کو دور کر دے اور میری ہر حاجت جس سے تو راضی ہو اس کو پورا فرما دے اے ارحم الراحمین سب مہربانوں سے بڑے مہربان''۔ (جامع ترمذی۔ سنن ابن ماجہ)

تشریح: یہ ایک حقیقت ہے کہ جس میں کسی مومن کے لئے شک وشبہ کی گنجائش نہیں کہ مخلوقات کی ساری حاجتیں اور ضرورتیں اللہ کے اور صرف اللہ ہی کے ہاتھ میں ہیں۔ بظاہر جو کام بندوں کے ہاتھوں سے ہوتے دکھائی دیتے ہیں دراصل وہ بھی اللہ ہی کے ہاتھ میں ہیں اور اسی کے حکم سے انجام پاتے ہیں۔ صلوٰۃ حاجت کا جو طریقہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس حدیث میں تعلیم فرمایا ہے وہ اللہ تعالیٰ سے اپنی حاجتیں پوری کرانے کا بہترین اور معتمد ترین طریقہ ہے جن بندوں کو ان ایمانی حقیقتوں پر یقین نصیب ہے ان کا یہی تجربہ ہے اور انہوں نے صلوٰۃ حاجت کو خزائن الٰہیہ کی کنجی پایا ہے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس حدیث میں ان حاجتوں کے لئے بھی صلوٰۃ حاجت تعلیم فرمائی ہے جن کا تعلق بظاہر بندے سے ہو۔ اس کا ایک فائدہ یہ بھی ہے کہ جب بندہ اپنی ایسی حاجات کے لئے بھی صلوٰۃ حاجت پڑھ کر اللہ تعالیٰ سے اس طرح دعا کرے گا تو اس کا یہ عقیدہ اور یقین اور زیادہ مستحکم ہو جائے گا کہ کام کرنے اور بنانے والا دراصل وہ بندہ نہیں ہے اور نہ اس کے کچھ اختیار میں ہے بلکہ سب کچھ اللہ تعالیٰ ہی کے ہاتھ میں ہے اور وہ بندہ اللہ تعالیٰ کا صرف آلۂ کار ہے۔ اس کے بعد جب وہ کسی بندے کے ہاتھ سے کام ہوتا ہوا بھی دیکھے گا تو اس کے توحیدی عقیدے میں کوئی فرق نہیں آئے گا۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ معمول تھا کہ ہر مشکل اور مہم میں اللہ تعالیٰ کی مدد حاصل کرنے کے لئے آپ نماز میں مشغول ہو جاتے تھے اور امت کو اس کا تفصیلی طریقہ آپ ﷺ نے وہ تعلیم فرمایا جو اوپر والی حدیث میں مذکور ہوا۔ مسلمانوں کو چاہئے کہ ہر مشکل وقت اور حاجت کیلئے دو رکعت نماز حاجت پڑھ کر اللہ تعالیٰ سے دعا مانگیں۔

ایک لاکھ نوافل

حضرت ڈاکٹر حفیظ اللہ صاحب رحمہ اللہ (مسترشد خاص: حکیم الامت تھانوی رحمہ اللہ) کے متعلق حضرت مولانا مفتی عبدالقادر صاحب رحمہ اللہ نے لکھا ہے: ایک دفعہ آپ کو بہت اہم حاجت پیش آئی تو حق تعالیٰ سے دعا کی کہ یا اللہ میری یہ حاجت

پوری فرمادیں میں ایک لاکھ نفل پڑھوں گا غالباً یہ مقصد ہوگا کہ جب سنت پوری ہونے سے نفل واجب ہوجائیں گے تو ادا کرنا بھی ضروری ہوگا چنانچہ آپ کی حاجت پوری ہو گئی اور آپ نے ایک لاکھ نوافل ادا کئے۔ (اصلاحی مضامین)

مستحبات کی اہمیت

حضرت ڈاکٹر محمد عبدالحیؒ عارفی باللہ رحمہ اللہ نے فرمایا: کہ ''مستحب'' لفظ ''حب'' سے بنا ہے جس کے معنی محبت کے ہیں لہذا مستحب وہ عمل ہوگا جس پر پابندی کے ساتھ عمل کرنے سے بندہ اللہ کا محبوب ہوجائے گا اور محبت کی خاصیت ہے کہ وہ دونوں جانب سے ہوتی ہے اس لئے بندہ محبّ بھی ہوجائے گا، گویا مستحبات پر عمل کرنے والے کو اللہ تعالیٰ کی محبت اور محبوبیت دونوں حاصل ہوجائیں گے اور جس کو اللہ کی محبت حاصل ہوجائے اور وہ خود بھی اللہ کا محبوب بندہ بن جائے تو اس سے بڑا اعزاز عالم امکان میں کسی کو حاصل نہیں ہوسکتا۔

فرمایا: کہ کسی بھی مستحب کو چھوڑنا نہ چاہئے کہ اس سے محرومی کا اندیشہ ہے۔

خصوصاً مستحب کو ادنیٰ اور معمولی بات سمجھ کر چھوڑ دینا تو بڑی خطرناک بات ہے اگر مستحب پر عمل کرنے سے کوئی عذر معقول پیش آجائے تو جس قدر بھی آسانی سے ممکن ہو اتنا ہی عمل کرلیا جائے، چھوڑا نہ جائے۔

فرمایا: کہ بزرگوں کا قول ہے کہ مستحبات ترک کرنے والا رفتہ رفتہ سنتوں کو ترک کر بیٹھتا ہے اور سنتوں کو چھوڑ دینا واجب کے چھوڑ دینے کا پیش خیمہ ہے اور واجبات کو چھوڑنے والا کسی نہ کسی وقت فرائض کو چھوڑ بیٹھے گا جو اسکے لئے دنیا و آخرت میں ہلاکت کا سبب ہے۔

فرمایا: کہ فرائض و واجبات کی ادائیگی تو ہر مسلمان کے ذمے لازم ہی ہے اور وہ حق عبدیت ہے لیکن نوافل و مستحبات حق محبت ہیں اور ان کی کبھی ناقدری نہیں کرنی چاہئے بلکہ حتی الوسع ان کی انجام دہی کا اہتمام کرنا چاہئے۔

فرمایا: کہ بعض لوگ مستحبات کو اس لئے چھوڑ دیتے ہیں کہ یہ فرض و واجب نہیں، میں کہتا ہوں فرض و واجب نہیں مستحب تو ہیں مستحبات کرنے کیلئے ہوتے ہیں یا چھوڑنے کیلئے؟

یہ آپ سے کس نے کہہ دیا کہ مستحبات چھوڑنے کیلئے ہوتے ہیں؟ یہ مستحبات تو اللہ تعالیٰ کا بہت بڑا عطیہ ہیں، دیکھیے یہ لفظ ''مستحب'' ''حب'' سے بنا ہے جس چیز کا مادہ اشتقاق ہی ''حب'' ہو وہ معمولی چیز کیسے ہو سکتی ہے؟

فرمایا: کہ فرائض و واجبات کی ادائیگی اللہ تعالیٰ کی عظمت کا حق ہے اور مستحبات پر عمل کرنا اللہ تعالیٰ کی محبت کا حق ہے، مستحبات کو معمولی چیز سمجھ کر ان میں سستی نہ کرنی چاہئے، مثلاً تحیۃ المسجد اور ماثور دعائیں وغیرہ، جب تک ان امور کا اہتمام نہ ہوگا، آپ نہ سالک ہو سکتے ہیں نہ صوفی۔

ایک واقعہ: شیخ الاسلام مولانا تقی عثمانی مدظلہ لکھتے ہیں کہ: ایک مرتبہ حضرت ڈاکٹر عبدالحئ عارفی رحمہ اللہ تعالیٰ اپنے مکان سے دارالعلوم کے ایک اجلاس میں شرکت کیلئے تشریف لائے، اجلاس مغرب کے متصل بعد ہونا تھا، مغرب کا وقت راستے ہی میں ہو گیا اور ہم نے راستے کی ایک مسجد میں مغرب کی نماز پڑھ لی چونکہ اجلاس میں شرکت کی جلدی تھی، اس لئے صرف سنت مؤکدہ پر اکتفاء کر لیا اور صلوٰۃ الاوابین پڑھے بغیر روانہ ہو گئے (اوابین ان چھ رکعات پر مشتمل نوافل کو کہتے ہیں جو مغرب کے بعد پڑھے جاتے ہیں اور ان کی بڑی فضیلت آئی ہے) اجلاس کے اختتام پر وہیں عشاء کی نماز پڑھی نماز کے بعد حضرت ڈاکٹر صاحب رحمہ اللہ نے پوچھا کہ تقی میاں آج اوابین کا کیا ہوا؟ احقر نے عرض کیا کہ حضرت آج جلدی کی وجہ سے رہ گئیں، فرمایا کہ کیوں رہ گئیں اس وقت نہ پڑھ سکتے تھے تو عشاء کے بعد پڑھ لیتے، آج مجھ سے بھی اپنے وقت پر اوابین ادا نہ ہو سکی تھیں لیکن الحمد للہ میں نے عشاء کے بعد چھ رکعات مزید بطور تلافی ادا کیں اور معمولاً ایسا ہی کرتا ہوں۔ (آثر عارفی)

چالیس مسنون دعائیں

1۔ جب صبح صادق طلوع ہو تو یہ دعا پڑھے

اَللّٰهُمَّ بِکَ اَصْبَحْنَا وَبِکَ اَمْسَيْنَا وَبِکَ نَحْيَا وَبِکَ نَمُوْتُ وَاِلَيْکَ الْمَصِيْرُ.

اے اللہ! ہمیں آپ ہی کی توفیق سے صبح نصیب ہوئی اور آپ ہی کی توفیق سے شام ملی۔ آپ ہی کی قدرت سے ہم جیتے ہیں اور آپ ہی کی قدرت سے مریں گے، اور آپ ہی کی طرف لوٹ کر جانا ہے۔ (ترمذی)

2۔ جب سورج طلوع ہو تو یہ دعا پڑھے۔

اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ الَّذِیْ اَقَالَنَا يَوْمَنَا هٰذَا وَلَمْ يُهْلِكْنَا بِذُنُوْبِنَا.

تمام تعریفیں اللہ کے لئے ہیں جس نے ہمیں معاف فرما کر یہ دن عطا کیا اور ہمیں ہمارے گناہوں کے سبب ہلاک نہیں کیا۔ (الحصن الحصین)

3۔ شام کے وقت یہ دعا پڑھے۔

اَللّٰهُمَّ بِکَ اَمْسَيْنَا وَبِکَ اَصْبَحْنَا وَبِکَ نَحْيَا وَبِکَ نَمُوْتُ وَاِلَيْکَ النُّشُوْرُ.

اے اللہ! ہمیں آپ ہی کی توفیق سے شام نصیب ہوئی اور آپ ہی کی توفیق سے صبح ملی۔ آپ ہی کی قدرت سے ہم جیتے ہیں اور آپ ہی کی قدرت سے مریں گے اور آپ ہی کی طرف لوٹ کر جانا ہے۔ (ترمذی)

4۔ صبح اور شام کی ایک خاص دعا

حضرت عثمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے کہ جو بندہ ہر صبح و شام تین مرتبہ یہ کلمات پڑھ لیا کرے تو اسے کوئی چیز ضرر نہ پہنچائے گی۔ دوسری روایت میں ہے کہ اسے کوئی ناگہانی بلا نہ پہنچے گی۔ کلمات یہ ہیں۔

بِسۡمِ اللّٰهِ الَّذِیۡ لَایَضُرُّ مَعَ اِسۡمِهٖ شَیۡءٌ فِی الۡاَرۡضِ وَلَا فِی السَّمَآءِ وَهُوَ السَّمِیۡعُ الۡعَلِیۡمُ.

اس اللہ کے نام سے (صبح یا شام کرتا ہوں) جس کے نام کے ساتھ آسمان اور زمین کی کوئی چیز نقصان نہیں پہنچا سکتی اور وہ سننے والا جاننے والا ہے۔ (ترمذی)

5۔ا۔سوتے وقت پڑھنے کی دعائیں۔

جب سونے کا ارادہ کرے تو وضو کر لیوے اور اپنا بستر جھاڑ لیوے پھر داہنی کروٹ پر لیٹ کر سر کے نیچے داہنا ہاتھ رکھ کر تین بار یہ پڑھے:

اَللّٰهُمَّ قِنِیۡ عَذَابَکَ یَوۡمَ تُبۡعَثُ عِبَادَکَ.

اے اللہ! مجھے اپنے عذاب سے محفوظ فرمایئے جس دن آپ اپنے بندوں کو اٹھائیں گے۔ (ترمذی)

ب۔یا یہ دعا پڑھے۔

اَللّٰهُمَّ بِاسۡمِکَ اَمُوۡتُ وَاَحۡیَا

اے اللہ! میں آپ ہی کے نام پر مروں گا اور (آپ ہی کے نام پر) جیتا ہوں۔ (بخاری)

اور سوتے وقت یہ بھی پڑھے سبحان اللہ ۳۳ بار، الحمدللہ ۳۳ بار، اللہ اکبر ۳۴ بار۔ (بخاری)

6۔جب سو کر اٹھے تو یہ دعا پڑھے۔

اَلۡحَمۡدُ لِلّٰهِ الَّذِیۡ اَحۡیَانَا بَعۡدَ مَا اَمَاتَنَا وَاِلَیۡهِ النُّشُوۡرُ.

تمام تعریفیں اللہ کی ہیں جس نے ہمیں موت کے بعد زندگی بخشی اور اسی کی طرف لوٹ کر جانا ہے۔ (بخاری)

7۔جب بیت الخلا جائے تو داخل ہونے سے پہلے بسم اللہ کہے اور یہ دعا پڑھے

اَللّٰهُمَّ اِنِّیۡ اَعُوۡذُبِکَ مِنَ الۡخُبُثِ وَالۡخَبَآئِثِ.

اے اللہ! میں خبیث شیاطین سے آپکی پناہ مانگتا ہوں، خواہ وہ مذکر ہوں یا مؤنث۔ (بخاری)

8۔اور جب بیت الخلا سے نکلے تو یہ دعا پڑھے۔

اَلۡحَمۡدُ لِلّٰهِ الَّذِیۡ اَذۡهَبَ عَنِّی الۡاَذٰی وَعَافَانِیۡ.

تمام تعریفیں اللہ کیلئے ہیں جس نے مجھ سے گندگی دور کی اور مجھے عافیت عطا فرمائی۔ (ابن ماجہ)

9۔ جب وضو کرنا شروع کرے تو یہ دعا پڑھے۔

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ اللہ کے نام سے جو بڑا مہربان نہایت رحم والا ہے۔ (ابوداؤد)

10۔ جب وضو کر چکے تو یہ دعا پڑھے۔

اَشْهَدُ اَنْ لَا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ وَحْدَهٗ لَاشَرِیْکَ لَهٗ وَاَشْهَدُ اَنَّ مُحَمَّدًا عَبْدُهٗ وَرَسُوْلُهٗ اَللّٰهُمَّ اجْعَلْنِیْ مِنَ التَّوَّابِیْنَ وَاجْعَلْنِیْ مِنَ الْمُتَطَهِّرِیْنَ.

میں گواہی دیتا ہوں کہ اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں وہ تنہا ہے۔ اس کا کوئی شریک نہیں، اور میں گواہی دیتا ہوں کہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم اللہ کے بندے اور اس کے رسول ہیں۔ اے اللہ! مجھے بہت توبہ کرنے والوں میں اور بہت پاک رہنے والوں میں شامل کر لیجئے۔ (ترمذی)

11۔ جب مسجد میں داخل ہو تو یہ دعا پڑھے

اَللّٰهُمَّ افْتَحْ لِیْ اَبْوَابَ رَحْمَتِکَ.

اے اللہ! میرے لئے اپنی رحمت کے دروازے کھول دیجئے۔ (مسلم)

12۔ مسجد میں بیٹھے بیٹھے یہ پڑھے۔

سُبْحَانَ اللّٰهِ وَالْحَمْدُلِلّٰهِ وَلَا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ وَاللّٰهُ اَکْبَرُ.

پاک ہے اللہ، تمام تعریف اللہ کیلئے ہیں اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں، اور اللہ سب سے بڑا ہے۔

13۔ جب مسجد سے نکلے تو یہ دعا پڑھے۔

اَللّٰهُمَّ اِنِّیْ اَسْئَلُکَ مِنْ فَضْلِکَ.

اے اللہ! میں آپ سے آپ ہی کے فضل کا طالب ہوں۔ (مسلم)

جب اذان کی آواز سنے۔

تو جو کلمات مؤذن کہتا جائے وہی کلمات کہے اور حَیَّ عَلَی الصَّلٰوة، حَیَّ عَلَی الْفَلَاح کے جواب میں لَاحَوْلَ وَلَا قُوَّةَ اِلَّا بِاللّٰهِ کہے۔ (بخاری، مسلم)

14۔ اور اذان ختم ہونے کے بعد درود پڑھ کر یہ دعا پڑھے۔

اَللّٰهُمَّ رَبَّ هٰذِهِ الدَّعْوَةِ التَّآمَّةِ وَالصَّلٰوةِ الْقَائِمَةِ اٰتِ مُحَمَّدَ نِ الْوَسِیْلَةَ وَالْفَضِیْلَةَ وَابْعَثْهُ مَقَامًا مَحْمُوْدَ نِ الَّذِیْ وَعَدْتَّهٗ اِنَّکَ لَا تُخْلِفُ الْمِیْعَادَ.

اے اللہ! جو اس مکمل دعوت اور کھڑی ہونے والی نماز کا مالک ہے، حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کو مقام وسیلہ عطا فرما اور فضیلت عطا فرما اور اس مقام محمود پر فائز فرما جس کا آپ نے ان سے وعدہ فرمایا ہے، بے شک آپ وعدہ خلافی نہیں فرماتے۔ (بخاری، الترغیب)

15۔فرض نماز کا سلام پھیر کر سر پر داہنا ہاتھ رکھ کر یہ دعا پڑھے۔

بِسْمِ اللّٰہِ الَّذِیْ لَآ اِلٰہَ اِلَّا ھُوَ الرَّحْمٰنُ الرَّحِیْمِ اَللّٰھُمَّ اَذْھِبْ عَنِّی الْھَمَّ وَالْحُزْنَ.

اللہ کے نام سے (میں نے نماز مکمل کی) جس کے سوا کوئی معبود نہیں اور جو رحمٰن ورحیم ہے۔اے اللہ! مجھ سے فکر اور غم کو دور فرما دیجئے۔ (الحصن الحصین)

دعا کے یہی الفاظ حدیث کی کتابوں میں ملتے ہیں، اس دعا میں کچھ الفاظ لوگوں میں بڑھے ہوئے مشہور ہیں۔

16۔اور تین بار استغفر اللہ کہے اور یہ دعا پڑھے۔

اَللّٰھُمَّ اَنْتَ السَّلَامُ وَمِنْکَ السَّلَامُ تَبَارَکْتَ یَا ذَاالْجَلَالِ وَالْاِکْرَامِ.

اے اللہ! آپ سلامت رہنے والے ہیں، اور آپ ہی سے (ہر ایک کو) سلامتی ملتی ہے اور بزرگی اور عظمت والے! آپ بہت برکت والے ہیں۔ (ترمذی، مسلم)

17۔وتر پڑھ کر تین مرتبہ یہ دعا پڑھے۔

سُبْحَانَ الْمَلِکِ الْقُدُّوْسِ.

میں پاکی بیان کرتا ہوں بادشاہ (اللہ) کی جو بہت پاکی والا ہے۔ (ابوداؤد)

تیسری بار بآواز بلند کہے اور قدوس کی دال کو خوب کھینچے۔

18۔نماز فجر اور مغرب کے بعد کی دعا

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا ہے کہ نماز فجر اور نماز مغرب کے بعد کسی سے بات کرنے سے پہلے اگر سات مرتبہ تم نے پڑھ لیا تو اللہ تعالیٰ جہنم سے حفاظت فرمائیگا۔

اَللّٰھُمَّ اَجِرْنِیْ مِنَ النَّارِ

اے اللہ مجھے دوزخ سے محفوظ فرما دیجئے۔ (ابوداؤد)

19۔ جب گھر سے نکلے تو یہ دعا پڑھے۔

بِسْمِ اللّٰہِ تَوَکَّلْتُ عَلَی اللّٰہِ لَاحَوْلَ وَلَا قُوَّۃَ اِلَّا بِاللّٰہِ.

اللہ کے نام سے (نکلتا ہوں) اور میں اللہ پر بھروسہ کرتا ہوں اور اللہ کے سوا کوئی طاقت وقوت نہیں دے سکتا۔ (ابوداؤد،ترمذی)

20۔ گھر میں داخل ہو تو یہ دعا پڑھے۔

اَللّٰھُمَّ اِنِّیْ اَسْئَلُکَ خَیْرَ الْمَوْلَجِ وَخَیْرَ الْمَخْرَجِ بِسْمِ اللّٰہِ وَلَجْنَا وَبِسْمِ اللّٰہِ خَرَجْنَا وَعَلَی اللّٰہِ رَبِّنَا تَوَکَّلْنَا.

اے اللہ! میں آپ سے داخل ہونے کی بھلائی مانگتا ہوں، اور نکلنے کی بھلائی مانگتا ہوں، اللہ کے نام سے ہم داخل ہوئے اور اللہ کے نام ہی سے نکلے اور اللہ ہی پر جو ہمارا پروردگار ہے ہم نے بھروسہ کیا۔ (مرقاۃ) اس کے بعد گھر والوں کو سلام کرے۔

21۔ جب بازار میں جائے تو یہ دعا پڑھے۔

بِسْمِ اللّٰہِ اَللّٰھُمَّ اِنِّیْ اَسْئَلُکَ خَیْرَ ھٰذِہِ السُّوْقِ وَخَیْرَ مَا فِیْھَا وَاَعُوْذُبِکَ مِنْ شَرِّھَا وَشَرِّمَا فِیْھَا اَللّٰھُمَّ اِنِّیْ اَعُوْذُ بِکَ اَنْ اُصِیْبَ فِیْھَا یَمِیْنًا فَاجِرَۃً اَوْ صَفْقَۃً خَاسِرَۃً.

اللہ کے نام سے (داخل ہوتا ہوں) اے اللہ! میں اس بازار کی اور جو کچھ اس میں ہے اس کی خیر مانگتا ہوں، اور اس بازار کے شر سے اور جو کچھ اس بازار میں ہے اس کے شر سے آپ کی پناہ مانگتا ہوں، اے اللہ! میں آپ کی پناہ مانگتا ہوں اس بات سے کہ یہاں گناہ والی قسم کھاؤں یا کسی معاملے میں نقصان اٹھاؤں۔ (مستدرک حاکم)

22۔ جب کھانا شروع کرے تو یہ دعا پڑھے۔

بِسْمِ اللّٰہِ وَعَلٰی بَرَکَۃِ اللّٰہِ.

میں نے اللہ کے نام سے اور اللہ ہی کی برکت سے کھانا شروع کیا۔

ب۔ شروع میں بسم اللہ کہنا بھول گیا تو یاد آنے پر یہ دعا پڑھے۔

بِسْمِ اللّٰهِ اَوَّلَہٗ وَاٰخِرَہٗ.

میں نے اس کے اول وآخر اللہ کا نام لیا۔ (عمل الیوم واللیلۃ)

حدیث شریف میں ہے کہ جس کھانے پر بسم اللہ نہ پڑھی جائے شیطان کو اس میں ساتھ کھانے کا موقعہ مل جاتا ہے۔ (مسلم)

23۔ جب کھانا کھا چکے تو یہ دعا پڑھے۔

اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ الَّذِیْ اَطْعَمَنَا وَسَقَانَا وَجَعَلَنَا مِنَ الْمُسْلِمِیْنَ.

تمام تعریفیں اللہ کیلئے ہیں جس نے ہمیں کھلایا پلایا اور ہمیں مسلمانوں میں سے بنایا۔ (ترمذی)

24۔ دودھ پی کر یہ دعا پڑھے۔

اَللّٰهُمَّ بَارِکْ لَنَا فِیْهِ وَزِدْنَا مِنْهُ.

اے اللہ! ہمارے لئے اس (کھانے) میں برکت عطا فرما اور ہمیں اس سے بھی زیادہ نصیب فرما۔ (ترمذی)

25۔ جب کسی کے یہاں دعوت کھائے تو یہ دعا پڑھے۔

اَللّٰهُمَّ اَطْعِمْ مَنْ اَطْعَمَنِیْ وَاسْقِ مَنْ سَقَانِیْ.

اے اللہ! جس نے مجھے کھلایا آپ اس کو کھلایئے اور جس نے مجھے سیراب کیا آپ اسے سیراب کیجئے۔ (مرقاۃ)

26۔ جب میزبان کے گھر سے چلنے لگے تو یہ دعا پڑھے۔

اَللّٰهُمَّ بَارِکْ لَهُمْ فِیْمَا رَزَقْتَهُمْ وَاغْفِرْلَهُمْ وَارْحَمْهُمْ.

اے اللہ! برکت عطا فرما ان کو اپنے دیئے ہوئے رزق میں، انکی بخشش فرما اور ان پر رحم فرما۔ (ابوداؤد)

27۔ جب روزہ افطار کرے تو یہ دعا پڑھے۔

اَللّٰهُمَّ لَکَ صُمْتُ وَعَلٰی رِزْقِکَ اَفْطَرْتُ.

اے اللہ! میں نے آپ کیلئے روزہ رکھا اور آپ کے رزق پر افطار کیا۔ (ابوداؤد)

28۔ افطار کے بعد یہ دعا پڑھے۔

ذَهَبَ الظَّمَاُ وَابْتَلَّتِ الْعُرُوْقُ وَثَبَتَ الْاَجْرُ اِنْ شَاءَ اللّٰهُ.

پیاس بجھ گئی اور رگیں (جو سوکھ گئی تھیں وہ) تر ہو گئیں، اور اللہ نے چاہا تو اجر وثواب کا حصول یقینی ہو گیا۔ (ابوداؤد)

29۔ اگر کسی کے یہاں افطار کرے تو یہ دعا پڑھے۔

اَفْطَرَ عِنْدَکُمُ الصَّائِمُوْنَ وَاَکَلَ طَعَامَکُمُ الْاَبْرَارُ وَصَلَّتْ عَلَیْکُمُ الْمَلٰئِکَةُ.

(اللہ کرے کہ) روزہ دار تمہارے یہاں افطار کریں، تمہارا کھانا نیک لوگ کھائیں اور فرشتے تمہارے لئے رحمت کی دعا کریں۔ (ابوداؤد)

30۔ جب کپڑا پہنے تو یہ دعا پڑھے۔

اَلْحَمْدُلِلّٰهِ الَّذِیْ کَسَانِیْ هٰذَا الثَّوْبَ وَرَزَقَنِیْهِ مِنْ غَیْرِ حَوْلٍ مِّنِّی وَلَا قُوَّةٍ

تمام تعریفیں اللہ کے لئے ہیں جس نے مجھے یہ پہنایا، اور میری کسی قوت اور طاقت کے بغیر مجھے عطا فرمایا۔ (ابوداؤد)

31۔ جب نیا کپڑا پہنے تو یہ دعا پڑھے۔

اَللّٰهُمَّ لَکَ الْحَمْدُ اَنْتَ کَسَوْتَنِیْهِ اَسْئَلُکَ خَیْرَه' وَخَیْرَ مَا صُنِعَ لَه' وَاَعُوْذُ بِکَ مِنْ شَرِّهٖ وَشَرِّمَا صُنِعَ لَه'.

اے اللہ! آپ ہی کی تعریف ہے جیسے کہ آپ نے مجھے یہ لباس پہنایا، میں آپ سے اس کی بھلائی مانگتا ہوں، اور اس کام کی بھلائی مانگتا ہوں جس کیلئے یہ بنایا گیا اور میں اس کے شر سے پناہ مانگتا ہوں اور اس کام کی برائی سے پناہ مانگتا ہوں جس کیلئے یہ بنایا گیا۔ (المستدرک)

32۔ جب آئینہ میں اپنا چہرہ دیکھے تو یہ دعا پڑھے۔

اَلْحَمْدُلِلّٰهِ، اَللّٰهُمَّ کَمَا حَسَّنْتَ خَلْقِیْ فَحَسِّنْ خُلُقِیْ.

اللہ کا شکر ہے، اے اللہ! آپ نے میری صورت اچھی طرح بنائی ہے۔ آپ میرے اخلاق بھی اچھے بنا دیجئے۔ (صحیح ابن حبان)

33۔ جامع ترین دعا

رَبَّنَآ اٰتِنَا فِی الدُّنْیَا حَسَنَةً وَّ فِی الْاٰخِرَةِ حَسَنَةً وَّقِنَا عَذَابَ النَّارِ

اے ہمارے پروردگار! ہمیں دنیا میں بھی بھلائی عطا فرمایئے اور آخرت میں بھی بھلائی، اور ہمیں دوزخ کے عذاب سے بچایئے۔ (البقرۃ:۲۰۱)

34۔ شب قدر میں یوں دعا مانگے۔

اَللّٰهُمَّ اِنَّکَ عَفُوٌّ تُحِبُّ الْعَفْوَ فَاعْفُ عَنِّیْ.

اے اللہ! آپ بہت معاف کرنے والے ہیں اور معاف کرنے کو پسند فرماتے ہیں پس مجھے معاف فرما دیجئے۔ (ترمذی)

35۔ جب نیا چاند دیکھے تو یہ پڑھے۔

اَللّٰھُمَّ اَھِلَّہٗ عَلَیْنَا بِالْیُمْنِ وَالْاِیْمَانِ وَالسَّلَامَۃِ وَالْاِسْلَامِ رَبِّیْ وَرَبُّکَ اللّٰہُ

اے اللہ! اس چاند کو ہم پر برکت، ایمان، سلامتی، اسلام اور اپنے پسندیدہ اعمال کی توفیق لے کر طلوع فرمائیے۔ (اے چاند) میرا اور تیرا پروردگار اللہ ہے۔ (حصن حصین)

36۔ کسی مسلمان کو ہنستا دیکھے تو یوں دعا دے۔

اَضْحَکَ اللّٰہُ سِنَّکَ. اللہ آپ کو ھنساتا رھے. (بخاری)

37۔ کسی مسلمان مریض کی عیادت کو جائے تو یوں تسلی دے۔

لَابَأْسَ طَھُوْرٌ اِنْ شَاءَ اللّٰہُ.

(اس بیماری سے آپکو) کوئی نقصان نہ ہو ان شاءاللہ یہ آپ کیلئے گناہوں سے پاکی کا سبب ہوگی۔ (بخاری)

38۔ جب سواری پر بیٹھ جائے تو یہ دعا پڑھے۔

سُبْحٰنَ الَّذِیْ سَخَّرَلَنَا ھٰذَا وَمَا کُنَّا لَہٗ مُقْرِنِیْنَ وَاِنَّآ اِلٰی رَبِّنَا لَمُنْقَلِبُوْنَ

پاک ہے وہ ذات جس نے یہ سواری ہمارے لئے مسخر کردی اور ہم اس کو قابو میں لانے والے نہ تھے، اور ہم اپنے پروردگار ہی کی طرف لوٹنے والے ہیں۔ (الزخرف)

39۔ کسی منزل (ریلوے اسٹیشن، بس سٹاپ) پر اترے تو یہ دعا پڑھے

اَعُوْذُ بِکَلِمَاتِ اللّٰہِ التَّآمَّاتِ مِنْ شَرِّ مَا خَلَقَ.

میں اللہ تعالیٰ کے جامع کلمات کی پناہ مانگتا ہوں ہر اس چیز کے شر سے جو اس نے پیدا فرمائی۔ (ترمذی)

40۔ جب قبرستان میں جائے یہ دعا پڑھے۔

اَلسَّلَامُ عَلَیْکُمْ یَا اَھْلَ الْقُبُوْرِ یَغْفِرُ اللّٰہُ لَنَا وَلَکُمْ اَنْتُمْ سَلَفُنَا وَنَحْنُ بِالْاَثَرِ

اے قبر والو! تم پر سلامتی ہو، اللہ تعالیٰ ہماری اور تمہاری مغفرت فرمائے، تم ہمارے پیش رو ہو، اور ہم تمہارے پیچھے آنے والے ہیں۔ (ترمذی)

فالج، زہراور بہت سی بیماریوں سے حفاظت کی دعاء

بِسْمِ اللّٰہِ الَّذِیْ لَایَضُرُّ مَعَ اِسْمِہٖ شَیْءٌ فِی الْاَرْضِ وَلَا فِی السَّمَاءِ وَھُوَ السَّمِیْعُ الْعَلِیْمُ.

میں اس اللہ کا نام لیتا ہوں جس کے نام کی برکت سے زمین وآسمان کی کوئی چیز نقصان نہیں پہنچا سکتی۔'' (ترمذی، ابوداؤد، ابن ماجہ)

ترکیب:۔اس کے پڑھنے کی ترکیب یہ ہے کہ بعد نماز فجر تین مرتبہ بعد نماز مغرب تین مرتبہ پڑھ لیا کرے۔

حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے کہ جو اس دعاء کو ہر روز صبح شام تین مرتبہ پڑھ لے تو اس کو اس دن اور اس رات میں کوئی چیز نقصان نہ پہنچائے گی۔

اسی طرح اگر کھانا کھاتے وقت اس دعا کو پڑھ لے، اگر اس کھانے میں بالفرض زہر بھی ملا ہوا ہو تو ان شاء اللہ اس کا اثر نہ ہوگا۔

اسی طرح اس کا پڑھنے والا ان شاء اللہ فالج جیسے موذی مرض سے بھی محفوظ رہے گا۔

نماز کے ضروری احکام ومسائل

سات فرائض نماز

۱-تکبیر تحریمہ ۲-قیام (کھڑا ہونا)

۳-قرأت (قرآن شریف میں سے کوئی سورت یا آیت پڑھنا)

۴-رکوع کرنا ۵-دونوں سجدے کرنا

۶-قعدہ اخیرہ میں التحیات کی مقدار بیٹھنا

۷-اپنے اختیار سے نماز سے فارغ ہونا

حکم یہ ہے کہ اگر ان امور میں سے کوئی بھی چھوٹ جائے تو نماز نہ ہوگی دوبارہ پڑھنی ہوگی۔

اٹھارہ واجبات نماز

۱-سورہ فاتحہ پڑھنا۔۲-اس کے ساتھ کوئی سورۃ ملانا

۳-فرض کی پہلی دو رکعتوں کو قرأت کے لئے مقرر کرنا۔

۴-سورہ فاتحہ کو سورت سے پہلے پڑھنا۔

۵-سجدوں میں پیشانی کے ساتھ ناک بھی رکھنا۔

۶-دوسرے سجدہ کو پہلے سجدہ کے متصل کرنا۔

۷-ارکان کو سکون سے ادا کرنا۔

۸-قعدہ اولیٰ یعنی تین یا چار رکعت والی نماز میں دو رکعت پر بیٹھنا۔

۹-قعدہ اولیٰ میں تشہد کا پڑھنا۔

۱۰-قعدۂ اخیرہ میں تشہد پڑھنا۔
۱۱-تشہد کے بعد تیسری رکعت کیلئے فوراً کھڑا ہونا۔
۱۲-لفظ سلام کے ساتھ نماز سے باہر آنا۔
۱۳-وتر کی نماز میں دعاء قنوت پڑھنا۔
۱۴-عیدین کی تکبیرات کہنا۔
۱۵-عیدین کی نماز میں دوسری رکعت کے رکوع کے لئے تکبیر کہنا۔
۱۶-لفظ اللہ اکبر کہہ کر نماز شروع کرنا۔
۱۷- امام کو زور سے قرأت کرنا فجر، مغرب، عشاء، جمعہ، تراویح، رمضان شریف کی وتر میں، عیدین میں۔
۱۸-ظہر عصر میں اور دن کی سنت اور نفلوں میں آہستہ آہستہ قرأت کرنا۔ حکم! یہ ہے کہ اگر ان میں سے کوئی چھوٹ جائے تو سجدہ سہو کر لینے سے نماز درست ہو جائے گی۔

مفسدات نماز

مفسدات نماز ان چیزوں کو کہتے ہیں جن سے نماز فاسد ہو جاتی ہے یعنی ٹوٹ جاتی ہے اور اسے لوٹانا ضروری ہے۔
۱-زبان سے کوئی کلمہ نکالنا اگرچہ غلطی سے یا بھول کر ہو۔
۲-انسانی کلام کے مشابہ کلام سے دعا کرنا، مثلاً اے اللہ! کھانا کھلایئے مجھے۔
۳-ملاقات کی نیت سے سلام کرنا اگرچہ بھول کر ہو۔
۴-زبان سے یا مصافحہ کرنے کے ذریعہ کسی کے سلام کا جواب دینا۔
۵-عمل کثیر کرنا مثلاً دونوں ہاتھوں سے پائجامہ باندھنا۔
۶-قبلہ کی طرف سے منہ کا پھر جانا۔
۷-جو چیز منہ کے اندر نہ ہو اس کا کھانا اگرچہ تھوڑی ہو۔
۸-دانتوں کے درمیان کی چیز کا کھانا جبکہ چنے کے بقدر ہو۔
۹-کسی چیز کا پینا۔ ۱۰-بلا کسی عذر کے کھنکارنا۔

۱۱-اف اف کرنا۔ ۱۲-آہ آہ کرنا۔ ۱۳-اوہ اوہ کرنا۔

۱۴-مصیبت و درد کی وجہ سے رونے کی آواز کو بلند کرنا۔

۱۵-چھینکنے والے کے الحمدللہ کے جواب میں یرحمک اللہ کہنا۔

۱۶-کسی کے اس سوال پر کہ اللہ کے ساتھ اور کوئی شریک ہے مصلی کا اس کے جواب میں لا الہ الا اللہ کہنا۔ ۱۷-کسی بری خبر پر انا للہ و انا الیہ راجعون پڑھنا۔

۱۸-خوشخبری پر الحمد للہ کہنا۔

۱۹-تعجب خیز خبر کو سن کر لا الہ الا اللہ یاسبحان اللہ کہنا۔

۲۰-کسی کو کسی امر کی طرف متوجہ کرنے کے ارادہ سے قرآن پاک کی کوئی آیت پڑھنا جیسے یا یحییٰ خذ الکتب بقوۃ وغیرہ۔

۲۱-تیمم کیے ہوئے شخص کا پانی پر قادر ہو جانا۔ ۲۲-موزہ کے مسح کی مدت کا پورا ہو جانا

۲۳-مسح کیے ہوئے موزہ کا اتار دینا۔

۲۴-کسی ان پڑھ کا نماز جائز ہونے کے بعد بقدر قرآن پاک سیکھ لینا۔

۲۵-ننگے بدن والے شخص کا ستر ڈھانکنے کے بقدر کپڑے پر قادر ہو جانا۔

۲۶-اشارہ سے رکوع سجدہ کرنے والے شخص کا رکوع وسجدہ کرنے پر قادر ہو جانا۔

۲۷-صاحب ترتیب کو اپنی فوت شدہ نماز کا یاد آجانا اور وقت کی گنجائش بھی ہونا۔

۲۸-ایسے شخص کو خلیفہ بنانا جو امامت کے قابل نہ ہو۔

۲۹-نماز فجر پڑھتے وقت سورج کا نکل آنا۔

۳۰-عیدین کی نماز میں زوال آفتاب ہو جانا۔ (ایک منٹ کا مدرسہ)

۳۱-نماز جمعہ پڑھنے کی حالت میں نماز عصر کا وقت آجانا۔

۳۲-زخم اچھا ہو جانے کی وجہ سے حالت نماز میں پٹی کا گر جانا۔

۳۳-معذور کے عذر کا ختم ہو جانا ۳۴-قصداً حدث کرنا (مثلاً وضو توڑ دینا

۳۵-کسی دوسرے کے عمل سے حدث لاحق ہو جانا (مثلاً چھینٹے کا آجانا)

۳۶-بے ہوش ہو جانا ۳۷-مجنون اور پاگل ہو جانا

۳۸-کسی پر نظر ڈالنے سے غسل کی حاجت ہو جانا

۳۹-نماز میں اس طرح سوئے کہ سونے سے نماز نہ فاسد ہو اور احتلام ہو جائے

۴۰-اجنبی عورت کا بغیر کسی پردے کے مرد کے پہلو میں کھڑا ہونا جبکہ نماز میں دونوں مشترک ہوں اور دونوں کی تحریمہ ایک ہو اور مرد نے عورت کی امامت کی نیت بھی کی ہو

۴۱-۔جس شخص کو حدث لاحق ہو جائے اس کا ستر کھل جانا گو وہ اس کے کھولنے پر مجبور ہو

۴۲-۔جس شخص کا وضو ٹوٹ گیا ہو اسکو وضو کیلئے جاتے ہوئے یا فارغ ہو کر آتے ہوئے قراءت کرنا۔

۴۳-حدث لاحق ہونے کا علم ہونے کے باوجود بالقصد ایک رکن کی مقدار ٹھہر جانا۔

۴۴-حدث لاحق شدہ شخص کو قریب پانی ملنے کے باوجود دور جانا۔

۴۵-حدث لاحق ہونے کے گمان سے مسجد سے باہر نکل جانا۔

۴۶-مسجد کے علاوہ کسی دوسری جگہ نماز پڑھنے کی صورت میں حدث کے گمان سے صفوں سے باہر نکل جانا۔

۴۷-اس گمان سے نماز سے پھر جانا کہ وضو نہیں ہے یا یہ کہ مدت مسح پوری ہو گئی ہے یا اس پر فوت شدہ نماز ہے یا بدن یا کپڑے پر نجاست لگی ہوئی ہے حالانکہ معاملہ اس کے خلاف ہو اگر چہ مسجد سے نہ نکلا ہو۔

۴۸-دوسرے مقتدیوں کے امام کو لقمہ دینا۔

۴۹-ایک نماز سے دوسری نماز میں منتقل ہونے کی تکبیر کہنا۔

۵۰-تکبیر کے ہمزہ پر مد کرنا۔ ۵۱-جو سورتیں یا آیتیں یاد نہ ہوں ان کو نماز میں پڑھنا۔

۵۲-ستر کھلے رہنے کے ساتھ ایک رکن ادا کرنا یا اتنی مقدار کھلا رہنا۔

۵۳-ایسی نجاست کا ہونا خواہ وہ حکمی ہو یا حقیقی ہو جو کہ مانع صلوٰۃ ہو۔

۵۴-مقتدی کا کسی رکن میں امام سے سبقت لے جانا کہ امام اس رکن میں اس کے ساتھ شریک نہ ہو۔

۵۵-مسبوق کا اتباع کرنا امام کے سجدہ سہو میں مثلاً امام پر سجدہ سہو واجب تھا غلطی سے اس نے سلام پھیر دیا مسبوق اپنی گئی رکعت کو پورا کرنے لگا کہ امام کو یاد آ گیا اور اس نے سجدہ سہو کیا تو یہ مسبوق بھی اس میں اس کی اتباع کرے۔

۵۶- قعدہ اخیرہ میں تشہد کی مقدار بیٹھنے کے بعد یاد آنا کہ سجدہ نماز میں رہ گیا ہے اس کو ادا کرنے کے بعد دوبارہ قعدہ اخیرہ کی مقدار نہ بیٹھنا۔

۵۷- حالت نوم میں ادا کئے ہوئے رکن کو بیداری کے بعد اس کا اعادہ نہ کرنا۔

۵۸- قعدہ اخیرہ میں تشہد کی مقدار بیٹھنے کے بعد امام کے قہقہہ لگانے سے مسبوق کی نماز فاسد ہونا اور امام کی نماز فاسد نہ ہونا البتہ امام پر واجب ہے کہ دوبارہ وضو کر کے اسکا اعادہ کرے۔

۵۹- اس نماز میں جو دو رکعت والی نہ ہو (مثلاً عشاء اور مغرب) اس نماز میں دو رکعت پر اس گمان سے سلام پھیر دیا کہ مسافر ہوں حالانکہ وہ مسافر نہیں بلکہ مقیم ہے۔

۶۰- جو شخص نیا مسلمان ہو اس کا دو رکعت کے علاوہ تین یا چار رکعت والی فرض نماز کو دو رکعت فرض گمان کر کے اس پر سلام پھیر دینا۔ (منقول از نور الایضاح)

(۱) بعض حضرات کو دیکھا گیا ہے کہ وہ جماعت کی نماز میں دیر سے پہنچے امام صاحب رکوع میں جا چکے ہیں تو اب انہوں نے یہ کیا کہ اپنی رکعت بچانے کی فکر میں جلدی جلدی رکوع میں امام کے ساتھ شامل ہو گئے، حالانکہ اس طرح جماعت کے ساتھ شریک ہونے کیلئے دو چیزیں ضروری ہیں ان کے بغیر نماز نہ ہو گی، پہلی چیز تو یہ ہے کہ یہ نمازی پہلے اطمینان سے نیت کرے، تکبیر کہے اور پھر قیام بھی کرے، اگر چہ قیام لمحہ بھر کا ہو لیکن ہونا ضروری ہے اگر تکبیر تحریمہ نہ کہی یا قیام نہ کیا تو نماز نہیں ہو گی کیونکہ یہ دونوں چیزیں فرض ہیں اس چیز کا خیال رکھنا بہت ضروری ہے ہم رکعت بچانے کی کوشش میں پوری نماز کو خطرے میں ڈال دیتے ہیں یہ کہاں کی عقلمندی ہے۔

(۲) بعض دفعہ یہ ہوتا ہے کہ تکبیر اولیٰ یا رکعت میں شامل ہونے کے لئے نمازی دوڑ کر جماعت میں شامل ہونے لگتا ہے یہ بھی غلط ہے اطمینان اور وقار کے ساتھ جانا چاہئے مسجد میں دوڑنا منع ہے اور یہ نماز کے آداب کے بھی خلاف ہے جو دوڑ کر گیا اس کے تو ہوش و حواس ہی گم ہو گئے نماز میں اطمینان کیا خاک نصیب ہو گا۔

قومہ اور جلسہ: (۳) بعض لوگوں کو دیکھا ہے کہ نماز پڑھتے ہیں اور قومہ و جلسہ ادا نہیں کرتے حالانکہ یہ دونوں چیزیں نماز کے رکن ہیں اگر ان میں سے کوئی رہ جائے تو نماز ادا نہ ہو گی۔

قومہ: رکوع کے بعد سجدے میں جانے سے پہلے اتنی دیر کھڑا ہونا چاہئے جتنی دیر میں تین مرتبہ سبحان اللہ کہا جاتا ہے۔

جلسہ: اور جلسہ کہتے ہیں دو سجدوں کے درمیان بیٹھنے کو اسمیں بھی اتنی ہی دیر بیٹھنا چاہئے اگر کوئی اتنی دیر نہ بیٹھا بلکہ ایک مرتبہ سبحان اللہ کہنے کی مقدار بیٹھا تو اس نے سنت کا ثواب ضائع کر دیا اور جو ایک مرتبہ سبحان اللہ کی دیر بھی نہ ٹھہرا تو اس نے واجب چھوڑ دیا اور اس پر سجدہ سہو واجب ہے اور اگر کوئی سرے سے رکوع کے بعد کمر سیدھی ہونے سے پہلے یا سجدہ کے بعد بالکل سیدھا بیٹھنے سے پہلے ہی سجدہ میں چلا گیا تو اس کی سرے سے نماز ہی نہیں ہوئی۔ اب بتاؤ دوستو! کتنے افسوس کا مقام ہے کہ ہم نے نماز پڑھ کر بھی معمولی کوتاہی کی وجہ سے نماز ضائع کر دی۔

اپنی نمازیں درست کیجئے

نماز میں اطمینان ضروری ہے: ایک دفعہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم مسجد نبوی میں تشریف فرما تھے ایک صاحب نے آ کر نماز پڑھی مگر جلدی جلدی فارغ ہو کر حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں سلام عرض کیا آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا تم دوبارہ نماز پڑھو پہلے تم نے نماز نہیں پڑھی وہ صاحب گئے اور دوبارہ اسی طرح نماز پڑھی پھر حاضر خدمت ہوا تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے پھر وہی ارشاد فرمایا تو اب اس نے عرض کیا مجھے تو اسی طرح پڑھنی آتی ہے آپ صلی اللہ علیہ وسلم ارشاد فرمائیں کہ میں کس طرح پڑھوں تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: ”جب تم نماز کیلئے کھڑے ہو تو اطمینان سے قرأت کرو، اس کے بعد اطمینان سے رکوع کرو اور پھر قومہ میں پورے اطمینان سے کھڑے رہو اس کے بعد سجدہ میں جاؤ تو سجدہ بھی اطمینان سے کرو اور سجدہ کے بعد جب جلسہ کرو تو وہ بھی اطمینان سے ادا کرو“۔

بخاری شریف میں ہے کہ حضرت حذیفہؓ نے ایک آدمی کو دیکھا جو نماز میں رکوع وسجود پوری طرح ادا نہیں کر رہا تھا تو آپؓ نے اس سے کہا تو نے تو گویا نماز پڑھی ہی نہیں اور شقیقؒ فرماتے ہیں میرا خیال ہے کہ آپؓ نے اس سے یہ بھی فرمایا کہ اگر تو (اسی طرح اپنی نماز

درست کئے بغیر) فوت ہوگیا تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے طریقہ سے ہٹ کر مرے گا۔

بدترین چور: حضرت ابو قتادہؓ فرماتے ہیں کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا سب سے بدتر چور وہ ہے جو اپنی نماز میں سے بھی چوری کرتا ہے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے عرض کیا یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم! نماز میں کیسے چوری کرے گا؟ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا (نماز میں اس طرح چوری ہوگی کہ) وہ نماز کے رکوع اور سجدوں کو پوری طرح ادا نہیں کرے گا (اللہ تعالیٰ ہمیں اپنی نمازیں صحیح کرنے کی توفیق عطا فرمائے)

زبان سے الفاظ کی ادائیگی ضروری ہے: بعض حضرات کو دیکھا گیا ہے کہ وہ جب نماز پڑھتے ہیں تو زبان اور ہونٹوں کو حرکت دے کر باقاعدہ قرأت وتلفظ نہیں کر رہے ہوتے شاید وہ سمجھتے ہیں کہ دل میں پڑھ لینا کافی ہے یا فقط الفاظ کا خیال میں لانا قرأت کے لئے کافی ہو جاتا ہے، یہ خیال غلط ہے قرأت کے لئے ضروری ہے کہ باقاعدہ زبان سے پڑھا جائے، فقط دل میں پڑھنے یا الفاظ کو خیال میں لانے سے قرأت ادا نہیں ہوتی۔

مسجد کی ٹوپیاں اور ننگے سر نماز: آج کل عام رواج ہوگیا ہے کہ اکثر نماز پڑھنے والے حضرات خصوصاً نوجوان ننگے سر مسجد میں آتے ہیں اور مسجد میں رکھی کھجور کے تنکوں کی یا پلاسٹک کی ٹوپیاں رکھی ہوتی ہیں ان کو سر پر رکھ کر نماز پڑھ لیتے ہیں اور جاتے ہوئے ان ٹوپیوں کو اتار کر وہیں ڈال جاتے ہیں، یہ انتہائی غیر معقول اور غیر شرعی عمل ہے، جو کہ رواج پذیر ہو چکا ہے، مساجد کے ائمہ حضرات اور منتظمین حضرات سے گذارش ہے کہ ان ٹوپیوں کو مسجد میں نہ رکھیں اور لوگوں کو بتائیں بھی کہ ان کی یہ ٹوپیاں ٹوپی کا مقصد پورا نہیں کرتیں ٹوپی تو انتہائی احترام وعزت اور حیاء و شرافت کا نشان ہے اور یہ مسجدوں میں پڑی ٹوپیاں اس اعزاز و وقار سے خالی ہیں۔

نمازی حضرات اپنی ٹوپیاں ساتھ لائیں جوان کے شایان شان ہوں اور واقعی عزت، شرافت اور وقار کی علامت ہوں اور بعض حضرات اس طرح حد سے آگے ہیں کہ وہ ٹوپی سر پر رکھنا ویسے بھی عیب سمجھتے ہیں یہ بھی غلط ہے ننگے سر نماز پڑھنا بھی فیشن پرستی اور خواہش پرستی اور تکبر کی علامت ہے ورنہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے کبھی ننگے سر نماز نہیں پڑھی، لہذا

حدود کے اندر رہنے میں ہی ایمان کی حفاظت ہے کہ آدمی ٹوپی سر پر لے اور نماز پڑھے اور ٹوپی وہ ہو جسے آدمی اپنے لباس کا حصہ بنانا پسند کرتا ہو۔

عینک لگا کر نماز: عینک لگا کر نماز پڑھنا مکروہ (ناپسندیدہ ہے) لہٰذا نماز پڑھتے وقت عینک اتار دی جائے۔ (امداد الفتاویٰ)

نماز بددعا دیتی ہے: جب کوئی نماز بے پرواہی سے پڑھتا ہے تو نماز اس کو بددعا دیتی ہے حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا جو شخص نماز کو بری طرح سے پڑھے وقت کو بھی ٹال دے وضوء بھی اچھی طرح سے نہ کرے تو وہ نماز بری صورت سے سیاہ رنگ میں بددعا دیتی ہوئی جاتی ہے کہ اللہ تجھے بھی ایسا ہی برباد کرے جیسا تو نے مجھے ضائع کیا اس کے بعد وہ نماز پرانے کپڑے میں لپیٹ کر نمازی کے منہ پر ماردی جاتی ہے۔

برش مسواک کی سنت کا متبادل نہیں

سوال:۔ مسواک سے عموماً دانتوں کی صفائی مقصود ہوتی ہے موجودہ دور میں برش سے یہ فائدہ اچھے طریقے سے حاصل ہوتا ہے۔ کیا یہ مسواک کا نعم البدل ہوسکتا ہے؟ یعنی برش کے استعمال سے سنت ادا ہوگی یا نہیں؟

جواب۔ دانتوں کی صفائی بلاشک مسواک کے فوائد میں سے ایک اہم فائدہ ہے لیکن مسواک کا استعمال صرف دانتوں کی صفائی کیلئے نہیں، بنیادی عنصر اس میں سنت رسول صلی اللہ علیہ وسلم کا اتباع ہے، برش میں وہ خصوصیات اور صفات نہیں پائی جاتیں جو مسواک میں موجود ہوتی ہیں۔ اس لئے اس سے سنت ادا نہ ہوگی۔ تاہم برش کا نفس استعمال جائز ہے۔ (کبیری آداب الوضوص 37)

خنزیر کے بالوں سے بنائے گئے برش کے استعمال کا حکم

سوال۔ آج کل دانتوں کی صفائی کیلئے جو برش استعمال کیا جاتا ہے بعض میں خنزیر کے بال استعمال ہوتے ہیں، کیا ایسے بُرش سے دانتوں کی صفائی کرنا جائز ہے؟

جواب۔ دانتوں کی صفائی کیلئے جو برش کیا جاتا ہے اگر اس میں خنزیر کے بال استعمال ہوتے ہوں تو اس کا استعمال جائز نہیں۔ (جامع الفتاویٰ ج ۵ ص ۱۲۷)

ناخن پالش اور سرخی پر وضو کا حکم

سوال۔ جیسے کہ ناخن پالش لگانے سے وضو نہیں ہوتا اگر کبھی ہونٹوں پر ہلکی سی لالی لگی ہو تو کیا وضو ہو جاتا ہے؟ یا اگر وضو کے بعد لگائی جائے تو اس سے نماز درست ہے؟

جواب۔ ناخن پالش لگانے سے وضو اور غسل اس لئے نہیں ہوتا کہ ناخن پالش پانی کو بدن تک پہنچنے نہیں دیتی' لبوں کی سرخی میں بھی اگر یہی بات پائی جاتی ہے کہ وہ پانی کے جلد تک پہنچنے میں رکاوٹ ہو تو اس کو اتارے بغیر غسل اور وضو نہیں ہوگا اور اگر وہ پانی کے پہنچنے سے مانع نہیں تو غسل اور وضو ہو جائے گا۔ ہاں اگر وضو کے بعد ناخن پالش یا سرخی لگا کر نماز پڑھے تو نماز ہو جائے گی۔ لیکن اس سے بچنا بہتر ہے۔ (آپ کے مسائل)

وضو کے درمیان سلام کا جواب دینا

سوال: وضو کرتے ہوئے اور کھانے کے دوران سلام کا جواب دینا ضروری ہے یا نہیں؟ جبکہ سلام کرنے والے کو مسئلہ معلوم نہ ہو تو وضو میں مصروف ہونے کی وجہ سے ناراضی اور غلط فہمی ہو سکتی ہے؟

جواب: وضو کے دوران سلام اور جواب میں کوئی حرج نہیں' کھانے کے دوران سلام نہیں کہنا چاہیے اور کھانے والے کے ذمہ سلام کا جواب دینا واجب نہیں۔ (آپکے مسائل اور ان کا حل)

ناخن پالش لگانا کفار کی تقلید ہے
اس سے نہ وضو ہوتا ہے نہ غسل نہ نماز

سوال: آج کل نوجوان لڑکیاں اس کشمکش میں مبتلا ہیں کہ آیا لڑکیاں جو ناخن کو پالش لگاتی ہے اس کو صاف کرنے کے بعد وضو کریں یا پالش کے اوپر سے ہی وضو ہو جائے گا' کئی سمجھدار اور تعلیم یافتہ لڑکیاں اور معزز نمازی عورتیں یہ کہتی ہیں کہ ناخنوں کی پالش صاف کیے بغیر ہی وضو ہو جائے گا؟

جواب: ناخنوں سے متعلق دو بیماریاں عورتوں میں خصوصاً نوجوان لڑکیوں میں بہت

ہی عام ہوتی جارہی ہیں ایک ناخن بڑھانے کا مرض اور دوسرا ناخن پالش۔

ناخن بڑھانے سے آدمی کے ہاتھ بالکل درندوں جیسے ہوجاتے ہیں اور پھر ان میں گندگی بھی رہ سکتی ہے جس سے ناخنوں میں جراثیم پیدا ہوتے ہیں اور مختلف النوع بیماریاں جنم لیتی ہیں۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے دس چیزوں کو فطرت سے شمار کیا ہے ان میں ایک ناخن تراشنا بھی ہے۔ پس ناخن بڑھانے کا فیشن انسانی فطرت کے خلاف ہے جس کو مسلم خواتین کافروں کی تقلید میں اپنارہی ہیں۔

مسلم خواتین کو اس خلاف فطرت تقلید سے پرہیز کرنا چاہیے' دوسرا مرض ناخن پالش کا ہے۔ حق تعالیٰ شانہ نے عورت کے اعضاء میں فطری حسن رکھا ہے' ناخن پالش کا مصنوعی لبادہ محض غیر فطری چیز ہے پھر اس میں ناپاک چیزوں کی آمیزش بھی ہوتی ہے' وہی ناپاک ہاتھ کھانے وغیرہ میں استعمال کرنا طبعی کراہت کی چیز ہے اور سب سے بڑھ کر یہ کہ ناخن پالش کی تہہ جم جاتی ہے اور جب تک اسے صاف نہ کردیا جائے پانی نیچے نہیں پہنچ سکتا۔ پس نہ وضو ہوتا ہے نہ غسل' آدمی ناپاک کا ناپاک رہتا ہے جو تعلیم یافتہ لڑکیاں اور معزز نمازی عورتیں یہ کہتی ہیں کہ ناخن پالش کو صاف کیے بغیر آدمی پاک نہیں ہوتا نہ نماز ہوگی نہ تلاوت جائز ہوگی وہ اسی معنی میں ہے جو ہم نے بیان کیا ہے۔ (آپ کے مسائل جلد دوم)

ناخن پالش والی میت کی پالش صاف کرکے غسل دیں

سوال: اگر کہیں موت آگئی تو ناخن پالش لگی ہوئی عورت کی میت کا غسل صحیح ہوجائے گا؟

جواب: اس کا غسل صحیح نہیں ہوگا اس لیے ناخن پالش صاف کرکے غسل دیا جائے۔ (آپکے مسائل اور انکا حل)

واشنگ مشین سے دھلے ہوئے کپڑوں کا حکم

سوال:۔ واشنگ مشین میں کپڑے کچھ اس انداز سے دھوئے جاتے ہیں کہ ایک ہی بار صابن یا سرف ڈال کر اس میں نجس اور پاک کپڑے ایک ساتھ یا یکے بعد دیگرے دھوئے جاتے ہیں' ان کپڑوں کی پاکیزگی کا کیا حکم ہے؟

جواب:۔ اگر چہ پہلے نجس پانی سے جملہ کپڑے نجس ہو جاتے ہیں مگر اس دھلائی کے بعد اس نجس صابن کو نکالنے کے لئے مشین میں ہی یا باہر پانی میں کئی بار دھو کر ان سے یہ نجس صابن نکال دیا جاتا ہے جس کے بعد کپڑوں میں نجس پانی باقی نہیں رہتا اس لئے ازالہ نجس کے بعد کپڑے پاک ہو جاتے ہیں لہٰذا واشنگ مشین سے دھلے ہوئے کپڑے پاک ہیں۔ (فتاویٰ حقانیہ ج ۲ ص ۵۸۲)

ڈرائی کلینر سے کپڑے پاک ہونے کا حکم

سوال:۔ ڈرائی کلینر کے ذریعے کپڑے پٹرول سے پاک کئے جاتے ہیں لیکن اس میں کپڑا نچوڑنا نہیں ہوتا بلکہ حرارت سے کپڑا سوکھ جاتا ہے' کیا اس طریقے سے دھوئے ہوئے کپڑے سے نماز جائز ہے؟

جواب:۔ اگر کپڑا پاک ہو صرف میل کچیل ڈرائی کلینر کے ذریعہ دور کی گئی ہو تو اس سے کپڑے کی طہارت متاثر نہیں ہوتی تاہم یہ ضروری ہے کہ مائع چیز میں اس کے ساتھ ناپاک کپڑا نہ ملایا گیا ہو' اور اگر کپڑا ناپاک ہو تو پھر اگر اس پر اتنا پٹرول ڈالا جائے کہ اس سے کپڑے کو نچوڑا جا سکے تو ایسی صورت میں بھی کپڑا پاک ہو گا کیونکہ کپڑے کی نجاست ہر مائع مزیل سے پاک ہو جاتی ہے۔ البتہ اگر میل کچیل حرارت کے ذریعہ سوکھ جاتا ہو اور کپڑا ناپاک ہو تو پھر میل کے چلے جانے کے بعد بھی کپڑا ناپاک ہی رہے گا۔ دوبارہ پانی سے دھونا ضروری ہے۔ (فتاویٰ حقانیہ ج ۲ ص ۵۷۶)

روئی اور فوم کا گدا پاک کرنے کا طریقہ

سوال: فوم اور روئی کے گدے کو کس طرح پاک کیا جائے؟ اگر بستر کے طور پر استعمال کرنے سے وہ ناپاک ہو جائے کیونکہ عموماً چھوٹے بچے پیشاب کر دیتے ہیں؟

جواب: ایسی چیز جس کو نچوڑنا ممکن نہ ہو اس کے پاک کرنے کا طریقہ یہ ہے کہ اس کو دھو کر رکھ دیا جائے' یہاں تک کہ اس سے قطرے ٹپکنا بند ہو جائیں اس طرح تین بار دھو لیا جائے۔ (آپ کے مسائل جلد ۲)

حالت جنابت میں کمپیوٹر سے قرآن لکھنے کا حکم

سوال:۔ جنابت کی حالت میں قرآنی آیات کی کتابت بذریعہ ٹائپ رائٹر یا کمپیوٹر کرنا کیسا ہے؟

جواب:۔ شریعت مقدسہ میں قرآن کریم کا احترام اصلاً مقصود ہے۔ یہی وجہ ہے کہ جنبی آدمی کے لئے قرات قرآن (تلاوت کرنا) درست نہیں۔ اسی طرح فقہاء کرام نے جنبی کے لئے قرآن کریم کا لکھنا بھی منع فرمایا ہے۔ چونکہ ٹائپ رائٹر اور کمپیوٹر کے ذریعے حالت جنابت میں قرآن لکھنا ہوتا ہے اس لئے درست نہیں، البتہ بے وضو ان جدید ذرائع سے کتابت قرآن کی جا سکتی ہے۔ بشرطیکہ قرآنی آیات کو ہاتھ نہ لگے۔ (فتاویٰ حقانیہ ج ۲ ص ۵۶۶)

ٹرین میں حتی الوسع استقبال قبلہ ضروری ہے

سوال: ٹرین میں نماز کے دوران قبلہ رخ ہونا ذرا مشکل ہوتا ہے تو وہاں قیام فرض ہے یا نہیں؟

جواب: ٹرین میں نماز پڑھنے میں حتی الوسع کھڑے ہو کر نماز پڑھنی چاہیے اور قبلہ رخ ہونا ضروری ہے لیکن عورت پردے کے اہتمام کے ساتھ نماز پڑھے اور کھڑی نہ ہو سکے تو بیٹھ کر پڑھ لے۔ (دار العلوم دیوبند جلد ۲ ص ۱۱۲)

قالین اور فوم کے گدوں پر نماز کا حکم

سوال۔ ہمارے محلے کی مسجد میں ایک صاحب خیر نے نمازیوں کیلئے قالین بچھایا ہے جو بہت نرم ہے، کیا اس قالین پر نماز پڑھنا جائز ہے یا نہیں؟

جواب۔ نماز میں زمین پر سجدہ کرنا ضروری ہے یعنی زمین کی صلابت اور سختی کا ادراک ضروری ہے۔ لہٰذا اگر قالین پر سجدہ کے دوران نیچے کی زمین کی سختی کا ادراک ہو سکتا ہے تو نماز جائز ہے ورنہ نہیں، چونکہ آج کل کے قالینوں میں زمین کی سختی کا ادراک ہوتا ہے۔ اس لئے قالین کارپٹ، دری وغیرہ پر نماز پڑھنا جائز ہے البتہ موٹے اور لچکدار فوم پر نماز جائز نہیں۔ (فتاویٰ حقانیہ ج ۳ ص ۸۳)

پچاس سال کی قضا نمازیں اور اس کی ادائیگی

سوال۔ زید کی اکثر نمازیں ابتدائے شباب سے چالیس برس تک قضا ہوئی ہیں اور اب وہ توبہ کے بعد نمازی ہو گیا کیا ان قضا نمازوں کا تدارک توبہ وتضرع سے ہو سکتا ہے یا ہر نماز کے بعد بطور قضاء عمری نماز ادا کرنی چاہئے اور اگر اس کی زندگی تلافی مافات نہ کر سکے تو کیا باوجود توبہ یہ بار عظیم اس کی گردن پر رہے گا۔ حدیث میں التائب من الذنب کمن لا ذنب له آیا ہے۔

جواب۔ زید کو گزشتہ تمام نمازوں کی قضاء کرنا لازم ہے اور جس طرح آئندہ کی نمازیں اس کے ذمہ فرض ہیں اسی طرح فوت شدہ نمازوں کو ادا کرنا لازم ہے۔ ان کی قضاء کی جو صورت سہل معلوم ہو اختیار کرے کہ ہر ایک وقت کے فرض کے ساتھ وہی نماز قضاء کر لیا کرے یا دو دو چار چار ایک وقت میں قضاء کر لیا کرے اور اگر زندگی میں تلافی مافات نہ ہو سکے تو آخر میں وصیت کرنا ادائے فدیہ کیلئے لازم ہے تا کہ ورثہ بعد میں باقی ماندہ نمازوں کا فدیہ ادا کر دیں اور حدیث التائب من الذنب کمن لا ذنب لہ کا مطلب یہ ہے کہ نمازوں کی تاخیر کرنے اور وقت پر ترک کرنے کا جو گناہ ہوا وہ توبہ سے معاف ہو جائے گا اور نیز واضح ہو کہ جیسے حقوق عباد کی توبہ ہے کہ وہ حقوق ادا کرے اور جس کا جو کچھ حق ہے وہ دے جب توبہ قبول ہو گی۔ اسی طرح حقوق اللہ مثل نماز و روزہ زکوٰۃ وغیرہ جو ادا نہیں ہوئی ان کی توبہ یہ ہے کہ انکو ادا کرے پس بدون ادا کئے وہ تائب ہی نہ ہوا جو التائب من الذنب کمن لا ذنب لہ کے حکم میں داخل ہو واللہ ولی التوفیق۔ (فتاویٰ دار العلوم ج ۴ ص ۲۵۷)

ایک ضروری مسئلہ

امام کو بغیر کسی ضرورت کے محراب کے سوا اور کسی جگہ مسجد میں کھڑا ہونا مکروہ ہے مگر محراب میں کھڑے ہونے کے وقت پیر باہر ہونے چاہئیں۔ (بہشتی گوہر)

مسجد کے اسپیکر سے دنیاوی اعلانات

سوال:۔ کیا فرماتے ہیں علماء دین اس مسئلہ کے بارے میں کہ مسجد کے اندر نصب شدہ

لاؤڈ سپیکر مسجد سے غیر متعلقہ دنیاوی اعلانات از قسم اعلانات گمشدگی مختلف اشیاء اعلان متعلقہ راشن ڈپو اعلان متعلقہ بلدیاتی انتخابات' یا عام انتخابات وغیرہ کرنا ازروئے شریعت مطہرہ کیسا ہے؟ نیز ایسا اعلان کرنا جو کہ مسجد کے اردگرد کی آبادی بستی یا معاشرے کے متعلق ہو لیکن مسجد کے متعلق نہ ہو مثلاً یہ اعلان کرنا کہ کسی بلدیاتی انتخاب کے سلسلہ میں یا کسی دوسرے دنیاوی سلسلہ میں تمام بستی والے فلاں مقام پر صلاح مشورہ کے لئے اکٹھے ہو جائیں۔ ازروئے شریعت کیسا ہے؟ احادیث مبارکہ اور قرآن پاک کی روشنی میں مدلل جواب عنایت فرمائیں۔

جواب:۔ مسجد کے اندر نصب شدہ لاؤڈ سپیکر پر اس قسم کے اعلانات ہرگز جائز نہیں۔

ایک دفعہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی موجودگی میں ایک شخص نے مسجد میں گم شدہ چیز کا اعلان کیا تھا تو اس کے جواب میں آپ (صلی اللہ علیہ وسلم) نے (لا رد اللہ علیک) الحدیث فرمایا۔ جو سخت ناراضگی کی دلیل ہے۔ واللہ تعالیٰ اعلم۔ (فتاویٰ مفتی محمود ج ۱ ص ۳۶)

مسجد کی دیوار پر نقش ونگار کرنا

سوال: مسجد کی آمدن سے اس کی زیب زینت' نقش ونگار' گنبد اور برجیاں وغیرہ بنانا جائز ہے یا نہیں؟

جواب: مسجد کی بیرونی دیواروں پر نقش ونگار جائز ہے' اندر کے حصے میں محراب اور قبلہ کی دیوار پر نقش ونگار مکروہ ہے اور دائیں بائیں کی دیواروں کے متعلق بھی ایک قول کراہت کا ہے۔ بہرکیف اندر کے حصے میں عقبی دیوار پر اور چھت پر نقش ونگار درست ہے' سامنے کی دیوار اور دائیں بائیں کی دیواروں پر بھی اگر اس قدر نقش ونگار کیا جائے کہ نمازی کی نظر وہاں نہ پڑے تو جائز ہے مگر اس میں ان شرائط کی رعایت ضروری ہے۔

۱- اس میں بہت زیادہ تکلف نہ کیا جائے۔

۲- وقف کا مال نہ لگایا جائے' اگر لگا دیا تو متولی ضامن ہوگا۔

ان شرائط سے بھی یہ کام صرف جائز ہے' مسنون یا مستحب نہیں' اس کے بجائے یہ پیسہ مساکین پر صرف کیا جائے تو زیادہ بہتر ہے۔ (احسن الفتاویٰ ج ۶ ص ۴۵۹)

اذان میں تجوید کی غلطی کا حکم

سوال۔ ایک شخص اذان دیتے ہوئے بہت غلطیاں کرتا ہے' تلاوت قرآن شریف بھی بہت غلط پڑھتا ہے' جابجا لحن جلی کرتا ہے "حی علی الصلوۃ" میں حاء کو ھاء پڑھتا ہے' ایسا شخص اس منصب کے قابل ہے یا نہیں؟ فتاویٰ رشیدیہ کا مسئلہ اس بارے میں درست ہے یا نہیں؟

جواب۔ موذن کا تقرر کرتے وقت اس بات کا پورا لحاظ رکھنا چاہئے کہ موذن صحیح خواں ہو اور کسی قسم کا لحن نہ کرتا ہو' پھر اگر وہ ایسی غلطی کرے جو معنی بگاڑ دے تو اذان ہی نہیں ہوتی "حی علی الصلوۃ" کو ھی علی الصلوۃ' پڑھنے سے معنی نہیں بگڑتے' البتہ اس غلطی کی اصلاح کے بغیر موذن کا تقرر نہ کرنا چاہئے لیکن اگر تقرر کر لیا گیا ہو تو اذان ہو جائے گی۔ فتاویٰ رشیدیہ کا مسئلہ بالکل درست ہے۔ واللہ تعالیٰ اعلم (فتاویٰ عثمانی)

داڑھی منڈانے والے کو امام بنانا

سوال۔ جو شخص داڑھی منڈاتا یا کتراتا ہے' اس کے پیچھے نماز پڑھنا کیسا ہے؟ اور تراویح میں ایسے شخص کو امام بنایا جا سکتا ہے؟

جواب۔ ایسے شخص کو باختیار خود امام بنانا جائز نہیں اور صالح و متدین امام کے پیچھے نماز پڑھنے کی کوشش ضروری ہے۔ تاہم اس کی اقتداء نہ کرنے کی صورت میں جماعت بالکل فوت ہونے کا اندیشہ ہو تو اس کے پیچھے نماز پڑھنا انفراداً نماز پڑھنے سے بہتر ہے۔ اور تراویح میں بھی ایسے شخص کو امام بنانا جائز نہیں اگر اور کوئی مہیا نہ ہو تو "الم تر کیف" سے پڑھ لینا بہتر ہے۔ (فتاویٰ عثمانی)

امام کے شرعی اوصاف

سوال۔ ایک امام جو تمام اوقات کی نماز پڑھاتا ہو' اس کے شرعی اوصاف کیا ہونے چاہئیں؟ کیا اس میں جسمانی اعضاء کا بھی لحاظ ہے؟ مثلاً جس شخص کا ہاتھ پیدائشی طور پر مفلوج ہو یا پیدائشی چھوٹا ہو اور وہ تکبر کے وقت ہاتھ کانوں تک نہ لے جا سکتا ہو' کیا اس عذر کا شخص نماز پڑھانے کا اہل ہے؟

جواب ۔ سب سے پہلے یہ سمجھ لیجئے کہ امام بارگاہ خداوندی میں مسلمانوں کی درخواست پیش کرنے کیلئے ایک نمائندہ کی حیثیت رکھتا ہے۔ اس لئے شریعت کی طرف سے اس کے کچھ مخصوص اوصاف مقرر کئے گئے ہیں تاکہ یہ نمائندہ مسلمانوں کے شایان شان ان کی نمائندگی کر سکے۔ ان اوصاف میں سے بعض تو لازمی ہیں اور جس شخص میں یہ اوصاف نہ پائے جاتے ہوں اس کے پیچھے نماز نہیں ہوتی اور بعض اوصاف ایسے ہیں کہ ان کے بغیر نماز ہو جاتی ہے مگر مکروہ رہتی ہے اور بعض اوصاف صرف مستحسن اور پسندیدہ ہیں ان کے بغیر نماز میں کوئی کراہت نہیں آتی مگر بہتر یہ ہے کہ امام اسی شخص کو بنایا جائے جس میں یہ اوصاف بھی موجود ہوں۔

لازمی اوصاف جن کے بغیر مقتدیوں کی نماز ہی نہیں ہوسکتی مندرجہ ذیل ہیں۔

۱۔ امام مسلمان ہو' بالغ ہو' دیوانہ نہ ہو' نشے میں نہ ہو۔

۲۔ نماز کا طریقہ جانتا ہو۔

۳۔ نماز کی تمام شرائط وضو وغیرہ اس نے پوری کر رکھی ہوں۔

۴۔ کسی ایسے مریض میں مبتلا نہ ہو' جس کی وجہ سے اس کا وضو قائم نہ رہتا ہو' مثلاً مسلسل نکسیر وغیرہ (ایسے شخص کو فقہاء معذور کہتے ہیں' ایسا شخص اپنے جیسے معذور کی امامت تو کر سکتا ہے مگر تندرست لوگوں کا امام نہیں بن سکتا)

۵۔ رکوع اور سجدے پر قادر ہو' اگر کسی بیماری کی وجہ سے وہ رکوع سجدے پر قادر نہ ہو تو تندرست لوگوں کی امامت نہیں کر سکتا۔ ۶۔ گونگا' توتلا یا ہکلا نہ ہو۔

اور دوسری قسم کے اوصاف جن کے بغیر نماز مکروہ رہتی ہے۔ مندرجہ ذیل ہیں۔

۱۔ صالح ہو' یعنی کبیرہ گناہوں میں مبتلا نہ ہو۔ ۲۔ فاسد العقیدہ نہ ہو۔

۳۔ نماز کے ضروری مسائل سے واقف ہو۔

۴۔ قرآن کریم کی تلاوت صحیح طریقے سے کر سکتا ہو۔

۵۔ کسی ایسے جسمانی عیب میں مبتلا نہ ہو' جس کی وجہ سے اس کی پاکیزگی مشکوک ہو جائے یا لوگ اس سے گھن یا اس کا استخفاف کرتے ہوں۔ اسی وجہ سے نابینا' مفلوج' ابرص وغیرہ کے

پیچھے نماز پڑھنے کو فقہاء نے خلاف اولی قرار دیا ہے لیکن یہ کراہت اسی وقت ہے جب اس سے بہتر دوسرا امام مل سکتا ہو اگر اس سے بہتر نہ مل سکے تو کوئی کراہت نہیں ہے۔ (شامی)

یہ تمام اوصاف تو قانونی انداز کے تھے، ان کے علاوہ چونکہ امام مسجد اپنے محلے کا دینی مرکز اور ایک طرح سے مربی بھی ہوتا ہے اس لئے بہتر یہ ہے کہ مندرجہ ذیل مزید اوصاف اس میں پائے جاتے ہوں۔

حاضرین میں علم دین اور تلاوت قرآن کے اعتبار سے سب سے زیادہ بلند رتبہ ہو۔ خوش اخلاق، شریف النسب، باوقار اور وجیہ ہو۔ صفائی، ستھرائی، تقویٰ اور طہارت کا خیال رکھتا ہو۔ مستغنی طبیعت رکھنے والا اور سیر چشم ہو اور محلے کی دینی ترتیب کیلئے جتنے اوصاف کی ضرورت ہے، وہ اس میں پائے جاتے ہوں۔

محلے کی مساجد میں امام کا انتخاب کرتے وقت ان اوصاف کی رعایت کر لی جائے تو محلے میں ایک نہایت خوش گوار دینی ماحول پیدا ہو سکتا ہے۔ مذکورہ بالا تشریح کے بعد آپ کے تمام سوالات کا جواب خود بخود واضح ہو جاتا ہے جس شخص کے ہاتھ اتنے چھوٹے ہوں کہ وہ کانوں تک نہ پہنچتے ہوں تو اگر اس میں کوئی اور عیب نہیں ہے تو اس کے پیچھے بلا کراہت نماز پڑھی جا سکتی ہے۔ (واللہ اعلم فتاویٰ عثمانی)

بحمد اللہ

ایمان بچائیے، ایمان کی تکمیل وحفاظت کا دستور العمل
دُنیا کی سب سے بڑی دولت "ایمان" پر پہلی جامع کتاب

ایمان کی فکر کیجئے

مجموعۂ افادات

حکیم الامت مجدد الملت حضرت تھانوی رحمہ اللہ تعالیٰ
حکیم الاسلام حضرۃ قاری محمد طیب صاحب رحمہ اللہ تعالیٰ
فخر المحدثین حضرت مولانا بدرِ عالم مہاجر مدنی رحمہ اللہ تعالیٰ
حضرت جی مولانا محمد یوسف کاندھلوی رحمہ اللہ تعالیٰ
عارف باللہ حضرت ڈاکٹر عبدالحئی عارفی رحمہ اللہ تعالیٰ
شیخ الاسلام مولانا مفتی محمد تقی عثمانی مدظلہ العالی
حضرت مولانا عبدالقیوم مہاجر مدنی مدظلہ العالی

اِدارۂ تالیفاتِ اَشرفیہ چوک فوارہ مُلتان پاکستان
(061-4540513-4519240

ایمان بچایئے، ایمان کی تکمیل وحفاظت کا دستور العمل
دُنیا کی سب سے بڑی دولت "ایمان" پر پہلی جامع کتاب

آیئے ایمان کی فکر کیجئے

مجموعۂ افادات

حکیمُ الامّتؒ مجدّدُ الملّتؒ حضرتؒ تھانوی رحمہ اللہ تعالیٰ
حکیمُ الاسلام حضرۃ قاری محمد طیبؒ صاحبؒ رحمہ اللہ تعالیٰ
فخرالمحدثین حضرتؒ مولانا بدرِ عالمؒ مہاجر مدنی رحمہ اللہ تعالیٰ
حضرتؒ جی مولانا محمد یوسفؒ کاندھلوی رحمہ اللہ تعالیٰ
عارفؒ باللہ حضرتؒ ڈاکٹر عبدالحیؒ عارفی رحمہ اللہ تعالیٰ
شیخ الاسلام مولانا مفتی محمد تقی عثمانی مدظلہُ العالی
حضرتؒ مولانا عبدالقیوم مہاجر مدنی مدظلہُ العالی

مرتب

محمد اسحٰق مُلتانی
مدیر ماہنامہ "محاسن اسلام" ملتان

اِدارۂ تالیفاتِ اشرفیہ چوک فوارہ مُلتان پاکستان
(061-4540513-4519240

آیئے ایمان کی فکر کیجئے

تاریخ اشاعت.............محرم الحرام ۱۴۳۲ھ دسمبر 2010

ناشر.........................ادارہ تالیفات اشرفیہ ملتان

طباعت ـ ـ ـ ـ ـ فیصل فدا پرنٹنگ پریس ملتان فون 061-4570046

قارئین سے گذارش

ادارہ کی حتی الامکان کوشش ہوتی ہے کہ پروف ریڈنگ معیاری ہو۔ الحمدللہ اس کام کیلئے ادارہ میں علماء کی ایک جماعت موجود رہتی ہے۔ پھر بھی کوئی غلطی نظر آئے تو برائے مہربانی مطلع فرما کر ممنون فرمائیں تا کہ آئندہ اشاعت میں درست ہو سکے۔ جزاکم اللہ

ملنے کے پتے

ادارہ تالیفات اشرفیہ....چوک فوارہ....ملتان — اسلامی کتاب گھر...خیابان سرسید روڈ...راولپنڈی
ادارہ اسلامیات.........انار کلی.........لاہور — دارالاشاعت.......اردو بازار.........کراچی
مکتبہ سید احمد شہید.........اردو بازار.......لاہور — مکتبۃ القرآن......بنوری ٹاؤن............کراچی
مکتبہ رحمانیہ.........اردو بازار .... لاہور — مکتبہ دارالاخلاص....قصہ خوانی بازار.......پشاور
مکتبہ رشیدیہ.........سرکی روڈ...................کوئٹہ

ISLAMIC EDUCATIONAL TRUST U.K — 119-121- HALLIWELL ROAD
(ISLAMIC BOOKS CENTERE — BOLTON BL1 3NE, (U.K.)

عرضِ مُرتّب وناشر

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

ایمان نہیں تو کچھ نہیں

اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ وَحْدَہٗ وَالصَّلوٰۃُ وَالسَّلَامُ عَلٰی مَنْ لَا نَبِیَّ بَعْدَہٗ

اما بعد! جب سے کارخانہ دنیا وجود میں آیا، روحانیت و مادیت باہم برسر پیکار رہے ہیں۔ روحانیت کا سرچشمہ ایمان ہے اور مادیت ہر اس چیز کو کہا جا سکتا ہے جو ایک مومن کو اللہ تعالیٰ سے غافل اور اس کے ایمان میں ضعف کا سبب بنے۔ دور حاضر کی عالمی طاقتوں کے پاس آنکھوں کو خیرہ کرنے والی مادی ترقی اور چمک دمک سے آراستہ جدید ترین سائنسی ٹیکنالوجی ہے جس کے بل بوتے پر انھوں نے بظاہر کائنات کا کچھ حصہ تو مسخر کر لیا لیکن خود اس مادیت کے دلدل میں ایسے اترے کہ انسانیت کا جامہ بھی چاک کر بیٹھے آج کے غیر مسلم افراد ہر طرح کے اسباب راحت اور جدید ترین سہولیات کے باوجود اپنی زندگی سے بیزار کیوں ہیں؟ اس کا مختصر جواب یہ ہے کہ ان کی زندگی روحانیت اور ایمان سے خالی ہے جبکہ روحانی سکون اور حقیقی امن و اطمینان ایمان کے بغیر حاصل ہونا ناممکن ہے کہ آدمی مادی رقم سے نیند کی گولی تو خرید سکتا ہے لیکن پُرسکون نیند نہیں خرید سکتا۔ نرم وریشمی بستر خرید سکتا ہے لیکن روح کو سکون بخش آرام نہیں دے سکتا۔

اس دنیا میں ایک شخص کیلئے سب سے بڑی نعمت اور دولت ''ایمان'' ہے جس کے ہوتے ہوئے وہ بظاہر اسباب راحت سے ناآشنا لیکن حقیقی لطف وکرم میں ہوتا ہے یہی ایمان ہے جو دنیا میں آدمی کو سنبھالتا ہے اور اسے اللہ تعالیٰ کی قدرت سے آشنائی کے بعد ہر طرح کا اطمینان وسکون بخشتا ہے اور آخرت میں تو کامیابی صرف اہل ایمان ہی کے مقدر میں ہے۔

آج کی خدا بیزار عالمی طاقتوں کا سارا زور اسی بات پر ہے کہ اہل ایمان کے دلوں میں روشن نور ایمان کو بجھا دیا جائے یا اس کی روشنی اس قدر مدھم کر دی جائے کہ خود صاحب ایمان

بھی اس نعمت کا اندازہ نہ کر سکے۔ دور حاضر ایمان کو کمزور کرنے میں مادی ترقی اور مادی اسباب اس تیزی سے زندگی میں سرایت کرتے جارہے ہیں کہ روحانیت کمزور سے کمزور ہوتی جاتی ہے۔ ہم غیر مسلم اقوام کو کہتے ہیں کہ تم نے دنیا کی ہر ممکنہ ترقی کر لی لیکن تمہاری زندگی میں حقیقی راحت وسکون ناپیدرہا' تم دین اسلام کو قبول کر کے حقیقی روحانیت اختیار کرلو تو آج بھی یہی دنیا جو گوناگوں مصائب و بدامنی کی آماجگاہ بن چکی ہے امن وشانتی کا گہوارہ بن سکتی ہے۔

ایمان اور ایمان کے بغیر کیے جانے والے تمام اعمال کی مثال یہ ہے کہ جس طرح ایک کا ہندسہ لکھ کر اس کے دائیں طرف جتنے صفر بڑھاتے جائیں تو ایک کی مالیت بڑھتی چلی جائے گی کہ ایک صفر سے دس' دو سے سو اور تین سے ہزار' اور اگر ایک کے بائیں طرف صفر لگاتے جائیں تو وہ ایک کی مالی مقدار بھی گھٹاتے چلے جائیں گے اسی طرح ہر صاحب ایمان کا معمولی کام بھی اس کیلئے بے شمار اجر وثواب کا ذریعہ بنتا ہے جبکہ ایمان سے محروم افراد کی بڑی سے بڑی نیکی بھی اخروی اعتبار سے اکارت چلی جاتی ہے۔ اس مثال سے ایمان کی فضیلت واہمیت سمجھی جا سکتی ہے۔

افسوس کہ ایمان جس قدر عظیم نعمت ہے اس کے بارہ میں ہماری لاپرواہی اور غفلت اتنی ہی عام ہے کہ مجالس اور باہمی گفتگو میں ایسے جملے بول بیٹھتے ہیں جو کہ آدمی کو ایمان سے محروم کر دیتے ہیں اس لئے سنجیدگی کا موقع ہو یا طنز ومزاح کا ہر وقت اس بات کی فکر لازم ہے کہ میرا ایمان سلامت رہے۔ اہل اللہ فرماتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے جو ایمان کا نور عطا فرمایا ہے اس کی قدم قدم پر حفاظت کر کے قبر تک لے جانا ہے۔ اہل اللہ کی زندگی کا مطالعہ بتاتا ہے کہ ہمہ وقت مومنانہ صفات سے آراستہ ہونے کے باوجود ہر وقت ایمان پر خاتمہ کی فکر رہتی ہے اور ہمہ وقت اس کیلئے دعا گو اور ہر آنے والے سے بھی ایمان پر خاتمہ کی دعا کرتے ہیں ایسے واقعات آپ کو زیر نظر کتاب ''آئیے ایمان کی فکر کیجئے'' میں ملیں گے حقیقت یہ ہے کہ یہ کتاب دور حاضر کے ہر مسلمان کیلئے قابل مطالعہ ہے۔ اللہ تعالیٰ اس جدید کاوش کو شرف قبولیت سے نوازیں اور ہم سب کو ایمان کامل نصیب فرمائیں اور اس دور میں ہمیں تمام مخرب ایمان امور سے بچائے آمین یارب العالمین۔

والسلام

محمد اسحٰق غفرلہ

محرم الحرام ۱۴۳۲ھ بمطابق دسمبر ۲۰۱۰ء

لا الٰہ الا اللہ محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم

اهدنا الصراط المستقيم

ہمیں سیدھے راستے کی ہدایت عطا فرمائیے

تُو عرب ہو یا عجم ہو ترا لا الٰہ اِلاّ
لُغَتِ غریب جب تک ترا دل نہ دے گواہی

ہزار خوف ہو لیکن زباں ہو دِل کی رفیق
یہی رہا ہے ازل سے قلندروں کا طریق

چو می گویم مُسلمانم بلرزم
کہ دانم مُشکلاتِ لا الٰہ را

فہرست مضامین

ایمان کی نشانیاں اور مؤمن کی صفات

بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

ایمان بچاؤ

ایک مسلمان کیلئے دنیا و آخرت کی سب سے بڑی نعمت ایمان ہے۔ جس کے ہوتے ہوئے مادی اسبابِ راحت کچھ بھی نہ ہوں تو بھی سکون و عافیت کیلئے بندہ کا حقیقی مومن ہونا ہی کافی ہے۔ اگر خدانخواستہ ایمان کی دولت نہیں ہے اور دنیا کے تمام مادی اسباب راحت جمع کر لئے جائیں تو بھی فطری سکون و قرار حاصل نہیں ہو سکتا۔ یہی وجہ ہے کہ غیر مسلم ممالک میں ہر طرح کی آرائش و راحت کے نت نئے سامان کے باوجود بے سکونی و بدامنی عام ہے۔ ایک روحانی تشنگی ہے جس کی غیر موجودگی میں سب کچھ ہوتے ہوئے بھی کچھ نہیں۔ ایمان کی اہمیت کا اندازہ اس بات سے بخوبی لگایا جا سکتا ہے کہ روزِ محشر وہ شخص جس کا نامۂ اعمال میں ذرہ برابر بھی ایمان ہوگا وہ ضرور جنت میں داخل ہوگا۔ ایک مسلمان کیلئے یہ ایک عظیم بشارت ہے جس کے ہوتے ہوئے دنیا کے تمام مشکل مراحل اور مصائب کافور ہو جاتے ہیں۔

آج کی خدا بیزار غیر مسلم اقوام کا سب سے زیادہ حملہ اسی نکتہ پر ہے کہ مسلمان جو عملی اعتبار سے جس درجہ پر بھی ہوں کسی نہ کسی طرح ان کے ایمان کا خاتمہ نہ کیا جا سکے تو کم از کم ضعیف ترین کر دیا جائے۔ مغربی میڈیا' غیر اسلامی چینلز اخبار و رسائل اور پبلسٹی کے تمام امور میں براہ راست مسلم امت کے ایمان اور خدائے وحدہٗ لاشریک کی ذات پر پختہ اعتماد و یقین کو متزل کرنے کی کوشش کی جاتی ہے۔ اگر یہ معاملہ غیر مسلم افراد کی طرف سے ہو تو سمجھ میں آ سکتا ہے۔ لیکن اب مسلم ممالک کی مسلم برادری کے ٹی وی چینلز اور اخبار و رسائل کا مطالعہ کیجئے معلوم ہوگا کہ دنیا کے چند سکوں کے بدلے پوری امت مسلمہ کے ایمان کو داؤ پر لگایا گیا ہے۔ جتنے بھی قومی اخبار ہیں ان میں سے کوئی بھی ایسا نہیں جسے ایک مسلمان اپنے گھر میں لگوا سکے۔

سوائے ایک دو اخبارات کے ہمارے ہاں تمام ٹی وی چینلز کو دیکھا جائے تو ایک دردمند مسلمان اسی نتیجہ پر پہنچے گا کہ یہ ہم مسلمانوں کے ایمان، معاشرت، کلچر اور پوری زندگی کا زاویہ و مقصد تبدیل کرنے کی تحریک ہے۔ اسلامی تعلیمات کے مسلم اصولوں کی برسر عام خلاف ورزی اسلامی احکام کی توہین و تضحیک روز کا معمول ہے۔ ہر مسلمان جانتا ہے کہ اللہ تعالیٰ کی معمولی نافرمانی بھی گناہ ہے۔ گناہ کو گناہ سمجھتے ہوئے کرنے سے ایک نہ ایک دن توبہ کی توفیق مل جاتی ہے۔

لیکن خدانخواستہ اگر گناہ کو گناہ ہی نہ سمجھا جائے بلکہ اس پر ندامت کی بجائے فخر ہو تو معاملہ کفر تک پہنچ سکتا ہے۔ ٹی وی کے ڈرامہ سیریل، فلموں کی کہانیاں، دانشوروں کے تبصرے اور مکالمے، ریڈیو کی نشریات ہمارے ایمان کو ضعیف کرنے اور ہمیں مقصد حیات سے دور کرنے کا ایک نظام ہے۔ جس میں ہمیں اور بالخصوص نسل نو کو جکڑا جا رہا ہے۔ اور اب تو پاکستان کے عام شہروں میں بالکل عریاں ڈانس دکھائے جا رہے ہیں۔

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک حدیث شریف میں فرمایا اس وقت تمہارا کیا حال ہوگا جب تمہارے نوجوان بدکار ہو جائیں گے اور تمہاری لڑکیاں اور عورتیں تمام حدود پھلانگ جائیں گی۔ صحابہ نے عرض کیا یا رسول اللہ! کیا ایسا بھی ہوگا؟ فرمایا: ہاں اور اس سے بھی بڑھ کر اس وقت تمہارا کیا حال ہوگا جب نہ تم بھلائی کا حکم کرو گے نہ برائی سے منع کرو گے صحابہ نے عرض کیا یا رسول اللہ! کیا ایسا بھی ہوگا؟ فرمایا: اور اس سے بھی بدتر اس وقت تم پر کیا گزرے گی جب تم برائی کو بھلائی اور بھلائی کو برائی سمجھنے لگو گے۔ (ابن مبارک)

درج بالا احادیث اور موجودہ حالات کے تناظر میں ایک مسلمان کیلئے وقت کی سب اہم مصروفیت اپنے ایمان بچانے کے علاوہ کیا ہو سکتی ہے۔ اللہ تعالیٰ اس پُرفتن دور میں ہمارے ایمان کی حفاظت فرمائے آمین۔

ایک زمانہ ایسا تھا جب معاشرہ میں ٹی وی/ وی سی آر/ ریڈیو کی خرافات نہیں تھیں اس وقت بھی لوگ زندہ تھے اور ان کے تمام ضروری کام چل رہے تھے۔ آج بھی جن گھروں میں یہ چیزیں نہیں ہیں۔ ان کے گھروں کے ماحول اور بچوں کے اخلاق و

کردار سے واضح فرق محسوس کیا جا سکتا ہے۔ دیکھئے دشمن اپنے دشمن کی سب سے قیمتی چیز چھیننے کی کوشش کرتا ہے۔عیسائی یہود و ہنود ہم مسلمان کے واضح دشمن ہیں۔انہیں معلوم ہے کہ مسلمانوں کے پاس دنیا و آخرت کی سب سے قیمتی دولت ''ایمان'' ہے اسے چھینا جائے۔ان حالات میں اگر ہم نے اپنے اور اپنے بچوں کے ایمان کی فکر نہ کی تو ہم اپنے دشمنوں کیلئے ترتوالہ ثابت ہونگے اج کتنے ہی لوگ ہیں جو مغربی پروپیگنڈہ کی وجہ سے عقائد وایمان جیسے بنیادی ابواب میں بھی شک وشبہ کا شکار ہیں۔

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے مبارک ارشادات میں قیامت کی علامات کے ضمن میں فرمایا لوگوں پر ایک زمانہ آئے گا جس میں اپنے دین پر ثابت قدم رہنے والے کی مثال ایسی ہوگی جیسے کوئی شخص آگ کے انگاروں سے مٹھی بھر لے۔(ترمذی)

اللہ پاک ہم کو فکر نصیب فرمائیں آمین

عمل ایمان کا شاھد

''بنیادی چیز محبت ہے اور محبت کا ظرف دل ہے۔ جب دل میں اللہ ورسول صلی اللہ علیہ وسلم کی محبت آ جائے گی تو ہاتھ پیر پر بھی اس کے اثرات ظاہر ہوں گے اور اعمال صالحہ بھی صادر ہوں گے اور اگر دل میں محبت نہیں ہے تو نہ ایمان بنے گا اور نہ اعمال بنیں گے۔ مسلم نام کے تو ہوں گے مگر کام اسلام کے نہیں ہوں گے۔ جب دل میں ایمان ہوگا تو جب ہی کام اسلام کے ہوں گے۔ اس لئے ہمیں نام کے مسلمان نہیں ہونا چاہئے بلکہ کام کے مسلمان ہونا چاہئے۔ دل میں محبت رچی ہوئی ہو اور ہاتھ پیر پر عمل ہو یہی عمل شہادت دے گا کہ ایمان ایک چیز ہے جو اندر چھپی ہوئی ہے''۔(جواہر حکمت)

ایمان اور اس کے شعبے

حکیم الاسلام قاری محمد طیب صاحب رحمہ اللہ فرماتے ہیں۔

حضور صلی اللہ علیہ وسلم ارشاد فرماتے ہیں کہ ایمان کے کچھ اوپر ستر شعبے اور شاخیں ہیں جن میں سے اعلیٰ ترین شعبہ لا الہ الا اللہ کہنا اور پڑھنا اور ادنیٰ شعبہ راستے سے ایذادہ چیزوں کو ہٹا دینا' تکلیف دہ چیزوں کا دور کر دینا ہے تا کہ لوگوں کو تکلیف نہ ہو اور فرمایا حیاء ایمان کا ایک بہت بڑا شعبہ ہے۔ یہ حدیث کا تقریباً لفظی ترجمہ ہے۔

اس میں ایمان کے شعبے اور اس کی شاخیں بیان کی گئی ہیں۔ پہلے اس کی ضرورت ہے کہ خود ایمان کی حقیقت سامنے آئے تا کہ اس کے شعبوں کو اور اس کی شاخوں کو اچھی طرح سمجھ سکیں۔

ایمان کی دو بنیادیں

ایمان کی دو بنیادیں ہیں۔ ایک **التعظیم لامر اللہ** اور ایک **الشفقة علی خلق اللہ**۔ اللہ کے اوامر اور اس کے قانون کی عظمت و تعظیم کرنا اور دوسرے اس کی مخلوق پر شفقت کرنا اور اس کی خدمت کرنا' یہ ایمان کے اجزاء یا اس کے دو بنیادی شعبے ہیں۔ ایک کا حاصل یہ ہے کہ آدمی اپنے پروردگار کی طرف دوڑے۔ اسی کی طرف جانے کی کوشش کرے اس کی عظمت و تعظیم کے حقوق بجالائے' دوسرے کا حاصل یہ ہے کہ اس کی مخلوق کی خدمت کا حق بجالائے۔ اگر ایک شخص اللہ کی طرف دوڑتا ہے لیکن مخلوق کو ستاتا اور ایذا رسانی کرتا ہے۔ اس شخص کو ضعیف الایمان کہا جائیگا۔ اس کا ایمان کمزور ناقص ہے۔ ایک طرف دوسرا شخص ہے جو رات دن قومی خدمات میں لگا ہوا ہے۔ ہر وقت کا اوڑھنا اور بچھونا قوم کی خدمت ہے لیکن اللہ کی طرف رجوع نہیں ہے۔ نہ عبادت ہے' نہ طاعت ہے۔ وہ اس سے بھی زیادہ ضعیف الایمان اور ناقص

الایمان ہے۔ کامل الایمان وہی شخص سمجھا جائے گا کہ ایک طرف اللہ کی طرف جھکا ہوا ہو اور دوسری جانب اس کی مخلوق کی جانب رجوع کئے ہوئے ہو۔ جیسا کہ انبیاء علیہم الصلوۃ السلام کی شان ہے کہ ہمہ وقت رجوع الی اللہ بھی ہے اور ہمہ وقت خدمت خلق اللہ بھی ہے۔

کسی قانون کی عظمت تب ہوتی ہے جب قانون ساز کی عظمت دل میں ہو اگر قانون بنانے والا یا قانون چلانے والا اس کی دل میں کوئی عظمت نہ ہو بلکہ اس کی حقارت دل میں بیٹھی ہوئی ہو تو قانون کی عظمت بھی دل میں نہیں ہو سکتی۔ اگر قانون بنانے والے کی عظمت دل میں نہ ہو تو پھر قانون دباؤ اور مجبوری کا رہ جاتا ہے۔ دلی شغف کے ساتھ آدمی قانون پر نہیں چل سکتا۔

شریعت اسلام کے قانون کو اللہ نے اس طرح نہیں بھیجا کہ دباؤ ڈال کر منوایا ہو۔ پہلے مالک سے محبت پیدا کی گئی ہے۔ اس محبت کے ذیل میں قانون سے خود بخود محبت پیدا ہو جاتی ہے۔ آدمی قانون شریعت پر اپنے دل کی محبت رضا اور شغف سے چلتا ہے دباؤ سے نہیں چلتا۔ یہ نہیں ہوا کہ تلوار کا دباؤ ڈالا اور مجبور و مقہور کر دیا ہو بلکہ حجتیں پیش کیں کہ دلائل سے سمجھو۔ بصیرت سے سمجھو جب شرح صدر ہو جائے قبول کرو۔ ورنہ چھوڑ دو۔

پہلی بنیاد التعظیم لامر اللہ ہے۔ یہ ایمان کا پہلا رکن ہے اگر عظمت نہیں ہے تو سمجھ لینا چاہئے کہ قلب کے اندر ایمان نہیں ہے۔ پھر عظمت کے بھی درجات ہیں۔ ایک درجہ عظمت کا وہ ہے جو عوام مومنین کے دل میں ہوتا ہے اور ایک وہ ہے جو اولیاء عظام اور علماء ربانیین کے دل میں ہوتا ہے اور ایک وہ ہے جو ائمہ کرام کے دلوں میں ہوتا ہے ایک وہ ہے جو صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے قلوب میں تھا۔ ایک وہ ہے جو انبیاء علیہم السلام کے دلوں میں تھا۔ اسی طرح ایمانوں میں بھی فرق ہے۔ انبیاء علیہم السلام کا ایمان سب سے اعظم ترین ایمان ہے۔ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کا ایمان اس کے بعد تابعین کا اس کے بعد ہم جیسے عوام کا ایمان سب سے اخیر کا درجہ ہے تو جیسے درجات عظمت کے ہیں ویسے ہی درجات ایمان کے بھی ہیں۔ بہر حال جب نفس عظمت میں شرکت ہوگی تو ظاہر بات ہے کہ قانون کی عظمت بھی ہوگی جب عظمت ہوگی پھر محبت بھی ہوگی۔ محبت ہوگی تو آدمی کے دل میں قانون پر عمل درآمد کرنے کی لگن پیدا ہو جائے گی۔

یہی محبت تھی جس نے حضرات صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کو مجبور کیا کہ گھر بار انہوں نے چھوڑا۔ جائیدادیں انہوں نے ترک کیں، وطن چھوڑ کر بے وطن ہوئے۔ اپنی لذتیں ترک کیں، اپنا آرام و آسائش تج دیا، کس لئے؟ محض محبت نبوی اور عظمت خداوندی کی وجہ سے، جب محبت دل میں بیٹھ گئی تو ہر چیز ان کے سامنے ہیچ بن گئی تو ہجرت کر کے وطن چھوڑ کر کے اللہ کے رسول کے ساتھ آ گئے، جانیں الگ قربان کیں، مال الگ چھوڑا، اولاد کو عزیزوں کو رشتہ داروں کو الگ چھوڑا! اگر محبت و عظمت نہ ہوتی، یہ اتنے بڑے بڑے کام ان سے سرزد نہیں ہو سکتے تھے۔

سیدنا صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کے بارے میں روایات میں فرمایا گیا ہے کہ جب غزوہ بدر ہوا تو حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کے چھوٹے صاحبزادے اس وقت تک ایمان نہیں لائے تھے وہ کفار کے لشکر میں مسلمانوں کے مدمقابل تھے۔ غزوہ بدر کے بعد ایمان کی توفیق ہوئی اور ایمان لے آئے۔ ایمان لانے کے بعد ایک دفعہ اپنے والد صدیق اکبر رضی اللہ عنہ سے کہنے لگے کہ!

اے میرے والد! جنگ بدر کے اندر کئی دفعہ ایسا موقع آیا کہ آپ میری زد کے نیچے تھے اگر میں تیر چلاتا یا تلوار سے آگے بڑھ کر مقابلہ کرتا، میں آپ کو ختم کر سکتا تھا مگر میں نے یہ خیال کیا کہ یہ میرے باپ ہیں میرے لئے یہ زیبا نہیں ہے کہ یہ میرے ہاتھ سے قتل ہوں۔ اس لئے میں باپ ہونے کی عظمت کی وجہ سے رک جاتا تھا۔

صدیق اکبر رضی اللہ عنہ نے فرمایا۔

اے میرے بیٹے! اگر تو میری زد پر آ جاتا تو میں سب سے پہلے تجھے قتل کرتا، پھر میں دوسروں کی طرف بڑھتا اس لئے کہ جب دل میں اللہ کی محبت آ گئی تو پھر کسی دوسرے کی محبت کی سمائی کا دل میں کیا سوال، پھر کہاں کی اولاد اور کہاں کی بنیاد؟ جب میں اللہ کیلئے کھڑا ہوا۔ تو میں پہلے اس کو دیکھتا جو دشمن خدا ہے اور میرا عزیز بھی ہے تا کہ میں اپنی عزیز داری کو حق تعالیٰ کی دشمنی سے پاک کر دوں میں پہلے تجھے قتل کرتا۔

اولاد کے حق میں یہ جذبہ پیدا ہو جانا، ظاہر بات ہے کہ عظمت و محبت خداوندی کے بغیر نہیں ہو سکتا۔ اس درجہ کی محبت رچ بس گئی تھی کہ اصول و فروع کی محبت ہی نہ رہی تھی۔

اسی کو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں۔

لا یومن احدکم حتی اکون احب الیه من والدہ وولدہ والناس اجمعین

کوئی بھی تم میں سے اس وقت تک کامل الایمان مومن نہیں بن سکتا جب تک کہ میرے ساتھ اتنی محبت نہ ہو کہ اتنی محبت اپنی اولاد ماں باپ سے نہ ہو جب تک اتنی محبت غالب نہیں آجائے گی اس وقت تک مت سمجھو کہ تم میں کمال ایمان پیدا ہوگیا۔ ظاہر بات ہے کہ ایمان کی بنیاد محبت نکل آتی ہے۔ یہ نہ ہو تو ایمان متحقق نہیں ہوسکتا۔

ایک محبت تو طبعی ہے جو اولاد کے ساتھ ہوتی ہے اور اولاد کو اپنے ماں باپ کے ساتھ ہوتی ہے اور ایک محبت عقلی ہے۔ ایمان عقلی محبت کا نام ہے، طبعی محبت کا نام نہیں ہے۔ طبعی طور پر آدمی اپنی اولاد سے زیادہ محبت کرتا ہے لیکن عقلاً یہ سمجھتا ہے کہ زیادہ محبوب نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ہیں ان سے کہیں زیادہ محبوب حقیقی حق تعالیٰ شانہ ہیں۔ اس واسطے جب اللہ کے حکم اور اولاد کا مقابلہ پڑتا ہے وہ اولاد کو دھکا دے دیتا ہے اور حکم خداوندی کو آگے رکھتا ہے۔ یہ عقلی محبت ہے، محض طبعی جذبہ ہے تو ایمان عقلی محبت وعظمت کا نام ہے۔ یہ پہلا رکن ہے۔

ایمان کا ادنیٰ ترین درجہ

دوسرا رکن یہ ہے کہ **الشفقة علی خلق اللہ** جتنا آدمی اللہ کی طرف جھکے اتنا ہی اس کی مخلوق کی خدمت کی طرف متوجہ ہو۔

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ

الخلق عیال اللہ، فاحب الخلق الی اللہ من یحسن الی عیالہ

ساری مخلوق اللہ کا کنبہ ہے، اس میں مسلم اور غیر مسلم کی بھی قید نہیں ہے جتنے بندگان خدا ہیں وہ سب خدا کے کنبہ ہیں اس کی پیدا کی ہوئی چہیتی مخلوق ہے۔ اللہ کو سب سے زیادہ محبوب وہ ہے جو اس کی مخلوق کے ساتھ احسان وسلوک کے ساتھ پیش آئے۔ وہی اللہ کا سب سے زیادہ چہیتا ہے۔ بہر حال جیسے اللہ کی محبت لازمی ہے۔ اسی طرح سے فرمایا گیا مخلوق کی شفقت کو لازمی سمجھو۔

اگر مخلوق ستم رسیدہ ہے مظلوم و بے کس ہے۔ ہر مسلمان کا فرض ہے کہ اس کی مدد کرے اگر کوئی غیر مسلم بھی مصائب میں پھنس جائے اور مسلم دیکھ رہا ہے کہ وہ مصیبت زدہ

ہے تو مسلم کا کام یہ ہے کہ اس کو بھی مصیبت سے نجات دلائے جتنا بھی اس کے بس میں ہے۔ اس کو بھی ظلم وستم اور پریشانی سے چھڑائے۔ بہر حال مخلوق کی خدمت یہ شفقت کیلئے ضروری ہے جب تک مخلوق کی خدمت نہ ہو شفقت نہیں پائی جاسکتی۔

خدمت کے پھر دو درجے ہیں ایک درجہ نفع رسانی کا ہے ایک درجہ ضرر رسانی سے بچ جانے کا' تکلیف نہ پہنچاؤ' نفع چاہے پہنچا سکو یا نہ پہنچا سکو تو ایک درجہ کف الاذی کا ہے یعنی اپنی ایذا رسانی کو روک دو۔ اذیت مت پہنچاؤ اور ایک یہ کہ اس سے آگے بڑھ کر اس کی مخلوق کو نفع اور راحت پہنچاؤ۔ اولین درجہ یہ ہے کہ تم سے کسی مخلوق کو ضرر و اذیت نہ پہنچے اگر یہ بھی نہ ہو تو سمجھو کہ ایمان نہیں ہے۔ اگر آدمی کسی دوسرے کو تکلیف میں مبتلا دیکھے یا ایسے سامان ہوں کہ یہ مبتلا ہو جائے گا۔ آدمی کا فرض ہے کہ اسے متنبہ کر دے' اگر متنبہ بھی نہ کرے آنکھ بند کر کے گزر جائے تو سمجھ لو کہ قلب کے اندر ایمان نہیں ہے ورنہ ایمان کا تقاضا یہ ہے کہ دوسرے کو متنبہ کر دے کہ یہ تکلیف کا راستہ ہے اس پر مت جاؤ۔

اسی واسطے فرمایا گیا **ادنھا اماطۃ الاذی عن الطریق**

ایمان کا ادنی درجہ یہ ہے کہ راستوں سے تکلیف دہ چیزوں کو ہٹائے جس سے کسی کو تکلیف پہنچے' کانچ کے ٹکڑے پڑے ہوئے ہیں۔ انہیں اٹھا کر راستے کو صاف کر دے' اینٹیں پڑی ہوئی ہیں جن سے لوگوں کو ٹھوکریں لگیں گی اٹھائے تا کہ مخلوق کو اذیت نہ پہنچے یہ ایمان کا ادنیٰ ترین درجہ ہے اگر یہ بھی نہ ہو تو فرماتے ہیں کہ قلب کے اندر ایمان نہیں ہے۔

فرمایا گیا **المسلم من سلم المسلمون من لسانه ویده**

مسلم وہ ہے جس کی زبان اور ہاتھ سے دوسرے مسلمان محفوظ رہیں' نہ زبان سے ایذا پہنچائے نہ ہاتھ سے' کہیں فرمایا گیا۔

المؤمن من امنه الناس علی دمائهم واموالهم مؤمن کون ہے؟

جس سے لوگ اپنی جان' مال آبرو کے بارے میں امن میں ہوں اور مطمئن ہو جائیں لوگ یہ سمجھیں کہ ہماری جان بھی محفوظ ہے اس لئے کہ یہ مومن ہے' یہ جان کے اندر خیانت نہیں کرے گا' ہماری آبرو بھی محفوظ ہے اس لئے کہ یہ مومن ہے خائن نہیں ہے۔

اور یہاں پر لفظ من امنه الناس ہے۔ یعنی لوگ مطمئن ہوں اس میں یہ بھی قید نہیں کہ مسلمان ہی مطمئن ہوں بلکہ غیر مسلم بھی مطمئن ہو جائیں کہ یہ موذی نہیں ہے۔ یہ ایماندار ہے تو ایمان کی علامت یہ بتلائی گئی کہ ہر کس و ناکس اس کے معاملات کو دیکھ کر یہ سمجھ لے کہ یہ مومن رہے اس سے مال' جان' آبرو میں کوئی خطرہ نہیں۔ اس لئے کہ یہ کسی میں بھی خیانت نہیں کرے گا۔ بہرحال مومن کی شان یہ ہوئی کہ اس کے اندر خدمت خلق کا جذبہ بھرا ہوا ہو اور بلا استثنا ہر مخلوق کی درجہ بدرجہ خدمت کرے جس کے دل میں محبت خداوندی ہوگی۔ اس کے دل میں اس کی مخلوق کی محبت ہوگی اور جب مخلوق کی بھی محبت ہوگی تو اسے چین نہیں آئیگا کہ کوئی شخص اذیت و تکلیف کے اندر رہے۔ وہ سعی کرے گا کہ اس کی تکلیف رفع کروں۔ کم سے کم اس کی اذیت و تکلیف کا ذریعہ نہ بنوں اور اس کی جان و مال محفوظ رہنا چاہئے۔

اگر خدانخواستہ مومن ایسا ہو جائے کہ لوگ اس سے دور ہٹنے لگیں کہ بھائی کہیں یہ چھری نہ مار دے کہیں جیب نہ کتر لے' کہیں گالی نہ دیدے' تو وہ مومن کیا؟ وہ تو اچھا خاصا بیل ہے' بیل جب چلتا ہے تو لوگ پہلو بچا کر چلتے ہیں کہ بیل ہے کہیں لات نہ مار دے کہیں دم نہ مار دے۔ کہیں پیشاب نہ کر دے' چھینٹا نہ پڑ جائے۔ اگر مومن سے بھی یہی کھٹک پیدا ہوگئی کہ کہیں چھری نہ مار دے جیب نہ کتر لے وہ بھی پھر بیل ہوا۔

مومن وہ ہے جس سے لوگ مطمئن ہو جائیں کہ یہ نہ ہماری جان کا لیوا ہے نہ آبرو گرانے والا ہے' نہ مال میں خیانت کرنے والا' غائبانہ بھی خیانت نہ کرے بلکہ حفاظت کرے۔

تو اس حدیث میں مومن کامل بننے کی ہدایت دی گئی اور اس کیلئے ایک طرف عبادات خداوندی ہے اس کا اعلیٰ قول ہے کہ زبان سے لا الہ الا اللہ پڑھے اور جب زبان سے پڑھنے کا عادی ہوگا تو یقیناً قلب میں بھی توحید جمے گی اور جب قلب میں جم جائیگی تو ہر فعل سے توحید سرزد ہوگی۔ مترشح ہوگی اور نکلے گی' ہر فعل میں توحید رچ جائے گی۔ پھر ہر موقعہ پر ذکر اس کے اندر ہوگا' چلتے پھرتے اٹھتے بیٹھتے وہ ذاکر بن جائے گا۔

دوسری چیز فرمائی خدمت خلق اللہ ہے۔ اس کا بھی تعلق حیاء سے ہوگا۔ جتنا حیادار ہوگا اتنا مخلوق سے شفقت سے پیش آئیگا اور اس کی خدمت کی طرف متوجہ ہوگا۔ (خطبات حکیم الاسلام ج ۴)

ہدایت وایمان قیمتی ترین چیز ہے

حضرت مولانا مفتی محمد امین صاحب مدظلہ اپنے خطبات میں بیان فرماتے ہیں۔

ہدایت اس دنیا میں سب سے قیمتی چیز ہے' اللہ پاک جتنے خزانوں کے مالک ہیں ان تمام خزانوں میں سب سے قیمتی خزانہ ہدایت کا خزانہ ہے' اتنا قیمتی کہ سب سے ادنیٰ درجہ مسلمانوں کو اللہ تعالیٰ نے ہدایت کی جتنی مقدار عطا فرمارکھی ہے' ساری کائنات کے خزانے مل کر کے بھی اس کی قیمت نہیں بن سکتے' فرض کریں ایک آدمی ایسا ہے کہ دنیا کے مال و دولت میں سے اس کے پاس کچھ بھی نہیں ہے' عیش وعشرت کے اسباب اور ساز وسامان میں سے ایک ذرہ بھی اس کے پاس نہیں ہے' پھٹے پرانے کپڑے پہن کر جھونپڑیوں میں بسیرا کر کے روکھی سوکھی کھا کر گزارا کر رہا ہے مگر اللہ پاک نے اس کو ہدایت کی دولت سے مالا مال کر رکھا ہے تو یہ آدمی انتہائی درجے کا کامیاب اور خوش قسمت ہے۔ یہ دنیا میں بھی کامیاب اور آخرت میں بھی کامیاب ہے۔ اس کے مقابلے میں دوسرا آدمی وہ ہے جس کے پاس عیش وعشرت کے تمام ساز وسامان اور اسباب موجود ہوں' مال و دولت کے انبار لگے ہوئے ہوں' سارے جہان کے اقتدار پر تن تنہا قابض ہو مگر وہ ہدایت سے محروم ہو' تو یہ بے چارہ رحم کھانے کے قابل ہے۔ اس دنیا میں بھی ناکام ہے اور آخرت میں بھی اس کو ناکامی کا منہ دیکھنا پڑے گا۔

اللہ پاک نے سورہ زمر میں چوبیسویں پارے میں دوسرے رکوع میں بیان فرمایا ہے۔

وَلَوْ اَنَّ لِلَّذِيْنَ ظَلَمُوْا مَا فِى الْاَرْضِ جَمِيْعًا وَّمِثْلَهٗ مَعَهٗ لَافْتَدَوْا بِهٖ مِنْ سُوْٓءِ الْعَذَابِ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ.

اور اگر گنہگاروں کے پاس ہو جتنا کچھ زمین میں ہے سارا اور اتنا ہی اور اس کے ساتھ تو سب دے ڈالیں اپنے چھڑوانے میں بری طرح کے عذاب سے دن قیامت کے۔

اب میرے دوستو! سوچنے کی بات یہ ہے کہ کافر اتنی بڑی قیمت کس چیز کی دینے پر تیار ہو جائے گا' وہ کون سی چیز ہے جو ایک مسلمان کے پاس ہوگی اور کافر کے پاس نہیں ہوگی جس کی وجہ سے کافر پریشان ہوگا اگر آپ سوچیں گے تو اس نتیجے پر یقیناً پہنچ جائیں گے کہ وہ چیز ہدایت ہے جس کی اتنی بڑی قیمت دینے کیلئے ایک کافر تیار ہو جائے گا۔

سوچیں کہ ایک مجرم کافر اتنی بڑی قیمت کس چیز کی ادا کرنے پر تیار ہو جائے گا اگر آپ سوچیں گے تو یقیناً اس نتیجے پر پہنچیں گے کہ وہ ہدایت ہے جس کی اتنی بھاری قیمت ادا کرنے پر وہ کافر تیار ہو جائے گا' تو ثابت ہوگئی یہ بات کہ ہدایت بڑی قیمتی چیز ہے۔

جب ہمارا رابطہ جڑا ہوا ہوتا ہے ملأ اعلیٰ سے بھی کنکشن جڑا ہوا ہوتا ہے تو ہم زمین میں بیٹھ کر تمہیں عرش معلی کی خبریں بھی سناتے ہیں اور جب رابطہ منقطع ہو جاتا ہے تو ہمیں یہ بھی معلوم نہیں ہوتا کہ ہمارے پاؤں کے نیچے کیا ہے تو اللہ پاک سنانے پر آتے ہیں تو دور کی بات بغیر ظاہری اسباب کے سنائی دیتی ہے تو زمین پر اس دیہاتی کی زبان سے نکلا ہوا سبحان اللہ اللہ تعالیٰ نے سلیمان علیہ السلام کے کانوں تک پہنچا دیا آپ نے جب یہ کلمہ سنا تو فوراً ہوا کو حکم دیا کہ میرا تخت یہیں اتارو تخت اس دیہات میں اتر گیا اس نے اس دیہاتی کو بلوایا۔ وہ گھبرایا ہوا آیا آپ نے اس کو تسلی دی اور پوچھا کہ آپ نے ہمارے تخت کو دیکھ کر کیا کلمہ اپنی زبان سے نکالا تھا' اس نے جواب دیا میں نے تعجب کی وجہ سے سبحان اللہ کہا تھا۔ حضرت سلیمان علیہ السلام نے فرمایا اللہ کے بندے تو نے تعجب کی وجہ سے اپنی زبان سے جو سبحان اللہ کہا ہے اس کے بدلے میں اللہ پاک آپ کو آخرت میں جو اجر و ثواب عطا فرمائیں گے ایک سلیمان علیہ السلام کی حکومت کیا ہوتی ہے ساری کائنات کی سلطنتیں اور حکومتیں اس کا مقابلہ نہیں کر سکتیں۔

مسلم شریف کی روایت ہے کہ الحمدللہ میزان کو بھر دیگا۔ اور سبحان اللہ اور الحمدللہ زمین و آسمان کے خلا کو بھر دیتے ہیں' یعنی اس کا ثواب بھر دیتا ہے۔

ہدایت کا حاصل کرنا اللہ تعالیٰ نے بڑا آسان بنایا ہے' ہدایت کے قیمتی ہونے کا تقاضا یہ تھا کہ اس کا حاصل کرنا بڑا مشکل ہوتا اور اس کیلئے بڑی محنت کرنی پڑتی کیونکہ ہم دنیا میں دیکھتے ہیں کہ جو چیز جتنی قیمتی ہوتی ہے اس کا حاصل کرنا اتنا ہی مشکل ہوتا ہے تو ہدایت جب

اتنی قیمتی تھی کہ ساری کائنات کے خزانے مل کر بھی اس کی قیمت نہیں بن سکتے تو اس کا حاصل کرنا بڑا مشکل ہوتا لیکن میں قربان جاؤں ارحم الراحمین کی رحمت واسعہ پر کہ انسان کی کمزوری اور اس کی ضرورت کو دیکھتے ہوئے ہدایت کا حاصل کرنا انسان کیلئے اتنا آسان بنا دیا کہ اس سے زیادہ آسانی کا تصور بھی نہیں کیا جا سکتا۔

وجہ اس کی یہ ہے کہ اللہ پاک نے جب سے اس کائنات کو پیدا فرمایا اسی دن سے ایک ضابطہ بھی ساتھ ساتھ چل رہا ہے وہ ضابطہ یہ ہے کہ جس چیز کی ضرورت انسان کو کم پڑتی ہے اس کا حاصل کرنا اللہ پاک اتنا ہی مشکل بنا دیتے ہیں اور جس چیز کی ضرورت انسان کو زیادہ پڑتی ہے اس کا حاصل کرنا اللہ پاک اتنا ہی زیادہ آسان بنا دیتے ہیں۔

اس ضابطے کی ذرا مثال سے وضاحت کر دوں تو آپ کو اچھی طرح سمجھ میں آجائے گا۔ مثلاً آپ چار چیزوں پر غور کریں۔(۱) سونا چاندی جواہرات۔(۲) کپڑے لباس۔(۳) پانی۔(۴) ہوا۔

پہلی چیز

یہ سونے چاندی اور زیورات ہیں یہ چیزیں ایسی ہیں کہ ان کی انسان کو بہت کم ضرورت پڑتی ہے اتنی کم ضرورت کہ ان کا استعمال کرنا تو بڑی دور کی بات ہے اگر انسان اپنی پوری زندگی ان کو دیکھے بھی نہیں اور دیکھنے کا موقع اس کو نہ ملے تو بھی اس انسان کی زندگی گزر سکتی ہے اور یہ بات مشاہدے سے ثابت ہے ہمارے معاشرے میں ہماری سوسائٹی میں کتنے ہی غریب انسان ایسے ہیں جن کو اپنی پوری زندگی میں یہ چیزیں دیکھنے کا موقع نہیں ملتا مگر زندگی ان کی بھی گزر جاتی ہے۔

تو خلاصہ یہ ہوا کہ سونے چاندی اور ہیرے جواہرات کی انسان کو چونکہ بہت کم ضرورت پڑتی ہے' اس لئے اس کا حاصل کرنا اللہ تعالیٰ نے بڑا مشکل بنا دیا' بڑی محنت کے بعد بڑی مشقت اٹھانے کے بعد خون پسینہ ایک کرنے کے بعد ایک ایک پائی کر کے انسان جمع کرتا ہے تب جا کر یہ چیزیں بہت تھوڑی مقدار میں حاصل کرنے پر قادر ہوتا ہے۔

دوسری چیز

دوسرے نمبر پر ہم لیتے ہیں کپڑوں کو' کپڑا ایسی چیز ہے کہ اس کی بھی انسان کو ضرورت

پڑتی ہے سونے اور چاندی کے مقابلے میں اس کی ضرورت زیادہ پڑتی ہے کہ اس کے بغیر انسان کی زندگی بڑی مشکل سے گزرتی ہے مگر ایسی ضرورت نہیں کہ انسان کی زندگی اس پر موقوف ہو اور اگر کپڑا نہ ملے تو اس کا سانس بند ہو جائے گا جنگلوں میں بسنے والے بعض انسان ایسے بھی پائے گئے ہیں جن کے بدن پر کپڑا نہیں ہوتا اور اسی حال میں ان کی زندگی گزر جاتی ہے۔

خلاصہ یہ ہوا کہ سونے چاندی کے بعد انسان کو کپڑوں کی ضرورت زیادہ پڑتی ہے تو اس کا حاصل کرنا سونے اور چاندی کے مقابلے میں زیادہ آسان ہے۔

تیسری چیز

تیسرے نمبر پر لیتے ہیں ہم پانی کو کہ اس کی بھی انسان کو ضرورت پڑتی ہے اور اس کی ضرورت انسان کو سونے چاندی اور کپڑے کے مقابلے میں زیادہ پڑتی ہے اس طرح کہ انسان کی زندگی موقوف ہے پانی کے ملنے پر اگر پانی نہ ملے تو انسان زندہ نہیں رہ سکتا مگر ایسی اشد اور فوری ضرورت بھی نہیں کہ انسان ایک منٹ بھی پانی کے بغیر زندہ نہ رہ سکے بلکہ دو تین دن تک پانی کے بغیر گزارہ ہو سکتا ہے تو اللہ پاک نے انسان کی ضرورت کا خیال کرتے ہوئے پانی کا حاصل کرنا سونے چاندی اور کپڑے کے مقابلے میں آسان بنا دیا کہ معمولی رقم خرچ کرنے پر انسان کو پانی مل جاتا ہے بلکہ بسا اوقات اتنا پانی جس سے انسان کی زندگی بچ سکے مفت بھی مل جاتا ہے۔

چوتھی چیز

چوتھے نمبر پر ہم لیتے ہیں ہوا کو کہ یہ بھی ایسی چیز ہے کہ اس کی بھی انسان کو ضرورت پڑتی ہے اور اس کی ضرورت انسان کو سونے چاندی کپڑے اور پانی کے مقابلے میں زیادہ پڑتی ہے اور اتنی زیادہ کہ انسان ایک منٹ بھی ہوا کے بغیر زندہ نہیں رہ سکتا' اس کے سانسوں کی آمد و رفت ہی ہوا کے اوپر موقف ہے تو چونکہ انسان کو ہوا کی سب سے زیادہ ضرورت پڑتی ہے اس لئے ہوا کا حاصل کرنا بہت ہی آسان بنا دیا ہے کہ امیر سے امیر تر آدمی جتنی ہوا حاصل کر سکتا ہے غریب سے غریب تر آدمی بھی اتنی مقدار ہوا کی حاصل کر سکتا ہے' نہ اس پر پیسے خرچ کرنے پڑتے ہیں اور نہ جسمانی مشقت اٹھانی پڑتی ہے۔

تو خلاصہ یہ ہوا کہ جس چیز کی ضرورت انسان کو کم پڑتی ہے اس کا حاصل کرنا اللہ پاک مشکل بنا دیتے ہیں اور جس چیز کی انسان کو ضرورت زیادہ پڑتی ہے اس کا حاصل کرنا اللہ پاک آسان بنا دیتے ہیں۔

ہدایت کی انسان کو سب سے زیادہ ضرورت ہے

اب آپ سوچیں کہ ان چار چیزوں کے سوا کوئی اور ایسی چیز بھی ہے، جس کی انسان کو ان چار چیزوں سے زیادہ ضرورت پڑتی ہو سونے چاندی کپڑے پانی اور ہوا سے اس چیز کی ضرورت زیادہ ہو۔

اگر آپ سوچیں گے اور غور کریں گے تو آپ کو وہ پانچویں چیز ہدایت نظر آئے گی، جس کی انسان کو سب سے زیادہ ضرورت ہے۔ ایک انسان کو کپڑے اور پانی کی اتنی ضرورت نہیں جتنی ہدایت کی ضرورت ہے، ایک انسان کو ہوا کی اتنی ضرورت نہیں جتنی ہدایت کی ضرورت ہے۔

اس لئے کہ اگر کسی انسان کو یہ اوپر والی چیزیں نہ ملیں، سونا، چاندی اور کپڑا نہ ملے ہوا اور پانی نہ ملے تو زیادہ سے زیادہ نتیجہ یہ نکلے گا کہ اس کی دنیا والی زندگی ختم ہو جائے گی اور یہ کوئی پریشانی والی بات نہیں اس لئے کہ اس زندگی نے تو بہر حال ختم ہونا ہے آج نہیں تو کل کبھی نہ کبھی ختم ہو کر رہے گی، اس کے ختم ہونے کو نہ بادشاہوں کی بادشاہت روک سکتی ہے نہ امیروں کی امارت نہ دولت مندوں کی دولت، جو بڑے بڑے بنگلوں میں رہنے والا ہے، ریشمی لباس زیب تن کرنے والا ہے، ہوائی جہازوں پر سفر کرنے والا ہے، مرغ پلاؤ اڑانے والا ہے، یہ زندگی تو اس کی بھی ختم ہو کر رہے گی۔

اور جھونپڑیوں میں بسیرا کرنے والا روکھی سوکھی کھا کر گزارہ کرنے والا پھٹے پرانے کپڑے پہن کر وقت گزارنے والا ہے یہ زندگی اس کی بھی ختم ہو کر رہے گی، اس زندگی نے بہر حال گزرنا ہے ان چیزوں کے نہ ملنے کا زیادہ سے زیادہ نتیجہ یہی نکلے گا کہ اس کی دنیا والی زندگی ختم ہو جائے گی اور یہ کوئی پریشانی کی بات نہیں اس لئے کہ اس زندگی نے ہر حال میں ختم ہو کر رہنا ہے۔

لیکن اگر خدانخواستہ کوئی انسان ہدایت سے محروم ہو گیا اور ہدایت کو حاصل نہ کر سکا تو اس کی یہ دنیا والی زندگی بھی برباد ہو گئی اور آخرت کی کبھی نہ ختم ہونے والی زندگی بھی برباد ہو گئی، ہدایت سے محروم انسان کی دنیا والی زندگی سے بھی سکون، اطمینان اور چین نام کی چیزیں یکسر ختم ہو جاتی ہیں، وہ سکون، اطمینان اور چین کو ترستا ہے، اس کی تلاش میں

مارا مارا پھرتا ہے مگر اس کو سکون نصیب نہیں ہوتا اور ہدایت سے محروم انسان کی آخرت والی زندگی بھی برباد ہوگی اور وہ بربادی ہمیشہ کی ہوگی۔

تو خلاصہ یہ ہوا کہ انسان کو ہدایت کی سب سے زیادہ ضرورت ہے اور اسی ضابطے کی بنیاد پر اللہ پاک نے ہدایت کا حاصل کرنا بھی انسان کیلئے بہت آسان بنادیا ہے' اتنا زیادہ آسان بنایا کہ اس سے زیادہ آسانی کا تصور بھی نہیں کیا جاسکتا امیر سے امیر تر آدمی ہدایت کے جتنے مراتب حاصل کرسکتا ہے غریب سے غریب تر آدمی بھی ہدایت کے اتنے ہی مراتب حاصل کرسکتا ہے جیسے دولت مند آدمی اونچے اونچے محلات میں رہنے والا ہوائی جہازوں میں سفر کرنے والا ولی غوث قطب ابدال بن سکتا ہے بالکل اسی طرح پھٹے پرانے کپڑے پہن کر چٹائیوں پر بیٹھنے والا بھی ولی غوث قطب ابدال بن سکتا ہے' ہدایت کا حاصل کرنا اللہ پاک نے دونوں کیلئے آسان کردیا ہے تاکہ کل قیامت کے دن غریب نہ کہہ سکے کہ اے اللہ ہدایت تو پیسوں سے ملتی تھی اور میرے پاس پیسے نہیں تھے کہ ہدایت حاصل کرتا۔

اب آپ! اس پر جتنا بھی سوچیں گے اور اسلام کے احکام پر غور کریں گے تو اسی نتیجہ پر پہنچ جائیں گے کہ اسلام کے ہر ہر حکم کو جیسے امیر ادا کرسکتا ہے غریب بھی ادا کرسکتا ہے' مثلاً نماز جیسے امیر آدمی پڑھ سکتا ہے ویسے غریب بھی پڑھ سکتا ہے' علی ہذا القیاس رمضان کے روزے ہوگئے۔ تو خلاصہ پوری بات کا یہ ہوا کہ چونکہ انسان کو ہدایت کی سب سے زیادہ ضرورت ہے' اس لئے اللہ پاک نے اپنی رحمت کاملہ سے ہدایت کا حاصل کرنا انسان کیلئے بہت آسان بنادیا۔

حصول ایمان وہدایت کے طریقے

اللہ پاک نے قرآن کریم میں ہدایت حاصل کرنے کے دو طریقے بیان کئے ہیں۔

پہلا طریقہ

کہ جب ہدایت اللہ پاک کے قبضے ہی میں ہے تو ہدایت اللہ ہی سے مانگی جائے تو اللہ پاک اپنی مہربانی سے ہدایت کی دولت سے مالا مال کردیں گے تو ہدایت حاصل کرنے کا پہلا طریقہ یہ ہوا کہ اللہ پاک سے ہدایت کی دعا کی جائے اور وہ دعا خود اللہ پاک نے سکھائی ہے۔

اِهْدِنَا الصِّرَاطَ الْمُسْتَقِيْمَ آپ جانتے ہیں کہ سورہ فاتحہ کے مختلف نام ہیں ان میں سے ایک نام تعلیم المسئلہ بھی ہے اللہ پاک نے اس سورت میں انسان کو سوال کرنے کا

طریقہ بتایا ہے اس لئے اس سورت کو تعلیم المسئلہ کہا جاتا ہے اور وہ سوال جو اللہ پاک نے اس سورت میں سکھایا ہے وہ دولت اور دنیا کی کسی چیز کا سوال نہیں بلکہ ہدایت کا سوال ہے اور سوال کا اور اس دعا کا قبول کرنا اور پورا کرنا یقینی ہے' یہ ناممکن ہے کہ بادشاہ کسی آدمی کو درخواست لکھنے کا طریقہ خود بتائے اور اس کی درخواست کو رد کر دے اور قبول نہ کرے تو جب اللہ تعالیٰ نے خود یہ دعا سکھائی ہے تو اس دعا کا قبول ہونا یقینی ہے۔

دوسرا طریقہ

جو اللہ پاک نے اس آیت میں بیان فرمایا ہے۔

وَالَّذِيْنَ جَاهَدُوْا فِيْنَا لَنَهْدِيَنَّهُمْ سُبُلَنَاط وَاِنَّ اللّٰهَ لَمَعَ الْمُحْسِنِيْنَ

کہ ہدایت والی محنت کی جائے تو ضرور مل کر رہے گی' دین کی محنت کی جائے تو اللہ پاک نے وعدہ فرمایا ہے کہ جو لوگ دین کی محنت کرتے ہیں ہدایت کی محنت کرتے ہیں۔

لنهدينهم سبلنا ہم ان کو اپنی ذات تک پہنچانے والے راستوں کو ضرور عطا فرمائیں گے' آپ دنیا میں روزمرہ کی زندگی کا مشاہدہ کرتے رہتے ہیں کہ جو جس چیز پر محنت کرتے ہیں جس چیز کا کاروبار کرتے ہیں' وہ چیز محنت کرنے والوں کو ضرور مل کر رہتی ہے چاہے کسی اور کو ملے یا نہ ملے۔

مثلاً ایک آدمی صبح سے شام تک دودھ بیچتا ہے دودھ فروش ہے تو اس کے گھر میں دودھ ضرور ملے گا' پورے محلے والے دودھ کو ترستے رہیں مگر جو خود دودھ فروش ہے اس کے گھر میں دودھ ضرور ملے گا اسی طرح جو آدمی نانبائی ہے صبح سے شام تک روٹیاں پکاتا ہے اس کے گھر والے اس کے بچے کبھی بھوکے نہ ہونگے پورے محلے والے بھوکے ہو سکتے ہیں مگر جو خود نانبائی ہے اس کے گھر میں روٹیاں ضرور ملیں گی اسی طرح آپ سوچتے جائیں اور اپنے گرد نظر دوڑائیں جو لوگ جس چیز پر محنت کرتے ہیں جس چیز کا کاروبار کرتے ہیں' وہ چیز ان کے ہاں وافر مقدار میں مل جاتی ہے اللہ پاک ان کو ان کی محنت کا پھل ضرور عطا فرماتے ہیں۔

جب دنیا کی حقیر سی چیزوں پر محنت کرنے والوں کو وہ چیزیں ضرور مل کر رہتی ہیں تو ہدایت جیسی قیمتی چیز پر محنت کرنے والوں کو اللہ پاک محروم فرما دیں گے؟ یہ کیسے ہو سکتا ہے یہ ناممکن

ہےتو دین کی ہدایت کی محنت کرنے والوں کو ہدایت ضرور مل کر رہتی ہے' آپ غور فرمائیں انبیاء علیہم السلام کی سیرت پر'ان کی تاریخ پر حضرت آدم علیہ السلام سے لے کر اللہ تعالیٰ کے آخری پیغمبر محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم تک ایک لاکھ چوبیس ہزار انبیاء علیہم السلام ہدایت کی محنت کرنے والے تھے ہدایت کا کاروبار کرنے والے تھے اور اس محنت کو انہوں نے دن رات اپنا اوڑھنا بچھونا بنایا ہوا تھا تو کیا انبیاء علیہم السلام کو ہدایت نہ ملی ہاں کیوں نہیں ضرور ملی سب انبیاء علیہم السلام ہدایت یافتہ تھے ان کی امت میں سب کو ہدایت نہ ملی جن کی قسمت میں لکھی تھی ان کو ملی باقی محروم رہے' یہاں تک کہ قیامت کے دن بعض نبی ایسے بھی آئیں گے کہ ان کے ساتھ ایک بھی ایمان لانے والا نہیں ہوگا مگر انبیاء علیہم السلام خود تمام کے تمام ہدایت یافتہ تھے۔

تو خلاصہ پوری بات کا یہ ہوا کہ ہدایت کے حاصل کرنے کا دوسرا طریقہ یہ ہے کہ ہدایت والی محنت کو اختیار کیا جائے اللہ پاک کا وعدہ ہے کہ ہدایت کی محنت کرنے والوں کو ضرور ہدایت مل کر رہے گی' آپ خود سوچیں کہ ایک آدمی دوسرے کو کہتا ہے کہ نماز پڑھو تو وہ خود کیسے نماز نہیں پڑھے گا' دوسرے کو کہتا ہے روزہ رکھ تو وہ خود کیسے روزہ توڑے گا' دوسرے کو منع کر رہا ہے کہ چوری مت کرو تو وہ خود کیسے چوری کرے گا۔

آخری بات

ہدایت کی محنت کی بہت سی صورتیں ہیں جس صورت کو بھی اختیار کرے گا' وہ ہدایت ہی کی محنت ہوگی ہدایت کی محنت کو کسی ایک صورت کے اندر بند نہیں کیا جاسکتا ہے'پوری دنیا میں دین کی نسبت سے جتنے کام اخلاص کے ساتھ کئے جارہے ہیں' وہ سب ہدایت کی محنت کی مختلف صورتیں ہیں' مثلاً تبلیغی جماعت کے نام سے کام ہو رہا ہے' یہ بھی دین اور ہدایت کی محنت ہے' دینی مدارس کا قیام ان کے ساتھ ہر قسم کا تعاون ان میں پڑھنا اور پڑھانا یہ سب دین کی محنت ہیں' اسی طرح جو لوگ اعلاء کلمۃ اللہ کیلئے دشمنوں سے برسر پیکار ہیں اور افغانستان کی سرزمین یا کشمیر کی سرزمین میں یا دنیا کے کسی خطے میں بھی جہاد فی سبیل اللہ میں مصروف ہیں یہ سب لوگ دین کی محنت کر رہے ہیں' بعض لوگ اس غلط فہمی میں مبتلا ہوتے ہیں کہ ہدایت کی محنت کی جو صورت ہم نے اختیار کی ہوئی ہے'بس محنت صرف اسی ایک صورت میں بند ہے' باقی سب لوگ اپنا وقت ضائع کر رہے ہیں۔

مثلاً جو لوگ جہاد میں لگے ہوئے ہیں ان میں سے جذباتی قسم کے نوجوانوں کا یہ خیال ہوتا ہے کہ اصل کام تو ہم کر رہے ہیں باقی یہ مدارس میں پڑھنے پڑھانے والے اور تبلیغ کے کام کیلئے وقت دینے والے تو اپنا وقت ضائع کر رہے ہیں اسی طرح تبلیغی کام سے وابستہ بعض جذباتی نوجوان یہ سمجھتے ہیں کہ اصل کام تو ہم کر رہے ہیں باقی جہاد کرنے والے اور مدارس والے تو بے کار ہیں' اسی طرح مدارس سے وابستہ بعض حضرات بھی مدارس ہی کو سب کچھ سمجھتے ہیں اور دین کے باقی کاموں کو وقعت نہیں دیتے۔

یہ خیال غلط فہمی پر مبنی ہے اور یہ خیال ایسا ہے جیسے مکان کی چھت کا بوجھ اور وزن چاروں دیواروں نے یکساں اٹھایا ہوا ہے مگر ایک طرف والی دیوار یہ کہے کہ سارا بوجھ تو میں نے اٹھایا ہوا ہے' باقی تینوں دیواریں بے کار ہیں' تو اس دیوار کا یہ خیال اور قول فاسد ہوگا' پتہ تب چلے گا جب تینوں طرف کی دیواریں ہٹادی جائیں تو پتہ چل جائے گا کہ بوجھ کس نے اٹھایا ہوا ہے۔

دین کی پوری عمارت کا بوجھ دین کی نسبت سے سب کام کرنے والوں نے اٹھایا ہوا ہے' چاہے وہ جس میدان میں بھی کام کر رہے ہوں' تدریس کا میدان ہو یا تحریر اور تصنیف کا میدان ہو یا تقریر و تبلیغ کا میدان ہو یا جہاد کا میدان ہو یا سیاست کا میدان ہو یہ لوگ دین کی محنت کر رہے ہیں اور ان کو ہدایت ضرور مل کر رہے گی' پتہ تب چلے گا کہ باقی سارے شعبے بند کر دیئے جائیں' صرف ایک ہی شعبے کا کام کرتا رہے پھر پتہ چلے گا کہ دوسرے بھی دین کا کام کر رہے تھے یا نہیں۔

سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی صحبت کی برکت سے اللہ پاک نے صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین میں یہ قوت رکھ دی تھی کہ وہ بیک وقت سارے کام کیا کرتے تھے وہ مجاہد بھی تھے' داعی بھی تھے مفسر بھی تھے فقیہ بھی تھے' محدث بھی تھے' بعد میں جب تنزل کا زمانہ شروع ہوا تو اللہ تعالیٰ نے دین کے کام کو تقسیم فرما دیا اب سارے کام کرنے کی ایک آدمی میں ہمت اور طاقت نہیں ہو سکتی الا ماشاء اللہ جو لائن اللہ تعالیٰ نے جس کیلئے میسر فرما دی ہے اس میں محنت کرتا رہے اور باقیوں کے ساتھ جس قسم کا تعاون کر سکے کرتا رہے اور نہیں کر سکتا تو صرف دعا کر دیا کرے اس پر تو پیسے اور وقت نہیں لگتا اور اگر کچھ بھی نہیں کر سکتا تو کم از کم مخالفت تو نہ کرے' اس لئے کہ یہ بھی دین کے کام تو ہیں افراط اور تفریط سے اپنے آپ کو بچانا چاہئے۔

ایک اشکال اور اس کا جواب

بعض لوگوں کے ذہن میں شیطان یہ وسوسہ ڈالتا ہے کہ ہمیں تو ہدایت والی دولت حاصل ہے ہم تو مسلمان کے گھر میں پیدا ہوئے ہیں کلمہ پڑھتے ہیں نام مسلمانوں والا ہے نماز روزہ بھی کر لیتے ہیں ہمیں کیا ضرورت ہے ہدایت مانگنے کی یا ہدایت والی محنت کے اختیار کرنے کی اتنی مشقت ہم کیوں برداشت کریں اس اشکال کے دو جوابات عرض کئے جاتے ہیں۔

پہلا جواب

پہلا جواب اس کا یہ ہے کہ ہمیں ہدایت حاصل ہے مگر ہمیں جو ہدایت حاصل ہے وہ ناقص ہے اس کو کامل بنانے کی ضرورت ہے کامل ہدایت اس کی ہے جس کی چوبیس گھنٹے کی زندگی اللہ اور اللہ تعالیٰ کے پیغمبر کے حکم کے مطابق گزر رہی ہو۔ اللہ تعالیٰ نے جن کاموں کے کرنے کا حکم دیا ہے ان کو پورا پورا بجالا رہا ہو جس طرح ان کو بجالانے کا حق ہے اور جن چیزوں اور کاموں سے اللہ تعالیٰ نے منع فرمایا ان سے مکمل طور پر اجتناب کر رہا ہو اور اپنے آپ کو بچا رہا ہو اب آپ خود سوچیں کہ ہمارا کیا حال ہے ذرا اپنی چوبیس گھنٹے کی زندگی پر غور کریں کہ کتنا وقت اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے حکم کے مطابق گزرتا ہے ہمارا تو کوئی کام اللہ اور اس کے پیغمبر کی مرضی کے مطابق نہیں اس لئے ہماری ہدایت ناقص ہے اس کو کامل بنانے کیلئے اللہ تعالیٰ سے ہدایت مانگنے کی ضرورت ہے اور ہدایت والی محنت کو اختیار کرنے کی ضرورت ہے۔

دوسرا جواب

اس اشکال کا دوسرا جواب یہ ہے کہ بے شک ہمیں ہدایت حاصل ہے اگر چہ ناقص ہے مگر وہ اتنی قیمتی ہے کہ ساری کائنات کے خزانے مل کر اس کی قیمت نہیں بن سکتے اور جس کے پاس جتنی قیمتی چیز ہوتی ہے اس کے لٹنے کا خطرہ بھی اتنا ہی زیادہ ہوتا ہے وہ ہر وقت اس کی حفاظت کا انتظام کرتا ہے ہمارے پاس بھی جو ساری کائنات سے زیادہ قیمتی چیز ہدایت ہے اس کے بھی ہر وقت لٹنے کا خطرہ ہے شیطان اور نفس یہ ہدایت کے ڈاکو ہیں بلکہ شیاطین الانس بھی ہدایت کے ڈاکو ہیں ہر وقت ہدایت کے پیچھے لگے ہوئے ہیں کہ کس طرح انسان کی یہ قیمتی چیز ہم لوٹ کر لے جائیں۔

پیران پیر رحمۃ اللہ علیہ کا واقعہ

شیخ عبدالقادر جیلانی رحمہ اللہ اپنی زندگی کے آخری دور میں ایک جنگل سے گزر رہے تھے کہ اچانک ایک نور بادل کی طرح آیا اور آسمان کے افق کو گھیر لیا اس میں سے آواز آئی، عبدالقادر میں تیرا خدا ہوں تو نے بڑی محنتیں کیں اور بڑی ریاضتیں کیں بڑے مجاہدے کئے اور بڑی مشقتیں اٹھائیں، آج کے بعد میں نے تم سے نماز معاف کردی ہے روزے معاف کردیئے ہیں دین کے سارے احکامات کی پابندی اٹھالی ہے اب تم آزاد ہو جو تمہارے دل میں آئے کرو تم سے کوئی پوچھ گچھ نہیں ہوگی۔ شیخ عبدالقادر جیلانی رحمۃ اللہ علیہ نے فوراً پڑھا **لا حول ولا قوۃ الا باللہ العلی العظیم** جا مردود دفعہ ہو جا تو شیطان ابلیس ہے اللہ کے پیغمبروں سے بڑھ کر کون ہو سکتا ہے، دین کیلئے مشقتیں برداشت کرنے والا محنتیں کرنے والا لیکن اللہ تعالیٰ نے اپنے پیغمبر سے نمازیں معاف نہیں کیں روزے معاف نہیں کئے، دین کے احکامات کی پابندی نہیں اٹھائی، میں کون ہوتا ہوں اور میری محنت کیا چیز ہوتی ہے کہ اللہ تعالیٰ نے دین کے احکامات بھی اٹھالئے۔

دوبارہ پھر آواز آئی عبدالقادر ستر ابدال ایسے گزرے ہیں جن کو میں نے آخری وقت میں گمراہ کردیا آج تجھے تیرے علم نے بچالیا ورنہ تو بھی گمراہ ہو جاتا پیران پیر نے دوبارہ پڑھا۔

لاحول ولا قوۃ الا باللہ العلی العظیم

اور فرمایا ظالم یہ تیرا دوسرا حملہ ہے مجھے میرے علم نے نہیں بچایا بلکہ مجھے میرے اللہ نے بچایا ہے اگر اللہ تعالیٰ کی توفیق شامل حال نہ ہوتی تو میں بھی گمراہ ہونے والوں میں شامل ہو جاتا۔

بہر حال ہماری ہدایت ایک تو ناقص ہے، اس کو کامل بنانے کی ضرورت ہے، دوسرا اس کے ہر وقت لٹنے کا خطرہ ہے تو اس کی حفاظت کی بڑی سخت ضرورت ہے، یہی وجہ ہے کہ اللہ پاک نے جیسے سورۃ فاتحہ میں ہدایت مانگنے کا طریقہ سکھلایا تو سورہ آل عمران میں دعا بھی سکھلائی۔

رَبَّنَا لَا تُزِغْ قُلُوْبَنَا بَعْدَ اِذْ هَدَیْتَنَا وَ هَبْ لَنَا مِنْ لَّدُنْکَ رَحْمَۃً اِنَّکَ اَنْتَ الْوَھَّابُ

اے ہمارے پالنے والے ہدایت کی دولت سے مالا مال کرنے کے بعد ہمارے دلوں کو ٹیڑھا نہ فرمانا، اللہ پاک ہم سب کو اپنے دین کی صحیح سمجھ عطا فرمائے آمین۔ (صدائے منبر)

ایمان کی بنیاد افضل ذکر اور دُعاء

شیخ الاسلام مولانا تقی عثمانی صاحب مدظلہ فرماتے ہیں۔
حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے کہ تمام اذکار میں افضل لَآ اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ ہے اور تمام دعاؤں میں افضل الحمدللہ ہے۔

دنیا کا وجود اسی کلمہ سے قائم ہے

چونکہ یہ پاک کلمہ دین کی اصل ہے ایمان کی جڑ ہے اس لئے جتنی بھی اس کی کثرت کی جائے گی اتنی ہی ایمان کی جڑ مضبوط ہوگی ایمان کا مدار اسی کلمہ پر ہے بلکہ دنیا کے وجود کا مدار اسی کلمہ پر ہے۔ چنانچہ صحیح حدیث میں وارد ہے کہ قیامت اس وقت تک نہیں ہوسکتی جب تک لَآ اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ کہنے والا کوئی زمین پر ہو۔ دوسری حدیثوں میں آیا ہے کہ جب تک کوئی بھی اللہ اللہ کہنے والا روئے زمین پر ہو قیامت نہیں ہوگی۔

کلمہ طیبّہ سے بڑھ کر کوئی وظیفہ نہیں ہے

حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے کہ ایک مرتبہ حضرت موسیٰ علی نبینا وعلیہ الصلوٰۃ والسلام نے اللہ جل جلالہٗ کی پاک بارگاہ میں عرض کیا' کہ مجھے کوئی وردِ تعلیم فرمادیجئے جس سے آپ کو یاد کیا کروں اور آپ کو پکارا کروں۔ ارشاد خداوندی ہوا کہ لَآ اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ کہا کرو۔ انہوں نے عرض کیا اے پروردگار یہ تو ساری ہی دنیا کہتی ہے۔ ارشاد ہوا کہ لَآ اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ کہا کرو۔ عرض کیا میرے رب میں تو کوئی ایسی مخصوص چیز مانگتا ہوں جو مجھی کو عطا ہو ارشاد ہوا کہ اگر ساتوں آسمان اور ساتوں زمینیں ایک پلڑے میں رکھ دی جائیں اور دوسری طرف لَآ اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ کو رکھ دیا جائے۔ تو لَآ اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ والا پلڑا جھک جائے گا۔

کلمہ اخلاص کی برکت اور علامت

حضرت زیدؓ بن ارقم حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے نقل کرتے ہیں جو شخص اخلاص کے ساتھ لَآ اِلٰہَ اِلَّا اللہُ کہے وہ جنت میں داخل ہوگا کسی نے پوچھا کہ کلمہ کے اخلاص (کی علامت) کیا ہے آپ نے فرمایا کہ حرام کاموں سے اس کو روک دے۔

فائدہ: اور یہ ظاہر ہے کہ جب حرام کاموں سے رُک جائے گا اور لَآ اِلٰہَ اِلَّا اللہُ کا قائل ہوگا تو اسکے سیدھا جنت میں جانے میں کیا تردّد ہے لیکن اگر حرام کاموں سے نہ بھی رُکے تب بھی اس کلمہ پاک کی یہ برکت تو بلا تردّد ہے کہ اپنی بداعمالیوں کی سزا بھگتنے کے بعد کسی نہ کسی وقت جنت میں ضرور داخل ہوگا البتہ اگر خدانخواستہ بداعمالیوں کی بدولت اسلام وایمان ہی سے محروم ہو جائے تو دوسری بات ہے۔

حضرت فقیہ ابواللیث سمرقندی رحمہ اللہ لکھتے ہیں ہر شخص کے لئے ضروری ہے کہ کثرت سے لَآ اِلٰہَ اِلَّا اللہُ پڑھتا رہا کرے اور حق تعالیٰ شانہٗ سے ایمان کے باقی رہنے کی دعا بھی کرتا رہے اور اپنے کو گناہوں سے بچاتا رہے اس لئے کہ بہت سے لوگ ایسے ہیں کہ گناہوں کی نحوست سے آخر میں ان کا ایمان سلب ہو جاتا ہے۔ اور دنیا سے کفر کی حالت میں جاتے ہیں اس سے بڑھ کر اور کیا مصیبت ہوگی کہ ایک شخص کا نام ساری عمر مسلمانوں کی فہرست میں رہا ہو مگر قیامت میں وہ کافروں کی فہرست میں ہو یہ حقیقی حسرت اور کمال حسرت ہے۔ اس شخص پر افسوس نہیں ہوتا جو گرجا یابت خانہ میں ہمیشہ رہا ہو اور وہ کافروں کی فہرست میں آخر میں شمار کیا جائے۔ افسوس ہے اس پر جو مسجد میں رہا ہو اور کافروں میں شمار ہو جائے اور یہ بات گناہوں کی کثرت سے اور تنہائیوں میں حرام کاموں میں مبتلا ہونے سے پیدا ہوتی ہے۔ بہت سے لوگ ایسے ہوتے ہیں جن کے پاس دوسروں کا مال ہوتا ہے اور وہ یہ سمجھتے ہیں کہ یہ دوسروں کا ہے مگر دل کو سمجھاتے ہیں کہ میں کسی وقت اس کو واپس کر دونگا اور صاحبِ حق سے معاف کرالونگا مگر اس کی نوبت نہیں آتی اور موت اس سے قبل آ جاتی ہے۔ بہت سے لوگ ہیں کہ بیوی کو طلاق ہو جاتی ہے اور وہ اس کو سمجھتے ہیں مگر پھر بھی اس سے ہمبستری کرتے ہیں اور اسی حالت میں موت آ جاتی ہے کہ توبہ کی بھی توفیق نہیں ہوتی ہے۔ ایسے ہی حالات میں آخر میں ایمان سلب ہو جاتا ہے۔

ایک نوجوان کا واقعہ

حدیث کی کتابوں میں ایک قصہ لکھا ہے کہ حضورؐ کے زمانہ میں ایک نوجوان کا انتقال ہونے لگا۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے عرض کیا گیا کہ اس سے کلمہ نہیں پڑھا جاتا۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم تشریف لے گئے اور اس سے دریافت فرمایا کیا بات ہے۔ عرض کیا کہ یا رسول اللہ ایک قفل سا دل پر لگا ہوا ہے تحقیق حالات سے معلوم ہوا کہ اس کی ماں اس سے ناراض ہے اور اس نے ماں کو ستایا ہے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ماں کو بُلایا اور دریافت فرمایا کہ اگر کوئی شخص بہت سی آگ جلا کر اس تمہارے لڑکے کو اس میں ڈالنے لگے تو تم سفارش کرو گی اس نے عرض کیا ہاں حضور کروں گی تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ ایسا ہے۔ تو اس کا قصور معاف کر دے۔ انہوں نے سب معاف کر دیا۔ پھر اس سے کلمہ پڑھنے کو کہا گیا تو فوراً پڑھ لیا۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اللہ کا شکر ادا کیا کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی وجہ سے انہوں نے آگ سے نجات پائی اس قسم کے سینکڑوں واقعات پیش آتے ہیں کہ ہم لوگ ایسے گناہوں میں مبتلا رہتے ہیں جن کی نحوست دین اور دنیا دونوں میں نقصان پہنچاتی ہے۔

کلمہ لَآ اِلٰـهَ اِلَّا اللّٰهُ سیدھا عرش تک پہنچتا ہے

حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے کہ کوئی بندہ ایسا نہیں کہ لَآ اِلٰـهَ اِلَّا اللّٰهُ کہے اور اس کے لئے آسمانوں کے دروازے نہ کھل جائیں جہاں تک کہ یہ کلمہ سیدھا عرش تک پہنچتا ہے بشرطیکہ کبیرہ گناہوں سے بچتا رہے۔

فائدہ: کتنی بڑی فضیلت ہے اور قبولیت کی انتہا ہے کہ یہ کلمہ براہِ راست عرش معلّٰی تک پہنچتا ہے اور یہ ابھی معلوم ہو چکا ہے کہ اگر کبیرہ گناہوں کے ساتھ بھی کہا جائے تو نفع سے اس وقت بھی خالی نہیں۔

کلمہ لَآ اِلٰـهَ اِلَّا اللّٰهُ پر جنت و مغفرت کی بشارت

حضرت شدادؓ فرماتے ہیں اور حضرت عبادہؓ اس واقعہ کی تصدیق کرتے ہیں کہ ایک مرتبہ ہم لوگ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر تھے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم

نے دریافت فرمایا۔ کوئی اجنبی (غیر مسلم) تو مجمع میں نہیں۔ ہم نے عرض کیا کوئی نہیں ارشاد فرمایا کواڑ بند کردو۔ اس کے بعد ارشاد فرمایا ہاتھ اٹھاؤ اور کہو لَآ اِلٰـهَ اِلَّا اللّٰهُ ہم نے تھوڑی دیر ہاتھ اٹھائے رکھے (اور کلمہ طیبہ پڑھا) پھر فرمایا الحمدللہ اے اللہ تو نے مجھے یہ کلمہ دے کر بھیجا ہے اور اس کلمہ پر جنت کا وعدہ کیا ہے اور تو وعدہ خلاف نہیں ہے اس کے بعد حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ہم سے فرمایا کہ خوش ہو جاؤ اللہ نے تمہاری مغفرت فرمادی۔

ایمان کی تجدید

حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا ہے کہ اپنے ایمان کی تجدید کرتے رہا کرو یعنی تازہ کرتے رہا کرو۔ صحابہؓ نے عرض کیا یارسول اللہ ایمان کی تجدید کس طرح کریں؟ ارشاد فرمایا کہ لَآ اِلٰـهَ اِلَّا اللّٰهُ کو کثرت سے پڑھتے رہا کرو۔

غریبوں کے لئے امیروں کے برابر اجر کی خوشخبری

حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں ایک مرتبہ فقرأ مہاجرین جمع ہو کر حاضر ہوئے اور عرض کیا' یارسول اللہ یہ مالدار سارے بلند درجے لے اڑے اور ہمیشہ کی رہنے والی نعمت انہیں کے حصہ میں آ گئی۔ حضورؐ نے فرمایا کیوں۔ عرض کیا کہ نماز روزہ میں تو یہ ہمارے شریک کہ ہم بھی کرتے ہیں یہ بھی مالدار ہونے کی وجہ سے یہ لوگ صدقہ کرتے ہیں غلام آزاد کرتے ہیں اور ہم ان چیزوں سے عاجز ہیں۔ حضورؐ نے فرمایا کہ میں تمہیں ایسی چیز بتاؤں کہ تم اس پر عمل کر کے اپنے سے پہلوں کو پکڑ لو اور بعد والوں سے بھی آگے بڑھے رہو اور کوئی شخص تم سے اس وقت تک افضل نہ ہو جب تک ان ہی اعمال کو نہ کرے۔ صحابہؓ نے عرض کیا ضرور بتا دیجئے ارشاد فرمایا کہ ہر نماز کے بعد سبحان اللہ الحمدللہ اللہ اکبر ۳۳' ۳۳ مرتبہ پڑھ لیا کرو (ان حضرات نے شروع کر دیا مگر اس زمانہ کے مالدار بھی اس نمونہ کے تھے انہوں نے بھی معلوم ہونے پر شروع کر دیا) تو فقرأ دوبارہ حاضر ہوئے کہ یارسول اللہ ہمارے مالدار بھائیوں نے بھی سن لیا اور وہ بھی یہی کرنے لگے۔ حضورؐ نے فرمایا یہ اللہ کا فضل ہے جس کو چاہے عطا فرمائے اس کو کون روک سکتا ہے۔ ایک دوسری حدیث میں بھی اسی طرح یہ قصہ ذکر

کیا گیا اسمیں حضورؐ کا ارشاد ہے کہ تمہارے لئے بھی اللہ نے صدقہ کا قائم مقام بنا رکھا ہے۔ سبحان اللہ ایک مرتبہ کہنا صدقہ ہے الحمدللہ ایک مرتبہ کہنا صدقہ ہے۔ بیوی سے صحبت کرنا صدقہ ہے۔ صحابہؓ نے تعجب سے عرض کیا یارسول اللہ بیوی سے ہمبستری میں اپنی شہوت پوری کرے اور یہ صدقہ ہو جائے حضورؐ نے فرمایا اگر حرام میں مبتلا ہو گیا تو گناہ ہو گا یا نہیں۔ صحابہؓ نے عرض کیا ضرور ہو گا۔ ارشاد فرمایا اسی طرح حلال میں صدقہ اور اجر ہے۔

کلمہ طیبہ کے کیا تقاضے ہیں؟

کلمہ لَآ اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ مُحَمَّدٌ رَّسُوْلُ اللّٰهِ یہ محض کوئی زبانی جمع خرچ نہیں ہے کہ زبان سے کہہ لیا اور بات ختم ہو گئی، بلکہ آپ نے جس دن یہ کلمہ پڑھا، اس دن آپ نے اپنے آپ کو اللہ اور اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے حوالے کر دیا اور اس بات کا وعدہ کر لیا کہ اب میری کچھ نہیں چلے گی، اب تو اللہ تبارک وتعالیٰ کے حکم کے تابع زندگی گزاروں گا، لہٰذا اس کلمہ لَآ اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ کے کچھ تقاضے ہیں کہ زندگی گزارو تو کس طرح گزاروں، عبادت کس طرح کرو، لوگوں کے ساتھ معاملات کس طرح کرو، اخلاق تمہارے کیسے ہوں، معاشرت تمہاری کیسی ہو، زندگی کے ایک ایک شعبے میں ہدایات ہیں جو اس کلمے کے دائرہ کے اندر آتی ہیں، اور وہ ہدایات سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم زبان مبارک سے بھی دے کر گئے ہیں اور اپنے افعال سے بھی، اپنی زندگی کی ایک ایک نقل وحرکت سے اور ایک ایک ادا سے آپ صلی اللہ علیہ وسلم دین کا طریقہ سکھا کر اس دنیا سے تشریف لے گئے۔ اب مسلمان کا کام یہ ہے کہ وہ اللہ اور اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے احکام کا علم حاصل کر کے اس کے مطابق اپنی زندگی گزارے، اور زندگی اس کے مطابق گزارنے کا نام ہی درحقیقت تقویٰ ہے، تقویٰ کے معنی ہیں اللہ کا ڈر کہیں ایسا تو نہیں کہ میں نے اللہ تبارک و تعالیٰ کے حضور معاہدہ تو کر لیا لیکن میں جب آخرت میں باری تعالیٰ کی بارگاہ میں پیش ہوں تو مجھے شرمندگی اٹھانی پڑے کہ جو معاہدہ میں نے کیا تھا، میں نے اس معاہدہ کو پورا نہیں کیا، اس بات کا خوف او، راس بات کے ڈر کا نام ہے تقویٰ!

جیسی روح ویسے فرشتے

فرمایا: آج کل لوگوں کا حال یہ ہے کہ خود خواہ کسی حالت میں ہوں، گناہ میں، معصیت میں، کبائر میں، فسق و فجور میں مبتلا ہوں، لیکن اپنے لئے صادقین تلاش کریں گے تو معیار سامنے رکھیں گے جنید بغدادیؒ کا، شیخ عبدالقادر جیلانیؒ کا اور بایزید بسطامیؒ کا اور بڑے بڑے اولیاء کرام کا جن کے نام سن رکھے ہیں کہ صاحب ہمیں تو ایسا صادق چاہئے جیسا کہ جنید بغدادیؒ تھے، یا شیخ عبدالقادر جیلانیؒ تھے۔ حالانکہ اصول یہ ہے کہ جیسی روح ویسے فرشتے، جیسے تم ہو ویسے ہی تمہارے مصلح ہوں گے، تم جس معیار کے ہو تمہارے لئے یہی لوگ کافی ہو سکتے ہیں، جنید و شبلی کے معیار کے نہ سہی لیکن تمہارے لئے یہ بھی کافی ہے۔

دین حاصل کرنے کا اور اس کی سمجھ حاصل کرنے کا اور اس پر عمل کرنے کا طریقہ معلوم کرنے کا کوئی راستہ آج کل کے حالات میں اس کے سوا نہیں ہے کہ کسی اللہ والے کو اپنا دامن پکڑا دے، اللہ تبارک وتعالیٰ کسی اللہ والے کی صحبت عطا فرما دے تو اس کے نتیجہ میں اللہ تعالیٰ دین عطا فرما دیتے ہیں۔

اللہ تبارک وتعالیٰ مجھے بھی اور آپ کو بھی دین کی صحیح فہم عطا فرمائے، صادقین کی صحبت عطا فرمائے، ان کی محبت اور ان کی خدمت کے ذریعہ دین کا صحیح مزاج ہمارے دلوں کے اندر پیدا فرمائے۔ آمین۔ (اصلاحی خطبات)

شانِ مومن

''آدمی وہ ہے کہ عیش میں بھی اللہ تعالیٰ کو نہ بھولے اور طیش میں بھی نعمت میں بھی نہ بھولے اور مصیبت میں بھی۔ دنیا میں نعمت بھی آزمائش کیلئے آتی ہے اور مصیبت بھی۔ بندہ وہ ہے کہ دونوں حالتوں پر پورا اترے اسے کہیں گے کہ یہ اللہ تعالیٰ سے راضی ہے مؤمن کے راضی ہونے کا یہ مطلب ہے کہ اللہ تعالیٰ کے افعال سے اس کی تقدیرات سے اور وہ اپنے بندے کے ساتھ جو بھی معاملہ کرے اسے راضی ہو۔'' (جواہر حکمت)

کلمہ لَآ اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ جنت کے قفل کی کنجی ہے

کلمہ لَآ اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ جنت کے قفل کی کنجی ہے لیکن ہر کنجی کے لئے دندانوں کا ہونا ضروری ہے اگر کنجی میں دندانے نہ ہوں تو قفل نہیں کھل سکتا۔ اسی طرح کلمہ توحید کے ساتھ اعمال صالحہ نہ ہوں تو جنت کا قفل بھی کھلنا مشکل ہے۔ (بخاری فی ترجمۃ الباب)

گو کنجی کے دندانے گھس جانے کے بعد کنجی زیادہ کارآمد نہیں رہتی مگر یہ بھی نہیں ہوتا کہ کنجی کی حقیقت معدوم ہو جائے۔ اس کا وجود پھر بھی باقی رہتا ہے۔ مطلب یہ ہے کہ اگر عمدہ سے عمدہ اعمال بھی ہوں سخاوت کے دریا بہہ رہے ہوں شجاعت کا ڈنکا بج رہا ہو اور عرب کی مایہ ناز عبادت حج بھی سالانہ ادا کی جارہی ہو جب بھی جنت کا دروازہ نہیں کھل سکتا۔ جب تک کہ اس کے ساتھ کلمہ لَآ اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ نہ ہو۔ اس لئے کہ ان اعمال میں سے کوئی عمل بھی اس کی اصل کنجی نہیں۔ خلاصہ یہ کہ جنت کے کھلنے نہ کھلنے کا سوال اسی وقت سامنے آ سکتا ہے جبکہ حضورؐ کا بتایا ہوا یہ کلمہ ہو، اگر یہ نہیں تو سب کچھ بھی ہو جب بھی کچھ نہیں۔

کلمہ لَآ اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ کی حقیقت

جب کوئی شخص اسلام قبول کرتا ہے تو سب سے پہلے یہ سات لفظ دہراتا ہے جسے کلمہ طیبہ کہا گیا ہے۔ لَآ اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ مُحَمَّدٌ رَّسُوْلُ اللّٰہِ یعنی اللہ کے سوا اور کوئی خدا نہیں اور محمد صلی اللہ علیہ وسلم اللہ کے رسول ہیں۔ پس جس نے کلمہ لَآ اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ مُحَمَّدٌ رَّسُوْلُ اللّٰہِ کا اقرار زبان سے اور تصدیق دل سے کردی وہ اسلامی برادری میں شامل ہو گیا۔ خواہ وہ مصری ہو یا نائیجیریا کا حبشی ہو، اب جبکہ وہ مسلم ہے تو ایک خاندان توحید کا فرد ہے جس کا گھرانا کسی خاص وطن اور مقام سے تعلق نہیں رکھتا بلکہ تمام دنیا اس کا وطن ہے۔ یہی وہ بنیاد تھی جس نے ابوجہل اور ابولہب کے خاندانی رشتوں کو حضورؐ سے توڑ دیا اور بلال حبشی اور صہیب رومی کا رشتہ جوڑ دیا۔

حسن ز بصرہ بلال زحبش صہیب از روم ‏ ‏ ‏ زخاک مکہ ابوجہل ایں چہ بوالعجبی ست

دنیا کے تمام رشتے ٹوٹ سکتے ہیں مگر یہ اسلام کا رشتہ نہیں ٹوٹ سکتا۔ ممکن ہے کہ ایک باپ اپنے بیٹے سے روٹھ جائے بعید نہیں کہ ایک ماں اپنی گود سے بچے کو الگ کردے ہوسکتا ہے کہ ایک بھائی دوسرے بھائی کا دشمن ہوجائے۔ یہ بھی ممکن ہے کہ دنیا کے تمام عہد مودت، خون اور نسل کے باندھے ہوئے پیمان وفا ومحبت ٹوٹ جائیں مگر جو رشتہ پاکستان کے ایک مسلمان کو افریقہ کے مسلمان سے ہے یا عرب کے ایک بدو کو تاتار کے چرواہے سے ہے یا ہندوستان کے ایک نومسلم کو ملک معظم کے ایک قریشی سے پیوست و یک جان کرتا ہے دنیا میں کوئی طاقت نہیں جو اسے توڑ سکے جسے خدا نے انسانوں کے دلوں کو اس کلمہ کے ذریعے سے جکڑ دیا ہے۔

ایمان کی جڑ صرف ایک کلمہ

اسلام کے برگ وبار اگرچہ بہت دور تک پھیلے ہوئے ہیں مگر ان سب کی جڑ صرف ایک کلمہ لَآ اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ مُحَمَّدٌ رَّسُوْلُ اللّٰہِ ہے۔ انہی دو جملوں میں تمام اسلامی عقائد کا خلاصہ اور لب لباب نکل آتا ہے۔ یہی کلمہ اسلام کا جوہر ہے۔ یہی کلمہ ایمان کی روح ہے یہی کلمہ راستی کا نشان ہے۔ یہی کلمہ ہدایت کی زندہ تصویر ہے۔ اسی کلمہ سے دائمی راحت نصیب ہوتی ہے۔ اسی کلمہ کی بدولت مسلمان خیر الامم کے لقب سے سرفراز کئے گئے ہیں۔ اور اسی کے چھوڑنے سے آج ان کو قعر ذلت میں گرادیا گیا ہے۔ دنیا کے وجود کا مدار اسی کلمہ پر ہے۔ حدیث میں آتا ہے کہ جب تک لَآ اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ کہنے والا کوئی ایک بھی زمین پر ہوگا قیامت اس وقت تک نہیں آئے گی۔ یہی کلمہ جنت کی کنجی ہے۔ ایک حدیث میں وارد ہے کہ جنت کی قیمت لَآ اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ ہے۔ یہی وہ کلمہ ہے جس کے باعث زمین وآسمان قائم ہیں۔ اسی کلمہ کے ردو قبول کے لئے میزان نصب کی گئی۔ اسی کلمہ کے باعث جنت ودوزخ کا بازار لگا۔ یہی وہ کلمہ ہے جس کے بارے میں اگلوں اور پچھلوں سے پرسش ہوگی۔ بندہ جب تک دو سوالوں کا جواب نہ دے لے اس وقت تک اس کے پاؤں زمین سے جنبش نہ کرسکیں گے۔ پہلا سوال یہ ہوگا کہ تم کسے پوجتے تھے؟ دوسرا سوال یہ کہ انبیاء کی دعوت کا تم نے کیا جواب دیا۔ پہلے سوال کا جواب لَآ اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ ہے اور دوسرے کا جواب مُحَمَّدٌ رَّسُوْلُ اللّٰہِ ہے۔

یہی وہ کلمہ ہے جس کے باعث لوگ مسلم اور کافر ایسے دو گروہوں میں منقسم ہوئے جن کے درمیان ابتدائے دنیا سے آگ کے شعلے بھڑکتے چلے آرہے ہیں اور انتہائے دنیا تک بھڑکتے ہی رہیں گے۔ یہ دو گروہ کبھی آپس میں یکجا جمع نہیں ہو سکتے۔ یہی وہ کلمہ ہے جس کو لے کر ایک لاکھ چوبیس ہزار یا کم و بیش انبیاء مبعوث ہوئے۔ اور اسی کے لئے شریعتیں بنائی گئیں۔ یہ حقیقت ہے کہ یہی وہ کلمہ ہے جو دنیا کے سارے انسانوں کو' گوروں اور کالوں کو' نائیجیریا اور افریقہ کے حبشیوں اور روم کے عشرت پسندوں کو۔ آدم کے ہر بیٹے کو خواہ وہ مصری ہو یا ہندی' عرب کا چرواہا ہو یا استنبول کا تعلیم یافتہ ترک' عربی ہو یا عجمی' ان سارے انسانوں کو ایک پلیٹ فارم پر لا سکتا ہے۔

فرقہ واریت کلمہ کی رسی کو چھوڑنے سے پیدا ہوتی ہے

ابتدائے دنیا میں جب سارے جہان کے انسان اس کلمہ کو پکڑے ہوئے تھے تو دنیا کے لوگ ایک امت واحدہ تھی اور ان میں کوئی فرقہ واریت نہیں تھی۔ لیکن بعد میں جب انسانوں نے اس کلمہ کی رسی کو چھوڑ دیا اور خود رائی پر آ گئے تو فرقے بن گئے۔ آخر میں جب حضرت عیسیٰ علیہ السلام آسمان سے اس دنیا میں شریعت محمدؐیہ کا اتباع کرتے ہوئے تشریف لائیں گے تو اس وقت بھی آپ کے زمانہ کے تقریباً چالیس سال ایسے گزریں گے کہ تمام دنیا اس کلمہ کو پکڑنے پر مجبور ہوگی اور کرۂ ارض پر کوئی کافر نہیں پایا جائے گا۔ اس کلمہ کا تو مقصد ہی یہ ہے کہ دنیا میں سارے انسان بھائی بھائی کی طرح زندگی بسر کریں۔ اسی کلمہ کی دعوت لے کر تمام انبیاء علیہم السلام مبعوث ہوئے مگر بعض نے مانا اور بعض نے نہ مانا۔ غرضیکہ یہی کلمہ دنیا کی تمام اجتماعی مشکلات کا حل ہے۔ دیکھئے آج انسانیت رحم اور امن کے لئے پکار رہی ہے۔ رحمت دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے آج سے تیرہ سو سال قبل تڑپتی اور بلکتی ہوئی انسانیت کو اسی کلمہ سے امن اور نجات کا راستہ دکھایا۔ آج پھر ضرورت ہے کہ توحید کے اس جھنڈے کو بلند کیا جائے۔ اگر کلمے کا صحیح جذبہ ہمارے اندر پیدا ہو جائے تو یہ وہ انقلاب ہے کہ کسی کے روکے نہیں رکتا۔ اسی کلمہ لَآ اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ کی آواز تھی

جس نے دفعتۂ تمام عرب میں تہلکہ ڈال دیا۔ جس سے باطل معبودوں کی حکومت میں بھونچال آنا شروع ہوگیا جس کی چمک سے کفر اور جہالت کی تاریکیوں میں بجلی سی کوندگئی گویا کہ وہ ایک زورشور کی ہوا تھی جس کے چلتے ہی شرک و بت پرستی کے بادل چھٹ گئے۔ غرضیکہ افضل الرسل سید کل آقائے نامدار روحانیت کے آخری تاجدار، احمد مختار صلی اللہ علیہ وسلم نے اسی کلمہ سے ایک سخت قوم کو ظلمت کے زمانہ میں ایک نئے اور اجنبی مضمون کی طرف ابھارا اور تھوڑے ہی عرصہ میں ان کو ایسا مسخر اور گرویدہ ورام کیا کہ جہاں آپ کا پسینہ گرے وہاں آپ کے مصاحبین اپنا خون گرانے کے لئے تیار ہوگئے۔ جب ان کے دلوں میں کلمہ کی حقیقت اتر گئی تو انہوں نے اپنی قوت ایمانی کے بل بوتے پر دین کی خاطر گھربار کو ترک کر دیا۔ زن و فرزند سے بگاڑی مال و دولت کو سنگریزوں سے زیادہ حقیر سمجھا۔ اپنے اور بیگانوں سے آمادہ جنگ اور گتھم گتھا ہوگئے۔ اپنے باپ اور بیٹوں کی قربانی پیش کی۔ یہاں تک کہ قیصرو کسریٰ کے تخت الٹ دیئے غرضیکہ دنیا نے جب سے جنم لیا۔ آسمان نے جب سے سایہ ڈالا زمین نے جب سے اپنی پشت پر اولاد آدم کو اٹھایا کبھی ایسا عظیم، سریع اور محیر العقول انقلاب چشم فلک نے نہیں دیکھا ہوگا۔ (راہ جنت)

ایمان کے شعبے

''نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ الایمان بضع و سبعون شعبة ستر سے کچھ اوپر ایمان کی شاخیں اور شعبے ہیں۔ سب سے اوپر کی شاخ لا الہ الا اللہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کے سوا کوئی معبود نہیں ہے۔ یہ دلیل ہے کہ دل میں اللہ تعالیٰ کی اتنی عظمت بیٹھ چکی ہے کہ اس کے سوا کسی کو معبود بنانے کو تیار نہیں اور ایمان کا ادنیٰ درجہ اماطة الاذیٰ عن الطریق ہے یعنی راستہ سے ایذا دہ چیزوں کو اٹھا کر پھینک دینا تاکہ مخلوق کو تکلیف نہ پہنچے۔ تو ایک ایمان کا اوپر کا سرا بتلایا گیا جو اللہ تعالیٰ سے ملا ہوا ہے اور ایک نیچے کا سرا بتلایا گیا ہے جو مخلوق سے ملا ہوا ہے اور دونوں کا منشاء بتلا دیا کہ والحیاء شعبة من الایمان یعنی یہ دونوں شعبے وہ برتے گا جس میں حیا اور انکساریٔ نفس موجود ہو''۔ (جواہر حکمت)

لا الہ الا اللہ کی حقیقت اور فضیلت

حدیث شریف میں ہے: من قال لا الہ الااللہ دخل الجنۃ
جس نے کلمہ توحید کا دل سے اقرار کرلیا وہ جنت میں داخل ہوگا

اس حدیث شریف کا مطلب صرف اس قدر ہے کہ کلمۂ توحید کا قائل جنت میں ضرور جائے گا لیکن کب جائے گا اس کا کوئی ذکر حدیث میں نہیں ہے، اسلئے اس کا مطلب سمجھنا کہ فوری نجات کے لئے صرف کلمۂ توحید کافی ہے بالکل غلط ہے بلکہ مطلب یہ ہے کہ اس کلمہ کا پڑھنے والے اگر نیک عمل ہی کرتا ہے تو پہلی مرتبہ یعنی ابتداء ہی میں جنت کا وارث بنا دیا جائے گا لیکن اگر کلمہ توحید کے ساتھ فسق و فجور کا بھی مرتکب تھا تو اول اپنے اعمال کی پاداش میں عذاب کا مزا چکھے گا اور ایک عرصہ تک دوزخ میں رہے گا اور سزا بھگتنے کے بعد پھر کلمہ توحید کے باعث جنت میں داخل کیا جائے گا، کلمہ لا الہ الا اللہ جنت کے تالے کی چابی ہے لیکن ہر چابی کے لئے دندانوں کا ہونا ضروری ہے، اگر چابی میں دندانے نہ ہوں تو تالا کھل نہیں سکتا، اسی طرح کلمہ توحید کے ساتھ اعمال صالحہ نہ ہوں تو جنت کا تالا بھی کھلنا مشکل ہے۔ (بخاری)

جب کوئی شخص اسلام قبول کرتا ہے تو سب سے پہلے یہ سات لفظ دہراتا ہے جسے کلمہ طیبہ کہا گیا ہے۔ لا الہ الا اللہ محمد رسول اللہ۔ یعنی اللہ کے سوا اور کوئی معبود نہیں اور محمد صلی اللہ علیہ وسلم اللہ کے رسول ہیں۔ پس جس نے کلمہ لا الہ الا اللہ محمد رسول اللہ کا اقرار زبان اور تصدیق دل سے کردی وہ اسلامی برادری میں شامل ہوگیا، خواہ وہ مصری ہو یا نائجیریا کا حبشی ہو، اب جبکہ وہ مسلم ہے تو ایک خاندان توحید کا فرد ہے، جس کا گھرانہ کسی خاص وطن اور مقام سے تعلق نہیں رکھتا بلکہ تمام دنیا اس کا وطن ہے یہی وہ بنیاد جس نے ابوجہل اور ابولہب کے خاندانی.......... حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے توڑ دیا اور بلال حبشی اور صہیب رومی کا رشتہ جوڑ دیا۔ اسلام کے برگ وبارا اگر چہ بہت دور تک پھیلے ہوئے ہیں مگر ان سب کی جڑ صرف ایک کلمہ

لا الہ الا اللہ محمد رسول اللہ ہے۔ انہی دو جملوں میں تمام اسلامی عقائد کا خلاصہ اور لب لباب نکل آتا ہے یہی کلمہ اسلام کا جوہر ہے یہی کلمہ ایمان کی روح ہے، یہی کلمہ راستی کا نشان ہے، یہی کلمہ ہدایت کی زندہ تصویر ہے۔ اسی کلمہ سے دائمی راحت نصیب ہوتی ہے، اسی کلمہ کی بدولت مسلمان خیر الامم کے لقب سے سرفراز کئے گئے ہیں، اور اسی کے چھوڑنے سے آج ان کو قصر ذلت میں گرادیا گیا ہے، دینا کے وجود کا مدار اسی کلمہ پر ہے، حدیث میں آتا ہے کہ جب تک لا اله الا الله کہنے والا کوئی ایک بھی زمین پر ہوگا، قیامت اس وقت تک نہیں آئے گی، یہی کلمہ جنت کی کنجی ہے۔

ایک حدیث میں وارد ہے کہ جنت کی قیمت لا اله الا الله ہے۔ یہی وہ کلمہ ہے جسکے باعث زمین و آسمان قائم ہیں، اسی کلمہ کے رد و قبول کے لئے میزان نصب کی گئی، اسی کلمہ کے باعث جنت و دوزخ کا بازار لگے گا، یہی وہ کلمہ ہے جس کے بارے میں اگلوں اور پچھلوں سے پرسش ہوگی، بندہ جب تک دس سوالوں کا جواب نہ دے لے اس وقت تک اس کے پاؤں زمین سے جنبش نہ کرسکیں گے، پہلا سوال یہ ہوگا کہ تم کسے پوجتے تھے؟ دوسرا سوال یہ کہ انبیاء کی دعوت کا تم نے کیا جواب دیا۔ پہلے سوال کا جواب لا اله الا الله ہے اور دوسرے کا جواب محمد رسول الله ہے۔ (کلید بہشت)

ایمان ...... بڑی دولت

دنیا میں سب سے بڑی دولت ایمان ہے آج اس نعمت کی قدر نہیں کی جاتی، اللہ تعالیٰ نے ہم مسلمانوں کو یہ دولت بغیر کسی کاوش کے عطا فرمادی اب اس کو باقی رکھنا اور اس کی حفاظت کرنا اس کا شکر ادا کرتے رہنا ہم پر لازم ہے۔

کتنے ہی انسان ایسے ہیں جن کو وراثت میں ہی باطل مذہب ملا اگر کوئی ہندو ہے تو اس لئے کہ اس کے ماں باپ یہودی تھے، ایمان کی دولت وراثتاً ملنے پر ہم جتنا بھی شکر کریں کم ہے، اس کا حق تب ہی ادا ہوگا جب ہم اس کو مضبوطی سے تھام لیں اور اس کی فکر کرتے رہیں اور ایمان حاصل ہونے پر شکر کرتے رہیں تو یہ بڑھتا رہے گا۔

حضرت مولانا مفتی محمد حسن صاحبؒ کے پاس جو کوئی ملاقات کیلئے آتا حضرت عموماً انہیں ایمان پر خاتمہ کی دعا کے لئے فرماتے، یہاں تک کہ چھوٹے چھوٹے بچوں کو بھی یہی فرمایا کرتے۔

اکثر بزرگ اپنے وعظوں اور نصیحتوں میں ایمان پر خاتمہ کی دعا کی تلقین فرمایا کرتے تھے کیونکہ یہی مراد ہے آنے والی زندگی کے لئے، خدانخواستہ پوری عمر نیکیاں کرتے گذری لیکن موت کے وقت ایمان پر خاتمہ نہ ہوا تو اس کی ساری کمائی ضائع گئی کچھ ہاتھ نہ رہے گا اور اگر پوری عمر خدانخواستہ خدانخواستہ گناہ کئے ہوں لیکن مرتے وقت توبہ کی توفیق ہوگئی اور خاتمہ بالخیر ہوا تو یہ شخص کامیاب ہے۔

ہمارے حضرت، حضرت مولانا مفتی محمد حسن صاحبؒ کا واقعہ ہے کہ آخر عمر میں معذوری کی حالت میں ایک مرتبہ حضرت مولانا احمد علی لاہوریؒ کے پاس تشریف لے گئے آپ جب گاڑی پر روانہ ہوئے تو حضرت لاہوریؒ کو اطلاع ملی تو وہ استقبال کے لئے پہلے سے پہنچے ہوئے تھے، ملاقات ہوئی حضرت لاہوریؒ نے عرض کیا کہ حضرت کیسے تکلیف فرمائی۔ فرمایا کہ خاتمہ ایمان پر ہونے کی دعاء کرانے آیا ہوں اور وہیں دعا کرائی اور واپس تشریف لے آئے۔

ایک بزرگ سے کسی نے پوچھا تمہاری ڈاڑھی اچھی ہے یا بکرے کی؟

بزرگ نے فرمایا کہ میں ابھی اس بارے میں کچھ نہیں کہہ سکتا کیونکہ اگر میرا خاتمہ ایمان پر ہوا تو میری داڑھی اچھی ہے اور اگر خاتمہ ایمان پر نہ ہوا تو پھر اس بکرے کی ڈاڑھی اچھی۔

حکیم الامت حضرت مولانا اشرف علی تھانویؒ سے ایک شخص نے دریافت کیا کہ یزید پر لعنت کرنا کیسا ہے؟ حضرت نے جوابدیا کہ اس شخص کے لئے جائز ہے جس کو معلوم ہو کہ میرا خاتمہ اس سے اچھا ہوگا۔

حضرت مولانا غلام غوث ہزارویؒ بیماری کی حالت کے وقت چبوترے پر تھے کسی نے عرض کیا کہ اگر یہاں موت ہوگئی تو آپ کو نیچے کیسے اتارا جائیگا، آپ نے فرمایا کہ ابھی تو ایمان کے خاتمہ کی فکر ہے اگر وہ ہوگیا تو لاش گھسیٹ کر بھی نیچے لے جانی پڑے تو کچھ پرواہ نہیں۔

ایک بزرگ خاتون فرماتی تھی کہ اگر خاتمہ ایمان پر ہو تو ابھی مرنے کے لئے تیار ہوں۔

حضرت نانوتوی رحمہ اللہ نے خواب دیکھا کہ ایک ہندو لالہ جی جنت میں گھوم پھر رہے ہیں، حضرت نے پوچھا! کہ لالہ جی تم جنت میں کیسے پہنچ گئے؟ انہوں نے جواب دیا کہ مرتے وقت ایمان کی دولت نصیب ہوگئی اور اللہ تعالیٰ نے مغفرت فرمادی۔

وضاحت: ہمیں ایمان پر خاتمہ کی دعا کرتے رہنا چاہئے، جب بڑے بڑے اولیاء

اللہ اس قدر ڈرتے تھے تو ہمیں تو خصوصاً فکر کرنی چاہئے خوف اور امید کے درمیان کی حالت رکھنی چاہئے اور پھر گمان اللہ تعالیٰ سے اچھا ہی رکھیں۔ (شمارہ نمبر 44)

کیا خدا ہے؟...... ہاں خدا ہے

آج کل جدید تعلیم یافتہ حضرات کو خدا نظر نہیں آتا، درج ذیل واقعہ سے جو حکیم الاسلام قاری محمد طیب صاحبؒ نے اپنے خطبات میں نقل فرمایا ہے کہ اس کے پڑھنے سے ان شاءاللہ ان حضرات کو خدا تعالیٰ نظر آجائیگا۔

یہ کائنات از خود نہیں بنی، بلکہ ایک حکیم نے بنائی ہے جو اسے چلا رہا ہے، بہت سے دہریوں نے انکار کیا کہ خدا کا وجود ہی نہیں ہے، یہ کائنات از خود بن گئی یہ بالکل جہالت ہے اور فطرت کے خلاف ہے، دلیل سے آدم اللہ کو نہیں پہچانتا، بلکہ دل پر ایک دباؤ ہے کہ مجبور ہو کر ماننا پڑتا ہے کہ ہے کوئی ذات۔

امام ابو حنیفہؒ کا واقعہ ہے کہ ان کے زمانے میں مہدی جو اموی خلیفہ تھا، اس کے دربار میں ایک دہریہ آیا، جو خدا کی ذات سے انکار کرتا تھا، اس نے کہا میں نہیں مانتا کہ خدا موجود ہے، یہ کائنات طبعی رفتار سے خود بنی ہے اور خود چل رہی ہے۔ لوگ مر رہے ہیں اور پیدا ہو رہے ہیں وغیرہ۔ یہ سب ایک طبعی کارخانہ ہے کوئی بنانے والا نہیں ہے یہ اس کا دعویٰ تھا اور اس نے چیلنج کیا کہ مسلمانوں میں جو سب سے بڑا عالم ہو، اس کو میرے مقابلے میں لایا جائے، تاکہ اس سے بحث کروں اور لوگ غلطی میں مبتلا ہیں کہ اپنی طاقتوں کو خواہ مخواہ ایک غیبی طاقت کے تابع کر دیا ہے، جو سارے جہان کو چلا رہی ہے، تو اس زمانے میں سب سے بڑے عالم امام ابو حنیفہؒ تھے، مہدی نے امام صاحبؒ کے پاس آدمی بھیجا، رات کا وقت تھا، رات ہی کو خلیفہ کا دربار منعقد ہوتا تھا، آدمی بھیجا کہ وہ آکر اس دہریے سے بحث کریں اور اسے سمجھائیں اور راہ راست پر لائیں۔ چنانچہ آدمی پہنچا، بغداد میں ایک بہت بڑا دریا ہے، اسے دجلہ کہتے ہیں، اس کے ایک جانب شاہی محلات تھے، ایک جانب شہر، تو امام ابو حنیفہؒ شہر میں رہتے تھے اس لئے دریا پار کر کے آنا پڑتا تھا۔ اس نے کہا اصل میں دربار میں ایک دہریہ آگیا ہے اور وہ دعویٰ کر رہا ہے کہ خدا کا وجود نہیں ہے، کائنات خود بخود چل رہی ہے، آپ کو مناظرہ کیلئے بلایا ہے۔

امام صاحبؒ نے فرمایا، اچھا، آپ جا کے کہہ دیں کہ میں آ رہا ہوں، وہ آدمی واپس گیا اور کہا کہ امام صاحبؒ کو میں نے خبر کر دی ہے اور آپ آنے والے ہیں۔

اب دربار لگا ہوا ہے۔ خلیفہ، امراء، وزراء بیٹھے ہوئے ہیں اور دہریہ بھی بیٹھا ہوا ہے، امام صاحبؒ کا انتظار ہے مگر امام صاحبؒ نہیں آ رہے۔ رات کے بارہ بج گئے امام صاحبؒ ندارد۔

دہریے کی بن آئی، اس نے کہا معلوم ہوتا ہے کہ امام صاحبؒ ڈر گئے ہیں اور سمجھ گئے ہیں کہ کوئی بڑا فلسفی آیا ہے، میں اس سے نمٹ نہیں سکوں گا، اس واسطے گھر میں چھپ کر بیٹھ گئے اور آپ یقین رکھیں وہ نہیں آئیں گے، میرے مقابلے میں کوئی نہیں آ سکتا۔

اب خلیفہ بھی متامل ہے، درباری بھی حیران ہیں اور دہریہ بیٹھا ہوا شیخی دکھا رہا ہے۔

جب رات کا ایک بجا تو امام صاحبؒ پہنچے، دربار میں حاضر ہوئے، خلیفہ وقت نے تعظیم کی، جیسے علماء ربانی کی کی جاتی ہے، تمام دربار کھڑا ہو گیا۔

خلیفہ نے امام صاحبؒ سے کہا کہ آپ اتنی دیر میں کیوں آئے؟ آدمی رات کے آٹھ بجے بھیجا گیا تھا، اب رات کا ایک بجا ہے، آخر اتنی تاخیر کی کیا وجہ پیش آئی؟ شاہی حکم تھا، اس کی تعمیل جلد ہونی چاہئے تھی، نہ یہ کہ اس میں اتنی دیر لگائی جائے۔

امام صاحبؒ نے فرمایا کہ ایک عجیب وغریب حادثہ پیش آ گیا، جس کی وجہ سے مجھے دیر لگی اور عمر بھر میں، میں نے ایسا واقعہ کبھی نہیں دیکھا تھا، میں حیران ہوں کہ کیا قصہ پیش آیا، اس شد و مد سے بیان کیا کہ سارا دربار حیران ہو گیا کہ کیا حادثہ پیش آ گیا۔

فرمایا بس عجیب وغریب ہی واقعہ تھا اور خود مجھے بھی ابھی تک سمجھ میں نہیں آیا، کہ کیا قصہ تھا؟ جب سارے دربار کو خوب شوق دلا دیا اور سب سر تا پا شوق بن گئے، حتیٰ کے خود امیر المومنین نے کہا کہ فرمایئے کیا قصہ پیش آیا...... فرمایا!

قصہ یہ پیش آیا، جب میں شاہی محل میں اترنے کے لئے چلا ہوں تو دریا بیچ میں تھا دریا کے کنارے پر جو پہنچا تو اندھیری رات تھی، نہ کوئی ملاح تھا نہ کشتی تھی، آنے کا کوئی راستہ نہ تھا، میں حیران تھا کہ دریا کو کس طرح پار کروں، اس کشمکش و پیچ میں کھڑا ہوا تھا کہ میں نے یہ حادثہ دیکھا کہ دریا کے اندر سے خود بخود لکڑی کے نہایت عمدہ بنے بنائے تختے نکلنے شروع

ہوئے اور ایک کے بعد ایک نکلتے چلے آرہے ہیں، میں تحیر سے دیکھ رہا تھا کہ یا اللہ! دریا میں سے موتی نکل سکتا ہے، مچھلی نکل سکتی ہے، مگر یہ بنے بنائے تختے کہاں سے آئے؟ ابھی میں اسی حیرت میں تھا کہ اس سے زیادہ عجیب واقعہ پیش آیا کہ تختے خود بخود جڑنے شروع ہوئے، جڑتے جڑتے کشتی کی صورت ہوگئی، میں نے کہا یا اللہ! یہ کس طرح سے کشتی بن گئی، آخر انہیں کون جوڑ رہا ہے کہ اوپر نیچے خود بخود تختے لگے چلے جارہے ہیں۔

ابھی میں اسی حیرت میں تھا کہ دریا کے اندر سے لوہے کی کیلیں نکلنی شروع ہوگئیں اور خود بخود اس کے اندر ٹھکنے لگیں اور جڑ جڑا کے بہترین قسم کی کشتی بن گئی۔

میں حیرت میں کہ یہ کیا ماجرا ہے، یہ تختے جو جڑے ہوئے تھے، ان کی درجوں سے پانی اندر گھس رہا تھا کہ دریا کے اندر سے خود بخود ایک روغن نکلنا شروع ہوا اور ان درجوں میں وہ بھرنا شروع ہوا جس سے پانی اندر گھسنا بند ہوگیا۔

ابھی میں اسی حیرت میں تھا کہ وہ کشتی خود بخود میری طرف بڑھنی شروع ہوئی اور کنارے پر آکر ایسے جھک گئی، گویا مجھے سوار کرانا چاہتی ہے، میں بھی بیٹھ گیا، وہ خود بخود چلی اور مجھے لے کر روانہ ہوگئی، دریا کی دھار پر پہنچی۔ پانی ادھر کو جارہا تھا کشتی خود بخود ادھر کو جارہی تھی، کیونکہ شاہی محلات ادھر کو تھے۔

میں حیران تھا کہ یا اللہ! آخر پانی کے بہاؤ کے خلاف کون اسے لے جارہا ہے؟ یہاں تک کہ شاہی محل کے قریب کنارے پر پہنچ گئی اور آخر جھک کر پھر کنارے پر کھڑی ہوگئی کہ میں اتر جاؤں تو میں اتر گیا، پھر میرے دیکھتے ہی دیکھتے وہ کشتی غائب بھی ہوگئی، گھنٹہ بھر اس کنارے اور گھنٹہ بھر اس کنارے سوچتا رہا کہ یہ کیا قصہ تھا؟

یہ سانحہ جس کی وجہ سے تحیر میں کئی گھنٹے لگ گئے، اب تک سمجھ میں نہیں آیا، کیا ماجرا تھا؟ اور میں امیر المؤمنین سے معافی چاہتا ہوں کہ آٹھ بجے بلایا گیا اور ایک بجے پہنچا ہوں۔

دہریے نے کہا، امام صاحب! میں تو یہ سنا تھا کہ آپ بڑے عالم ہیں، بڑے دانش منداور فاضل مند آدمی ہیں مگر بچوں کی سی باتیں کر رہے ہیں، بھلا یہ ممکن ہے کہ پانی میں سے خود بخود تختے نکل آئیں، خود ہی جڑنے لگیں، خود ہی کیلیں ٹھک جائیں، خود ہی روغن لگ جائے، خود آ کے کشتی

اپنے آپ کو جھکا دے، آپ اس پر بیٹھ جائیں اور خود ہی لے کے چل دے، خود ہی وہ کنارے پر پہنچا دے، یہ کوئی عقل میں آنے والی بات ہے؟ میں نے سمجھا تھا کہ آپ بڑے دانش مند، فاضل اور عالم ہیں، امام آپ کا لقب ہے اور باتیں کر رہے ہیں آپ نادانوں اور بچوں جیسی؟ یہ کیسے ممکن ہے کہ کوئی کشتی بنانے والا نہیں، خود بخود بن گئی، کوئی کیلیں ٹھونکنے والا نہیں، خود بخود ٹھک گئیں، کوئی روغن بھرنے والا نہیں، خود ہی بھر گیا، کوئی چلانے والا ملاح نہیں، خود ہی چل پڑی، کوئی سمجھانے والا نہیں، خود ہی سمجھ گئی کہ مجھے شاہی محل کے اوپر جانا ہے، یہ عقل میں آنے والی بات ہے؟

امام صاحبؒ نے فرمایا، اچھا یہ بات نادانی اور بے وقوفی کی ہے؟

اس نے کہا، جی ہاں! فرمایا: ایک کشتی بغیر بنانے والے کے بن نہ سکے، بغیر چلانے والے کے چل نہ سکے، بغیر کیلیں ٹھونکنے والے کے اس کی کیلیں ٹھک نہ سکیں اور یہ اتنا بڑا جہان جس کی چھت آسمان ہے، جس کا فرش زمین ہے، جس کی فضا میں لاکھوں جانور ہیں، یہ خود بخود بن گیا، خود ہی چل رہا ہے، سورج بھی، چاند بھی، خود ہی چل رہے ہیں، یہ کوئی عقل میں آنے والی بات ہے؟ ایک معمولی کشتی جسے انسان بنا سکتا ہے، یہ تو بغیر بنانے والے کے نہ بنے اور اتنا بڑا جہان ہو، انسان کے بس میں نہیں وہ خود بخود بن جائے، تو تمہاری عقل بچوں جیسی ہے یا میری عقل بچوں جیسی؟ میں نادان ہوں یا تم نادان ہو؟

مناظرہ ختم ہو گیا اور بحث تمام ہو گئی اور دہریہ اپنا سا منہ لے کر واپس ہو گیا، اب کیا بحث کرے، جو اس کی بنیاد تھی وہ ساری کی ساری ختم ہو گئی۔ (شمارہ نمبر 11)

ایمان اور دل کی جیب

''دل کے جیب میں ایمان کا سونا ہونا چاہئے ایمان کا جذبہ ہونا چاہئے پھر دنیا کے بازاروں میں سب کچھ ملے گا اور اگر دل خالی کر کے جا رہے ہو جس میں ایمان باللہ نہیں عمل صالح اور پیروی سنت نہیں تو پھر دنیا چاہے کروڑوں کی ہو مگر آپ کے لئے کچھ نہیں خالی ہاتھ واپس آنا پڑے گا۔'' (جواہر حکمت)

ایمان سب سے بڑی دولت

عارف باللہ حضرت ڈاکٹر محمد عبدالحئی عارفی رحمہ اللہ فرماتے ہیں۔

مسلمان کی زبان پر یہ دو جملے بڑے ثقیل ہیں ''ایک تو یہ کہ ہم بڑے گنہگار ہیں اور دوسرے یہ کہ ہم دنیا دار ہیں''۔ یہ جملے صاحب ایمان کے لئے بہت ہی نامناسب ہیں تم صاحب ایمان ہو، تمہارا اللہ تبارک وتعالیٰ سے براہ راست تعلق ہے، اس نے اپنے فضل و کرم سے ایک ایک بات تمہیں بتادی ہے، جو تمہارے دنیا میں بھی کام کی ہے اور آخرت میں بھی، تمہارے پاس بہت بڑا سرمایہ ہے عالم امکان میں تم سے بڑا سرمایہ دار کوئی نہیں۔

سرمائے کی اقسام: دیکھئے سرمائے مختلف قسم کے ہیں، صاحب منصب ہیں، وزارت ہے، صدارت ہے یہ سرمایہ ہے مال ودولت روپیہ پیسہ کا جو صاحب علم ہیں ان کے پاس علم کا سرمایا ہے، الغرض سرمائے مختلف قسم کے ہیں، لیکن سب سے گراں قدر سرمایہ جس سے بڑا سرمایہ عالم امکان میں نہیں وہ صاحب ایمان کے پاس ایمان کا سرمایا ہے، اس کے آگے سارے سرمائے ہیچ ہیں، حقیر اور ناقص ہیں، آنکھ بند ہوتے ہی سارے سرمائے یہیں رکھے رہ جاتے ہیں، بس یہی ایمان کا سرمایا ہے جو دنیا میں بھی کام آتا ہے اور آخرت میں بھی، بھائی قدر کرو اپنے ایمان کی اور حفاظت کرو اس سرمایہ ایمان کی یہ کہنا کہ ہم بڑے گنہگار ہیں، ہم بڑے دنیادار ہیں، یہ الفاظ بڑے ہی ناقدری کے ہیں، بلکہ گستاخانہ ہیں، ایسا نہ کہو، دیکھو تم صاحب ایمان ہو اور جس پر ایمان لائے ہو اس نے اپنی شان کریمی سے اور شان رحیمی سے اپنے نبی الرحمۃ صلی اللہ علیہ وسلم کے واسطے سے ہر مومن کا ہر گناہ معاف فرمادینے کا وعدہ فرمالیا ہے، صاحب ایمان کے لئے ہمہ وقت توبہ کا دروازہ کھلا ہوا ہے، جس غفور الرحیم اور خداوند کریم پر تم ایمان لائے ہو اور جس سے تمہارا براہ راست تعلق ہے ذرا اس کے ارشاد کریمانہ اور رحیمانہ پر ور کرو وہ اپنے بندوں سے کن الفاظ سے خطاب فرماتے ہیں۔

(اے میرے وہ بندو جنھوں نے اپنی جانوں پر زیادتیاں کی ہیں تم اللہ تعالیٰ کی رحمت سے ناامید مت ہو، بالیقین اللہ تمام گناہوں کو معاف فرمادے گا، واقعی وہ بڑا بخشنے والا بڑی رحمت والا ہے) تو اس اعلان مغفرت ورحمت کے ہوتے ہوئے تم کیسے ناامید ہو سکتے ہو؟

بشری لغزش کا تدارک

اب رہا یہ کہ نفسانی اور شیطانی وساوس کا آنا، لغزشیں ہو جانا اور گناہوں کا ہو جانا یہ بھی ہماری بشریت ہے، لیکن صاحب ایمان ہونے کے بعد اللہ تعالیٰ نے اس سے بھی حفاظت کا سامان عطا فرمادیا کہ چاہے تم سے کچھ بھی ہو جائے لغزش ہو جائے، گناہ ہو جائے، آنکھ بہک جائے، دل بہک جائے، عمل خراب ہو جائے تم صاحب ایمان ہو ایک نہ ایک دن ضرور احساس ہوگا اور پچھتاؤ گے کہ یہ بات ناحق کی، بہت برا کیا یہ گناہ ہو گیا یہ غلطی ہو گئی، جس دن یہ ندامت قلب میں پیدا ہوئی اور آنکھوں سے ندامت کے چند آنسو ٹپک پڑے تو سمجھ لو کہ وہ غلطی معاف ہو گئی، وہ گناہ مٹ گیا، ندامت کے آنسوؤں نے اعمال نامہ سے بداعمالی کی سیاہی کو دھو دیا، اللہ تعالیٰ کا اہل ایمان پر ایسا احسان عظیم ہے کہ ایمان کی سلامتی کے لئے اور اس کے تحفظ کے لئے استغفار کا تحفہ عطا فرما رکھا ہے ارے جو کچھ بھی ہو چکا اس پر استغفار کر لو، توبہ کر لو، ہر ایک سے کیوں کہتے پھرتے ہو کہ ہم گنہگار ہیں، جب تدبیر موجود ہے، تدارک موجود ہے تو پھر کیوں اپنی گنہگاری کا اعلان کرتے ہو؟ اس اعلان سے کیا فائدہ، ارے جس کا گناہ کیا ہے اسی سے ندامت اور شرمندگی کے ساتھ کہو کہ یا اللہ ہم سے فلاں گناہ ہو گیا ہے معاف فرمادیجئے، معافی ہو جائے گی دوسرے سے ناپاکی کا اظہار کرنا کوئی اچھی بات ہے؟ یہ بھی کوئی فیشن ہے، یا تواضع کہ ہر ایک سے کہا جائے کہ ہم بڑے گنہگار ہیں، اچھا اگر تم گنہگار ہو تو کس کے ہو؟ گندہ آدمی کسی کام کا نہیں ہوتا، اس کی کوئی وقعت اور عزت نہیں تم نے یہ کیا محاورہ اختیار کر رکھا ہے کہ بڑے گنہگار ہیں، بھائی اگر گنہگار ہیں تو کیوں توبہ استغفار نہیں کر لیتے؟ کون سی چیز مانع ہے؟

توبہ اور اس کی قوت

اس کیلئے تو آسان کی ترکیب ہے کہ رات کو سوتے وقت اللہ تعالیٰ کی نعمتوں کا استحضار

کر کے اس پر شکر ادا کر لیا کرو اور اپنی دن بھر کی کوتاہیوں، لغزشوں کا جائزہ لو، جہاں جہاں دل بہکا، زبان بہکی ان پر استغفار کر لو پاک ہو جاؤ گے، پھر کلمہ شہادت سے ایمان کی تجدید کر لو اور پڑھو:

اشهد ان لا اله الا الله و اشهد ان محمدا رسول الله. استغفر الله ربی من کل ذنب و اتوب الیه۔

بس پاک ہو گئے، جب اتنا آسان نسخہ پاکی کا موجود ہے تو اپنے اس اعلان سے کہ ہم گنہگار ہیں کیا فائدہ؟ یہ بڑی ناشکری کی بات ہے اگر اسی پر پکڑ لئے گئے کہ کہتے پھرتے ہو ہم بڑے گنہگار ہیں اور توبہ استغفار نہیں کرتے تو یقیناً سزا ملے گی، سزا سے چھوٹ نہیں سکتے تو عافیت اسی میں ہے کہ گناہ ہو جائے توبہ کرو، پھر گناہ ہو جائے توبہ کرو، پھر گناہ ہو جائے پھر توبہ کرو، عمر بھر یہی کرتے رہو، ارے توبہ و استغفار میں بڑی قوت ہے، اس کی عادت ڈال کر تو دیکھو، گناہوں سے خود بخود نفرت ہو جائے گی۔

سلامتی ایمان

اگر اپنے ایمان کو سلامت رکھنا چاہتے ہو اور اپنے ایمان کا تحفظ کرنا چاہتے ہو تو کثرت سے استغفار کیا کرو اور اپنے ایمان پر شکر ادا کیا کرو کہ یا اللہ آپ نے اپنی کروڑوں مخلوق میں سے ہم کو ممتاز فرمایا کہ نبی الرحمۃ صلی اللہ علیہ وسلم کا امتی بنایا۔ (از خطبات عارفی)

ایمان کامل کے لئے چار اہم کام

جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جس نے اللہ تعالیٰ کی خاطر محبت کی اور جس نے اللہ تعالیٰ کی خاطر بغض رکھا اور اللہ تعالیٰ کی رضا کے لئے (کسی کو کچھ ہدیہ) دیا اور اللہ تعالیٰ کی خاطر محروم رکھا تو اس کا ایمان مکمل ہو گیا۔

حب فی اللہ

اللہ تعالیٰ جل شانہ کی خاطر محبت رکھنا عبادت ہے اور یہ محبت نیکی کی وجہ سے دین ہو گی سنت کی پیروی کرتے ہوئے دیکھ کر ہو گی اور علم اور عمل کی وجہ سے ہو گی، رشتہ دار ہونا ضروری

نہیں رشتہ داری امیری غریبی سب برابر ہے، بندہ نیک ہونا چاہئے، اس کیساتھ محبت کسی بھی دنیاوی غرض کے بغیر صرف اللہ تعالیٰ کی رضا کے لئے ہونی چاہئے، ایک حدیث میں آتا ہے، بندہ اپنے دوست کے دین پر ہوتا ہے اسے چاہئے کہ سوچ سمجھ کر دوست بنائے مال و دولت و حسن جمال دیکھ کر دوستی نہیں لگانی چاہئے بلکہ دینداری اور اتباع سنت کو ترجیح دینی چاہئے۔

بغض فی اللہ

یعنی اللہ جل شانہ کی خاطر کسی بندے میں گناہ کی بات دیکھ کر دلی محبت نہ رکھنا یہ بھی دین کی خاطر بغض فی اللہ کہلاتا ہے جو کہ عبادت ہے اس مسئلہ کو عام طور پر بہت کم لوگ سمجھتے ہیں دنیا کی خاطر کسی سے لڑائی کرنا گناہ ہے یہ قطع تعلقی اور بدسلوکی میں شامل ہے جس کی قرآن وحدیث میں سخت وعیدیں آئی ہیں بغض فی اللہ اور چیز ہے اس میں یہ بات بھی شامل ہے کہ اگر کوئی شخص بدعتی ہے یا گناہ کا عادی ہے یا دوسروں کو گناہ میں مبتلا کرنے کا قوی اندیشہ ہے ایسے شخص سے اگر چہ وہ قریبی رشتہ دار ہو پھر بھی اللہ تعالیٰ کی خاطر بغض رکھنا یعنی دلی محبت نہ رکھنا ضروری ہے جو کہ عبادت ہے بغض فی اللہ کا یہ معنی نہیں کہ وہ ہمارا دشمن بن گیا یا اس سے جنگ حلال ہوگئی ہے بلکہ اس کا مطلب صرف گناہ سے نفرت ہے اور وہ گناہ جس میں پایا جاتا ہے اس سے دلی محبت نہ رکھنا ہے، اس سے معلوم ہوا کہ گناہ گار کی ذات بری نہیں اس کا گناہ برا ہے۔

اعطیٰ للہ

اللہ تعالیٰ کی خاطر کسی کو کوئی ہدیہ یا تحفہ از روئے محبت یا بطور صدقہ دینا عبادت ہے، حدیث شریف میں آتا ہے غریب قریبی رشتہ دار کو خیرات کرنے کا ثواب دگنا (ڈبل) لکھا جاتا ہے اس لئے غریب قریبی رشتہ دار کو خیرات وصدقات میں ترجیح دینی چاہئے بہر صورت کسی کو ہدیہ دینا یا تعاون کرنا اللہ تعالیٰ جل شانہ کی رضا کیلئے ہو تو عبادت ہے حدیث شریف میں آتا ہے کہ زکوٰۃ کے علاوہ بھی مال میں صدقہ ہے، اس لئے صدقہ دیتے رہنا چاہئے، اس سے مصیبتیں بھی دور ہوتی ہیں درجات بھی بلند ہوتے ہیں اور گناہ بھی معاف ہوتے ہیں۔

منع للہ

کسی کو نہ دینا، روک رکھنا اگر تو یہ کنجوسی کی وجہ سے ہے تو گناہ ہے اور اگر اللہ تعالیٰ جل شانہ کی رضا کی خاطر ہے تو عبادت ہے، مثلاً کوئی مانگنے والا مانگتا ہے جبکہ اس کے پاس ایک دن رات کے کھانے پینے کا سامان ہے پھر اس کو دینا جائز نہیں کیونکہ اس کا غلط پیشہ اس سے بڑھتا ہے، اس کے مانگنے سے پہلے اس کو دے دیں یا اس کی غربت معلوم ہونے کی وجہ سے اس کو خود پہنچا دیں تو ثواب ہوگا اسراف اور شرعی ضرورت کے بغیر خرچ کرنا گناہ ہے، ایسی جگہ سے روک رکھنا منع للہ میں داخل ہے، جبکہ اللہ تعالیٰ جل شانہ کی رضا کی نیت سے روکے یہ چار کام جو کوئی برضائے حق کرے گا اس کا ایمان کامل اور مکمل ہوگا۔ اللہ تعالیٰ جل شانہٗ ہمیں عمل کی توفیق عطا فرماویں۔ آمین

ایمان کی کسوٹی

حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے:۔ ”تم میں سے کوئی شخص مومن نہیں ہوسکتا جب تک کہ میں اس کے نزدیک اس کے والد اور اس کی اولاد اور تمام لوگوں سے زیادہ محبوب نہ ہو جاؤں“، اس ارشاد گرامی سے ثابت ہوا کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم پر ایمان لانا اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ دنیا کی ہر چیز سے زیادہ محبت ہونا“ اگر اللہ و رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ محبت درجہ عشق میں ہو تو ایمان کا دعویٰ قبول ہوگا ورنہ نہیں۔

اب عشق و محبت کے معیار سے متعلق قرآن کریم کا فیصلہ سنئے، سورۂ عنکبوت کی پہلی آیت کا ترجمہ ہے ”کیا لوگوں نے یہ خیال کر رکھا ہے کہ وہ اتنا کہنے پر چھوٹ جائیں گے کہ ہم ایمان لائے اور ان کو آزمایا نہ جائے گا؟ اور ہم تو ان لوگوں کو آزما چکے ہیں جو ان سے پہلے گزرے ہیں، سو اللہ تعالیٰ ان لوگوں کو جان کر رہے گا جو سچے ہیں اور جھوٹوں کو بھی جان کر رہے گا“۔

اس دستور الٰہی کے متعلق کبھی آپ نے سوچا کہ اللہ تعالیٰ نے ہمارا کیا امتحان لیا اور اس امتحان میں ہم کیسے رہے؟ یا ہر امتحان میں فیل ہی ہوتے رہے تو اللہ تعالیٰ کے ہاں یہ دعویٰ کیسے قبول ہوگا؟

ایمان کا معیار

یہ کیسے معلوم ہو کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات گرامی کے ساتھ پوری دنیا کی بہ نسبت زیادہ محبت ہے یا نہیں؟ یہ معلوم کر لینا بہت آسان ہے اس کا معیار اور کسوٹی سمجھ لیجئے، وہ معیار یہ ہے کہ جب دو محبوبوں کا حکم آپس میں متضاد ہو، یعنی ایک پر عمل کرتے ہیں تو دوسرے کے خلاف ہوتا ہے، دوسرے پر عمل کرتے ہیں تو پہلے کے خلاف ہوتا ہے، ایک محبوب کے حکم کی تعمیل کرتے ہیں تو دوسرا محبوب ناراض ہوتا ہے تو ایسے موقع پر انسان جس کے حکم کی تعمیل کرے گا اور جس کی رضا کو مقدم رکھے گا، گویا اس کو اس کے ساتھ زیادہ محبت ہے۔

ذرا اپنے قلوب کو اس معیار پر لائیے، تجسس کیجئے ٹٹولئے اور پھر انصاف سے بتائیے کہ کیا واقعۃً آپ کو پوری دنیا کی بہ نسبت اللہ تعالیٰ سے زیادہ محبت ہے، اللہ تعالیٰ اور اس کے حبیب صلی اللہ علیہ وسلم کے احکام کے مقابلہ میں بیوی کا تقاضا کچھ اور ہے؟ والدین کا، بہن بھائیوں کا، بہنوں کا دوسرے اعزہ و اقارب، احباب اور حکام کے مطالبے کچھ اور ہیں، ان حالات میں اگر آپ اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی اطاعت کرتے ہیں تو ان کے ساتھ محبت اور ان پر ایمان کا دعویٰ قابل قبول ہوگا ورنہ نہیں، پوری دنیا راضی ہے یا ناراض کچھ بھی ہو جائے ہر حال میں دل کا تقاضا یہ رہے فکر اس بات کی رہے کہ کہیں محبوب حقیقی ناراض نہ ہو جائے، اللہ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی رضا پر دنیا بھر کی رضا کو قربان کر دے اور کسی ناراضی کی کوئی پرواہ نہ کرے۔

اسی طرح جو گناہوں کے تقاضے پیدا ہوتے ہیں ان کا بھی یہی حال ہے، اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کا حکم ایک طرف اور اس کے مقابلہ میں نفس کا حکم دوسری طرف، نفس یہ مطالبہ کرتا ہے کہ فلاں گناہ کرو، فلاں گناہ کرو، مگر اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کا حکم یہ ہے کہ کبھی ان گناہوں کے قریب بھی نہ جاؤ، اس موقع پر اگر آپ نفس کا تقاضا پورا نہیں کرتے بلکہ اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی اطاعت کرتے ہیں، محبوب کو راضی رکھنے کے لئے مجاہدہ کرتے ہیں اور نفس کے تقاضے کو پورا نہیں کرتے تو یہ اس کی دلیل ہے کہ محبت اور ایمان کا دعویٰ صحیح ہے ورنہ نہیں۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

وَمِنَ النَّاسِ مَنْ يَّتَّخِذُ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ اَنْدَادًا يُّحِبُّوْنَهُمْ كَحُبِّ اللّٰه

اللہ تعالیٰ نے اس آیت میں انسانوں کی تقسیم کردی، بعض وہ ہیں کہ ان کو اللہ تعالیٰ کی بہ نسبت غیر سے زیادہ محبت ہے اور دوسرے وہ ہیں کہ ان کو پوری دنیا کی بہ نسبت اللہ سے زیادہ محبت ہے، بس صرف دو ہی قسمیں ہیں، اب ہم سوچ لیں کہ ہم کس قسم میں داخل ہیں، قرآن وحدیث سے ثابت ہوگیا کہ ایمان وہی قبول ہے کہ اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کیساتھ سب سے زیادہ محبت ہو، ایمان بنانے کے لئے درج ذیل نسخوں کا استعمال بہت مفید ہوگا۔

1- غور و فکر و محاسبۂ نفس

روزانہ اس معیار پر لاکر اپنے نفس کو دیکھتے رہنا چاہئے محاسبہ کرتے رہیں سوچتے رہیں کہ کیا واقعۃً آپ اللہ تعالیٰ کے حکم کے سامنے نفس کے تقاضوں کو قربان کر رہے ہیں؟ اگر ایسا ہو رہا ہے تو یہ ایمان قبول ہے اللہ تعالیٰ کا شکر ادا کیجئے اور اگر اس کے برعکس آپ نفس کے حکم کو اللہ تعالیٰ کے حکم پر ترجیح دیتے ہیں اللہ تعالیٰ کا حکم چھوڑ دیتے ہیں تو ایمان قابل قبول نہیں، اس کو صحیح کرنے کی کوشش کیجئے۔ کبھی کبھی نفس کو مخاطب ہو کر کہیں، ارے کمبخت! تو کیسے برے برے تقاضے کر رہا ہے، میں تیری خاطر مالک کو ناراض کر دوں، تیری خاطر جنت کی نعمتیں چھوڑ دوں؟ تیری خاطر جہنم میں جاؤں، میں تیری خاطر اپنی عاقبت برباد نہیں کرسکتا، جب تک آپ نفس کے محاسبے کی عادت نہیں ڈالتے اصلاح نہیں ہوسکتی۔

2- ایک مختصر دعا

ہر نماز کے بعد تین بار مانگ لیا کریں۔ اللھم انا نستعینک علی طاعتک

''یا اللہ ہم تیری اطاعت پر تجھ ہی سے مدد طلب کرتے ہیں جب تک تیری دستگیری نہیں ہوگی ہمارے اندر ہمت پیدا نہیں ہوسکتی، ہم کمزور ہیں، ہمارے مقابلے میں نفس و شیطان اور معاشرہ و ماحول غالب ہے، یا اللہ ان کے مقابلہ میں تیری اطاعت پر، تیری نافرمانیوں سے بچنے پر تجھ سے مدد طلب کرتے ہیں۔

3-اصلاحی اشعار: جہاں اللہ تعالیٰ کے مقابلہ میں کوئی آنے لگے تو اللہ کی طرف متوجہ ہو کر انہیں پڑھنا شروع کر دیجئے۔

اگر اک تو نہیں میرا تو کوئی شے نہیں میری جو تو میرا تو سب میرا فلک میرا زمیں میری

خطرہ ہو تو اس وقت ان اشعار کو پڑھنا شروع کر دیں۔

سارا جہاں ناراض ہو پروا نہ چاہئے مدنظر تو مرضی جاناں چاہئے

بس اس نظر سے دیکھ کر تو کر یہ فیصلہ کیا کیا تو کرنا چاہئے کیا نہ چاہئے

اسی طرح جب غیر اللہ کی طرف دل متوجہ ہونے لگے تو یہ شعر پڑھئے۔

دور باش افکار باطل دور باش اغیار دل

سج رہا ہے ماہ خوباں کیلئے دربار دل

یعنی اس دل میں غیر کیلئے کوئی جگہ نہیں، یہ دل تو صرف اللہ کے لئے ہے۔

اللہ تعالیٰ ہمیں اپنی اور اپنے محبوب نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی اتنی محبت عطا فرمائے جو تمام محبتوں پر غالب آ جائے۔ آمین بحق سید المرسلین صلی اللہ علیہ وسلم۔

عجیب ایمان کس کا

نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا:۔ عجیب ایمان ان لوگوں کا ہے جو تمہارے بعد میں آئیں گے نہ رسول ان کے سامنے نہ معجزے ان کے سامنے نہ ان کے سامنے وحی اتر رہی ہوگی بلکہ رکاوٹ و موانع اتنے ہوں گے کہ کوئی ایمان میں شک ڈال رہا ہے کوئی اسلام سے ہٹانے کی کوشش کر رہا ہے کوئی دل میں تردد پیدا کر رہا ہے کہیں کفار کہیں منافقین کہیں نفس کے جذبات ہزاروں رکاوٹیں موجود اور دواعی جو تھے ایمان کے کہ وحی اور رسول کا سامنے ہونا وہ ہے نہیں پھر بھی ایمان پر جمے ہوئے ہیں تو ان کا ایمان زیادہ عجیب ہے۔ (جواہر حکمت)

علامات ایمان

حضرت ابوامامہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ ایک شخص نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے پوچھا کہ ایمان کیا ہے؟ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ: ''جب تم کو اپنے اچھے عمل سے مسرت ہو اور برے کام سے رنج وقلق ہو تو تم مؤمن ہو۔'' (مسند احمد)

تشریح:......مطلب یہ ہے کہ ایمان کے خاص آثار اور علامات میں سے یہ ہے کہ آدمی جب کوئی نیک عمل کرے تو اس کے دل کو فرحت ومسرت ہو اور جب اس سے کوئی برا کام سرزد ہو جائے تو اس کو رنج وغم ہو جب تک آدمی کے ضمیر میں یہ حس باقی رہے سمجھنا چاہیے کہ ایمانی روح زندہ ہے اور یہ احساس اس کا ثمرہ ہے۔

تکمیل ایمان کی شرائط

حضرت عباس بن عبدالمطلب رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے سنا ہے' آپ صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے تھے کہ ایمان کا مزہ اُس نے چکھا اور اس کی لذت اُسے ملی جو اللہ کو اپنا رب' اسلام کو اپنا دین اور محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو اپنا رسول اور ہادی ماننے پر دل سے راضی ہو گیا۔ (مسلم)

تشریح:......اس کو یوں سمجھنا چاہیے کہ جس طرح لذیذ اور ذائقہ دار مادی غذاؤں میں ایک لذت ہوتی ہے جس کو صرف وہی آدمی پا سکتا ہے جس کی قوت ذائقہ کسی بیماری کی وجہ سے ماؤف اور خراب نہ ہوئی ہو' اسی طرح ایمان میں ایک خاص لذت اور حلاوت ہے لیکن وہ ان ہی خوش قسمت لوگوں کو حاصل ہو سکتی ہے جنہوں نے پوری خوش دلی اور رضائے قلبی کے ساتھ اللہ کو اپنا مالک اور پروردگار اور حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کو نبی ورسول اور

اسلام کو اپنا دین اور زندگی کا دستور بنالیا ہو اور اللہ کی بندگی، حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی اطاعت اور طریقہ اسلام کی پیروی کو ان کے دل نے اپنالیا ہو یعنی اللہ و رسول اور اسلام کے ساتھ ان کا تعلق محض رسمی اور موروثی یا محض عقلی اور دماغی نہ ہو بلکہ ان کے ساتھ دلی گرویدگی ہو۔ اسی حدیث میں ''رضا'' کے لفظ سے تعبیر کیا گیا ہے۔ جس کو یہ نصیب نہیں، یقیناً ایمانی لذت وحلاوت میں بھی اس کا کوئی حصہ نہیں اور اس کا ایمان کامل نہیں۔

حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ ایمان کی حلاوت اسی کو نصیب ہوگی جس میں تین باتیں پائی جائیں گی۔ ایک یہ کہ اللہ و رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی محبت اس کو تمام ماسوا سے زیادہ ہو، دوسرے یہ کہ جس آدمی سے بھی اس کو محبت ہو صرف اللہ ہی کے لیے ہو اور تیسرے یہ کہ ایمان کے بعد کفر کی طرف پلٹنے سے اس کو اتنی نفرت اور ایسی اذیت ہو جیسی کہ آگ میں ڈالے جانے سے ہوتی ہے۔ (بخاری و مسلم)

تشریح:...... اس حدیث کا مضمون بھی قریب قریب ہی ہے جو اس سے پہلی والی حدیث کا تھا، صرف تعبیر کا تھوڑا سا فرق ہے اس میں کہا گیا ہے کہ ایمان کی حلاوت اسی آدمی کو حاصل ہو سکتی ہے جو اللہ و رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی محبت میں ایسا سرشار ہو کہ ہر چیز سے زیادہ اُس کو اللہ و رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی محبت ہو اور اس محبت کا اس کے دل پر ایسا قبضہ اور تسلط ہو کہ اگر کسی اور سے وہ محبت بھی کرے تو اللہ ہی کے لیے کرے اور اللہ کا دین اسلام اُس کو اتنا عزیز اور پیارا ہو کہ اس سے پھرنے اور اس کو چھوڑنے کا خیال اس کے لیے آگ میں گر جانے کے برابر تکلیف دہ ہو۔

حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ: ''تم میں سے کوئی شخص مؤمن نہیں ہو سکتا جب تک کہ اس کو اپنے ماں باپ، اپنی اولاد اور سب لوگوں سے زیادہ میری محبت نہ ہو۔'' (بخاری و مسلم)

تشریح:...... مطلب یہ ہے کہ ایمان کی تکمیل جب ہی ہو سکتی ہے اور ایک مسلمان پورا مؤمن تب ہی ہو سکتا ہے کہ دنیا کے تمام دوسرے آدمیوں سے حتیٰ کہ اپنے ماں باپ، اور اپنی اولاد سے بھی زیادہ اس کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی محبت ہو۔

حضرت عبداللہ بن عمرو رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ: تم میں سے کوئی شخص مؤمن نہیں ہوسکتا جب تک کہ اسی کی ہوائے نفس میری لائی ہوئی ہدایت کے تابع نہ ہوجائے۔ (شرح السنہ)

تشریح:...... مطلب یہ ہے کہ حقیقی ایمان جب ہی حاصل ہوسکتا ہے اور ایمانی برکات تب ہی نصیب ہوسکتی ہیں کہ آدمی کے نفسی میلانات اور اس کے جی کی چاہتیں کلی طور پر ہدایاتِ نبویؐ کے تابع اور ماتحت ہوجائیں۔

"ھَوٰی" (یعنی خواہشات نفس) اور "ھُدیٰ" (یعنی انبیاء علیہم السلام کی لائی ہوئی ہدایات) یہی دو چیزیں ہیں جن پر خیر وشر کے سارے سلسلہ کی بنیاد ہے اور جن سے انسانوں کی سعادت یا شقاوت وابستہ ہے۔ ہر گمراہی اور بدعملی اتباع ھویٰ کا نتیجہ ہے جس طرح کہ ہر خیر اور ہر نیکی اتباع ھدیٰ سے پیدا ہوتی ہے۔ لہٰذا حقیقی ایمان جب ہی نصیب ہوسکتا ہے کہ ھویٰ کو (یعنی اپنے نفس کی چاہتوں کو) ھُدیٰ کے (یعنی اللہ تعالیٰ کی طرف سے آئی ہوئی ہدایات وتعلیم کے) تابع کردیا جائے اور جس نے ھُدیٰ کو چھوڑ کر ھویٰ کی غلامی اختیار کی اور بجائے ربانی ہدایات کے وہ نفسانی خواہشات کے تابع ہوگیا تو گویا خود ہی اُس نے مقصد ایمان کو پامال کردیا۔

حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت کرتے ہیں کہ آپ نے فرمایا: "تم میں سے کوئی مؤمن نہیں ہوسکتا جب تک کہ اپنے بھائی کے لیے وہی نہ چاہے جو اپنے لیے چاہتا ہے۔" (بخاری ومسلم)

حضرت معاذ بن جبل رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ میں نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے افضل ایمان کے متعلق سوال کیا (یعنی پوچھا کہ ایمان کا اعلیٰ اور افضل درجہ کیا ہے؟ اور وہ کون سے اعمال واخلاق ہیں جن کے ذریعہ اس کو حاصل کیا جاسکتا ہے؟) تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: یہ کہ بس اللہ ہی کے لیے کسی سے تمہاری محبت ہو اور اللہ ہی کے واسطے بغض وعداوت ہو (یعنی دوستی اور دشمنی جس سے بھی ہو صرف اللہ کے واسطے ہو) اور دوسرے یہ کہ اپنی زبان کو تم اللہ کی یاد میں لگائے رکھو۔ حضرت معاذ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے عرض کیا اور کہا یارسول اللہ! (صلی اللہ علیہ وسلم) آپ نے فرمایا' اور یہ کہ

دوسرے لوگوں کیلئے بھی وہی چاہو اور وہی پسند کرو جو اپنے لیے پسند کرتے اور چاہتے ہو اور ان کے لیے بھی اُن چیزوں کو ناپسند کرو جو اپنے لیے ناپسند کرتے ہو۔ (مسند احمد)

تشریح:...... حضرت معاذ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے سوال کے جواب میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس حدیث میں تین چیزوں کو ذکر فرمایا ہے اور بتلایا ہے کہ کامل ایمان جب نصیب ہوگا جبکہ یہ تین باتیں پیدا ہو جائیں۔ ایک اللہ ہی کے لیے دوستی اور دشمنی' دوسرے زبان کا یادِ الٰہی میں مشغول رکھنا' تیسرے بندگانِ خدا کی ایسی خیر خواہی کہ جو اپنے لیے چاہے وہ سب کیلئے چاہے اور جو اپنے لیے نہ چاہے وہ کسی کیلئے نہ چاہے۔

حضرت ابوامامہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جس نے اللہ ہی کے لیے کسی سے محبت کی اور اللہ ہی کے لیے دشمنی کی اور اللہ ہی کے لیے دیا (جس کو جو کچھ دیا) اور اللہ ہی کے واسطے منع کیا اور نہ دیا (جس کو منع کرنا اور نہ دینا عند اللہ بہتر سمجھا) تو اس نے اپنے ایمان کی تکمیل کر لی۔ (رواہ ابوداؤد)

تشریح:...... مطلب یہ ہے کہ جس شخص نے اپنے حرکات وسکنات اور اپنے جذبات کو اسی طرح مرضی الٰہی کے تابع کر دیا کہ وہ جس سے تعلق جوڑتا ہے اللہ ہی کی رضا کے لیے جوڑتا ہے اور جس سے توڑتا ہے اللہ ہی کے لیے توڑتا ہے جس کو دیتا ہے اللہ ہی کے لیے دیتا ہے اور جس کے دینے سے ہاتھ روکتا ہے صرف اللہ ہی کی خوشنودی کے لیے روکتا ہے' غرض جس کے ایجابی اور سلبی قلبی رجحانات اور جذبات مثلاً محبت اور عداوت اور اسی طرح مثبت و منفی اور ظاہری افعال وحرکات مثلاً کسی کو کچھ دینا یا نہ دینا' یہ سب اللہ ہی کے واسطے ہونے لگیں اور بجز رضاء الٰہی کے کوئی اور محرک اور داعیہ اس کے اعمال وافعال کے لیے نہ رہے' الغرض تعلق باللہ اور کامل عبدیت کا یہ مقام جس کو حاصل ہو جائے اس کا ایمان کامل ہو گیا۔

حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ابوذر غفاری رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے فرمایا: ''بتلاؤ ایمان کی کون سی دست آویز زیادہ مضبوط ہے؟ (یعنی ایمان کے شعبوں میں سے کون سا شعبہ زیادہ پائیدار ہے؟) ابوذر نے عرض کیا کہ اللہ ورسول ہی کو زیادہ علم ہے۔ (لہٰذا حضور صلی اللہ علیہ وسلم ہی ارشاد فرمائیں)

آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اللہ کے لیے باہم تعلق وتعاون اور اللہ کے واسطے کسی سے محبت اور اللہ ہی کے واسطے کسی سے بغض وعداوت۔'' (شعب الایمان للبیہقی)

تشریح:...... مطلب یہ ہے کہ ایمانی اعمال واحوال میں سب سے زیادہ جاندار اور پائیدار عمل اور حال یہ ہے کہ بندہ کا دنیا میں جس کے ساتھ جو برتاؤ ہو' خواہ موالات ہو یا ترکِ موالات' محبت ہو یا عداوت' وہ اپنے نفس کے تقاضے سے اور کسی نفسانی جذبہ سے نہ ہو بلکہ صرف اللہ کے لیے اور اُسی کے حکم کے ماتحت ہو۔

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ: ''تم جنت میں نہیں جاسکتے جب تک کہ صاحب ایمان نہ ہو جاؤ اور تم پورے مؤمن نہیں ہو سکتے جب تک کہ تم میں باہم محبت نہ ہو' کیا میں تم کو ایک ایسی بات نہ بتلادوں کہ اگر اُس پر عمل کرنے لگو تو تم میں باہمی محبت پیدا ہو جائے' وہ بات یہ ہے کہ تم اپنے درمیان سلام کا رواج پھیلاؤ اور اُس کو عام کرو۔'' (رواہ مسلم)

تشریح: اوپر کی حدیثوں سے معلوم ہوا تھا کہ بندہ کے ایمان کی تکمیل کے لیے یہ ضروری ہے کہ اس کو اللہ ورسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ اور ان کے دین کے ساتھ تمام ماسوا سے زیادہ محبت ہو اور ان کے سوا جس سے بھی محبت ہو ان ہی کے تعلق سے اور ان ہی کے واسطے ہو اور یہ کہ بندہ کا دل خود غرضی سے بالکل پاک صاف ہو اور اس کا حال یہ ہو کہ جو اپنے لیے چاہے وہی اللہ کے دوسرے بندوں کے لیے بھی چاہے اور جس چیز کو اپنے لیے پسند نہ کرے اُس کو کسی دوسرے کے لیے بھی پسند نہ کرے۔ اب اس حدیث سے معلوم ہوا کہ ایمان کا دعویٰ کرنے والی کسی قوم اور کسی معاشرہ کے ایمان کی تکمیل کے لیے یہ بھی ضروری ہے کہ ان میں باہم محبت ومودت ہو' اگر ان کے دل ایک دسرے کی محبت سے خالی ہیں تو سمجھنا چاہیے کہ وہ حقیقت ایمان اور اس کے برکات وثمرات سے بے نصیب ہیں۔

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ مسلم وہ ہے جس کی زبان درازیوں اور دست درازیوں سے مسلمان محفوظ رہیں اور مؤمن وہ ہے جس کی طرف سے اپنی جانوں اور مالوں کے بارے میں لوگوں کو کوئی خوف وخطر نہ ہو۔ (ترمذی' نسائی)

تشریح:......اس حدیث میں صرف زبان اور ہاتھ سے ایذاء رسانی کا ذکر اس لیے فرمایا گیا ہے کہ بیشتر ایذاؤں کا تعلق ان ہی دو سے ہوتا ہے ورنہ مقصد اور مطلب صرف یہ ہے کہ مسلمان کی شان یہ ہے کہ لوگوں کو اس سے کسی قسم کی تکلیف نہ پہنچے۔

ابن حبان کی اسی حدیث کی روایت میں "مَنْ سَلِمَ الْمُسْلِمُوْنَ" کے بجائے "مَنْ سَلِمَ النَّاسُ مِنْ لِّسَانِهٖ وَيَدِهٖ" وارد ہوا جس سے معلوم ہوتا ہے کہ ایک مسلمان کو تمام بنی نوع انسان کے لیے پر امن اور بے آزار ہونا چاہیے۔

لیکن واضح رہے کہ اس حدیث میں جس ایذاء رسانی کو منافی اسلام بتلایا گیا ہے وہ وہ ہے جو بغیر کسی صحیح وجہ اور معقول سبب کے ہو ورنہ بشرط قدرت مجرموں کو سزا دینا اور ظالموں کی زیادتیوں اور مفسدوں کی فسادانگیزیوں کو بزور دفع کرنا تو مسلمانوں کا فرض منصبی ہے اگر ایسا نہ کیا جائے تو دنیا امن وراحت سے محروم ہو جائے۔

حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے سنا، آپ صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے تھے کہ "وہ شخص مؤمن نہیں ہے کہ جو خود شکم سیر ہو کر کھائے اور اس کے برابر میں رہنے والا اس کا پڑوسی فاقہ سے ہو۔" (شعب الایمان)

تشریح:......یعنی اپنے پڑوسی کی بھوک اور فاقہ سے بے نیاز اور لاپروا ہو کر اپنا پیٹ بھرنے والا آدمی (اگر چہ وہ ستر پشتوں کا مسلمان ہو) حقیقت ایمان سے بے نصیب ہے اور سنگدلی اور خودغرضی کی یہ کیفیت شانِ ایمان کے بالکل منافی ہے۔

(ہم مسلمانوں کا اپنے پڑوسیوں کے ساتھ اور عام بندگان خدا کے ساتھ جو معاملہ اور برتاؤ ہے اس کو سامنے رکھ کر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ان ارشادات کی روشنی میں ذرا ہم اپنے ایمانوں کا جائزہ لیں اور دیکھیں کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی ان احادیث کی رو سے ہمارا مقام کیا ہے اور ہم کہاں ہیں)۔

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: مسلمانوں میں زیادہ کامل ایمان اُس کا ہے جس کے اخلاق زیادہ اچھے ہیں۔ (ابوداؤد، دارمی)

تشریح:......مطلب یہ ہے کہ کمال ایمان کا انحصار حسن اخلاق پر ہے۔ پس

اخلاق میں جو جتنا بلند ہوگا اسی قدر اس کا ایمان کامل ہوگا یا اسی کو یوں کہہ لیجئے کہ حسن اخلاق کمال ایمان کا لازمی نتیجہ اور ثمرہ ہے۔ لہٰذا جس شخص کا ایمان جتنا کامل ہوگا اُسی کی نسبت سے اس کے اخلاق بلند ہوں گے۔ یہ نہیں ہوسکتا کہ کسی شخص کو ایمان کی حقیقت تو نصیب ہو لیکن اس کے اخلاق اچھے نہ ہوں۔

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''آدمی کے اسلام کی خوبی اور اس کے کمال میں یہ بھی داخل ہے کہ وہ فضول اور غیر مفید کاموں اور باتوں کا تارک ہو۔'' (رواہ ابن ماجہ، ترمذی، شعب الایمان للبیھقی)

تشریح: انسان اشرف المخلوقات ہے اور اللہ تعالیٰ نے اس کو بہت قیمتی بنایا ہے اور اللہ تعالیٰ چاہتا ہے کہ انسان کو اس وقت کا اور صلاحیتوں کا جو سرمایا دیا گیا ہے وہ اس کو بالکل ضائع نہ کرے بلکہ صحیح طور سے اس کو استعمال کر کے زیادہ سے زیادہ ترقی اور اللہ تعالیٰ کی رضا اور قرب حاصل کرے۔ یہی دین کی تمام تعلیمات کا حاصل اور لب لباب ہے اور یہی ایمان و اسلام کا مقصد ہے اس لیے جو خوش نصیب یہ چاہے کہ اس کو ایمان کا کمال حاصل ہو اور اس کے اسلام کے حسن پر کوئی داغ دھبہ نہ ہو تو اس کے لیے ضروری ہے کہ کھلے گناہوں اور بداخلاقیوں کے علاوہ تمام فضول اور غیر مفید کاموں اور باتوں سے بھی اپنے کو بچائے رکھے اور اپنے وقت اور اپنی تمام خداداد قوتوں اور صلاحیتوں کو بس ان ہی کاموں میں لگائے جن میں خیر اور منفعت کا کوئی پہلو ہو یعنی جو معاد یا معاش کے لحاظ سے ضروری یا مفید ہوں یہی اس حدیث کا مطلب ہے۔

جو لوگ غفلت سے لایعنی باتوں اور بے حاصل چیزوں میں اپنا وقت اور اپنی قوتیں صرف کرتے ہیں وہ نادان جانتے نہیں کہ اللہ نے ان کو کتنا قیمتی بنایا ہے اور وہ اپنے کیسے بیش بہا خزانہ کو مٹی میں ملاتے ہیں۔ اس حقیقت کو جنہوں نے سمجھ لیا ہے بس وہی دانا اور عارف ہیں۔

حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اللہ تعالیٰ نے جو پیغمبر بھی مجھ سے پہلے کسی اُمت میں بھیجا تو اس کے کچھ حواری اور لائق اصحاب ہوتے تھے جو اس کے طریقے پر چلتے اور اس کے حکم کی پیروی کرتے

تھے۔ پھر ایسا ہوتا تھا کہ ان کے نالائق پسماندگان ان کے جانشین ہوتے تھے اور ان کی حالت یہ ہوتی تھی کہ وہ کہتے تھے اور خود وہ کام نہیں کرتے تھے یا مطلب یہ ہے کہ کرنے کے جو کام وہ نہیں کرتے تھے ان کے متعلق لوگوں سے کہتے تھے کہ ہم کرتے ہیں، گویا اپنی مشیخیت اور اپنا تقدس قائم رکھنے کے لیے وہ جھوٹ بھی بولتے اور جن کاموں کا ان کو حکم نہیں دیا گیا تھا ان کو کرتے تھے (یعنی اپنے پیغمبر کی سنتوں اور اس کے اوامر واحکام پر تو وہ عامل نہ تھے مگر وہ معصیات و بدعات جن کا ان کو حکم نہیں دیا گیا تھا ان کو خوب کرتے تھے) تو جس نے ان کے خلاف اپنے دست و بازو سے جہاد کیا وہ مؤمن ہے اور جس نے (بدرجہ مجبوری) صرف زبان ہی سے ان کے خلاف جہاد کیا وہ بھی مؤمن ہے اور جس نے (جہاد باللسان سے بھی عاجز رہ کر) صرف دل ہی سے ان کے خلاف جہاد کیا (یعنی دل میں ان سے نفرت کی اور ان کے خلاف غیظ وغضب رکھا) تو وہ بھی مؤمن ہے لیکن اس کے بعد رائی کے دانہ کے برابر بھی ایمان نہیں ہے۔ (مسلم)

تشریح:...... حدیث کا مطلب اور اس کی روح یہی ہے کہ انبیاء علیہم السلام اور بزرگان دین کے جانشینوں اور نام لیواؤں میں جو غلط کار اور بدکردار ہوں جو دوسروں کو تو اعمال خیر کی دعوت دیتے ہوں لیکن خود بے عمل اور بدعمل ہوں ان کے خلاف حسب استطاعت ہاتھ سے یا زبان سے جہاد کرنا اور کم از کم دل میں اس جہاد کا جذبہ رکھنا ایمان کے خاص شرائط اور لوازم میں سے ہے اور جو شخص اپنے دل میں بھی اس جہاد کا جذبہ نہ رکھتا ہو اس کا دل ایمان کی حرارت اور اس کے سوز سے گویا بالکل ہی خالی ہے۔ "لَيْسَ وَرَاءَ ذَالِكَ مِنَ الْإِيْمَانِ حَبَّةُ خَرْدَلٍ" کا یہی مطلب ہے اور اگلی حدیث میں اسی کو "اَضْعَفُ الْإِيْمَانُ" (ایمان کا ضعیف ترین درجہ) فرمایا گیا ہے۔

ملحوظ رہے کہ اس حدیث میں انبیاء علیہم السلام اور بزرگان دین کے ناخلف اور نالائق جانشینوں کے خلاف جہاد کا جو حکم ہے اس کا مطلب صرف یہ ہے کہ ان کو درست کرنے کی اور صحیح راستے پر لانے کی کوشش کی جائے اور اگر اس سے مایوسی ہو تو ان کے برے اثرات سے اللہ کے بندوں کو بچانے کے لیے ان کی جھوٹی مشیخت اور ان کے موروثی اثر واقتدار کو ختم کرنے کی جدوجہد کی جائے۔

حضرت ابو سعید خدری رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جو کوئی تم میں سے کوئی بری اور خلاف شرع بات دیکھے تو لازم ہے کہ اگر طاقت رکھتا ہو تو اپنے ہاتھ سے (یعنی زور و قوت سے) اس کو بدلنے کی (یعنی درست کرنے کی) کوشش کرے اور اگر اس کی طاقت نہ رکھتا ہو تو پھر اپنی زبان سے اس کو بدلنے کی کوشش کرے اور اگر اس کی بھی طاقت نہ رکھتا ہو تو اپنے دل ہی سے اور یہ ایمان کا ضعیف ترین درجہ ہے۔ (مسلم)

تشریح:...... اس سے پہلی حدیث میں ایک خاص طبقے کی بدکاری اور بدکرداری کے خلاف حسب استطاعت جدوجہد کو لازمہ ایمان قرار دیا گیا تھا اور اس حدیث میں ہر برائی اور ہر شرارت کو روکنے اور اس کو بدل ڈالنے کی بقدر استطاعت سعی و کوشش کا عام حکم فرمایا گیا ہے اور اوپر والی حدیث کی طرح یہاں بھی اس کے تین درجے بتلائے گئے ہیں۔

۱...... اگر طاقت و اقتدار حاصل ہو اور اس کے ذریعہ اس برائی کو روکا جا سکتا ہو تو طاقت استعمال کر کے اس کو روکا جائے۔

۲...... اگر طاقت و اقتدار اپنے ہاتھ میں نہیں ہے تو زبانی افہام و تفہیم اور پند و نصیحت ہی سے اس کو روکنے کی اور اصلاح کی کوشش کی جائے۔

۳...... اگر حالات ایسے ناموافق ہیں اور اہل دین اس قدر کمزور پوزیشن میں ہیں کہ اس برائی کے خلاف زبان کھولنے کی بھی گنجائش نہیں ہے تو آخری درجہ یہ ہے کہ دل سے اس کو برا سمجھا جائے اور اس کو مٹانے اور بدل ڈالنے کا جذبہ دل میں رکھا جائے جس کا فطری نتیجہ کم از کم یہ ہوگا کہ دل اللہ تعالیٰ سے اس کے مٹانے کی دعا کرتا رہے گا اور تدبیریں بھی سوچا کرے گا...... اس آخری درجے کو حدیث میں "اَضْعَفُ الْاِیْمَانُ" فرمایا گیا ہے...... جس کا مطلب یہ ہے کہ یہ ایمان کا وہ آخری کمزور درجہ ہے کہ اس کے بعد کوئی اور درجہ ایمان کا ہے ہی نہیں۔ یہی بات پہلی حدیث میں دوسرے لفظوں میں فرمائی گئی تھی۔

اس حدیث کی رو سے ہر مسلمان پر واجب ہے کہ جو برائیاں اس کے سامنے اس

قسم کی ہوں جو زور وقوت سے روکی جاسکتی ہوں تو اگر اس کو وہ زور وقوت حاصل ہو تو اس کو استعمال کر کے وہ اس برائی کو روکنے کی کوشش کرے اور اگر زور وقوت ہاتھ سے خالی ہو تو پھر زبانی افہام وتفہیم سے کام لے اور اگر حالات میں اس کی بھی گنجائش نہ ہو تو پھر کم ازکم دل میں اس کے خلاف جذبہ اور سوزش ہی رکھے۔

حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ بہت کم ایسا ہوا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ہم کو خطبہ دیا ہو اور اُس میں یہ ارشاد نہ فرمایا ہو کہ "جس میں امانت کی خصلت نہیں اُس میں ایمان نہیں اور جس میں عہد کی پابندی نہیں اس میں دین نہیں۔" (شعب الایمان للبیہقی)

تشریح:...... یعنی امانت داری اور عہد کی پابندی سے کسی آدمی کا خالی ہونا دین و ایمان کی حقیقت سے اس کی محرومی اور بے نصیبی کی دلیل ہے کیونکہ امانت اور ایفائے عہد ایمان واسلام کے لوازم میں سے ہیں...... جیسا کہ پہلے بھی بعض حدیثوں کی تشریح میں لکھا جاچکا ہے۔ اس طرح کی حدیثوں کا مقصد ومنشاء یہ نہیں ہوتا کہ ایسا شخص اسلام کے دائرے سے بالکل نکل گیا اور اب اُس پر بجائے اسلام کے کفر کے احکام جاری ہوں گے بلکہ مطلب صرف یہ ہوتا ہے کہ یہ شخص ایمان کی اصل حقیقت اور اس کے نور سے بے نصیب ہے جس کا حاصل یہ ہوتا ہے کہ اس کا ایمان بہت ہی ناقص درجے کا اور بے جان ہے۔

ایمان کا مطلب

انبیاء علیہم السلام کی اطلاع پر اعتماد کر کے مانا جائے۔ مثلاً جنت ونار وفرشتوں کا وجود پل صراط میزان اور قیامت وغیرہ تو یہ ساری چیزیں نہ عقل سے مدرک ہوتی ہیں نہ محسوسات سے بلکہ انبیاء علیہم السلام کے فرمانے پر اعتماد کر کے ان کو مانا جاتا ہے۔ اور یہ غائب ہیں لیکن جب یہ چیزیں سامنے آ گئیں تو ایمان بالغیب نہ رہا کیونکہ قیامت میں جب کفار جنت وجہنم کو دیکھیں گے تو سب ایمان لے آئیں گے مگر اس وقت کا ایمان قبول نہیں ہوگا کیونکہ وہ ایمان بالغیب نہیں ہوگا بلکہ ایمان بالمشاہدہ ہوگا اور وہ غیر مقبول ہے۔ (جواہر حکمت)

قلب کا بہترین مصلح ایمان ہے

حکیم الاسلام قاری محمد طیب صاحب رحمہ اللہ فرماتے ہیں۔

شریعت نے دل کی اصلاح کے لئے ایمان رکھا ہے۔اس لحاظ سے ایمان کا محل بھی قلب انسان ہے۔اللہ ورسول کی محبت بھی دل کے اندر آتی ہے۔ یہ ہی محبت آدمی سے عمل کراتی ہے۔دل کے اندر جذبے پیدا ہوتے ہیں۔اسی جذبے کے مطابق انسان چلتا ہے تو اولاً ایمان قلب انسانی پر وارد ہوتا ہے۔وہاں سے وہ ترقی کر کے دوسرے مقامات پر پہنچتا ہے۔اس کی تاثیر سارے بدن پر پہنچتی ہے تو پھر ہاتھ بھی مومن بن جاتا ہے اور کان بھی مومن بن جاتا ہے اور سب اعضاء میں ایمانداری پیدا ہو جاتی ہے اگر دل میں بے ایمانی گھسی ہوئی ہو تو ہاتھ پیر بھی بے ایمان ہوں گے اور بے ایمانی کی حرکتیں کریں گے اور دماغ بھی بے ایمان ہو جائے گا۔سوچے گا تو بے ایمانی کی باتیں سوچے گا اس لئے کہ دل کی نیت خراب ہے چنانچہ دل کو اصل قرار دے کر انبیاء اس کی اصلاح کی طرف متوجہ ہوتے ہیں کہ اس کے اندر نور و چمک پیدا کریں تا کہ اس کے اندر عالم غیب کی چیزیں روشن ہو جائیں اور یہ اسی وقت ہوگا جب کہ قلب پر ایمان وارد ہو اور قلب چونکہ پاک ظرف ہے اس لئے اس میں پاک چیز یعنی ایمان داخل ہوتا ہے اور پھر عمل بھی ویسا ہی ظاہر ہوتا ہے۔اگر دل میں خوشی ہے تو چہرے پر بھی خوشی کے آثار ظاہر ہوں گے چونکہ خوشی درحقیقت قلب کی صفت ہے مگر چہرے سے نظر آتی ہے۔دل میں اگر غم بھرا ہوا ہے تو چہرے سے معلوم ہو جاتا ہے دیکھنے والے دیکھتے ہیں کہ آج تم بڑے غمگین نظر آتے ہو حالانکہ غم چھپی ہوئی چیز ہے وہ آنکھوں سے دیکھنے کی چیز نہیں ہے چونکہ دل کا اثر چہرے پر پڑتا ہے تو ہر جاننے والا جان لیتا ہے کہ یہ غم زدہ ہے اور واقعی وہ غم زدہ ہوتا ہے۔تو غمی و خوشی محبت و عداوت اور کرنا نہ کرنا یہ

چیزیں انسان کے قلب سے متعلق ہیں اگر دل درست ہے تو سب چیزیں درست ہیں اگر دل خراب ہے تو اس کی وجہ سے سب چیزیں خراب ہیں اور اسی وجہ سے ہاتھ پیر پیر پر اثر پڑتا ہے اور وہ اثر جو قلب پر وارد ہوتا ہے وہ متعدی ہو کر اعضاء وجوارح پر طاری ہوتا ہے اچھا ہو یا برا۔

ملک الموت کے نزع روح کی کیفیت

حدیث میں آتا ہے کہ جب کسی آدمی کے انتقال کا وقت قریب آتا ہے اور ملائکہ نزع روح کرتے ہیں تو ہاتھوں کو اور پیروں کو سونگھتے ہیں اور دماغ کو اور دیگر بدن کو بھی سونگھتے ہیں اور ایمان کی خوشبو سونگھنا چاہتے ہیں۔ دل میں اگر ایمان ہے تو ہاتھ پیر میں بھی اس کیا ثرات رچے ہوئے ہوتے ہیں ہاتھوں کو بھی سونگھتے ہیں کہ ان میں بھی ایمان کی خوشبو ہے یا نہیں اصل خوشبو کا مرکز تو دل ہے مگر اعضاء پر اس کے اثرات پہنچ جاتے ہیں جیسے خوشبو کا مخزن تو باغ ہے اور پھول ہے مگر کپڑوں سے بھی خوشبو آنے لگتی ہے اور باغ والی خوشبوؤں کے اثرات سے جہاں جہاں ہوا پہنچے گی وہ شے معطر ہوتی چلی جائے گی۔ بہرحال میرے عرض کرنے کا مطلب یہ ہے کہ انسان کے اندر دل اصل ہے اس کو درست کیا جائے اور اس کی درستگی کی پہلی بنیاد ایمان ہے۔ ایمان رہتا ہے قلب کے اندر اور اس کے اثرات ہاتھ پیر پر عمل کی صورت میں ظاہر ہوتے ہیں۔

ایمان کا محل قلب اور اسلام کا محل اعضا ہیں

اس سے معلوم ہوا کہ دل ایمان کی جگہ ہے اور ہاتھ پیر اسلام کی جگہ ہیں۔ ایمان چھپی ہوئی شے ہے جو دل میں رہتا ہے اور اسلام کھلی ہوئی شے ہے جو ہاتھ اور پیروں پر آتا ہے آپ نے نماز پڑھی ہاتھ پاؤں سے پڑھی۔ دیکھنے والے جانتے ہیں کہ آپ نے نماز پڑھی مگر اس فعل کا سرچشمہ قلب کے اندر ہے۔ اگر اس میں جذبہ عقیدت کا محبت کا اور اللہ کی چاہت کا پیدا نہ ہوتا تو کبھی نماز نہ پڑھتے معلوم ہوا کہ اصل میں نماز پڑھنے والا دل ہے لیکن عمل کی صورت ہاتھ پیر پر ظاہر ہوتی ہے۔ ایمان کا محل دل ہے اس کے اثرات جب ہاتھ پاؤں پر آتے ہیں تو وہ اسلام بن جاتے ہیں چونکہ ایمان پوشیدہ شے

ہے اور اسلام ظاہر شے ہے اسی لئے حدیث میں فرمایا گیا ہے۔ الایمان سروالاسلام علی نیۃ کہ ایمان چھپی ہوئی چیز ہے جس کو دل لئے ہوئے ہے اور اسلام کھلی ہوئی شے ہے جو ہاتھ پاؤں پر ظاہر ہوتی ہے تو وہی اندرونی شے جب تک چھپی رہتی ہے اسے ہی ایمان کہتے ہیں اور وہی شے جب ہاتھ پاؤں پر آتی ہے اسے اسلام کہتے ہیں۔

ایمان کے معنیٰ اور اس کی حقیقت

ایمان کے معنیٰ کیا ہیں؟ اور کس طرح سے ہمارے اندر آتا ہے؟ اور اس کے آثار کیا ہیں؟ اور کیسے پہچانا جائے؟ تو سنئے! ایمان کی حقیقت ہے محبت اگر اللہ کی محبت کامل ہے تو کہیں گے کہ اس کا ایمان کامل ہے اور نبی کریمؐ کی محبت دل میں رچ گئی ہے تو کہیں گے کہ ایمان آ گیا اسی لئے قرآن میں فرمایا گیا ہے۔ وَالَّذِیْنَ اٰمَنُوْٓا اَشَدُّ حُبًّا لِّلّٰہِ جو لوگ ایمان لائے ہیں ان میں اللہ کی محبت اور عشق سرایت کئے ہوئے ہے۔ اگر عشق و محبت نہ ہوتا تو ایمان کبھی نہ آتا۔ اگر نبی کریمؐ پر ایمان لائے تو اس کا مطلب یہ ہے کہ دل کے رگ و پے میں حضورؐ کی محبت بس گئی ہے اور اللہ کی محبت جم گئی ہے۔ تو محبت درحقیقت ایمان کا دوسرا نام ہے ایمان نہیں محبت نہیں محبت نہیں تو ایمان نہیں۔ اصل چیز اللہ و رسول کی محبت ہے یہ ہی چیز ایمان بناتی ہے۔ یہ ہی اعتقاد قائم کرتی ہے۔ اسی کو فرمایا نبی کریمؐ نے کہ لایؤمن احدکم حتیٰ اکون احب الیہ من ولدہ ووالدہ والناس اجمعین کوئی بھی تم میں مومن نہیں بنے گا جب تک کہ قلب میں میری اتنی محبت نہ ہو کہ اس کو اتنی نہ اپنے ماں باپ کی اور نہ اولاد سے محبت ہو اور نہ کسی اور سے اتنی محبت ہو۔ بغیر حب نبی کے ایمان کامل نہیں ہوتا۔

ایمان و محبت کے آثار و علامات

علامت اس کی یہ ہے کہ ایک طرف تو ہے اولاد کی محبت ایک طرف اللہ و رسول کی محبت ہے جب ٹکرا جائیں تو اللہ و رسول کی محبت کو اختیار کرے اولاد کی محبت کو چھوڑ دے یہ علامت ہوگی کہ واقعی محبت رسول موجود ہے اگر آدمی نے اولاد کی محبت کو اختیار کیا اور رسول کی محبت کو چھوڑ دیا تو کہا جائے گا کہ رسول سے محبت نہیں بلکہ اولاد سے محبت ہے

تو ٹکراؤ کے وقت پتہ چلتا ہے کہ کون سی محبت غالب ہے مثلاً آپ لحاف میں آرام سے پڑے ہوئے ہیں بڑی خوشگوار نیند آ رہی ہے اچانک مؤذن نے آواز دی حی علی الصلوٰۃ حی علی الفلاح دوڑو نماز کی طرف توڑو کامیابی کی طرف۔آپ نے اس پر لبیک نہیں کہا تو کہیں گے کہ نفس کی محبت غالب ہے اور اگر آرام چھوڑ کر کھڑے ہو گئے اور وضو کیا اور مسجد میں گئے نماز پڑھی تو کہیں گے کہ محبت خدا اور رسول غالب ہے تو ٹکراؤ کے وقت آدمی جدھر مائل ہوتا ہے اسی طرف کی محبت کا حکم لگا دیا جاتا ہے تو حضورؐ فرماتے ہیں کہ تم مومن نہیں بن سکتے جب تک میری محبت اولاد ماں باپ وغیرہ سب کی محبت سے غالب نہ ہو جائے کہ جب ماں باپ کی محبت میری محبت سے ٹکرائے تو مجھے اختیار کرو ماں باپ کو چھوڑ دو اور جب میری محبت اولاد کی محبت سے ٹکرا جائے تو مجھے اختیار کرو اولاد کی محبت کو چھوڑ دو یہ ہی وجہ ہے کہ حضرات صحابہؓ کرام میں محبت نبوی اتنی غالب تھی کہ آپؐ نے جب ہجرت فرمائی تو صحابہ نے بھی اس محبت کی وجہ سے وطن چھوڑا۔ گھر بار چھوڑا۔ عزیز و اقارب چھوڑے جائیدادیں چھوڑیں اور اللہ کے رسول کیساتھ ہو لئے مکہ میں ساری تجارتیں ترک کیں اور مدینہ میں غربت کی زندگی اختیار کی ان کو کس چیز نے مجبور کیا؟ یہ اللہ و رسول کی محبت ہی تو تھی اس محبت کی وجہ سے عیش و آرام کا سب ساز و سامان ترک کیا مفلس و قلاش ہو کر رہنا گوارہ کیا مگر خدا اور رسول کو چھوڑنا گوارہ نہیں کیا۔

ایک ایمان افروز واقعہ

حدیث میں ایک واقعہ ذکر فرمایا گیا ہے کہ غزوۂ بدر میں تین سو تیرہ صحابی شریک تھے ان میں صدیق اکبرؓ بھی موجود تھے حضرت صدیقؓ کے چھوٹے بیٹے جو ابھی ایمان نہیں لائے تھے بعد میں ایمان لائے وہ اس غزوہ میں کفار کی طرف سے لڑنے کے لئے آئے تھے ایمان لانے کے بعد ایک روز صدیقؓ اکبر سے عرض کیا کہ ابا جان غزوہ بدر کے موقع پر کئی موقعے ایسے آئے کہ آپ بالکل میری زد پر تھے اگر میں وار کرتا تو آپ بچ نہیں سکتے تھے مگر میں نے سوچا میرے باپ ہیں کس طرح ان پر حملہ کروں تو میں ایک طرف کو ہو گیا یہ بات بیٹے نے باپ سے کہی۔ حضرت صدیق اکبرؓ نے فرمایا کہ اچھا یہ موقعے آئے ہیں کہ میں اور تو

آمنے سامنے آ گئے تھے۔ بیٹے نے کہا کہ ہاں فرمایا کہ مجھے خبر نہ ہوئی اگر تو میری زد پر آتا تو سب سے پہلے تجھے قتل کرتا اس واسطے کہ تو دشمن تھا نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا اور رسول کی محبت کے مقابلے میں اولاد کی محبت کوئی چیز نہیں ہے اس لئے اگر تو میری زد پر آتا تو میں پہلے تجھے قتل کرتا وہ کفر کی بات تھی یہ ایمان کی بات ہے۔

محبت کے بدلے آدمی اپنے کو بیچ دیتا ہے

معلوم ہوا کہ ایمان جب کسی کے دل میں گھر کر جاتا ہے اور محبت غالب آجاتی ہے تو اپنے کو اس کے بدلے فروخت کر دیتا ہے۔ پھر اس محبوب کی ہر ادا سے محبت ہو جاتی ہے اس کے مقابلے میں نہ اولاد سے محبت رہتی ہے اور نہ ماں باپ کی محبت کوئی حیثیت رکھتی ہے۔ سب کم محبتیں ختم ہو جاتی ہیں ہیں اور ایک ہی محبت غالب آتی ہے۔ صحابہ کرامؓ نے ہجرتیں کیں جائیدادیں چھوڑیں تجارتیں ترک کیں۔ یہ سب رسولؐ کی محبت کا نتیجہ تھا۔ ان چیزوں کی کوئی پرواہ نہ کی اس لئے کہ رسول کی محبت غالب تھی تو پہلا حق نبی کریمؐ کا یہ ہے کہ محبت ہو۔ محبت نہیں تو ایمان نہیں، ایمان نہیں تو پھر اسلام بھی نہیں تو بنیادی چیز ی محبت ہے اسی واسطے محبت پر زور دیا گیا ہے۔ یہ ہی صحابہؓ کا طریق تھا اور یہی بعد میں اہل اللہ کا طریق رہا ہے یہ قاعدے کی بات ہے کہ جس شخص کی محبت غالب ہوتی ہے اس کی ساری ادائیں محبوب بن جاتی ہیں اس کا چلنا پھرنا بھی محبوب بن جاتا ہے اور اس کا لباس بھی محبوب بن جاتا ہے اس کا ذکر اور چرچا بھی محبوب بن جاتا ہے۔ فقط محبوب سے ہی محبت نہیں ہوتی بلکہ اس کے نام سے جو چیز منسوب ہو جاتی ہے اس سے بھی محبت ہو جاتی ہے۔

عشق کامل پر مجنوں کا واقعہ

کسی نے مجنوں کو دیکھا کہ لیلیٰ کے مکان کی اینٹ اینٹ کو چومتا پھر رہا ہے کسی نے کہا احمق تو یہ کیا کر رہا ہے اینٹوں میں کیا رکھا ہوا ہے اور اینٹوں کو چومنے سے کیا فائدہ ہے اس نے دو شعر میں جواب دیا۔

امر علی الدیار دیار لیلیٰ　　اقبل ذالجدار واذالجدار

کہ میں لیلیٰ کے مکان پر جب گزرتا ہوں تو کبھی اس دیوار کو چومتا ہوں اور کبھی اس اینٹ کو چومتا ہوں کبھی اس دروازے کو چومتا ہوں کبھی اس دہلیز کو چومتا ہوں اور کیوں چومتا ہوں ۔

وما حب الديار شغفن قلبي ولكن حب من نزل الديار

مجھے ان اینٹوں سے محبت نہیں ہے وہ جوان اینٹوں میں بیٹھی ہوئی ہے اس سے محبت ہے اس کی وجہ سے ان اینٹوں سے محبت ہوگئی ہے۔ اس کے کتے سے بھی محبت ہوگئی ہے۔ اس کی بلائیں لینے کو بھی تیار ہوں تو جب محبت ہوتی ہے تو ایک محبوب ہی سے محبت نہیں ہوتی بلکہ جو چیز اس کے نام سے لگ جاتی ہے وہ بھی محبوب بن جاتی ہے۔

مومن کو حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے متعلق ہر شے محبوب ہوتی ہے

چونکہ آپ کو محبت ہے نبی کریمؐ سے تو گنبد خضراء بھی محبوب ہوگا۔ اس کی زیارت کو آپ عبادت سمجھتے ہیں اور سمجھتے ہیں کہ اگر ایک آنکھ گنبد پر پڑ جائے تو دنیا و آخرت کی سعادت مل جائے وہ کیوں؟ اس لئے کہ گنبد خضراء خود محبوب نہیں بلکہ اس میں جو آرام فرماء ہیں اصل میں وہ محبوب ہیں۔ چونکہ اس گنبد پر نام لگ گیا ہے ان کا اس لئے وہ بھی محبوب ہوگیا گنبد تو پھر قریب ہے مدینہ سے محبت ہے۔ شعراء کو دیکھو تو مدینہ کی تعریف کرتے ہیں اور نعتیہ کلام میں مدینہ کے فضائل بیان کرتے ہیں۔ مدینہ تو صرف ایک شہر ہے جیسے ہمارے یہاں شہر ہے۔ یہ شہر زیادہ خوب صورت ہے وہ شہر اتنا بھی خوبصورت نہیں مگر پھر بھی محبت ہے اصل میں محبت ہے اللہ و رسول سے اس وجہ سے گنبد خضراء بھی محبوب ہوا اس محبت کی وجہ سے مسجد نبوی بھی محبوب ہوئی اسی محبت کی وجہ سے مدینہ بھی محبوب ہوا تو سلسلہ بسلسلہ ہر چیز تک محبت پہنچ جاتی ہے۔ آپ بیت اللہ شریف کی اینٹ اینٹ کو چومتے ہیں۔ کیوں؟ اس لئے کہ بیت اللہ کے مقام پر تجلی ربانی اتری ہوئی ہے۔ اصل محبت اللہ سے ہے چونکہ بیت اللہ کی اللہ تجلی گاہ ہے اس لئے اس سے بھی محبت ہوگئی ہے اور وہ اینٹیں اس سے منسلک ہیں۔ اس لئے اس کی اینٹ اینٹ سے محبت ہوگئی ہے اور جب خانہ کعبہ محبوب ہوا تو پوری مسجد حرام بھی محبوب ہوگئی

اور اس کی محبت ظاہر ہوئی اس طرح پر کہ آپ اس کی عظمت کرتے ہیں اس کی طرف منہ کر کے نماز پڑھتے ہیں جب مسجد حرام محبوب ہوئی تو مکہ محبوب بن گیا کہ وہ شہر پناہ ہے اس مسجد حرام کی لہذا وہ شہر بھی محبوب بن گیا اور چونکہ حجاز میں واقع ہے تو ہم حجاز مقدس کہتے ہیں کیونکہ سارے حجاز سے محبت ہوگئی ہے اور جب حجاز سے محبت ہوگئی ہے تو حجاز کے جتنے باشندے ہیں ان سے محبت ہوگئی یہ پڑوسی ہے اس کا لہذا یہ بھی محبوب ہے تو جب آدمی کے دل میں محبت آتی ہے تو فقط ایک محبوب ہی محبوب نہیں رہتا ہے بلکہ محبوب کی ساری ادائیں محبوب بن جاتی ہیں۔ چال ڈھال بھی محبوب، لباس بھی محبوب، کھانے کا طرز بھی محبوب رہن سہن کا طرز بھی محبوب۔ وہ تمام چیزیں محبوب بن جاتی ہیں جو محبوب کی پسندیدہ اور محبوب ہیں۔

تمام چیزوں کا سرچشمہ محبت ہے

بنیادی چیز محبت ہے اور محبت کا ظرف دل ہے جب دل میں اللہ و رسول کی محبت آجائے گی تو ہاتھ پاؤں پر بھی اسکے اثرات ظاہر ہوں گے اور اعمال صالحہ بھی صادر ہوں گے اور اگر دل میں محبت نہیں تو نہ ایمان بنے گا اور نہ اسلام بنے گا اور نہ اعمال بنیں گے مسلم نام تو ہوں گے کام مگر اسلام کے نہیں ہوں گے جب دل میں ایمان ہوگا جب ہی کام کا اسلام ہوگا اس لئے ہمیں نام کے مسلمان نہیں ہونا چاہئے بلکہ کام کے مسلمان ہونا چاہئے دل میں محبت رچی ہو اور ہاتھ پیر پر عمل ہو یہ ہی عمل شہادت دے گا کہ ایمان ایک چیز ہے جو اندر چھپی ہوئی ہے۔

ایمان دعویٰ ہے اعمال اس کی دلیل ہیں

جب قیامت کے دن آدمی اپنے مومن ہونے کا دعویٰ کرے گا تو اس سے دلیل طلب کی جاوے گی کیونکہ کوئی دعویٰ بلا دلیل کے قابل سماعت نہیں ہوتا ہے اس بناء پر اس سے پوچھا جائے گا کہ تیرے ایمان کا ثبوت کیا ہے وہ کہے گا کہ میں نے نمازیں پڑھی ہیں روزے رکھے ہیں۔ زکوۃ دی ہے حج کئے ہیں یہ ثبوت ہوگا ایمان کا پھر اس کی نجات ہوگی اگر آپ نے اپنے مومن ہونے کا دعویٰ کیا اور دلیل طلب کی گئی مگر وہاں نہ نماز ہے نہ روزہ ہے نہ زکوۃ ہے نہ حج تو یہ دعویٰ بلا دلیل کے رہ جائے گا وہاں اس کی کوئی وقعت نہیں ہوگی۔ اس کی گردن ناپی

جاوے گی اور اس کے دعویٰ کی تکذیب کی جاوے گی کہ تم جھوٹ بول رہے ہو تمہارے اندر ایمان کہاں ہے اگر ایمان ہوتا تو اس کے آثار ہاتھ پیر پر ظاہر ہوتے۔ حالانکہ کوئی اثر ظاہر نہیں اس لئے کہ اندر کچھ نہیں لہٰذا انتہائی ذلیل ہوگا اور کہا جائے گا کہ اپنے کئے کو بھگتو پھر وہاں کی سزائیں دی جائیں گی۔ مصیبتوں میں مبتلا کیا جاوے گا اس لئے جب دعویٰ ہو تو اس کی دلیل بھی مہیا ہونی چاہیے۔ طاعت' عبادت' اتباع سنت' حضور کی پیروی ہونی چاہیے آگے قبول کرنا نہ کرنا مالک کا کام ہے۔ مگر ہمیں ثبوت مہیا کر دینا چاہئے اور اس ثبوت پر ناز نہ ہو کہ میں نے اتنی عبادت کی بلکہ یہ کہنا چاہئے کہ میں نے کچھ نہیں کیا یہ سب اللہ تعالیٰ کا فضل ہے۔

یحییٰ بن اکثم کی اللہ تعالیٰ کے سامنے پیشی

یحییٰ بن اکثم بہت بڑے عالم گزرے ہیں امام کے درجے کے عالم ہیں جب ان کی وفات ہوئی تو بعض اہل اللہ نے انہیں خواب میں دیکھا اور خواب بھی کشف جیسا تھا۔ یہ دیکھا کہ ان کی اللہ تعالیٰ کے سامنے پیشی ہوئی ہے۔ حق تعالیٰ نے فرمایا کہ اے یحییٰ کیا چیز لیکر آئے ہو ہمارے لئے۔ جواب دیا کہ اے اللہ تعالیٰ میں نے پچپن حج کئے ہیں۔ فرمایا ہمیں ایک بھی قبول نہیں۔ انہوں نے کہا کہ اے باری تعالیٰ میں نے ایک سو باون قرآن ختم کئے ہیں۔ فرمایا کہ ہمیں ایک بھی قبول نہیں۔ انہوں نے کہا کہ یا اللہ میں نے اتنی نمازیں پڑھی ہیں۔ فرمایا کہ ہمیں ایک بھی قبول نہیں۔ پوری زندگی کے اعمال ذکر کئے۔ باری تعالیٰ نے فرمایا ہم نے ایک بھی قبول نہیں کیا اور بتاؤ کیا لے کر آئے ہو۔ آپ عاجز ہو گئے۔ آخر میں کہا کہ اے اللہ بس تیری رحمت کا سہارا لے کر آیا ہوں اور کچھ لے کر نہیں آیا۔ فرمایا کہ اب بات تو نے ٹھیک کہی ہے۔

وجبت لک رحمتی میری رحمت تیرے لئے واجب ہوگئی ہے۔ جا تیرے لئے جنت اور مغفرت ہے تو عمل کے ساتھ ساتھ رضا خداوندی اور رحمت خداوندی کی توقع اور امید بھی ہونی چاہئے۔ اعمال پر گھمنڈ اور ناز نہیں ہونا چاہئے۔ جس عمل میں محبت کی آمیزش اور رحمت کی امید نہ ہو وہ عمل قابل قبول نہیں ہے۔ اسی لئے میں نے عرض کیا تھا کہ اصل چیز

محبت ہے پھر اس کے بعد عمل کا مرتبہ ہے اور اس محبت سے ہی عمل پیدا ہوتا ہے۔ عمل ہی محبت کی علامت ہے اسی سے معلوم ہو جاتا ہے کہ دل میں محبت ہے یا نہیں۔

مومن کو جنت میں
حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی معیت حاصل ہوگی

آپ نے ایک حدیث میں ارشاد فرمایا ہے من احبنی فقد اطاعنی ومن اطاعنی کان معی فی الجنۃ جو مجھ سے محبت کرے گا وہ میری اطاعت بھی کرے گا اور میری سنتوں کی پیروی بھی کرے گا اور جو میری سنتوں پر چلے گا وہ میرے ساتھ بھی ہوگا جنت میں وہ میرے سے الگ نہیں رہے گا۔ آپؐ نے بنیاد قرار دیا ہے محبت کو کہ مجھ سے محبت کرنا علامت ہے اس بات کی کہ وہ میری اطاعت کر رہا ہے اور میری اطاعت کرنا علامت ہے اس بات کی کہ وہ جنت میں میرا رفیق ہوگا۔ اس حدیث سے معلوم ہوا کہ اصل تو محبت ہے مگر محبت پہچاننے کی علامت اطاعت ہے اور اتباع سنت ہے جب یہ ہوگی تو معلوم ہو گا کہ محبت میں سچا ہے اس لئے فرمایا آپؐ نے لایؤمن احدکم حتی اکون احب الیہ من ولدہ و والدہ والناس اجمعین تم میں سے کوئی آدمی اس وقت تک مومن کامل نہیں بن سکتا جب تک کہ میری اس آدمی کو اتنی محبت نہ ہو کہ اتنی اس کو نہ اپنے ماں باپ سے ہو نہ اپنی اولاد سے ہو نہ اپنے سامان سے ہو نہ اتنی محبت اس کو اپنے عزیز و اقرباء سے ہو جب دو محبتوں کا ٹکراؤ ہو تو ترجیح دے میری محبت کو تو کہا جائے گا کہ یہ مومن کامل ہے تو معلوم ہوا کہ اصل شے محبت ہی ہے۔ (خطبات طیب)

ایمان کی نشانیاں اور مؤمن کی صفات

ابوہریرہؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے ایمان کی بھی ایک چمک اور روشنی ہوتی ہے اور راستوں کے نشانات کی طرح اس کی بھی کچھ نمایاں علامتیں ہیں۔ (مستدرک)

تشریح:۔ عرب کی سرزمین ایک چٹیل میدان تھا اس میں کسی علامت کے بغیر راستہ پر چلنا مشکل تھا اس لئے ان کا دستور تھا کہ راستوں کی شناخت کے لئے وہ جا بجا پتھر نصب کر دیا کرتے تھے۔ اسی دستور کے مطابق حدیث نے اسلام کو ایک میدان اور مومن کو اس کے مسافر سے تشبیہ دی ہے اور یہ سمجھایا ہے کہ اس میدان میں بھی صحیح راستہ پر گامزن رہنا اسی وقت ممکن ہے جبکہ اس کے نشانات قائم ہوں اگر خدانہ کردہ یہ نشانات مٹ جائیں تو پھر صحیح راستہ کا پتہ ملنا ہی مشکل ہے اس تعبیر میں یہ تنبیہ کرنی مقصود ہے کہ جس طرح تم دنیا کے عام راستوں کے نشانات کی حفاظت کرتے ہو اسی طرح تم کو ایمان و اسلام کے ان احکام کی حفاظت کرنی بھی ضروری ہے جو علامات اور نشانات کی حیثیت رکھتے ہیں۔ ہم پہلے بیان کر چکے ہیں کہ حدیثوں میں جن اعمال کو ارکان اور جن کو شعبے کہا گیا ہے یہ صرف عبارت کا تفنن نہیں ہے اسی طرح یہاں جن اعمال کو منار اور علامت قرار دیا گیا ہے یہ بھی صرف مجاز و شاعریت نہیں بلکہ ان کی اپنی اپنی خاص خاص حقیقتوں پر مبنی ہے مثلاً جن اعمال کو ارکان قرار دیا گیا ہے ان کی حقیقت یہ ہے کہ وہ دین کے لئے ایک بنیاد کی حیثیت رکھتے ہیں ان کا قائم رہنا دین کا قائم رہنا اور ان کا گر جانا دین کے سقوط اور گر جانے کے مرادف ہے اسی طرح جن کو فروع اور شعب کہا گیا ہے ان کی حقیقت میں دین اسلام سے پھوٹ کر نکلنے کی خصوصیت نمایاں ہے پس نماز اور حیاء میں شریعت کے نزدیک فرق یہ ہے کہ حیاء ایک ایسی چیز ہے جس کا شجرۂ اسلامی سے پھوٹ کر نکلنا ضروری ہے۔

مگر نماز صرف اتنی حیثیت نہیں رکھتی۔ وہ ایک اوپر کے درجہ کا رکن ہے جس پر دین کی بنیاد قائم ہے۔ اگر وہ متزلزل ہو تو دین کی ساری عمارت متزلزل ہو جاتی ہے اسی طرح جن اعمال کو مینار اور علامت قرار دیا گیا ہے ان میں انسان کی تصدیق باطن یا انقیاد ظاہر پر علامت ہونے کی خصوصیت نمایاں ہونی چاہئے جس کی بناء پر وہ اس کے صداقت کی دلیل بن سکیں۔ اگر آپ ارکان وشعب اور علامات کی ان جدا جدا خصوصیات کو پورے طور پر سمجھ جائیں اور اجزاء دین میں صحیح صحیح ان کا ادراک بھی کر لیں تو یہ ایک بہت بڑا علم ہوگا مگر نہ ہم مختصر الفاظ میں اس کو مفصل اور پھر سمجھانے پر قادر ہیں اور نہ ان مختصر اوراق میں اس کو پھیلانے کی ہمارے پاس گنجائش ہے اس لئے ہم نے صرف اشارہ کر دیا ہے کہ ہر ذی فہم اپنی اپنی مقدار فہم کے مطابق اس غور وخوض میں حصہ لے اور حدیث کے عمیق سمندروں میں سے ان بے بہا حقیقتوں کو نکال نکال کر اپنے خزانہ دل میں جمع کرتا رہے۔

واضح رہے کہ احادیث میں ایمان کا عام استعمال قلبی تصدیق میں اور اسلام کا اعمال ظاہرہ میں کیا گیا ہے اس لحاظ سے علامات کی بھی دو قسمیں ہوگئی ہیں بعض قسمیں وہ ہیں جن کا تعلق قلب سے ہے اور انسان کے خود اپنے ہی فیصلہ کرنے کی باتیں ہیں اور بعض وہ ہیں جن کا تعلق جوارح کے ساتھ ہے ان میں دوسروں کی شہادت کا بھی دخل ہے اور بہرصورت علامت کا مرتبہ صرف اتنا ہی ہے کہ اسے دیکھ کر یہ ظن پیدا ہونے لگتا ہے کہ جس چیز کے لئے اس کو علامت مقرر کیا گیا ہے وہ بھی یہاں موجود ہے اگرچہ اس کا ہونا قطعی اور ضروری نہیں۔ ہوسکتا ہے کہ کسی مانع کی وجہ سے اس علامت کی موجودگی کے باوجود اس شے کا وجود نہ ہو۔ بادل آتے ہیں اور بارش ہوتی ہے مگر کبھی بادلوں کے باوجود بارش نہیں ہوتی اس کے بھی کچھ قریب یا بعید اسباب ہوتے ہیں۔ مگر اس کے باوجود بادلوں کے بارش کی علامت ہونے میں کوئی کلام نہیں ہوتا۔ پس زیر عنوان احادیث کا منشاء یہ نہیں کہ ان امور کے بعد ایمان و اسلام کا وجود کسی شک وشبہ کے بغیر ثابت ہو جاتا ہے بلکہ یہ صرف اس کی علامات ہیں ان احادیث کا منشاء یہ ہے کہ ایک مسلمان اور ایک مومن کیلئے یہ جائے شرم ہے کہ وہ ایمان و اسلام کا دعویٰ تو کرے مگر اس میں ایمان واسلام کی ایک علامت بھی نہ پائی جائے۔ آپ

ان علامات کو اپنے قلب وقالب میں پیدا تو کیجئے پھر تجربہ کیجئے کہ آپ کا ظاہر و باطن ایمان و اسلام کی حقیقت سے بھی رنگین ہو جاتا ہے یا نہیں۔

اللہ تعالیٰ کا ہر جگہ حاضر و ناظر ہونے کا یقین

عبداللہ بن معاویہ عامری روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جس شخص نے تین کام کر لئے اس نے ایمان کا ذائقہ چکھ لیا۔ اس تصور کے ساتھ خدا کی عبادت کی کہ اس کے سواء معبود اور کوئی نہیں۔ اور اپنے مال کی زکوٰۃ نہایت فراخ دلی اور خوشی کے ساتھ سال بہ سال ادا کی اس کے بعد انہوں نے آپ کی پوری حدیث ذکر کی اور اس کے آخر میں یہ بات بیان کی کہ میں نے پوچھا یا رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وسلم) یہ تو مال کی زکوٰۃ ادا کرنے کا طریقہ تھا فرمایئے نفس کی زکوٰۃ دینے کا طریقہ کیا ہے فرمایا یہ کہ اس بات کا یقین حاصل ہو جائے کہ انسان جس جگہ بھی ہو اللہ کی ذات پاک اس کے ساتھ ہوتی ہے۔ (بزار)

عبادہ بن صامتؓ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت کرتے ہیں کہ آپ نے فرمایا سب سے افضل ایمان یہ ہے کہ تو اس کا یقین رکھے کہ بلاشبہ اللہ تعالیٰ کی ذات پاک تیرے ساتھ ہے جہاں بھی تو ہو۔ (طبرانی)

ابو موسیٰؓ بیان کرتے ہیں کہ ہم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ ایک سفر میں تھے لوگ چیخ چیخ کر تکبیریں کہنے لگے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا لوگو اپنی جانوں پر رحم کھاؤ تم اس کو تو نہیں پکار رہے ہو جو سنتا نہ ہو یا یہاں موجود نہ ہو تم تو اس کو پکار رہے ہو جو شنوا اور بینا ہے اور جو تمہارے ساتھ ہے جس کو تم پکار رہے ہو وہ تو تم سے تمہارے اونٹ کی گردن سے بھی زیادہ نزدیک ہے۔ ابو موسیٰؓ کہتے ہیں کہ میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے پیچھے تھا اور آہستہ آہستہ یہ کلمات کہہ رہا تھا لاحول ولا قوۃ الا باللہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اے عبداللہ بن قیس (ابو موسیٰ کا نام ہے) کیا میں تم کو جنت کے خزانوں میں سے ایک خزانہ کی اطلاع نہ دوں میں نے عرض کیا یا رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وسلم) ضرور۔ آپ نے فرمایا وہ کلمہ لاحول ولا قوۃ الا باللہ ہے۔ (متفق علیہ)

تشریح:۔ علماء کو قول فی النفس اور قراءت فی النفس کے معنی سمجھنے کے لئے اس

حدیث کو بھی پیش نظر رکھنا چاہیے بعض لوگ اس کے معنی صرف قلبی تصور سمجھتے ہیں ہمارے نزدیک لغت کے لحاظ سے یہ مشکل ہے جو ترجمہ ہم نے اوپر کیا ہے۔ ہمارے نزدیک وہی مختار ہے۔ یہ حقیقت بار بار آپ کے سامنے پیش کی جا چکی ہے کہ اسلام صرف زبانی اقرار کا نام نہیں، صرف تصدیق کا نام بھی نہیں بلکہ ان سے گذر کر مرتبہ احسان تک رسائی حاصل کرنے کا نام ہے۔ مرتبہ احسان اللہ تعالیٰ کی ذات پاک کے اس استحضار کو کہتے ہیں جس میں غیبت وشہادت کا فرق باقی نہ رہے۔ اس کا تصور اس درجہ غالب آ جائے کہ ہمہ وقت یہ محسوس ہونے لگے گویا وہ تمہارے ساتھ ہے اس کا قرب اس درجہ مستولی ہو جائے کہ شتر سوار کو جو چیز سب سے زیادہ نزدیک نظر آ رہی ہو وہ اس کو اس سے بھی زیادہ نزدیک نظر آنے لگے۔ اسلام میں اللہ تعالیٰ کا پاک تصور جس طرح مادیت کی ہر ظلمت سے منزہ ومبرا ہے اسی طرح اتنا مجرد بھی نہیں ہے کہ اس کے متعلق سمع وبصر کا تصور اس کے تجرد کے منافی ہو۔ یہاں داعی اسلام نے یہ ہدایت فرمائی کہ اسلام میں اللہ تعالیٰ کے متعلق جو تصورات بتائے گئے ہیں وہ فرضی نہیں بڑی حقیقت رکھتے ہیں اگر اس پر سمیع وبصیر کا اطلاق کیا گیا ہے تو اس کی حقیقت بھی ہمیشہ تمہارے زیرِ نظر رہنی چاہیے۔ تمہاری یہ چیخ وپکار پتہ دیتی ہے کہ تم نے اپنے خدا کو شاید اصم اور غائب سمجھ رکھا ہے اس لئے تم اس ادب ومتانت کے ساتھ اس کو یاد کیا کرو کہ صرف تمہارے ذہن میں ہی اس کے سمیع وبصیر ہونے کا تصور نہ رہے بلکہ ہر دیکھنے والا بھی یہی سمجھے کہ تم ایسے خدا کو یاد کر رہے ہو جس میں یہ دونوں صفتیں بدرجہ اتم موجود ہیں۔ تمہاری لسانی حرکت کا منشاء صرف اس مضغہ لحمی کو وظائف بندگی میں مشغول کرنا اور اس کی یاد میں تر رکھنا ہے اور بس۔ جب تم اس درجہ پر پہنچ جاؤ گے تو یہ اس کی علامت ہوگی کہ اب تم میں مرتبہ احسان کے اثرات پیدا ہو گئے ہیں اور اسلام کی بلند چوٹیوں پر تمہاری رسائی ہونے والی ہے۔ مومن کامل میں جب یہ نسبت احسان راسخ ہو جاتی ہے تو پھر نوبت یہ آ جاتی ہے کہ اگر تمام جہاں بھی زیروزبر ہو جائے جب بھی اس کے اس استحضار میں کوئی فرق پیدا نہیں ہوتا اس لئے اس مومن کی شان یہ ہو جاتی ہے لَا يَحْزُنُهُمُ الْفَزَعُ الْاَكْبَرُ'' یعنی ہنگامہ قیامت بھی ان کے لئے غم کا موجب نہیں ہوگا اور اس عظیم ہنگامہ میں بھی وہ

پورے مطمئن نظر آئیں گے خاتم الانبیاء علیہ الصلوٰۃ والسلام جب غار ثور میں تشریف لائے اور دشمن سر پر کھڑا تھا اس خطرناک موقعہ پر آپ کے لئے موجب اطمینان یہی تسلی بخش تصور تھا لاتحزن ان اللہ معنا۔ یعنی اے رفیق غار تم غم نہ کھاؤ کہ اللہ ہمارے ساتھ ہے۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام بھی دریائے نیل کو اسی طاقت سے عبور کررہے تھے۔ ان معی ربی سیھدین۔

مشتبہ امور کو ترک کردینا

نعمان بن بشیر بیان کرتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ فرماتے خود سنا ہے کہ (دین میں) حلال بھی واضح ہے اور حرام بھی واضح ہے ہاں ان دونوں کے درمیان کچھ باتیں مشتبہ ہیں جن کا صحیح حکم اکثر لوگ نہیں جانتے جو شخص ان باتوں سے بچتا رہے اس نے تو اپنے دین اور آبرو کی طرف سے صفائی پیش کردی اور جو ان میں مبتلا ہوگیا وہ یقیناً حرام میں بھی مبتلا ہوکر رہے گا۔ اس کی مثال اُس چرواہے کی سی ہے جو اپنے جانوروں کو کسی (مخصوص) جنگل کے اردگرد چراتا رہے۔ قریب ہے کہ اس کے جانور اس کے اندر بھی جا پڑیں۔ خوب سن لو کہ ہر بادشاہ کا ایک نہ ایک جنگل رِزَرْو اور مخصوص ہوتا ہے اور اللہ تعالیٰ کے رِزَرْو کردہ جنگل اس کے محرمات ہیں۔ خوب سن لو کہ انسان کے جسم میں گوشت کا ایک لوتھڑا ہے کہ اگر وہ سنور گیا تو سارا جسم سنور جاتا ہے اور اگر وہ بگڑ گیا تو سارا جسم بگڑ جاتا ہے وہ گوشت کا لوتھڑا انسان کا دل ہے۔ (متفق علیہ)

تشریح:۔ حدیث کا خلاصہ یہ ہے کہ دین کا بڑا حصہ کھلا ہوا حلال یا کھلا ہوا حرام ہے۔ اس پر عمل کرنا تو کوئی بڑے کمال کی بات نہیں یہ تو ہر شخص کا فرض ہے البتہ اس کا ایک حصہ وہ ہے جس کے متعلق اکثر لوگ کھلے طور پر نہیں جانتے کہ وہ حلال ہے یا حرام۔ مخصوص اور بڑے درجہ کے علماء اگرچہ اس کا بھی حکم جانتے ہیں لیکن متوسط طبقہ کے نزدیک اس کا حکم مشتبہ ہوتا ہے یہی حصہ انسان کی کمزور فطرت کی آزمائش گاہ ہے جس شخص نے اس اشتباہ سے ناجائز فائدہ اٹھایا، اس نے دیندار طبقہ کی نظروں میں اپنی دینی عظمت ومحبت کا معاملہ مشتبہ کردیا اور ایک حد تک انہیں نکتہ چینی کرنے کا حق دیدیا لیکن جس شخص نے یہاں استقامت دکھلائی اس نے اپنی دینی شخصیت

صاف کر دی اور یہ ثابت کر دیا کہ اس کے قلب میں دین کا درحقیقت بہت بڑا احترام ہے۔
تیسری قسم وہ ہے جس کو مشتبہات کا اصل حکم معلوم ہے وہ اس جگہ زیر بحث ہی نہیں وہ ان سب میں کامل تر انسان ہے وہ علمی ذوق پیدا کر کے اشتباہ کی ظلمت سے نکل چکا ہے اس لئے اس کے حق میں کمال یہ ہے کہ جو اس کی تحقیق ہو اسی پر عمل کرے...... کیونکہ جب اس کے حق میں یہاں کوئی اشتباہ ہی نہیں تو اس کے لئے اتقاء عن الشبہات کا حکم بھی نہیں۔ چونکہ تورع اور احتیاط کی اس منزل تک رسائی آسان امر نہیں یہاں صرف ظاہری اعضاء کی سلامتی سے کام نہیں چلتا بلکہ قلب انسانی کی سلامتی کی ضرورت ہوتی ہے اس لئے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے تنبیہ فرمائی کہ اگر تم اس وادی کو عبور کرنا چاہتے ہو تو پہلے اپنے قلب کی سلامتی پیدا کرو۔ قلب کی سلامتی یہ ہے کہ اس میں ایک ذات پاک وحدہ لاشریک لہ کی محبت کے سواء کسی غیر کی محبت کی سمائی نہ رہے اور ان اعمال کے سوا جن میں اس کی رضا مندی ہو کسی اور عمل کا جذبہ نہ رہے جب اس میں یہ صفت پیدا ہو جائے گی تو ظاہری اعضاء خود بخود اوامر شرعیہ کی بجا آوری کے لئے مضطرب ہو جائیں گے اور منہیات شرعیہ تو درکنار امور مشتبہ سے بھی طبعاً متنفر ہو جائیں گے اور یہ کٹھن منزل ذوق وشوق کے ساتھ طے ہونا شروع ہو جائے گی۔ لیکن اگر قلب میں اس طرح صفت سلامتی پیدا نہیں ہوئی اور وہ بدستور خواہشات نفسانی کا گرفتار بنا رہا تو اس کا اثر انسان کے ظاہری اعضاء میں بھی نمودار ہوئے بغیر نہیں رہے گا کیونکہ انسانی اعضاء میں قلب کی مثال ایسی ہے جیسی فوج میں ایک بادشاہ کی جس طرح فوج کی صلاح وفساد کا مدار بادشاہ کے صلاح وفساد پر ہوتا ہے اسی طرح اعضاء ظاہری کی صلاح وفساد کا مدار قلب کی صلاح وفساد پر ہوتا ہے۔ پس اصل اہتمام کے قابل نکتہ اصلاح قلب ہے اسی لئے مسند امام احمد میں حضرت انسؓ مرفوعاً روایت کرتے ہیں ”لا یستقیم ایمان عبد حتی یستقیم قلبہ“ کسی بندہ کا ایمان اس وقت تک درست نہیں ہو سکتا جب تک کہ اس کا قلب درست نہ ہو جائے۔ یہاں استقامت ایمان میں اعمال کی استقامت بھی داخل ہے۔ اسی اہمیت کے پیش نظر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی امت کو یہ دعا تعلیم فرمائی ہے۔ **اللھم انی اسالک قلبا سلیما** اے اللہ میں تجھ سے ایسا قلب مانگتا ہوں جو سلیم ہو۔ آیت ذیل میں بھی اسی طرف اشارہ کیا گیا ہے **یَوْمَ لَا یَنْفَعُ مَالٌ وَّلَا بَنُوْنَ اِلَّا مَنْ اَتَی اللّٰہَ بِقَلْبٍ سَلِیْمٍ**

یہ صفت انبیاء علیہم السلام کوکسب ومجاہدہ کے بغیر ہنگامہ طفولیت ہی میں اس کمال کے ساتھ عطا کردی جاتی ہے کہ وہ شرک وکفر کی خوفناک سے خوفناک وادیوں سے بھی اس طرح پاک وصاف گذر جاتے کہ ان کے دامنِ اعتقاد میں شک وشبہات کا ایک کانٹا بھی نہیں چبھتا۔

عالم کے موحد اعظم یعنی حضرت خلیل نے جب دنیا میں قدم رکھا تو اپنے چاروں طرف بت پرستی اور کواکب پرستی کا ماحول دیکھا مگر قدرت نے ان کو ایسا سلیم قلب مرحمت فرمایا تھا کہ پہلی ہی نظر میں ان کو ستاروں کی چمک دمک اور بتوں کی رعنائی ایک منظر کاذب نظر آئی اور ان تمام معبودانِ باطل سے انہوں نے بیک آواز اپنے ان الفاظ میں بیزاری کا اعلان کردیا "اِنِّیْ وَجَّهْتُ وَجْهِیَ لِلَّذِیْ فَطَرَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ حَنِیْفًا وَّمَآ اَنَا مِنَ الْمُشْرِكِیْنَ" ان کی اسی فطری سلامتی قلب کوحسب ذیل آیت میں ذکر کیا گیا ہے۔اِذْ جَآءَ رَبَّهٗ بِقَلْبٍ سَلِیْمٍ

خلاصہ یہ ہے کہ اعمال ظاہری کی سلامتی کا راز قلب کی سلامتی میں مضمر ہے۔اگر قلب ماسواء اللہ کی گرفتاری سے نجات حاصل کر چکا ہے تو یقیناً وہ مشتبہات کی طرف قدم اٹھانے سے بھی انتہا درجہ کا رہ ہو جائیگا، جوارح انسانی ممنوعات شرعیہ کے ارتکاب میں بے حس وحرکت بن جائیں گے ورنہ مشتبہات کیا صریح ممنوعات کے ارتکاب سے بھی کوئی امر مانع نہ ہوگا۔اس ذیل میں چند اور امور بھی قابل تنبیہ ہیں۔

(۱) تحقیق بالا کی روشنی میں مشتبہات کے بارے میں دو قسم کے انسان ہو جاتے ہیں۔ایک ان کا حکم جاننے والے دوسرے نہ جاننے والے۔حکم نہ جاننے والوں کی دو صورتیں ہیں یا تو ان کو دو طرفہ کوئی حکم معلوم نہیں یا اگر کسی جانب کوئی حکم معلوم ہے تو وہ خلاف واقع ہے ظاہر ہے کہ اس تقدیر پر وہ بھی نہ جاننے والوں ہی کے برابر ہیں۔

(۲) قرآن وحدیث نے اگرچہ دین کی تمام حلال یا حرام اشیاء کوصاف صاف بیان کردیا ہے لیکن پھر بھی بیان وتوضیح کے لحاظ سے ان میں مراتب کا تفاوت ضروری ہے مثلاً بعض حلال وحرام تو ایسے ہیں جو خواص وعوام تک بذریعہ تواتر پہنچ چکے ہیں ان میں نہ کوئی اشتباہ ہوسکتا ہے نہ کچھ اختلاف اور کچھ ایسے بھی ہیں جو اس شہرت کے ساتھ پہنچ نہیں سکے

اس حصہ میں علماء کے اختلاف یا دلائل کے تعارض سے کہیں کہیں شبہ پیدا ہوسکتا ہے مثلاً گھوڑے کا گوشت کھانا یا وہ نبیذ پینا جس کا زیادہ حصہ نشہ آور ہو جائے یہاں قطعیت کے ساتھ کسی جانب بھی حکم نہیں لگایا جاسکتا یہ تو اس صورت کی مثال تھی جہاں صحیح علم نہ ہونے کی وجہ سے اشتباہ پیدا ہوگیا ہے۔ کبھی ایسا ہوتا ہے کہ علم حاصل ہونے کے باوجود پھر اشتباہ ہو جاتا ہے مثلاً جہاں اباحت اور ظاہر کی شہادت میں تعارض واقع ہو جائے مثلاً غیر محتاط کافر کے برتن اگر یہ دیکھا جائے کہ اصل اشیاء میں طہارت ہے تو اس کے برتن پاک ہونے چاہئیں اور ان کے استعمال کرنے میں کوئی مضائقہ نہ ہونا چاہئے اور اگر اس کے غیر محتاط ہونے کی طرف نظر کی جائے تو ظاہر یہ ہے کہ وہ ناپاک ہونے چاہئیں اور پاک کئے بغیر ان کو استعمال نہ کرنا چاہئے اس قسم کے مقامات پر حدیث مذکور یہی واحد حل پیش کرتی ہے کہ یہ سب محل شبہات ہیں ان سے اجتناب کرنا ہی دینی پختگی کی علامت ہے۔

(۳) ہر چند کہ میدانِ شبہات کے ترک کرنے کا حکم اسی کے حق میں ہے جس کے حق میں اشتباہ موجود ہو لیکن وہ شخص جس کے حق میں کوئی اشتباہ نہ ہو اگر اپنی دینی آبرو کے تحفظ کی خاطر محل شبہ ترک کردے تو یہ بھی ایک خوبی کی صفت ہے اور مطلوب ہے۔

ایک مرتبہ آپ اعتکاف میں تھے آپ کی زوجہ مطہرہ حضرت صفیہؓ آپ کی زیارت کے لئے تشریف لائیں واپسی میں ان کے رخصت کرنے کے لئے آپ بھی چند قدم ان کے ہمراہ تشریف لائے۔ اتفاقاً بعض صحابہ ادھر سے گذرے تو آپ نے ان کو ٹھہرالیا اور فرمایا یہ میری زوجہ صفیہؓ ہیں۔ انہوں نے عرض کیا یا رسول اللہ بھلا آپ کے متعلق بھی کوئی بدگمانی ہوسکتی ہے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا درست ہے مگر شیطان انسان کی رگ و پے میں اس طرح دوڑتا پھرتا ہے جس طرح خون رگوں میں۔ میں نے اس کی وسوسہ اندازی کے خطرہ سے یہ صفائی پیش کی ہے۔

ظاہر ہے کہ اس واقعہ میں اشتباہ کا کوئی محل ہی نہ تھا لیکن جو بات کسی غلط فہمی کے بناء پر بھی شبہ کا موجب بن سکتی تھی اس کو بھی آپ نے صاف کردیا۔ نبی کا یہ بھی ایک بڑا کمال

ہوتا ہے کہ عصمت کے بلند سے بلند مقام پر کھڑے ہونے کے باوجود وہ اپنے نفس کو شرعی احکام میں عوام کی صف میں برابر رکھتا ہے۔

شریعت میں مقامات تہمت سے بچنا تو ایک عام بات ہے لیکن نبی کا معاملہ اس بارے میں اور زیادہ نازک ہوتا ہے اگر اس کی طرف سے کسی کے قلب میں کوئی وسوسہ گذر جائے تو اُس شخص کے ایمان ہی کی خیر نہیں رہتی اس لئے نبی کی یہ بہت کوشش رہتی ہے کہ اس کی طرف سے کسی کے قلب میں کوئی وسوسہ نہ گذرنے پائے۔

مسند احمد کی ایک روایت میں ہے کہ حضرت انسؓ جمعہ کی نماز کے لئے تشریف لے گئے دیکھا تو لوگ نماز سے فارغ ہو ہو کر اپنے اپنے گھروں کو رخصت ہو چکے تھے اس لئے انہوں نے ایک گوشہ میں نظریں بچا کر چپکے سے اپنی نماز ادا فرمائی اور کہا جو شخص خدا تعالیٰ سے شرم نہیں کرتا وہ اس کی مخلوق سے بھی شرم نہیں کرتا۔ (جامع العلوم ص ۱۵) اس واقعہ سے یہ سبق ملتا ہے کہ فرائض و واجبات میں کسی اتفاقی کوتاہی کو منظرِ عام پر لانا کمال کی بات نہیں شرم کی بات ہے۔

بہر حال ان دونوں واقعات میں اگرچہ دراصل شبہ کا کوئی محل نہ تھا اس کے باوجود صرف عوام کی غلط فہمی اور اس پر ان کے طعن و تشنیع کے خطرہ سے بچنے کی خاطر احتیاط کی گئی۔ معلوم ہوا کہ کسی غلط فہمی کے ازالہ کی رعایت سے مشتبہات کو ترک کر دینا بھی مستحسن امر ہے۔

نیکی پر اطمینان اور گناہ پر خلش ہونا

نواس بن سمعان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت کرتے ہیں کہ نیکی صرف اچھے اخلاق کا نام ہے اور گناہ کی علامت یہ ہے کہ وہ بات تمہارے دل میں کھٹکتی رہے اور تمہیں یہ پسند نہ ہو کہ لوگوں کو اس کی خبر ہو۔ (مسلم)

وابصہ بن معبد بیان کرتے ہیں کہ میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوا آپ نے فرمایا کیا گناہ اور نیکی کی تعریف پوچھنے آئے ہو؟ میں نے عرض کیا جی ہاں۔ فرمایا تو اپنے دل سے فتویٰ لے لیا کرو جس بات پر دل ٹک جائے وہ تو نیکی کی بات سمجھو اور جس میں کھٹک اور تردد باقی رہے وہ گناہ کی بات سمجھو اگرچہ لوگ تجھے کتنے ہی فتوے دیتے رہیں۔ (مسند احمد و دارمی)

تشریح:۔ اللہ تعالیٰ نے تمام انسانوں کو فطرت اسلام پر پیدا کیا ہے ان میں حق و

ناحق کا احساس اور اس کا امتیاز اسی طرح ودیعت فرمایا ہے جس طرح حواس خمسہ میں اشیاء ظاہری کا احساس جب تک انسان اپنی اصل فطرت پر قائم رہتا ہے اس کا حاسہء فطری بھی ظاہری حواس کی طرح صحیح صحیح کام کیا کرتا ہے جس طرح کان ایک اچھے نغمے کی طرف بلا ارادہ لگ جاتے ہیں اور بُرے نغمے سے غیر اختیاری طور پر ہٹ جاتے ہیں۔ اسی طرح انسان کا حاسہء فطرت بھی اوامر الٰہیہ سے طبعاً مانوس اور منہیات شرعیہ سے فطرۃً متنفر ہو جاتا ہے اسی بناء پر اوامر شرعیہ کو معروف اور منہیات کو منکرات سے تعبیر کیا جاتا ہے حسب ذیل آیات میں انسان کی اسی سلامتی فطرت کی طرف اشارہ کیا گیا ہے۔

(۱) اِنَّمَا الْمُؤْمِنُوْنَ الَّذِیْنَ اِذَا ذُکِرَ اللّٰهُ وَجِلَتْ قُلُوْبُهُمْ وَاِذَا تُلِیَتْ عَلَیْهِمْ اٰیٰتُهٗ زَادَتْهُمْ اِیْمَانًا

سچے مسلمان تو بس وہی ہیں کہ جب خدا تعالیٰ کا نام لیا جاتا ہے تو ان کے دل دہل جاتے ہیں اور جب آیاتِ الٰہی ان کو پڑھ کر سنائی جاتی ہیں تو وہ ان کے ایمان کو اور بھی زیادہ کر دیتی ہیں۔

(۲) اَلَا بِذِکْرِ اللّٰهِ تَطْمَئِنُّ الْقُلُوْبُ سن لو کہ خدا کی یاد سے دلوں کو تسلی ہو جاتی ہے۔

مذکورہ بالا حدیث بھی قلب کی اسی فطری سلامتی پر مبنی ہے۔

لیکن جب فطرت انسانی کچھ خارجی اسباب کی بناء پر آفت زدہ ہو جاتی ہے تو اس میں وہ احساس بھی باقی نہیں رہتا اور جس طرح بیمار حواس صحیح صحیح کام نہیں کرتے اس کی فطرت بھی پورے طور پر کام نہیں کرتی اور شدہ شدہ ایسے اسٹیج پر پہنچ جاتی ہے جہاں اسے حق و ناحق کا کوئی امتیاز ہی باقی نہیں رہتا یہ انسان اس نابینا کی طرح ہو جاتا ہے جو سرخ وسفید کا صرف نام تو سنتا ہے مگر ان میں طبعی طور پر ادراک نہیں کرتا اسی طرح وہ انسان جس کی فطرت آفت رسیدہ ہو جاتی ہے، حق و باطل کا فرق صرف دلائل کی قوت سے ہی سنتا یا سمجھتا ہے مگر بدیہی طور پر اس کا ادراک نہیں کر سکتا۔ اس کو اسلام سے رغبت اور کفر سے نفرت طبعی نہیں ہوتی صرف استدلالی ہوتی ہے۔ یہ انسان صحیح فطرت سے ہٹا ہوا انسان ہے۔ یہ تندرست نہیں بیمار ہے اس لئے اس کے احساس کا بھی کوئی اعتبار نہ ہوگا۔ حضرت شیخ مجدد صاحبؒ نے اپنے مکتوب نمبر ۴۶ جلد اول میں اس کی خوب تحقیق فرمائی ہے۔

حافظ ابن رجب حنبلی فرماتے ہیں کہ حدیث کا دوسرا جملہ ''وکرهت ان یطلع علیه الناس'' اور تجھے یہ ناپسند ہو کہ لوگوں کو اس کی خبر ہو، کسی امر کے گناہ ہونیکی سب سے کھلی ہوئی علامت ہے کیونکہ اس کا مطلب یہ ہے کہ وہ بات ایسی ہے کہ اس کی برائی تمام لوگوں پر اتنی عیاں ہے کہ اگر ان کو اطلاع ہو جائے تو وہ اس پر بے توقف اعتراض کریں۔ پس کسی مشتبہ امر کے گناہ ہونے کی اس سے بڑھ کر اور کیا دلیل ہوگی کہ وہ عوام و خواص سب کے نزدیک موجب اعتراض ہو، اب اگر کسی حیلہ سے تم اسے جائز بنانا چاہتے ہو تو یہ تمہارے نفس کی خیانت ہوگی۔ اسی لئے حضرت ابن مسعودؓ نے فرمایا ہے کہ جن باتوں کے متعلق کوئی حدیث نہ ملے ان کے متعلق قاعدہ یہ ہے کہ اگر اللہ تعالیٰ کے نیک بندے اس کو بہ نگاہِ استحسان دیکھیں تو اسے اچھی بات سمجھو اور اگر بہ نظر کراہت دیکھیں تو بری سمجھو۔ اس تحقیق سے حضرت ابن مسعودؓ کی حدیث کا مصداق بھی معلوم ہو گیا پھر حافظ مذکور فرماتے ہیں کہ کسی امر کے گناہ ہونے کی دوم نمبر کی علامت یہ ہے کہ مفتی اگرچہ اس کے متعلق یہ فتویٰ دے سکتا ہو کہ وہ گناہ نہیں مگر دل پھر بھی اس پر مطمئن نہ ہو اور برابر اس میں گناہ ہونے کی خلش محسوس کرتا رہے اس کا مطلب یہ ہے کہ وہ اتنا کھلا ہوا گناہ نہیں ہے کہ عام طور پر اس کو گناہ کی بات سمجھا جائے۔ (جامع العلوم ص ۱۸۴)

خلاصہ یہ ہے کہ نیک انسان کو نیکی کے ساتھ ایک فطری تناسب ہوتا ہے ٹھیک اسی طرح جس طرح کہ لوہے کو مقناطیس سے۔ اس کا مطلب یہ ہے کہ اگر کسی امر کا نیکی ہونا شرعاً معلوم ہو جائے تو ایک انسان کے فطرت کی سلامتی کی علامت یہ ہے کہ اس کی طرف وہ اپنی قلبی کشش محسوس کرے اسی طرح اگر کسی شخص کا شرعاً نیک ہونا ثابت ہو جائے تو کسی مشتبہ امر کے نیک و بد ہونے کی علامت اس کی فطرت ہے اگر اس کی جانب اس کے دل میں کشش موجود ہے تو سمجھنا چاہئے کہ وہ نیکی کا عمل ہے ورنہ نہیں۔ قرآن و حدیث کے تصریح کردہ احکام میں بھی اسی معیار کو بدرجہ اولیٰ سمجھنا چاہئے۔ وَاِنَّهَا لَكَبِيْرَةٌ اِلَّا عَلَى الْخٰشِعِيْنَ.

مذکورہ بالا بیان سے یہ ظاہر ہے کہ مفتی کے فتوے کے مقابلہ میں قلبی فتوے کی ترجیح کے لئے دو شرطیں ہیں۔ (۱) مستفتی کا قلب نور ایمان سے منور ہو۔ (۲) مفتی کا فتویٰ محض اس کے

ظن یا خواہش نفسانی پر مبنی ہو۔ پس اگر مستفتی کا قلب سلیم ہے تو بلاشبہ اس کا فتویٰ ان مفتیوں کے فتووں سے ہزاروں درجہ وزنی ہوگا جو صرف اپنی رائے سے فتوے دیتے ہیں وہ خود بھی بیمار ہیں اور ان کے فتوے بھی بیمار لیکن اگر مفتی کے پاس دلیلِ شرعی موجود ہے تو پھر ہر مسلمان کا فرض ہے کہ اگر اس کا دل بخوشی اس پر راضی نہیں ہوتا تو بہ جبر اسی پر اس کو راضی کرے بعض مسائل میں صرف جذبہ اتباع کی بناء پر بعض صحابہ کرامؓ نے آپ کی تعمیل ارشاد میں تامل کیا تھا تو آپ کو سخت ناگوار گذرا اس وقت ان کو اپنی غلطی کا احساس ہوا اور وہ سمجھ گئے کہ آپ کا حکم محض شفقت یا سہولت کی رعایت کی وجہ سے نہ تھا بلکہ درحقیقت آپ ان سے وہ عمل کرانا ہی چاہتے تھے پس جب دلیل شرعی سامنے آ جائے تو انشراح صدر اور قلبی فتوے سب غیر معتبر ہو جاتے ہیں۔ اس مفتی کا فتویٰ اور فطری نور اسی جگہ کار آمد ہوتا ہے جہاں حدیث و قرآن کا نور موجود نظر نہ آئے۔ جہاں یہ نور موجود ہو وہاں کسی اور نور کی ضرورت نہیں ہے۔

پانی جب نظر آ جائے تو تیمّم باطل ہو جاتا ہے۔

حضرت شیخ مجدد الف ثانی سرہندی شیخ اکبر کی تصنیف فتوحات مکیہ کی طرف اشارہ کرتے ہوئے فرماتے ہیں۔ ''فتوحات مدینہ مارا از فتوحات مکیہ بے نیاز کردہ۔'' (فتوحات مدینہ مکیہ سے بے نیاز کر دیتی ہیں) سبحان اللہ اصل ایمان اور قلب کی صحیح شہادت صرف یہی ہے۔

مشکوک بات کو چھوڑنا

حضرت حسنؓ روایت فرماتے ہیں کہ مجھے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے سنی ہوئی یہ بات خوب یاد ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جو بات تمہیں شک میں ڈالے اسے چھوڑ کر وہ بات اختیار کر لو جس میں تمہیں کوئی کھٹکا نہ ہو۔ (ترمذی و نسائی)

احتیاط کا مقام

عبداللہ بن یزید رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ

علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کوئی بندہ متقین کے بلند مقام کو نہیں پہنچ سکتا جب تک کہ وہ ناجائز میں مبتلا ہونے کے خطرہ سے، بہت سی جائز باتوں کو بھی چھوڑ نہ دے۔ (ترمذی)

تشریح:۔ابوالدرداءؓ فرماتے ہیں کہ پورا تقویٰ یہ ہے کہ بندہ بعض حلال چیزوں کو بھی ترک کر دے اس خوف سے کہ کہیں وہ حرام نہ ہو تا کہ حرام اور حلال کے درمیان ایک پردہ باقی رہ جائے۔

ابن عمرؓ فرماتے ہیں میں پسند کرتا ہوں کہ اپنے اور حرام کے درمیان ایک حجاب قائم رکھوں اور اسے چاک نہ کروں۔

میمون بن مہران فرماتے ہیں کہ آدمی صرف حلال پر اس وقت تک رک نہیں سکتا جب تک کہ حلال کے ایک حصہ کو اپنے اور حرام کے درمیان حائل نہ بنائے رہے۔ سفیان بن عیینہ کا مقولہ بھی اسی کے قریب ہے۔

حافظ ابن رجب حنبلیؒ نے یہاں ایک نہایت اہم دقیقہ کی طرف توجہ دلائی ہے، ہم ان کی اصل عبارت کا ترجمہ ذیل میں درج کرتے ہیں۔

یہاں ایک بات سمجھ لینی ضروری ہے اور وہ یہ کہ شبہات کے بارے میں زیادہ باریکیاں نکالنی اسی شخص کے لئے مناسب ہے جس کے اور حالات بھی بلند ہوں اس کے ورع وتقویٰ کا معیار بھی اونچا ہو لیکن جو شخص کھلم کھلا محرمات کا ارتکاب کرے اس کے بعد باریکیاں نکال نکال کر متقی بننے کا شوق رکھے تو اس کیلئے یہ صرف ناموزوں ہی نہیں بلکہ قابل مذمت ہوگا۔ ایک مرتبہ حضرت ابن عمرؓ سے ایک عراقی شخص نے پوچھا کہ اگر حالت احرام میں مچھر مار دے تو اس کی کیا جزاء دینی چاہئے۔ آپ نے فرمایا حضرت حسینؓ کو تو شہید کر ڈالا اب مجھ سے مچھر کے خون کا فتویٰ پوچھنے چلے ہیں۔ میں نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے اپنے کانوں سے سنا ہے کہ دنیا میں وہ میرے دو پھول ہیں۔ اسی طرح بشر بن الحارث سے مسئلہ پوچھا گیا کہ ایک شخص کی والدہ یہ کہتی ہے کہ تو اپنی بی بی کو طلاق دیدے اب اسے کیا کرنا چاہئے فرمایا اگر وہ شخص اپنی والدہ کے تمام حقوق اداء کر چکا ہے اور اس کی فرمانبرداری میں اس معاملہ کے سوا اور کوئی بات باقی نہیں رہی تو اسے طلاق دیدینی چاہئے اور اگر ابھی کچھ اور مراحل بھی باقی ہیں تو طلاق نہ دینی چاہئے۔ (جامع العلوم)

نیکی سے خوش اور بدی سے غمگین ہونا

ابوامامہؓ سے روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے دریافت کیا گیا ایمان کی کیا علامت ہے آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جس شخص کو اپنی نیکی بھلی لگے اور برائی بُری معلوم ہو بس یہ اس کی علامت ہے کہ وہ مؤمن ہے۔ (مستدرک)

تشریح:۔ یہ حدیث بھی انسان کے حاسہء فطرت کی سلامتی پر مبنی ہے جس طرح صحت کی ایک نشانی یہ بھی ہے کہ زبان کا ذائقہ درست ہو میٹھی چیز میٹھی معلوم ہو اور کڑوی چیز کڑوی۔ اسی طرح حاسہء فطرت کے صحت کی علامت یہ ہے کہ قلب کا ذائقہ درست ہو اور اس میں حسنہ اور سیئہ کا صحیح صحیح امتیاز باقی ہو۔ اگر یہ امتیاز باقی نہ رہے تو سمجھ لینا چاہئے کہ اب کسی مرض نے اس کو گھیر لیا ہے۔ اَفَمَنْ زُيِّنَ لَهٗ سُوْٓءُ عَمَلِهٖ فَرَاٰهُ حَسَنًا کیا وہ شخص جس کے برے عمل اس کے سامنے بھلے بنا دیئے گئے ہوں اور اس لئے وہ ان کو بھلا دیکھنے لگا ہو (اس کے برابر ہوسکتا ہے جس کا حاسہء فطرت تندرست ہو اور وہ برائی اور بھلائی کی حقیقت کا صحیح صحیح ادراک کرتا ہو) اس آیت میں یہ بھی بتا دیا گیا ہے کہ جس کا حاسہء فطرت مریض ہو جاتا ہے خود اس کو اپنے ذائقہ کی غلطی کا احساس نہیں ہوتا وہ غلبہ مرض کی وجہ سے یہی سمجھتا رہتا ہے کہ جو احساس وہ کر رہا ہے درحقیقت وہی امر واقعہ ہے حالانکہ یہ تزیین شیطان کا اثر ہوتا ہے۔ پس اب مابہ الفرق صرف یہ ہے کہ سب سے پیشتر یہ دیکھنا چاہئے کہ سیئہ اور حسنہ کے بیان کی جو اصل قرابادین ہے یعنی شریعت اس نے کس امر کے متعلق کیا حکم لگایا ہے اس کے بعد اگر اپنا ذوق بھی اس کی موافقت کرتا ہے تو یہ اس کے صحت کی علامت سمجھنی چاہئے اور اگر اس کے خلاف ہے تو وہ یہ مرض کی علامت سمجھنی چاہئے ورنہ تو ہر فاسق کو اپنا فسق اچھا ہی لگتا ہے۔

یاد رہے کہ یہ احادیث صرف ایک تمثیل نہیں بلکہ جس طرح عوام الناس کا قلب عداوت و محبت اور فرحت وغم کی کیفیات حقیقۃً محسوس کرتا ہے اسی طرح ایک مومن کا قلب نیکی سے مسرت اور برائی سے انقباض کی کیفیات حقیقۃً محسوس کرتا ہے بلکہ اس سے کہیں زیادہ کیونکہ عالم مادیت میں اگر احساس ہے تو بواسطہ اسکی روحانیۃ کے ہے پس

جب بالواسطہ کیفیات کا احساس یہ ہو تو جو کیفیات بلا واسطہ اس کی روحانیت پر وارد ہوں ان کا احساس کس درجہ قوی ہونا چاہئے۔

ابن مسعودؓ فرماتے ہیں کہ ایک شخص نے پوچھا میں کیسے سمجھوں کہ میں نے یہ کام اچھا کیا ہے اور یہ بُرا۔ انہوں نے جواب دیا کہ جب تو اپنے ہمسایوں کی زبان سے یہ سنے کہ تو نے اچھا کام کیا ہے تو (سمجھ لینا کہ) یقیناً تو نے وہ کام اچھا ہی کیا ہے اور جب یہ سنے کہ وہ کہتے ہیں کہ تو نے بُرا کام کیا ہے تو (جان لینا کہ) یقیناً تو نے وہ کام بُرا ہی کیا ہے۔ (احمد۔ ابن ماجہ۔ طبرانی)

تشریح:۔ اس حدیث میں صرف حسن جوار (باندی) کی تعلیم دینا مقصود ہے انسانی معاشرت کا یہ ایک بہت اہم باب ہے۔ حق جوار کی ترغیب دینے کے لئے یہ صرف ایک پیرایہ بیان ہے جو اس زمانہ کے حالات کے لحاظ سے عین واقع کے مطابق تھا۔ تغیر حالات اور انحطاط دین کے دور میں اگرچہ احسان اور کا مدار صرف ہمسایہ کی شہادت پر قائم نہیں کیا جا سکتا۔ مگر حسنِ جوار کی تعلیم جو اس حدیث کی اصل روح ہے وہ اب بھی اپنی جگہ بدستور موجود ہے۔ حدیثوں کا طرزِ خطاب اپنے ماحول کے لحاظ سے ہوتا ہے اور اس کی اصل تعلیم عام ہوتی ہے۔ لوگ اس طرز خطاب کو بھی اپنے دور فساد میں سمجھنے کی کوشش کرتے ہیں اور جب نہیں سمجھ سکتے تو پھر مفت کی تاویل کرتے ہیں اور بالآخر حدیث کی اصل روح سے بھی دستبردار ہو بیٹھتے ہیں۔

ابن عمرؓ سے روایت ہے کہ حضرت عمرؓ نے مقامِ جابیہ میں ایک تقریر کے دوران میں فرمایا کہ جس طرح اس وقت میں تمہارے سامنے تقریر کے لئے کھڑا ہوا ہوں، اسی طرح رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم بھی ہمارے سامنے تقریر کرنے کے لئے کھڑے ہوئے اور آپ نے فرمایا میرے صحابہ کے ساتھ ہمیشہ اچھا سلوک کرنا اور ان لوگوں کے ساتھ جو ان کے متصل آئیں گے یعنی طبقہ تابعین پھر جو لوگ ان کے متصل آئیں گے یعنی طبقہ تبع تابعین اس کے بعد ایسا زمانہ آئے گا کہ کھلم کھلا جھوٹ رائج ہو جائیگا اور نوبت یہاں تک آ جائے گی کہ طلب کرنے سے پہلے آدمی شہادت دینے کے لئے تیار ہوگا اور قسم کی درخواست سے پہلے قسم کھانے کے لئے آمادہ ہو گا۔ پس تم میں جو شخص بھی جنت کا درمیانی اور بہتر سے بہتر طبقہ حاصل کرنا چاہے اُسے امیر کی جماعت کے ساتھ لگا رہنا چاہئے کیونکہ شیطان ہمیشہ اکیلے ہی شخص کا ساتھی ہوتا ہے اور جہاں

دو ہوئے وہ ان سے دور ہوا۔ تم میں کسی شخص کو کسی غیر محرم عورت کے ساتھ تنہا نہ ملنا چاہئے کیونکہ شیطان (آ کر) ان میں تیسرا بن جاتا ہے (اور دلوں میں برائی کے وسوسے ڈالتا ہے) اور جس شخص کو اپنی بھلائی بھلی لگے اور برائی بُری لگے وہ شخص بلاشبہ پکا مومن ہے۔ (مشکل الآثار)

ابورزین عقیلی کہتے ہیں کہ میں نے پوچھا یا رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وسلم) میں یہ کیسے سمجھوں کہ اب میں مؤمن ہو گیا، آپ نے فرمایا میری امت میں کوئی بندہ ایسا نہیں ہے کہ جب وہ کوئی نیک کام کرے اور یہ محسوس کرے کہ یہ کام نیک ہے اور یہ یقین رکھے کہ اللہ تعالیٰ ضرور اس کا بدلہ دے گا اور جب برائی کرے تو یہ محسوس کرے کہ یہ کام برا ہے اور اللہ تعالیٰ سے معافی مانگے اور اس کا یقین رکھے کہ گناہوں کی معاف کرنے والی صرف اسی کی ایک ذات ہے تو وہ شخص ضرور پکا مومن ہے۔ (احمد۔ طبرانی)

تشریح:۔ اس حدیث میں احساس حسنہ اور احساس سیءہ کے ساتھ ایمان وایقان کے چند گوشے اور بھی مذکور ہیں جن حدیثوں میں ان کا ذکر نہیں ہے ان میں بھی آپ ان کو ملحوظ رکھئے تو آپ کو یہ سمجھنا آسان ہو جائے گا کہ ان صفات کے بعد ایمان کا حکم لگا دینا کتنا مناسب ہے۔

حضرت عائشہؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم یہ دعا فرمایا کرتے تھے اے اللہ مجھے ان لوگوں میں شمار کر لے جو نیک کام کریں تو خوش ہوں اور جب برا کام کریں تو استغفار کریں۔ (ابن ماجہ۔ دعوات کبیر)

تشریح:۔ دراصل انبیاء علیہم السلام کی دعائیں ان کی صفت عبدیت کا تقاضہ ہوتی ہے اور ان کی امت کے لئے ان میں بڑا سبق ہوتا ہے ان کا یہ مطلب نہیں ہوتا کہ یہ صفت ان میں موجود نہیں ہوتی اور دعائیں کر کے وہ اس صفت کو حاصل کرنا چاہتے ہیں البتہ وہ اس کی دلیل ہوتی ہے کہ بارگاہ ایزدی میں وہ صفت اتنی محبوب ہے کہ انبیاء علیہم السلام بھی اس کے لئے دست بدعا دیتے ہیں یہاں حسنہ سے استبشار اور سیءہ سے استغفار بھی اسی قسم کی ایک صفت ہے۔

نمازوں کیلئے مسجد کی پابندی

ابوسعید رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت کرتے ہیں کہ جب تم کسی شخص کو

دیکھو کہ وہ ہمہ وقت نماز کے لئے مسجد کا خیال رکھنے لگا ہے تو اس کے متعلق اب ایمان کی گواہی دے سکتے ہو (باوجودیکہ ایمان ایک قلبی چیز ہے) کیونکہ اللہ تعالیٰ کا یہ ارشاد ہے کہ حقیقت میں خدا کی مسجدوں کو وہی لوگ آباد کر سکتے ہیں جو اللہ تعالیٰ اور قیامت پر ایمان رکھتے ہیں نماز پڑھتے اور زکوٰۃ ادا کرتے ہیں۔ (ترمذی شریف)

تشریح:۔ جو آیت آپ نے تلاوت فرمائی اس کا پہلا حصہ یہ ہے "مَا کَانَ لِلْمُشْرِکِیْنَ اَنْ یَّعْمُرُوْا مَسٰجِدَاللّٰہِ الخ مشرکوں کا کوئی حق نہیں ہے کہ وہ اپنے جیسے کافروں سے اللہ تعالیٰ کی مسجدیں آباد رکھیں الخ یہ حق صرف ان لوگوں کا ہے جو اللہ تعالیٰ پر اور قیامت کے دن پر ایمان لانے والے ہیں۔ واضح رہے کہ ایمان کو نماز کے ساتھ بڑا علاقہ ہے اور نماز کو مسجد کے ساتھ بڑی خصوصیت ہے اس لئے مسجد سے تعلق نماز سے تعلق کی علامت ہے اور نماز سے تعلق ایمان سے تعلق کی نشانی ہے۔ جیسا حج کہ اس کا تعلق بیت اللہ سے ہے اور بیت اللہ کی نسبت اللہ تعالیٰ کی ذات پاک کی طرف ہے پس جو شخص قدرت واستطاعت کے باوجود حج نہیں کرتا یہ اس کی بیت اللہ کے ساتھ بے تعلقی کی کھلی نشانی ہے اور جو شخص بیت اللہ سے اپنی بے تعلقی کے اظہار میں نہیں شرماتا یہ اللہ تعالیٰ کی ذات پاک کے ساتھ اس کی بے تعلقی کی علامت ہے اسی ربط کی وجہ سے قرآن کریم میں نماز کو ایمان اور حج نہ کرنے کو کفر سے تعبیر کیا گیا ہے۔ وَمَا کَانَ اللّٰہُ لِیُضِیْعَ اِیْمَانَکُمْ اللہ تعالیٰ ایسا نہیں کہ تمہارے ایمان ضائع کردے۔ یعنی وہ نمازیں جو پہلے تم نے بیت المقدس کی طرف پڑھیں۔ وَلِلّٰہِ عَلَی النَّاسِ حِجُّ الْبَیْتِ مَنِ اسْتَطَاعَ اِلَیْہِ سَبِیْلًا وَمَنْ کَفَرَ فَاِنَّ اللّٰہَ غَنِیٌّ عَنِ الْعٰلَمِیْنَ لوگوں کے ذمہ خدائے تعالیٰ کے بیت کا حج کرنا فرض ہے۔ اب اگر کوئی کفر کرے (یعنی حج نہ کرے) تو یاد رکھئے کہ اللہ تعالیٰ کی ذات تمام جہاں سے بے نیاز ہے۔

سلمانؓ کہتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے یہ خود سنا ہے آپ فرماتے تھے جو شخص صبح صبح فجر کی نماز کو گیا وہ (گویا) ایمان کا جھنڈا لے کر گیا اور جو (نماز کی بجائے) بازار گیا، وہ (گویا) ابلیس کا جھنڈا لیکر گیا۔ (ابن ماجہ)

تشریح:۔ عرب میں جھنڈا حکومت کا آدمی ہونے کی خالص علامت سمجھی جاتی تھی

اب جس شخص نے صبح ہوتے ہی خدا کی فرض نماز ادا کر لی تو اس کے ہاتھ میں ایمان کی سب سے بڑی علامت آ گئی اور اس نے اس کا بین ثبوت پیش کر دیا کہ وہ ایمان کی حکومت میں رہنے والا شخص ہے اس کے برخلاف جس نے نماز نہ اداء کی اس نے اس کا ثبوت دیدیا کہ وہ شیطان کے لشکر کا آدمی ہے ہر صبح جب آفتاب نکلتا ہے تو خدا کی مخلوق میں یہ عبرتناک تفریق دیکھتا ہوا نکلتا ہے ؎

نقاب چہرہ سے خورشید جب اٹھاتا ہے   کوئی حرم کو کوئی بتکدہ کو جاتا ہے

جو دل سے پوچھتا ہوں تو کدھر کو جاتا ہے   تو بھر کے آنکھوں میں آنسو یہ کہہ سناتا ہے

علی الصباح جو مردم بکار و بار روند   بلا کشان محبت بہ کوئے یار روند

طہارت کی نگہداشت

ثوبان روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا صحیح راستہ پر جمے رہو مگر اس کا حق ادا نہیں کر سکتے۔ اور خوب سمجھ لو کہ تمہارے دین میں سب سے افضل عمل نماز ہے اور وضو کی نگرانی بجز مومن کامل کے اور کوئی شخص نہیں کر سکتا۔ (مالک۔ احمد)

تشریح:۔ نماز مسلمان کے اسلام کی سب سے بڑی علامت ہے اور منافق کے نفاق کی سب سے سچی پہچان اسی لئے نفاق کا سب سے کھلا ہوا معیار نماز ہی کو قرار دیا گیا ہے۔ اسی مناسبت سے یہاں مومن کی ایک علامت اس کا وضو بھی قرار دی گئی ہے۔ ظاہر ہے کہ جتنا جو شخص نماز میں پختہ ہوگا اتنا ہی وہ وضو کی نگہداشت میں چست ہوگا۔ استقامت کا حکم تمام شریعت پر حاوی ہے ان میں جب نماز سب سے بہتر عمل ٹھہرا تو اس کے ارکان و آداب کی رعایت میں استقامت بھی سب سے اہم ہوگی۔ اور نماز کی استقامت میں جتنی وضو کی محافظت معین ہو سکتی ہے ظاہر ہے اس لئے یہ کام تو کسی کامل ہی مومن کا ہو سکتا ہے یاد رہے کہ وضو کی نگہداشت کا حکم صرف نماز کے وقت پر منحصر نہیں بلکہ عام حالات میں بھی باوضو رہنا مطلوب اور ایمان کی علامت ہے۔ رہا خاص نماز کے وقت کا وضوء وہ تو نماز کی شرط ہی ہے آپ کسی غلط فہمی کی بناء پر اس عام حکم کو کہیں صرف نمازوں کے اوقات میں منحصر نہ سمجھ لیں۔

دین کی حفاظت کی خاطر فتنوں سے بچتے پھرنا

ابوسعید روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا وہ زمانہ قریب ہے جبکہ مسلمان کے لئے سب سے بہتر مال چند بکریاں ہوں گی جنہیں لے کر وہ اپنے دین کو فتنوں سے بچانے کے لئے پہاڑوں کی چوٹیوں اور جنگلوں میں بھاگ جائے گا۔ (متفق علیہ)

مقداد بن اسود روایت کرتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ فرماتے خود سنا ہے کہ جو فتنوں سے محفوظ رہا وہ بڑا خوش نصیب ہے (تین بار فرمایا) اور جو شخص ان میں پھنس گیا پھر اس نے ان پر صبر کیا اس کے تو کیا ہی کہنے۔ (ابوداؤد)

تشریح:۔ فتنوں کی ذات میں خود بڑی کشش ہوتی ہے۔ بے دین ناسمجھی سے یا ان کو دین سمجھ کر ان کی طرف کھنچے چلے جاتے ہیں اور جو دیندار ہیں وہ ان میں شرکت کے لئے مجبور ہو جاتے ہیں ان کی مثال ان متعدی امراض کی سی ہوتی ہے جو فضاء عالم میں دفعۃً پھیل جائیں ایسی فضاء میں جا جا کر گھسنا صحت کی قوت کی علامت نہیں بلکہ اس سے لاپرواہی کی بات ہے۔ عافیت اسی میں ہوتی ہے کہ اس فضاء ہی سے نکل بھاگے۔ اس حقیقت پر امام بخاریؒ نے ایک مستقل باب قائم کر کے متنبہ کیا ہے اس کے بعد اگر گذشتہ فتنوں کی تاریخ پر نظر ڈالو گے تو تم کو سلف صالح کا یہی طرز عمل نظر آئے گا، جب بھی ان کے دور میں فتنوں نے منہ نکالا اگر وہ ان کو کچل نہیں سکے تو ان میں کودنے کی بجائے ہمیشہ ان سے کنارہ کش ہو گئے۔ اگر امت اسی ایک حدیث کو سمجھ لیتی تو کبھی فتنے زور نہ پکڑتے اور اگر بے دین اس میں مبتلا ہو بھی جاتے تو کم از کم دینداروں کا دین تو ان کی مضرتوں سے محفوظ رہ جاتا۔ مگر جب اس حدیث کی رعایت نہ رہی تو بے دینوں نے فتنوں کو ہوا دی اور دینداروں نے اصلاح کی خاطر ان میں شرکت کی پھر ان کی اصلاح کرنے کی بجائے خود اپنا دین بھی کھو بیٹھے۔ واللہ المستعان. امت میں سب سے بڑا فتنہ دجال کا ہے اس کے بارے میں یہ خاص طور پر تاکید کی گئی ہے کہ کوئی شخص اس کو دیکھنے کے لئے نہ جائے کہ اس کے چہرہ کی نحوست بھی مومن کے ایمان پر اثر انداز ہو گی۔

یہ یاد رکھنا چاہئے کہ جہاد باللسان اور بالسنان دونوں اس امت کے فرائض میں سے ہیں مگر یہاں وہ زمانہ مراد ہے جبکہ خود مسلمانوں میں انتشار پیدا ہو جائے، حق و باطل کی تمیز باقی نہ

رہے اور اصلاح کا قدم اٹھانا الٹا فساد کا باعث بن جائے چنانچہ جب حضرت عبداللہ بن عمرؓ سے صحابہ کے اندرونی مشاجرات میں جنگ کی شرکت کیلئے کہا گیا اور ان کے سامنے آیت پڑھی گئی کہ **قاتلوهم حتى لا تكون فتنة**. کافروں سے اس وقت تک جنگ کرتے رہو جب تک کہ فتنہ نہ رہے۔ تو انہوں نے فرمایا فتنوں کے فرو کرنے کے لئے جو جنگ تھی وہ تو ہم کر چکے اب تم اس جنگ کا آغاز کر رہے ہو جس سے اور فتنے پیدا ہوں گے۔ اپنی مادی اور روحانی طاقت کا اندازہ کئے بغیر فتنوں سے زور آزمائی کرنا صرف ایک جذبہ ہے اور فتنوں کو کچلنے کے لئے پہلے سامان مہیا کر لینا عقل اور شریعت کا حکم ہے۔ جذبات جب انجام بینی سے یکسر خالی ہوں تو دائمی ناکامی کا پیش خیمہ ہوتے ہیں۔ اسی طرح جب عقل جذبات سے کوری ہو جاتی ہے تو وہ بھی صرف دماغی فلسفہ میں مبتلا ہو کر رہ جاتی ہے کامیابی کا راز جوش کے ساتھ ہوش میں پنہاں ہے۔

ایمان کی چند دیگر علامات

حضرت انس بن مالک رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''جو کوئی ہماری سی نماز پڑھے اور ہمارے قبلہ کی طرف رُخ کرے اور ہمارا ذبیحہ کھائے پس یہ وہ مسلم ہے جس کے لیے اللہ کی امان ہے اور اللہ کے رسول کی امان ہے سوتم اللہ کے عہد نہ توڑو اس کی امان کے بارے میں۔'' (بخاری)

تشریح:...... اس حدیث کا مقصد سمجھنے کے لیے یہ حقیقت پیش نظر رکھ لینی چاہیے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے عہد مسعود میں جب دعوت اسلام طاقت اور قوت کے ساتھ بڑی تیزی سے بڑھتی جا رہی تھی تو بکثرت ایسے واقعات پیش آتے تھے کہ بعض لوگ اسلام قبول کر لیتے تھے لیکن خاص حالات میں ان کے متعلق اس شبہ کی گنجائش رہتی تھی کہ شاید انہوں نے حقیقی طور پر اور دل سے اسلام کو اختیار نہیں کیا ہے۔ پس رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے اس ارشاد کا خاص تعلق ایسے ہی لوگوں سے ہے اور آپ کا مقصد صحابہ کرام رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین کو یہ جتلانا ہے کہ جس شخص میں تم اسلام قبول کرنے کی یہ ظاہری اور موٹی موٹی

علامتیں دیکھو کہ وہ اسلامی طریقے پر نماز پڑھتا ہے اور نماز میں قبلہ مسلمین کی طرف ہی رُخ کرتا ہے اور اہل اسلام کا ذبیحہ کھاتا ہے تو اس کو مسلمان ہی سمجھو اور اس کے جان و مال کو اللہ اور اس کے رسول کی امان میں سمجھو یعنی خواہ مخواہ اس قسم کی کسی بدگمانی کی بناء پر کہ اس کے دل میں اسلام نہیں ہے بلکہ اس نے صرف منافقانہ طور پر ان اسلامی شعائر کو اختیار کر لیا ہے' اس کے خلاف کوئی اقدام نہ کرو' بہرحال اس حدیث کا مقصد اسی بارے میں مسلمانوں کو تنبیہ کرنا ہے۔

پس بعض لوگوں کا اس حدیث سے یہ نتیجہ نکالنا مقصد حدیث سے ناواقفی اور سخت جاہلانہ گمراہی ہے کہ جس شخص میں اسلام کی یہ ظاہری علامتیں موجود ہوں (یعنی نماز پڑھنا' قبلہ کی طرف رُخ کرنا اور مسلمانوں کا ذبیحہ کھانا) پھر خواہ وہ کیسے ہی خلاف اسلام عقائد وخیالات رکھے اور خواہ کیسے ہی کافرانہ ومشرکانہ اعمال کرے' بہرحال وہ مسلمان ہی رہتا ہے۔

دراصل اس قسم کے لوگوں سے اس حدیث کا کوئی تعلق نہیں ہے اور ایسے لوگوں کو مسلمان قرار دینے کا مطلب تو یہ ہوگا کہ اسلام صرف ان ظاہری اعمال اور علامات ہی کا نام ہے اور ایمان واعتقاد کی اس میں کوئی اہمیت ہی نہیں ہے اور ظاہر ہے کہ اسلام کے بارے میں اس سے زیادہ جہالت اور گمراہی کی بات اور کوئی نہیں ہوسکتی۔

ایمان کی جانچ

ابتدا سے لے کر انتہا تک اللہ تعالیٰ کے یہاں صرف دو ہی چیزوں کی جانچ ہے وہ یہ کہ ہر عمل میں ایمان کا دخل ہو اور ہر عمل میں اتباع کا دخل ہو۔ ایمان میں کمی آئی شرک پیدا ہوا۔ اتباع میں کمی آئی بدعت پیدا ہوئی اور یہ دونوں چیزیں دین کے فساد کی ہیں۔ (جواہر حکمت)

ایمان کے تقاضے اور لوازم

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا (کمال) ایمان (ویقین) کے ستر سے زائد شعبے ہیں۔ ان میں سے افضل شعبہ زبان سے لا الہ الا اللہ کہنا ہے اور سب سے ہلکا شعبہ یہ ہے کہ تکلیف دہ چیز کو (چلنے کے) راستے سے ہٹا دیا جائے اور حیاء بھی ایمان کا ایک بڑا شعبہ ہے (اور حیاء سے مراد ایمان کی وجہ سے آدمی میں پیدا ہونے والا وہ وصف ہے جو آدمی کو اللہ تعالیٰ کی نافرمانی کرنے سے شرم دلاتا ہے اور روکتا ہے اور یہ وصف اس وقت پیدا ہوتا ہے جب آدمی کو صفت احسان حاصل ہو جائے کیونکہ اس بات کے استحضار سے کہ اللہ تعالیٰ میرے سامنے ہیں یا میں اللہ تعالیٰ کے سامنے ہوں آدمی اللہ تعالیٰ کی نافرمانی کرنے سے شرم کرے گا۔ (بخاری و مسلم)

فائدہ: مذکورہ بالا حدیث میں ایمان کے ستر سے کچھ زائد شعبوں کا ذکر کیا جن میں صرف عقائد ہی نہیں بلکہ اکثر اعمال و افعال ہیں۔ وجہ یہ ہے کہ یہ سب ایمانیات کے تقاضے اور لوازم ہیں اور ان کو کرنے سے خود ایمان کو رونق اور ترقی حاصل ہوتی ہے۔ علامہ جلال الدین سیوطی رحمۃ اللہ علیہ نے اپنی کتاب نقایہ میں وہ تمام باتیں جمع کی ہیں جن کو قرآن وحدیث میں ایمان کہا گیا ہے۔

(۱) اللہ کی ذات و صفات پر ایمان اور عالم کے حادث ہونے پر ایمان (۲) اللہ کے فرشتوں پر ایمان (۳) اللہ کی کتابوں پر ایمان (۴) اللہ کے رسولوں پر ایمان (۵) تقدیر پر ایمان (۶) قیامت کے دن پر ایمان (۷) اللہ کے ساتھ محبت (۸) اللہ کے لیے کسی سے محبت (۹) اللہ کے لیے کسی سے بغض رکھنا (۱۰) نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے محبت (۱۱) نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی تعظیم کا اعتقاد رکھنا۔ اس میں آپ صلی اللہ

علیہ وسلم پر درُود بھیجنا اور آپ کی سنت کا اتباع کرنا شامل ہے۔ (۱۲) اخلاص (اس میں نفاق اور ریاء سے بچنا بھی آ گیا) (۱۳) توبہ کرنا (۱۴) اللہ کی پکڑ سے خوفزدہ ہونا (۱۵) اللہ کی رحمت کی اُمید رکھنا (۱۶) اللہ کا شکر ادا کرنا (۱۷) وعدہ پورا کرنا (۱۸) مصائب پر صبر کرنا (۱۹) اللہ کی قضا پر راضی رہنا (۲۰) حیاء (۲۱) توکل (۲۲) دوسروں پر رحم کرنا (۲۳) تواضع و عاجزی اختیار کرنا (۲۴) تکبر سے بچنا (۲۵) عجب سے بچنا (۲۶) حسد اور کینہ سے بچنا (۲۷) ناحق غضب سے بچنا (۲۸) توحید الٰہی کا اقرار کرنا (۲۹) تلاوت قرآن (۳۰) دین کا علم سیکھنا (۳۱) دین کا علم سکھانا (۳۲) دعا کرنا (۳۳) ذکر و استغفار کرنا (۳۴) لغو باتوں سے بچنا (۳۵) ظاہری اور حکمی نجاست سے پاکی حاصل کرنا (۳۶) ستر عورت (۳۷) فرضی و نفلی نمازیں پڑھنا (۳۸) زکوٰۃ اور صدقات دینا (۳۹) غلام آزاد کرنا (۴۰) سخاوت کرنا (۴۱) فرضی و نفلی روزے رکھنا (۴۲) اعتکاف کرنا (۴۳) لیلۃ القدر کی جستجو کرنا (۴۴) حج کرنا (۴۵) عمرہ کرنا (۴۶) طواف کرنا (۴۷) دین کی حفاظت کے لیے نقل مکانی کرنا (۴۸) نذر پوری کرنا (۴۹) کفارہ ادا کرنا (۵۰) نکاح کے ذریعہ عفت حاصل کرنا (۵۱) عیالداری کے حقوق ادا کرنا (۵۲) والدین کے ساتھ حسن سلوک (۵۳) اولاد کی تربیت (۵۴) صلہ رحمی (۵۵) بزرگوں کی اطاعت کرنا (۵۶) غلاموں پر نرمی کرنا (۵۷) حکومت عدل و انصاف کے ساتھ کرنا (۵۸) مسلمانوں کی اجتماعیت کی پیروی کرنا (۵۹) حاکموں کی اطاعت کرنا (۶۰) لوگوں کے درمیان صلح و صفائی کرانا (۶۱) نیکی کے کاموں میں تعاون کرنا اور امر بالمعروف و نہی عن المنکر کرنا (۶۲) حدود کو قائم کرنا (۶۳) جہاد کرنا (۶۴) امانت ادا کرنا (۶۵) قرض دینا اور واپس کرنا (۶۶) پڑوسی کا اکرام کرنا (۶۷) معاملات جائز طریقہ سے کرنا (۶۸) حق جگہ پر مال خرچ کرنا (۶۹) سلام کا جواب دینا۔ (۷۰) چھینکنے والے کو الحمدللہ کہنے پر یرحمک اللہ کہنا (۷۱) لوگوں سے تکلیف و نقصان کو دور کرنا (۷۲) لہو سے اجتناب کرنا (۷۳) راستہ سے تکلیف دہ چیز کو دور کرنا (۷۴) جو حکومت حق ہو اس کے خلاف بغاوت یعنی ناحق خروج کرنے والوں سے لڑنا۔

احتیاط اور ہوشیاری

ابو ہریرہؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ایماندار آدمی ایک سوراخ سے دوبارڈ سانہیں جاتا۔ (احمد۔ بخاری ومسلم وغیرہما)

تشریح:۔ امام احمد نقل فرماتے ہیں کہ ابوغرہ جمحی شاعر جب جنگ بدر میں قید ہو کر آیا تو آپ کے سامنے اپنی تنگدستی اور اپنے بچوں کا رونا رونے لگا آپ نے ترس کھا کر فدیہ لئے بغیر اس کو رہا فرمادیا لیکن جب یہ کم ظرف وہاں چلا گیا تو پھر آپ کی ہجو کرنے لگا۔ تقدیر الٰہی کہ جنگ احد میں پھر یہ قید ہو کر آ گیا اور آپ کے سامنے پھر رحم کی درخواست پیش کرنے لگا۔ اس مرتبہ آپ نے اس کی کوئی پرواہ نہ کی اور فرمایا کہ تو واپس جا کر یہ کہے گا کہ میں نے محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کا مذاق بنا رکھا ہے۔ مومن کی شان سے یہ بعید ہے کہ جب وہ ایک بار کسی سوراخ سے ڈس لیا جائے تو تجربہ کے لئے اس میں دوبارہ انگلی ڈالے اور پھر دھوکا کھائے اور اس کے قتل کا حکم دیدیا۔ ابن ہشام نے تہذیب سیرت میں لکھا ہے کہ یہ فقرہ سب سے پہلے آپ ہی کی زبان سے نکلا تھا اس سے قبل عرب میں کسی سے نہیں سنا گیا اس کے بعد پھر اس قسم کے مواقعہ میں ضرب المثل بن گیا ہے۔ امام طحاوی نے ابن وہب سے اس کی یہی شرح نقل کی ہے وسئل ابن وھب عن تفسیرہ فقال الرجل یقع فی الشیٔ یکرھہ فلا یعود فیہ المعتصر ص ۴۰۵۔

سادگی وشرافت

ابو ہریرہؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے ایماندار آدمی بھولا، سیدھا اور شریف الطبع ہوتا ہے اور منافق دھوکے باز اور ذلیل الطبع ہوتا ہے۔ (مستدرک)

دانائی اور مردم شناسی

ابو سعید خدریؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے مومن کی فراست اور مردم شناسی سے ڈرتے رہو کیونکہ وہ اللہ تعالیٰ کے نور سے دیکھتا ہے۔ اس کے بعد آپ نے یہ آیت تلاوت فرمائی ان فی ذالک الخ اس میں بہت بڑی نشانی ہے شناخت والوں کے لئے۔ (ترمذی شریف)

تشریح:۔ حضرت شاہ ولی اللہؒ کے کلام سے معلوم ہوتا ہے کہ فراست مومن میں نبی کی قوت عاقلہ کا ایک فیض ہوتا ہے وہ فرماتے ہیں:

اما تشبہ کہ در جزء علمی نفس ناطقہ دہند بایں وجہ تواند بود کہ کسے راازامت محدث وملہم کنند وایں معنی بدو طریق تواند بود...... دوم آنکہ فراست صادقہ اورانصیب کنند وعقل اوراازحظیرہ القدس تائیدے دہند کہ غالبا اصابہ کند در مجتہدات خود وازلوازم ایں معنی است کہ وحی برحسب رائے اونازل شود۔

یعنی امتی کے اپنے نبی کے ساتھ اس کے علمی جزء میں تشبہ کے معنی یہ ہیں کہ اس کی امت میں سے کسی کو محدث وملہم کا منصب عنایت فرمادیں اس کے دو طریقے ہیں۔ دوسرا طریقہ یہ ہے کہ سچی فراست اس کو مرحمت فرمادیں اور حظیرۃ القدس سے اس کی اس طرح تائید فرمائیں کہ اپنے اجتہادیات میں اس کی رائے اکثر صحیح ہوا کرے اور اسی صفت کے لوازم میں سے یہ ہے کہ وحی اس کی رائے کے موافق نازل ہو۔ (قرۃ العینین ص ۴۴)

شاہ صاحبؒ کی اس تحقیق سے واضح ہوگیا کہ مومن کی فراست کو کیا اہمیت ہے اور یہ کہ وحی کی حضرت عمرؓ کی موافقت کرنا بھی درحقیقت آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا کمال تھا اگر آپ کی قوتِ عاقلہ اتنی بلند نہ ہوتی تو آپ کے ہم جلیسوں میں یہ کمال فراست بھی نمایاں نہ ہوتا۔

حضرت شاہ اسماعیل شہید نے فراست کی یہ تشریح فرمائی ہے۔ یعنی فراست ایسی مردم شناسی کو کہتے ہیں جس کی وجہ سے آدمی حالیہ اور مقالیہ قرائن کی مدد سے سچے اور منافق میں تمیز کر لیتا ہے اور بدخواہ لالچی اور مخلص وخائن اور پست ہمت و بلند ہمت کا امتیاز کر لیتا ہے اور اپنی اسی فراست کی وجہ سے ہر شخص کی عقل وفہم کا اندازہ بھی لگا لیتا ہے کہ کون شخص کس خدمت اور کس منصب کے لائق ہے۔

غرض اس سے مومن کی سادگی اور اسی کے ساتھ اس کے فہیم ہونے کی حقیقت واضح ہوگئی لہٰذا کسی صالح مومن کو اس کی سادہ لوحی کی بناء پر بیوقوف سمجھنا خود سب سے بڑی بیوقوفی ہوگی۔ درحقیقت سب سے بڑا فہیم شخص وہی ہے جس نے دنیا کی متاع کاسد کو آخرت کی بے بہا دولت پر قربان کر دیا۔ دنیا کی طرف رغبت اور آخرت سے بے رغبتی یہی ایک عام سے عام انسان کی ذہنیت ہوتی ہے اس کو بھلا معیار فہم کیا بنایا جائے۔ البتہ جو لوگ

اس سطحی ذہنیت سے نکل کر اس سے ایک اور بالاتر ذہنیت پیدا کر چکے ہیں ان کی ذہنیت کو معیار فہم بنایا جا سکتا ہے۔ منافقوں نے اپنی ذہنیت اور اپنے ہی احساسات کو معیار فہم سمجھ کر اپنے آپ کو دانشمند اور مسلمانوں کو سفیر کا لقب دیدیا تھا۔

وَاِذَا قِيْلَ لَهُمْ اٰمِنُوْا كَمَا اٰمَنَ النَّاسُ قَالُوْا اَنُؤْمِنُ كَمَا اٰمَنَ السُّفَهَاءُ اَلَا اِنَّهُمْ هُمُ السُّفَهَاءُ وَلٰكِنْ لَا يَعْلَمُوْنَ۔

اور جب ان سے کہا جاتا ہے کہ جس طرح اور لوگ ایمان لے آئے ہیں تم بھی ایمان لے آؤ تو کہتے ہیں کہ ہم بھی اسی طرح ایمان لے آئیں جس طرح اور احمق ایمان لے آئے ہیں۔ سن لو یہی لوگ احمق ہیں لیکن جانتے نہیں۔

لیکن قرآن کریم نے واضح کر دیا کہ سب سے بڑے بیوقوف وہی ہیں جنہوں نے دنیا کے ان سب سے بڑھ کر دانشمندوں کو بیوقوف سمجھا۔ منافقین کی فہم یہ تھی کہ وہ اپنی دورخی پالیسی سے دوطرفہ نفع حاصل کرنے کی طمع میں رہا کرتے اور حق و ناحق کی تلاش سے آنکھیں بند کر لیتے اور مسلمانوں کی فہم یہ تھی کہ وہ تلاش حق کے لئے سرگرداں پھرتے اور جب حق کا دامن ان کے ہاتھ میں آجاتا تو اس کے پیچھے آنکھ بند کر کے اپنی جان کی بازی لگا دیتے۔ منافقوں کی فہم تو یہ تھی کہ وہ خدا و رسول کے احکام کے سامنے بے چون و چرا اعتراف و تسلیم کا سر جھکا دینا سب سے بڑی بے وقوفی سمجھتے اور مسلمانوں کی فہم یہ تھی کہ وہ ان کے احکام کی تعمیل میں ادنیٰ توقف کرنا بھی سب سے بڑا جرم تصور کرتے۔ قرآن کریم نے جہاں پہلی قسم کے ان دانشمندوں کو سفہاء قرار دیا ہے وہاں احکام اسلامیہ کے سامنے ان چون و چرا کرنے والوں کو بھی بیوقوف قرار دیا ہے۔

سَيَقُوْلُ السُّفَهَاءُ مِنَ النَّاسِ مَا وَلّٰهُمْ عَنْ قِبْلَتِهِمُ الَّتِيْ كَانُوْا عَلَيْهَا۔

جن لوگوں کی عقل ماری گئی ہے وہ تو کہیں گے ہی کہ مسلمان جس قبلہ پر پہلے تھے یعنی بیت المقدس اس سے ان کے دوسری طرف کو مڑ جانے کی کیا وجہ ہوئی۔

خلاصہ یہ کہ ابلہ اور سفیہ کا لقب کچھ ابتداء ہی سے صالح مسلمانوں کے حصہ میں آ رہا ہے اور تعجب کیا ہے جبکہ رسولوں کے حصہ میں مجنون اور ساحر کا لقب رہا ہو، مگر افسوس تو یہ ہے کہ پہلے

ہم کو یہ لقب منافقوں کی زبان سے ملا کرتا تھا اور اب خود مسلمانوں ہی کی زبان سے ملتا ہے اور ٹھیک اسی فرزانگی کی بدولت ملتا ہے جس کی بناء پر منافقوں نے تجویز کیا تھا۔ خدارا اگر آپ اس فرزانگی میں ہمارے حصہ دار نہیں بنتے تو کم از کم منافقوں کی دیوانگی میں تو حصہ دار نہ بنئے۔

ابو ہریرہؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ایک مرتبہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے ایک شخص کو چوری کرتے ہوئے اپنی آنکھ سے دیکھا تو اس سے فرمایا ارے تو نے چوری کی ہے وہ بولا اس ذات کی قسم جس کے سواء معبود کوئی نہیں میں نے ہرگز چوری نہیں کی۔ (اس کی اس دیدہ دلیری کے بعد) حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے پوچھا اچھا بھئی میں اللہ پر ایمان لایا اور اپنی آنکھ کی تکذیب کرتا ہوں۔ (مسلم شریف)

تشریح:۔ معلوم نہیں کہ خدا کے اس اولوالعزم رسول کے قلب میں عظمت الٰہی کا عالم کیا ہوگا جس کے سامنے اس کا باعظمت نام آ جانے کے بعد کسی انسان کے متعلق یہ تصور ہی نہیں آ سکتا کہ وہ اس کا واسطہ دیکر بھی جھوٹ بول سکتا ہے اس لئے وہ متحیر ہو کر اپنی آنکھوں کے بدیہی مشاہدہ کی تکذیب پر آمادہ ہو جاتا ہے۔

ایک حدیث میں آتا ہے کہ جب تمہارا غلام سزا کے وقت اللہ کے نام کا واسطہ دے تو فوراً اپنا ہاتھ روک لو، بہر حال خدائے تعالیٰ کے نام پاک کی عظمت اس کو مقتضی ہے کہ جب کہیں اس کا واسطہ آ جائے تو فوراً اپنے حق سے دست بردار ہو جانا چاہئے۔ حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے بھی اتنی بھاری قسم سن کر اس چور کے ساتھ الجھنے کے بجائے یہ اچھا سمجھا کہ اس کو اپنا یہ نقشہ عظمت دکھا کر یہ سمجھا دیں کہ اس ذات کا نام لے کر جھوٹ بولنا انسان کا کام نہیں۔ وقتی حالات اور انتظامی معاملات میں فرق کرنا چاہئے۔ ایک وقت یہ اغماض قابل تعریف ہوتا ہے اور بعض حالات ایسے بھی ہوتے ہیں کہ مخاطب کی قسم میں کھود کرید بھی کرنی پڑ جاتی ہے یہ باب اللہ کی بارگاہ میں بھی ہے کبھی ننانوے انسانوں کا قاتل بخش دیا جاتا ہے اور کبھی ایک بلی کو بھوکا رکھنے والا دوزخ میں ڈال دیا جاتا ہے۔ ہمارے یہاں مقصد یہ ہے کہ خدائی عظمت کے استحضار کی وجہ سے کسی مسلمان میں کسی کے پیچھے نہ پڑنے کی جو ایک صفت ہوتی ہے وہ انبیاء کے اخلاق فاضلہ کا ایک اثر ہے دراصل یہ صفت ان کی ہوتی ہے۔ پھر امت

میں ان کی اتباع کے ثمرہ میں بقدر نصیب منتقل ہو جاتی ہے، ناواقف دین کی ہر بات کو اپنے اندازہ فکر کے مطابق سمجھتا ہے پھر اس کا مذاق اڑانے لگتا ہے۔ مثل مشہور ہے الناس اعداء ما جھلوا۔ لوگ جس بات کو نہیں جانتے اس کے دشمن بن جاتے ہیں۔

مومن نجس نہیں ہوتا مشرک نجس ہوتا ہے

ابوہریرہؓ کہتے ہیں کہ ایک مرتبہ (راستہ میں) رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے میری ملاقات ہوگئی اس وقت میں جنابت کی حالت میں تھا آپ نے میرا ہاتھ اپنے ہاتھ میں لے لیا میں آپ کے ساتھ ساتھ چلتا رہا یہاں تک کہ جب آپ آ کر بیٹھ گئے تو میں اس وقت (وہاں سے) کھسک گیا اپنے گھر آیا اور غسل کیا پھر غسل کر کے آپ کی خدمت میں حاضر ہو گیا، آپ اس وقت تک بیٹھے ہوئے تھے، آپ نے پوچھا ابوہریرہ کہاں گئے تھے میں نے اصل ماجرا عرض کر دیا آپ نے ازراہِ تعجب سبحان اللہ کہا اور فرمایا مومن کہیں ایسا ناپاک ہوتا ہے۔ (بخاری)

تشریح:۔ ابوہریرہؓ نے اپنی حسن فطرت سے جتنی بات سمجھی وہ قابل داد تھی یعنی بحالت جنابت آپ کی مقدس محفل میں حاضری نامناسب ہے مگر خاتم الانبیاء علیہم السلام کو آداب سے بڑھ کر عقائد کی رعایت مقدم تھی، قرآن میں مشرک کو نجس فرمایا گیا تھا جس کے معنی یہ تھے کہ مومن اس قسم کا نجس نہیں اس کی ناپاکی عارضی ہوتی ہے اور مشرک کی ناپاکی نجاست کی طرح ذاتی ہوتی ہے اس لئے آپ نے مؤمن کی اس خصوصی شان کو واضح فرما دیا گویا قرآنی نظر میں مومن و مشرک میں ایسا فرق ہے جیسا نجاست و غیر نجاست میں۔ نجاست سے جتنا دور رہنا ممکن ہو بہتر ہے مومن ناپاک ہو کر بھی نشست و برخاست کے قابل رہتا ہے اور مشرک پاک وصاف ہو کر بھی اس قابل نہیں ہوتا اگر آپ ان کے حسن ادب پر خاموشی اختیار فرماتے تو یہ اہم نکتہ مخفی رہ جاتا۔

ابن عباسؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اپنے مردوں کو ناپاک مت سمجھو کیونکہ مسلمان کی شان یہ ہے کہ وہ نہ زندگی میں ناپاک سمجھا جاتا ہے اور نہ مرنے کے بعد۔ (دارقطنی)

تشریح:۔ اس حدیث میں بھی مرد مومن کی اُسی خصوصیت کا اظہار کیا گیا ہے شہید کو شریعت نے طہارت کا ایک اور بلند مقام دیدیا ہے وہ یہ کہ اس کا خون بھی ناپاک نہیں ہوتا اس لئے اس کو غسل بھی نہیں دیا جاتا۔

نرم مزاجی اور ہردلعزیزی

مکحول روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جولوگ ایمان والے ہیں وہ بہت کہنا ماننے والے اور نہایت نرم خو ہوتے ہیں جیسے نکیل پڑا اونٹ جدھر اس کو گھسیٹا جائے چلا جائے اور اگر اس کو کسی پتھر پر بٹھا دیا جائے تو وہیں بیٹھ جائے۔ (ترمذی شریف)

تشریح:۔ امام احمدؒ نے حضرت ابوذرؓ سے روایت کیا ہے **الاسلام ذلول لا یرکب الا ذلولا**۔ اسلام کا مزاج خود نرم ہے اور وہ اسی کے قلب میں اچھی طرح سرایت کرتا ہے جو نرم خو ہوتا ہے۔ اس کی اسناد میں ایک راوی ابوخلف ہے اس کو متروک کہا گیا ہے۔ قرآن میں اسی مخصوص صفت کی طرف اشارہ فرمایا گیا ہے۔ **وَعِبَادُالرَّحْمٰنِ الَّذِيْنَ يَمْشُوْنَ عَلَى الْاَرْضِ هَوْنًا وَّاِذَا خَاطَبَهُمُ الْجٰهِلُوْنَ قَالُوْا سَلٰمًا** اور خدائے رحمٰن کے خاص بندے تو وہ ہیں جو زمین پر فروتنی کے ساتھ چلیں اور جب جاہل ان سے جہالت کی باتیں کرنے لگیں تو ان کو سلام کر کے الگ ہو جائیں۔

ابوہریرہؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ایماندار آدمی تو وہ ہے جو مجسم پیکرِ محبت ہو جو شخص کسی سے الفت نہ رکھے اور نہ اس سے کوئی الفت رکھے اس میں تو بھلائی کی بو بھی نہیں۔ (احمد۔ حاکم۔ بیہقی)

حارثہ بن وہبؓ روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کیا میں تمہیں یہ نہ بتادوں کہ جنتی لوگ کون ہیں۔ ہر وہ شخص جو اپنی نظر میں اور لوگوں کی نظروں میں کمزور اور بے سہارا ہو۔ اگر وہ کسی معاملہ میں اللہ تعالیٰ پر قسم کھا بیٹھے تو اللہ تعالیٰ اس کی قسم کو ضرور پورا کرے گا۔ (اس کے بعد فرمایا) سنو، کیا میں تمہیں نہ بتادوں کہ دوزخی کون ہیں یہ وہ لوگ ہیں جو سرکش منہ پھٹ اور مغرور ہوں۔ (متفق علیہ)

تشریح:۔ ان احادیث سے واضح ہوگیا کہ مسلمان کی نرم مزاجی سے مراد کیا ہے۔ اس کے بعد حضرت عمر فاروقؓ کی شدتِ طبع کو ان سے کوئی تعارض نہیں رہتا وہ حدید الطبع ہو کر بھی اتنے نرم تھے کہ ایک عام سے عام شخص بھی برسرِ منبر ان کو ٹوک دیتا اور وہ خوشی سے اس کو جواب دیدیتے۔ بہر حال مؤمن کا وجود صفحہ عالم پر قدرت کی صناعی کا وہ عجیب تر مجموعہ ہوتا ہے جس میں بیک وقت شدت ولین، سادگی وفہم، زینت و بذاذت اور فصاحت وکم سخنی کی تمام متضاد صفتیں جمع نظر آتی ہیں۔ اس تضاد کے جمع کی صورت گذشتہ احادیث کے ضمن میں اپنی اپنی جگہ ملاحظہ سے گذر چکی ہے۔

ابو ہریرہؓ روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا وہ شخص ہلاک ہو جو دینار کا بندہ، درہم کا بندہ اور کملی کا بندہ ہو (اس کی دون ہمتی کا یہ حال ہو) کہ اگر اس کو کچھ دیدیا جائے تو خوش ہو جائے اور اگر نہ دیا جائے تو روٹھ جائے ایسا کم ہمت خدا کرے ہلاک اور ذلیل ہو اور اگر اس کے کوئی کانٹا چبھے تو نہ نکلے۔ وہ بندہ مبارک ہے جو اللہ تعالیٰ کے راستہ میں اپنے گھوڑے کی باگیں سنبھالے ہمہ وقت (خدمت دین کے لئے) تیار ہے۔ اس کے سر کے بال پراگندہ اور پیر غبار آلودہ ہیں (اس کی نرم خوئی اور للّٰہیت کا یہ عالم ہے) کہ اگر اسے اگلے دستہ میں محافظ کی حیثیت سے جگہ دی جائے تو حفاظت کی خدمت انجام دے اور اگر اس کو پچھلے حصہ میں ڈال دیا جائے تو پیچھے رہ کر بھی بخوشی اپنی ڈیوٹی کو پورا کرے (غرض نہایت مطیع مزاج ہو اور صرف دین کی خدمت اس کا مطمحِ نظر ہو) (بخاری شریف)

ابو ہریرہؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جنت میں ایسے لوگ جائیں گے جن کے دلوں کی کیفیت پرندوں کے دلوں سے بہت مشابہ ہوگی۔ (مسلم)

تشریح:۔ علماء نے یہاں وجہ تشبیہ رقت ولین تحریر فرمائی ہے یعنی پرندوں میں چوپایوں کی نسبت یہ صفت عام طور پر زیادہ پائی جاتی ہے وہ ہر اثر کو نسبۃً جلد قبول کر لیتے ہیں کینہ پرور نہیں ہوتے۔ چند تنکوں کا آشیانہ بنا کر عمر گذار دیتے ہیں، روزی جمع کرنے کی فکر نہیں کرتے صبح کو تلاشِ رزق میں نکلے اور شام کو پیٹ بھر کر واپس آ گئے ان کو دیکھو تو نہایت بھولے بھالے نظر آتے ہیں یہ تمام صفتیں ایک مسلمان کی بھی ہوتی ہیں۔

ابو ہریرہؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا انگور کو کرم نہ کہا کرو کیونکہ کرم تو مومن کے قلب کا نام ہے (انگور میں کرم کہاں اس سے تو شراب بنتی ہے جو بے حیائیوں کا سرچشمہ ہے) (مسلم)

تشریح:۔ نہایہ میں لکھا ہے کہ چونکہ انگور سے شراب بنائی جاتی ہے اور عرب کے مذاق کے مطابق شراب سخاوت وکرم کی محرک ہوتی ہے اس لئے وہ انگور کو کرم کہد یتے تھے۔ آپ نے اس غلط اشتقاق کو ناپسند کیا اور فرمایا کہ اس خوبصورت اور معنی خیز نام کا زیادہ مستحق مومن کا قلب ہے شراب کا مادہ یعنی انگور نہیں۔

یہاں قلب کو کریم کہنے کی بجائے مبالغہ کے طور پر عین کرم کہد یا گیا ہے جیسے زید کو مبالغہ میں عین انصاف کہد یا جائے۔ زمخشری اس کی شرح میں یوں رقمطراز ہیں کہ یہاں دراصل انگور کا نام رکھنے سے ممانعت کرنا مقصود ہی نہ تھا بلکہ اس طرف اشارہ کرنا مقصود تھا کہ جب قرآن کریم کا ارشاد یہ ہے کہ اِنَّ اَکْرَمَکُمْ عِنْدَ اللّٰہِ اَتْقٰکُمْ.

تو اس کا حق ہونا چاہئے کہ اب اس مقدس نام میں متقی مسلمان کے سواء کسی اور چیز کو شریک نہ کیا جائے تا کہ ذہنوں میں یہ بات نقش کالحجر ہو جائے کہ کریم درحقیقت صرف متقی ہوتا ہے۔ اس کے سوا کہیں اور کرم کا نام ونشان نہیں ہوتا۔ غیر متقی کا کرم صرف نمائشی ہوتا ہے اس میں صورت ہی صورت ہوتی ہے معنی کچھ نہیں ہوتے۔

مسلمانوں کی تکلیف کا اپنی تکلیف کے برابر احساس کرنا

نعمان بن بشیر روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ایمانداروں کو باہم رحمدل، باہم محبت اور ایک دوسرے کی تکلیف کے احساس کے بارے میں تم ایسا دیکھو گے جیسا ایک قالب۔ ایک عضو بیمار پڑ جائے تو سارا جسم بخار میں مبتلا ہو جاتا اور بیداری کیلئے تیار ہو جاتا ہے۔ (متفق علیہ)

نعمان بن بشیر روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا تمام مومن شخص واحد کی طرح ہیں اگر اس کی آنکھ دکھتی ہے تو اس کا تمام جسم بیمار پڑ جاتا ہے اگر اس کا سر دکھتا ہے تو بھی اس کا تمام جسم بیمار پڑ جاتا ہے۔ (مسلم)

ابو موسیٰ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ایک مؤمن دوسرے مؤمن کے حق میں ایک عمارت کی طرح ہونا چاہئے اور ایک دوسرے کے لئے اس طرح مضبوطی اور قوت کا باعث ہونا چاہئے جیسا مکان کی ایک اینٹ دوسری اینٹ کے لئے۔ اس کے بعد آپ نے اپنے ایک ہاتھ کی انگلیاں دوسرے ہاتھ کی انگلیوں میں ڈال دیں۔ (اور اس کا نقشہ دکھانے کے لئے فرمایا کہ اس طرح)۔ (متفق علیہ)

سہل بن سعد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت کرتے ہیں کہ مومنوں کی جماعت میں ایماندار آدمی کی مثال ایسی ہونی چاہئے جیسی سارے جسم میں سر کی۔ جیسا درد سر کی وجہ سے تمام جسم تکلیف میں مبتلا ہو جاتا ہے اسی طرح ایماندار آدمی کو بھی اور مومنوں کی تکلیف سے تکلیف ہوتی ہے۔ (احمد)

ابنِ عباسؓ بیان کرتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ فرماتے سنا ہے وہ بھی کیا مومن ہے جو اپنا تو پیٹ بھر لے اور اس کے قریب اس کا پڑوسی بھوکا پڑا رہے۔ (شعب الایمان)

تشریح:۔ بے حسی اور بے دردی کا سب سے بڑا اور سب سے بُرا مظاہرہ یہ ہے کہ ایک انسان خود تو اپنا پیٹ بھرتا رہے اور اس کے پاس ہی اس کا پڑوسی بھوکا پڑا رہے۔ اسلام اس حسن اخلاق کی تعلیم دیتا ہے کہ اگر یہ اپنے بھائی کا پیٹ نہیں بھر سکتا تو اس کو چاہئے کہ اپنا پیٹ کاٹ کر اس کی بھوک میں اس کا حصہ دار بن جائے۔ دیوار کی حقیقت بھی یہی ہے کہ اس کی اینٹیں باہم بھی ایک دوسرے کے لئے باعث استحکام ہوتی ہیں اور چھت کا بوجھ بٹانے میں بھی برابر کی شریک رہتی ہیں۔ مسلمانوں کو بھی چاہئے کہ وہ باہمی اور قومی بار کو اسی طرح باہم تقسیم کر لیا کریں اگر وہ ایسا کر لیں تو ان کا منتشر شیرازہ دنیا کے سامنے ایک مضبوط دیوار کی طرح بن جائے۔ حقیقت یہ ہے کہ ایمان وحدت و اجتماع کی دعوت دیتا ہے اور کفر تحزب و تشتت کی۔ اسی لئے قرآن کریم نے جب صحابہ کے دور کفر کا نقشہ کھینچا تو اس کا جو پہلو سب سے نمایاں فرمایا وہ ان کی باہمی عداوت و تحزب تھا۔ پھر اسلام کے بعد جس نعمت کا سب سے زیادہ احسان جتایا وہ ان کی باہمی وحدت اور محبت و اخوت تھی ایسی وحدت و اخوت کہ اگر یہ ان کے قالبوں کے مابین مشرق و مغرب کا فاصلہ بھی ہوتا مگر پھر بھی وہ ایک دوسرے کی تکلیف

کے احساس میں اتنے قریب ہوتے کہ مشرق کے ایک مسلمان کے پیر کے کانٹے کی چسک مغرب کا رہنے والا مسلمان اپنے دل میں محسوس کرتا ان کا یہ رشتہ محبت واخوت صرف مبالغہ اور محض ایک رنگ آمیزی نہیں بلکہ ان کے احساسات کی صحیح ترجمانی ہے۔

وَاذْكُرُوْا اِذْ كُنْتُمْ اَعْدَاءً فَاَلَّفَ بَيْنَ قُلُوْبِكُمْ فَاَصْبَحْتُمْ بِنِعْمَتِهٖ اِخْوَانًا۔

یاد کرو جب تم ایک دوسرے کے دشمن تھے پھر اللہ تعالیٰ نے تمہارے درمیان ایسی محبت پیدا کر دی کہ محض اس کی مہربانی کی بدولت تم ایک دوسرے کے بھائی بن گئے۔ دوسری جگہ کفار کے ظاہری اتحاد و اتفاق کی حقیقت اس طرح واشگاف فرمادی۔

تَحْسَبُهُمْ جَمِيْعًا وَّقُلُوْبُهُمْ شَتّٰى.

آپ توان کو متحد خیال کرتے ہیں مگر ان کے دل سب پراگندہ ہیں۔

اس کے بعد اب آپ ہی غور کیجئے کہ اگر درحقیقت ہمارے قلوب میں وہی اخوتِ ایمانی موجود ہے تو اس میں وہ محبت و وحدت کیوں نہیں بلکہ اس کے برعکس کفار کے تفرق و تشتت کا نقشہ کیوں ہے۔ اللهم الف بين قلوبنا و اصلح ذات بيننا.

یاد رکھئے کہ آپ کا ایمان جتنا کامل اور مستحکم ہوتا چلا جائے گا اتنا ہی آپ کا اتحاد اور قومی تعمیر بھی مستحکم ہوتی چلی جائیگی اور جتنا اس میں نقصان پیدا ہوتا رہے گا اسی قدر آپ کے اتحاد اور قومی تعمیر میں بھی ضعف پیدا ہوتا رہے گا۔ آپ نقصان ایمانی کے ساتھ اپنے اتحاد پر مغرور نہ ہوں وہ صرف آپ کے قالب کا اتحاد ہوگا قلب کا نہیں اور اگر آپ کے قلوب رشتہ ایمانی کی بدولت وحدت کا رنگ اختیار کر چکے ہیں تو قالب کے انتشار سے مغموم نہ ہوں کہ وہ صرف آپ کے جسموں کا انتشار ہے۔ قلوب کا انتشار نہیں تعجب ہے کہ وحدت و افتراق کے جو بنیادی اسباب ہیں کم از کم مسلمان اس سے کیونکر غافل ہیں۔ وہ جس مجمع میں اتحاد واخوت کی دعوت دیتے ہیں اسی میں اصل رشتہ ایمانی پر ضرب بھی لگاتے جاتے ہیں اور نہیں سمجھتے کہ نعمت اخوت صرف عطاءِ ربانی ہے ان کی تقریروں اور تحریروں سے حاصل نہیں ہوسکتی۔

لَوْ اَنْفَقْتَ مَا فِی الْاَرْضِ جَمِيْعًا مَّا اَلَّفْتَ بَيْنَ قُلُوْبِهِمْ وَلٰكِنَّ اللّٰهَ اَلَّفَ بَيْنَهُمْ۔

اے پیغمبر اگر آپ ساری زمین کا مال بھی خرچ کر ڈالتے تو بھی ان کے دلوں

میں ایسی الفت ومحبت پیدا نہ کر سکتے یہ تو صرف اللہ تعالیٰ ہی کی ذات ہے جس نے ان میں باہم یہ الفت ڈال دی ہے۔

گناہوں سے ڈرنا

حضرت ابن مسعودؓ فرماتے ہیں مومن اپنے گناہوں سے اس طرح ڈرتا ہے جیسا وہ پہاڑ کے نیچے بیٹھا ہوا ڈرتا ہے کہ وہ اب اس پر گرا اور فاجر آدمی ان کو اس طرح حقیر سمجھتا ہے جیسا مکھی اس کے ناک کے پاس سے گذری اور اس نے اپنے ہاتھ کی حرکت سے اس طرح اڑا دی۔ (بخاری شریف)

اپنی عزتِ نفس کی حفاظت کرنا

حذیفہؓ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا مومن کے لئے یہ مناسب نہیں کہ وہ اپنے نفس کو ذلیل کرے صحابہ نے عرض کیا بھلا اپنے نفس کو کوئی کیسے ذلیل کرسکتا ہے فرمایا ایسا بار اٹھالینا جس کے اٹھانے کی اس میں طاقت نہ ہو (یہ ذلیل ہی کرنا ہے۔ (ترمذی۔ابن ماجہ۔شعب الایمان)

تشریح:۔صحابہ کی فہم میں اپنے نفس کے ذلیل کرنے کی کوئی صورت ہی نہ آسکی وہ فطرۃً ذلت سے نفور تھے اور اسلام نے آکر ان کو احساس کمتری سے اور بھی دور کردیا تھا آپ نے ان کو بتایا کہ کبھی عزت کے کام میں بھی ذلت کا خمیازہ بھگتنا پڑ جاتا ہے براہ راست ذلت کے کاموں سے بچنا سب جانتے تھے لیکن خاتم الانبیاء صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کو ایک قدم اور آگے بڑھا کر سمجھایا کہ ایسے عزت کے کاموں میں پھنسنا جن کا انجام ذلت ہو یہ بھی مومن کا کام نہیں پھر معلوم نہیں ذلت کا جو تعلق یہود کے ساتھ تھا وہ مسلمانوں نے اپنے ساتھ کیسے سمجھ رکھا ہے شاید تکبر اور عزت کے مفہوم سمجھنے میں غلط فہمی ہوگئی ہے۔ اللہ تعالیٰ تکبر اور غرور سے ہم کو بچائے اور اپنی صحیح عزت نفس محفوظ رکھنے کی توفیق بخشے۔ آمین۔

ہمیشہ توبہ کرتے رہنا

حضرت علیؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اللہ تعالیٰ اپنے اس مومن بندہ سے محبت رکھتا ہے جو فتنوں میں مبتلا ہوتا رہے اور ہمیشہ توبہ کرتا رہے۔ (احمد)

تشریح:۔ جب گناہ بندہ کی فطرت ہو تو پھر توبہ ضرور اس کی صفت ہونی چاہئے پس اگر وہ اپنی فطرت کی بناء پر طرح طرح کے فتنوں میں گرفتار ہوتا رہتا ہے مگر ہر بار اپنی صفت توبہ واستغفار کو فراموش نہیں کرتا تو وہ ارحم الراحمین کی نظروں میں کیوں نہ پیارا ہو یہاں محبت اس کے تکرار جرم پر نہیں بلکہ ہر بار اس کی صفت توبہ واستغفار پر ہے۔ یہ اسلوب بیان اس لئے اختیار نہیں کیا گیا کہ گنہگار اپنے گناہوں پر اصرار کریں بلکہ اس لئے اختیار کیا گیا ہے کہ جو نادم و شرمسار رہیں وہ زیادہ دل شکستہ نہ ہوں اور اپنی اس ندامت کی بدولت عصیاں کے بعد بھی خدائے تعالیٰ کی محبت کی خوشخبری سن لیں ندامت پر خدا تعالیٰ کی محبت کی خوشخبری بندہ میں گناہ کی جرأت پیدا نہیں کرتی بلکہ اس کی فطرت سے تخم جڑ سے نکال پھینکتی ہے۔

احکام اسلامی کی پابندی کرنا

ابوسعید خدری رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت کرتے ہیں کہ آپ نے فرمایا مومن کی مثال اس گھوڑے کی سی ہے جو اپنے کھونٹے سے بندھا ہوا ہو اور اِدھر اُدھر پھر پھرا کر آخر اپنے کھونٹے کے پاس ہی آ جاتا ہے اسی طرح مومن سے بھی بھول چوک ہو جاتی ہے آخر کار وہ پھر کر ادھر ہی آ جاتا ہے جو ایمان کی بات ہوتی ہے۔ (احمد)

تشریح:۔ یعنی مومن دین اسلام کا ایسا پابند ہوتا ہے جیسے گھوڑا کھونٹے کا نہ یہ اپنے کھونٹے سے علیحدہ جا سکتا ہے نہ وہ شعب ایمان سے کہیں علیحدہ ہو سکتا ہے۔ سہو ونسیان کی بات دوسری ہے اگر غلطی ہو جائے تو پھر لوٹ کر اسے آنا ادھر ہی پڑتا ہے۔ حریت کیسی اور آزادی کہاں۔

ہر حالت میں خدائے تعالیٰ کا شکر گذار رہنا

سعد بن ابی وقاصؓ روایت فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا مومن کا حال بھی قابل تعجب ہے اگر اس کو کوئی بھلائی پہنچتی ہے تو اللہ تعالیٰ کی تعریف کرتا ہے اور اس کا شکر ادا کرتا ہے اور اگر اس کو مصیبت پیش آ جاتی ہے تو بھی اللہ تعالیٰ کی تعریف کرتا اور اس پر صبر کرتا ہے خلاصہ یہ کہ مومن کو ہر حال میں ثواب ملتا ہے حتیٰ کہ اس لقمہ میں بھی جو وہ اٹھا کر اپنی بیوی کے منہ میں ڈالتا ہے۔ (شعب الایمان)

تشریح:۔ فراخی وتنگی اور صحت ومرض کے ہر حال میں اسی مدح سرائی کی بدولت اس امت کا لقب حمادون مشہور ہو گیا ہے۔ کیوں نہ ہو جس امت کا رسول احمد ومحمد ہوں (صلی اللہ علیہ وسلم فداہ ابی وامی) اس کی امت کا لقب حمادون ہونا چاہئے۔ وہ افراد کتنے بدنصیب ہیں جو اپنی اس شہرت کے ساتھ نہ نعمت میں حمد کرنا یاد رکھیں اور نہ مصیبت میں حمد وشکر بجالائیں۔

صہیبؓ روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا مومن کا ہر معاملہ تعجب خیز اور حیرت انگیز ہے۔ مسرت کی بات ہو یا غم کی اس کے حق میں سب بہتر ہی بہتر ہوتی ہے، یہ مومن کے سوا کسی اور کو نصیب نہیں۔ اگر اس کو کوئی خوشی کی بات پیش آ جائے تو وہ شکر کرتا ہے، یہ بھی اس کے لئے بہتر ہوتی ہے اور اگر کوئی تکلیف پیش آ جائے تو صبر کر لیتا ہے یہ بھی اس کے حق میں بہتر ہوتی ہے۔ (مسلم شریف)

نرم دلی

ابو ہریرہؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا لو اہل یمن آ گئے یہ لوگ نہایت رقیق القلب ہوتے ہیں، ایمان اور دین کی سمجھ اور حکمت تو یمن ہی کا حصہ ہے۔ (مسلم شریف)

تشریح:۔ صحیح بخاری میں اس حدیث کو ذرا زیادہ تفصیل کے ساتھ روایت کیا گیا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک مرتبہ قبیلہ بنو تمیم کو خطاب کرتے ہوئے فرمایا اے بنو تمیم تم کو بشارت ہو۔ ان بدقسمتوں نے اس کو مال کی بشارت سمجھا اور کہا اچھا تو دلوایئے کیا دلواتے ہیں آپ کو ان کی یہ پست فطرتی پسند نہ ہوئی۔ اتنی دیر میں یمن کی ایک جماعت آ نکلی آپ نے ان سے مخاطب ہو کر فرمایا کہ بنو تمیم نے تو بشارت قبول نہ کی لو تم اسے قبول کر لو۔ انہوں نے کہا یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہم نے بسر وچشم قبول کی۔ اس کے بعد عرض کیا "جئنا لنتفقه فی الدین" ہم اس لئے حاضر ہوئے ہیں کہ اپنے دین کے کچھ مسائل سیکھیں۔ الخ اس واقعہ سے یہ اندازہ ہو سکتا ہے کہ ان کے قلب میں دین اور احکام دین کے قبول کرنے کی کتنی صلاحیت تھی جو بشارت انہیں سنائی گئی وہ کسی بحث اور کسی تفصیل کے بغیر انہوں نے قبول کر لی اور اپنے آنے کا جو زریں مقصد آپ کے سامنے رکھا وہ صرف ایک فقہ فی الدین یعنی دین کی

طلب تھی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم ان کے اس طرح بے چون و چرا بشارت نبویہ کو لپک لیجانے سے بہت محظوظ ہوئے اور ان کی اس صلاحیت اور علو استعداد کو دیکھ کر فرمایا کہ ایمان اور فقہ اور حکمت تو درحقیقت ان لوگوں کا حصہ ہے اور اسی کو یہاں رقتِ قلب سے تعبیر کیا گیا ہے اس کے بالمقابل قلبی قساوۃ ہے وہ یہ کہ نصیحت کے نفوذ کرنے کی اس میں کوئی صلاحیت نہ ہو بلکہ وہ اس خشک پتھر کی طرح ہو جس سے پانی کی ایک بوند بھی نہیں ٹپکتی۔

ثُمَّ قَسَتْ قُلُوْبُكُمْ مِنْ بَعْدِ ذٰلِكَ فَهِيَ كَالْحِجَارَةِ اَوْ اَشَدُّ قَسْوَةً وَاِنَّ مِنَ الْحِجَارَةِ لَمَا يَتَفَجَّرُ مِنْهُ الْاَنْهَارُ وَاِنَّ مِنْهَا لَمَا يَشَّقَّقُ فَيَخْرُجُ مِنْهُ الْمَاءُ وَاِنَّ مِنْهَا لَمَا يَهْبِطُ مِنْ خَشْيَةِ اللّٰهِ۔

پھر اس کے بعد تمہارے دل ایسے سخت ہو گئے کہ گویا وہ پتھر ہیں یا ان سے بھی سخت تر اور پتھر ہیں یا ان سے بھی سخت تر اور پتھروں میں تو بعضے ایسے بھی ہوتے ہیں کہ ان سے نہریں نکلتی ہیں اور بعض پتھر ایسے بھی ہوتے ہیں جو پھٹ جاتے ہیں اور ان سے پانی جھرتا ہے اور بعض پتھر ایسے بھی ہوتے ہیں جو اللہ تعالیٰ کے ڈر سے گر پڑتے ہیں۔

آیت بالا میں قلوب کی قساوۃ اور اس کے مختلف مدارج کو ایک بلیغ تشبیہ دیکر سمجھایا گیا ہے کہ قلب کی قساوت یہ ہے کہ اس میں اثر پذیری اور تاثر کی کوئی صلاحیت نہ رہے، دین کی فہم کے لئے اس میں کوئی حرکت نہ ہو اور خشیۃ الٰہی سے وہ یکسر خالی ہو جائے۔ یہی بے فیض قلوب جن سے ہدایت کے چشمے تو کیا بہتے اس کا کوئی قطرہ بھی ان سے نہیں ٹپکتا قلوب قاسیہ ہیں جو بختی میں پتھروں سے بھی بڑھ کر ہیں کہ پتھروں میں کچھ نہ کچھ آثار تاثر کچھ نہ کچھ حرکت تو نظر آتی ہے۔ اس کے برخلاف مومن کے قلب میں رِقت و لین کی صفت ہوتی ہے یہ صفت صرف اس کے قلب تک محدود نہیں رہتی بلکہ اس کے اعضاء و جوارح تک بھی سرایت کر جاتی ہے۔ وہ نرم خو، نرم مزاج، شیریں طبیعت، صاحب محبت و مروت اور ہر کس و ناکس کی بات سننے اور ماننے والا ہوتا ہے حتیٰ کہ مسلمانوں کے لئے ہمہ تن رحمت اور کفار کے مقابلہ میں مجسم شدت بن جاتا ہے۔ اسی صفت کو **اَشِدَّآءُ عَلَى الْكُفَّارِ رُحَمَآءُ بَيْنَهُمْ** میں ذکر کیا گیا ہے اور ذیل کی حدیث میں بھی اس کے اسی رِقت و لین کے اثرات کا ذکر ہے۔

پاکیزہ زبان ہونا

ابن مسعودؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا مومن کے لئے نہ یہ مناسب ہے کہ وہ ہروقت لعن طعن کرتا رہے اور نہ یہ کہ فحش کلامی اور بدزبانی کرتا رہے۔ (ترمذی۔ بیہقی)

ابو ہریرہؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا صدیق ہو کر یہ بات اس کی شایانِ شان نہیں کہ ہروقت لعنت برسایا کرے۔ (مسلم)

حضرت عائشہؓ سے روایت ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم ابو بکرؓ کے پاس سے گذرے وہ اتفاقاً اپنے کسی غلام کے متعلق لعنت کا لفظ استعمال فرمارہے تھے آپ ان کی طرف متوجہ ہوئے اور فرمایا رب کعبہ کی قسم یہ ہرگز نہیں ہوگا کہ جو لوگ لعنتیں برسائیں وہ صدیق بھی شمار ہوں۔ اس واقعہ کے بعد ابو بکرؓ نے اس غلام کو آزاد کردیا اور آپ کی خدمت میں حاضر ہو کر عرض کیا کہ اب آئندہ ایسا قصور نہیں ہوگا۔ (بیہقی)

ابوالدرداء روایت کرتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ فرماتے سنا ہے کہ ہروقت لعنت برسانے والوں کو نہ شہادت کا حق دیا جائے گا نہ شفاعت کا۔ (مسلم)

تشریح:۔ لعنت لغت میں اللہ تعالیٰ کی رحمت سے دور کرنے کو کہتے ہیں۔ جو شخص دنیا میں دوسروں کو اللہ تعالیٰ کی رحمت سے دور کرنے کا عادی ہو قیامت میں اسے شفاعت اور شہادت کا بھلا کیا حق ہوسکتا ہے۔ شفاعت لعنت کے برعکس اللہ تعالیٰ کی رحمت کے طلب کا نام ہے۔ دنیا میں قانون شہادت یہ ہے کہ مقدمہ میں گواہ وہ ہوسکتا ہے جو اس کا دشمن نہ ہو۔ پھر دنیا میں جو شخص خدائے تعالیٰ کی رحمت سے دور کر کے اپنی دشمنی کا ثبوت دے چکا ہے وہ آخرت میں کب کسی کا گواہ بن سکتا ہے۔

نبی کے بعد صدیق کی شفاعت کا درجہ ہے اور اس کے بعد شہداء وصالحین کی شفاعت کا صاحب نبوت نے سمجھایا کہ آخرت میں جس امت کو شفاعت اور شہادت دونوں کا منصب عطا ہوا ہو جب اس کے لئے بالعموم لعنت کا استعمال کرنا ناموزوں ہے تو پھر ان میں جو صدیق کہلائیں ان کے لئے تو کتنا کچھ ناموزوں ہوگا۔ صدیق اکبرؓ نے اس نکتہ کو خوب سمجھ لیا اور اسی لئے اس غلطی کی ہر ممکن طریقہ پر تلافی کرنے کی کوشش بھی کی۔ اس ضمن میں

آپ کو باہم اسباب افتراق مٹانے کا بھی ایک بڑا سبق دیا گیا ہے۔ فرق یہ ہے کہ دنیا ان ظاہری مضرتوں کو اہمیت دیتی ہے اور شریعت آخرت کی مضرتوں کو۔ اس لئے شریعت اپنی نظر حقیقت میں کے مطابق ان اسباب و اثرات کا ذکر کرتی رہتی ہے اور ظاہر بیں ان آثار ظاہری کے درپے رہتا ہے اور اسی کو فلسفہ سے تعبیر کرتا رہتا ہے۔ پس ایک ظاہر پرست کے نزدیک تو نزاہت لسان کا فلسفہ صرف دعوت اتحاد اور باہمی اسباب منافرت کا ترک کرنا ہے۔ اور حدیث کی نظر میں یہ سب ضمنی اور سطحی نفع نقصان ہے۔ ان کو سمجھنے سمجھانے کے لئے انسان کی عقل خود بھی کافی ہے جو اصل اور دائمی نقصان ہے اور ہماری ادراکِ عقل سے بالاتر ہے۔ وہ امت کی امتیازی خصوصیت یعنی شفاعت سے محرومی ہے۔ حدیث اس کا انکار نہیں کرتی تم اس کا انکار مت کرو بلکہ اس حقیقت کو حاصل کرنے کی کوشش کرو جس کے پا جانے کے بعد تمہارا اپنایا ہوا فلسفہ۔ بلا تعب و مشقت خود بخود حاصل ہو جائے گا۔

صفوان بن سلیم روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے پوچھا گیا کہ مومن بزدل ہوسکتا ہے فرمایا جی ہاں۔ پھر پوچھا گیا، کیا بخیل ہوسکتا ہے فرمایا جی ہاں۔ پھر پوچھا گیا اچھا کیا اول نمبر کا جھوٹا بھی ہوسکتا ہے۔ فرمایا جی نہیں۔ (مالک۔ شعب الایمان)

تشریح:۔ حدیث کی مراد یہ ہے کہ بزدلی اور شجاعت فطرت کی ایک تقسیم ہے جیسا سخاوت وبخل اس لئے بزدلی اور بخل اگرچہ مذموم صفات سہی مگر ہے غیر اختیاری۔ اس لئے اگر ایک مومن میں بہادری نہ ہو یا حقوق اسلام ادا کرنے کے بعد اس میں سخاوت کا مضمون نہ ہو تو وہ مواخذہ سے بری ہوسکتا ہے لیکن خیانت اور جھوٹ کی عادتیں غیر اختیاری صفات نہیں۔ ایمان امانت سے مشتق ہے جو خیانت کی ضد ہے اس لئے ایمان اور خیانت جمع نہیں ہو سکتے۔ اسی طرح دروغگوئی کی عادت نفاق کا شعبہ ہے ایمان یک رُخی کا طالب ہے اس لئے دورخا پن اسلام و ایمان کے ساتھ نبھ نہیں سکتا۔ اس لئے مومن نہ خیانت کا عادی ہوسکتا ہے نہ دورغ گوئی کا۔

انسؓ بیان کرتے ہیں کہ ہمارے سامنے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کوئی خطبہ ایسا کم دیا ہوگا جس میں یہ نہ فرمایا ہو کہ جس شخص میں امانت نہیں اس کا ایمان بھی کچھ نہیں اور جس میں وفاء عہد نہیں اس کا دین بھی کچھ نہیں۔ (شعب الایمان)

عبداللہ بن جواد روایت کرتے ہیں کہ ابوالدرداء نے عرض کیا یا رسول اللہ کیا مومن جھوٹ بولتا ہے آپ نے ارشاد فرمایا جس شخص کی عادت یہ ہو کہ جب بات کرے تو جھوٹ ہی بولے وہ نہ تو اللہ تعالیٰ پر ایمان رکھتا ہے اور نہ آخرت کے دن پر۔ (جامع کبیر)

اس حدیث میں اس امر کی وضاحت ہوگئی کہ اوپر کی حدیثوں میں کذب سے مراد اتفاقاً جھوٹ بولنا نہیں بلکہ اس کا عادی ہونا مراد ہے اسی لئے صحیح حدیثوں میں جھوٹ کی عادت نفاق کی ایک خصلت قرار دی گئی ہے۔

امام مالکؒ فرماتے ہیں کہ مجھے یہ بات پہنچی ہے کہ لقمان حکیم سے پوچھا گیا فرمایئے کہ یہ رتبہ بلند آپ کو کیسے نصیب ہوا انہوں نے جواب دیا۔ راست گوئی، اداء امانت اور بیکار باتوں سے کنارہ کشی کی بدولت۔ (موطاء)

عبداللہ بن عمروؓ روایت کرتے ہیں کہ جو کچھ میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے سن پاتا وہ سب کچھ لکھ لیا کرتا تھا اس سے میرا مقصد آپ کے کلمات کی حفاظت کرنی تھی۔ قریش نے مجھے اس بات سے روکا اور کہا کہ تم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے جو بات بھی سنتے ہو وہ سب قلمبند کر لیتے ہو حالانکہ آپ ایک بشر ہی تو ہیں کبھی کوئی بات غصہ کی حالت میں بھی فرما دیتے ہیں۔ (ہو سکتا ہے کہ اس حالت میں وہ مقام نبوت کے معیار اعتدال سے اتری ہوئی بات ہو) اس کے بعد میں نے لکھنا بند کر دیا اور اس قصہ کا آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے ذکر کیا۔ آپ نے اپنے دہن مبارک کی طرف اشارہ کر کے فرمایا (بے خوف وخطر) سب کچھ لکھو۔ اس خدائے توانا کی قسم جس کے قبضہ میں میری جان ہے اس منہ سے بجز حق کے اور کچھ نہیں نکلتا۔ (ابوداؤد)

تشریح:۔ انبیاء علیہم السلام کا کلام صرف سچا ہی نہیں ہوتا بلکہ وہ جو کچھ بولتے ہیں وہ حق بھی ہوتا ہے سبحان اللہ! وہ دہن مبارک بھی کتنا مقدس دہن ہوگا جس میں مذاق اور غصہ کے بشری حالات میں بھی ملکی نطق کی صفات موجود رہتی تھیں جب تک خدائے برحق کی عصمت کسی کی اس طرح نگرانی نہ رکھے اس وقت تک کسی بشر کے لئے مقام صدق وصفا کی منزل تک رسائی ناممکن ہے۔ متکلم کی نیت کے لحاظ سے اس کو صادق تو کہہ سکتے ہیں مگر جب تک اس کا کلام حقیقت کے مطابق نہ ہو اس کو حق نہیں کہہ سکتے۔

عبداللہ بن عمروؓ سے روایت ہے کہ ایک شخص آپ کی خدمت میں حاضر ہوا اور اس نے پوچھا یا رسول اللہ جنت کا عمل کیا ہے؟ فرمایا سچ بولنا۔ جب بندہ سچ بولتا ہے تو نیک بن جاتا ہے اور ایماندار ہو جاتا ہے اور جب ایماندار بن جاتا ہے تو جنت میں داخل ہو جاتا ہے۔ پھر اس نے پوچھا اچھا دوزخ کا عمل کیا ہے فرمایا جھوٹ بولنا۔ جب بندہ جھوٹ بولتا ہے تو حدودِ شریعت سے تجاوز کرنے لگتا ہے اور جب تجاوز کرنے لگتا ہے تو کفر میں گرفتار ہو جاتا ہے اور جب کفر میں گرفتار ہو جاتا ہے تو دوزخ میں داخل ہو جاتا ہے۔ (احمد)

عبداللہ بن مسعودؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا راست گوئی کی عادت اختیار کرو کیونکہ راست گوئی سے نیکی کرنے کی توفیق نصیب ہوتی ہے اور نیکی انسان کو جنت تک پہنچا دیتی ہے۔ آدمی سچ بولتا رہتا ہے اور تلاش کر کر کے سچ بولتا رہتا ہے نتیجہ یہ ہو جاتا ہے کہ اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں اس کا لقب صدیق پڑ جاتا ہے اور دیکھو جھوٹ سے بچنا کیونکہ جھوٹ فسق میں مبتلا کر دیتا ہے اور فسق دوزخ میں پہنچا کر چھوڑتا ہے۔ انسان جھوٹ بولتا رہتا ہے اور ڈھونڈھ ڈھونڈھ کر جھوٹ بولتا رہتا ہے۔ نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں اس کا لقب کذاب پڑ جاتا ہے۔ (متفق علیہ)

تشریح:۔ یہ تنبیہ کی جا چکی ہے کہ خیر و شر کے علیحدہ علیحدہ دو سلسلے ہیں اور ان دونوں میں ایک کڑی اپنی دوسری کڑی سے متصل ہے۔ پھر سلسلہ خیر کے منتہی پر جنت ہے اور سلسلہ شر کے آخر میں دوزخ۔ پس کوئی انسان بھی دفعۃً جنت یا دوزخ میں نہیں چلا جاتا اولاً اس کے ہاتھ میں خیر و شر کی کوئی معمولی سی کڑی آ جاتی ہے پھر اس کی وجہ سے اس میں اسی سلسلہ کی دوسری کڑی کی استعداد پیدا ہو جاتی ہے اور اس طریق سے وہ بتدریج جنت یا دوزخ میں جا پہنچتا ہے پس نہ کسی خیر کو معمولی سمجھنا چاہئے نہ کسی شر کو معمولی ترمذی میں سلمہ بن اکوع سے روایت ہے کہ تکبر کرتے کرتے ایک دن ایسا آ جاتا ہے کہ آدمی اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں جبارین کی فہرست میں درج ہو جاتا ہے آخر اس پر بھی وہ عذاب آ جاتا ہے جو ان پر آیا تھا۔ قرآن کریم سے معلوم ہوتا ہے کہ صدیقین اور کاذبین کی ایک فہرست ہے یہ حدیث بتاتی ہے کہ انسان کو یہ کوشش کرنی چاہئے کہ اس کا نام صدیقین کی فہرست میں آ جائے یا بھا

الذین آمنوا کونوا مع الصادقین اور اس سے ڈرنا چاہئے کہ اس کا نام کہیں کاذبین کی فہرست میں درج نہ ہو جائے۔ ان لعنۃ اللہ علی الکاذبین اور یہ اس لئے کہ صدق وکذب صرف معمولی خیر وشر نہیں بلکہ ان کا ثمرہ جنت اور دوزخ بھی ہو سکتا ہے۔

حضرت ام کلثومؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کذاب وہ نہیں جو لوگوں میں صلح جوئی کے ارادہ سے کوئی کلمہ خیر زبان سے کہدے اور کسی کو کسی دوسرے شخص کی طرف سے کوئی بھلی بات پہنچادے۔ (متفق علیہ)

مسلم میں اتنا مضمون اور ہے کہ حضرت ام کلثومؓ فرماتی ہیں جو باتیں لوگوں کے درمیان جھوٹ شمار ہوتی ہیں ان میں سے صرف تین موقعہ پر میں نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے اجازت سنی ہے۔ جنگ میں، لوگوں کے درمیان صلح جوئی کے لئے، اور تیسرے شوہر کا اپنی بی بی اور بی بی کا اپنے شوہر کی رضامندی کے لئے۔ (مسند احمد)

تشریح:۔ صریح جھوٹ بولنے کی اجازت تو مشکل ہے کہ کہیں ثابت ہو البتہ کسی اہم مصلحت کے لئے ایسی ذو معنیین بات کہدینے کی اجازت ہے، جس پر بظاہر جھوٹ کا گمان ہو سکے مگر اصلی مراد کے لحاظ سے وہ سچ ہو اس کا نام توریہ ہے۔ پس توریہ کذب نہیں وہ صدق ہی کی ایک کذب نما صورت ہے مسلم کی روایت میں مما یقول الناس انه کذب" کے لفظ میں غالباً اسی طرف اشارہ ہے۔ ایسے کلمات کے استعمال کی اجازت بھی عام طور پر نہیں بلکہ اس میں ہی صرف تین مقامات کا استثناء کیا گیا ہے۔ جنگ کی حالت میں اور دوسرے دو مقام ایسے ہیں جن میں صاف گوئی موجب فتنہ ہو۔ اسی لئے مشہور ہے:۔

دروغ مصلحت آمیز بہ از راستی فتنہ انگیز

شافعیہ کے نزدیک یہاں کچھ زیادہ وسعت ہے۔ شیخ محی الدین نوویؒ نے امام غزالیؒ سے نقل کیا ہے کہ اگر کسی اچھے مقصد کے لئے صدق وکذب کے دونوں راستے ہوں تو ظاہر ہے کہ اب کذب بلا حاجت ہو گا اس لئے یہاں جھوٹ بولنا حرام ہے لیکن اگر اس کے حصول کی جھوٹ کے سوا کوئی صورت نہیں تو دیکھنا چاہئے کہ وہ مقصد مباح ہے یا واجب۔ اگر مباح ہے تو یہ جھوٹ بھی مباح رہے گا ورنہ واجب ہو جائے گا مثلاً ایک مسلمان کسی ظالم سے بچ کر کہیں چھپا ہوا ہے تو واجب ہے کہ اس کو اس

ظالم سے بچانے کے لئے جھوٹ بول دیا جائے یہ اس وقت ہے جبکہ توریۃ سے کام نہ چلے ورنہ احتیاط اسی میں ہے کہ توریہ کر لے۔ (مختصر کتاب الاذکار ۱۶۲)

سفیان بن اسید بیان کرتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ فرماتے خود سنا ہے کہ یہ بھی ایک بڑی خیانت کی بات ہے کہ تم اپنے بھائی سے اس طرح کی ذو معنیین باتیں بناؤ کہ وہ تو تم کو سچا سمجھ رہا ہو اور تم اس سے جھوٹ بول رہے ہو۔ (ابوداؤد)

تشریح:۔ نوویؒ فرماتے ہیں کہ توریہ یہ ہے کہ تم ایسا لفظ بولو جو ایک معنی میں ظاہر ہو مگر تم اس کے دوسرے ایسے معنے مراد لے لو جو اگرچہ اس لفظ سے مفہوم تو ہوں مگر اس کے ظاہر معنی کے خلاف ہوں چونکہ یہ بھی ایک قسم کا دھوکا ہے اس لئے حاجت کے بغیر یہ بھی ممنوع ہے۔ تفصیل یہ ہے کہ اگر توریہ کا مقصد کسی کا حق تلف کرنا ہو جب تو یہ حرام ہوگا ورنہ پھر بھی بے حاجت بات ہے اس لئے مکروہ رہے گا اور اگر کسی صحیح مقصد کے لئے ہو تو مباح ہوگا۔ (کتاب الاذکار ص ۱۶۷)

فیہ بات یاد رکھنی چاہئے کہ مبالغہ اگرچہ فی نفسہ کذب میں شمار نہیں مگر جب بے محل اور اپنی حد سے تجاوز کر جائے تو وہ بھی کذب کی تعریف میں آ سکتا ہے مثلاً آپ نے کسی شخص کو صرف ایک بار بلایا ہو اور آپ اس سے یہ کہیں کہ ہم نے تجھے سینکڑوں بار بلایا۔ مگر تو نہیں آیا اب یہاں سینکڑوں بار کا لفظ اگرچہ بطریق مبالغہ ہی استعمال کیا گیا ہے مگر اس موقعہ پر یہ کذب شمار ہوگا۔ اس کو مبالغہ نہیں کہتے۔ امام غزالیؒ فرماتے ہیں کہ اس قسم کے کذب میں عام ابتلاء ہے لہٰذا اس سے بھی احتراز لازم ہے۔ (کتاب الاذکار ص ۱۶۷)

اس حدیث سے معلوم ہوا کہ کذب بھی ایک قسم کی خیانت ہے۔ خیانت صرف ہاتھ کے ساتھ مخصوص نہیں بلکہ انسانی تمام اعضاء کی صفت ہو سکتی ہے۔ ہاتھ کی خیانت ناجائز مال حاصل کرنا، زبان کی خیانت واقع کے خلاف بات زبان سے نکالنا اور آنکھ کی خیانت خلاف شرع نظر اٹھانا ہے آیۃ **یعلم خائنۃ الاعین** میں آنکھ کی اسی خیانت کی طرف اشارہ کیا گیا ہے۔ ایمان جب قلب میں سرایت کر جاتا ہے تو پھر رگ رگ میں امانت سما جاتی ہے اور عضو عضو سے خیانت نکل جاتی ہے۔ جب تک مومن کی رگ و پے میں اس طرح امانت سرایت نہیں کرتی وہ پورا مومن نہیں کہلاتا اسی لئے حدیث میں ہے۔ **لا ایمان لہ لمن لا امانۃ لہٗ۔**

اچانک قتل کرنے سے بچنا

ابو ہریرہؓ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت کرتے ہیں کہ ایمان بے تحقیق اور اچانک قتل کرنے میں مومن کے ہاتھوں کی ہتھکڑی بن جاتا ہے۔ مومن کبھی اچانک قتل کرسکتا ہی نہیں۔ (ابوداؤد)

تشریح:۔ قتل کرنا کوئی کار ثواب نہیں اور اچانک قتل کرڈالنا جس میں گناہ و بے گناہ کی کوئی تحقیق نہ ہو اور ایمان و کفر کی کوئی تمیز نہ ہو یہ تو انتہائی درندگی اور بدترین قسم کی معصیت ہے۔ مومن قتل کے معاملہ میں کبھی جری نہیں ہوتا۔ بعض مرتبہ حالت جنگ میں اس کا دل بے اختیار چاہتا ہے کہ وہ اپنے کافر دشمن کا سر اڑا دے اگرچہ وہ ایک ہزار بار بھی کلمہ اسلام پڑھتا رہے لیکن اس کا ایمان آ کر اس کے ہاتھوں کی قید بن جاتا ہے۔ وہ قتل کرنا چاہے بھی تو وہ ان کو جنبش کرنے نہیں دیتا۔ جب حالت جنگ میں اس کی تلوار اتنی مقید ہے تو عام حالات میں بھلا وہ کہاں بیباک ہوسکتی ہے صحابہ کرام کے جنگی کارنامے پڑھو تو تم کو معلوم ہوگا کہ جہادوں میں جو تلواریں نیام سے نکلنے کے بعد نیام میں جانے نہیں کہتی تھیں جب مسلمانوں میں باہمی جنگ شروع ہوئی تو وہی تلواریں نکالے سے بھی باہر نہ نکلتی تھیں اگر کافر و مسلمان اس ایک حدیث کو بغور پڑھ لیتے تو اسلام کی طرف جوابدہی کے لئے یہی ایک حدیث کافی ہو جاتی۔

مؤمن مرد کا مومنہ بی بی سے بغض نہ رکھنا

ابو ہریرہؓ روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا مرد مؤمن کی یہ شان نہیں کہ وہ اپنی مومنہ بی بی سے بغض رکھے اگر اس کی ایک عادت اسے ناپسند ہوگی تو دوسری پسندیدہ بھی ہوگی۔ (مسلم)

تشریح:۔ حسن معاشرت شریعت میں ایک بہت بڑا باب ہے اور اس میں میاں بی بی کی معاشرت کو خاص طور پر اہمیت حاصل ہے حتیٰ کہ اس کی تحسین و تکمیل کو شریعت نے انسان کے ایمانی کمال کا معیار قرار دیدیا ہے گویا اس سے تغافل برتنا مومن کی شان ہی

نہیں ہو سکتی اور اس کی تسلی کے لئے یہ موثر اور مختصر اصول بتا دیا ہے کہ ایک انسان میں اگر کچھ خوبیاں بھی ہوں تو اس کی برائیاں قابل چشم پوشی ہونی چاہئیں۔ یہی مقتضائے انصاف ہے۔ ایسا کون ہو گا جس میں کوئی برائی نہ ہو۔ پس ایک شوہر کے لئے یہ امر قابل تسلی ہونا چاہئے کہ اس کی بی بی میں کچھ خوبیاں بھی تو ہیں مگر یہ واضح رہے کہ یہ حسن معاشرت اسی حد تک ہے جب تک بی بی مومنہ کا مصداق رہے اگر وہ اس لقب سے نکل کر فاسقہ یا فاجرہ بن چکی ہے تو اس کے احکام اب دوسرے ہیں۔

ایمان کی تکمیل

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا تم میں سے کوئی شخص مومن نہیں ہو سکتا جب تک اس کو اپنے ماں باپ اپنی اولاد اور سب لوگوں سے زیادہ میری محبت نہ ہو۔ (بخاری)

ایک شخص نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے پوچھا کہ

ایمان کیا ہے؟ آپ نے فرمایا کہ جب تم کو اپنے اچھے عمل سے خوشی ہو اور بُرے کام سے رنج اور قلق ہو تو تم مومن ہو۔

مؤمن کون ہے؟

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

قسم اللہ تعالیٰ کی وہ مومن نہیں، قسم اللہ تعالیٰ کی وہ مومن نہیں، قسم اللہ تعالیٰ کی وہ مومن نہیں۔

میں نے کہا یا رسول اللہ کون مومن نہیں؟

آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

وہ آدمی جس کے پڑوسی اس کی شرارتوں اور آفتوں سے خوف زدہ رہتے ہوں۔ (بخاری)

کمال ایمان کی علامات

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ تم جنت میں نہیں جا سکتے جب تک کہ صاحب ایمان نہ ہو جاؤ اور تم پورے مومن نہیں ہو سکتے۔ جب تک کہ تم میں باہمی محبت نہ ہو۔ کیا میں

تم کو ایک ایسی بات نہ بتلا دوں کہ اگر تم اس پر عمل کرنے لگو تو تم میں بھی باہمی محبت پیدا ہو جائے اور وہ بات یہ ہے کہ تم اپنے درمیان سلام کا رواج پھیلاؤ اور اس کو عام کرو (مسلم)

ایمان اور اسلام کا خلاصہ

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا دین نام ہے "خلوص اور وفاداری کا"۔ ہم نے عرض کیا کہ کس کے ساتھ خلوص اور وفاداری؟ ارشاد فرمایا اللہ تعالیٰ کیساتھ' اللہ تعالیٰ کی کتاب کیساتھ' اللہ تعالیٰ کے رسول کیساتھ' مسلمانوں کے سرداروں اور پیشواؤں کے ساتھ اور ان کے عوام کے ساتھ۔ (مسلم)

ایمان کا آخری درجہ

حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جو کوئی تم میں سے کوئی بری اور خلاف شرع بات دیکھے تو لازم ہے کہ اگر طاقت رکھتا ہو تو اپنے ہاتھ سے (یعنی زور اور قوت سے) اس کو بدلنے کی (یعنی درست کرنے کی کوشش کرے) اور اگر اس کی طاقت نہ رکھتا ہو تو پھر اپنی زبان ہی سے اس کو بدلنے کی کوشش کرے اور اگر اس کی بھی طاقت نہ رکھتا ہو تو اپنے دل ہی میں برا سمجھے اور یہ ایمان کا ضعیف ترین درجہ ہے۔ (مسلم)

ایمان کی لذت

جب کسی چیز کی لذت انسان کے دل میں اتر جاتی ہے تو اس کے مقابلہ میں وہ ہر قربانی دینے کیلئے تیار ہو جاتا ہے۔ دنیا کی زندگی میں آئے دن اس کا مشاہدہ ہوتا رہتا ہے۔ کسی کو کرسی کی "چسک" لگتی ہے تو وہ لاکھوں روپے الیکشنوں میں پھونک دیتا ہے۔ کسی کو دولت کی "لت" لگتی ہے تو وہ ہر آرام اور راحت کو خیر آباد کہہ کہ صرف اور صرف "روپیہ" کے حصول میں سرگرداں نظر آتا ہے اور راستہ کی ہر تکلیف کو ہنسی خوشی گوارا کر لیتا ہے اور کتنی ہی اسے مشقت اٹھانی پڑے مگر وہ اپنے راستہ سے ہٹنا گوارا نہیں کرتا۔ کچھ اسی طرح بلکہ اور آگے کا معاملہ ایمان کی لذت کا بھی ہے کہ جب ایمان کی چاشنی اور حلاوت کسی کو نصیب

ہو جاتی ہے تو پھر وہ اس حلاوت اور لذت کو ایک سیکنڈ کیلئے بھی اپنے سے جدا کرنا برداشت نہیں کرتا اور اس کی نظر میں یہی چیز تمام دنیا اور اس کی دولت سے زیادہ قیمتی بن جاتی ہے۔

حضرت عبداللہ بن حذافہ رضی اللہ عنہ بھی ایک صحابی ہیں۔ ایک مرتبہ سیدنا حضرت فاروق اعظم رضی اللہ عنہ کے زمانہ میں آپ روم کی طرف سفر جہاد میں تشریف لے گئے۔ اتفاق سے رومیوں نے آپ کو لشکر سمیت گرفتار کر لیا اور آپ کو پکڑ کر اپنے بادشاہ کے پاس لے گئے اور تعارف کرایا کہ یہ شخص آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے صحابہ میں سے ہے۔ نصرانی بادشاہ نے نصرانیت قبول کرنے کی پیشکش کی کہ اگر آپ اسے مان لیں تو میں اپنی حکومت میں آپ کو شریک کر لوں گا۔ بادشاہ کی پیشکش پر حضرت عبداللہ بن حذافہ رضی اللہ عنہ نے بڑی بے نیازی اور جرأت سے جواب دیا کہ:

''اگر آپ ساری دولت اور عرب کے تمام خزانے مجھے دیکر یہ چاہیں کہ میں پلک جھپکنے کے بقدر بھی اپنے آقا محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے دین سے پھر جاؤں تو یہ ہرگز نہیں ہوسکتا''۔

بادشاہ نے کہا پھر میں آپ کو جان سے مار ڈالوں گا۔ حضرت عبداللہ رضی اللہ عنہ نے جواب دیا کہ ''آپ جانیں'' چنانچہ بادشاہ نے آپ کو سولی پر لٹکانے کا حکم دیا اور تیر اندازوں کو ہدایت دی کہ وہ آپکے ہاتھ پیر کے قریب قریب تیر چلاتے رہیں (تاکہ آپ کو دہشت زدہ کردیں) اس درمیان آپ پر نصرانیت قبول کرنے کا زور ڈالا جاتا رہا۔ مگر آپ برابر انکار کرتے رہے اور سولی اور تیر اندازی سے قطعاً مرعوب نہ ہوئے۔ پھر آپ کو سولی پر سے اتار دیا گیا اور بادشاہ نے ایک دیگچے میں پانی گرم کرنے کا حکم دیا۔ جب پانی خوب گرم ہوگیا تو بادشاہ نے ایک مسلمان قیدی کو بلوا کر دیگچے میں ڈلوا دیا منٹوں میں وہ جل بھن کر سیاہ ہوگیا۔ پھر حضرت عبداللہؓ سے نصرانیت اختیار کرنے کی درخواست کی۔ حضرت نے انکار کیا تو بادشاہ نے آپ کو بھی کھولتے ہوئے پانی میں ڈالنے کا حکم دے دیا۔ جب آپ کو دیگچے کی طرف لے جایا جانے لگا تو آپ رونے لگے۔ بادشاہ نے سمجھا کہ شاید اب موت سے ڈر کر آپ اسلام چھوڑ دیں گے۔ اس لئے آپ کو واپس بلایا اور نصرانیت کی دعوت دی۔ مگر حضرت نے صاف انکار کر دیا۔ بادشاہ نے پوچھا کہ ''پھر آپ کیوں رو رہے تھے'' اس پر

حضرت عبداللہ نے جو جواب دیا وہ اسلام کی روشن تاریخ میں آب زر سے نقش ہوگیا۔ ملاحظہ کیجئے۔اورایک صحابی رسول کی ایمانی قوت پر سر دھنئے۔آپ نے برملا فرمایا:

''مجھے اس پر رونا آرہا ہے کہ آج میرے پاس ایک ہی جان ہے جو اللہ کی راہ میں جلائے جانے کو تیار ہے۔کاش کہ میرے بدن کے ہر ہر بال میں ایک ایک جان ہوتی اور ان سب کو اللہ کی راہ میں اسی طرح جلایا جاتا''۔

اس مضبوط ایمان کو دیکھ کر نصرانی بادشاہ کا دل نرم ہوگیا اور اس نے کہا کہ اگر آپ میری پیشانی چوم لیں تو میں آپ کو رہا کرسکتا ہوں۔حضرت عبداللہ نے فرمایا کہ سارے مسلمان قیدیوں کی رہائی کے عوض میں آپ کی شرط مان سکتا ہوں اور جب بادشاہ نے سب مسلمان قیدیوں کی رہائی کا یقین دلایا تو حضرت عبداللہ نے بادشاہ کی پیشانی کا بوسہ لے کرے پورے لشکر کو چھڑا لیا اور امیر المومنین حضرت عمرؓ کی خدمت اقدس میں حاضر ہوکر پورا واقعہ بیان کیا۔حضرت عمرؓ کو اتنی مسرت ہوئی کہ فرمایا کہ ہر مسلمان پر لازم ہے کہ وہ حضرت عبداللہ کی پیشانی چومے۔پھر خود آگے بڑھ کر اپنے مبارک ہونٹ حضرت عبداللہ بن حذافہؓ کی پیشانی پر رکھ دیا۔(شعب الایمان)

اس واقعہ سے حضرات صحابہ رضی اللہ عنہم کی ایمانی قوت کا اندازہ لگایا جاسکتا ہے۔یہ قوت اسی لئے تھی کہ وہ ایمان کی لذت وحلاوت سے پوری طرح آشنا ہوچکے تھے۔آج ضرورت ہے کہ ہر مسلمان اس لذت وحلاوت سے آشنا ہو،یہ ہماری بنیادی ضرورت ہے جس کے حصول کیلئے ہر ممکن کوشش کرنی چاہئے۔آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے تین باتوں کو ایمانی حلاوت کے حصول کی علامت قرار دیا ہے۔

(۱) انسان کی نظر میں اللہ اور اس کے رسول کی ذات کائنات کی ہر چیز سے زیادہ محبوب اور پسندیدہ ہوجائے۔(جس کا تقاضا یہ ہے کہ وہ کوئی کام اللہ اور اس کے رسول کی مرضی کے خلاف نہ کرے)

(۲) وہ اپنے مسلمان بھائیوں سے خداواسطے کا بے لوث تعلق رکھے۔

(۳) اور وہ اپنے لئے کفر کو اسی طرح ناپسند کرے،جیسے آگ میں جلنے کو ناپسند سمجھتا ہے۔(مسلم شریف)

حضرات صحابہ رضی اللہ عنہم میں یہ تینوں علامتیں کامل طریقہ پر موجود تھیں اور آج کے معاشرہ میں ان تینوں باتوں سے لاپروائی برتی جارہی ہے۔ ہم میں سے ہر شخص خود اپنے گریبان میں منہ ڈال کر جائزہ لے کہ وہ ان علامتوں پر کہاں تک پورا اترتا ہے اور کہاں تک کوتاہی کر رہا ہے؟ اللہ تعالیٰ ہمیں خود احتسابی کی توفیق عطا فرمائے۔ آمین۔ (ندائے شاہی)

تین باتوں پر ایمان کی مٹھاس

حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ:

ثَلاثٌ مَنْ كُنَّ فِيْهِ وَجَدَ حَلاوَةَ الْاِيْمَانِ اَنْ يَكُوْنَ اللّٰهُ وَرَسُوْلُهٗ اَحَبَّ اِلَيْهِ مِمَّا سِوَاهُمَا وَاَنْ يُّحِبَّ الْمَرْءَ لَا يُحِبُّهٗ اِلَّا لِلّٰهِ الخ. (بخاری ومسلم)

ترجمہ: تین باتیں ایسی ہیں کہ جس شخص میں یہ تین باتیں پائی جائیں گی تو اس شخص کو ایمان کی مٹھاس محسوس ہونے لگے گی۔ (۱) اسے اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی محبت ان دونوں کے ماسوا سے زیادہ ہو۔ (۲) وہ شخص جس مسلمان سے بھی محبت کرے وہ محبت پورے خلوص کے ساتھ صرف اللہ تعالیٰ کے لئے ہو (۳) مسلمان ہو جانے کے بعد پھر کفر کی طرف لوٹنا اسے ایسا ہی ناگوار اور بُرا لگے جیسے اسے یہ بات ناگوار ہوتی ہے کہ اسے دوزخ کی آگ میں ڈال دیا جائے۔

تشریح: حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کی یہ حدیث بھی ان احادیث میں شامل ہے جن حدیثوں میں آپ نے نہایت جامع اور مختصر انداز میں پوری تعلیماتِ دین کو سمو دیا ہے۔ گویا دریا کو کوزہ میں بند فرما دیا ہے۔ ایسی ہی احادیث کے لئے آپ نے فرمایا ہے اُوْتِيْتُ جَوَامِعَ الْكَلِمِ یعنی اللہ کی جانب سے مجھے ''جامع کلمات'' عطا فرمائے گئے ہیں۔

چنانچہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس حدیث میں تین باتوں کی تعلیم دی ہے اور ان کی تعلیم کے لئے عجیب وغریب انداز اختیار فرمایا ہے کہ یہ تین باتیں ایسی ہیں کہ جس شخص میں یہ تینوں باتیں پائی جاتی ہوں گی اسے ایمان کی مٹھاس کا ذائقہ مل جائے گا۔ وہ تین باتیں یہ ہیں۔

۱- یہ کہ اللہ ورسول اسے ان دونوں کے سوا ہر چیز سے زیادہ محبوب ہوں، اسے سب سے زیادہ محبت اللہ ورسول سے ہو۔

۲- یہ کہ وہ شخص جس مسلمان سے بھی محبت رکھے وہ محبت صرف اللہ واسطے کی ہونی چاہئے اور کوئی غرض نہ ہو۔

۳- یہ کہ ایمان واسلام کے بعد حالت کفر کی طرف لوٹنا اسے ایسا ہی ناگوار ہو جیسے یہ بات اسے ناگوار ہے کہ اسے دوزخ کی آگ میں ڈال دیا جائے۔

ویسے حقیقت میں تو تینوں باتیں اللہ تعالیٰ ہی کے فضل وعطا سے ملتی ہیں لیکن اللہ تعالیٰ ہی کا یہ فضل وعطا بھی ان اسباب سے وابستہ ہے (۱) ہر مسلمان کو اس بات کا علم ہونا چاہئے کہ اللہ تعالیٰ کی مرضیات اور اس کے احکام کیا کیا ہیں جن پر عمل کرنا ضروری ہے۔ اور اس کی ناپسند اور ممنوع وحرام چیزیں کیا ہیں جن سے پرہیز کرے۔ (۲) ہر مسلمان اپنے ایمان میں قوت پیدا کرنے اور اعمال صالحہ کی کثرت کا اہتمام کرے۔ (۳) کفر کے جو آثار اور اس کی جو نحوستیں ہیں ان کی پہچان ہونا چاہئے کہ ان کی وجہ سے ظلم وشر اور فتنہ وفساد پیدا ہوتا ہے جس کا نتیجہ آخرت کا نقصان ہے۔

صاحب ایمان کے اخلاق

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

ایماندار آدمی کے اخلاق یہ ہیں،

دینداری کی باتوں میں سخت ہوتا ہے۔

جب لوگوں کے ساتھ معاملہ کرنے میں نرمی کا برتاؤ کرتا ہے تو نرمی کے ساتھ ہوشیار بھی رہتا ہے۔

خدا کی وحدانیت پر ایمان لاتا اور اس پر یقین رکھتا ہے علم کے حاصل کرنے میں حریص ہوتا ہے۔

اگر وہ کسی کے ساتھ دشمنی کرے تو مہربان دشمن ہوتا ہے۔

اگر اس کو علم ہو تو علم کے ساتھ اس میں حلم بھی ہوتا ہے۔

اگر وہ دولت مند ہو تو خرچ کرنے میں میانہ روی اختیار کرتا ہے۔

اگر وہ فاقہ سے ہو تو صبر کرتا ہے۔

لالچ سے دور رہتا ہے۔

حلال روزی کی تلاش کرتا ہے۔
نیکی کا کام استقلال کے ساتھ کرتا ہے۔
ہدایت کی باتیں حاصل کرنے میں چوکنا اور پھرتیلا ہوتا ہے نفسانی جذبات سے کبھی نہیں دبتا۔
مصیبت زدوں پر مہربان ہوتا ہے۔
اگر کوئی آدمی اس سے کینہ رکھتا ہو تو اس پر ظلم نہیں کرتا۔
اگر وہ کسی کے ساتھ دوستی رکھتا ہو تو اس دوست کی خاطر گناہ میں مبتلا نہیں ہوتا۔
اگر کوئی آدمی اس کے پاس امانت رکھوائے تو وہ امانت میں خیانت نہیں کرتا۔
نہ وہ حسد کرتا ہے نہ کسی پر طعن کرتا ہے نہ لعنت کرتا ہے۔
وہ حق بات کا فوراً اقرار کرتا ہے اگرچہ کوئی آدمی اس پر گواہی نہ دے۔
وہ لوگوں کے بُرے نام رکھ کر ان کو نہیں پکارتا۔
نماز عجز و نیاز کے ساتھ پڑھتا ہے۔
جب مصیبتیں پیش آئیں تو ان سے نجات پانے میں جلدی کرتا ہے۔
جب آسودگی اور فراغت کا زمانہ ہو تو وہ سنجیدہ اور متین رہتا ہے جو کچھ خدا اس کو دیتا ہے اس پر قانع اور شکر گزار ہوتا ہے۔
جو چیز اس کی نہیں ہے اس کا دعویٰ نہیں کرتا۔
غصہ میں اپنے آپے سے باہر نہیں ہوتا۔
نیکی کے کاموں میں فیاضی سے کام لیتا ہے اور بخل کبھی نہیں کرتا۔
لوگوں سے اس لئے ملتا ہے کہ جو بات وہ نہیں جانتا اس کو جان جائے۔
لوگوں سے گفتگو اس لئے کرتا ہے کہ جو بات حق ہو اس کی سمجھ میں آجائے۔
اگر کوئی اس کو ستاتا ہے تو وہ صبر کرتا ہے یہاں تک کہ خدا اس کی مدد کرے۔ (رواہ الحکیم)

خالص ایمان

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:
خالص ایمان اس شخص میں ہے جو خدا ہی کے لئے دوستی کرتا اور خدا ہی کیلئے دشمنی کرتا

ہے اور جب کوئی آدمی ایسا کرتا ہے تو وہ خدا کی دوستی کا حق دار ہو جاتا ہے کیونکہ خدا فرماتا ہے کہ میرے بندوں میں سے وہ لوگ میرے دوست ہیں جن کا ذکر میرے ذکر کے ساتھ ہوتا ہے اور ان کے ذکر کے ساتھ میرا ذکر ہوتا ہے۔ (رواہ الامام احمد فی المسند - بحوالہ "ایک ہزار احادیث)

ایمان کی قدر اور حقوق العباد

فیصلہ کا دن

حضرت زبیر رضی اللہ عنہ نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے پوچھا کہ یا رسول اللہ! کیا جو جھگڑے ہمارے دنیا میں تھے وہ دوبارہ وہاں قیامت میں دہرائے جائیں گے۔ آپؐ نے فرمایا ہاں وہ ضرور دہرائے جائیں گے اور ہر شخص کو اس کا پورا پورا بدلہ دلوایا جائے گا ایک حدیث میں ہے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں سب سے پہلے پڑوسیوں کے آپس کے جھگڑے پیش ہوں گے اور ایک حدیث میں ہے کہ اس ذات پاک کی قسم جس کے ہاتھ میں میری جان ہے کہ سب جھگڑوں کا فیصلہ قیامت کے دن ہوگا۔ یہاں تک کہ دو بکریاں جو لڑی ہوں گی اور ایک نے دوسرے کو سینگ مارے ہوں گے ان کا بدلہ بھی دلوایا جائے گا۔

ایک اور حدیث میں ہے کہ دو بکریوں کو آپس میں لڑتے دیکھ کر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت ابوذرؓ سے دریافت فرمایا کہ جانتے ہو یہ کیوں لڑ رہی ہیں۔ حضرت ابوذرؓ نے جواب دیا یا رسول اللہ! مجھے کیا خبر۔ آپ نے فرمایا ٹھیک ہے لیکن اللہ تعالیٰ کو اس کا علم ہے اور وہ قیامت کے دن ان دونوں میں انصاف کریگا۔

حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما کا قول ہے کہ ہر سچا جھوٹے سے، ہر مظلوم ظالم سے، ہر ہدایت یافتہ گمراہی میں مبتلا ہونے والے سے، ہر کمزور زورآور سے اس روز جھگڑے گا۔

اور فرمایا کہ لوگ قیامت کے دن جھگڑیں گے یہاں تک کہ روح اور جسم کے درمیان بھی جھگڑا ہوگا۔ روح تو جسم کو الزام دے گی کہ تو نے یہ سب برائیاں کیں اور جسم روح سے کہے گا کہ ساری چاہت اور شرارت تیری ہی تھی۔ ایک فرشتہ ان میں فیصلہ کرے گا وہ کہے گا سنو ایک آنکھوں والا انسان ہے لیکن اپاہج بالکل لولا لنگڑا چلنے پھرنے سے

معذور دوسرا ایک آدمی اندھا ہے لیکن پیر اس کے سلامت ہیں چلتا پھرتا ہے یہ دونوں ایک باغ میں ہیں۔ لنگڑا اندھے سے کہتا ہے بھائی یہ باغ تو میووں اور پھلوں سے لدا ہوا ہے لیکن میرے تو پاؤں نہیں ہیں جو میں چل کر یہ پھل توڑلوں اندھا جواب دیتا ہے آؤ میرے پاؤں ہیں میں تجھے اپنی چڈھی پر چڑھا لیتا ہوں اور لے چلتا ہوں چنانچہ یہ دونوں اس طرح پہنچے اور خوب مرضی کے مطابق باغ سے پھل توڑے۔ بتلاؤ کہ ان دونوں میں مجرم کون ہے؟ جسم روح دونوں جواب دیں گے کہ جرم دونوں کا ہے۔ فرشتہ کہے گا کہ بس اب تو تم نے اپنا فیصلہ آپ کر دیا یعنی جسم گویا سواری ہے اور روح اس پر سوار ہے۔

صحیح بخاری شریف میں حضرت ابو ہریرہؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ جس شخص کے ذمہ کسی کا حق ہے اس کو چاہئے کہ دنیا ہی میں اس کو ادا یا معاف کرا کر حلال ہو جائے کیونکہ آخرت میں درہم اور دینار تو ہوں گے نہیں اگر ظالم کے پاس کچھ اعمال صالحہ ہیں تو بمقدار ظلم یہ اعمال صالحہ اس سے لے کر مظلوم کو دے دیئے جاویں گے اور اگر اس کے پاس حسنات نہیں ہیں تو مظلوم کی برائیاں اور گناہوں کو اس سے لے کر ظالم پر ڈال دیا جائے گا۔ (العیاذ باللہ تعالیٰ)

ایمان بڑی دولت ہے

قیامت میں سارے نیک اعمال مظالم اور حقوق العباد کے بدلے میں مظلوموں کو دے دیئے جائیں گے مگر ایمان نہیں دیا جائے گا جب ظالم کے تمام اعمال صالحہ علاوہ ایمان کے سب مظلوموں کو دے کر ختم ہو جائیں گے اور صرف ایمان رہ جائے گا تو ایمان اس سے سلب نہیں کیا جاوے گا بلکہ مظلوموں کے گناہ اس پر ڈال کر حقوق کی ادائیگی کی جائے گی جس کے نتیجہ میں یہ گناہوں کا عذاب بھگتنے کے بعد بالآخر کبھی نہ کبھی جنت میں داخل ہو جائے گا اور پھر یہ حال اس کا دائمی ہوگا۔ اللہ اکبر! یہ ہے ایمان کی قدر و قیمت مگر افسوس کہ آج اس بے دینی کے زمانہ میں ہر چیز قابل وقعت اور قابل قدر ہے۔ اگر نہیں ہے تو ایمان صادق کی کچھ وقعت اور پروا نہیں۔ الا ماشاء اللہ اور ابھی کیا ہے اللہ تعالیٰ ہمیں وہ وقت نہ دکھلائیں جب کہ کفر اتنا سستا ہو جائے گا کہ صبح کو آدمی مسلمان ہوگا تو شام کو کافر ہو جائے گا اور شام کو

مسلمان ہوگا تو صبح کو کافر ہوگا۔ معمولی سے دنیوی نفع کے عوض دین کو فروخت کر دے گا جیسا کہ مشکوٰۃ شریف کی ایک حدیث میں بروایت مسلم بتلا دیا گیا ہے۔ (العیاذ باللہ) مشکوٰۃ شریف ہی کی ایک دوسری حدیث بروایت ابی داؤد میں وارد ہے کہ قیامت کے قریب ایسے سخت فتنے برپا ہوں گے جیسا اندھیری رات کے ٹکڑے صبح کو آدمی ان میں مسلمان ہوگا شام کو کافر شام کو مسلمان ہوگا صبح کو کافر۔ ان میں بیٹھنے والا آدمی کھڑے ہونے والے سے بہتر ہے اور کھڑا ہونے والا چلنے والے سے بہتر ہے۔ اس وقت اپنے گھروں کے ٹاٹ بن جانا۔ یعنی ٹاٹ کی طرح گھر کے ایک کونے میں پڑے رہنا (الاعتدال فی مراتب الرجال)

حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے:

کہ میں دیکھ رہا ہوں کہ اسلام میں فوجیں کی فوجیں داخل ہو رہی ہیں۔ لیکن ایک زمانہ ایسا آنے والا ہے کہ اسی طرح فوجیں کی فوجیں اسلام سے خارج ہونے لگیں گی۔ (العیاذ باللہ تعالیٰ) اللہ پاک ایسے وقت سے ہمیں بچائیں اور اسلام پر قائم رکھیں اور ایمان پر موت نصیب فرمائیں۔

ایمان کی تازگی پر مرنے والا

طارق بن شہاب رحمۃ اللہ علیہ سے منقول ہے کہ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا ''اس آدمی کے لئے خوشخبری ہے جو ''النانات'' میں فوت ہوا'' عرض کیا گیا النانات کیا ہے؟ فرمایا ایمان کی تازگی۔ (انمول موتی ج ۶)

تقدیر پر ایمان

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: تم میں کوئی شخص مومن نہ ہوگا جب تک کہ تقدیر پر ایمان نہ لائے، اُس کی بھلائی پر بھی اور اُس کی برائی پر بھی یہاں تک کہ یہ یقین کر لے کہ جو بات واقع ہونے والی تھی وہ اس سے ہٹنے والی نہ تھی اور جو بات اس سے ہٹنے والی تھی وہ اس پر واقع ہونے والی نہ تھی۔ (ترمذی)

ایمان کا ذائقہ چکھنے والا

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: تین کام ایسے ہیں کہ جو شخص ان کو کرے گا

ایمان کا ذائقہ چکھے گا۔ صرف اللہ کی عبادت کرے اور یہ عقیدہ رکھے کہ سوا اللہ کے کوئی عبادت کے لائق نہیں اور اپنے مال کی زکوٰۃ ہر سال اس طرح دے کہ اس کا نفس اس پر خوش ہو اور اس آمادہ کرتا ہو۔ (یعنی اُس کو روکتا نہ ہو) (حیات المسلمین)

کمال ایمان

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: ''تم میں سے کوئی مؤمن نہیں ہو سکتا جب کہ میں اس کی نظر میں اپنے والد سے اپنی اولاد سے اور تمام انسانوں سے زیادہ محبوب نہ ہوں۔'' (بخاری و مسلم)

ایمان کی تکمیل

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: ''جو شخص اللہ ہی کے لئے (کسی دوسرے سے) محبت کرے، اللہ ہی کے لئے (اس کے دشمنوں سے) بغض رکھے، اللہ ہی کے لئے خرچ کرے اور اللہ کے لئے خرچ کو روکے تو اس کا ایمان مکمل ہے۔'' (ابوداؤد، مشکوٰۃ)

ایمان کی حلاوت

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: ''تین چیزیں ایسی ہیں کہ جس شخص میں بھی پائی جائیں گی وہ ایمان کی حلاوت محسوس کرے گا، ۱۔ ایک یہ کہ اس شخص کو اللہ اور اس کا رسول صلی اللہ علیہ وسلم دوسری ہر چیز سے زیادہ محبوب ہو۔ ۲۔ دوسری یہ کہ وہ کسی (اللہ کے) بندے سے محبت کرے اور محبت صرف اللہ کے لئے ہو۔ ۳۔ تیسرے یہ کہ اسے کفر سے نجات حاصل کرنے کے بعد دوبارہ اس کی طرف لوٹنا ایسا بُرا لگتا ہو جیسے وہ آگ میں جھونکے جانے کو بُرا سمجھتا ہے۔'' (بخاری و مسلم)

ایمان کا مزہ پانے والا

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: ''وہ شخص ایمان کا مزہ چکھ لے گا جو اللہ کو پروردگار سمجھ کر، اسلام کو (اپنا) دین قرار دے کر اور محمد صلی اللہ علیہ وسلم کو رسول یقین کر کے راضی ہو گیا ہو۔'' (مسلم)

کمال ایمان کی علامات

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ تم جنت میں نہیں جاسکتے جب تک کہ صاحب ایمان نہ ہو جاؤ اور تم پورے مومن نہیں ہو سکتے۔ جب تک کہ تم میں باہمی محبت نہ ہو۔ کیا میں تم کو ایک ایسی بات نہ بتلادوں کہ اگر تم اس پر عمل کرنے لگو تو تم میں بھی باہمی محبت پیدا ہو جائے اور وہ بات یہ ہے کہ تم اپنے درمیان سلام کا رواج پھیلاؤ اور اس کو عام کرو۔ (مسلم)

ایمان وحیاء

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: حیاء اور ایمان دونوں ساتھی ہیں۔ اگر ان میں سے ایک نعمت جائے تو دوسری نعمت بھی سلب ہو جاتی ہے۔ (شعب الایمان للبیہقیؒ)

ایماندار اور دولت

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: دنیا یعنی دنیا کی دولت کو بُرا مت کہو۔ کیونکہ ایماندار آدمی اسی کے ذریعہ سے بھلائی حاصل کرتا اور بُرائی سے بچتا ہے۔ (رواہ الدیلمی وابن النجار)

ایمان کامل ہونے کی شرائط

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: کسی انسان کا ایمان کامل نہیں ہوتا۔ جب تک کہ اس کے اخلاق اچھے نہ ہوں اور جب تک کہ وہ اپنے غصہ کو دباتا نہ ہو اور جب تک کہ لوگوں کے واسطے وہی بات نہ چاہتا ہو، جو اپنے لئے چاہتا ہے، کیونکہ اکثر آدمی بہشت میں داخل ہو گئے ہیں اور ان کا کوئی نیک عمل اس کے سوا نہیں تھا کہ وہ مسلمانوں کی بھلائی دل سے چاہتے تھے۔ (ابن عدی وابن شاہین والدیلمی)

کمال ایمان

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: مسلمانوں میں سب سے زیادہ کامل ایمان وہ لوگ رکھتے ہیں جن کے اخلاق پاکیزہ ہوں اور فروتنی اور تواضع سے جھکے رہتے ہیں اور وہ

لوگوں سے ملتے ہیں اور لوگ ان سے ملتے ہیں۔ جو لوگوں سے نہیں ملتے اور لوگ ان سے نہیں ملتے ان میں کوئی بھلائی نہیں۔ (رواہ الطبرانی فی الاوسط)

ایمان کی حفاظت کی دعا

امام احمدؒ مزید فرماتے ہیں کہ اگر کوئی شخص نماز فجر اور صبح کے درمیان ۴۰ مرتبہ "یا حی یاقیوم یا بدیع السموات والارض یاذالجلال والاکرام یاالله لااله الا انت اسئالک ان تحیی قلبی بنور معرفتک یا ارحم الراحمین" پڑھ لیا کرے تو اللہ پاک اس دن جس دن کے تمام لوگوں کے قلوب مردہ پژدہ ہو جائیں گے زندہ رکھیں گے۔ (سرالاسرار)

ایمان کی حفاظت کیلئے ایک وظیفہ

"ابن عمرؓ کہتے ہیں کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ جو شخص یہ خواہش رکھتا ہو کہ اللہ تعالیٰ قیامت تک اس کے ایمان کی حفاظت فرماتے رہیں تو وہ اپنا معمول یہ بنالے کہ روزانہ کسی سے گفتگو سے پہلے مغرب کی سنتوں کے بعد دو رکعت اس طریقے سے پڑھے کہ ہر رکعت میں ایک مرتبہ سورہ فاتحہ اور قل اعوذ برب الفلق اور قل اعوذ برب الناس اور پھر دو رکعت پڑھنے کے بعد سلام پھیر دے تو اللہ تعالیٰ قیامت کے دن تک اس کے ایمان کی حفاظت فرماتے رہیں گے۔ راوی کہتے ہیں یہ بہت بڑا فائدہ ہے"۔ (کتاب البنان)

امام نفسی علیہ الرحمہ نے اس حدیث کو سند طویل کے ساتھ نقل فرما کر یہ اضافہ بھی ذکر فرمایا ہے کہ ان تمام سورتوں کے ساتھ سورہ اخلاص سے قبل انا انزلناه فی لیلة القدر بھی پڑھ لے۔ نیز سلام پھیرنے کے بعد ۱۵ مرتبہ سبحان اللہ پڑھ کر ذیل کی دعا پڑھنے سے اللہ تعالیٰ ایمان کے چھن جانے سے محفوظ رکھیں گے اور یہ سب سے بہترین فائدہ ہے۔

"اللهم انت العالم مااردت بهاتين الركعتين اللهم اجعلهما لی ذخرا یوم لقائک اللهم احفظ بهما دینی فی حیاتی وعند مماتی وبعد وفاتی"

اللہ تعالیٰ کا اہل ایمان کو خطاب

خطیب الامت حضرت مولانا سید ابرار احمد صاحب رحمہ اللہ اپنے خطاب میں فرماتے ہیں۔

حضرت عبداللہ ابن مسعود رضی اللہ عنہ کا ارشاد ہے فرماتے ہیں کہ جب یٰۤاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا کا خطاب قرآن کریم پڑھنے والا پڑھے اور سننے والا سنے تو سنبھل کر بیٹھ جائے کہ احکم الحاکمین اس سے خطاب فرما رہے ہیں وہ کوئی معمولی ذات نہیں ہے۔

یہود کو خطاب ایہا المساکین سے

یہود کو توراۃ میں ایہا المساکین سے خطاب کیا گیا اور اس امت کو مومنین سے خطاب کیا گیا' انہیں مساکین سے خطاب کرنے کا اثر یہ مرتب ہوا کہ ضُرِبَتْ عَلَیْهِمُ الذِّلَّةُ وَالْمَسْكَنَةُ کہ ان پر ذلت و مسکنت ماردی گئی لوگوں کے قلوب میں ان کا احترام نہیں ہے' دولتیں چاہے وہ جتنی ہی اکٹھی کرلیں' دنیوی حیثیتیں جتنی وہ اپنی قائم کرلیں مگر لوگوں کے قلوب میں ان کی کوئی وقعت موجود نہیں ہے بلکہ قلوب اس سے عاری اور منکر ہیں اور ایک قسم کی نفرت اہل اسلام کے اذہان میں بھی اور غیروں کے ذہنوں میں بھی جمی ہوئی ہے تو اس کا اثر یہ ہوا اور مومنین سے خطاب ہے یٰۤاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا کے ساتھ۔

حق تعالیٰ نے جس طرح سے اپنے فضل وکرم سے اس عالم میں شرف ایمان نصیب فرمایا ان شاء اللہ میدان حشر میں بھی ایمان ہی کے ساتھ خطاب فرمائیں گے' اس کی ہمیں اس ذات عالی سے امید رکھنا چاہئے۔

اعظم گڑھ میں ایک مرتبہ شبلی جوبلی منائی گئی' اس میں ہندوستان کے مشاہیر واکابر کو دعوت دی گئی تھی ہمارے حکیم الاسلام مولانا قاری محمد طیب صاحب نوراللہ مرقدہ کو بھی اس

میں بلایا گیا تھا اور ہر ایک کو عنوان دیا گیا تھا کہ فلاں فلاں عنوان پر بات کرنی ہے۔ حضرت حکیم الاسلام مولانا قاری محمد طیب صاحب نور اللہ مرقدہ کو عنوان دیا گیا' اسلام نے دنیا کو امن وسلامتی کا پیغام دیا۔ حضرت نے بیٹھنے کے بعد ارشاد فرمایا کہ امن کا لفظ خود ایمان کے اندر موجود ہے اور سلامتی اسلام کے اندر موجود ہے تو امن وسلامتی خود ایمان و اسلام کے نام سے نمایاں' واضح اور روشن ہے پھر فرمایا کہ تقریر کیلئے جو عنوان دیا گیا ہے وہ ناتمام ہے اس لئے اسلام نے دنیا کو صرف امن وسلامتی کا پیغام ہی نہیں دیا بلکہ مکمل پروگرام بھی دیا ہے اور ظاہر بات ہے کہ صرف پیغام دیا جائے پروگرام نہ دیا جائے تو پریشانی ہوگی مثلاً ہم آپ کو دعوت دیں کہ آپ کسی وقت ترکیسر تشریف لائیں مگر پروگرام نہ بتائیں تو آپ کو تشویش ہوگی کہ کس مہینہ میں کس ہفتہ میں کس دن جانا ہے تو فطری طور پر انسان پیغام بھی چاہتا ہے اور پروگرام بھی چاہتا ہے تو اسلام نے دنیا کو امن وسلامتی کا پیغام ہی نہیں دیا بلکہ مکمل پروگرام بھی دیا اور بتایا کہ اس عالم میں بھی اور اس عالم میں بھی ایمان واسلام کے ساتھ امن وسلامتی وابستہ ہے۔ بہر حال بنیادی چیز ایمان ہے۔

ایمان اساس ہے

ایمان بہت بڑی چیز ہے نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اسی ایمان کی حقیقت پیدا کرنے کی کوشش کی اور اس کی بالکل ایسی مثال ہے جو میں اکثر دیا کرتا ہوں کہ کسی آدمی کے گھر کے سامنے درخت ہو جو بالکل سوکھ گیا ہو پتیوں میں جان نہیں تنے میں تناؤ نہیں اس کی شاخوں میں بناؤ سنگھار نہیں بالکل مردہ ہو چکا ہو۔ اس درخت میں جان پیدا کرنے کا آسان طریقہ یہ ہے کہ بجائے ہر پتی پر پانی ڈالنے کے جڑ میں پانی ڈالا جائے جب جڑوں میں پانی ڈالیں گے تو جڑ سے وہ پانی تنہ میں پہنچے گا اور تنے کے تنے کے بعد شاخیں بنیں گی پھر پتیاں پھوٹیں گی ٹھیک اسی طرح نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے نبوت کے بعد انسانیت پر نگاہ ڈالی تو دیکھا کہ یہ سوکھا ہوا درخت ہے' اعمال واخلاق بھی چوپٹ اور افعال و اقوال بھی چوپٹ' سب نظام مختل ہے اور ایسی بگڑی انسانیت کو سدھارنے کی ضرورت ہے۔

ایمان اساسی اور فطری چیز ہے' دیکھئے! ایمان چوبیس گھنٹے آپ کے ساتھ ہے آدمی جاگتا

ہے تب بھی مومن اور سوتا ہے تب بھی مومن ایسا تو نہیں کہ سونے کے بعد کافر ہو جاتا ہو اگر سونے کے بعد کافر ہو جائے تو اس کی بیوی رخصت ہو جائے گی اس کو مفتیوں کے پاس دوڑنا پڑے گا وہ جاگتا تھا تب بھی شوہر تھا اور سونے کے بعد اٹھا ہے تب بھی شوہر ہے چاہے حسبان وگمان کچھ بھی ہو تو ایمان اور توحید ہر وقت ساتھ ہے اور میں اس کو ایک مثال سے سمجھاتا ہوں۔ دیکھئے! مثلاً آپ جب شام کے وقت اپنی دکان بند کرتے ہیں تو مختلف سامانوں کو سمیٹتے ہیں اور چھوٹی صندوقوں کو بڑی میں اور پھیلی ہوئی چیزوں کو ایک جگہ کرتے ہیں اس طرح سارا انظام مرتب کرنے کے بعد دروازہ پر تالا لگا دیتے ہیں اور چابی اپنی جیب میں رکھ لیتے ہیں تو جتنے اعمال واخلاق کے صندوق اور ڈبے ہیں ان تمام کی کنجی توحید وایمان ہے جو چوبیس گھنٹے آدمی کے پاس موجود ہے اور کنجی کا قبضہ میں ہونا درحقیقت ساری دکان کا قبضہ میں ہونا ہے۔ اہل سنت والجماعت کا عقیدہ یہ ہے کہ ساری زندگی کا کافر یا یہودی یا مجوسی ہوش وحواس سالم ہونے کی حالت میں مرنے سے ذرا سی دیر پہلے بھی ایمان لے آئے تو چاہے ایک نماز نہ پڑھی ہو ایک روزہ نہ رکھا ہو حج نہ کیا ہو قرآن کریم کی ایک آیت کی تلاوت نہ کی ہو مگر وہ داخل جنت ہوگا۔ اس لئے کہ اس کے پاس جنت کی کنجی آ گئی ہے گو اسے عمل کا موقع نہ مل سکا یحییٰ ابن معاذ رازیؒ حق تعالیٰ سے اپنی مناجات میں یہ عرض کرتے تھے کہ رب العالمین! ستر سال کا کافر اگر اخلاص کے ساتھ لا الہ الا اللہ پڑھتا ہے تو آپ اس کے گناہوں کو معاف فرما دیتے ہیں تو جو ستر سال تک لا الہ الا اللہ پڑھتا رہے بھلا اسے آپ محروم فرما دیں گے؟ ہرگز نہیں! بلکہ آپ کی ذات سے توقع ہے کہ اس کا بیڑہ ضرور پار ہوگا۔

ایمان اور نماز

ایمان ایک اندرونی کیفیت ہے اور نماز اس کیفیت کی ترجمان ہے اور دیکھئے! نماز ایسی اہم عبادت ہے کہ قرآن کریم نے اس کو ایمان سے تعبیر فرمایا وَمَا كَانَ اللّٰهُ لِيُضِيعَ اِيْمَانَكُمْ اللہ تعالیٰ تمہاری نمازوں کو ضائع نہیں فرمائیں گے۔ مراد یہاں ایمان سے نماز ہے اور حدیث پاک میں نماز کے ترک کو کفر سے تعبیر فرمایا من ترک الصلاۃ متعمداً فقد کفر تو نماز کا چھوڑنا یہ کفر ہے اور نماز کا اختیار کرنا یہ ایمان ہے معلوم ہوا کہ ایمان اور کفر کے درمیان نماز حد فاصل ہے۔

ایمان فلاح اور کامیابی کیلئے بنیادی چیز ہے آپ نے دیکھا ہوگا کہ آدمی کو کسی بات پر یقین اور اعتماد نہیں ہوتا تو وہ تذبذب' تردد اور شک کی وجہ سے پریشانی کا شکار رہتا ہے' یقین آجانے کے بعد اطمینان پیدا ہو جاتا ہے۔

ہم نے خود اپنی آنکھوں سے اس کا مشاہدہ کیا کہ بعض لوگ ٹرین کی پٹڑی پر چلتے ہیں اور جب گرنے لگتے ہیں تو ہاتھ ادھر ادھر کر کے کسی طرح توازن برقرار کر لیتے ہیں ان کو چلنے میں مشقت تو پیش آ ؤی ہے مگر پھر بھی چل لیتے ہیں اس لئے کہ گرنے پر بھی کوئی بڑا خطرہ درپیش نہیں ہوتا' لیکن جب وہی پٹڑی پل پر پہنچتی ہے جس کے نیچے پانی ہوتا ہے اور گرنے کا اندیشہ اور خطرہ ہوتا ہے تو قوت واہمہ غالب آجاتی ہے اور وہ طمانینت موجود نہیں رہتی جس کی وجہ سے اس پر آدمی کا چلنا دشوار ہوتا ہے اس پر چلنے کی کوئی ہمت نہیں کرتا۔

تو یہ مشاہدہ ہے کہ جب یقین اور اطمینان کا غلبہ ہوتا ہے تو راستہ طے کرنا سہل ہوتا ہے اور جہاں شک' تذبذب اور تردد پیدا ہوتا ہے وہاں راستہ طے کرنا دشوار ہوتا ہے' اب اس کے بعد سمجھئے کہ حق تعالیٰ جہنم پر ایک پل قائم کریں گے۔ حضرت فضیل ابن عیاض رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ اس کی مسافت پندرہ سو سال ہوگی اور اس پر سے لوگوں کو گزرنا ہوگا۔

پل صراط کی کیفیت

صحیح مسلم کی حدیث ہے نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ ان پر کلالیب یعنی لوہے کے سینکڑوں آنکڑے ہوں گے جو گزرنے والوں کو پکڑیں گے نوچیں گے جس کی وجہ سے بعض زخمی ہوں گے بعض جہنم میں گر جائیں گے اور بعض ان سے محفوظ رہیں گے۔

اگر انسان کا ایمان ویقین مضبوط ہے اور یقین کی دولت اندر موجود ہے تو بال سے زیادہ باریک تلوار سے زیادہ تیز راستہ پر چلنا اس کیلئے انتہائی سہل اور آسان ہوگا اور دنیا میں جس شان کے ساتھ وہ شریعت پر چلا ہوگا اسی اعتبار سے وہ پل صراط سے گزر جائے گا معلوم ہوا کہ شریعت پر عمل کرنے کے نتیجہ میں جو اطمینان اور یقین حاصل ہوا وہی پل صراط طے کرائے گا اور جنت میں پہنچائے گا اور یہ وہی یقین ہے جس کے بغیر ایمان کی تکمیل نہیں ہوسکتی۔

یقین کی تین قسمیں

یقین کے باب میں علماء لکھتے ہیں کہ اس کی تین قسمیں ہیں ایک علم الیقین دوسرا عین الیقین تیسرا حق الیقین، مثلاً آدمی یہ جانتا ہے کہ پانی ڈبوتا ہے اور آگ جلاتی ہے اور ان میں قدرت نے یہ خاصیت رکھی ہے تو پانی کے باب میں یہ علم اور یقین کہ وہ ڈبوتا ہے اور یہ کہ آگ جلاتی ہے یہ علم الیقین کا درجہ ہے اور کسی شخص کو اپنی آنکھوں سے دیکھے کہ وہ پانی میں ڈوب رہا ہے اور آگ میں جل رہا ہے اس میں پہلے سے بڑھ کر یقین ہے جو عین الیقین کہلاتا ہے اور اگر آدمی خود ڈوبنے لگے یا آگ میں جلنے لگے تو یہ حق الیقین کا مرتبہ ہے جس میں کسی شک وشبہ کی گنجائش نہیں، خواجہ عزیز الحسن مجذوب رحمہ اللہ علیہ جو حضرت اقدس تھانوی رحمۃ اللہ علیہ کے اجل خلفاء میں ہیں ان کا ایک شعر یاد آیا وہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے خطاب فرمارہے ہیں کہ

تیرے رندوں پہ سب کھل گئے اسرار دیں ساقی   ہوا علم الیقیں، عین الیقیں، حق الیقیں، ساقی

یعنی اے خم خانہ محبت اور خم خانہ معرفت کے جام لٹانے والے ساقی! آپ کے مے خانہ محبت اور معرفت میں جو مے نوشی کرتا ہے اس پر سارے اسرار دین کھل جاتے ہیں۔

ہوا علم الیقیں عین الیقیں حق الیقیں ساقی

کہ حق تعالیٰ نے یقین کے سارے مراتب طے کرادیئے۔

ایمان اور احکام شریعت کی مثال

تو ایمان کے اندر بنیادی چیز یقین ہے اور وہ پل صراط جس سے آدمی گزرے گا وہ شریعت اسلام کی صورت مثالی ہے جس طرح یہاں شریعت پر چلے گا اسی طرح وہ پل صراط سے گزرے گا اگر یہاں قوت سے چلتا تھا تو وہاں قوت سے چلے گا۔ یہاں ڈھیلے پن سے چلتا تھا تو وہاں ڈھیلے پن سے چلے گا۔ چنانچہ کچھ ایسے بھی ہوں گے جو چلیں گے پھر گرنے لگیں گے اور سنبھلنے کے بعد پھر چلنا شروع کریں گے اور یہ وہ ہوں گے جو دنیا میں شریعت اسلام پر چلتے تھے پھر گر پڑتے تھے پھر توبہ کر کے چلنا شروع کرتے تھے ان کو وہاں بھی یہی شکل پیش آئے گی۔

اور اس کے کنارے پر جو لوہے کے آنکڑے لگے ہوئے ہیں ان میں اللہ تعالیٰ نے

فہم اور شعور پیدا فرمایا ہے وہ دنیا کے تعلقات کی صورت مثالی ہیں' آدمی شریعت پر چلنے کا ارادہ کرتا ہے تو بیٹے کی محبت' بیوی کی محبت اور مال وغیرہ کی محبت شریعت اسلام پر چلنے میں رکاوٹ بنتی ہے وہ آنکڑے ان رکاوٹوں کی صورت مثالی ہیں کہ یہاں دنیا کی چیزوں کی وجہ سے شریعت پر چلنا چھوڑا تو وہاں وہ آنکڑے جنت کی طرف بڑھنے میں رکاوٹ ڈالیں گے۔

حق تعالیٰ شانہ کے یہاں نجات کا دارومدار ایمان ہی پر ہے چنانچہ ملا علی قاری رحمۃ اللہ علیہ نے تصریح فرمائی ہے کہ مومن ایمان کی بنیاد پر جنت میں جائے گا اور اعمال کی بنیاد پر درجات نصیب ہوں گے اور اس کی نیت کی بنیاد پر جنت میں ہمیشگی اور خلود نصیب ہوگا۔

داخلہ جنت کا سبب ایمان یا رحمت؟

حدیث سے معلوم ہوتا ہے کہ داخلہ جنت کی بنیاد رحمت ہے اور ادھر علماء کرام کی تصریح ہے کہ داخلہ جنت کی بنیاد ایمان ہے تو دونوں میں کوئی تصادم اور تضاد نہیں ہے داخلہ جنت کا حقیقی سبب تو رحمت ہی ہے جس پر رحمت ہوتی ہے اسے توفیق ایمان ہو جاتی ہے تو ظاہر کے لحاظ سے ایمان داخلہ جنت کی بنیاد ہے اور ایمان کا سبب حق تعالیٰ کی رحمت ہے۔

حافظ محمد احمد صاحب رحمہ اللہ کی اپنی تحقیق

حافظ محمد احمد صاحب رحمۃ اللہ علیہ حضرت حکیم الاسلام کے والد ماجد اور حضرت نانوتوی رحمۃ اللہ علیہ کے صاحبزادہ ہیں وہ فرماتے ہیں کہ میری نظر میں یہ وہ مومنین ہیں جن کو کلمہ تک صحیح یاد نہیں ہے وہ صرف یہ سمجھتے ہیں کہ ہم مسلمان ہیں صحیح الفاظ بھی معلوم نہیں' عقیدہ کی تفصیل بھی معلوم نہیں' گویا بہت معمولی درجہ کا ایمان ان کو حاصل تھا ایسے لوگوں کو بھی حق تعالیٰ محض اپنے فضل وکرم سے جنت میں داخل فرمادیں گے اس لئے کہ ایمان تو بہرحال ان کے پاس موجود ہے۔

دعوت کا عجیب اسلوب

اسلئے ضرورت ہے اس بات کی کہ کم ازکم ایسے لوگوں کے نفس ایمان ہی کی حفاظت کی فکر کی جائے جیسے ایک جگہ کچھ مسلمان مرتد ہوگئے ان میں جہالت تھی ان کو سمجھانا مشکل تھا ایک عالم وہاں پہنچے انہوں نے کہا کہ اچھا یہ بتاؤ کہ آپ حضرات کی ختنہ ہوئی ہے یا نہیں؟ انہوں نے کہا جی

ہاں ہماری ختنہ ہوئی ہے تو عالم صاحب نے کہا کہ پھر تو اسلام تمہارے ساتھ چمٹ گیا ہے اب تو تم کافر ہو ہی نہیں سکتے اگر مرتد ہو گئے ہو تو نہ ادھر کے رہو گے اور نہ ادھر کے اس لئے باقاعدہ مسلمان ہی رہو یہ بات ان کی سمجھ میں آ گئی جس سے وہ اسلام پر جم گئے اس طرح ان کو ارتداد سے بچالیا۔

اسی طرح میوات کے بعض مسلمانوں نے بہکایا کہ تم لوگ اسلام چھوڑ دو اس لئے کہ تمہارے آباؤ اجداد کو مسلمانوں نے مار مار کر زبردستی مسلمان بنایا ہے یہ بات کچھ ان کی سمجھ میں آ گئی جس سے کچھ ارتداد شکل پیدا ہو گئی تو غالباً حضرت مولانا شبیر احمد صاحب عثمانی رحمۃ اللہ علیہ تشریف لے گئے اور وہاں ان کے سامنے بیان کیا اور بیان میں ان کی نفسیات کا لحاظ کرتے ہوئے ان سے دریافت فرمایا کہ ہم آپ لوگوں سے یہ پوچھنا چاہتے ہیں کہ آپ لوگ بہادر ہیں یا بزدل؟ انہوں نے جواب دیا کہ ہم تو بہادر ہیں، پھر حضرت رحمہ اللہ نے پوچھا کہ تمہارے باپ دادا اور تمہارے اگلے بڑے سب بہادر تھے یا بزدل؟ انہوں نے جواب دیا کہ وہ سب بھی جرات اور بہادر تھے شجاعت اور بہادری کے مالک تھے، کسی سے ڈرتے نہیں تھے تو حضرت نے فرمایا کہ جب وہ سب حضرات نڈر تھے تو کس کی مجال اور ہمت ہو سکتی تھی کہ ان پر دباؤ ڈال کر اور مار کر انہیں مسلمان بناتا؟ وہ تو خود شوق سے مسلمان ہوئے تھے تم تو اس بات کو تسلیم کر رہے ہو اگر تم یہ سمجھتے ہو کہ وہ لوگ زبردستی اسلام لائے تھے تو اس کا مطلب یہ ہوا کہ تم اپنے آباؤ اجداد اور بڑوں کو بزدل ثابت کرنا چاہتے ہو اور انہیں ڈرپوک سمجھتے ہو حالانکہ جیسے تم بہادر ہو ویسے ہی تمہارے باپ دادا بھی بہادر تھے بلکہ تم سے زیادہ بہادر تھے کس کی ہمت تھی کہ ان کے ساتھ زبردستی کرے؟ یہ بات لوگوں کی سمجھ میں آ گئی کہ ہمارے بڑوں نے سوچ سمجھ کر اسلام قبول کیا تھا اس لئے ہم بھی اسلام ہی پر قائم رہیں گے۔

دولت ایمان کے حق میں تین چیزیں ڈاکہ زنی کا کام انجام دیتی ہیں ایک تو سب سے بڑا ڈاکو اس کا نفس ہے اور دوسرا ڈاکو شیطان ہے اور تیسرا ڈاکو غلط ماحول ہے یہ تین چیزیں ایمان کی دولت ختم کرنے کے درپے ہیں یا کم از کم خراب کرنے کے درپے ہیں اب جو اپنے ایمان کی حفاظت کرتا رہا اور دنیا سے اس کو سلامت لے گیا تو پھر کوئی چیز اس کے ایمان پر اثر انداز نہیں ہو گی اور قیامت کے دن اسی نور ایمان کے ساتھ اللہ تعالیٰ کے حضور حاضر ہو گا۔

آفتاب نبوت سے اقتباس نور کی دل نشیں حسی مثال

ایک عجیب سی بات آپ سے عرض کریں حکماء ہیرے اور سونے کے باب میں لکھتے ہیں کہ یہ چیزیں سورج کی شعاعوں کو اپنے اندر جذب کرتی ہیں اسی کی برکت سے ان میں چمک کی کیفیت پیدا ہو جاتی ہے' زبرجد' یاقوت' ہیرے جواہرات' سونا' چاندی وغیرہ معدنیات میں سورج کی شعاعوں کو دخل ہے یہ ساری چیزیں سورج کی شعاعوں کو جذب کرتی رہتی ہیں۔ سالہا سال گزرنے کے بعد ان چیزوں میں ایک خاص صلاحیت پیدا ہو جاتی ہے پھر اگر آپ کسی قیمتی ہیرے کو یا سونے کے ڈلے کو زمین میں دفن کر دیں اور ایک ہزار سال گزرنے کے بعد اسے نکالیں تب بھی وہ اپنی اصلی حالت پر باقی رہے گا۔ تو بعض عارفین نے لکھا ہے کہ ایمان کی روشنی آفتاب نبوت نبی کریم حضرت محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی شعاعوں کی برکت سے مومن کے قلب میں پہنچتی ہے گویا مومن کے قلب میں معنوی آفتاب کے انوار آ جاتے ہیں جب مادی آفتاب کی کیفیت یہ ہے کہ اگر اس کی شعاعوں کو جذب کرنے والی اشیاء کو زمین میں ڈال دیں اور عرصہ دراز کے بعد نکالیں تو اسی شان کے ساتھ نکلتی ہیں ٹھیک اسی طرح سے جنہوں نے آفتاب نبوت نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے انوار کو اپنے قلوب میں بسا لیا ہے ان نفوس قدسیہ کو انتقال کے بعد گو زمین میں دفن کر دیا جائے گا پھر بھی جب قیامت میں نکالے جائیں گے تو وہ خود بھی منور ہوں گے اور ان کی روشنی سے دوسروں کیلئے انتفاع کی شکلیں سامنے آئیں گی۔ نُوْرُهُمْ يَسْعٰى بَيْنَ اَيْدِيْهِمْ.

ایمان کا تعلق قلب سے ہے اور اسلام کا تعلق انسانی بدن اور جوارح سے ہے مسند احمد میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے الاسلام علانية والايمان فى القلب کہ ایمان باطنی چیز ہے اور اسلام ظاہری چیز ہے تو گویا ایمان اور اسلام میں انسان کے ظاہر اور باطن دونوں کو گھیر رکھا ہے اور انسان کو دونوں سے متعلق احکام دے رکھے ہیں۔

پھر دیکھئے ایمان میں جو امن کا مفہوم ہے وہ حق تعالیٰ کی طرف سے موہبت اور عنایت ہے کہ حق تعالیٰ نے دوامی عذاب سے مامون اور محفوظ کرنے کی ایک صورت مومن کو عطا فرما دی اگر مومن ایمان کے تقاضے پر چل کر تقویٰ اختیار کرتا ہے تو وقتی اور ہنگامی

عذاب سے بھی نجات کی شکل ہوگی تو گویا حق تعالیٰ نے تھوڑے عذاب اور دائمی عذاب دونوں سے بچاؤ کی صورت اللہ پاک نے قرآن پاک میں ذکر فرمائی تو ایمان انسان کے حق میں غضب خداوندی سے نجات دہندہ ہے۔

درخت کی شاخوں کو جڑ کی وجہ سے وجود ملتا ہے اور خود جڑوں کو ان شاخوں کی وجہ سے رسوخ اور مضبوطی حاصل ہوتی ہے اسی طرح ایمان کی برکت سے اعمال وجود میں آتے ہیں چنانچہ اگر اندر ایمان نہیں ہے تو وہ اعمال معتبر نہیں ہیں اور وہی اعمال پھر ایمان کی تقویت کا باعث بھی بنتے ہیں گویا دونوں میں جوڑ ہے ایمان سے اعمال کو وجودی شان کا فائدہ حاصل ہوتا ہے اور اعمال سے ایمان کو مضبوطی اور رسوخی شان کا نفع حاصل ہوتا ہے۔

ایمان جو اساسی چیز ہے وہ خیالی نہیں ہے یکسوئی سے اس پر اثر پڑتا ہے اسی لئے حدیث جبرئیل میں ہے حضرت جبرئیل علیہ السلام نے پوچھا مالاحسان احسان کی تعریف کیا ہے؟ تو آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایاان تعبد الله کانک تراہ فان لم تکن تراہ فانه یراک کہ تم خدائے پاک کی عبادت اس طرح کرو گویا تم خدا کو دیکھ رہے ہو اور اگر تم ان کو نہیں دیکھ رہے ہو تو وہ تمہیں دیکھ ہی رہے ہیں بقول میرے حضرت حکیم الاسلام رحمۃ اللہ علیہ کہ تم عقیدہ کی نگاہ سے دیکھ ہی رہے ہو اور اگر یہ تصور قائم نہیں کر سکتے تو اتنا تو ہے کہ وہ تمہیں دیکھ رہے ہیں۔

حدیث احسان سے مشاہدہ ومراقبہ کا ثبوت

تو پہلی چیز مشاہدہ ہے اور دوسری چیز مراقبہ ہے' مشاہدہ یہ ہے کہ ہم اللہ تعالیٰ کو دیکھ رہے ہیں اور مراقبہ یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ مجھے دیکھ ہی رہے ہیں' اس میں بھی بنیادی چیز خدائے پاک کا دیکھنا ہے اپنا دیکھنا نہیں' علامہ شبیر احمد عثمانی رحمۃ اللہ علیہ ایک مقام پر فرماتے ہیں کہ دیکھو! بادشاہ سلامت ہیبت وجلال کے ساتھ شان وشوکت کے ساتھ بیٹھے ہوں ان کے افسران اور مطیعین سب کے سب دربار میں ادب کے ساتھ موجود ہوں اب یہاں ادب' رعب داب اور ہیبت کی دو وجہیں ہیں ایک لوگوں کا بادشاہ کو دیکھنا ہے اور دوسرے بادشاہ کا لوگوں کو دیکھنا ہے ان میں اصل وجہ بادشاہ کا لوگوں کو

دیکھنا ہے چنانچہ مجمع میں کوئی نابینا موجود ہو وہ تو بادشاہ کو نہیں دیکھ سکتا مگر بادشاہ بہرحال اس کو دیکھ رہا ہے اس وجہ سے وہ مؤدب اور باوقار رہے گا تو حدیث پاک میں فرمایا کہ حق تعالیٰ کی ایسی عبادت کرو گویا تم اسے دیکھ رہے ہو یہ انتہائی اعلیٰ حالت ہے اور اس کو مشاہدہ سے تعبیر کیا جاتا ہے اور اگر یہ دھیان نہیں جم پائے تو یہ تو ہے ہی کہ وہ تمہیں دیکھ رہے ہیں اور اللہ تبارک وتعالیٰ کا دیکھنا بنیادی طور پر خوف کی چیز ہے۔

قبولیت اعمال کی دو بنیادیں

غرض یہ کہ ایمان جتنا زیادہ قوی ہوگا اس کے مطابق اعمال کا صدور ہوگا اور اس کی وجہ سے اعمال کی کیفیت ظاہرہ وباطنہ میں قوت بھی آئے گی ویسے محققین نے اعمال کے مقبول ہونے کی دو بنیادیں لکھی ہیں ایک عمل کی صورت اور دوسرے عمل کی حقیقت اور روح، عمل کی صورت کے سلسلہ میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی ذات گرامی معیار قرار دی گئی نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے عمل مبارک سے جتنی مشابہت ہوگی اتنی ہی زیادہ قبولیت عمل میں پیدا ہوگی تو پہلی چیز یہ ہے کہ عمل ہیئت و صورت میں سنت کے مطابق ہو اور دوسری چیز روح عمل یعنی اخلاص اور للّٰہیت ہے جیسے ابدان کیلئے روح ہوتی ہے اسی طریقہ سے اعمال کی بھی روح ہوتی ہے اور وہ روح اخلاص اور للّٰہیت ہے جیسے روح کے بغیر بدن قائم نہیں رہ سکتا اسی طرح نیت خالصہ کے بغیر اعمال معتبر نہیں تو ایمان کی وجہ سے اعمال کو وجود ملتا ہے اور اعمال کی وجہ سے ایمان کو رسوخ اور پختگی نصیب ہوتی ہے تو جیسے جڑوں اور شاخوں میں جوڑ ہے اسی طریقہ سے ایمان اور اعمال میں بھی جوڑ ہے ہاں! یہ الگ بات ہے کہ آپ کسی درخت کی جڑوں کو کاٹ دیں تو درخت ہی نہ رہے گا اور شاخوں کو کاٹ دیں تو نقصان تو ہوا مگر درخت باقی رہے گا ٹھیک اسی طرح کسی طاعت اور عمل کے فوت ہونے سے ایمان فوت نہیں ہوگا بلکہ ایمان اپنی جگہ باقی رہے گا یا مثال کے طور پر کوئی معصیت کر لی تب بھی ایمان فوت نہیں ہوگا۔ (فیض ابرار جلد ششم)

سب سے پہلے ایمان

سب سے پہلے اپنے ایمان کو درست کرو اس کے بغیر کام نہیں چلے گا' کوئی عمل مقبول ہی نہیں' اس لئے اپنے ایمان کو مضبوط کرو' اس کے بعد نیک اعمال' نیک اعمال وہ ہیں جن کا حکم دیا گیا ہے' مثلاً فرض' واجب' سنت' مستحب' مباح اور وہ بھی اس میں داخل ہیں جن کے چھوڑنے کا حکم دیا گیا ہے ان کو منہیات کہتے ہیں یعنی حرام' مکروہ تحریمی' تنزیہی' ممنوع' ناجائز' یہ سب باتیں چھوڑنے کی ہیں' ان سب باتوں کو چھوڑنا بھی نیک عمل ہے جیسے کسی امر الٰہی کو بجالانا نیک عمل ہے مثلاً نماز پڑھنا ایسے ہی تکبر چھوڑنا بھی نیک عمل ہے' اسی طرح حرام کا چھوڑنا۔

تیسرے تبلیغ' ایک دوسرے کو دین کی بات پہنچاؤ اور اس پر جو تکلیف پہنچے اس پر صبر کرو' اس تکلیف پر صبر چوتھی بات ہے' یہ چار اصول ہیں ان پر عمل کرنے سے خسارہ سے بچ جاؤ گے' ورنہ خسارہ میں رہو گے۔ اللہ تعالیٰ دعوت الی اللہ کے سلسلے میں قسم کھا کر فرمارہے ہیں کہ خود عمل کرو اور لوگوں کو دعوت دو رب کے راستے کی طرف معلوم ہوا کہ رب کا راستہ یعنی اللہ پاک کی طرف پہنچنے کا ایک راستہ ہے' اس کی طرف لوگوں کو دعوت دو اور اللہ کی طرف پہنچنے کا مطلب ہے اللہ کو راضی کرنا' اس نے پیدا کیا ہے' اس کی زمین ہے' اس کا آسمان ہے' اس کی خوراک ہم کھاتے ہیں' رگ رگ میں سب کچھ اسی کا ہے' وہ ہمارا خالق و مالک ہے' ہمارا فرض ہے کہ ہم اس کو راضی کریں اور وہ ان احکام کو کرنے سے راضی ہوتا ہے جو اس نے ہمیں بتائے ہیں اور اسی کام کیلئے اس نے اپنے پیغمبر بھیجے۔

دعوت دینے کا طریقہ

لہٰذا اپنے رب کے راستے کی طرف دعوت دو اس کی بھی حدود و قیود ہیں' ایسے نہیں کہ بس لٹھ مار دیا ہم نے تو کہہ دیا کسی کی مرضی ہو یا مانے یا نہ مانے' آپ اس میں مختار نہیں بلکہ انہوں نے فرمایا ہے کہ اگر دعوت دینی ہے اپنے رب کے راستے کی طرف تو پہلی بات یہ ہے کہ حکمت کے ساتھ سمجھداری کے ساتھ دین کی سمجھ کے ساتھ لوگوں کو دعوت دو۔

حکمت کی دو قسمیں ہیں ایک حکمت نظری' دوسری حکمت عملی' جہاں حکمت نظری کی ضرورت پڑے وہاں اس سے کام لو' دین کو پہلے سمجھو کہ دین کا مقصد کیا ہے اور ہم کو کس طرح کرنا ہے' اس کے بعد کسی کو دعوت دو۔ حکمت اللہ تعالیٰ کی بہت بڑی نعمت ہے اللہ پاک کسی کو دین کی سمجھ دیدیں' یہ بہت بڑی بات ہے وہ دین کے نفع و نقصان کو سمجھنے لگ جائے' اس میں دین کا نفع ہے' اس میں دین کا نقصان ہے' کس میں آخرت بنتی ہے اور کس میں بگڑتی ہے' یہ طریقہ صحیح ہے اور یہ طریقہ صحیح نہیں ہے یہ جائز طریقہ ہے' یہ ناجائز طریقہ ہے' جس کو دین کی سمجھ آ گئی اس پر یہ اللہ کا بڑا انعام ہے۔

ارشاد باری تعالیٰ ہے۔ وَمَنْ يُّؤْتَ الْحِكْمَةَ فَقَدْ اُوْتِيَ خَيْرًا كَثِيْرًا یہ حکمت خیر کثیر ہے بہت بڑی بھلائی اس کو مل گئی جسے حکمت مل گئی' حکمت کا مطلب یہ ہے کہ دوسروں کے سامنے مضامین پیش کرو' عمل سے' قول سے' اچھے انداز سے' منع کرو تو طریقے سے منع کرو' ایسا نہیں کہ اس کے لٹھ مار دیا' نماز نہیں پڑھتا' بے نمازی ہے' ایسا ہے اور ویسا ہے' اس سے وہ راستے کی طرف آئے گا نہیں۔

ایمان بالغیب کی چند مثالیں اور نمونے

اللہ والے اسباب کے پردے میں مسبب الاسباب کو پہچان لیتے ہیں کیونکہ ان کے پاس نور معرفت سے نورانی بصیرت ہوتی ہے۔ جس کو باطنی نگاہ کہتے ہیں اسی لئے کافروں کے متعلق فرمایا ہے۔ آیت فَاِنَّهَا لَا تَعْمَى الْاَبْصَارُ وَلٰكِنْ تَعْمَى الْقُلُوْبُ الَّتِيْ فِي الصُّدُوْرِ مگر مومنین کاملین کے دل بینا ہوتے ہیں اس عارف صوفیاء کو دور بینان بارگاہ الست کہتے ہیں۔

چشم ظاہر بین اور عقل کا فرق ادراک

سیاہ نمرے پر کوئی چیونٹی دانہ گندم لئے ہوئے چلتی ہے تو ظاہر میں دانے کو متحرک سمجھتا ہے اور عاقل دانے کی حرکت سے دانہ چیونٹی کے منہ میں سوچ کر چیونٹی کی حرکت کا علم حاصل کر لیتا ہے۔

اسی طرح انسان کو اس کی روح ادھر ادھر لئے ہوئے چلتی پھرتی ہے اور روح جسم کے اندر اور بالکل قریب ہے مگر آنکھوں سے مخفی ہے۔

ایک فارسی کے شعر کا خلاصہ ہے کہ جسم کی حرکت سے جان کے وجود کو پہچان لیا کرو چہرہ آنکھوں سے کس قدر قریب ہے لیکن انسان اپنا چہرہ دیکھنے کیلئے آئینہ کا محتاج ہے۔ المسلم مرأة المسلم (ایک مسلم کامل دوسرے مسلم ناقص کے امراض اور عیوب کا آئینہ ہے۔اسی واسطے مسلم ناقص کو مسلم کامل (مصلح) سے اصلاح تعلق اور محبت کی ضرورت ہے کہ اس کی محبت کے بغیر امراض کا پتہ نہیں چلتا۔

روح کے علاوہ اور بہت سے نظائر ہیں کہ آثار ونشانات سے تسلیم کرتے ہیں تاکہ اہل عقل اور اہل نظر ان سے عبرت حاصل کریں۔

خاک رابینی بہ بالا اے علیل　　　یاد رانے جزبہ تعریف و دلیل

(مٹی اڑتی دیکھ کر ہوا کو تسلیم کرتے ہو بغیر دیکھے)

پس یقین در عقل ہر دانندہ است　　　ایں کہ جنبیدہ جنبا نندہ است

(ہر عاقل یقیناً اس بات کا جاننے والا ہے کہ حرکت والی چیز کا کوئی متحرک ہے)

تم اپنی آنکھوں سے تیر اڑتا ہوا دیکھتے ہو اور کمان نظر سے غائب ہے مگر کمان پر دلالت کرتا ہے۔

ہاتھ پوشیدہ ہو قلم کی حرکت سامنے ہو تو عاقل جانتا ہے کہ قلم کسی زندہ کے ہاتھ میں نہ ہو تو حرکت ہو نہیں سکتی پس قلم کی حرکت سے ہاتھ کا وجود بدون دیکھے تسلیم کر لیا جاتا ہے۔

میدان میں جب گھوڑا تیز دوان ہوتا ہے تو تیز رفتاری کے سبب گرد وغبار میں سوار مخفی ہو جاتا ہے لیکن گھوڑا دوڑتا ہوا دیکھ کر بدون سوار کو دیکھے سوار دوڑانے والے کا یقین کر لیا جاتا ہے۔

پھول کی خوشبو سونگھ کر بدون پھول دیکھے ہوئے پھول کا وجود خوشبو کے آنے سے تسلیم کر لیتے ہیں۔

شرابی کے جوش اور نشے سے بدون شراب دیکھے ہوئے مان لیتے ہو۔

بوئے گل دیدی کہ آنجا گل نبود　　　جوش مل دیدی کہ آنجا مل نبود

صورت دیوار سقف ہر مکان　　　سایہ اندیشہ معمار دان

یعنی دیوار کی صورت اور ہر مکان کی چھت دیکھ کر اس کے معمار کی سوچ وفکر کا نتیجہ سمجھنا چاہئے اس ظاہری تعمیر سے معمار کی استعداد باطنی اور تشکیل ذہنی پر استدلال کر لیتے ہو۔اسی طرح دنیا میں اور بھی مثالی ہیں کہ سبب پوشیدہ ہوتا ہے مگر مسبب کو دیکھ کر مخفی سبب پر یقین کرتے ہیں۔

مثلاً گریہ وزاری یا چہرہ کی افسردگی کسی مخفی خیال غم کے تابع ہوتی ہے۔
چہرے کی بشاشت وتازگی کسی باطنی حسرت کی مخبری کرتی ہے۔

اسی طرح یہ غذائیں جو باعتبار وجود کے ظاہر ہیں انسان کے اندر بینائی شنوائی وغیرہ پیدا کرتی ہے، جن کو ہم دیکھنے سے قاصر ہیں۔ اس قدر نظائر کے بعد اب سمجھنا چاہیے کہ دنیا میں بہت سے مغیبات یعنی مخفی موجودات کو ہم بدون دیکھے ہوئے محض ان کے آثار اور ان کی نشانیوں سے تسلیم کرتے ہیں یہ سب ایمان بالغیب کے نمونے ہیں۔ پس وہ ذات پاک کہ جس کے وجود پاک پر تمام عالم کا ہر ایک ذرہ ایک ایک پتہ نشان دہی کرتا ہو جس کی نشانیوں کو ہم شمار تک نہیں کر سکتے ہیں ایسی ذات پاک پر ایمان نہ لانا ان بے شمار نشانیوں کے ہوتے ہوئے سخت نادانی اور کھلی گمراہی اس لئے حق تعالیٰ نے کافروں کو اکثر جگہ لَا یَعْقِلُوْنَ فرمایا ہے اور لَفِیْ ضَلٰلٍ مُّبِیْنٍ فرمایا ہے۔

ایمان اور رسالت

''ہر آدمی کا کام یہ ہے کہ اپنے ہر کام میں غور کرے کہ جو کام میں کر رہا ہوں اس میں لا الٰہ الا اللہ محمد رسول اللہ شامل ہے یا نہیں۔ جس پر اس کا ایمان ہے۔ اگر ہے تو عمل صالح ہے نہیں تو عمل طالح ہے''۔

(جواہر حکمت)

ایمان کی قدر کیجئے

والدین اپنے بچوں کی تربیت کے دوران ان باتوں کا خیال رکھتے نہیں کہ انہیں ضروری دینی معلومات فراہم کردیں، کم از کم اتنا تو سکھا دیں کہ وہ اپنے ایمان کی حفاظت کرسکیں۔

ہر طرف گہما گہمی ہے، کاروان زندگی پوری رفتار سے رواں دواں ہے، ہر شخص مصروف ہے، کسی کو سر کھجانے کی فرصت نہیں، تو کوئی سر اٹھا کر دیکھنے سے بھی قاصر، ہر شخص دنیا کی اس دوڑ میں بری طرح مگن ہے، کوئی اس سفر کے خاتمے سے دوچار ہو کر ابدی نیند سو چکا تو کسی کی اونگھ اسے اختتام سفر کا پیغام دے رہی ہے، لیکن دنیا کی اس پر فریب چمک دمک نے اکثر مسافروں کو اس نیند سے بے خبر کر رکھا ہے جو ہر ذی روح کو اپنی آغوش میں لے کر ایسا سلاتی ہے کہ پھر اسے اسرافیل کے صور کے علاوہ کوئی ساز و آواز بیدار کرنے سے عاجز ہے۔

آج دنیا کے مسافر کا یہ حال ہے کہ اسے کوئی غرض نہیں کہ اس کا تعلق اسلام سے ہے یا عیسائیت سے، وہ بتوں کی پوجا کرتا ہے یا آگ کی پرستش، وہ سینکڑوں خداؤں کا قائل ہے یا خود انسان کو خالق مانتا ہے، وہ تو بس سعی لاحاصل کوشش کے سمندر میں غوطے کھا رہا ہے اور خواہش یہ ہے کہ سب سے پہلے کنارے پر پہنچ جائے۔

مسلمانوں کی حالت ہی اتنی قابل تشویش ہے کہ ہم دوسروں پر کیا توجہ دیں، اسے ایمان کی اہمیت کا اندازہ نہیں اور نہ ہی وہ جاننا چاہتا ہے کہ ایمان کیا چیز ہے؟ تمام عبادات اپنی اپنی جگہ بہت اہمیت کی حامل ہیں اور ہر عبادت اپنی ایک شناخت رکھتی ہے کوئی فرض ہے، کوئی واجب ہے کوئی سنت اور کوئی مستحب، لیکن یہ تمام عبادات صفر کی حیثیت رکھتی ہیں۔ اگر ایمان کا صرف ایک شروع میں لگ جائے تو ہر عبادت اپنا صفر لگا کر رقم کو بڑھاتی جائے گی اگر 1 کے بعد ایک صفر لگائیں تو 10 بن گیا۔ اگر دو صفر لگائیں تو 100 اگر تیسرا صفر لگائیں

تو 1000 اس طرح جتنے صفر بڑھائیں گے رقم بڑھتی جائے گی۔ بشرطیکہ شروع میں ایمان کا ایک عدد ضرور ہو اگر ایمان نہیں تو تمام عبادات' نماز' زکوۃ' روزے' حج' تسبیحات' تلاوت' صدقات' خیرات وغیرہ میزان میں کوئی وزن نہیں رکھتیں۔

قیامت کے روز صرف اسی مسافر کو منزل ملے گی جو اپنے ساتھ ایمان لایا ہو۔ مفہوم حدیث ہے کہ قیامت کے روز ایک شخص کا اعمال نامہ کھولا جائے گا اس کے اعمال نامے کے ننانوے دفتر گناہوں سے بھرے ہوں گے اور حد نگاہ تک پھیلے ہوں گے اس سے کہا جائے گا کہ آج تجھ پر ظلم نہیں ہوگا کیا ان ننانوے دفاتر میں کوئی گناہ ایسا ہے جو تو نے کیا نہ ہو اور فرشتوں نے لکھ دیا ہو؟ جواب میں عرض کرے گا کہ نہیں۔ پھر پوچھا جائے گا کہ کوئی گناہ ایسا ہے جو کرنے سے زیادہ لکھ دیا گیا ہو؟ جواب میں عرض کرے گا نہیں۔ پھر اس سے پوچھا جائے گا کہ گناہوں کا تیرے پاس کوئی عذر ہے؟ تو پھر جواب نفی میں ملے گا۔

پھر اس سے کہا جائے گا کہ آج تجھ پر ظلم نہیں ہوگا تیری ایک نیکی ہمارے پاس ہے جا اسے میزان (ترازو) میں تلوا لے۔ اسے ایمان کے کاغذ کا ایک پرزہ دیا جائے گا جس پر کلمہ طیبہ لکھا ہوگا وہ کہے گا کہ ان ننانوے دفاتر کے مقابلے میں کاغذ کا یہ ٹکڑا کیا کام دے گا۔

جواب ملے گا کہ آج تجھ پر ظلم نہیں ہوگا جب وہ پرزہ ترازو میں رکھا جائے گا تو وہ ننانوے دفاتر ہوا میں اڑنے لگیں گے۔ یہ اعزاز اسی شخص کو ملے گا کہ جو اخلاص کے ساتھ مرتے دم تک ایمان کو بچا رکھے گا اور اس کا ایمان زندگی سے موت تک کے سفر میں اس کا ہم سفر رہا ہو۔

آج کا مسلمان فلموں کا شوقین ہے گانے سننے کا رسیا ہے' ہنسی مذاق سے دل بہلاتا ہے اور اس دوران وہ اس بات کا خیال نہیں کرتا کہ فلم کے کس منظر کو دیکھنے یا کس چیز کا مذاق اڑانے کی وجہ سے اس کا ایمان سلب ہو گیا وہ یہ تو جانتا ہے کہ اگر بجلی کے بل کی ادائیگی نہیں کی تو لائن کٹ جائے گی۔ قسط نہ بھری تو جرمانہ لگ جائے گا' سگنل توڑا تو چالان ہو جائے گا۔ جہیز نہ دیا تو سسرال ناراض ہو جائے گا' بھتہ نہ دیا تو جان خطرے میں پڑ جائے گی' انشورنس نہ کروایا تو سب کچھ ضائع ہو جائے گا' سکول کی فیس جمع نہ کرائی تو نام کٹ جائے گا وغیرہ وغیرہ اس طرح کی ہزاروں سوچیں اور خیالات ہر وقت ستاتے رہتے ہیں' آج کے

مسلمان کو یہ تو معلوم ہوگا کہ کن کن چیزوں سے کیس بن جاتے ہیں، کن کن چیزوں سے چالان ہو جاتا ہے، کن کن چیزوں پر پولیس پکڑ کر لے جاتی ہے، لیکن یہ معلوم نہیں ہوگا کہ کن کن باتوں سے کن کن کاموں سے انسان دائرہ اسلام سے خارج ہو جاتا ہے۔

نہ آج کے والدین اپنے بچوں کی تربیت کے دوران ان باتوں کا خیال رکھتے ہیں کہ انہیں ضروری دینی معلومات فراہم کردیں، کم از کم اتنا تو سکھا دیں کہ وہ اپنے ایمان کی حفاظت کرسکیں۔ نہ ہی آج کل از خود کوئی جاننا چاہتا ہے کہ وہ اپنی حقیقت جان سکے کہ ایک مسلمان کی کائنات میں کیا اہمیت ہے؟

اللہ اور اس کے رسول سے ایک کا کیا تعلق ہے؟

اس کی رہنما کتاب قرآن مجید اس سے کس طرح مخاطب ہے؟ اور یہ سب کچھ کس چیز کی بدولت ہے اور جس چیز (ایمان) کی بدولت یہ سب کچھ ہے وہ آخری سانس تک کیسے محفوظ رہے گا۔ خدارا! اپنے اور اپنے اقربا دوست احباب اعزا و اقارب کے ایمان کی فکر اور حفاظت کیجئے۔ دوسروں کی فکر سے اپنا ایمان سب سے پہلے محفوظ ہوگا۔

حفاظت ایمان کا نسخہ

حضرت ڈاکٹر محمد عبدالحیٔ عارفی رحمہ اللہ فرماتے ہیں اللہ تعالیٰ کا احسان عظیم ہے کہ مسلمان چاہے جتنی بھی اس کی حالت ابتر ہو مگر وہ صاحب ایمان تو ہے ایمان اللہ کی عطا ہے۔ حکیم الامت حضرت تھانوی رحمہ اللہ نے ایک مرتبہ فرمایا میں پورے وثوق سے کہتا ہوں کہ کوئی مومن دوزخ میں نہیں جائے گا کیونکہ حدیث شریف میں ہے کہ جس کے دل میں ذرہ برابر بھی ایمان ہوگا وہ دوزخ سے نجات پا جائے گا ایمان بڑھتا بھی ہے، گھٹتا بھی ہے، لہٰذا اس کی حفاظت ضروری ہے جس اللہ نے اتنی بڑی دولت ایمان سے نوازا ہے تو اس کی حفاظت کا سامان بھی بتلایا ہے۔ چاہے عمر کے کسی بھی حصہ میں گناہ صادر ہوتے رہیں صرف ایک دفعہ اللہ کی طرف متوجہ ہو کر کہے۔ یا اللہ میں نے یہ کیا کیا، میں نے اپنے آپ کو برباد کر دیا مجھے معاف کر دیجئے۔

آپ بار بار توبہ کرتے رہیں تو اس سے ایمان میں قوت اور تازگی آتی رہے گی، پھر ایک وقت ایسا آئے گا کہ آپ کے ایمان میں اتنی قوت آجائے گی کہ آپ گناہوں سے بچ سکیں گے۔

(خطبات عارفی)

ایمان کی تعریف پر تفصیلی نظر

اشیاء کے وجود کی تین صورتیں

کسی چیز کے وجود کی عالم میں تین صورتیں ہو سکتی ہیں۔(۱) لفظی (۲) ذہنی (۳) عینی۔

وجودِ لفظی ایک ناتمام وجود ہے

ان ہر سہ اصناف میں لفظی وجود سب سے ضعیف اور کمزور وجود ہے، جو مقاصد و اغراض کسی شئے کے وجود میں ملحوظ ہو سکتے ہیں ان میں سے کوئی بھی اس وجود پر مرتب نہیں ہوتا۔ اس لیے اگر اس وجود کو عدم کے برابر کہہ دیا جائے تو بے جا نہیں ہے۔ پانی کا لفظی وجود کسی تشنہ کی پیاس نہیں بجھاتا اور نہ روٹی کا صرف زبانی تذکرہ کسی بھوکے کا پیٹ بھرتا ہے۔

وجود ذہنی لفظی وجود سے قوی ہے

(۲) وجود ذہنی گو لفظی وجود سے قوی تر ہے مگر شئے کے تمام آثار و احکام مرتب ہونے کے لیے یہ بھی ناکافی ہے۔

کسی چیز کا وجود عینی ہی اس کا مکمل وجود ہوتا ہے

(۳) وجودِ عینی وہ وجود ہے جو خارج میں کسی کے اعتبار کیے بغیر موجود ہوتا ہے اسی وجود کو درحقیقت وجود کہا جا سکتا ہے بقیہ اصناف اس کے توابع اور فروع ہیں۔ یہی مبدء آثار ہے اور اسی پر شئے کے سب احکام مرتب ہوتے ہیں۔ آنکھوں کی تر و تازگی، قلب و جگر کی سیرابی، اشجار و ثمار کی سرسبزی یہ سب پانی کے وجود عینی ہی کی کرشمہ سازیاں ہیں،

اسی لیے جب کوئی پیاسا پانی مانگتا ہے تو اس کا مقصد پانی کا یہی عینی وجود سمجھا جاتا ہے اور اس کا لفظی یا ذہنی وجود کسی کے خواب وخیال میں نہیں آتا۔ اسی طرح ایمان کے وجود کی بھی تین صورتیں ہیں (۱) لفظی (۲) ذہنی (۳) عینی۔

سابق تمہید کی بناء پر ایمان کا لفظی وجود بیکار محض ہونا چاہیے۔ جب کسی تشنہ کے لیے پانی کا صرف لفظی وجود کارآمد نہیں ہوتا تو انبیاء علیہم السلام کی دعوت کے جواب میں ایمان کا صرف لفظی وجود کیا مفید ہوسکتا ہے۔ مگر یہاں ایک سخت مشکل یہ درپیش ہے کہ عالم بشریت کی سرتاسر محتاجی اس کی اجازت نہیں دیتی کہ وہ اپنے مافی الضمیر کو الفاظ وحروف کا جامہ پہنائے بغیر ادا کر سکے۔ اس کی قلبی ترجمانی کا یہی ایک ناتمام آلہ ہے اگر وہ بھی ناقابل اعتبار ٹھہرے تو عالم انسانی کا تمام کاروبار معطل اور بیکار محض ہو جائے۔ اس لیے چاروناچار ایمان کا لفظی وجود بھی شریعت میں ایک حد تک قابل اعتبار سمجھا گیا ہے۔

امرت ان اقاتل الناس حتی یقولوا لا الہ الا اللہ. میں اس بات پر مامور ہوں کہ جب تک کفار لا الہ الا اللہ نہ کہیں ان سے جنگ جاری رکھوں۔

اب اسے ایمان کی رفعت اور بلندی کہئے یا اس کی فیاضی سے تعبیر کیجئے کہ محض زبانی کلمہ توحید پر اس نے جان بخشی کا اعلان کر دیا ہے اور کسی کے سرائر اور مکنونات صدر (دل کے راز) سے کوئی بحث نہیں کی۔

(حافظ ابن تیمیہؒ فرماتے ہیں کہ اسلام کے ثبوت کا دارومدار کسی ایسی ہی چیز پر ہونا چاہیے جس کا علم یکساں طور پر سب کو ہو سکے اگر خدا کے رسول کے علم پر اس کا فیصلہ چھوڑ دیا جاتا تو یقیناً منافقین کا گروہ، کفار میں شمار ہوتا۔ اب اگر ان کو قتل کیا جاتا تو انہیں ناحق یہ بدنام کرنے کا موقعہ ہاتھ آجاتا کہ آپ اپنے اصحاب ورفقاء کو بھی قتل کر دیتے ہیں۔ اس لیے کلمہ توحید کا زبانی اقرار ہی اسلام قبول کرنے کا معیار قرار دے دیا گیا اور اسی ایک کلمہ پر جنگ کے آغاز وخاتمہ کا دارومدار رکھ دیا گیا۔ (کتاب الایمان ص ۱۷۲)

اس جگہ یہ دھوکا نہ کھانا چاہیے کہ اسلام میں تصدیق قلبی کے بغیر صرف زبانی اقرار کر لینا بھی کوئی وزن رکھتا ہے کیونکہ قلبی تصدیق ایمان کا وہ اہم رکن ہے جو ایک لمحہ کے لیے بھی کسی

حالت میں قطع نظر کے قابل نہیں سمجھا گیا حتی کہ بحالت اکراہ جب کہ اپنی جان پر بن رہی ہو زبان سے کلمہ کفر ادا کرنے کی صرف اسی شرط سے اجازت دے دی گئی ہے کہ قلب کی گہرائیاں اذعان وایقان سے لبریز اور معمور ہیں۔

اِلاَّ مَنْ اُكْرِهَ وَقَلْبُهٗ مُطْمَئِنٌّ بِالْاِيْمَانِ. (النحل:۱۰۶) مگر وہ شخص جس پر زبردستی کی گئی اور اس کا دل برقرار ہے۔

جو صورت حدیث میں مذکور ہے وہ یہ ہے کہ اگر زبان اقرار کر لیتی ہے اور دوسری کوئی دلیل جو قلبی انحراف پر دلالت کر سکے ہمارے سامنے موجود نہیں ہوتی تو اس وقت ہم اس بات کے مامور ہیں کہ اس اقرار ہی کو قلبی تصدیق کی دلیل سمجھیں۔

اسلام جو اخلاق عالیہ کا سب سے اول معلم ہے کسی کو یہ اجازت نہیں دیتا کہ وہ اپنے جیسے ایک انسان کی زبان کو بلاوجہ جھوٹا قرار دے یا اس کے متعلق کسی اندرونی کمزوری کی بناء پر اپنے ضمیر کے خلاف بولنے کا تصور لائے۔ دنیا میں ایک بڑے سے بڑا انسان خواہ اخلاق کے کتنے ہی بلند مقام تک کیوں نہ پہنچ چکا ہو کبھی اپنے حریف پر وہ بھی بحالت جنگ اعتماد کا خیال نہیں کر سکتا، یہ اسلام ہے جو یہ دعوت دیتا ہے کہ تم اپنے حریفوں کی زبان پر بھی اعتماد کرلو اور اس تشویش میں نہ پڑو کہ ان کے دلوں میں کیا ہے، اگر ان میں کوئی سعید روح ہوگی تو ایک دن وہ خود بخود اپنے اس صدق نما کذب پر نادم ہوگی اور دل بھی زبان کی طرح اسلام کا کلمہ پڑھ لینے پر مجبور ہو جائے گا۔

ایک مرتبہ صحابہ کرامؓ نے ایک کافر کو بکریاں چراتے دیکھا۔ دوران جنگ میں ایک فریق دوسرے فریق کی گھات میں لگا ہی رہتا ہے۔ صحابہؓ نے ارادہ کیا کہ اس کی بکریاں چھین لیں، اس نے اپنا پانسا کمزور دیکھا اور وہ وقت آ گیا کہ جو اسلام مدت سے اس کے سینہ میں گھوم رہا تھا اب دل میں اتر آئے وہ اسلام لے آیا، مگر اس حال میں دشمن کا اقرار وفاداری، انسان کی کمزور فطرت کب قبول کرتی۔ اس لیے صحابہ کرامؓ نے اس اسلام کو صرف مال کے بچاؤ کا ایک ذریعہ سمجھا اور اس کی بکریاں غنیمت کا مال بنالی گئیں۔ لیکن اسلام جو اخلاق کے آخری منازل صرف زبانی سکھانے نہیں آیا تھا بلکہ طے کرانے آیا تھا اس کمزوری کو کب برداشت کرتا، اس واقعہ کی اہمیت محسوس کی گئی اور اتنی کی گئی کہ وحی الٰہی کو دخل دینا پڑا اور نہایت تنبیہ آمیز لہجہ میں ارشاد ہوا۔

وَلَا تَقُوْلُوْا لِمَنْ اَلْقٰی اِلَیْکُمُ السَّلَامَ لَسْتَ مُؤْمِنًا تَبْتَغُوْنَ عَرَضَ الْحَیٰوۃِ الدُّنْیَا۔ (نساء: ۹۴)

اور مت کہو اس شخص کو جو تم سے ''سلام علیک'' کرے کہ تو مسلمان نہیں۔ تم چاہتے ہو اسباب دنیا کی زندگی کا۔

کتب احادیث میں اس قسم کے واقعات ایک دو نہیں بہت ہیں، جہاں اسلام کے لفظی وجود یعنی صرف اقرار باللسان کو دنیوی احکام کے لیے کافی سمجھا گیا ہے۔

حضرت مقدادؓ فرماتے ہیں کہ یا رسول اللہ اگر دوران جنگ میں دشمن میرا ایک بازو کاٹ دے اور جب میرا موقعہ لگے تو وہ جان بچا کر درخت کی آڑ میں آ جائے اور کلمہ شہادت پڑھ لے تو کیا میں اس کے اس مجرمانہ اقدام کے بعد بھی اس کا یہ مبہم اسلام قبول کرلوں؟ ارشاد ہوا ضرور اور اگر اس کے بعد بھی تم نے اسے قتل کر دیا تو یاد رکھنا تم اب اسی طرح مباح الدم سمجھے جاؤ گے جیسا وہ اپنے اسلام لانے سے قبل مباح الدم تھا۔ (مسلم شریف)

دیکھو! یہاں بھی انسان کی کمزور فطرت کس طرح اپنے حریف کا اسلام مبہم کر رہی ہے اور چاہتی ہے کہ اس کے انتقام میں یہ لفظی اسلام حائل نہ ہونے پائے مگر یہ اسلام ہے جو اپنے ہمنواؤں کے سینکڑوں بازو حریفوں کی ایک زبان پر نثار کر رہا ہے۔ انتقام کو فطری حق سہی مگر اسلام اس نازک ماحول میں یہ ثابت کر دینا چاہتا ہے کہ ایک کلمہ حق کے احیاء میں وہ اپنے فطری اور ذاتی حق سے بھی دست بردار ہو سکتا ہے۔

احادیث میں کچھ واقعات ایسے بھی نظر سے گذرتے ہیں جن سے ثابت ہوتا ہے کہ دشمنوں کی جان و مال کا تکفل، ان کی عزت و احترام کا تحفظ کچھ خاص اس کلمہ کے ادا کرنے ہی پر موقوف نہیں ہے بلکہ صرف اقرار وفاداری کی ضرورت ہے خواہ کسی زبان سے ہو اور کسی عمل سے۔

حضرت خالدؓ مسلمانوں کا ایک دستہ لیے ہوئے مصروف جہاد ہیں، دشمن چاہتا تھا کہ اسلام قبول کر لے مگر ناواقفی اور جہالت کی وجہ سے اسلمنا (ہم نے اسلام قبول کیا) کا لفظ نہ کہہ سکا اور اس کے بجائے صبأنا صبأنا کی صدا بلند کرنے لگا (یہ لفظ عربی زبان میں بددین ہونے کے لئے مستعمل ہے) اسی کمزوری فطرت کی وجہ سے یہاں بھی یہ نازک اسلام قبول نہ ہوا اور آخر اسی حالت میں سب کو موت کا جام پی لینا پڑا۔ رحمۃ للعالمین کو جب

اطلاع ملی تو انتہاء درجہ مضطرب ہوئے اور اسی اضطراب کے عالم میں دونوں ہاتھ اس تصور میں آسمان کی طرف اٹھ گئے کہ مبادا خدائے تعالیٰ کا قہر ان معصوموں کا انتقام لینے کے لئے کھڑا ہو جائے اور میں بھی اس میں شامل سمجھا جاؤں اس لیے فرمایا اے پروردگار! جو غلطی خالد سے سرزد ہوئی میں اس سے بری ہوں۔ (بخاری شریف)

مذکورہ بالا بیان سے یہ ظاہر ہو گیا کہ لفظی وجود گو ضعیف تر بلکہ مرادف عدم ہے پھر اسلام نے اس کا کیوں اعتبار کر لیا ہے اور یہ بھی معلوم ہو گیا کہ اقرار سے مراد یہاں وہی اقرار ہے جسے ضمیر کی صحیح آواز کہا جا سکے ورنہ اسے اقرار ہی کہا جائے گا بلکہ وہ انکار کی صرف ایک اقرار نما صورت ہوگی۔ اسلام کے اس لفظی وجود کو فقہاء کی اصطلاح میں اقرار باللسان کہا جاتا ہے

اقرار باللسان

فقہاء کو اس میں اختلاف ہے کہ اسلام میں اقرار کی حیثیت کیا رکھنا چاہیے، ایک جماعت رکن کی حیثیت تجویز کرتی ہے اور دوسری جماعت شرط قرار دیتی ہے۔ پہلی جماعت کا خیال ہے کہ اقرار بھی ایک نوع کی تصدیق ہی کا نام ہے فرق ہے تو یہ کہ ایک تصدیق قلب سے ہوتی ہے اور اقرار زبان کی تصدیق ہے، اس لیے کوئی وجہ نہیں ہے کہ تصدیق کی ایک نوع رکن اور دوسری شرط قرار دے دی جائے۔ یہ اور بات ہے کہ تصدیق قلبی رکن اصلی ہے یعنی کسی حالت میں یہاں تساہل برداشت نہیں کیا جا سکتا اور اقرار رکن زائد یعنی بعض صورتوں میں یہاں اغماض یعنی چشم پوشی کر لینا بھی ممکن ہے جیسا کہ اکراہ یعنی زبردستی میں۔

شیخ ابو منصور ماتریدی شیخ ابوالحسن اشعری، اور امام نسفی کا میلان خاطر اقرار کی شرطیت کی طرف ہے، یہ حضرات فرماتے ہیں کہ ثبوت اسلام سے قبل ہی احکام اسلام کا نافذ کر دینا تو غیر معقول ہے اور زبانی اقرار کیے بغیر ہمارے پاس اسلام پر کوئی شہادت نہیں اس لیے اس کے سوا چارہ ہی کیا ہے کہ نفاذ احکام اسلامیہ کے لیے اقرار باللسان کو شرط کہا جائے۔

علامہ تفتازانی فرماتے ہیں کہ اگر اس اقرار کا صرف یہ مقصد ہے تو تنہائی کا اقرار کافی نہ ہونا چاہیے بلکہ کم از کم مسلمانوں کے امیر کے سامنے ہونا چاہیے تا کہ اجراء احکام کا اصل مقصد

حاصل ہو سکے۔ اس امر پر فریقین کا اتفاق ہے کہ مطالبہ کے بعد زبان سے اقرار کرنا بہر کیف ضروری ہے کیونکہ اب اقرار نہ کرنے کے معنی گویا انکار کرنا ہیں، یہ کفر جحود کہلاتا ہے۔

وَجَحَدُوْا بِهَا وَاسْتَيْقَنَتْهَا اَنْفُسُهُمْ. (نمل:۱۴)

اور انکار کیا ان (آیات) کا حالانکہ اپنے دل میں اس کا یقین کر چکے تھے۔

اس آیت سے معلوم ہوا کہ کبھی دل اندر سے یقین کرنے کے لئے مجبور ہوتا ہے مگر زبان پھر بھی انکار سے باز نہیں آتی، اس کا نام اصطلاح میں کفر عناد ہے۔ حضرت استاذ (مولانا انور شاہ کشمیری) قدس سرہٗ فرماتے تھے کہ ہمارے فقہاء نے ایمان کی تعریف میں اسی لیے اقرار کا اضافہ کر دیا ہے کہ جو تصدیق قلبی زبانی انکار کے ساتھ ہو وہ ایمان کی تعریف میں داخل نہ رہے اور یہ سمجھا ہے کہ جب زبان کے لیے اقرار کرنا لازم ہو جائے گا تو اب انکار کی گنجائش ہی نہیں ہو گی۔

حافظ ابن تیمیہؒ نے اس کو دوسری طرح ادا کیا ہے وہ فرماتے ہیں کہ جب تک اقرار نہ ہو، ہمارے پاس اس کا کیا ثبوت ہے کہ اس کے قلب میں حقیقۃً تصدیق موجود ہے، لہٰذا اگر ایک شخص مطالبہ کے بعد بھی اقرار نہیں کرتا تو ہم اسی پر محمول کریں گے کہ اس کو تصدیق قلبی حاصل نہیں ہے اس لیے نہایت ضروری ہے کہ اقرار باللسان ایمان کا جزء قرار دیا جائے۔ (کتاب الایمان ص ۸۸)

ہم کہتے ہیں کہ اگر اقرار کرنا اسی مقصد کے لیے لازم قرار دیا گیا ہے جو حضرت استاذ (مولانا انور شاہ کشمیری) مرحوم کے بیان سے ظاہر ہوتا ہے تو پھر رکنیت اور شرطیت کا اختلاف بہت بڑھانا نہ چاہیے۔ بلکہ اب مناسب یہ ہے کہ اختلاف کی تنقیح یوں کر دی جائے کہ اقرار کرنا بالاتفاق ضروری ہے مگر ایک فریق نے اس کی اہمیت زیادہ محسوس کر کے رکنیت کا لفظ کہہ دیا ہے اور دوسری جماعت نے گو اہمیت کو تسلیم کیا ہے مگر رکنیت کا لفظ نہیں کہا، پھر اگر پہلے فریق نے رکن کہا ہے تو لفظ زائد کہہ کر اسے ذرا پھیکا بھی کر دیا ہے۔

حافظ ابن تیمیہؒ یہاں ایک اور مفید تحقیق فرما گئے ہیں۔ وہ فرماتے ہیں کہ اقرار کے دو معنی آتے ہیں۔ (۱) زبان سے تصدیق کرنا (۲) التزام طاعت اور عہد عمل و فرمان برداری، آیت ذیل میں یہی دوسرے معنی مراد ہیں۔ (ایضاً ص ۱۶۱)

اور جب اللہ تعالیٰ نے انبیاءؑ سے عہد لیا کہ جو کچھ میں نے تم کو دیا کتاب اور علم، پھر تمہارے پاس کوئی رسول آئے کہ سچا بتائے تمہارے پاس والی کتاب کو تو اس رسول پر ایمان لاؤ گے اور اس کی مدد کرو گے۔ فرمایا کیا تم نے اقرار کیا اور اس شرط پر میرا عہد قبول کیا، وہ بولے ہم نے اقرار کیا۔

اس آیت میں اقرار کا لفظ عہد عمل اور التزام طاعت ہی کے معنی میں مستعمل ہوا ہے کیونکہ یہاں انبیاءؑ سے کسی امر کی صرف تصدیق مطلوب نہیں بلکہ اس کا عہد لیا جارہا ہے کہ جو رسول تمہارے پاس آئے گا تمہیں اس کی اطاعت کرنا ہوگی اس پر ایمان لانا ہوگا، اس کی نصرت کرنی پڑے گی، التزام طاعت کا بھی یہی مفہوم ہے اب اگر اقرار سے یہ معنی مراد لے لیے جائیں تو ایمان کی تعریف میں صرف اقرار کی قید کافی ہوگی، ورنہ التزام طاعت کے تیسرے رکن کا اور اضافہ کرنا ضروری ہوگا۔

ایمان اور غائبات سے اس کی خصوصیت

چونکہ علماء نے ایمان کی تعریف میں عموماً تصدیق کا ہی لفظ ذکر کیا ہے اس لیے عام طور پر ایک غلط فہمی یہ پیدا ہوگئی ہے کہ ایمان گویا تصدیق کے مرادف ہے جس کا نتیجہ یہ نکلا کہ قرآن وسنت میں جہاں جہاں یہ لفظ مستعمل تھا اس کی تشریح کے لیے بس تصدیق کا لفظ کافی سمجھ لیا گیا ہے، حالانکہ ان ہر دو لفظوں میں بہت بڑا فرق ہے اگر اس کی رعایت نہ کی جائے تو ان احادیث وآیات کی اصل مراد ہی ہاتھ نہیں آسکتی۔ حافظ ابن تیمیہؒ کا خدا بھلا کرے جنہوں نے اس ضروری فرق کو بیان فرما کر ان بے شمار آیات واحادیث کے معانی سے حجاب غفلت اٹھا دیا ہے اور ان کی صحیح مرادیں ہمارے سامنے واضح کر دی ہیں۔ ضروری ہے کہ پورے اعتناء کے ساتھ اس کا مطالعہ کیا جائے۔ ان کی تحقیق کا خلاصہ یہ ہے کہ ایمان کا لفظ امن سے مشتق ہے اس لیے امانت واعتماد کے معنی اس میں ہمیشہ ملحوظ رہتے ہیں۔ لفظ تصدیق کے مادہ میں چونکہ یہ خصوصیت نہیں ہے اس لیے ہر خبر میں خواہ وہاں مخبر کی امانت داری کی ضرورت ہو یا نہ ہو تصدیق کا لفظ یکساں مستعمل ہوسکتا ہے، ایمان کے معنی بھی گو تصدیق کے ہیں مگر اس کا استعمال صرف ان خبروں تک محدود رہے گا جو اپنی چشم دید نہ ہوں بلکہ عدم موجودگی کی ہوں

کیونکہ یہاں اگر تصدیق کی جائے گی تو وہ صرف مخبر کی امانت و دیانت، اس کے اعتماد و وثوق کی بناء پر کی جائے گی۔ اسی لیے اگر ایک شخص طلوع آفتاب یا فوقیت آسمان کی خبر دیتا ہے تو اس کے جواب میں "آمنت" نہیں کہہ سکتے، یا دو شخص اگر ایک چیز کا مشاہدہ کرتے ہیں تو لغتہ ایک دوسرے کی تصدیق کے لیے "صدق احدهما صاحبه" کہا جاتا ہے "امن له" نہیں کہا جاسکتا، اس کی وجہ یہی ہے کہ یہاں تصدیق کے لیے دوسرے پر اعتماد و وثوق کی کیا ضرورت ہے، یہ خود اپنے مشاہدہ کی خبر ہے۔ اس لیے یہاں ایمان کا لفظ استعمال کرنا صحیح نہیں۔

اسی لیے حضرت یوسف علیہ السلام کے بھائیوں نے واپس آ کر حضرت یعقوب علیہ السلام کی خدمت میں جب اپنے بھائی کے قتل کا غلط افسانہ عرض کیا تو "وما انت بمومن لنا" کہا "وما أنت بمصدق لنا" نہیں کہا۔ چونکہ یہ واقعہ بھی حضرت یعقوب علیہ السلام کی عدم موجودگی میں تیار کیا گیا تھا، اس لیے اگر وہ اس کی تصدیق کر سکتے تو صرف ان کے اعتماد و وثوق کی بناء پر کر سکتے تھے لیکن حضرت یوسف علیہ السلام کے بھائیوں پر چونکہ ان کو اعتماد نہیں تھا اس لیے اس بے اطمینانی و بے اعتمادی کے موقعہ پر "وما انت بمومن لنا" سے زیادہ خوب صورت لفظ اور کوئی نہیں ہوسکتا تھا۔ اب اس آیت کا مطلب یہ ہوا کہ آپ کو ہمارے بیان کی تصدیق ہو تو کیونکر خود آپ تشریف فرما نہ تھے اور ہم پر آپ کو اطمینان و اعتماد نہیں، لیکن بات یہ ہے کہ ہیں ہم سچے۔

اسی طرح حضرت ابراہیم علیہ السلام کے قصہ میں حضرت لوط علیہ السلام کی تصدیق کو قرآن کریم نے اسی لفظ ایمان سے ادا کیا ہے کیونکہ انہوں نے بھی حضرت ابراہیم علیہ السلام کے ایمان کی تصدیق صرف ان کے اعتماد پر کی تھی۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے "فامن له لوط" یہاں بھی "فصدق له لوط" نہیں فرمایا۔

غائبات اور ایمان کی اسی خصوصیت کو سورۂ بقرہ میں "یؤمنون بالغیب" کے لفظ سے ادا فرمایا گیا ہے یہاں غیب کا لفظ صرف بطور بیان واقع نہیں ہے بلکہ اس حقیقت کو واضح کرنے کے لیے ہے کہ ایمان کا تعلق صرف غائبات کے ساتھ ہے۔ مشاہدات کے ساتھ ایمان کا کوئی تعلق نہیں ہے۔

اگر یہ حقیقت پورے طور پر سمجھ لی جاتی تو اخبار غائبہ میں بحث وتمحیص کا ایک مرحلہ بڑی حد تک ختم ہو جاتا۔ ناواقف صاحبان ابھی تک یہ نہیں سمجھے کہ ایمان کا تعلق ہے تو کس چیز سے ہے۔ وہ چاہتے ہیں کہ دین کے جملہ غائبات پہلے اس طرح معقول بنائے جائیں کہ پھر ان کی تصدیق کے لیے اعتماد رسول کا واسطہ ہی نہ رہے اور یہ نہیں جانتے کہ دلائل کی بحث سے گذر کر صرف رسول کے اعتماد پر اس کے اقوال وافعال کے تسلیم کر لینے کا نام ہی تو ایمان ہے۔ اسی تسلیم ورضا میں انسانی عقول کی آزمائش ہے۔ پختہ کار جانتا ہے کہ ایک صادق القول پر اعتماد کرنے سے بڑھ کر کوئی اور دلیل اطمینان بخش نہیں ہو سکتی مگر ایک خام کار اپنی نارسائی اور بے شعوری کے باوجود دلائل کے بغیر شفاء حاصل نہیں کرتا۔

حالانکہ دلائل کا راستہ سر تا سر تردد وشبہ کا راستہ ہے، عقل انسانی اگر غائبات پر ایک طرف کوئی دلیل قائم کر بھی لے تو دوسری عقل اس کے خلاف پر دلائل قائم کرنے سے عاجز نہیں رہ سکتی۔ یہی وجہ ہے کہ آج تک عقلاء میدان بحث میں کبھی کسی امر پر متفق نظر نہیں آتے اور ہمیشہ ایک دوسرے کے خلاف دلائل کا دروازہ کھٹکھٹاتے نظر آتے ہیں۔ آئے دن ان کی تحقیقات کی دنیا بدلتی رہتی ہے۔ اس پر طرہ یہ کہ اسی ایک عالم جہالت سے دوسرے عالم جہالت کی طرف منتقل ہونے کا نام (ریسرچ) اور تحقیق رکھ لیا جاتا ہے کاش کہ صاحب وحی کی ریسرچ پر اعتماد ووثوق کر لیتے تو یہ عمر عزیز ساحل کی تلاش میں یوں مفت برباد نہ ہوتی حقیقت کا راستہ شریعت نے ٹھیک ٹھیک بتا دیا ہے۔ اب جو کام ہمارا رہ جاتا ہے وہ اس پر چل کر منزل مقصود کو پہنچ جانا ہے اور بس۔

ایمان بالغیب کا راستہ بس یہی ایک راستہ ہے جس میں روح کو حقیقی اطمینان حاصل ہو سکتا ہے۔ اس کے ماسواء جس قدر راہیں ہیں وہ تذبذب کی راہیں ہیں، تردد کی راہیں ہیں، نہ روح کے لیے ان میں کچھ تسلی ہے نہ نفس کو کچھ تشفی۔

اِنَّ هٰذَا صِرَاطِیْ مُسْتَقِیْمًا فَاتَّبِعُوْهُ وَلَا تَتَّبِعُوا السُّبُلَ فَتَفَرَّقَ بِكُمْ عَنْ سَبِیْلِهٖ. (الانعام: ۱۵۳)

یہ ہے میرا سیدھا راستہ اس پر چلو، دوسرے اور منحرف راستوں پر مت چلو، کہ وہ تمہیں اس بڑی شاہراہ سے جدا کر دیں گے۔

مذکورہ بالا بیان کا مقصد غور وفکر کی راہ بند کرنا نہیں ہے بلکہ صرف اس کا ایک دائرہ بتلانا ہے اس کا نام عقل کا تعطل نہیں بلکہ طریق استعمال کی صحیح تعلیم ہے، آیات آفاقی وانفسی کا دائرہ کیا کم ہے کہ اسے چھوڑ کر عالم غائبات پر اٹکل کے تیر چلائے جائیں جو دارالعمل ہے اس میں خوب غور کرو اور جو دارالجزاء ہے اسے احکم الحاکمین کے حوالہ کردو۔

عالم غیب اور دلائل

جب تک ایمان کا مقام انقیاد میسر نہیں آتا۔ آپ کو حجت بازی کا موقعہ رہتا ہے۔ لیکن جب رسالت کی تصدیق دلیل یا بے دلیل حاصل ہوگئی تو اب انقیاد باطن کا یہ نازک مقام زیادہ لن ترانیوں کا متحمل نہیں رہتا اور آپ کا صرف ایک یہی فرض رہ جاتا ہے کہ رسول کہے اور آپ خاموش سنیں، وہ حکم دے اور آپ مانیں اور کیوں نہ مانیں اگر قلب طوق غلامی پہن چکا ہے تو زبان کو سرتابی کا حق کیا ہے۔ بقول غالب ؎

کسی کو دے کے دل کوئی نوا سنج فغاں کیوں ہو
نہ ہو جب دل ہی پہلو میں تو پھر منہ میں زباں کیوں ہو

رسول کی تصدیق کا بھی دعوئی ہے پھر بات بات پر شبہات اور حجت بازی کی خلش بھی جاری ہے کیا بیک وقت یہ دو متضاد باتیں نہیں؟ کیا وثوق اور اعتماد اسی کا نام ہے کہ رسول جو کہتا ہے اس کو تسلیم نہیں کیا جا سکتا تاوقتیکہ دلائل و براہین سے وہ ہمارا منہ بند نہ کردے۔

اور لوگ کہتے ہیں کہ ہم نے اللہ کو اور رسول کو مانا اور ہم ان کے فرمان بردار بن گئے۔ اس کے بعد پھر ان میں سے ایک جماعت پھر جاتی ہے، اور وہ لوگ ماننے والے نہیں ہیں۔ جب ان کو بلایا جاتا ہے اللہ اور رسول کی طرف تاکہ ان میں فیصلہ کرے تب ہی ایک فرقہ ان میں منہ موڑ لیتا ہے اگر ان کو کچھ ملتا تو اس کی طرف (فوراً) چلے آئیں قبول کر کے، کیا ان کے دلوں میں (کوئی) روگ ہے یا دھوکہ میں پڑے ہوئے ہیں یا ڈرتے ہیں کہ ان پر اللہ اور اس کا رسول بے انصافی کرے گا۔ کچھ نہیں وہی لوگ بے انصاف ہیں۔ ایمان والوں کی بات یہی تھی کہ جب اللہ اور رسول کی طرف ان میں فیصلہ کے لیے بلائے جائیں تو کہیں ہم نے سنا اور حکم مان لیا اور کامیاب یہی لوگ ہیں۔

اشاعرہ اور امام ابو منصور ماتریدیؒ تصریح فرماتے ہیں کہ ایمان اسی بے دلیل انقیاد و اطاعت کا نام ہے۔ (اتحاف ج ۲ ص ۲۴۰)

اب آپ یہ خوب سمجھ گئے ہوں گے کہ ایمان کا وجود ذہنی یا شرعی تصدیق کوئی معمولی تصور نہیں ہے جس کی حیثیت صرف ایک خواب وخیال کی سی ہو بلکہ قلب انسانی پر یہ وہ نقش ہے جو ایک لمحہ میں آبائی عقائد کے سب نقوش محو کر دیتا ہے۔ زمانہ جاہلیت کے مفاخر آنکھوں میں معائب نظر آنے لگتے ہیں حتیٰ کہ طعام وشراب، وضع وقطع، رفتار وگفتار سب میں ایک عظیم تبدیلی رونما ہو جاتی ہے بلکہ سمع وبصر، ذوق وشم یعنی حواس خمسہ کی دنیا کی دنیا منقلب ہو جاتی ہے۔ یہاں تک کہ جو نغمہ پہلے دلکش تھا جو صورت پہلے دل فریب تھی، جو کھانا لذیذ معلوم ہوتا تھا، جو خوشبو بھلی لگا کرتی تھی، اب اسی نغمہ میں وہ دلکشی، اسی صورت میں وہ دلبری، اسی کھانے میں وہ لذت، اسی خوشبو میں وہ کشش باقی نہیں رہتی مدتوں کی صحبت سے طبیعت اگر کبھی مچلتی بھی ہے تو دل اندر ہی اندر سمجھانے لگتا ہے اور آخر تصدیق قلبی کی مضبوط کڑیاں آئین اسلام سے ادھر ادھر جانے نہیں دیتیں۔ نفس چاہتا ہے کہ قدیم لذائذ کا پھر مزہ لوٹے مگر صفت انقیاد کا ذائقہ انہیں بے مزہ بنائے دیتا ہے۔ اسی لیے ہمارے فقہاء نے کفر کے بعد اسلام کو ایک حیوٰۃ نو سمجھا ہے اور کفر واسلام پر بہت سے ایسے احکام متفرع کر دیئے ہیں جو حقیقی موت وحیات پر ہو سکتے ہیں۔ اسی لیے کفر و اسلام کی معمولی تبدیلی انسان کے آخرت کی تبدیلی بن جاتی ہے اگر کسی کو تمنا ہے کہ وہ عالم نقمت کو عالم نعمت سے اور عالم عذات کو عالم ثواب سے بدل دے تو اس کو چاہیے کہ آج عالم کفر کو عالم اسلام سے بدل لے۔ قدرت کے اس دست فیاض پر قربان جس نے عالم فانی کی اس ترمیم سے عالم جاودانی کی ترمیم کا وعدہ فرمالیا ہے بلکہ اس ابدی مقام کو اس عارضی ترمیم کا تابع بنا دیا ہے کیا اب بھی آپ سمجھ گئے کہ تصدیق قلبی کسے کہتے ہیں اور ایمان کا وجود ذہنی کیا ہے؟

ایمان کا وجودِ عینی

ایمان کا لفظی اور ذہنی وجود آپ سن چکے یہ وجود جب اور رسوخ و پختگی اختیار کر لیتا ہے تو پھر یہی ایمان جو اس منزل تک صرف ایک معنی تھا اب رفتہ رفتہ شکل وصورت اختیار کرنے لگتا ہے۔

ارباب حقائق کے نزدیک تو معانی کا تجسد ثابت شدہ حقیقت ہے اور موجودہ تحقیقات کے مطابق بھی آج وزن جو درحقیقت مادہ کی صفت تھی حرارت کے لیے ثابت ہو چکی ہے بلکہ اس کے وزن کے لیے ایک مقیاس الحرارت بھی تیار کرلیا گیا ہے اور اب بآسانی ہر شخص اپنی حرارت کا وزن کرسکتا ہے۔ اسی طرح آواز کو مدت تک محض ایک معنی تصور کیا گیا تھا جو ہوا میں آتی اور فناء ہو جاتی ہے مگر حال کی تحقیقات نے یہ ثابت کر دیا ہے کہ عالم کی پیدائش سے لے کر آج تک جتنی اصوات اس (فضاء) میں نکلیں ہیں وہ سب کی سب محفوظ موجود ہیں اور ان سے استفادہ کی سعی ہنوز جاری ہے۔ ریڈیو کی محیر العقول ایجاد کی بنیاد یہی جدید اکتشاف ہے۔ یہ سن کر آپ کو حیرت ہوگی کہ تحقیقات عصریہ باوجود اس تمام جدوجہد کے اب تک اس مقام تک نہیں پہنچ سکیں جہاں ہمارے ارباب حقائق کی نظریں آج سے سینکڑوں سال پیشتر پہنچ چکی تھیں۔ شیخ محی الدین ابن عربیؒ فتوحات مکیہ میں اصوات کے صرف وجود کی تصریح نہیں کرتے۔ بلکہ اس سے بڑھ کر ان کی صورتوں کے بھی قائل ہیں اور یہ بھی کسی دلیل سے نہیں بلکہ اپنے چشم دید مشاہدہ سے دیکھئے کہ سائنس اپنی اس برق رفتاری کے باوجود کب اس مقام تک پہنچتی ہے۔

اسی طرح ایمان بھی ابتداءً گو تصدیق قلبی کا نام ہے مگر یہ تصدیق اعمال صالحہ کے آبیاری سے نشوونما پاکر ایک نور کی سی شکل اختیار کرلیتی ہے اور یہی نور ایمان کا وجود عینی کہلاتا ہے۔ حضرت لقمان کی وصیت میں منقول ہے کہ انہوں نے فرمایا اے بیٹے جس طرح کھیتی بلا آبیاری کے سرسبز نہیں ہوسکتی اسی طرح ایمان بلا علم وعمل کے پختہ نہیں ہوسکتا۔ (اتحاف ج ۲ص ۲۳۸)

امام ابن ابی شیبہ اور امام بیہقی اور امام ابوعبید اور امام اصبہانی نے اپنی اپنی کتابوں میں حضرت علیؓ سے روایت کیا ہے کہ پہلے ایمان ایک سفید نقطہ کی شکل پر قلب میں نمودار ہوتا ہے اور جتنا ایمان بڑھتا جاتا ہے اسی قدر یہ نقطہ پھیلتا جاتا ہے۔ یہاں تک کہ جب ایمان مکمل ہو جاتا ہے تو سارا قلب سفید ہو جاتا ہے یہی حال نفاق کا ہے کہ پہلے سیاہ نقطہ کی شکل میں ظاہر ہوتا ہے اور بالآخر تمام قلب سیاہ ہو جاتا ہے۔ خدا کی قسم اگر تم ایک مؤمن کا قلب نکال کر دیکھو تو بالکل سفید پاؤ گے اور ایک منافق کا قلب دیکھو تو بالکل سیاہ

دیکھو گے۔ (اتحاف ج ۲ص ۲۵۹) لیکن معانی کے اس تجسد کے مشاہدہ کے لیے وہی تیز آنکھیں درکار ہیں جن کا ذکر اس آیت میں موجود ہے۔ فَبَصَرُکَ الْیَوْمَ حَدِیْدٌ

صحیح احادیث سے ثابت ہے کہ جس وقت رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم کا سینہ مبارک شق کیا گیا تھا ایک سنہری طشت ایمان وحکمت سے لبریز لایا گیا اور اسے آپؐ کے صدر مبارک میں لوٹ دیا گیا تھا۔ عجب نہیں کہ اس سے مراد ایمان کا یہی وجود عینی ہو۔ انبیاء کے کمالات اکتساب کا ثمرہ نہیں ہوتے بلکہ قدرت اسی طرح ان کے منازل کمالات خود طے کرادیتی ہے۔

یہ نور تصدیق جس قدر رسوخ پیدا کرتا جاتا ہے اتنا ہی خواہشات نفسانیہ کے حجابات اٹھتے جاتے ہیں اور جیسے جیسے یہ حجابات اٹھتے جاتے ہیں اسی قدر یہ نور اور منبسط ہوتا جاتا اور پھیلتا جاتا ہے شدہ شدہ یہاں تک پھیل جاتا ہے کہ انسان کے تمام جوارح کا احاطہ کر لیتا ہے اور یہ مؤمن گویا خود ایمان مجسم بن جاتا ہے جسے دیکھ کر بے ساختہ خدا یاد آنے لگتا ہے۔

حضرت عبدالرحمٰن بن غنم (بفتح غین وسکون نون) اور اسماء بنت یزید فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا ہے کہ اللہ تعالیٰ کے سب سے بہتر بندے وہ لوگ ہیں کہ جب ان پر نظر پڑے تو خدا یاد آ جائے۔ (مسند احمد وشعب الایمان مشکوٰۃ شریف باب حفظ اللسان ولمدیۃ)

اس نور کی وسعت کی بقدر اوامر الٰہیہ کے امتثال اور محظورات شرعیہ سے اجتناب کا جذبہ عمل پیدا ہو جاتا ہے۔ اخلاق رذیلہ زائل ہو جاتے ہیں اور اخلاق فاضلہ اس کی جگہ لے لیتے ہیں اور قلب کو وہ وسعت میسر آ جاتی ہے کہ سارا عالم اس کے پہلو میں مثل ایک نقطہ کے نظر آنے لگتا ہے۔ کیوں نہ ہو کہ مؤمن کا یہ وہ قلب ہے جو اس کے پروردگار کی تجلی گاہ ہے۔ ارشاد باری تعالیٰ ملاحظہ فرمایئے۔

بھلا جس کا سینہ اللہ تعالیٰ نے دین اسلام کے لیے کھول دیا سو وہ روشنی میں ہے اپنے رب کی طرف سے۔

جس کسی کی ہدایت کا اللہ ارادہ کرتا ہے اس کا سینہ اسلام کے لیے کھول دیتا ہے۔

یہ شرح صدر بھی گو ایک معنی ہیں جس کا مطلب صرف اسلام کا فراخدلی سے بلا پس و پیش قبول کر لینا سمجھا جا سکتا ہے مگر اس معنی کا بھی ایک وجود عینی ہے وہ صرف یہ معنوی فراخی

نہیں بلکہ وہ وسعت ہے جو مؤمن کامل اپنے قلب میں حساً بھی مشاہدہ کرتا ہے (علامہ مجد الدین فیروز آبادی نے اس شرح صدر کی تفصیل میں سفر السعادۃ میں مستقل ایک فصل لکھی ہے مراجعت کی جائے) اب حضرت رسالت کے حق میں شرح صدر کا جو مصداق ہو سکتا ہے اس کا خود اندازہ کرلو۔ قرآن امتنان کے لہجہ میں فرماتا ہے۔

اَلَمْ نَشْرَحْ لَکَ صَدْرَکَ. (الشرح: ۱) کیا ہم نے آپ کا سینہ نہیں کھول دیا۔

حدیث شریف میں ارشاد ہے کہ جب نور یقین قلب میں داخل ہوتا ہے تو اس میں ایک فراخی اور کشادگی نمودار ہو جاتی ہے۔ صحابہ کرامؓ نے عرض کیا یا رسول اللہؐ! اس کی کچھ علامت بیان فرمایئے۔ ارشاد ہوا اس کی تین علامتیں ہیں:

(۱) آخرت کی طرف میلان۔ (۲) دنیا سے نفرت اور یکسوئی۔ (۳) موت سے پیشتر اس کی تیاری۔ (شعب الایمان للبیہقی۔ مشکوۃ شریف)

یہ ہے ایمان کا وجود عینی۔ یہی دعوت انبیاء علیہم السلام کا مقصد ہے اور اسی پر نجات مطلقہ (یعنی بلا عذاب) اور فلاح ابدی کا مدار ہے۔ اس ایمان کے بعد مؤمن کے کان "رضی اللہ عنہم و رضوا عنہ" کی پر کیف صدا سننے لگتے ہیں۔ اس مؤمن کو اگر جلا کر خاک بھی کر دیا جائے، اس کے جسم و جان کو ریزہ ریزہ کر دیا جائے تو بھی اس کے ذرہ ذرہ سے اسی ایمان کی صدا بلند ہوگی۔ یہ ایمان صرف ذہنی اور عقلی نہیں رہتا بلکہ دیگر محسوسات کی طرح محسوس ہونے لگتا ہے اس کا نور آنکھیں دیکھتی ہیں۔

سِيْمَاهُمْ فِيْ وُجُوْهِهِمْ مِنْ اَثَرِ السُّجُوْدِ. (الفتح:۲۹) سجدہ کے اثر سے ان کے چہروں پر ان کی علامت (ظاہر) ہے۔

قلب اس کی حلاوت اور شیرینی اس طرح محسوس کرنے لگتا ہے جیسا کہ زبان مٹھائی کی۔ یہ ایمان فطرت انسانی کا ایک مقتضا بن جاتا ہے اور جس طرح فطری خصائل زوال پذیر نہیں ہوتے اسی طرح یہ ایمان بھی زوال کے خطرہ سے بڑی حد تک مامون رہتا ہے۔

ہرقل جو بہت بڑا عالم کتاب تھا اسی وجود عینی کی طرف اشارہ کرتا ہے اس نے اپنے دوران مکالمہ میں ایک سوال ابوسفیان سے یہ بھی کیا تھا کہ اس پر ایمان لا کر کیا کوئی شخص مرتد

ہوتا ہے، اس پر ہزار عداوت کے باوجود جو جواب ابوسفیان کی زبان سے نکلا وہ صرف نفی محض میں تھا۔ یہ سن کر ہرقل نے جو کلمات کہے اس کی علمی گہرائی کا خوب پتہ دیتے ہیں۔

یعنی ایمان ایسی ہی چیز ہے کہ جب اس کی بشاشت اور تراوٹ دلوں میں رچ جاتی ہے تو پھر نکلا نہیں کرتا۔

یہ ایمان کے وجود عینی ہی کی طرف اشارہ ہے اسی کا نام ایمان کامل ہے اسی کو معرفت بھی کہا جاتا ہے علوم ابتداء میں صرف علوم رہتے ہیں مگر کچھ رسوخ کے بعد قلب میں اپنا ایک رنگ پیدا کر دیتے ہیں جس کے بعد قلب میں لطف اندوزی یا انقباض کی کیفیت پیدا ہونے لگتی ہے اس وقت ان کا نام حال ہو جاتا ہے پھر اگر ترقی کر کے یہ لون اور رسوخ اور پختگی اختیار کر لیتا ہے تو اسی کا نام معرفت بن جاتا ہے اور اسی کو مرتبہ احسان سے تعبیر کر سکتے ہیں یہ علوم کی انتہائی معراج ہے۔ پھر اس معرفت میں بے نہایت مراتب و مدارج ہیں اور ان ہی مراتب کے لحاظ سے مؤمنین کا تفاضل ہے۔

اِنَّ اَكْرَمَكُمْ عِنْدَاللهِ اَتْقَاكُمْ۔ (الحجرات:۱۳)

عزت اللہ کے یہاں اسی کو ہے جو تم میں زیادہ پرہیزگار ہو۔

عمل و ایمان کا توازن

ایک ظاہر بیں صرف عمل پر نظر رکھتا ہے اور اسی پر فضیلت و مفضولیت کا فیصلہ کر ڈالتا ہے، مگر حقیقت شناس جانتا ہے کہ اصلی روح انقیاد باطن ہے اور عمل اس کا صرف ایک قالب اور ڈھانچا ہے اس لیے اس کی نظر قوت ایمانیہ پر ہوتی ہے اور یہی اس کا معیار فضیلت رہتا ہے صحیح احادیث میں سرور کائنات صلی اللہ علیہ وسلم کا ایک خواب مذکور ہے کہ گویا کنویں پر ایک ڈول پڑا ہے۔ پہلے میں نے (جب تک خدا نے چاہا) اسے کھینچا میرے بعد پھر اسے ابوبکرؓ نے لے لیا اور ایک دو ڈول نکالے مگر کچھ ضعف کے ساتھ پھر ان سے عمر فاروقؓ نے لیا تو اس قوت سے ڈول کھینچے کہ اونٹ والوں نے اپنے اونٹوں کے پانی پی کر بیٹھنے کی جگہ وہاں تیار کر لی۔ بعض علماء نے یہاں ضعف سے ابوبکرؓ کی مدت خلافت مراد لی ہے اور بلاشبہ یہ مدت بہ نسبت خلافت عمرؓ کے نہایت قلیل تھی مگر کسی نے یہ بھی تسلیم کر لیا ہے کہ جو عملی شدت و شوکت عہد فاروقی میں نظر

آئی، وہ عہد صدیقی میں ظہور پذیر نہیں ہوئی۔ شاید اسی خصوصیت کے پیش نظر حضرت ابن مسعودؓ فرماتے ہیں کہ عمرؓ کے اسلام کے بعد ہم ہمیشہ معزز رہے اور کبھی ذلت کا سامنا نہیں کرنا پڑا۔

اب اگر تسلیم کرلو کہ عملی قوت کے لحاظ سے عمر فاروقؓ حضرت ابو بکرؓ سے زیادہ تھے تو یہ بھی ایک ناقابل انکار حقیقت ہے کہ قوت ایمانی کے اعتبار سے حضرت ابو بکرؓ حضرت عمرؓ سے کہیں فائق تھے۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے حادثہ انتقال پر عمر فاروقؓ کی بے صبری واضطراب اور حضرت ابو بکرؓ کا صبر واستقلال تاریخی واقعہ ہے۔ جب قوائے عملیہ جواب دے دیتے ہیں تو ایسے ہی وقت قوت ایمانیہ کا امتحان ہوتا ہے اگر کہیں حضرت صدیق اکبرؓ کی قوت ایمانیہ نے فاروق اعظمؓ کو نہ سنبھالا ہوتا تو معلوم نہیں کہ اس جاں گداز واقعہ نے ان کو کتنا اور مدہوش بنا دیا ہوتا۔ خدا ہی جانے کہ اس ہنگامہ بے صبری میں ابو بکرؓ کی زبانی وہ چند کلمات کیا تھے جن کے بعد جلتے ہوئے سینوں کی آگ بجھ گئی۔ مدہوش عقول کو ہوش آ گیا اور (جو موت کا لفظ سننے پر قادر نہ تھے تجہیز وتکفین میں مشغول ہو گئے، اگر ابو بکرؓ کی قوت ایمانیہ اس طرح قلوب کی کایا نہ پلٹ دیتی تو نہیں معلوم واقعات کہاں تک نزاکت اختیار کر لیتے، ایسے نازک دور میں صحابہؓ کی جماعت کی جماعت میں بجلی کی طرح یہ انقلاب پیدا کر دینا صدیق اکبرؓ کی فضیلت کی وہ بروقت دلیل تھی جس کے بعد بیعت کے لیے ہاتھ بڑھا دینا ہر مسلمان کا ایک اضطراری فرض ہو گیا تھا اور یہ وہ وقت تھا جب عمل وایمان کا توازن عالم میں آشکارا ہو رہا تھا۔

صحیح احادیث میں وارد ہے کہ ساری دنیا گویا ایک دن ہے جس میں امت محمدیہ کا وقت صرف عصر سے غروب تک ہے اور دوسری امتوں کا فجر سے ظہر تک، مگر قدرت کا فیصلہ یہ ہوتا ہے کہ مزدوری امت محمدیہ کو دوسری امتوں سے دوگنی ملتی ہے۔ بات وہی ہے کہ مدار قوت عمل پر نہیں بلکہ قوت ایمان پر ہے۔

تم سب امتوں میں اس لیے افضل ہو کہ امر بالمعروف اور نہی عن المنکر تمہارا شیوہ ہے اور سب سے بڑی بات یہ ہے کہ تم اپنے خدا پر ایمان رکھتے ہو۔

آیت مذکورہ نے اس بحث کا فیصلہ کر دیا کہ کچھ افراد کا نہیں بلکہ جماعات وامم میں

بھی فضیلت کا قانون وہی ایک ہے اس کے بعد اگر انبیاء کی سوانح پر غور کرو تو جو مدت عمل خاتم النبیین کو مرحمت ہوئی وہ صرف چند سال ہیں اور جو زمانہ حضرت نوح علیہ السلام کو ملا وہ بنص قرآن ہزار سال تھے پھر کون نہیں جانتا کہ فضیلت کا تاج کس کے سر پر ہے۔ الغرض افراد وامم اور انبیاء علیہم السلام میں افضلیت کا ایک ہی قانون ہے یعنی ایمانی روح اور الٰہی معرفت بلکہ جہاں یہ روح نہیں وہاں عمل کی کوئی قیمت نہیں۔

قیامت میں ہم کفار کے اعمال کیلئے کوئی ترازو قائم نہیں کریں گے۔ کیونکہ ترازو وزن کیلئے ہوتی ہے اور کافر کا عمل بے وزن ہے۔

سرور کائنات صلی اللہ علیہ وسلم ایک دوسرے خواب میں دیکھتے ہیں کہ مجھے ساری امت کے بالمقابل تولا گیا تو میرا پلا بھاری رہا پھر اس میں ابوبکرؓ کو رکھا گیا تو اسی طرح ساری امت سے وہ بھاری رہے۔ اس کے بعد پھر عمرؓ کو تولا گیا تو وہ سب سے وزنی رہے۔ یہ وزن نبی کی اسی قوت ایمانی کا تھا جس کے مقابل ساری امت ہیچ نظر آئی۔ پھر اسی مناسبت سے ابوبکر وعمر کو قیاس کرلو۔

بہرحال احادیث کا بے شمار ذخیرہ اسی طرف رہبری کرتا ہے کہ اصل قیمت انقیاد باطن کی ہے اور پھر اسی کے بقدر عمل کا وزن اور انسان کا فضل ہے۔ (کتاب الایمان ص ۱۳۷و۱۳۸)

ایمان اور معرفت

جہم بن صفوان امام اعظمؒ کا ہمعصر صفات باری تعالیٰ کا منکر تھا اور کہتا تھا کہ ایمان صرف معرفت قلبیہ کا نام ہے زبان سے اقرار کرنا کچھ ضروری نہیں بلکہ اس کے نزدیک اگر ایک شخص زبان سے انکار بھی کر گذرے مگر اس کو معرفت قلبی حاصل ہو تو مؤمن کامل رہ سکتا ہے۔ حافظ ابن تیمیہؒ تصریح فرماتے ہیں۔ (ایضاً ص ۱۶۴) کہ اس مسئلہ میں امام اعظمؒ نے اس کی تردید فرمائی ہے اور یہی ایک مسئلہ نہیں بلکہ اور مسائل میں بھی اس کے ساتھ آپ کے مناظرے تصانیف میں کھلے طور پر موجود ہیں۔ (اتحاف ج ۲ ص ۲۴۲)

مگر اس پر بھی بعض نامنصف قلم حنفیہ کے سر جہمیہ کی تہمت تھوپنے سے باز نہ آئے۔

تاریخ میں حنفیہ پر یہ پہلا ظلم نہیں بلکہ وہ اس قسم کے مظالم کے ہمیشہ تختہ مشق بنے رہے ہیں۔

اگران بے محل انتسابات کے وجوہ واسباب پر بالتفصیل روشنی ڈالی جائے تو ایک مستقل تصنیف بن سکتی ہے۔ ہمارا مقصد اس وقت صرف یہ ہے کہ اگر تاریخ حنفیہ پر یہ جور وستم روا رکھتی ہے تو رکھے مگر ہمارا ابھی فرض ہے کہ ہم اس کی یہ ناانصافی برابر دہراتے رہیں کان اگر دلچسپی سے نہیں سن سکتے تو نہ سنیں۔

کتب کلام کی ورق گردانی کرو گے تو تم کو معلوم ہوگا کہ جہمیہ کے ساتھ حنفیہ کو مرجیہ بھی کہا گیا ہے لیکن اگر ذرا تحقیق سے کام لوگے تو روشن ہو جائے گا کہ حنفیہ کا دامن اس تہمت سے بھی قطعاً پاک وصاف تھا۔ فروعی اور اجتہادی مسائل میں اگر اختلاف ہو تو ہونا چاہیے مگر غم اس کا ہے کہ دین کے وہ اصولی مسائل جن میں کوئی اختلاف نہ ہونا چاہیے اور نہ درحقیقت کوئی اختلاف تھا پھر عجلت پسند طبائع نے کیوں ان کا ایک غلط افسانہ تیار کر دیا۔ خدا بھلا کرے حافظ ابن تیمیہؒ کا کہ اپنی کتاب الایمان میں وہ ایک سطر یہ لکھ گئے ہیں۔

یعنی یہ بات ضروری طور پر پیش نظر رہنی چاہیے کہ اہل سنت والجماعت میں ایمان کے مسئلہ کے متعلق جتنے بھی اختلافات نظر آتے ہیں درحقیقت وہ صرف نزاع لفظی ہیں۔

ایک غریب عالم کی محنت اور جانفشانی کا کیا اندازہ کیا جا سکتا ہے جو اپنی پرسکون راتوں کو دن بنا بنا کر ہزاروں صفحات کا مطالعہ کر لیتا ہے اور جب کسی نتیجہ کے لیے اس کا قلب مضطر ہونے لگتا ہے تو کسی مصنف کی ایک سطر اس کے سارے منصوبے یہ کہہ کر خاک میں ملا دیتی ہے۔ خواب تھا جو کچھ کہ دیکھا جو سنا افسانہ تھا۔

اب ملاحظہ فرمائیے کہ حافظ ابن تیمیہؒ ۱۱۹ صفحات میں تحقیقات کے دریا بہا دیتے ہیں اختلافات اور جانبین کے پرزور رد وقدح سے عقل متحیر رہ جاتی ہے وہ چاہتی ہے کہ کوئی راستہ تلاش کرے مگر اختلافات کے اس برق ورعد میں اسے کان پڑی آواز سنائی نہیں دیتی، اور جب آخر میں یہ معلوم ہوتا ہے کہ اس میں اکثر حصہ صرف نزاع لفظی تھا تو تھک کر بیٹھ جاتی ہے اور اپنی اس دردسری کی فریاد کا موقعہ بھی نہیں دیکھتی۔ خوب کہا ہے کہ علم کیا ہے؟ کوہ کندن وکاہ برآوردن۔

اس جگہ یہ سوال پیدا ہوتا ہے کہ جب جنگ کچھ نہ تھی تو پھر بیکار یہ قلعے کیوں بنائے گئے۔ غور کرنے سے پتہ لگتا ہے کہ محدثین کو سارا غصہ اس پر ہے کہ جو لفظ سلف سے منقول ہوتے چلے آرہے تھے فقہاء نے ان کو کیوں ترک کیا، بالخصوص جب کہ ان کے ترک سے

فرق باطل کو کچھ اعانت بھی مل گئی۔ حافظ ابن تیمیہ تصریح فرماتے ہیں (کتاب الایمان ص ۱۶۰) کہ جس کسی نے فقہاء کو مرجئہ میں شامل کیا ہے اس نے عقائد کے لحاظ سے نہیں کیا بلکہ صرف ان الفاظ کی وجہ سے کیا ہے جن سے مرجئہ کی موافقت کی بوآتی ہے۔

مرجئہ ایک فرقہ ہے جس کا یہ خیال تھا کہ ایمان کے لیے صرف زبانی اقرار کافی ہے اور عمل کی کوئی ضرورت نہیں ہے۔ جہمیہ نے ان سے بھی ایک قدم اور آگے بڑھا کر یہ کہہ دیا کہ اقرار کی بھی کوئی ضرورت نہیں، صرف معرفت قلبیہ کافی ہے۔ ان فرق باطلہ کے مقابلہ میں محدثین کو ضرورت محسوس ہوئی کہ کوئی عنوان ایسا اختیار کر لیا جائے کہ وہ عنوان ہی خود ان کی تردید کا ایک اعلان بن جائے اس لیے ایمان کی تفسیر میں ہی اقرار و عمل دونوں شامل کر لیے گئے اور الایمان قول و عمل مشہور ہو گیا یعنی ایمان اقرار و عمل کے مجموعہ کا نام ہے۔ حتیٰ کہ شدہ شدہ جو عبارت اس مصلحت سے اختیار کی گئی تھی کچھ زمانہ کے بعد اہل سنت کے شعائر میں شمار ہونے لگی۔ اب جو شخص ایمان کی تعریف میں قول و عمل کہتا اہل سنت تھا اور جو شخص اس تعبیر کو ترک کرتا وہ صرف اس جرم میں ارجاء و جہمیہ کے القاب سے متہم ہوتا۔ (کتاب الایمان ص ۱۲۳ و ۱۷۷)

آج بھی اگر جماعتوں کے اختلافات پر نظر کرو گے تو تم کو معلوم ہو جائے گا کہ اس کی بناء یہی چند الفاظ تھے جن کو نااہلوں نے اصولی اختلاف بنا ڈالا ہے۔ اتنی سی بات تھی جسے افسانہ کر دیا

ہماری بعض کتب میں امام اعظمؒ سے بھی ایمان کی تعریف میں معرفت کا لفظ منقول ہے۔ بس اتنی بات حنفیہ کی طرف جہمیت کے انتساب کے لیے بہانہ بن گئی۔

یعنی ایمان کیا ہے؟ (۱) توحید و رسالت کا اقرار (۲) خدائے تعالیٰ کی معرفت (۳) اس کے سامنے سرتاسر نیاز ہو جانا۔ (۴) اس کا خوف۔ (۵) اس کے کسی حق کو معمولی نہ سمجھنا۔

پہلے تو ہمیں امام صاحب کی طرف اس تعریف کے انتساب میں ہی کلام ہے اور اگر تسلیم کر لیا جائے تو صرف اس بات سے یہ کیسے ثابت ہو سکتا ہے کہ معرفت سے امام صاحب کی وہی مراد ہے جو جہم بن صفوان کے نزدیک ہے۔ جہم کے نزدیک ایمان کے لیے نہ عمل کی ضرورت ہے نہ اقرار کی بلکہ انکار کے بعد بھی ایمان کامل رہ سکتا ہے اور یہاں اقرار کی رکنیت و شرطیت کی بحث ہو رہی ہے۔ رہ گیا انکار تو بلا اختلاف ایک بدترین کفر ہے۔ پھر جہم

اور امام صاحب کے مذہب میں کیا اشتراک رہ سکتا ہے۔ بعض مصنفین نے یہاں معرفت کی تفسیر تصدیق کر دی ہے تاکہ یہ تعریف بھی مشہور کے موافق ہو جائے مگر ہمارے نزدیک اس جگہ معرفت سے وہ عام تصدیق مراد نہیں بلکہ تصدیق کا وجود عینی مراد ہے جسے ایمان کامل کہا جاتا ہے اور بلاشبہ ایمان کامل بلا معرفت تامہ حاصل نہیں ہوتا۔

حافظ ابن تیمیہؒ نے ایمان میں بھی تقسیم پیدا کر دی ہے۔ (کتاب الایمان ص ۶۷و۷۹) (۱) ایمان واجب (۲) ایمان مستحب۔ ایمان واجب ہر شخص پر فرض ہے اور اس مؤمن کا شمار زمرۂ ابرار اور اصحاب الیمین میں ہے۔ ایمان کی دوسری قسم مقربین و سابقین کا حصہ ہے۔ مذکورہ بالا تعریف اسی قسم ثانی کی ہے۔ جیسا کہ تعریف مذکورہ کے بقیہ الفاظ خود اس پر دلالت کرتے ہیں۔ دوم یہ کہ عبدالقادر بغدادی نے جمہور ائمہ و محدثین کا مذہب نقل کر کے اس کی تصریح کی ہے کہ ان کے نزدیک بھی ایمان کے مراتب ہیں اور اعلیٰ مرتبہ یہی معرفت ہے۔

یعنی ایمان کا اعلیٰ مرتبہ۔ معرفت قلبیہ۔ زبان سے اقرار اور اعضاء کا عمل پیرا ہونا۔ یہ ایمان طاعات سے ترقی پذیر ہوتا ہے اور معاصی سے ناقص بھی ہوتا ہے۔

اس کے سوا حافظ ابن تیمیہؒ نے خود محدثین سے ایمان کی تعریف میں معرفت کا لفظ نقل کیا ہے بلکہ جمہور ائمہ کے یہی لفظ پیش کیے ہیں۔ (کتاب الایمان ص ۱۶۰و۱۴۷و۵۹و۵۸)

اب ذرا انصاف کرو کہ اگر ایمان کی تعریف میں ایک لفظ معرفت استعمال کر لینا ہی کوئی جرم تھا تو کیا امام صاحب ہی اکیلے اس جرم کے مرتکب تھے۔ پھر ایک حنفیہ کو کیوں ہدف ملامت بنا لیا گیا۔

اسی طرح اگر حنفیہ نے ایمان میں عمل کو داخل نہیں کہا تو اس کے لیے بھی ان کے پاس دلائل ہیں مگر کیا اتنی سی بات سے ان کو مرجئہ کہنا صحیح ہو سکتا ہے؟ حالانکہ مرجئہ کے نزدیک ایمان کے لیے معاصی کچھ مضرت رساں نہیں اور حنفیہ کے نزدیک اعمال مکمل ایمان ہیں اور اگر صرف لفظی گرفت ہی کوئی چیز ہے تو کیا عمل کو جزء ایمان بنانے سے معتزلہ و خوارج کو تقویت نہیں ہوتی (معتزلہ و خوارج محدثین سے بھی ایک قدم آگے ہیں

اور عمل کو ایسا جزء کہتے ہیں کہ ایک عاصی ان کے نزدیک مؤمن کی فہرست سے خارج ہو جاتا ہے) اب اگر ایمان میں عمل داخل نہ کرنے سے مرجئہ اور جہمیہ کو تقویت ہوتی ہے تو عمل کو جزء بنانے سے معتزلہ وخوارج کو شہ ہوتی ہے پھر محدثین کے غیظ وغضب کا نزلہ حنفیہ ہی پر کیوں گرتا ہے۔ فَصَبْرٌ جَمِيلٌ وَاللّٰهُ الْمُسْتَعَانُ عَلٰى مَا تَصِفُوْنَ

ایمان میں اعمال کی حیثیت

یہ بحث نہایت دلچسپ ہے کہ عمل کی، ایمان میں کیا حیثیت ہونی چاہیے۔ محدثین وفقہاء کا یہاں بھی خوب نزاع ہے فریقین کے دلائل ذکر کرنے کا یہ محل نہیں۔ ہمارے نزدیک یہاں حقیقت حال امام غزالیؒ کی ایک تحقیق ہے اور بس وہی فیصلہ کن ہے اس کے بعد الفاظ خواہ وہ رہیں جو محدثین استعمال کرتے ہیں یا وہ جو فقہاء نے استعمال کیے ہیں (یعنی اعمال کو جزء کہو جو کہ محدثین کا مذہب ہے یا ایمان سے خارج قرار دو جیسا کہ فقہاء کا مسلک ہے) ان کی تحقیق کا خلاصہ یہ ہے:

کہ باطن وظاہر بالکل دو جداگانہ عالم نہیں کہ ایک دوسرے سے متاثر نہ ہوں بلکہ ہر دو کا باہمی ایسا گہرا تعلق ہے کہ ہمیشہ ایک کا دوسرے پر انعکاس ہوتا رہتا ہے اگر اعتقاد باطن، اعمال ظاہرہ کا مقتضی ہوتا ہے تو اعمال ظاہرہ اعتقاد باطن کے ممد ومعاون رہتے ہیں۔ دیکھو اگر ایک شخص یہ اعتقاد رکھتا ہے کہ یتیم پر رحم کرنا انسانیت کا اولین فرض ہے تو اس کے اس عقیدہ کا یہ اقتضاء ہو جاتا ہے کہ وہ اس کے لیے مجسم رحمت ودل سوزی بن جائے۔ پھر جب اس کے اعضاء وجوارح اس دل سوزی کے لیے حرکت کرنے لگتے ہیں تو وہ محسوس کرتا ہے کہ اس کے اعتقاد میں ایک نئی روح داخل ہو رہی ہے اور جتنا جتنا اس کا یہ عمل تلطف وترحم ترقی کرتا ہے اسی قدر اس کے باطن میں شفقت ورحمت کا جوش اور پیدا ہوتا ہے یا اگر ایک شخص تواضع کو نیک خصلت سمجھتا ہے تو اس کا مخلوق سے تواضع کا معاملہ یقیناً اس کے اس اعتقاد میں اور پختگی کا باعث بنتا ہے۔ غرض صفات قلبیہ جس قدر بھی ہیں سب کا حال یہی ہے پہلے وہ اعضاء انسانیہ کو جنبش عمل کے لیے مضطر کرتی ہیں اور جب جوارح مصروف عمل ہو جاتے ہیں تو ان کے آثار لوٹ کر پھر ان صفات کو اور روشن کرتے رہتے ہیں۔ ایمان واعمال کا حال بھی اسی پر قیاس کرلو۔ ایمان ایک عقیدہ ہے

اور اس کا اقتضاء یہ ہے کہ جوارح توحید خالص اور تصدیق رسالت کی اپنے عمل سے گواہی دیں اور جب اعضاء اس اقتضاء کو پورا کرنا شروع کرتے ہیں تو یہ عقیدہ اور راسخ اور تروتازہ وسرسبز ہونے لگتا ہے۔ حافظ ابن تیمیہ حسن بصری سے نقل کرتے ہیں۔

یعنی ایمان صرف ظاہرداری کا نام نہیں بلکہ ایمان اسے کہتے ہیں جو دل میں سرایت کر جائے اور اعمال اس کی تصدیق بھی کریں۔

اس کلام سے ان کا مقصد یہ ہے کہ اعمال انسان کی کیفیات قلبیہ کا آئینہ ہیں۔ اب اگر وہ نیک عمل کرتا ہے تو یہ اس کے قلبی تصدیق کی دلیل ہوگی ورنہ اس کی بدعملی خود اس کے بے ایمانی کی شاہد بن جائے گی۔

محمد بن نصر مروزی نقل فرماتے ہیں کہ عبدالملک نے سعید بن جبیرؒ سے چند سوالات کیے منجملہ ان کے ایمان اور تصدیق کے متعلق بھی ایک سوال تھا انہوں نے اس کا یہ جواب دیا تھا کہ ایمان اللہ تعالیٰ اور ملائکہ اور رسولوں اور قیامت کی تصدیق کا نام ہے مگر تصدیق کا یہ مطلب ہے کہ قرآن کے حرف حرف پر عمل ہو اور جتنی کوتاہی رہ جائے اور گناہ نظر آئے اس پر استغفار کرے اور آئندہ اصرار نہ ہو۔

امام زہریؒ فرماتے ہیں کہ اسلام اقرار کا نام ہے اور ایمان عمل کا۔ یہ ہر دو آپس میں قرین ہیں۔ ہر شخص کا قول وعمل تولا جائے گا اگر اس کا عمل وزنی ہے تو مقبول ہوگا اور آسمان کی طرف صعود کرے گا اور اگر قول وزنی ہے تو اس کا عمل نامقبول رہے گا۔ امام اوزاعیؒ فرماتے ہیں کہ ایمان بلا اقرار صحیح نہیں ہوتا اور ایمان واقرار بلا عمل درست نہیں ہوتے اور ان تینوں کا اعتبار بلا نیت حسنہ کے نہیں ہوتا۔

ان سب ائمہ کے اقوال سے ظاہر ہے کہ اعمال جوارح تصدیق قلبی کے لیے بڑی حد تک ضروری ہیں گویا اس کے لوازم ہیں۔ حضرت مجاہد روایت کرتے ہیں کہ ابوذر غفاریؓ نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے ایمان کے متعلق دریافت کیا تو آپ نے ارشاد فرمایا کہ ایمان زبان سے اقرار کرنا اور اپنے عمل سے اس کی تصدیق کرنے کا نام ہے اس کے بعد آپ نے اس بیان کی شہادت میں قرآن کی یہ آیت تلاوت فرمائی۔

پوری نیکی یہ نہیں ہے کہ تم مشرق و مغرب کو منہ کر لو (یعنی نماز میں) بلکہ اصل مدار ایمان پر ہے۔

ایمان و عمل کے اس نازک ارتباط کو صرف ایک اہل سنت نے سمجھا ہے۔ مرجئہ وجہمیہ نے ان ہر دو کو ایسا علیحدہ کر دیا کہ تصدیق قلبی کے لیے عمل کی کوئی ضرورت نہ سمجھی اور معتزلہ و خوارج نے ان کو ایسا مدغم بنا دیا کہ عملی کوتاہی کو تصدیق قلبی کا ضعف قرار دے دیا۔ اسی اختلاف پر یہ بحث قائم ہوگئی کہ مرتکب کبیرہ کا کیا حکم ہونا چاہیے۔

تصدیق قلبی پر معصیت کا اثر

قدرت جو فطرت انسانی کی سب سے بڑی راز داں ہے خوب جانتی ہے کہ یہ مجموعہ عناصر اتنا پابند عہد نہیں رہ سکتا کہ عالم امکان کی نقاشی اس کی نظریں کبھی خیرہ نہ کر سکیں خواہشات نفسانی کی باد صرصر اس کی شمع تصدیق کو کبھی حرکت نہ دے سکے، وہ کمزور ہے اور بہت کمزور ہے اس لیے معمولی خلاف ورزی پر اس کا نام وفاداروں کی فہرست سے نہیں کاٹتی اور اس حد تک اسے معذور سمجھے جاتی ہے کہ وہ خود ہی نقص عہد کا اعلان کر گذرے۔ ارباب ارجاء و اعتزال اگر تصدیق کے شرعی مفہوم اور ضعف انسانی کے دونوں پہلوؤں کی رعایت کر لیتے تو نہ ارباب ارجاء کو صرف تصدیق عمل کے بغیر کافی نظر آتی اور نہ رؤساء اعتزال صرف ایک عاصی کے لیے وہ سزا تجویز کرتے جو ایک باغی کے مناسب تھی۔ حضرت شاہ ولی اللہؒ فرماتے ہیں۔

یہ حکمت سے بعید ہے کہ مرتکب کبیرہ کے ساتھ وہ معاملہ کیا جائے جو کافر سے ہونا چاہئے۔

یہ سعادت صرف اہل سنت والجماعت کا حصہ تھا کہ ہر پہلو کی رعایت کی توفیق ان کو میسر آ گئی اور ایمان و عمل کے پورے ارتباط کو انھوں نے ملحوظ رکھا۔ نہ اتنی سخت گیری کی کہ عمل کی کوتاہی کفر کے برابر ہو جائے اور نہ اتنا تساہل کیا کہ اتنا بڑا قصور تصدیق قلبی پر ذرا داغ بھی نہ لگائے اور یہ اعلان کر دیا کہ انسان کی بدعملی اس کے دامن پر فسق کا ایک بدنما دھبہ ہے۔

برا نام ہے گنہگاری ایمان کے بعد۔

حافظ ابن تیمیہؒ آیت مذکورہ کی تفسیر میں مفسرین کے اقوال نقل فرما کر لکھتے ہیں کہ اس

آیت کی صحیح تفسیر یہ ہے کہ ایمان کے بعد پھر تمہارا فاسق ہو جانا بہت بری بات ہے۔ (کتاب الایمان ص ۹۸) قرآن کریم جگہ جگہ مرتکب کبیرہ کو فاسق کہتا ہے۔

اِنْ جَآءَ کُمْ فَاسِقٌ بِنَبَاٍ فَتَبَيَّنُوْا. (الحجرات: ٦)

اگر ایک فاسق شخص تمہارے پاس کوئی خبر لائے تو اس کی تحقیق کر لو۔

وَلَا تَقْبَلُوْا لَهُمْ شَهَادَةً اَبَدًا وَاُولٰئِکَ هُمُ الْفَاسِقُوْنَ. (النور: ۴)

یعنی جو لوگ زناء کی تہمت لگاتے ہیں آئندہ انکی شہادت قبول نہ کی جائے کیونکہ اس جرم کے بعد وہ شریعت کی نظر میں فاسق ٹھہر چکے ہیں۔

یہ وہ بدترین لقب ہے جسے قرآن نے ایمان کے بعد بہت ہی ناپسند کیا ہے۔ اس علو و برتری کے بعد یہ خفیف الحرکاتی نہایت نازیبا ہے۔ حدیث میں ارشاد ہے۔

سباب المسلم فسوق. یعنی کسی مسلمان کو برا کہنا فسق کی بات ہے۔

اس کا مطلب بھی یہی ہے کہ یہ قبیح حرکت اس کو اس کا مستحق بنا دیتی ہے کہ اس کو فاسق کہہ دیا جائے۔

اَفَمَنْ کَانَ مُؤْمِنًا کَمَنْ کَانَ فَاسِقًا. (السجدۃ:۱۸) یہ نہیں ہو سکتا کہ مومن اور ایک فاسق برابر ہو جائیں۔

ان آیات و احادیث سے یہی ثابت ہوتا ہے کہ معصیت کا ارتکاب مسلمان کو نہ تو کافر بنا دیتا ہے اور نہ اس کے دعویٰ اتقیا کو بے داغ رہنے دیتا ہے۔ وہ مومن ہے مگر فسق سے اس کا دامن ملوث ہو چکا ہے۔ اس مجسم طہارت و پاکیزگی کے لیے لازم ہے کہ نجاست فسق سے اپنا دامن ہمیشہ بچائے رکھے اور جو لقب اس کے مولیٰ نے اس کیلئے پسند نہیں فرمایا خود بھی اس سے متنفر رہے۔ بِئْسَ الِاسْمُ الْفُسُوْقُ بَعْدَ الْاِيْمَانِ. (کتاب الایمان ص ۱۰۵)

اسلام وایمان میں فرق

حافظ ابن تیمیہؒ نے اس مسئلہ پر بہت طویل بحث کی ہے مگر اس قدر منتشر ہے کہ اس کا خلاصہ نکالنا مشکل ہے۔ جہاں تک ہم نے ان کے کلام کا ملخص سمجھا ہے یہ ہے کہ لغت میں اسلام کے معنی اپنے نفس کو کسی کے سامنے جھکا دینا اور ذلیل بنا دینا ہے۔ اس لحاظ سے اسلام یہ ہے کہ بندہ اپنے رب کے سامنے اس طرح جھک جائے کہ پھر اس کے سوا کسی کی عبادت کا رخ نہ کر سکے۔ یہ جھکنا اور ذلیل ہونا ایک عمل ہے۔ اس لیے اسلام دراصل ایک عمل ہی کا نام ہے اور ایمان تصدیق قلبی کو کہتے ہیں۔ یہ تصدیق قلب کا اسی طرح ایک کلام ہے جیسا کہ اقرار زبان کا۔ یہ ضرور ہے کہ جب دل اپنی گہرائیوں سے کسی کے لیے بول اٹھے گا تو اس کے سامنے جھکنا اور ذلیل بن جانا بھی اس کا اقتضاء طبعی ہوگا مگر فرق یہ ہے کہ اسلام دراصل عمل ہی عمل ہے۔ (ایضاً ص ۱۴۹) اور ایمان ایک علم ہے۔ عمل یہاں تابع ہے۔ اس کے بعد اب اگر احادیث پر ایک اجمالی نظر ڈالو تو تم کو معلوم ہوگا کہ یہاں بھی اس فرق کی رعایت کی گئی ہے یعنی اسلام کا تعلق ظاہر عمل اور تصدیق کا باطن سے قرار دیا گیا ہے۔

(۱) حضرت انسؓ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد نقل فرماتے ہیں کہ اسلام ظاہر ہے اور ایمان دل میں ہے۔ (مسند احمد)

حدیث مذکورہ میں اسلام کو علانیہ اسی بناء پر فرمایا ہے کہ اعمال ظاہرہ کا ہر شخص مشاہدہ کر سکتا ہے۔ لیکن معرفت الٰہیہ اس کی محبت، اس کا خوف، یہ سب اوصاف قلبیہ ہیں یہ باطنی چیزیں ہیں اس لیے ایمان کو علانیہ نہیں فرمایا بلکہ قلب میں کہا گیا ہے۔

(۲) حضرت ابو ہریرہؓ روایت فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا

مسلمان تو وہ ہے جس کے ہاتھ اور زبان سے کسی مسلمان کو ایذاء نہ پہنچے اور مؤمن وہ ہے جس کی طرف سے لوگ اپنے جان و مال کی طرف سے خطرہ میں نہ رہیں۔

یہاں بھی اسلام کی علامت ایک ظاہری چیز قرار دی گئی ہے یعنی لوگوں کو ایذاء نہ دینا اور ایمان کی علامت ایک باطنی چیز یعنی دلوں میں اس کی طرف سے خطرہ باقی نہ رہنا یہ دوسری صفت پہلی صفت سے اعلیٰ ہے ظاہر ہے کہ جو شخص ایسا مجسم پیغام امن بن جائے کہ قلوب میں اس کی طرف سے کوئی برا خطرہ تک باقی نہ رہے وہ کب کسی کو ایذاء دے سکتا ہے مگر یہ ممکن ہے کہ ایک شخص کسی کمزوری کی بناء پر یا کسی لالچ سے ایذاء دہی ترک کر دے اس لیے حدیث مذکور میں جو صفت ایمان کی بیان ہوئی ہے وہ اسلام کی صفت سے بالاتر ہے۔

(۳) عمرو بن عبسہ روایت فرماتے ہیں کہ ایک شخص نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے دریافت کیا کہ اسلام کسے کہتے ہیں آپ نے فرمایا لوگوں کو کھانا کھلانا اور نرم گفتگو کرنا، اس نے کہا کہ اچھا ایمان کیا چیز ہے فرمایا سخاوت اور صبر۔ ((سماحت و صبر فطرت انسانی کی ضد ہیں قرآن کریم کہتا ہے ﴿اِنَّ الْاِنْسَانَ خُلِقَ هَلُوْعًا. اِذَا مَسَّهُ الشَّرُّ جَزُوْعًا. وَاِذَا مَسَّهُ الْخَيْرُ مَنُوْعًا﴾ (المعارج: ۱۹، ۲۱) یعنی ہلوع وہ ہے جسے نعمت میں سماحت نصیب نہ ہو اور مصیبت میں صبر کی توفیق میسر نہ آئے ان ہی دو خامیوں کی اصلاح کے لیے ارشاد ہوتا ہے۔ ﴿وَتَوَاصَوْا بِالصَّبْرِ وَتَوَاصَوْا بِالْمَرْحَمَةِ﴾ (البلد: ۱۷)

پہلی دو باتیں ظاہری عمل ہیں اور آخری دونوں باتیں نفس انسانی کی ایک صفت ہیں اس لیے ان کو اسلام سے اور ان کو ایمان سے زیادہ تعلق ہے۔ اسی طرح اکثر احادیث میں اسلام کی تفسیر میں اعمال ظاہرہ کا تذکرہ برابر ہوتا چلا جاتا ہے اور ایمان کا بیشتر تعلق باطن سے معلوم ہوتا ہے۔ حدیث جبریل جو اس باب کی نہایت اہم حدیث ہے اسی فرق پر مبنی ہے اس کی تفصیل عنقریب آپ کے سامنے آنے والی ہے۔

مذکورہ بالا بیان سے اسلام ایمان کا باہمی ربط بھی حل ہو گیا یعنی کیا اسلام بلا ایمان کے یا ایمان بلا اسلام کے پایا جا سکتا ہے۔ اختلافات کی کثرت نے یہاں بھی حیرت میں مبتلا کر دیا ہے مگر ہمارے نزدیک امام سبکی کی رائے بہت وزنی ہے۔ (اتحاف ج ۲ ص ۲۳۵) وہ

فرماتے ہیں کہ اسلام گو انقیاد ظاہری کا نام ہے مگر ایمان باطن اس کے لیے شرط ہے۔ اسی طرح ایمان گو انقیاد باطن کو کہتے ہیں مگر انقیاد ظاہری بھی اس کے لیے ضروری ہے۔ اس سے ظاہر ہو گیا کہ اسلام بلا ایمان کے اور ایمان بغیر اسلام کے شرعاً معتبر نہیں ہوتا۔ علامہ زبیدیؒ (اتحاف ج ۲ ص ۲۴۸) نے اس تلازم پر اشاعرہ اور حنفیہ کا اتفاق نقل کیا ہے۔ غرض یہ ہے کہ حدیث کے عام نظریہ میں ایمان و اسلام یا تو ایک ہی چیز کے دو نام ہیں صرف خصوصیات کا کچھ فرق ہے ورنہ کم از کم متلازم ضرور ہیں۔

حافظ ابن تیمیہؒ نے یہاں (کتاب الایمان ص ۱۰۴) قرآن کریم سے ایک لطیف استنباط فرمایا ہے۔ باری تعالیٰ کا ارشاد ہے۔

کیوں نہیں؟ جس نے تابع کر دیا اپنی ذات کو اللہ کے اور وہ نیک کام کرنے والا ہے تو اسی کے لیے ہے اس کا ثواب اس کے رب کے پاس اور نہ ان پر ڈر ہے اور نہ وہ غمگین ہوں گے۔

دوسری جگہ ارشاد ہے: بے شک جو لوگ مسلمان ہوئے اور جو لوگ یہودی ہوئے اور نصاریٰ اور صابئین۔ جو ایمان لایا (ان میں سے) اللہ پر اور روز قیامت پر اور نیک کام کیے تو ان کے لیے ان کے پروردگار کے پاس ان کا ثواب ہے۔

وہ فرماتے ہیں کہ پہلی آیت میں اسلام اور عمل صالح پر جو وعدہ فرمایا گیا ہے دوسری آیت میں وہی وعدہ ایمان اور عمل صالح پر مذکور ہے اس سے مستفاد ہوتا ہے کہ ایمان و اسلام دونوں متلازم چیزیں ہیں۔

ابو طالب مکی نے اس مضمون پر ایک مستقل فصل قائم کی ہے اور اس کی خوب ایضاح کی ہے وہ فرماتے ہیں کہ ایمان و اسلام کی مثال ایسی ہے جیسی شہادتین کی کہنے کو تو شہادۃ وحدانیت اور شہادۃ رسالت دو الگ الگ چیزیں ہیں مگر پھر ان میں ایسا ارتباط ہے کہ بلحاظ حکم گویا ایک ہی ہیں۔ رسالت کے بغیر شہادت وحدانیت کارآمد نہیں ہوتی اور شہادت وحدانیت بلا شہادت رسالت کے بیکار رہتی ہے۔ ایک انسان کے لیے جس طرح قلب کی ضرورت ہے اسی طرح جسم کی ضرورت بھی ہے نہ کوئی قالب بلا قلب کے زندہ رہ سکتا ہے نہ قلب بلا قالب کے بسر کر سکتا ہے۔ خیمے کے دو حصے ہوتے ہیں ایک اوپر کا کپڑا دوسرا

اندرونی چوب، نہ یہ کپڑا بلا چوب کے تنہا رہ سکتا ہے اور نہ صرف چوب بلا کپڑے کے خیمہ کہلائی جاسکتی ہے کلام کی حقیقت دو ہونٹ اور ایک زبان سے قائم ہے دونوں ہونٹ حروف جمع کر دیتے ہیں اور زبان ان کو بشکل کلام ادا کر دیتی ہے اگر ایک ہونٹ نہ رہے تو کلام کی حقیقت باطل ہو جاتی ہے ٹھیک اسی طرح اعمال ظاہرہ اور اعتقاد باطن یعنی اسلام و ایمان کا ارتباط ہے۔ صرف اعمال ظاہرہ بلا اعتقاد باطن کھلا ہوا نفاق ہیں اور محض اعتقاد باطن بدون اعمال ظاہرہ کے کفر کی ایک صورت ہے۔ اسلام یا ایمان کو اسی وقت معتبر کہا جا سکتا ہے جب کہ اعمال ظاہرہ کے ساتھ تصدیق باطن ہو اور تصدیق باطن کے ساتھ اعمال ظاہرہ بھی ہوں۔ قرآن کریم نے کفر کو ایمان و اسلام ہر دو کا مقابل قرار دے کر اسی طرف اشارہ فرمایا ہے۔

كَيْفَ يَهْدِي اللّٰهُ قَوْمًا كَفَرُوْا بَعْدَ اِيْمَانِهِمْ. (آل عمران: ۸۶)

خدائے تعالیٰ بھلا اس قوم کو کیسے ہدایت دے جنہوں نے ایمان جیسی نعمت کے بعد پھر کفر اختیار کیا ہو۔

دوسری جگہ ارشاد ہوتا ہے: اَيَأْمُرُكُمْ بِالْكُفْرِ بَعْدَ اِذْ اَنْتُمْ مُّسْلِمُوْنَ. (آل عمران: ۸۰)

یہ نہیں ہوسکتا کہ تم مسلمان ہو پھر رسول تم کو کفر کا حکم کرے۔

پہلی آیت میں کفر کو ایمان کے بالمقابل اور دوسری آیت میں اسلام کے بالمقابل رکھا گیا ہے۔ اس سے یہ نتیجہ پیدا ہوتا ہے کہ اسلام و ایمان ایک دوسرے سے جدا چیزیں نہیں ہیں، اسلام کا ترک کرنا، ایمان کا ترک کرنا ہے اور ایمان کا ترک کرنا اسلام کا ترک کر دینا ہے اور نتیجہ ہر دو کا وہی ایک کفر ہے۔ (قوت القلوب ج ۲ ص ۱۲۹)

غرض اعمال ظاہرہ بلا انقیاد باطن صحیح نہیں ہو سکتے اور نہ انقیاد باطن بلا اعمال ظاہرہ کی شہادت کے ثابت ہوسکتا ہے۔ اس لیے ہر مسلم کے لیے ایمان اور ہر مؤمن کے لیے اسلام ضروری اور ناگزیر ہے۔

حضرت استاد (مولانا انور شاہ صاحب کشمیری) قدس سرہٗ فرماتے تھے کہ تصدیق قلبی جب پھوٹ کر جوارح پر نمودار ہو جائے تو اس کا نام اسلام ہو جاتا ہے اور اسلام جب دل میں اتر جائے تو ایمان کے نام سے موسوم ہو جاتا ہے۔ ایک ہی حقیقت ہے اختلاف مواطن سے

اس کے نام مختلف ہو گئے ہیں۔ ہمارے نزدیک استاد مرحوم کا یہ بیان اسلام کامل اور ایمان کامل سے متعلق ہے اور غالباً اس کا منشاء امام غزالیؒ کی وہ تحقیق ہے جس کا بیان آپ گذشتہ صفحات میں ملاحظہ فرما چکے ہیں۔ ہمارے فقہاء کے اختلافات بھی اپنی جگہ صحیح وجوہ واسباب پر مبنی ہیں مگر ہمیں تو یہاں وہ لکھنا تھا جو امت کے حق میں زیادہ نافع ہو تفصیل کے لیے علم کلام ہے۔

ایمان میں کمی بیشی کا مسئلہ

ایمان قلب میں مختلف راستوں سے داخل ہو جاتا ہے کبھی اپنی جان و مال کا تحفظ التزام طاعت کا داعی ہوتا ہے جیسا کہ طلقاء مکہ کا اسلام کبھی چند دراہم مغشوشہ کی طمع التزام طاعت پر مجبور کر دیتی ہے جیسا کہ مؤلفہ قلوب کا اسلام کبھی محض قومی تقلید اور جمہور کا اتباع اس کا محرک بن جاتا ہے جیسا کہ اکثر اعراب کا اسلام ان سب صورتوں میں اگر سینہ رسولؐ کی عداوتوں سے خالی ہو چکا ہے اور نفس نے دین الٰہی میں داخل ہو جانے کی تیاری کر لی ہے تو وہ یقیناً مسلمان ہے مگر یہ ایسا اسلام ہے کہ ادنیٰ ادنیٰ شبہات اس کے یقین کو متزلزل کر سکتے ہیں، ذرا ذرا سی تکلیفیں اس کو اپنے مذہب سے پھیر سکتی ہیں۔ مذہب کے لیے قربانی کا اس میں کوئی جذبہ نہیں ہوتا۔ جہاد کی دعوت اس کے لیے پیام موت ہوتی ہے۔ آیات ربانیہ کا پیہم نزول اس کے ایمان میں کچھ افزونی نہیں بخشتا اور اسی امن و عافیت کی زندگی میں وہ دنیا سے رخصت ہو جاتا ہے۔ یہ بھی ایک اسلام ہے اور آیت ذیل میں اسی کی طرف اشارہ ہے۔

قَالَتِ الْاَعْرَابُ اٰمَنَّا قُلْ لَّمْ تُؤْمِنُوْا وَلٰكِنْ قُوْلُوْۤا اَسْلَمْنَا وَلَمَّا يَدْخُلِ الْاِيْمَانُ فِىْ قُلُوْبِكُمْ. (الحجرات: ۱۴)

یعنی اعراب کہتے ہیں کہ ایمان ہمارے دلوں میں سرایت کر گیا ہے آپ کہہ دیجئے کہ ایسا دعویٰ ابھی مت کرو ابھی اسلام صرف تمہارے ظاہر تک ہے۔ ہاں امید ہے کہ آئندہ دلوں تک اتر جائے۔

یہ اسلام کے وجود لفظی کے ابتدائی حالات ہیں لیکن جب یہ ایمان اور ترقی کرتا ہے تو اس کی صورت کبھی تو یہ ہوتی ہے کہ اہل ایمان کی صحبت اسے اپنا ہم رنگ بنا لیتی ہے کبھی آیات قرآنی پر غور و تفکر ایمان کی تر و تازگی کا باعث بن جاتا ہے کبھی محض موہبت الٰہیہ کشاں کشاں ایمان حقیقی

تک لے آتی ہے۔ اچانک وہ دیکھتا ہے کہ پہلے جو قلب ظلمت کدہ تھا اب نور ایمانی سے وادی ایمان بن گیا ہے حقائق ایمانیہ آناً فاناً منکشف ہوتی چلی جاتی ہے۔ راہ اسلام میں ہر ضرب ایک نئی تازگی بخشتی ہے۔ طبل جنگ کی آواز صدائے سرود سے زیادہ سہانی اور مستانی معلوم ہوتی ہے۔ آیات قرآنیہ کی تلاوت وہ کام کرتی ہے جو ابر رحمت کے قطرے کھیتوں میں۔ قدرت اس کو طرح طرح آزماتی ہے مگر ہر امتحان اس کے لیے ایک نیا یقین بخشتا ہے۔ عبادت میں دلچسپی کا سوال درمیان سے ہٹ جاتا ہے۔ فتح و ظفر اور شکست وانہزام سب برابر نظر آتے ہیں اور اس طرح انقیاد باطن کی ایک ایک منزل تمام طے ہو جاتی ہے۔ آپس کے تعلقات نظر سے گر جاتے ہیں اور صرف ایک تعلق رہ جاتا ہے اور وہ خدا کا تعلق ہے اب جس سے محبت ہے اسی کی خاطر ہے اور جس سے جنگ ہے اسی کے نام پر ہے ایک وہ مؤمن تھا اور اب یہ ایک مؤمن ہے اسی کا نام ایمان کی زیادتی ہے۔ اب آیات ذیل کو بغور پڑھ لو۔

مؤمن صرف وہ لوگ ہیں کہ جب ان کے سامنے اللہ کا نام آئے تو خوف زدہ ہو جائیں اور جب اس کی آیات ان پر تلاوت کی جائیں تو ان کے ایمان اور روشن ہوں۔ نمازیں نہایت خوبی کے ساتھ پڑھیں اور ہمارے بخشے ہوئے مال میں سے کچھ مصارف خیر میں بھی صرف کرتے رہیں۔ پس ٹھیک مؤمن تو یہ ہیں۔

کیا کوئی کہہ سکتا ہے کہ اس زیادتی سے مراد صرف تصدیق ہے ہرگز نہیں بلکہ جب کبھی ایک مؤمن گوش انقیاد و اطاعت سے کلام پاک کو سنتا ہے تو ہر بار معانی پر غور و تفکر اس کے قلب میں جنت کی نئی رغبت اور آخرت کا نیا خوف خدائے تعالیٰ کی ایک نئی محبت اس کی طاعت کا ایک نیا جذبہ پیدا کر دیتا ہے اور اسی کا نام قرآن کریم نے ایمان کی زیادتی رکھا ہے۔

عمر بن حبیبؓ صحابی فرماتے ہیں کہ جب ہم خدا کی تسبیح و حمد میں مشغول ہوں تو یہی ایمان کی زیادتی ہے اور جب غفلت و نسیان میں مبتلا ہو جائیں تو اسی کا نام ایمان کا نقصان ہے۔ حضرت ابوالدرداءؓ فرماتے ہیں کہ مسلمان کے لیے سمجھ کی بات یہ ہے کہ وہ اپنے ایمان کی نگرانی کرتا رہے کہ کچھ بڑھ رہا ہے یا گھٹ رہا ہے۔

صحابہ کرامؓ کا چونکہ دن رات کا یہی ایک مشغلہ تھا کہ وہ اپنے ایمان کا جائزہ لیا کرتے

جب کوئی آیت اترتی تو اپنی روح میں ایک نئی ایمانی تازگی محسوس کرتے۔ ادھر کفار کا یہ مشغلہ تھا کہ وہ اس جذبہ کا تمسخر اڑاتے اور مذاق بنایا کرتے۔

جب کوئی سورت اترتی تو ان میں ایک جماعت ایسی بھی تھی جو یہ پوچھتی بھلا تم میں سے کسی کا ایمان بڑھا جی ہاں جو ایمان لا چکے ہیں ان کے ایمان میں تو ترقی ہوئی اور انہوں نے بڑی بشارت حاصل کی لیکن جن کے دلوں میں روگ تھا ان کی نجاست میں اور اضافہ ہو گیا۔

آیات قرآنی کا ادب و یقین سے سننا یقیناً ایمان میں ترقی بخشتا ہے۔ یہ زیادتی کبھی جدید جدید علوم حاصل ہونے سے پیدا ہوتی ہے کبھی سکینت و فرحت کی صورت میں میسر آتی ہے، کبھی ہدایت کے نام سے موسوم ہوتی ہے پہلی آیت میں اسی کا نام استبشار ہے۔

وَيَوْمَئِذٍ يَّفْرَحُ الْمُؤْمِنُوْنَ بِنَصْرِ اللهِ. (الروم: ۴)

اس روز مومنین خدا کی نصرت پر مسرور ہوں گے۔ یہاں اس زیادتی کو فرح و سرور سے تعبیر کیا گیا ہے۔

هُوَ الَّذِیْٓ اَنْزَلَ السَّكِيْنَةَ فِیْ قُلُوْبِ الْمُؤْمِنِيْنَ لِيَزْدَادُوْٓا اِيْمَانًا مَّعَ اِيْمَانِهِمْ. (الفتح: ۴)

خدا ہی کی وہ ذات تھی جس نے مومنین کے دلوں پر سکینت واطمینان کی کیفیت نازل فرمائی تا کہ ان کے پہلے ایمان میں اور ترقی ہو۔

فَاَنْزَلَ اللهُ سَكِيْنَتَهٗ عَلٰى رَسُوْلِهٖ وَعَلَى الْمُؤْمِنِيْنَ وَاَنْزَلَ جُنُوْدًا لَّمْ تَرَوْهَا. (التوبة: ۲۶)

اللہ تعالیٰ نے اپنا سکینہ اپنے رسول اور مومنین پر نازل فرمایا اور ایسا لشکر بھیج دیا جس کو تمہاری آنکھوں نے نہ دیکھا۔ (یعنی فرشتے)

اِذْ هُمَا فِی الْغَارِ اِذْ يَقُوْلُ لِصَاحِبِهٖ لَا تَحْزَنْ اِنَّ اللهَ مَعَنَا فَاَنْزَلَ اللهُ سَكِيْنَتَهٗ عَلَيْهِ وَاَيَّدَهٗ بِجُنُوْدٍ لَّمْ تَرَوْهَا. (التوبة: ۴۰)

جب کہ وہ دونوں غار میں پوشیدہ تھے اور خدا کا رسول اپنے رفیق کو سمجھا رہا تھا کہ غمگین نہ ہو اللہ ہمارے ساتھ ہے، تو اللہ نے اس پر اپنا سکینہ نازل فرمایا اور ایسے لشکر کے ذریعہ سے قوت پہنچائی جس کو تم نے نہیں دیکھا۔

وَالَّذِيْنَ اهْتَدَوْا زَادَهُمْ هُدًى. (محمد: ۱۷) جو لوگ ہدایت یافتہ تھے خدا نے ان کو اور ہدایت میسر فرمائی۔

آیات بالا میں یہ سکینہ و یقین و ہدیٰ سب صفات قلبیہ ہیں مصائب میں یہ یقین کر لینا کہ یہ سب مقدرات ہیں جو ضرور پیش آمدنی ہیں، تقدیر پر ایمان کا ثمرہ ہے اور اسی کا نتیجہ سکینہ و اطمینان و تسلیم ہے۔

یہ ایمان جب اور عروج کرتا ہے تو اب ایک ذات وحدہ لا شریک لہ پر وہ توکل و اعتماد میسر آ جاتا ہے کہ دشمن کی دھمکی اور دلیری کا باعث بن جاتی ہے۔

اَلَّذِیْنَ قَالَ لَهُمُ النَّاسُ اِنَّ النَّاسَ قَدْ جَمَعُوْا لَكُمْ فَاخْشَوْهُمْ فَزَادَهُمْ اِیْمَانًا وَّقَالُوْا حَسْبُنَا اللّٰهُ وَنِعْمَ الْوَكِیْل۔ (آل عمران: ۱۷۳)

یہ وہ جماعت ہے جن کو کفار نے دھمکی دی کہ تمہارے لیے بڑی فوج تیار کی گئی ہے تو ذرا ڈرنا اس پر ان کا ایمان اور بڑھ گیا اور بولے کہ ہمیں خدا کافی ہے اور وہی ہمارا بہترین کارساز ہے۔

اس قسم کا ایک امتحان نہیں بلکہ سخت سے سخت مصائب میں مبتلا کر کے ان کا بار بار امتحان لیا جاتا ہے۔ هُنَالِكَ ابْتُلِیَ الْمُؤْمِنُوْنَ وَزُلْزِلُوْا زِلْزَالًا شَدِیْدًا مگر شک و تردد کا ایک کانٹا بھی ان کے دامن یقین میں نہیں چبھتا۔ وہ کوہ استقامت اور یقین کی ایک چٹان بن جاتے ہیں کہ مصائب کے لشکر اگر ان سے ٹکراتے ہیں تو خود پاش پاش ہو جاتے ہیں اور ان کو اپنی جگہ سے ذرا حرکت نہیں دے سکتے، جان و مال کی قربانی ان کے نزدیک ایک معمولی بات ہوتی ہے۔ ان امتحان کے بعد اب ایک مؤمن اپنے دعویٰ میں سچا مان لیا جاتا ہے۔

اِنَّمَا الْمُؤْمِنُوْنَ الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا بِاللّٰهِ وَرَسُوْلِهٖ ثُمَّ لَمْ یَرْتَابُوْا وَجَاهَدُوْا بِاَمْوَالِهِمْ وَاَنْفُسِهِمْ فِیْ سَبِیْلِ اللّٰهِ اُولٰٓئِكَ هُمُ الصَّادِقُوْنَ۔ (الحجرات: ۱۵)

مؤمن صرف وہ لوگ ہیں جو ایک مرتبہ جب خدا اور رسول پر ایمان لا چکے تو پھر شک و تردد کے پاس نہ پھٹکے بلکہ جان سے مال سے اللہ کے راستہ میں قربان ہو گئے بس یہی لوگ سچے کہے جانے کے مستحق ہیں۔

اگر بناء بر بشریت کبھی ان سے ذرا کمزوری ظاہر بھی ہو جاتی تو قرآن فوراً تنبیہ کر دیتا ہے اور تفہیم کا کوئی دقیقہ اٹھا نہیں رکھتا کہ ایمان جو صرف عشق کی راہ ہے کمزوری اور بزدلی سے طے ہونے والی نہیں ہے۔

ایں شربت عاشقیست خسرو بے خونِ جگر چشید نتواں

اَمْ حَسِبْتُمْ اَنْ تَدْخُلُوا الْجَنَّةَ وَلَمَّا يَعْلَمِ اللهُ الَّذِيْنَ جَاهَدُوْا مِنْكُمْ. (آل عمران: ۱۴۲)

تم نے کیا یہ خیال کرلیا کہ جنت میں داخل ہو جاؤ گے اور ابھی تو اللہ نے یہ بھی نہیں دیکھا کہ جان و مال کی قربانی کیلئے تم میں کون کون تیار ہے۔

خدا کی راہ میں ایک بڑی قربانی یہ بھی ہے کہ اس کے سامنے باپ، بیٹا، بھائی، قبیلہ سب کو ایک طرف رکھ دیا جائے بس ساری محبتوں اور عداوتوں کا محور ایک خدا کی ذات رہ جائے۔

لَا تَجِدُ قَوْمًا يُّؤْمِنُوْنَ بِاللهِ وَالْيَوْمِ الْاٰخِرِ يُوَادُّوْنَ مَنْ حَادَّاللهَ وَرَسُوْلَهٗ وَلَوْ كَانُوْا اٰبَائَهُمْ اَوْاَبْنَاءَ هُمْ اَوْ اِخْوَانَهُمْ اَوْ عَشِيْرَتَهُمْ اُولٰئِكَ كَتَبَ فِيْ قُلُوْبِهِمُ الْاِيْمَانَ. (المجادلہ: ۲۲)

یہ ہو ہی نہیں سکتا کہ اللہ اور قیامت پر ایمان رکھنے والوں کو آپ خدا اور اس کے رسول کے دشمنوں سے محبت کا برتاؤ کرتا دیکھیں خواہ وہ ان کے والد یا اولاد یا بھائی یا قبیلہ ہی کیوں نہ ہوں بس یہ لوگ ہیں جن کے دلوں میں ایمان نہایت مضبوط قائم ہو چکا ہے۔

اسی لیے دوسری جگہ ارشاد ہوتا ہے۔

وَلَوْ كَانُوْا يُؤْمِنُوْنَ بِاللهِ وَالنَّبِيِّ وَمَا اُنْزِلَ اِلَيْهِ مَااتَّخَذُوْهُمْ اَوْلِيَآءَ وَلٰكِنَّ كَثِيْرًا مِّنْهُمْ فَاسِقُوْنَ. (مائدہ: ۸۱)

بھلا اگر کہیں یہ لوگ اللہ نبی اور اس پر نازل شدہ وحی کا یقین رکھتے تو ان کو دوست بناتے مگر بات یہ ہے کہ ان میں اکثر لوگ حکم عدولی کرنے والے ہیں۔ تیسری جگہ ارشاد ہے۔

قُلْ اِنْ كَانَ اٰبَاءُ كُمْ وَاَبْنَاءُ كُمْ وَاِخْوَانُكُمْ وَاَزْوَاجُكُمْ وَعَشِيْرَتُكُمْ وَاَمْوَالُ ن اقْتَرَفْتُمُوْهَا وَتِجَارَةٌ تَخْشَوْنَ كَسَادَهَا وَمَسَاكِنُ تَرْضَوْنَهَا اَحَبَّ اِلَيْكُمْ مِّنَ اللهِ وَرَسُوْلِهٖ وَجِهَادٍ فِيْ سَبِيْلِهٖ فَتَرَبَّصُوْا حَتّٰى يَاْتِيَ اللهُ بِاَمْرِهٖ. (توبہ: ۲۴)

اے پیغمبر مسلمانوں سے کہہ دیجئے اگر ایسا ہے کہ تمہارے باپ تمہارے بیٹے، تمہارے بھائی، تمہاری بیویاں، تمہارا کنبہ، تمہارا مال جو تم نے کمایا ہے۔ تمہاری تجارت جس کے منداپڑ

جانے سے ڈرتے ہو، تمہارے رہنے کے مکانات جو تمہیں اس قدر پسند ہیں۔ یہ ساری چیزیں تمہیں اللہ سے، اس کے رسول سے، اور اللہ کے راستہ میں جہاد کرنے سے زیادہ محبوب ہیں تو انتظار کرو یہاں تک کہ جو کچھ خدا کو کرنا ہے وہ تمہارے سامنے لے آئے۔

اسکے علاوہ اور بہت سی آیات ہیں جو ایمان کے زیادت ونقصان پر برہان قاطع ہیں مگر آپ نے دیکھ لیا ہوگا کہ اسکا تعلق ایمان کے وجود عینی سے ہے وجود ذہنی یعنی نفس تصدیق سے نہیں۔ (حافظ ابن تیمیہ نفس تصدیق میں بھی تشکیک کے قائل ہیں کتاب الایمان ص ۹۲ و ۱۶۵ و ۱۶۶)

ایمان اور اعمال صالح کا توسل

حدیث شریف میں ہے کہ ''تین آدمی کہیں جارہے تھے کہ بارش آگئی انہوں نے قریب ہی ایک پہاڑ کے ایک غار میں بارش سے پناہ لے لی کہ اچانک پہاڑ پر سے ایک چٹان گر گئی اور غار کا دہانہ اس چٹان سے بند ہو گیا (جس کی وجہ سے ان کے لئے اب اس غار سے باہر نکلنے کی کوئی امید اور کوئی صورت ہی نہیں رہ گئی تھی۔ اس پریشانی کے عالم میں انہوں نے آپس میں کہا کہ ساتھیو! اب ہم لوگ اپنی پچھلی زندگی کا جائزہ لیں اور سوچیں کہ ہم نے اپنی زندگی میں صرف اللہ تعالیٰ ہی کی رضا وخوشنودی کے لئے کوئی کام کیا ہو تو اس وقت اُس کے واسطے اور توسّل سے دعا کریں کہ اللہ تعالیٰ ہم کو اس مصیبت و پریشانی سے نجات دیدیں) چنانچہ ان میں سے ایک نے کہا۔ اے اللہ! تجھے معلوم ہے کہ میں بال بچوں والا ایک غریب آدمی ہوں، میرے بوڑھے ماں باپ بھی ہیں، میں روزانہ شام کو جنگل سے اپنی بکریاں چرا کر جب گھر لوٹتا تو ان بکریوں کا دودھ پہلے اپنے ماں باپ کو پلاتا اس کے بعد اپنے بچوں کو پلاتا تھا۔ ایک روز مجھے جنگل سے آنے میں دیر ہوگئی اور میرے ماں باپ سو گئے۔ گھر آنے پر میں نے بکریوں کا دودھ دوہا اور ماں باپ کے لئے لے کر ان کے سرہانے کھڑا ہو گیا کہ وہ اٹھیں تو انہیں پلادوں، اِدھر میرے بچے بھوک کی وجہ سے میرے پاؤں پر پڑے لوٹتے اور مچلتے رہے۔ لیکن میں نے انہیں نہیں پلایا کہ پہلے ماں باپ کو پلاؤں۔ میں ساری رات اسی طرح ان کے سرہانے کھڑا رہا اور بچے روتے رہے یہاں تک کہ صبح ہوگئی اور ماں باپ جاگ گئے۔ تو اے اللہ! اگر تو جانتا ہے کہ اپنے ماں باپ کے ساتھ میرا یہ طرز عمل صرف تیری خوشی کے لئے

تھا تو اس چٹان کو غار کے دہانے سے ہٹا دے۔ اللہ تعالیٰ نے وہ چٹان تھوڑی سی کھسکا دی کہ وہ لوگ آسمان دیکھنے لگے۔ اس کے بعد دوسرے شخص نے یوں دعا کی کہ اے اللہ! تجھے معلوم ہے کہ میری ایک چچازاد بہن تھی جسے میں بہت زیادہ چاہتا تھا کہ شاید ہی کوئی مرد کسی عورت کو اتنا چاہتا ہو ایک بار میں نے اس سے اپنے جنسی خواہش پوری کرنے کی بات کہی، اس نے انکار کر دیا اور کچھ روپے مانگے کہ اگر اتنی رقم دیدو تو خواہش پوری کر سکتے ہو، میں نے اسے وہ رقم دیدی اور اس کی رانوں کے درمیان بیٹھ گیا کہ اپنی خواہش پوری کرلوں۔ عین وقت پر اس لڑکی نے کہا کہ دیکھو، خدا سے ڈرو اور ناحق و ناجائز طور پر یہ کام نہ کرو۔ اتنا سنتے ہی میں وہاں سے ہٹ گیا اور حرام کام نہیں کیا۔ اگر حرام سے یہ پرہیز تیرے خوف ہی سے کیا گیا تھا تو اس کے توسل سے ہمیں نجات دیدے۔ اب دوبارہ وہ چٹان ذرا اور کھسک گئی۔ پھر تیسرے نے کہا کہ میرے کھیت پر ایک مزدور نے کام کیا تھا اور مزدوری کا غلہ میرے پاس امانت رکھ گیا تھا میں نے فصل پر اسے بو دیا تھا اس کی آمدنی ہوئی، پھر یہ سلسلہ کئی سال تک چلتا رہا، جس کی آمدنی سے بہت سے جانور بھی ہو گئے تھے۔ مدتوں بعد وہ آدمی آیا اور اپنی مزدوری مانگی۔ میں نے اس کی مزدوری سے حاصل ہونے والا غلہ اور مویشی اس کے سپرد کر دیئے۔ اے اللہ! تو جانتا ہے کہ یہ صرف تیری رضا کے لئے کیا تھا، اس کی وجہ سے یہ چٹان ہم پر سے ہٹا دے۔ اور اب یہ چٹان اتنی کھسک گئی کہ یہ تینوں باہر نکل آئے۔

خدا کے یہاں مقبولیت کی پہچان صرف ایمان ہے

عبداللہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اللہ تعالیٰ نے جس طرح تم میں روزی کی تقسیم کی ہے اسی طرح تمہارے اخلاق کی بھی تقسیم کر دی ہے (جیسے رزق تنگ و فراخ رکھا ہے ایسے ہی اخلاق بھی کسی کے تنگ اور کسی کے وسیع رکھے ہیں) وہ دنیا تو (سب ہی کو دیتا ہے) اس کو بھی جس سے محبت کرتا ہے اور اس کو بھی جس سے محبت نہیں کرتا لیکن دولت ایمان صرف اسی کو دیتا ہے جس کو محبوب رکھتا ہے۔ (حاکم فی المستدرک)

تشریح۔ انسان کی تمام شرافت و کمال اس کی قوت نظریہ اور قوت عملیہ کے کمال پر موقوف ہے ان ہی کے سنور جانے کا دوسرا نام ایمان اور عمل صالح ہے کفر و ایمان کی تقسیم ان ہی کے بگڑنے

اور سنور نے پر دائر ہے۔ جس کی یہ دونوں قوتیں سنور گئیں وہ سنور گیا اور جس کی بگڑ گئیں وہ بگڑ گیا۔ اسی لیے سورہ والتین اور سورۂ والعصر میں انسانی شرافت کو بڑی تاکید کے ساتھ بیان فرما کر یہ بتایا گیا ہے کہ اس کے لیے اسفل السافلین اور ابدی خسارہ سے نجات کی صرف ایک ہی راہ ہے اور وہ ایمان اور عمل صالح ہے۔ حریت انسان کی سب سے بڑی شرافت ہے اور عبدیت اس کے لیے بدترین داغ۔ لیکن اگر حریت کیساتھ ایمان اور عمل صالح نہ ہو اور عبدیت کیساتھ ایمان میسر آ جائے تو حریت کی شرافت، شرافت نہیں رہتی اور عبدیت کا عیب، عیب نہیں رہتا۔ **ولعبد مؤمن خیر من مشرک.** ایک مؤمن غلام ایک آزاد مشرک سے بدرجہا افضل ہے۔ پس اسلام میں خدا کے دوست و دشمن کی تقسیم کا مدار سرمایہ و دولت پر نہیں بلکہ ایمان و کفر پر ہے۔ دنیا کی دولت دوست و دشمن سب میں مشترک رکھی گئی ہے لیکن ایمان کی دولت صرف دوستوں کے حصہ میں لگا دی گئی ہے۔

جنت میں صرف مؤمن جائیں گے

حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ جب خیبر کی جنگ ہوئی تو اس میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے کچھ صحابہ رضی اللہ تعالیٰ عنہم اجمعین شہید ہو گئے۔ لوگوں نے یہ کہنا شروع کیا کہ فلاں فلاں شہید ہو گئے یہاں تک کہ وہ ایک اور مقتول پر گذرے، تو اس کے متعلق بھی یہی کہا کہ فلاں صحابی شہید ہو گیا آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہرگز نہیں۔ میں نے اس کو ایک چادر یا عباء (چرانے کی) سزا میں دوزخ میں دیکھا ہے۔ اس کے بعد آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جاؤ اور لوگوں میں یہ اعلان کر دو کہ جنت میں صرف وہی لوگ جائیں گے "**المؤمن**" یعنی پورے پورے ایمان دار ہیں، میں گیا اور میں نے یہ اعلان کر دیا۔ (ابن ابی شیبہ احمد، مسلم ترمذی)

تشریح۔ یہ حدیث جہاں ایک طرف یہ بتاتی ہے کہ جنت صرف مؤمنوں کا حصہ ہے اسی کے ساتھ یہ بھی بتاتی ہے کہ "**المؤمن**" کا خطاب حاصل کرنے میں ایک بے قیمت چادر اور ایک معمولی سے عباء کی چوری بھی حائل ہو سکتی ہے۔ یہ سچ ہے کہ جنت کوئی معمولی متاع نہیں مگر اللہ تعالیٰ کی نظر میں "**المؤمن**" کا خطاب بھی معمولی خطاب نہیں۔ دنیا اپنے اندازۂ خیال پر ایک شخص کو شہید کہہ دیتی ہے لیکن اسلام اب بھی اس کو "**المؤمن**" کا خطاب نہیں دیتا کوئی شخص

صرف ایک بار کلمہ طیبہ پڑھ لینے سے خواہ وہ عذاب الٰہی کی دائمی گرفت سے نجات پانے کا مستحق ہو جائے لیکن "المؤمن" کے معزز خطاب کا اس وقت تک مستحق نہیں ہو سکتا جب تک کہ اس کی نظری اور عملی دونوں قوتیں کامل نہ ہو جائیں یعنی وہ اسلام کے عقائد اور اعمال کا پورے طور پر پابند نہ ہو جائے اور اس پابندی میں وہی کیف آزادی محسوس کرنے نہ لگ جائے اس کے بعد پہلے جنت کا مشاق وہ تھا اور اب جنت اس کی مشتاق ہو جائے گی۔

ابو ہریرہؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جب تک تم ایمان نہیں لاؤ گے جنت میں نہیں جاؤ گے اور جب تک باہمی محبت نہ کرو گے پورے مؤمن نہیں بنو گے تو کیا میں تم کو وہ بات نہ بتا دوں کہ جب اس کے خوگر ہو جاؤ تو باہمی محبت کرنے لگو (وہ یہ ہے) کہ آپس میں ہر شخص کو سلام کیا کرو خواہ وہ تمہارا آشنا ہو یا نا آشنا۔ (مسلم شریف)

تشریح۔ اس حدیث میں ایمان کو محبت پر اور محبت کو سلام پر معلق کیا گیا ہے اس سے ثابت ہوتا ہے کہ بعض اعمال بادی النظر میں گو معمولی نظر آتے ہیں مگر دوسرے اہم مقصد کے لحاظ سے بڑی اہمیت رکھتے ہیں۔ سلام بظاہر ایک معمولی درجہ کا خلق ہے لیکن اس کا نتیجہ باہمی الفت و محبت ہے محبت صرف ایک جاذبیت و تأثر ہی کا نام ہے مگر اس کے باوجود وہ ایمان کا ایک مستقل سبب بن جاتی ہے۔ دراصل بات یہ ہے کہ ایمان اللہ تعالیٰ کی ذات سے محبت ہی کا دوسرا نام ہے۔ خدا کی محبت کی یہ راہ رسول کی محبت میں پھر رسول سے صحابہ کی محبت میں اور اسی طرح درجہ بدرجہ عامہ مؤمنین کی محبت میں سے ہو کر گذری ہے اس لیے خدا کی محبت تک رسائی کے لیے ان محبتوں کو بھی عبور کرنا ناگزیر ہے اور اس طرح مسلمانوں کی محبت کا نتیجہ ایمان باللہ اور ایمان باللہ کا نتیجہ مؤمنین کی محبت ہو کر رہتا ہے۔ اسی لیے مؤمنین سے بغض و کینہ کی زد براہ راست آدمی کے اسلام پر پڑتی ہے اور اسی اہمیت کے پیش نظر قرآن کریم میں یہ دعاء تعلیم کی گئی ہے۔ وَلَا تَجْعَلْ فِىْ قُلُوْبِنَا غِلًّا لِّلَّذِيْنَ اٰمَنُوْا. (اور ہمارے دلوں میں اس جماعت سے کینہ نہ رکھ جو ایمان لا چکی ہے) اس کینہ کو دور کرنے کا سب سے سہل اور فطری نسخہ یہی سلام ہے اسی لیے ذرا سی شکر رنجی میں مراسم محبت میں جو چیز پہلے ختم ہوتی ہے وہ یہی سلام ہے۔ اس بیان کا اقتضاء تو یہ تھا کہ اسلام میں باہمی سلام کی

حیثیت ایک رکن کی حیثیت ہوتی لیکن جن امور کو پورے ضبط میں لایا نہیں جا سکتا ان کی اہمیت کے باوجود شریعت ان کو رکن کا درجہ نہیں دیتی بلکہ ایمان کا ایک شعبہ قرار دے دیتی ہے۔اسی لیے حیاء بھی ایمان کا صرف ایک شعبہ قرار دی گئی ہے، یہاں بھی پورا پورا انضباط مشکل ہے۔ پس اس حقیقت سے کسی موقعہ پر بے خبر نہ رہنا چاہیے کہ جن امور کو شریعت شعبہ قرار دیتی ہے وہ ہمیشہ معمولی اور غیر اہم نہیں ہوتے کبھی کبھی ارکان کے درجہ کی چیزیں ان کے غیر منضبط ہونے یا قانون یسر کے تقاضہ سے شعبہ قرار دے دی جاتی ہیں۔

گناہ گار مومن کے حق میں مغفرت کی بشارت

ابوذر رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جبرئیل علیہ السلام میرے پاس آئے اور یہ خوش خبری لائے کہ آپ کی امت میں جو شخص اس حال پر مرجائے کہ اس نے کسی کو اللہ تعالیٰ کا شریک نہ ٹھیرایا ہوتو وہ جنت میں جائے گا میں نے عرض کیا اگر چہ اس نے چوری اور زناء (جیسے کبائر کا) ارتکاب کیا ہو آپ نے فرمایا اگر چہ چوری و زناء کا ارتکاب کیا ہو، میں نے پھر عرض کیا اگر چہ اس نے چوری اور زناء کا ارتکاب کیا ہو۔ آپ نے پھر وہی فرمایا چوتھی مرتبہ میرے اصرار پر فرمایا ہاں اگر چہ ابوذر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو کتنا ہی ناگوار گذرے۔ ابوذر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی عادت تھی کہ جب وہ اس حدیث کو نقل کرتے تو آپ کے اس فقرہ کو بھی نقل کر دیتے تھے۔ (بخاری، مسلم، ترمذی)

تشریح۔ آدمی بے چارے کی پرواز ہی کیا، یہ غریب رحمت کی وسعت کا اندازہ لگائے بھی تو کیا لگائے ایک کلمہ سے عمر بھر کے جرم بغاوت کی معافی کا اعلان سنتا ہے تو حیرت میں پڑ جاتا ہے۔ ادھر دیکھتا ہے کہ جو زبان اس کا اعلان کر رہی ہے وہ مبالغہ آمیزی کی عادی نہیں اس لیے مسرت و حیرت کے مابین وہ اس سوال کو بار بار دہرانے کے لیے مضطر ہو جاتا ہے جو حضرت ابوذرؓ کی زبانی ابھی آپ نے پڑھا۔ وہ چاہتا ہے کہ اپنے کانوں کے نارسائی اور قصور فہم کے جتنے موانع بھی ہو سکتے ہیں سب کو صاف کرے اور یقین کرے کہ ان کے کانوں نے سننے میں غلطی نہیں کی، عقل نے سمجھنے میں ٹھوکر نہیں کھائی اور بات درحقیقت یونہی تھی جو اس نے پہلی مرتبہ سنی۔ ابوذرؓ کے اس عالم حیرت کو ختم کرنے کے لیے یہی ایک تدبیر کارگر ہو سکتی

تھی کہ ان سے ایسا محبت بھرا کلمہ سرزنش کہہ دیا جائے جو ان کی اس حیرت کو ختم کر دے اور اپنی لذت کو ان کے سینہ میں ہمیشہ کے لیے چھوڑ جائے۔ اسی لیے حضرت ابوذرؓ جب اس روایت کو بیان فرماتے تو ساتھ ہی اس عتاب آمیز تلطف کو بھی ذکر کر دیتے خود محظوظ ہوتے اور ذوق محبت رکھنے والوں کو بھی محبت کی ان تلخیوں کی یاد دلا دلا کر محظوظ کرتے۔

امام بخاریؒ فرماتے ہیں کہ زناء و سرقہ کے بعد اگر زندگی کے آخری لمحات میں بھی اسلام نصیب ہو جائے یا ان گناہوں سے توبہ کر لے تو اس کے یہ گناہ معاف ہو جائیں گے اور وہ اس بشارت کا مستحق ہو جائے گا۔ (ص ۸۶۷)

سالم بن ابی الجعد سلمہ بن نعیم سے روایت کرتے ہیں (یہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے صحابی تھے) کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے جو مر جائے کہ اس نے کسی کو اللہ تعالیٰ عز و جل کا شریک نہ ٹھیرایا ہو وہ جنت میں جائے گا اگرچہ چوری اور زناء کا مرتکب ہوا ہو۔ (احمد' طبرانی)

ابوذر رضی اللہ تعالیٰ عنہ بیان کرتے ہیں کہ ایک دفعہ میں رات کو باہر نکلا کیا دیکھتا ہوں کہ آنخضرت صلی اللہ علیہ وسلم تن تنہا جا رہے ہیں اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ کوئی اور شخص نہیں ہے میں نے سمجھا کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے ساتھ کسی کو لینا مناسب نہ سمجھا ہو گا لہذا میں چاندنی سے ہٹ کر اندھیرے اندھیرے میں چلتا رہا آپ نے رخ پھیرا تو مجھے دیکھا فرمایا کون؟ میں بولا آپ صلی اللہ علیہ وسلم پر قربان میں ہوں ابوذر۔ فرمایا اے ابوذر یہاں آؤ، میں کچھ دیر آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ ساتھ چلتا رہا پھر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جو لوگ یہاں بہت مال دار ہیں قیامت میں وہی سب سے زیادہ نادار ہوں گے مگر صرف وہ شخص جس کو اللہ تعالیٰ نے مال دیا تو اس نے دائیں بائیں آگے پیچھے چاروں طرف (فقیروں کو خوب) دیا اور خوب اچھے اچھے کام کیے۔ پھر میں تھوڑی دیر ساتھ چلا تو مجھ سے فرمایا یہاں بیٹھ جاؤ اور مجھے ایک صاف میدان میں بٹھا دیا جس کے اردگرد پتھر ہی پتھر تھے اور فرمایا کہ جب تک میں واپس نہ آؤں یہیں بیٹھے رہنا اس کے بعد آپ صلی اللہ علیہ وسلم اس سنگستان کی طرف تشریف لے گئے۔ یہاں تک کہ میری نظروں سے غائب ہو گئے، آپ کو گئے ہوئے بہت دیر ہو گئی (واپس آئے) تو

میں نے سنا کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم یہ فرماتے آ رہے تھے اگر چہ چوری کی ہو اگر چہ زنا کیا ہو جب میرے پاس تشریف لے آئے تو مجھ سے نہ رہا گیا آخر میں نے پوچھ ہی لیا یا نبی اللہ آپ پر قربان ہوں اس سنگستان میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کس سے بات چیت کرتے آ رہے تھے میں نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو جواب دیتے ہوئے کسی کی آواز نہیں سنی فرمایا یہ جبریل علیہ السلام تھے۔ سنگستان میں میرے پاس آئے تھے یہ کہہ رہے تھے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم اپنی امت کو خوشخبری سنا دیجئے کہ جو شرک سے پاک وصاف مر گیا وہ ضرور جنتی ہے۔ میں نے کہا اے جبریل علیہ السلام اگر چہ اس نے چوری اور زناء کیا ہو انہوں نے کہا جی ہاں۔ میں نے پھر کہا اگر چہ اس نے چوری اور زنا کیا ہو۔ انہوں نے کہا جی ہاں۔ میں نے پھر کہا اگر چہ اس نے چوری اور زناء کیا ہو، انہوں نے فرمایا جی ہاں اگر چہ شراب بھی کیوں نہ پی ہو۔ (بخاری شریف)

ایمان کے بغیر اعمال بے روح ہیں

فضالہ بن عبید روایت فرماتے ہیں کہ میں نے عمر بن الخطابؓ سے سنا ہے وہ کہتے تھے کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ فرماتے سنا ہے کہ شہید چار قسم کے ہیں ایک وہ کھرے ایمان والا جو دشمن کے مقابل ہوا اور اس بہادری سے لڑا کہ ثبات قدمی کی جو شان اللہ تعالیٰ نے مؤمنین کی بیان فرمائی تھی وہ اس نے اپنے عمل سے سچی کر دکھائی (اور نہایت دلیری سے لڑتا رہا) یہاں تک کہ شہید ہو گیا یہ تو وہ مؤمن ہے جس کے مرتبے اتنے بلند ہوں گے کہ قیامت کے دن لوگ اس کی طرف اپنی آنکھیں اٹھا کر اس طرح دیکھیں گے یہ کہہ کر انہوں نے اپنا سر اٹھایا یہاں تک کہ ان کی ٹوپی سر سے گر گئی۔ راوی کہتا ہے یہ میں نہیں کہہ سکتا کہ میرے استاد کی مراد کس کی ٹوپی تھی حضرت عمرؓ کی یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی اس کے بعد فرمایا دوسرا وہ شخص ہے جس کا ایمان تو کھرا تھا لیکن وہ (بہادر نہ تھا) جب دشمن کے آمنے سامنے ہوا تو مارے بزدلی کے اس کا حال یہ ہو گیا کہ گویا اس کے جسم میں طلح درخت کے کانٹے چبھو دیئے گئے۔ پھر کسی نامعلوم سمت سے ایک تیر آ کر اس کے لگا اور اس کو ختم کر دیا۔ یہ دوسرے درجہ کا شہید ہے۔ تیسرا وہ معمولی درجہ کا مؤمن ہے جس نے پہلے عمل کے ساتھ کچھ برے عمل بھی کیے تھے جب دشمن سے لڑا تو ایسی جانبازی سے لڑا

کہ اللہ تعالیٰ نے مؤمن کی جو شان بیان فرمائی تھی اس کو سچا کر دکھایا یہاں تک کہ شہید ہو گیا یہ تیسرے نمبر کا شہید ہے۔ چوتھا وہ شخص ہے، جس نے گناہ کرنے کی حد باقی نہ رکھی تھی (مگر بہادر تھا) جب لڑا تو اپنے عمل سے اللہ تعالیٰ کو سچا ثابت کر دیا اور خوب بہادری سے لڑا، یہاں تک کہ شہید ہو گیا۔ یہ چوتھے نمبر کا شہید ہے۔ (ترمذی)

تشریح۔ اس تقسیم کا خلاصہ یہ ہے کہ مجاہد کبھی تو بہادر ہونے کے ساتھ متقی بھی ہوتا ہے کبھی صرف متقی ہوتا ہے بہادر نہیں ہوتا اس کے برخلاف کبھی ایک شخص بہادر تو ہوتا ہے مگر متقی نہیں ہوتا۔ پھر یہ غیر متقی یا تو معمولی طور پر گنہگار ہوتا ہے اور کبھی کھلا ہوا فاسق ہوتا ہے۔ طیبی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں، اس تقسیم سے یہ نتیجہ نکلتا ہے کہ اعمال کی تمام قیمت ایمان ہی کے بعد ہے اسی لیے چوتھا شخص اگر چہ بہادر تھا اور دوسرا اگر چہ بزدل مگر ایمان ہی کے ضعف و قوت کے تفاوت سے یہ بہادر چوتھے نمبر میں اور وہ بزدل دوسرے نمبر میں پہنچ گیا ہاں اگر خوش قسمتی سے ایمان کے ساتھ بہادری بھی جمع ہو جائے تو اس کے کیا کہنے۔

ابو اسحاق سے مروی ہے کہ میں نے براء کو یہ کہتے سنا ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس ایک شخص (زرہ پہنے) سر تا پا لوہے میں ڈھکا ہوا آیا اس نے کہا یا رسول اللہؐ میں پہلے جہاد میں شریک ہو جاؤں یا پہلے اسلام لے آؤں پھر جہاد کروں آپ نے فرمایا پہلے اسلام قبول کر اس کے بعد جہاد کرنا۔ چنانچہ وہ پہلے مسلمان ہوا اور اس کے بعد جہاد کیا اور شہید ہو گیا آپ نے فرمایا اس نے کام تو کم کیا مگر ثواب بہت پائے گا۔ (بخاری شریف)

تشریح۔ یعنی زمانہ کفر کا بڑا عمل بھی بے وزن ہے اور ایمان کا تھوڑا سا عمل بھی بہت بھاری ہے۔ جاں نثاری کی تمام قیمت اس وقت ہے جب کہ وفاداری کا طوق گلے میں پڑا ہو ورنہ صرف وہ ایک غدار کی موت ہے، جس صورت سے بھی آ جائے، خس کم جہاں پاک۔ اس لیے آپ نے اس شخص کو پہلے اسلام لانے کا مشورہ دیا۔ اس خوش نصیب کے گذشتہ گناہ تو اسلام سے معاف ہو گئے تھے پھر اس معصومی کی حالت میں جو پہلا عمل اس نے کیا وہ شہادت تھا اس لیے اس کے عمل کی مدت گو بہت قلیل رہی مگر ثواب کی بہت بڑی بازی جیت لے گیا۔ امام بخاری رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے اس حدیث سے ایک اور لطیف استنباط کیا ہے یعنی جہاد سے پہلے کوئی اچھا عمل کرنا مطلوب ہے تا کہ عمل خیر کی برکت ثبات قدمی میں معین ہو۔

غیر مومن کی تلاوت کی مثال

ابو موسیٰ اشعری رضی اللہ تعالیٰ عنہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت کرتے ہیں کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جو مؤمن قرآن پڑھتا اور اس پر عمل بھی کرتا ہے وہ سنگترے کی طرح ہے جس کا ذائقہ بھی اچھا اور خوشبو بھی اچھی اور جو قرآن نہیں پڑھتا مگر اس کے احکام پر عمل کرتا ہے وہ کھجور کی طرح ہے جس کا ذائقہ تو اچھا مگر خوشبو کچھ نہیں اور جو منافق قرآن پڑھتا ہے اس کی مثال ریحان (نازبو) کی سی ہے جس کی خوشبو تو بہت اچھی مگر ذائقہ تلخ اور جو قرآن بھی نہیں پڑھتا اس کی مثال درخت حنظل کی سی ہے جس کا ذائقہ بھی تلخ اور بو بھی ناگوار۔ (بخاری شریف)

تشریح۔ یعنی جس طرح پھل کی صرف خوشبو سے اس کے ذائقہ کا حال معلوم نہیں ہوتا اسی طرح صرف قرآن پڑھنے سے کسی کے ایمان کا حال نہیں کھلتا اور جس طرح کہ پھل کی اصل خوبی اس کا خوش ذائقہ ہونا ہے صرف اس کی خوشبو نہیں وہ ایک سامان تفریح ہے اسی طرح انسان کی اصل خوبی ایمان ہے صرف تلاوت قرآن نہیں یہ مؤمن کے ایمان کی زینت ہے نہ کہ منافق کے نفاق کی مگر مشک جس کے پاس ہوگا خوشبو ہی دے گا اسی طرح قرآن جو تلاوت کرے گا اس کی خوشبو ضرور مہکے گی مگر صرف اتنی بات پر دھوکا نہ کھانا چاہیے عمل کی اصل روح ایمان ہے۔

اہل کتاب میں سے ایمان لانے والے کو دگنا اجر

ابو بردہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ اپنے والد سے نقل کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے تین شخصوں کو دو اجر ملیں گے ایک وہ اہل کتاب جو اپنے نبی پر ایمان لایا پھر محمد صلی اللہ علیہ وسلم پر بھی ایمان لائے۔ دوسرا وہ غلام جو خدا کا حق ادا کرے اور اپنے آقاؤں کا بھی، تیسرا وہ شخص جس کی باندی تھی وہ اس سے صحبت کرتا تھا پہلے اس کو خوب سلیقہ شعار بنایا، خوب تعلیم دی پھر آزاد کیا اور اس سے نکاح کر لیا اس کو بھی دو اجر ملیں گے عامر (راویٔ حدیث اپنے شاگرد سے کہتا ہے) ہم نے تو ایسی بیش بہا حدیث تمہیں کسی رنج و تعب کے

بغیر سنا دی پہلے اس سے معمولی حدیث کے لیے مدینہ تک سفر کیا جاتا تھا۔ (متفق علیہ)

تشریح۔ ہر شخص کی فطرت ہے کہ اس کو اپنے دین سے ایک والہانہ محبت اور دوسرے دین سے رقابت کا تعلق ہوتا ہے اس لیے اپنا دین چھوڑ کر دوسرا دین اختیار کرنا فطرۃً شاق گذرتا ہے۔ اسلام یہ کہتا ہے کہ ادیان سماویہ میں کوئی رقابت نہیں ہے، پارٹیاں نہیں ہیں اس لیے ان مذاہب کے پیرووں کو بھی یہی جذبہ رکھنا چاہیے یہ ایک ہی صدقت کی کڑیاں ہیں، ایک دین کے مصدق کو دوسرے دین کی تصدیق لازم ہے اس لیے اگر کوئی اہل کتاب اسلام قبول کرے تو اس کو یہ وسوسہ نہ گذرنا چاہیے کہ اپنے نبی پر اس کا ایمان رائیگاں چلا گیا۔ بلکہ اگر وہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم پر بھی ایمان لے آئے تو دو اجر کا مستحق ہوگا ہاں یہ یقینی ہے کہ اگر آپ پر ایمان نہ لایا تو پہلے ایمان کا اجر بھی حبط ہو جائے گا۔ کیونکہ رسولوں کے درمیان ایمان کے بارے میں تفریق نہیں کی جا سکتی جو ایک کا منکر ہے وہ سب ہی کا منکر شمار ہوگا۔ اس بشارت میں دراصل اہل کتاب کو یہ دعوت دی گئی ہے کہ اگر وہ اپنے ایمان کو قائم رکھنا چاہتے ہیں تو اس کی صورت یہی ہے کہ آپ کی ذات ستودہ صفات پر بھی ایمان لے آئیں اور کیوں ایمان نہ لائیں جب کہ ان سب نبیوں پر ایمان لانا آپ کی دعوت کا جزء ہے۔ پس آپؐ پر ایمان لانا ان سب پر ایمان لانا اور آپ کا انکار، ان سب کا انکار ہے اس لیے اگر وہ خدا کے دین یا خدا کے رسولوں کے متعلق فرقہ پرستی کی اسپرٹ رکھیں گے تو ان کو معلوم ہونا چاہیے کہ اسلام اس کو برداشت نہیں کرے گا اور الٹا ان کا حاصل کردہ اجر بھی برباد ہو جائے گا۔ خلاصہ یہ کہ ایمان لانا سب انبیاء علیہم السلام پر ضروری لیکن منہاج اطاعت صرف اسلام میں منحصر ہے۔

وہ ایمان جو باعث فضیلت ہے

انس بن مالکؓ بیان فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جس شخص نے مجھے دیکھا اور مجھ پر ایمان لایا اس کو تو ایک بار مبارکباد اور جس نے مجھے نہیں دیکھا اور پھر ایمان لایا اس کو بار بار مبارکباد۔ (احمد)

تشریح:۔ مسند ابوداؤد طیالسی میں یہ حدیث حضرت ابن عمرؓ سے بھی منقول ہے اس کی ابتداء میں اتنا قصہ اور مذکور ہے کہ ایک شخص ان کی خدمت میں حاضر ہوا اور اس نے

بڑی حسرت کے انداز میں عرض کیا کہ آپ لوگوں نے تو اپنی ان آنکھوں سے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے روئے انور کی زیارت کی ہے۔ انہوں نے فرمایا جی ہاں۔ اس پر اس شخص نے کہا مبارک ہو اس پر حضرت ابن عمرؓ نے فرمایا تو لیجئے آپ بھی مجھ سے ایک ایسی حدیث سن لیجئے جو میں نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے خود سنی ہے اس کے بعد حضرت انسؓ کی اسی حدیث کا مضمون ذکر کیا صرف اتنا فرق ہے کہ اس کے آخر میں سبع مرات کی بجائے ثلاث مرات کا لفظ ہے۔ (درمنثور ج ا ص ۲۷)

عبدالرحمٰن بن یزیدؒ کہتے ہیں کہ ہم عبداللہ بن مسعودؓ کے پاس بیٹھے ہوئے تھے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے صحابہ اور ان کے فضائل کا تذکرہ چھڑ گیا اس پر عبداللہ بن مسعودؓ نے فرمایا آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی صداقت ہر اس شخص کے سامنے جس نے آپ کو دیکھا تھا بالکل صاف اور عیاں تھی۔ اس ذات کی قسم جس کے سوا خدا کوئی نہیں۔ کوئی شخص ایمان نہیں لایا جس کا ایمان بن دیکھے ایمان سے افضل ہو، پھر اس کے ثبوت میں انہوں نے یہ آیت پڑھی (الم یہ کتاب ہے اس میں کوئی شک وشبہ نہیں، متقیوں کے لیے ہدایت ہے جو غیب پر ایمان رکھتے ہیں) (حاکم ابن کثیر)

تشریح:۔ اس میں کیا شبہ ہے کہ صحابہ کرام اپنی سابقیت، دین کی بروقت نصرت اور مشاہدہ و مغازی میں صبر و استقامت کی وہ مثال دنیا میں قائم کر گئے ہیں کہ اب ان کے مقابلہ میں تمام امت میں سے کسی کا کوئی عمل بھی قابل ذکر نہیں ہو سکتا اس لیے ان کے فضائل کا تذکرہ بالکل برمحل اور بجا تھا لیکن حضرت ابن مسعودؓ چونکہ اس مقدس جماعت کے خود بھی ایک ممتاز فرد تھے ان کی شان تواضع نے اپنے منہ پر اپنی تعریف سننی گوارا نہ کی اور آئندہ امت کے لئے بھی ایک ایسی امتیازی فضیلت ذکر کر دی جس سے یہ شبہ گزرنے لگا کہ میدان فضیلت میں اگر وہ صحابہ سے پیش پیش نہیں تو ان سے بہت پیچھے بھی نہیں۔ ایمان بالغیب کی جو صفت یہاں ذکر کی گئی ہے صحابہ کرام اس میں بھی بقیہ امت سے پیشگام تھے لیکن رسول کی پر از صدق و صفا شخصیت چونکہ ان ضعفاء امت کے سامنے نہ ہوگی اس لئے اس بزرگ صحابی کو اُن کے دل بڑھانے کا ایک موقعہ ہاتھ آ گیا تھا۔

یقین اور پختہ اعتقاد ایمان کی روح ہے

حضرت ابوبکر صدیقؓ نے (آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات سے ایک سال بعد ایک تقریر فرماتے ہوئے) کہا کہ اس سے پہلے سال آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم خطبہ کے لئے ہمارے سامنے کھڑے ہوئے تھے یہ کہہ کر ابوبکرؓ زار وقطار رو پڑے (پھر کہا کہ) آپ نے ارشاد فرمایا تھا اللہ تعالیٰ سے اپنی خطاؤں کی معافی اور اپنے لئے عافیت طلب کیا کرو کیونکہ ایمان ویقین کے بعد عافیت سے بڑھ کر کسی کو کوئی نعمت نصیب نہیں ہوئی۔ (احمد۔ نسائی۔ ترمذی)

تشریح:۔ یقین اور اعتقاد جازم ایمان کی روح ہے خدا تعالیٰ کی جتنی نعمتیں ہیں وہ سب اس دولت یقین سے کم تر ہیں۔ صحیح بخاری میں حضرت عبداللہ بن مسعودؓ کا مقولہ مروی ہے "الیقین الایمان کله" یقین ہی ایمان کی روح ہے۔ بیہقی نے کتاب الزہد میں ان الفاظ کو مرفوعاً بھی نقل کیا ہے مگر حافظ ابن حجرؒ نے اس کو ضعیف قرار دیا ہے۔ مسند امام احمدؒ میں حضرت ابن مسعودؓ کی یہ دعا منقول ہے اللھم زدنا ایمانا ویقینا وفقھا۔ اے اللہ ہمارے دل میں ایمان، یقین، اور ہم میں دین کی سمجھ بڑھا دے۔ جامع ترمذی میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے دعائیہ کلمات میں مذکور ہے۔ واقسم لنا من الیقین ماتھون به علینا مصائب الدنیا۔ اے اللہ ہمارے حصہ میں اتنا یقین لگا دے کہ اس کی وجہ سے ہمیں دنیا کی مصیبتیں جھیلنا آسان ہو جائے یہاں یقین جیسی نعمت کو بھی مقید کرنے کی حقیقت سفیان ثوری کے اس مقولہ سے ظاہر ہوتی ہے۔ وہ فرماتے ہیں لو ان الیقین وقع فی القلب کما ینبغی لطار اشتیاقاً الی الجنة وھر بامن النار (فتح الباری ج ا ص ۴۱) اگر یقین پوری حقیقت کے ساتھ دل میں سما جائے تو جنت کے اشتیاق اور دوزخ کے خوف کے مارے دل اڑنے لگے اسی کی طرف حضرت حنظلہؓ کی حدیث میں اشارہ کیا گیا ہے۔ مستدرک حاکم میں سورہ المدثر کی تفسیر میں نقل کیا ہے کہ زرارہ بن ابی اوفی نے ایک بار یہ آیت پڑھی فَاِذَا نُقِرَ فِی النَّاقُوْرِ (جب صور پھونکا جائے گا تو یہ دن کافروں کے اوپر بڑا سخت ہوگا الخ) اور بیہوش ہو کر گر گئے اور وفات پا گئے بڑا رتبہ پایا لیکن اگر جیتے اور خدا کی عبادت اور کرتے تو اور مراتب طے کرتے آپ نے دیکھا کہ یقین جب حد سے بڑھنے لگتا ہے تو اس کا نتیجہ اس شکل میں بھی نکل سکتا ہے۔

عمرو بن شعیب اپنے والد سے وہ اپنے دادا سے روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے اس امت کی سب سے پہلی اصلاح دولت یقین کی وجہ سے ہوئی ہے اور اس کی سب سے پہلی بربادی بخل اور دراز امیدوں کی بدولت ہوگی۔ (شعب الایمان)

تشریح:۔ حضرت شاہ ولی اللہؒ مراتب احسان پر بحث کرتے ہوئے عقل و نفس اور قلب کی فناء کی تحقیق یہ لکھتے ہیں کہ جب انسان کے یہ جواہر لطیفہ اپنے اصل خواص سے مجرد ہو کر عالم غیب کی سیر میں مستغرق ہو جاتے ہیں تو یہی ان کی فناء سمجھی جاتی ہے۔ (پس فناء ہونے والے درحقیقت یہ جواہر خود نہیں ہوتے بلکہ ان کے خصائل و خصائص ہوتے ہیں۔ یہی معنی ان کے فناء کے سمجھنے چاہئیں اور بس۔ عقل کا اصل خاصہ تصدیق، شک، توہم، اسباب کی تلاش اور جلب منافع، دفع مضار پر غور و خوض کرنا ہے۔ جب انسانی قلب و جوارح آداب الٰہیہ کی زیر تربیت مہذب ہوتے جاتے ہیں تو ان میں آثار عبودیہ اس طرح پھوٹنے لگتے ہیں جس طرح لُو کے مارے درخت میں پتیاں اب اس کا رخ عالم مادیہ کی بجائے عالم قدس کی طرف بدل جاتا ہے، اسباب بے حقیقت بن جاتے ہیں، منفعت و مضرت کا سوال نظروں سے ساقط ہونے لگتا ہے اور حقائق شرعیہ اور عالم غیب کا یقین اپنی آنکھوں کے مشاہدات سے بڑھ کر نصیب ہونا شروع ہو جاتا ہے۔ ایک مرتبہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے زید بن حارثہ سے دریافت کیا ہر چیز کی ایک حقیقت ہوتی ہے تم بتاؤ تمہارے ایمان کی حقیقت کیا ہے؟ انہوں نے عرض کیا مجھے عرش رحمٰن کا ایسا یقین حاصل ہے جیسا اپنی آنکھوں سے دیکھ رہا ہوں۔ (خلاصہ حجۃ اللہ)

امام شعرانی لکھتے ہیں المومن الکامل من صار الغیب عندہ کالشھادۃ فی عدم الریب (الیواقیت ج ۲ ص ۲۵۷)

مومن کامل وہ ہے جس کے نزدیک عالم غیب یقین میں عالم شہادت کی برابر ہو جائے۔ یہ دولت یقین جس کے ہاتھ آ گئی اس کی عقل کامل ہوگئی اور جس کی عقل کامل ہوگئی اس کے لئے نفس و قلب کے تکمیل کی منزل بھی دور نہیں رہی، اس کے تمام مراتب احسان طے ہونے کا وقت بھی قریب آ پہنچا وہ قریب ہے کہ اب انسان کامل کے لقب سے نواز دیا جائے۔ علامہ اقبال مرحوم نے اسی صفت یقین کو ذیل کے شعر میں کیا خوب ادا کیا ہے ؎

غلامی میں نہ کام آتی ہیں تدبیریں نہ شمشیریں　　جو ہو ذوقِ یقیں پیدا تو کٹ جاتی ہیں زنجیریں

یہ بات یاد رکھنی چاہئے کہ دلائل کی بنیاد پر یقین کی تعمیر کرنا ایمان کی صفت نہیں۔ ایمان کی صفت یہ ہے کہ یقین کی بنیاد پر دلائل کی تعمیر کی جائے۔ جب کسی حقیقت تک یقین کے ساتھ رسائی ہو جاتی ہے تو پھر دلائل کا راستہ خود بخود مختصر ہو جاتا ہے کیونکہ یہی دلائل کا مقصد تھا اور جب یہ مقصد بلا تعب حاصل ہو گیا تو اب دلائل کا مشغلہ مفت ایک سرگردانی ہے لیکن اگر یقین تک رسائی حاصل نہیں ہے تو اب دلائل کے واسطہ سے یقین حاصل کرنا ایک امید موہوم ہے۔ یہی وجہ ہے کہ انبیاء علیہم السلام کی جماعت میں نظریات کا کوئی اختلاف نظر نہیں آتا انہیں حقیقت کا پورا علم ہوتا ہے اور کسی شے کی حقیقت ہمیشہ ایک ہی ہوتی ہے اور اہل نظر کے نظریات میں کہیں اتفاق نظر نہیں آتا۔

ایمان کے نور کی برکات

ابو ہریرہؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: زنا کرنے والا شخص بحالت زناء مومن نہیں ہوتا اور چور بھی بحالت چوری مومن نہیں ہوتا اور اسی طرح جب کوئی شراب نوشی کرتا ہے تو اس حالت میں وہ مومن نہیں ہوتا۔ ایک روایت میں ابو ہریرہؓ اتنا اور اضافہ کرتے ہیں اور نہ لٹیرا اس وقت مومن ہوتا ہے جبکہ وہ ایسی بڑی لوٹ میں مشغول ہوتا ہے کہ لوگ (بے بس ہو کر) اسے نظریں اٹھا اٹھا کر دیکھا کریں (اور اس کا کچھ نہ بگاڑ سکیں) ایک اور طریقے میں ہے مگر توبہ کا دروازہ اس کے بعد بھی کھلا رہتا ہے۔ (بخاری و مسلم)

تشریح:۔ معصیت کی حالت میں ایمان کا نور باقی نہیں رہ سکتا۔ اگر یہ نور باقی رہتا تو وہ یہ معصیت ہی کیوں کرتا۔ یہ نور ایمان کا وجود عینی کہلاتا ہے اس کی تفصیل پہلے گذر چکی ہے یہاں غریب معتزلہ یہ سمجھے کہ اس حالت میں ایمان یعنی تصدیق ہی باقی نہیں رہتی اس لئے انہوں نے مرتکب کبیرہ کو دائرہ اسلام سے خارج کر ڈالا۔ پھر معلوم نہیں کہ ان بیسیوں حدیثوں کا ان کے پاس جواب کیا ہو گا جن میں امت کے عاصیوں کی بخشش تواتر کے ساتھ منقول ہے۔ انسان جب صرف الفاظ کی شوکت اور اسالیب بیان سے مسائل بنانا شروع کر دیتا ہے تو غلط عقائد کا شکار بن کر رہتا ہے اسی لئے اصولیین نے لکھا ہے کہ جو الفاظ مدح وذم

کے موقعہ پر مستعمل ہوں ان کو مسئلہ کا مدار نہ سمجھنا چاہئے۔ آیہ "انما المشر کون نجس" میں بھی مشرکین کے لئے نجاست کا لفظ بسلسلہ مذمت مستعمل ہے۔ اس لئے فقہاء نے صرف اس لفظ کی وجہ سے ان پر نجاست کے تمام مسائل جاری نہیں کئے۔ (ہدایۃ المجتہدین لابن رشد)

ابن عباسؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جب بندہ زنا کرتا ہے تو اس حالت میں وہ مومن نہیں ہوتا اور چور جب چوری میں مشغول ہوتا ہے اور شرابی جب شراب پیتا ہے تو وہ بھی اس حالت میں مومن نہیں ہوتے اور جب کوئی کسی مسلمان کو ناحق قتل کرتا ہے تو اس وقت بھی وہ مومن نہیں ہوتا۔ عکرمہ کہتے ہیں میں نے ابن عباسؓ سے پوچھا۔ اس بندہ سے اس کا ایمان کس طرح نکال لیا جاتا ہے انہوں نے اشارہ کر کے دکھایا کہ اس طرح پہلے اپنے دونوں ہاتھوں کی انگلیاں ایک دوسرے میں ڈالدیں پھر ان کو نکال کر علیحدہ کرلیا۔ اگر اس کے بعد توبہ کرلیتا ہے تو وہ پھر اس طرح واپس آ جاتا ہے۔ (یہ کہکر) پھر انگلیاں ملالیں۔ امام بخاریؒ فرماتے ہیں کہ اس حدیث کا مطلب یہ ہے کہ ارتکاب معصیت کی حالت میں بندہ مومن کامل نہیں رہتا اور اس کا نور ایمانی نکل جاتا ہے۔

تشریح:۔ امام بخاریؒ نے اپنی اس تحقیق کو باب الزناء وشرب الخمر میں خود ابن عباسؓ سے بھی نقل کیا ہے۔ وعن ابن عباسؓ ینزع عنه نور الایمان فی الدنیا۔ حافظ ابن تیمیہؒ نے ابن عباسؓ سے روایت کیا ہے کہ وہ اپنے لڑکوں سے فرمایا کرتے تھے جسے شادی کی ضرورت ہو ہم اس کی شادی کردیں کیونکہ اگر تم میں کوئی زنا کا مرتکب ہوگا تو اللہ تعالیٰ اس کے ایمان کا نور اس سے چھین لے گا۔ پھر یہ اس کی مرضی ہے خواہ واپس کرے یا نہ کرے۔ حضرت حسنؒ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت کرتے ہیں کہ ان معاصی کی حالت میں ایمان اس سے علیحدہ کر لیا جاتا ہے اگر توبہ کرے تو واپس کردیا جاتا ہے۔ طاؤسؒ کہتے ہیں کہ ان حالات میں مومن کا ایمان زائل ہو جاتا ہے۔ حضرت ابوجعفرؒ فرماتے ہیں کہ یہ شخص دائرہ ایمانی سے نکل کر دائرہ اسلام میں داخل ہو جاتا ہے۔ گویا ان کے نزدیک ایمان کا رتبہ اسلام سے بلندتر ہے۔ امام احمدؒ سے بھی یہی منقول ہے اور امام ابونصر نے ایک بڑی جماعت کا یہی خیال نقل کیا ہے۔ امام ابن ابی شیبہؒ فرماتے ہیں کہ یہ شخص کامل مومن نہیں رہتا اس کا ایمان ناقص ہو جاتا ہے۔ ایک مرتبہ

امام زہریؒ سے سوال کیا گیا کہ جب ان حالات میں یہ شخص مومن نہیں تو فرمایئے اسے اور کیا کہیں۔ امام کو یہ سوال ناگوار گزرا۔ اصل وجہ یہ تھی کہ اگر مومن کہتے اور حدیث کی کوئی تاویل کرتے تو مصلحت کے خلاف ہوتا اور اگر کافر کہتے تو مسئلہ کے خلاف ہوتا۔ سفیان ثوری سے منقول ہے کہ سلف اس قسم کی احادیث کی تاویل کرنا پسند نہ فرماتے تھے اور کہتے تھے کہ تاویل کرنے سے ان تعبیرات کا زور ختم ہو جاتا ہے اور ان معاصی کی اہمیت ذہن نشین کرنے کا جو اصل مقصد ہے وہ یکسر فوت ہوتا ہے۔ (کتاب الایمان والیواقیت ج ۲ص ۲۶۰)

ابو ہریرہؓ سے روایت ہے کہ جب بندہ زناء کرتا ہے تو ایمان نکل کر اس کے سر پر سائبان کی طرح معلق ہو جاتا ہے۔ جب وہ اس معصیت سے فارغ ہو جاتا ہے تو پھر لوٹ آتا ہے۔ (متدرک)

تشریح:۔ حافظ ابن تیمیہؒ نے اس ٹکڑے کو مرفوعاً بھی نقل کیا ہے۔ ابوداؤد نے حضرت ابو ہریرہؓ سے یہ الفاظ بھی نقل کئے ہیں۔ **انه کان یقول انما الایمان کثوب احدکم یلبسه مرة ویخلعه اخری**۔ ایمان کی مثال لباس کی سی ہے کبھی آدمی اسے اوڑھ لیتا ہے کبھی اتار دیتا ہے۔ (کتاب الایمان)

ابو ہریرہؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے جس نے زنا کیا یا شراب پی، اللہ تعالیٰ اس کا ایمان اس طرح نکال لیتا ہے جیسے انسان اپنی قمیص سر کی طرف سے اتار لیتا ہے۔ (متدرک)

تشریح:۔ آپ نے دیکھا کہ حدیث مذکور جب تک صحابہ کے مابین دائر رہی انہوں نے اس کی تاویل میں بھی ایسا عنوان اختیار کیا جو لفظ حدیث کے زیادہ سے زیادہ قریب رہے اور جب وہ ائمہ کے درمیان آ گئی تو مسئلہ اگر چہ زیادہ صاف ہو گیا مگر الفاظ حدیث سے اتنا قرب باقی نہیں رہا۔ حضرت ابو ہریرہؓ چاہتے ہیں کہ اس قسم کے عاصی سے ایمان ہی کی نفی کر دیں اور اس لئے فرماتے ہیں کہ اس کا ایمان اس کے قلب سے نکل کر اس کے اوپر سائبان کی طرح معلق ہو جاتا ہے۔ حضرت ابن عباس جو ان سے افقہ تھے انہوں نے عنوان اگر چہ وہی رکھا مگر بات ذرا اور صاف کر دی اور فرمایا کہ ان معاصی کے ارتکاب کے وقت مومن نہ ہونے کے معنی یہ ہیں کہ اس کے قلب سے نور ایمان نکل جاتا ہے۔ جب آئمہ کا

دور آیا تو انہوں نے اس تعبیر کو اور صاف کیا اور فرمایا کہ جس ایمان میں نورانیت نہ ہو وہ ایمان ایک ناقص ایمان ہے اس لئے حدیث میں نفی کمال مراد ہے اور مطلب یہ ہے کہ یہ عاصی مومن کامل نہیں رہتا اصل بات وہی تھی جو حضرت ابو ہریرہؓ کی زبان سے نکلی مگر جتنا زمانہ نبوت کو بُعد ہوتا گیا اسی قدر حدیث کی مراد زیادہ صفائی کے ساتھ سمجھانے کی اہمیت بڑھتی گئی۔ اس بیان سے اصولی طور پر آپ کو یہ سمجھ لینا چاہئے کہ محدث اور فقیہ مزاج میں کیا فرق ہوتا ہے۔ محدث مزاج تا امکان تعبیر حدیث کے اردگرد رہنا چاہتا ہے۔ فقیہ کے پیش نظر یہ رہتا ہے کہ غرض شریعت تا امکان زیادہ سے زیادہ واضح ہو جائے۔ الفاظ سے اگر کچھ بُعد ہوتا ہے تو ہو جائے مزاجوں کا یہ تفاوت صحابہ کے درمیان بھی ملتا ہے۔ اگر اتنی سی بات صاف ہو جاتی ہے تو محدثین اور فقہاء کے درمیان جو اختلافات کی وسیع خلیج حائل ہو گئی ہرگز حائل نہ ہوتی۔ امام اعظمؒ سے محدثین کو زیادہ تر رہنمائی اسی مزاجی فرق کی بناء پر پیش آئی ہے۔ امام صاحبؒ نے مسئلہ کی چھان بین کے لئے بحثوں میں بڑی وسعت پیدا کر دی اور یہ وسعت محدثین کے لئے ہر موقعہ پر ایک نئی ناگواری کا موجب بنتی رہی۔ نوبت بایں جارسید کہ ان ہی لفظی اختلافات نے آئندہ چل کر مذہبی تحریک کی شکل اختیار کر لی اور آخر کار اسی پر ذاتیات کی تعمیر ہونے لگی۔ والی اللہ المشتکی۔

یہ حدیث جب ساتویں صدی میں پہنچی تو حافظ ابن تیمیہؒ نے سلف کے اسی مضمون کو اٹھا کر ذرا اور افادی شکل میں ادا کیا وہ لکھتے ہیں کہ ایک عاصی کی مثال ایسی ہے جیسی آنکھیں بند کرنے کے بعد ایک بینا کی۔ اگر ایک بینا شخص اپنی آنکھیں بند کرلے تو اسے بھی کچھ نظر نہیں آتا اور اس لحاظ سے یہ بینا اور ایک نابینا برابر ہو جاتا ہے نہ یہ دیکھتا ہے نہ وہ۔ لیکن فرق یہ ہے کہ نابینا نور بصر ہی نہیں رکھتا اور بینا اگرچہ نور تو رکھتا ہے مگر خلاف چشم کی وجہ سے وہ نور کام نہیں کرتا اس لئے نابینا کی برابر ہو جاتا ہے اسی طرح ایک مومن کے نور بصیرت پر جب بہیمیت کا حجاب پڑ جاتا ہے تو وہ بھی کافر کی طرح معصیت و طاعت کا فرق نہیں پہچانتا۔ اس لئے یہ کہنا بالکل بجا ہے کہ مومن جس حالت میں زنا کرتا ہے اس کا نور تصدیق جوش بہیمیت سے ایسا مدھم پڑ جاتا ہے کہ اسے بھی معصیت کرنے میں کوئی باک نہیں رہتا اور اس تہور و جرأت کے

عالم میں اس پر مومن کا اطلاق بڑا مشکل ہو جاتا ہے۔ ہاں اگر توبہ کر لے تو یہ حجاب بہیمیت پھر چاک ہو جاتا ہے اور نور ایمانی پھر جگمگانے لگتا ہے۔ (کتاب الایمان) دراصل یہ وہی مختصر فقرے تھے جو عہد سلف سے مشروع ہوئے اور حافظ ابن تیمیہؒ کے دور میں آ کر بہت پھیل گئے۔

صحابہ رضی اللہ عنہم کے یقین کی چند مثالیں

قتادہ روایت کرتے ہیں کہ ابن عمرؓ سے دریافت کیا گیا کیا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے صحابہ ہنسا کرتے تھے؟ انہوں نے فرمایا جی ہاں لیکن ان کے دلوں میں ایمان پہاڑوں سے زیادہ بھاری موجود ہوتا تھا۔ (یعنی ان کی ہنسی غفلت کی ہنسی نہ تھی) بلال بن سعد کہتے ہیں کہ میں نے ان کو (دن میں تو) نشانوں اور ہدفوں کے درمیان بھاگتے دوڑتے اور ایک دوسرے کے ساتھ مذاق بھی کرتے پایا ہے لیکن جب رات آتی تو وہ درویش صفت بن جاتے تھے (یعنی مصلوں پر کھڑے کھڑے راتیں کاٹ دیا کرتے تھے) (شرح السنہ)

تشریح:۔ حافظ ابن کثیرؒ نے آیت وَلَوْ اَنَّا كَتَبْنَا عَلَيْهِمْ اَنِ اقْتُلُوْا اَنْفُسَكُمْ اَوِ اخْرُجُوْا مِنْ دِيَارِكُمْ مَّا فَعَلُوْهُ اِلَّا قَلِيْلٌ مِّنْهُمْ کی تفسیر کے ذیل میں اعمشؒ سے نقل کیا ہے کہ آیت مذکورہ سن کر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے صحابہ بولے اگر ہمارا پروردگار ہمیں یہ حکم دیتا تو ہم بسروچشم اس کا امتثال کرتے آپ کو اپنے صحابہؓ کے ان جاں نثارانہ کلمات کی جب اطلاع پہنچی تو آپ نے فرمایا للایمان اثبت فی قلوب اهله من الجبال الرواسی۔ ایمان داروں کے دلوں میں ایمان بڑے بڑے پہاڑوں سے بھی زیادہ راسخ ہوتا ہے۔ صاحب روح المعانی لکھتے ہیں کہ آیت مذکورہ سن کر حضرت صدیق اکبرؓ نے فرمایا یارسول اللہ (صلی اللہ علیہ وسلم) اگر آپ مجھے یہ حکم دیں تو میں تو اسی وقت اس کی تعمیل کروں۔ حضرت عمرؓ سے بھی اسی کے قریب الفاظ منقول ہیں۔ اس پر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے یہ کلمات مروی ہیں۔ ان من امتی لرجالاً ایمان اثبت فی قلوبهم من الجبال الرواسی میری امت میں ایسے لوگ بھی ہیں جن کے دلوں میں ایمان بڑے بڑے پہاڑوں سے زیادہ مستحکم اور راسخ ہے۔

انسؓ کہتے ہیں کہ جب ہمیں ابوسفیان کے لشکر کشی کی خبر ملی تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کے متعلق صحابہؓ سے مشورہ فرمایا۔ سعد بن عبادہؓ کھڑے ہو کر بولے یارسول اللہ (صلی اللہ

علیہ وسلم)اس کی قسم جس کے دست قدرت میں میری جان ہے اگر آپ ہمیں یہ حکم دیں کہ ہم اپنے گھوڑے دریا میں ڈالدیں تو ہم ابھی ڈالدیں گے اور اگر آپ یہ فرمائیں کہ ہم برک الغماد تک اپنے گھوڑے دوڑا کران کے پتے پانی کرڈالیں تو ہم یہ بھی کرگزریں گے اس کے بعد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے لوگوں کو چلنے کے لئے بلایا لوگ چل پڑے یہاں تک کہ بدر کے میدان میں آ کر مقیم ہو گئے آپ یہاں زمین پر ہاتھ رکھ رکھ کر بتاتے جاتے تھے کہ یہاں فلاں مشرک مقتول ہو کر گرے گا اور یہاں فلاں گرے گا۔ راوی بیان کرتا ہے کہ (سب اسی اسی جگہ مقتول ہوئے اور)ان میں کوئی ایسا نہ تھا جو آپ کی مقرر کردہ جگہ سے ذرا کہیں علیحدہ گرا ہو۔ (مسلم)

ابن مسعودؓ روایت فرماتے ہیں کہ میں نے مقداد بن اسود کی ایک ایسی بات دیکھی ہے کہ تمام فضائل وکمالات کے مقابلہ میں مجھے یہ تمنا ہوتی ہے کاش وہ بات مجھے نصیب ہو جاتی (وہ بات یہ تھی) کہ ایک بار آپ لوگوں کو مشرکین کے مقابلہ کے لئے ترغیب دے رہے تھے اس وقت یہ بھی آ پہنچے تو انہوں نے عرض کیا یا رسول اللہ ہم آپ کو وہ جواب نہیں دیں گے جو موسیٰ علیہ السلام کی قوم نے حضرت موسیٰ علیہ السلام کو دیا تھا کہ بس تو اور تیرا پروردگار جا کر لڑ آ (ہم تو یہاں بیٹھے ہوئے ہیں) بلکہ ہم آپ کے دائیں، بائیں آپ کے سامنے اور آپ کے پیچھے رہ کر جنگ کریں گے۔ میں نے دیکھا کہ یہ بات سن کر آپ کا روئے انور (مارے خوشی کے چمک اٹھا اور مقداد کے اس جواب نے آپ کو خوش کر دیا۔ (بخاری شریف)

ابوموسیٰؓ سے روایت ہے کہ (ایک دن) رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جنت تلواروں کے سایہ کے نیچے ہے یہ سن کر ایک شکستہ حال شخص کھڑا ہوا اور بولا اے ابوموسیٰ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ بات فرماتے کیا تم نے خود سنا ہے انہوں نے کہا ہاں۔ اس کے بعد وہ اپنے رفقاء کے پاس آیا اور ان سے کہا لو میرا سلام لو یہ کہکر اس نے اپنی تلوار کی میان توڑ کر ڈالدی اور (ننگی) تلوار لیکر دشمن پر حملہ آور ہوا اور لڑا یہاں تک کہ شہید ہو گیا۔ (مسلم)

انسؓ روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ کے صحابہ بدر کی جنگ کیلئے نکلے یہاں تک کہ (میدان جنگ میں) یہ مشرکین سے پہلے جا پہنچے جب مشرکین بھی آ گئے تو آپ نے صحابہؓ سے مخاطب ہو کر فرمایا لو اب اس جنت کیلئے کھڑے

ہو جاؤ جس کا عرض زمین اور آسمانوں کے برابر ہے یہ سن کر عمیر بن حمام بولے واہ واہ۔ آپ نے فرمایا تم نے اتنی خوشی کا اظہار کیوں کیا؟ انہوں نے جواب دیا خدا کی قسم صرف اس لئے کہ شاید جنت میرے نصیب میں آ جائے آپ نے فرمایا (جاؤ) تم جنتی ہو یہ سن کر انہوں نے اپنے ترکش سے کچھ کھجوریں نکالیں اور ان کے کھانے میں مشغول ہو گئے پھر خود ہی بولے اگر میں اتنی دیر تک زندہ رہا...... کہ ان کھجوروں کو ختم کر لوں تو یہ زندگی تو بڑی لمبی زندگی ہوگی۔ راوی کہتا ہے کہ یہ کہہ کر جو کھجوریں ان کے پاس تھیں پھینک دیں اور مشرکین سے جنگ شروع کر دی یہاں تک کہ شہید ہو گئے۔ (مسلم)

جابرؓ سے روایت ہے کہ احد کی جنگ میں ایک شخص نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے پوچھا فرمایئے اگر میں مارا جاؤں تو کہاں جاؤں گا آپ نے فرمایا جنت میں۔ یہ سن کر اس نے اپنے ہاتھ کی کھجوریں پھینک دیں پھر لڑا یہاں تک کہ شہید ہو گیا۔ (متفق علیہ)

ایمان دین کی تمام باتوں کی تصدیق کرنے کا نام ہے

ابو ہریرہؓ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا مجھے یہ حکم ملا ہے کہ میں مشرکین سے جنگ جاری رکھوں یہاں تک کہ وہ اس بات کی گواہی دیں کہ خدا کوئی نہیں مگر ایک اللہ اور مجھ پر اور اس تمام دین پر ایمان لائیں جو میں لیکر آیا ہوں، جب یہ عہد کر لیں تو اب انہوں نے اپنی جان و مال کو مجھ سے بچا لیا ہاں جو باز پرس اسلامی ضابطہ کے ماتحت ہوگی وہ اب بھی باقی رہے گی اس کے بعد ان کے باطن کا حساب خدا کے حوالہ ہے وہ جانے کہ ان کا اسلام نمائشی تھا یا حقیقی۔ (مسلم)

تشریح:۔ اس حدیث کے مختلف الفاظ ہیں اس کے سب سے پورے الفاظ یہ ہیں جو ہم نے یہاں نقل کئے۔ بعض الفاظ میں صرف توحید کا ذکر ہے، بعض میں توحید کے ساتھ رسالت کا بھی ذکر ہے اور بعض میں توحید و رسالت کے ساتھ نماز اور زکوٰۃ کا بھی تذکرہ موجود ہے یہ سب ایک ہی مقصد کی مختلف تعبیرات ہیں۔ اصل یہ ہے کہ جب تک آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے لائے ہوئے تمام دین کو تسلیم نہ کیا جائے ایمان حاصل نہیں ہوتا اب

اس حقیقت کی طرف کہیں تو اسلام کے دو مشہور ارکان نماز اور زکوٰۃ کو ذکر کر کے اشارہ کر دیا گیا ہے کہیں تمام دین کو شہادتین کے ضمن میں لپیٹ دیا گیا ہے اور کہیں یہ دیکھ کر کہ صحیح توحید رسول پر ایمان لائے بغیر میسر ہی نہیں آسکتی صرف کلمہ توحید پر کفایت کر لی گئی ہے اور مدعا ان سب کا وہی ایک بات ہے یعنی آپ کے تمام دین کی تصدیق وتسلیم۔

نسائی کے الفاظ میں یہاں الناس کی بجائے المشرکین کا لفظ ہے۔

یہ بات یاد رکھنے کے قابل ہے کہ اس حدیث میں جنگ کے ختم کرنے کی صورت صرف دین الٰہی کی صداقت کا اعتراف قرار دی گئی ہے لیکن اس کا مفہوم جبر واکراہ نہیں۔ اسلام وکفر دو برابر کی طاقتیں ہیں جو دنیا میں ہمیشہ نبرد آزما رہی ہیں۔ ان کی باہمی جنگ کبھی اکراہ وجبر کی تعریف میں نہیں آسکتی۔ جبر یہ ہے کہ جب اسلام کو اقتدار حاصل ہو جائے تو وہ بے بس لوگوں کی گردنوں پر تلوار رکھ رکھ کر اسلام لانے کے لئے مجبور کرے۔ ہمارے علم میں اسلام کی تاریخ میں کبھی ایسا نہیں کیا گیا بلکہ عین جنگ کی حالت میں بھی یہاں دو صورتیں ایسی نکال دی گئی ہیں کہ اگر کفار اسلام قبول کرنا نہ چاہیں اور اپنے دین پر ہی رہنا چاہئیں تو مصالحت کر کے یا جزیہ ادا کر کے اپنے دین پر قائم رہ سکتے ہیں لیکن یہ ظاہر ہے کہ مصالحت اور جزیہ عارضی باتیں ہیں ان کو مقاصد کے درجہ پر نہیں رکھا جا سکتا اسلئے اصلی مقصد تو دین الٰہی کی اشاعت ہی رہے گا۔ اور اس کے ضمنی دفعات میں مصالحت اور جزیہ بھی شامل رہیں گے۔

ابن عمرؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا دین پانچ چیزوں کا مجموعہ ہے (جو سب کی سب ضروری ہیں) ان میں کوئی جزء بھی دوسرے کے بغیر مقبول نہیں۔ اس بات کی شہادت دینا کہ اللہ تعالیٰ کے سوا معبود کوئی نہیں ہے اور حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم اس کے بندہ اور رسول ہیں۔ اللہ تعالیٰ، اس کے فرشتے، اس کی کتابوں، اس کے رسولوں، جنت ودوزخ پر یقین رکھنا اور اس پر کہ مرنے کے بعد پھر (حساب وکتاب کے لئے) جی اٹھنا ہے۔ یہ ایک بات ہوئی۔ اور پانچ نمازیں اسلام کا ستون ہیں، اللہ تعالیٰ نماز کے بغیر ایمان بھی قبول نہیں کرے گا۔ زکوٰۃ گناہوں کا کفارہ ہے، زکوٰۃ کے بغیر اللہ تعالیٰ ایمان اور نماز بھی قبول نہیں کرے گا پھر جس نے یہ ارکان ادا کر لئے اور رمضان شریف کا مہینہ آگیا اور کسی عذر

کے بغیر جان بوجھ کر اس میں روزہ نہ رکھے تو اللہ تعالیٰ نہ اس کا ایمان قبول کرے گا اور نہ نماز اور نہ زکوٰۃ۔ اور جس شخص نے یہ چار رکن ادا کر لئے اس کے بعد اسے حج کرنے کی بھی وسعت ہوئی پھر اس نے نہ خود حج کیا اور نہ اس کے بعد کسی دوسرے عزیز نے اس کی طرف سے حج کیا تو اس کا ایمان، نماز، زکوٰۃ اور روزے کچھ قبول نہیں۔ (الحلیہ)

ایمان قلب کا ایک اختیاری عمل ہے

ابو ہریرہؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے سوال کیا گیا کونسا عمل افضل ہے آپ نے فرمایا اللہ اور اس کے رسول پر ایمان لانا پوچھا گیا کہ پھر کونسا فرمایا اللہ کی راہ میں جہاد کرنا، پوچھا گیا اس کے بعد فرمایا وہ حج جس میں جنایت نہ کی جائے۔ (بخاری)

تشریح:۔ حدیث مذکور میں سوال سب سے افضل عمل کی بابت ہے اس کے جواب میں آپ نے ایمان کو افضل اعمال فرمایا ہے معلوم ہوا کہ ایمان علم اور جاننے کا نام نہیں بلکہ عمل کا نام ہے وہ انسان کے باطن کے اختیاری انقیاد کا نام ہے اور احکام اسلامیہ کی پابندی اس انقیاد باطن کی دلیل ہوتی ہے پس ایمان کامل یہ ہے کہ بندہ اپنے ظاہر و باطن کے ساتھ اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول کا مطیع بن جائے۔ یہ ایمان ابتداء میں فعل اختیاری ہوتا ہے لیکن جب اور ترقی کرتا ہے تو پھر اختیاری سے غیر اختیاری بن جاتا ہے۔ اس وقت اسے حال سے تعبیر کرتے ہیں اور رسوخ کے بعد بھی مقام کے نام سے موسوم ہو جاتا ہے۔ کیفیت احسان اسی کے ثمرات اور لوازم میں سے ہے اسی لئے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے حدیث مذکور میں ایمان کو منجملہ اور اعمال کے ایک عمل ہی قرار دیا ہے۔ صرف علم کا مرتبہ کوئی کمال نہیں اس میں کفار بھی شریک ہو سکتے ہیں۔ اسی لئے محدثین کہتے ہیں کہ ایمان قول و عمل کے مجموعہ کا نام ہے، جس نے ایمان کو علم سمجھا ہے اس کی مراد بھی وہی علم ہے، جس کے ساتھ اختیاری تسلیم بھی موجود ہو۔

ایمان کیا ہے؟

عروہ بن زبیرؓ بیان فرماتے ہیں کہ ایک انصاری شخص نے ایک سنگستان کی نالی کے بارے میں زبیر کے خلاف مقدمہ دائر کیا۔ اس نالی سے کھجوروں کے باغ کی آبپاشی کی جاتی تھی آپ نے یہ فیصلہ کیا کہ زبیرؓ پہلے تم آبپاشی کر لو پھر اپنے پڑوسی کی طرف پانی جانے دو،

اس فیصلہ میں آپ نے دونوں کی بھلائی مد نظر رکھی تھی۔ اس پر انصاری بولا (جی ہاں) زبیرؓ آپ کے چچازاد بھائی لگتے ہیں اسی لئے آپ نے ان کے دل لگتا فیصلہ کیا ہے یہ سن کر آپ کا چہرۂ مبارک غصہ کی وجہ سے متغیر ہوگیا اور آپ نے فرمایا زبیرؓ تو اب تم اپنے باغ کو پانی دو اور جب تک پانی ڈولوں تک نہ پہنچ جائے مت چھوڑو۔ اس فیصلہ میں آپ نے زبیرؓ کا پورا پورا حق دلوایا (اور پچھلے فیصلہ میں آپ نے دونوں جانبوں کی رعایت فرمائی تھی) زبیرؓ کہتے ہیں یہ آیت اسی قصہ میں نازل ہوئی تھی فلا وربک الخ تیرے پروردگار کی قسم ہے یہ ایمان نہیں لائیں گے جب تک کہ آپس کے ہر معاملہ میں آپ ہی کو فیصل نہ بنائیں پھر اس پر فراخدلی کے ساتھ راضی بھی نہ ہو جائیں۔ (بخاری شریف)

ضمرۃ روایت کرتے ہیں کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں دو شخص اپنا جھگڑا لیکر آئے آپ نے جو سچا تھا اس کے حق میں فیصلہ صادر فرمادیا جس شخص کے خلاف فیصلہ ہوا تھا وہ بولا کہ میں تو اس فیصلہ پر راضی نہیں ہوتا اس کے رفیق نے کہا تو اب اور کیا چاہتے ہو، اس نے کہا آؤ ابوبکر صدیقؓ کے پاس چلیں دونوں روانہ ہو گئے اور جس شخص کے حق میں فیصلہ ہوا تھا اس نے روئداد مقدمہ بیان کی کہ ہم اپنا جھگڑا رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں لیکر حاضر ہوئے تھے آپ نے میرے حق میں فیصلہ فرما دیا ہے (یہ اس پر راضی نہیں ہوتا) ابوبکرؓ نے (روئداد مقدمہ سنے بغیر کہا) تمہارا فیصلہ وہی رہے گا جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فرما چکے ہیں اس کے بعد بھی اس کے رفیق نے رضامندی سے انکار کیا اور کہا اچھا عمر بن الخطابؓ کے پاس چلیں۔ جس شخص کے حق میں فیصلہ ہو چکا تھا اس نے کہا ہم اپنا مقدمہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں لیکر حاضر ہوئے تھے آپ نے میرے حق میں فیصلہ صادر کر دیا تھا مگر یہ اس پر راضی نہیں ہوتا۔ عمر بن الخطابؓ نے اس سے دریافت کیا، کیا واقعہ اسی طرح ہے اس نے کہا اسی طرح ہے۔ یہ سن کر وہ اندر تشریف لے گئے اور ہاتھ میں تلوار کھینچے ہوئے باہر تشریف لائے اور جو شخص آپ کے فیصلہ پر راضی نہیں ہوتا تھا اس کا سر اڑا دیا۔ اس پر یہ آیت اتر آئی فلا وربک لا یؤمنون الخ (تفسیر ابن کثیر)

تشریح:۔ حافظ ابن کثیرؒ نے ابن ابی حاتم کے حوالہ سے اس واقعہ کو ایک اور سند کے

ساتھ بھی روایت کیا ہے اس کی اسناد میں ابن لہیعہ ہے اور اس کو مرسل ضعیف قرار دیا ہے اس کے بعد حافظ ابو اسحٰق کی سند سے ایک دوسرا طریقہ پیش کیا جس میں ابن لہیعہ نہیں ہے۔

ان روایات سے معلوم ہوتا ہے کہ ایمان کامل جس طرح صرف ایک علم نہیں اسی طرح صرف التزام طاعت بھی نہیں بلکہ ایسی جان سپردگی کا نام ہے جس کے بعد اپنی خواہشات کا کوئی سوال ہی باقی نہ رہے۔ خدائے تعالیٰ کو جاننا، اس کو ماننا، اس کے ایک ایک حکم کو ماننا اور بالآخر اس کے تمام فیصلوں کے سامنے اس طرح اعتراف وتسلیم کا سر جھکا دینا کہ روح کا کامل سرور اور نفس کی پوری مسرت اسی میں منحصر ہو جائے۔ یہ ہے ایمان کامل۔

ابو ہریرہؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کیا میں تم کو ایسے کلمہ کی اطلاع نہ دوں جو اس خزانہ میں کا ہے جو عرش کے نیچے ہے وہ کلمہ **لا حول ولا قوۃ الا باللہ** ہے (برائیوں کے چھوڑنے کی طاقت اور بھلائیوں کے حاصل کرنے کی قوت صرف اللہ تعالیٰ ہی کی مدد سے وابستہ ہے۔ (بندہ جب یہ کلمہ کہتا ہے تو اللہ تعالیٰ فرماتا ہے) اب میرا بندہ مسلمان ہو گیا اور پورا پورا مسلمان ہو گیا۔ (بیہقی)

تشریح:۔ اسلام کے ایک معنی تو عام ہیں اور دوسرے معنی خاص ہیں جس کا مخاطب آیت ذیل میں حضرت ابراہیم علیہ السلام کو بنایا گیا ہے۔ **اِذْ قَالَ لَهٗ رَبُّهٗٓ اَسْلِمْ قَالَ اَسْلَمْتُ لِرَبِّ الْعٰلَمِيْنَ**۔ جب اس کے پروردگار نے اس سے کہا کہ اپنے آپ کو (خدا تعالیٰ کے) حوالہ کر دے۔ اس نے جواب میں کہا! کہ میں اپنے آپ کو اس اللہ کے حوالہ کر چکا جو تمام جہانوں کا پالنے والا ہے۔ یہ استسلام (حوالہ کرنا) وہ نہیں ہے جس کی طرف امام بخاریؒ نے کتاب الایمان کے باب **اذلم یکن الاسلام علی الحقیقۃ و کان علی الاستسلام** میں اشارہ فرمایا ہے بلکہ قدرت الٰہیہ کے قہر وغلبہ کے اس مشاہدہ کا نام ہے جس کے بعد انسان کو اپنی قدرت وطاقت کی سب داستان محض ایک افسانہ نظر آنے لگتی ہے۔ یہ منزل صرف کلمہ طیبہ زبان سے ادا کر لینے سے حاصل نہیں ہوتی بلکہ اسلام کی اس عملی زندگی گذارنے سے حاصل ہوتی ہے جس میں قدم قدم پر یہ سبق ملتا رہتا ہے کہ اس کو درحقیقت کوئی اختیار نہیں نہ وہ اپنی جان کا مالک ہے نہ مال کا اور نہ سونے جاگنے کا حتیٰ کہ نہ کسی نقل وحرکت کا اس کی ہر ہر حرکت وسکون اور اس کا

ایک ایک نطق وسکوت سب ان ہدایات کے ماتحت ہے جو اسلام نے اس کو دی ہیں جب وہ شریعت کے امرونہی کے سامنے اس طرح گردش کرنے کا عادی ہو جاتا ہے تو اب اس پر یہ راز آشکارا ہونے لگتا ہے کہ درحقیقت یہ اس پر کوئی جبر نہ تھا بلکہ بندگی کی حقیقت یہی تھی۔ جس طرح ایک غلام اپنے نفع ونقصان کی کوئی طاقت نہیں رکھتا اس کے تمام معاملات سب اس کے آقا کے ہاتھ میں ہوتے ہیں اسی طرح بندۂ مومن کا حال ہو جانا چاہئے اور اگر اس کو اس منزل تک رسائی میسر نہیں ہوئی تو کم از کم زبانی طور پر لاحول ولا قوۃ الخ پڑھ کر اس زمرہ کے ساتھ ایک ظاہری مشابہت سے تو محروم نہ رہنا چاہئے۔ زمین وآسمان کے خزائن سب اللہ تعالیٰ کی ملک ہیں وللہ خزائن السموات والارض لیکن زمین کے خزانوں میں برائے گفتن کچھ تمہارا حصہ بھی لگا دیا گیا ہے لیکن وہ سرکاری خزانہ جس کی مخلوق کو ہوا بھی نہیں لگی وہ خالق کے عرش کے نیچے ہے جہاں جنت ہے اسی میں کا ایک درمکنون یہ کلمہ ہے فردائے قیامت میں روشن ہو جائے گا کہ اس کی قیمت خالق کے سواء کوئی نہیں لگا سکتا۔

ایمان حقیقت میں قلبی اعتقاد کا نام ہے

عبادہ بن صامت سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اللہ تعالیٰ نے پانچ نمازیں فرض کی ہیں جو شخص ان کے لئے اچھی طرح وضو کرے اور ان کا رکوع وخشوع بھی پورا پورا ادا کرے تو اسکے ساتھ اللہ تعالیٰ کا یہ عہد ہوگا کہ وہ اس کو بخش دے اور جو ایسا نہ کرے تو اللہ تعالیٰ کا اس سے کوئی عہد نہیں چاہے تو اسے بھی بخش دے اور چاہے تو عذاب دے۔ (احمد)

تشریح:۔ یہ سب کے نزدیک مسلم ہے کہ مغفرت ایمان کے بغیر نہیں ہو سکتی۔ اس حدیث سے معلوم ہوتا ہے کہ بے نمازی کے اسلام کی خواہ کوئی حیثیت بھی ہو مگر آخر کار اس کی مغفرت ہو جائے گی۔ معلوم ہوا کہ نماز جیسا عمل بھی ایمان کا جزء نہیں ورنہ بے نمازی کی مغفرت نہ ہوتی۔ یہ مسئلہ نازک ہے اس کی ایک طرف ارجاء (یعنی فرقہ مرجئہ کا عقیدہ ہے۔ ان کا عقیدہ یہ ہے کہ ایمان لانے کے بعد کسی عمل کی ضرورت نہیں بلکہ انسان مجبور محض ہے) اور دوسری طرف اعتزال (یعنی فرقہ معتزلہ کا عقیدہ ہے) ہے اور راہ صواب اعتدال میں ہے مفصل کلام پہلے گذر چکا ہے۔

انسؓ سے روایت ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اس وقت جنگ شروع کرتے جب فجر ہو جاتی اور اذان کا خیال رکھتے اگر اذان کی آواز آجاتی تو جنگ کا ارادہ ملتوی کر دیتے ورنہ جنگ شروع کر دیتے۔ ایک مرتبہ آپ نے ایک شخص کو یہ کہتے ہوئے سنا اللہ اکبر اللہ اکبر تو فرمایا تو ٹھیک اپنی فطرت پر قائم ہے، جب اس نے یہ کہا اشھدان لا الہ الا اللہ تو فرمایا جا تجھے آتش دوزخ سے نجات مل گئی صحابہ نے اس شخص کو جا کر دیکھا تو وہ بکریوں کا چرواہا تھا۔ (مسلم)

تشریح:۔ حدیث مذکور میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے صرف شہادتیں سن کر جنت کی بشارت دیدی اگر اعمال ایمان کا جزء ہوتے تو اعمال کے بغیر یہ بشارت نہ دیجاتی۔

ابو جحیفہ سے روایت ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم ایک سفر میں تھے کہ ایک موذن کو آپ نے یہ کلمہ کہتے ہوئے سنا اشھدان لا الہ الا اللہ تو فرمایا اس نے تو اللہ تعالیٰ کے سوا اس کے تمام شریکوں سے بیزاری کا اظہار کر دیا پھر جب یہ سنا اشھدان محمدا رسول اللہ تو فرمایا عذاب دوزخ سے نجات پا گیا۔ (مسند بزار)

جابرؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اللہ تعالیٰ کا یہ قول تلاوت کیا و لا یشفعون الخ اور شفاعت بھی نہیں کر سکیں گے مگر اسی کے لئے جس کے لئے اللہ تعالیٰ کی مرضی ہو اس کے بعد فرمایا کہ میری شفاعت میرے ان سب امتیوں کے لئے ہو گی جنہوں نے گناہ کبیرہ کئے ہوں۔ (حاکم)

تشریح:۔ اگر اعمال اجزاء ایمان ہوتے تو مرتکب کبیرہ مومن نہ ہوتا اور نہ اس کے لئے شفاعت ہو سکتی۔

حسنؓ روایت کرتے ہیں کہ ابو ہریرہؓ نے مجھ سے مدینہ میں بیان کیا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے قیامت کے دن تمام اعمال کی صورتیں آئیں گی، نماز آئے گی اور کہے گی اے رب میں نماز ہوں، ارشاد ہو گا تو بہت اچھا عمل ہے اس کے بعد صدقہ آئے گا اور کہے گا اے رب میں صدقہ ہوں ارشاد ہو گا تو بھی بہت اچھا عمل ہے پھر روزہ آئے گا اور کہے گا اے رب میں روزہ ہوں ارشاد ہو گا تو بھی بہت اچھا عمل ہے اس کے بعد اسی طرح سب اعمال آتے رہیں گے اور اللہ تعالیٰ کی جانب سے یہی ارشاد ہوتا رہے گا کہ تم اچھے عمل ہو۔ آخر میں

اسلام کی صورت آئے گی یہ عرض کرے گا اے پروردگار تیرا نام "السلام" ہے اور میرا نام اسلام، ارشاد ہوگا تو سب سے بہتر عمل ہے، آج گرفت اور انعام دونوں کا دارومدار تیری ہی ذات پر ہے، جیسا کہ قرآن میں ارشاد ہے (جو اسلام کے سوا کوئی اور دین تلاش کرے گا وہ ہرگز قبول نہ کیا جائے گا اور یہ شخص آخرت میں بہت نقصان اٹھانے والوں میں ہوگا) (احمد)

تشریح:۔اس حدیث میں اسلام کی صورت اعمال سے جداگانہ مذکور ہے حضرت استاد (مولانا انور شاہ) قدس سرہ فرماتے تھے کہ اس سے ثابت ہوتا ہے کہ اعمال کو اسلام سے خواہ کتنا ہی گہرا ربط ہو تاہم وہ اس کے اجزاء نہیں۔ معلوم ہونا چاہئے کہ اعمال کی جزئیت کا مسئلہ محدثین وفقہاء کے مابین ثمرہ کے اعتبار سے کوئی اختلافی مسئلہ نہیں۔ مومن عاصی سب کے نزدیک آخرکار جنت میں داخل ہوگا اور اسی طرح اعمال کی اہمیت سے بھی کسی کو اختلاف نہیں ہے یہ صرف وقتی مصالح کے لحاظ سے مختلف تعبیرات تھیں جو بعد میں مذاہب بن گئیں۔

قاسم بن عوف بیان کرتے ہیں کہ میں نے ابن عمرؓ کو یہ کہتے خود سنا ہے کہ ہمارا ایک زمانہ ایسا گذرا ہے جبکہ ہم میں سے ایک شخص کو قرآن سے پہلے ہی ایمان نصیب ہو جاتا تھا۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر قرآن کی ایک سورت اترتی وہ اس کے حلال وحرام سیکھ لیتا اور ان مقامات کو بھی معلوم کر لیتا کہ کہاں کہاں اس میں ٹھہرنا مناسب ہے (غرض وہ اسی طرح ادب کے ساتھ قرآن پڑھنا سیکھتا جیسا ادب واحترام کے ساتھ آج تم سیکھتے ہو) اس کے بعد فرمایا کہ اب میں ایسے لوگ بھی دیکھ رہا ہوں جنہیں سارا قرآن (پہلے ہی) نصیب ہو جاتا ہے وہ اس کو از اول تا آخر پڑھتے بھی ہیں مگر نہ اس کے امرونہی کو سمجھتے ہیں نہ یہ جانتے ہیں کہ کس جگہ ٹھہرنا مناسب ہے بس اس طرح اس کو لاپرواہی سے پڑھتے ہیں جس طرح ردی کھجوریں لاپرواہی کے ساتھ بکھیر دی جاتی ہیں۔ (حاکم)

عبداللہ بن عمرو بن العاصؓ روایت کرتے ہیں کہ ایک شخص رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس حاضر ہوا اور اس نے یہ شکایت کی کہ یارسول اللہ میں قرآن پڑھتا تو ہوں مگر مجھے اس میں کچھ دلجمعی نہیں ہوتی، آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ تمہارا قلب ایمان سے (پہلے ہی) لبریز ہو چکا ہے اور اللہ کے بندے ایسے بھی ہیں جنہیں قرآن سے پہلے ایمان نصیب ہو جاتا ہے۔ (احمد)

تشریح:۔اس مضمون کو ابن عمرؓ نے پہلی حدیث میں اپنے زمانہ کی شکایت کے سلسلہ میں بیان کیا ہے کہ ایک زمانہ وہ تھا جبکہ لوگوں کو ایمان پہلے میسر آ جاتا تھا قرآن بعد میں رفتہ رفتہ نازل ہوتا۔ جتنا قرآن اترتا ان کا ایمان اتنا ہی اور قوی ہوتا تھا وہ اسے سمجھ سمجھ کر پڑھتے اور اس پر عمل کرتے تھے اور ایک زمانہ اب ہے کہ تمام قرآن پہلے نازل ہو چکا ہے لوگ بعد میں اس پر ایمان لاتے ہیں چاہئے تو یہ تھا کہ قرآن کریم کی موجودگی میں ان کا ایمان اور پختہ ہوتا وہ دلجمعی سے قرآن پڑھتے اور سرگرمی سے اس پر عمل کرتے مگر ہو یہ رہا ہے کہ نہ وہ اس کو اس جوش وخروش کے ساتھ پڑھتے ہیں جیسے پہلے پڑھا کرتے تھے اور نہ ان میں وہ جذبہ عمل نظر آتا ہے جو پہلے نظر آتا تھا۔ اس حدیث میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے عبداللہ کو یہ اطمینان دلایا ہے کہ ان کا قلب قرآن سے پہلے ہی ایمان سے لبریز ہو چکا ہے۔ اگر قرآن پڑھنے میں ان کے معیار کے مطابق دل جمعی میسر نہیں آتی تو یہ ضعف ایمانی کی دلیل نہیں۔ جب ایمان قرآن سے پہلے ہی میسر آ سکتا ہے تو معلوم ہوا کہ اعمال ایمان کا جزء نہیں۔

انس بن مالکؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فرمایا کرتے تھے اسلام ظاہری اعمال کا نام ہے اور ایمان اس اعتقاد کا نام ہے جو دل میں ہے اس کے بعد آپ نے ہاتھ سے اپنے سینہ کی طرف تین بار اشارہ فرمایا، راوی کہتا ہے کہ اس کے بعد فرمایا تقویٰ اس جگہ ہے۔ (احمد وغیرہ)

تشریح:۔اس حدیث میں اعمال ظاہرہ کو اسلام اور تصدیق باطنی کو ایمان سے تعبیر کیا گیا ہے۔ ظاہر ہے کہ جب محل ایمان قلب ہے تو اعمال جوارح ایمان کا جزء کیسے ہو سکتے ہیں۔ معتزلہ کا یہ خیال صحیح نہیں کہ عمل نہ ہونے سے ایمان نہیں رہتا ایمان قلب کی صفت ہے وہ اعمال جوارح نہ ہونے کی صورت میں بھی باقی رہ سکتی ہے۔ یہ دوسری بات ہے کہ اس میں نور و بالیدگی نہ رہے۔

جنت اور دوزخ کی تقسیم شرک و ایمان کی وجہ سے ہے

جابر بن عبداللہؓ سے روایت ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا دو باتیں ایسی ہیں جو انسان کے لئے دو چیزیں واجب کر دیتی ہیں۔ جو شخص اللہ تعالیٰ کے سامنے اس طرح حاضر ہوگا کہ اس نے دنیا میں کسی کو اس کا شریک نہ ٹھہرایا ہو (تو اس کے لئے

جنت واجب ہو جائے گی) اور وہ ضرور جنت میں جائے گا اور جو شخص اس طرح حاضر ہوگا کہ اس نے کسی کو اس کا شریک ٹھہرایا ہو (تو اس کے لئے دوزخ واجب ہو جائے گی اور) وہ ضرور دوزخ میں جائے گا۔ (مسلم)

تشریح:۔ بقول امام غزالیؒ انسان اگرچہ ازلی نہیں مگر ابدی ضرور ہے اس لئے اس کو ایک ابدی مستقر کی ضرورت بھی ہے دنیا اس کا ابدی مستقر نہیں صرف عارضی مستقر ہے وَلَكُمْ فِي الْأَرْضِ مُسْتَقَرٌّ وَّ مَتَاعٌ اِلٰى حِيْنٍ تمہیں خدا کی زمین پر صرف چند روز رہنا ہے اور ایک وقت مقرر تک اس کی نعمتوں سے کچھ فائدہ حاصل کرنا ہے۔

اس کا دائمی مستقر جنت یا دوزخ ہیں قادر مطلق نے اس کی تقسیم اچھے برے اعمال پر نہیں رکھی بلکہ ایمان و کفر پر رکھی ہے، اس لئے مومن خواہ کتنا بھی گنہگار کیوں نہ ہو مگر اس کا ابدی مستقر جنت ہی رہے گا اور کافر خواہ کتنے ہی اچھے اچھے کام کیوں نہ کرے لیکن اس کا ابدی مستقر دوزخ ہی رہے گا۔ اب رہی یہ بات کہ موقت ایمان و کفر کی جزاء خلود کیوں رکھی گئی ہے تو ہمارے علم میں اس کا سب سے بہتر جواب وہ ہے جو ابن قتیبہ نے زیر کلام حدیث نية المرء خير من عمله اپنی کتاب تاویل مختلف حدیث میں ذکر کیا ہے ص ۱۸۵ پھر اسی کا خلاصہ شیخ بدر الدین عینی نے شرح بخاری میں اور عبدالوہاب شعرانی نے الیواقیت والجواہر میں ذکر کیا ہے۔

جنت میں خلود اور ابدی زندگی کی بنیاد عمل پر نہیں بلکہ بندہ کی نیت پر رکھی گئی ہے اگر اس کی بنیاد عمل پر ہوتی تو اخروی حیوۃ کی مدت بھی اتنی ہی ہونی چاہئے تھی جتنی کہ اس کے عمل کی تھی یا بہت سے بہت اس سے دوگنی لیکن چونکہ اس کی بنیاد نیت پر رکھی گئی ہے اور اس کی نیت یہ ہوتی ہے کہ اگر وہ ہمیشہ جیئے گا تو خداتعالیٰ کی اطاعت ہمیشہ ہی کیا کرے گا اس نیت میں اگر حائل ہوتی ہے تو موت ہوتی ہے اس کا تو کوئی قصور ہوتا نہیں اسلئے اس کو اپنی نیت کے مطابق دوام و خلود کا بدلہ مل جاتا ہے اور یہی حال دوزخ میں کافر کے خلود کا بھی ہے۔ (عمدۃ القاری)

یہاں ہمارا مقصد اعمال کی قیمت گھٹانا نہیں ہے بلکہ ایمان کی اہمیت اور کفر کی شامت بتانا ہے عمل کی حد سے زیادہ اہمیت اعتزال اور اس سے زیادہ بے اعتنائی ارجاء کے قریب کر دیتی ہے۔ صحیح راہ پر قائم رہنے کے لئے حدود شناسی لازم ہے۔

عبداللہ بن مسعودؓ بیان فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جو شخص اس حالت میں مر جائے کہ وہ اللہ تعالیٰ کے ساتھ شرک کرتا ہو تو وہ دوزخ میں جائے گا۔ یہ مضمون تو میں نے خود بارگاہ رسالت سے سنا ہے) اور دوسری بات میں اپنی جانب سے کہتا ہوں کہ جو شخص اس حالت میں مر جائے کہ اللہ تعالیٰ کے ساتھ شرک نہ کرتا ہو تو وہ جنت میں جائے گا۔ (بخاری شریف)

نور ایمان کے اخروی ثمرات

انسؓ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت کرتے ہیں کہ آپ نے فرمایا جس شخص نے کلمہ لا الہ الا اللہ پڑھ لیا اور اس کے دل میں جو برابر بھی نور ایمان ہوگا تو (بالآخر) وہ دوزخ سے نکال لیا جائے گا اور جس نے کلمہ لا الہ الا اللہ پڑھ لیا اور اس کے دل میں گیہوں کے ایک دانہ برابر بھی نور ایمان ہوگا وہ بھی (بالآخر) دوزخ سے نکال لیا جائے گا اور جس شخص نے کلمہ لا الہ الا اللہ پڑھ لیا اور اس کے دل میں ایک ذرہ برابر بھی نور ایمان ہوگا وہ بھی دوزخ سے نکال لیا جائے گا۔ (بخاری شریف)

تشریح:۔ اس حدیث سے معلوم ہوتا ہے کہ مومن اگرچہ کتنا ہی ادنیٰ درجہ کا ہو مگر وہ بھی اپنے گناہوں کی سزا بھگت کر آخرکار دوزخ سے نکال لیا جائے گا۔ ایمان گو خدائے تعالیٰ سے ایک عہد کا نام ہے مگر قلب میں اس کی ایک حقیقت بھی ہوتی ہے جو اس کا وجود خارجی کہلاتی ہے یہ حقیقت کسی کے دل میں پہاڑوں کے برابر ہوگی اور کسی کے رائی کے دانہ کے برابر۔ لیکن اس حقیقت کے ہوتے کوئی شخص دوزخ میں رہ نہیں سکتا۔ اس سے اندازہ کیا جا سکتا ہے کہ بارگاہ صمدیت میں ایمان کی قدر و قیمت کتنی ہے اس کے بالمقابل کفر و شرک ہے جس کے دل میں شرک ہوگا وہ خدائے تعالیٰ کی جنت کے قریب بھی نہیں پھٹک سکتا۔ حَتّٰی يَلِجَ الْجَمَلُ فِي سَمِّ الْخِيَاط اس سے شرک کی قباحت کا اندازہ کیا جا سکتا ہے۔ اسی لئے جنت و دوزخ کی تقسیم ایمان و کفر پر کی گئی ہے نہ کہ اعمال پر۔

ابوسعید خدری رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت کرتے ہیں کہ جب جنتی جنت میں اور دوزخی دوزخ میں داخل ہو چکیں گے تو اللہ تعالیٰ ارشاد فرمائے گا جس کے دل میں رائی کے دانہ کے برابر بھی ایمان ہو، اسے بھی دوزخ سے نکال لو چنانچہ ان کو بھی نکال لیا

جائے گا ان کی حالت یہ ہوگی کہ جل کر سیاہ فام ہو گئے ہوں گے اس کے بعد ان کو نہر حیا یا نہر حیات میں ڈالا جائے گا (مالک راوی حدیث کو اصل لفظ میں شک ہے) تو وہ اس طرح ہرے بھرے نکل آئیں گے جیسا دانہ پانی کے اوپر بہے ہوئے کوڑے میں (سڑگل کر) نکل آتا ہے کبھی تم نے غور کیا ہے کہ وہ کیسا زرد زرد بل کھایا ہوا نکلتا ہے۔ (بخاری و مسلم)

تشریح:۔ اس قسم کی حدیثوں سے معتزلہ اور مرجئہ ہر دو فرقوں کی تردید ہو جاتی ہے کیونکہ ان سے معلوم ہوتا ہے کہ ایمان کے ساتھ اعمال کا وجود بھی ضروری ہے ورنہ عاصی مومن دوزخ میں نہ جاتا لہٰذا مرجئہ کے خیال کی تردید ہوگئی جو کہتے ہیں کہ ایمان کے بعد عمل کی کوئی ضرورت ہی نہیں۔ اسی طرح معتزلہ کے عقیدہ کی بھی تغلیط ہوگئی کیونکہ ان احادیث سے ظاہر ہے کہ عاصی مومن ہمیشہ کے لئے دوزخ میں نہیں رہے گا۔ معتزلہ ان کے حق میں بھی خلود کے قائل ہیں پس حق یہ ہے کہ اعمال انتہاء درجہ ضروری ہیں لیکن اگر کسی کے دل میں ایمان کا کوئی ذرہ موجود ہے تو فقدان اعمال کی وجہ سے اگرچہ اس کو عذاب ہو مگر آخر کار اس ایمان کی بدولت اس کی بھی نجات ہو جائے گی۔ ایمان خواہ کتنا ہی ضعیف ہو مگر دوزخ میں نہیں رہ سکتا اور شرک خواہ کتنا ہی خفیف ہو مگر وہ جنت میں نہیں جا سکتا۔ اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں انسانوں کی دو ہی قسمیں ہیں مسلم اور کافر اور اسی لئے ان کے دو ہی مستقر ہیں جنت اور دوزخ۔

انسؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جب قیامت ہوگی تو (مارے پریشانی کے) لوگ ایک دوسرے کے پاس بھاگے بھاگے پھریں گے آخر حضرت آدم علیہ السلام کے پاس پہنچیں گے اور ان سے عرض کریں گے آپ اپنے پروردگار سے ہماری شفاعت کر دیجئے وہ فرمائیں گے میں اس لائق کہاں، تم ابراہیم (علیہ السلام) کے پاس جاؤ وہ اللہ کے خلیل ہیں یہ ان کی خدمت میں حاضر ہوں گے وہ فرمائیں گے بھلا میں اس کا اہل کہاں لیکن تم حضرت موسیٰ (علیہ السلام) کے پاس جاؤ وہ خدائے تعالیٰ کے شرف ہم کلامی میں ممتاز ہیں یہ ان کی خدمت میں جائیں گے وہ بھی فرما دیں گے میں اس قابل کہاں لیکن تم حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے پاس جاؤ ان کا لقب روح اللہ اور کلمۃ اللہ ہے یہ ان کی خدمت میں آئیں گے وہ بھی فرمائیں گے میں بھی اس لائق کہاں البتہ تم حضرت محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہو یہ میرے پاس آئیں گے میں کہوں گا

(بہت اچھا) یہ خدمت میرے ہی سپرد کی گئی ہے اس کے بعد میں اپنے پروردگار سے اجازت مانگوں گا مجھے اجازت مل جائے گی اور حق تعالیٰ میرے دل میں اپنی ایسی پاکیزہ اور بلند تعریفیں القاء فرمائے گا جو اس وقت مجھے نہیں آتیں میں ان ہی کلمات کے ساتھ اس کی تعریف کروں گا اور تعریف کرتا ہوا سجدہ میں گر جاؤں گا ارشاد ہوگا اے محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) سر تو اٹھاؤ (کیا چاہتے ہو) کہو تمہاری بات مانی جائے گی مانگو ملے گا شفاعت کرو قبول کی جائے گی۔ میں عرض کروں گا اے اللہ میری امت کو بخش دے۔ میری امت کو بخش دے۔ مجھے حکم ہوگا اچھا جاؤ اور جس کے قلب میں جو برابر بھی نور ایمان دیکھو اسے بھی نکال لو، میں جاؤں گا اور حکم کی تعمیل کروں گا۔ لوٹ کر پھر ان ہی کلمات کے ساتھ اس کی تعریف کروں گا اور سجدہ میں گر جاؤں گا خطاب ہوگا محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) سر اٹھالو (کیا چاہتے ہو) کہو تمہاری بات مانی جائے گی، مانگو ملے گا، شفاعت کرو قبول ہوگی، میں عرض کروں گا خدایا میری امت کو بخش دے، میری امت کو بخش دے۔ مجھے حکم ملے گا اچھا جاؤ اور جس کے قلب میں ایک ذرہ یا ایک رائی کے دانہ برابر بھی ایمان کا نور ہو اسے بھی نکال لو۔ میں جاؤں گا اور حکم کی تعمیل کروں گا۔ واپس ہو کر پھر اُن کلمات کے ساتھ اس کی تعریف کروں گا اور سجدہ میں گر جاؤں گا۔ ارشاد ہوگا محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) سر اٹھالو کہو تمہاری بات مانی جائے گی، مانگو ملے گا، شفاعت کرو قبول ہوگی۔ میں عرض کروں گا خدایا میری امت کو بخش دے۔ میری امت کو بخش دے۔ مجھے حکم ہوگا اچھا جاؤ اور (اس مرتبہ) جس کے قلب میں ایک رائی کے دانہ سے بھی کم سے کمتر نور ایمان ہو اُسے بھی نکال لو میں جاؤں گا اور حکم کی تعمیل کر کے چوتھی بار پھر واپس آؤں گا اور پھر ان ہی کلمات کے ساتھ اس کی تعریف کروں گا اور تعریف کرتا ہوا سجدہ میں گر جاؤں گا۔ ارشاد ہوگا۔ اے محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) سر اٹھاؤ کہو تمہاری بات مانی جائے گی، مانگو ملے گا، شفاعت کرو قبول کی جائے گی۔ میں عرض کروں گا۔ اے پروردگار! مجھے ان کے نکالنے کی بھی اجازت ہو جنہوں نے کلمہ لا الہ الا اللہ پڑھ لیا ہے ارشاد ہوگا یہ تمہارا حق نہیں البتہ اپنی عزت وجلال، کبریاء، اور بزرگی کی قسم۔ جنہوں نے یہ کلمہ پڑھ لیا ہے انہیں تو میں خود نکالوں گا۔ اور ابو سعید خدریؓ کی حدیث میں یہ مضمون ان الفاظ میں مذکور ہے کہ (چوتھی بار آپ کے جواب میں ارشاد ہوگا) فرشتے بھی شفاعت کر چکے، خدا کے نبی

بھی شفاعت کر چکے اور مومنین بھی شفاعت کر چکے اب ارحم الراحمین کی باری ہے، لہٰذا قدرت ایک مٹھی بھر کر ایسے لوگوں کو دوزخ سے نکالے گی جنہوں نے کبھی کوئی بھلا کام نہ کیا ہوگا۔ یہ لوگ دوزخ میں پڑے پڑے جل کر کوئلہ کی طرح سیاہ فام ہو گئے ہوں گے، جنت کے سامنے ایک نہر ہوگی اس میں ان کو ڈال دیا جائے گا وہ اس میں (غوطہ لگا کر) ایسے نکل آئیں گے جیسا دانہ پانی کی رو میں بہتے ہوئے کوڑے پر اُگ آتا ہے۔ اسی طرح یہ موتی کی طرح صاف ستھرے چمکدار ہو جائیں گے ان کی گردنوں پر مہریں ہونگی ان کی وجہ سے جنتی ان کو عتقاء الرحمٰن کہیں گے (یعنی عذاب دوزخ سے رحمٰن کی آزاد کردہ جماعت) جس نے ان کو یونہی جنت میں داخل کر دیا ہے نہ انہوں نے کوئی اچھا عمل کیا تھا اور نہ ان کے پیش نظر کوئی نیک نیتی تھی، ان سے خطاب ہوگا جاؤ جتنا تم نے دیکھا تم کو وہ دیا اور اسی کے برابر اور دیا۔ (متفق علیہ)

بخاری میں حضرت انسؓ سے روایت ہے کہ کچھ لوگ اپنے گناہوں کی شامت میں عذاب دوزخ میں گرفتار ہو کر سیاہ فام ہو جائیں گے اللہ تعالیٰ محض اپنے فضل و رحمت سے ان کو جنت میں داخل فرمادے گا ان لوگوں کا لقب جہنمی ہوگا۔

تشریح:۔ انسؓ کی حدیث میں کلمہ طیبہ کے ایک جزء پر نجات کی بشارت مذکور ہے۔ علماء کے مابین اس بارے میں گفتگو ہے کہ یہ جماعت کونسی جماعت ہے جس کی مغفرت صرف توحید پر ہو جائے گی۔ بعض کا خیال ہے کہ یہ وہ لوگ ہوں گے جن کو کسی رسول کا زمانہ نہیں ملا اصطلاح میں ان کو اصحاب فترۃ کہا جاتا ہے۔ چونکہ ان کے پاس خدائے تعالیٰ کا کوئی رسول آیا ہی نہیں اس لئے ایمان بالرسالۃ کے یہ مکلف بھی نہ ہوں گے اس لئے ان کی نجات بھی صرف خدائے تعالیٰ کے توحید پر ہو جائے گی۔ اب رہے وہ لوگ جنہوں نے کسی رسول کا زمانہ پایا اس کی تعلیمات بھی ان کو پہنچیں اور اس پر غور و خوض کا انہیں کافی موقعہ بھی ملا اس کے باوجود انہوں نے اس کو قبول نہ کیا بلکہ اس کو رد کر دیا تو ہمارے علم میں ان کی نجات کی ادیانِ سماویہ میں کوئی صورت نہیں ہے۔ یہ یاد رہے کہ کسی رسول کی بعثت کا دور نہ ہونے یا اس کی دور بعثت سے لاعلمی کی بناء پر اس پر ایمان و عدم ایمان کی بحث سے خالی الذہن رہنے اور دور بعثت کے پورے پورے علم کے باوجود اس کے قبول نہ کرنے میں بہت بڑا فرق ہے اگر پہلی قسم کے لوگ قابل معذوری سمجھے جائیں تو کیا دوسری قسم کے لوگ بھی معذور تصور کئے جاسکتے

ہیں اگر یہ تسلیم کرلیا جائے تو اس کا حاصل یہ ہوگا کہ ایمان بالرسالۃ گویا ایمان کا رکن ہی نہ رہے صرف خدائے تعالیٰ کی توحید پر ایمان رکھنا نجات کے لئے کافی ہو پھر اسی پر مسئلہ ختم نہیں ہوگا بلکہ اس کے بعد یہ مرحلہ بھی زیر غور آ سکے گا کہ اگر رسول کے توسط کے بغیر صرف عقل کی مدد سے اللہ تعالیٰ کی وہ پاکیزہ توحید میسر آ سکتی ہے جو شرک کی ہر قریب و بعید آلائش سے صاف ہو تو اب رسول کی ضرورت کس درجہ پر باقی رہے گی توحید خداوندی کے فطری ہونے کے معنی یہ ہیں کہ اگر گردو پیش کے حالات انسانی ذہنیت کو مکدر نہ کریں تو اس کے دماغ میں سوائے وحدانیۃ کے دوسرا تصور سما ہی نہیں سکتا لیکن جبکہ بساط عالم پر جا بجا شرک ہی کا کھیل چل رہا ہو شیاطین نے انسانی دماغوں کو نجاست شرک سے ملوث کر رکھا ہو کیا ان حالات میں بھی ایک انسان خدا کی مقدس توحید کو بآسانی پا سکتا ہے؟ یہ بحث ابھی نہیں ہے کہ جو توحید انبیاء علیہم السلام لیکر آتے ہیں اس میں تنزیہ و تشبیہ کے مابین کیسے کیسے خوشنما نقش و نگار اور بھی ہوتے ہیں جن کے بغیر توحید کا عقیدہ صرف عقل ہیولانی کا ایک سادہ تصور رہتا ہے پس کسی تردد کے بغیر ادیان سماویہ کا یہ ایک طے شدہ عقیدہ سمجھنا چاہئے کہ نجات کے لئے رسول پر ایمان لانا بھی اسی درجہ ضروری ہے جس درجہ خدائے تعالیٰ کی توحید پر۔

حضرت استاد (مولانا انور شاہ) قدس سرہ فرماتے تھے کہ ان حدیثوں میں شہادت رسول کا دوسرا جزء مذکور نہ ہونے کا اصل راز یہ ہے کہ یہ جماعت صرف اسی امت کے ساتھ خاص نہ ہوگی بلکہ سب امتوں کی مشترکہ ہوگی اس لئے ان کی نجات کا مشترکہ نقطہ یہی عقیدہ توحید ہوگا۔ رسول پر ایمان اپنے اپنے دور کے اعتبار سے ان میں مختلف رہے گا یہی وجہ ہے کہ ان کو آپ کے ہاتھوں سے نکالا نہیں جائے گا بلکہ اس کا تکفل وہ رحمٰن فرمائے گا جس کی رحمت کی ساری امتیں اسی طرح متوقع ہوں گی۔ جس طرح کہ ہر رسول کی امت اپنے اپنے رسول کی سفارش کی۔ قرآن کریم نے جہاں انفرادی دعوت سے قطع نظر انبیاء علیہم السلام کی مشترک دعوت کو ذکر فرمایا ہے وہاں صرف توحید ہی کو ذکر فرمایا ہے۔ وَمَآ اَرْسَلْنَا مِنْ قَبْلِکَ مِنْ رَّسُوْلٍ اِلَّا نُوْحِیْٓ اِلَیْہِ اَنَّہٗ لَآ اِلٰہَ اِلَّآ اَنَا فَاعْبُدُوْنِ ہم نے آپ سے پیشتر جتنے رسول بھیجے سب کے پاس یہی وحی بھیجی ہے کہ معبود ہمارے سوا کوئی نہیں ہے۔

حالانکہ یہ ظاہر ہے کہ ہر رسول پر اس کی رسالت کی حقانیت کی وحی بھی یقینی طور پر نازل کی

گئی ہے لیکن یہ جزء ہر دور کے لحاظ سے مختلف تھا جو مشترک نقطہ تمام رسولوں کے دور میں کبھی نہیں بدلا وہ صرف خدائے قدوس کی توحید تھی اس لئے رسولوں کی سفارش کر لینے کے بعد جب اس سفارش کا وقت آیا جس کا تعلق نہ تو کسی زمان ومکان سے ہو اور نہ کسی خاص امت سے تو اس کے لئے وہ ذات متکفل ہوگئی جس کی رحمت پر سب بندوں کا حق یکساں واجب تھا وہ ایک ارحم الراحمین کی ذات تھی مگر خاتم الانبیاء صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی بعثت عامہ کا اثر یہاں بھی اتنا ظاہر ہوئے بغیر نہ رہا کہ ان کی نجات کی منظوری آپ کی ہی سفارش پر ہوگی گو اس کا اجراء قدرت نے براہ راست خود اپنے ذمہ لے لیا۔ اس جگہ یہ واضح رہنا چاہئے کہ ابتداء حدیث شفاعت کبریٰ کے متعلق تھی یعنی بندوں کے حساب وکتاب شروع ہونے کیلئے پھر درمیان میں کچھ حصہ حذف ہو کر آخر حدیث میں شفاعت صغریٰ کا ذکر آ گیا ہے جو امتوں کی بخشش کے متعلق ہوگی۔ ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ کی روایت میں یہ صاف تصریح موجود ہے کہ یہ لوگ وہ ہیں جن کے پاس کوئی نیک عمل نہ ہوگا حتیٰ کہ کسی ادنیٰ نیک نیتی میں بھی ان کا نمبر صفر ہوگا کسی ایک حرف سے بھی یہ اشارہ نہیں نکلتا کہ ان کے پاس توحید کے علاوہ رسول پر ایمان بھی نہ ہوگا۔ حلال کو حلال سمجھنے کے معنی اس کے مقتضے پر عمل کرنا اور تحریم حرام کا مطلب حرام سے بچنا ہے جو شخص حلال سے بچتا اور حرام سے احتراز نہیں کرتا وہ نہ حلال کو حلال سمجھتا ہے اور نہ حرام کو حرام۔

عمران بن حصین بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کچھ لوگ محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کی شفاعت پر دوزخ سے نکل کر جنت میں داخل کئے جائیں گے ان کا لقب جہنمی ہوگا۔ (بخاری شریف)

ایمان کے ساتھ فرائض کی بجا آوری پر کسی عذاب کے بغیر جنت میں داخل ہوگا

جابرؓ بیان فرماتے ہیں کہ نعمان بن قوقل رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئے اور عرض کیا یا رسول اللہ فرمائیے؟ جب میں فرض نمازیں ادا کرلوں اور حرام کے ساتھ حرام کا معاملہ کروں اور حلال کے ساتھ حلال کا تو کیا میں جنت میں داخل ہو جاؤں گا آپ نے فرمایا ہاں۔ (مسلم)

سفیان بن عبداللہ ثقفی روایت کرتے ہیں کہ میں نے عرض کی یا رسول اللہ اسلام کے متعلق مجھے کوئی ایسی جامع بات فرما دیجئے کہ آپ کے بعد پھر مجھے کسی اور سے دریافت کرنے کی ضرورت ہی نہ رہے (اسامہ کی حدیث میں بعد کے بجائے غیر کا لفظ یعنی آپ کے سوا کسی دوسرے سے پوچھنے کی ضرورت نہ رہے) آپ نے فرمایا آمنت باللہ کہو اس کے بعد اس قول پر پوری طرح قائم رہو۔ (مسلم)

تشریح:۔ استقامت ایک مختصر لفظ ہے اور اس مختصر لفظ میں شرعی تمام نزاکتیں لپٹی ہوئی ہیں اسی لئے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا "استقیموا ولن تحصوا" دیکھو استقامت کے ساتھ دین پر قائم رہنا مگر مقتضائے استقامت سے عہدہ برائی ہے مشکل۔ تاہم جتنا ہو سکے اس میں دریغ نہ کرنا۔ قرآن کریم میں ارشاد ہے اِنَّ الَّذِیۡنَ قَالُوۡا رَبُّنَا اللّٰہُ ثُمَّ اسۡتَقَامُوۡا الخ جن لوگوں نے زبان سے اقرار کیا کہ ہمارا پروردگار اللہ ہے پھر اس بات پر پوری طرح قائم بھی رہے ان پر خدا کے فرشتے یہ پیغام لے کر آتے ہیں کہ نہ خوف کھاؤ اور نہ غم اور اس جنت کی خوشخبری سن لو جس کا تم سے وعدہ کیا گیا تھا۔ سفیانؓ کی یہ حدیث جابرؓ کی اوپر والی حدیث سے زیادہ تفصیل پر حاوی ہے کلمہ طیبہ پر جنت کی بشارت کی احادیث میں کہیں کلمہ طیبہ کے ساتھ خالصاً من قلبه کا لفظ (خلوص کے ساتھ اپنے دل سے کہے) اور کہیں یبتغی بذلک وجه اللہ کی قید (اللہ تعالیٰ کی ذات کے سوا اور کوئی ارادہ نہ ہو) اور کہیں (ثم استقم) کے الفاظ مذکور ہوتے ہیں ان سب کا ماحصل ایک ہے اور وہ اسلام کی مجموعی تعلیمات پر عمل کرنا ہے اسی کو حدیث جابر میں ذرا اور مفصل الفاظ میں ادا کیا گیا ہے یعنی دین کی حلال باتوں پر عمل کرنا اور حرام باتوں سے احتراز کرنا۔ ان مجمل الفاظ کو دوسری حدیثوں میں اس سے اور زیادہ مفصل شکل میں ادا کیا گیا ہے یعنی ان میں ارکانِ اسلام کے ساتھ کچھ اور تفصیلات بھی آ جاتی ہیں پھر معلوم نہیں کہ اگر کسی مقام پر صرف کلمہ توحید پر جنت کی بشارت مذکور ہو جاتی ہے تو فرقہ مرجئہ اس کو اطلاق پر کیسے حمل کر لیتا ہے۔ اس لئے صحیح یہی ہے کہ کلمہ طیبہ کے ساتھ اگر شرعی اعمال موجود ہیں تو جنت میں داخلہ ان شاء اللہ کسی عذاب کے بغیر ہوگا اور اگر کلمہ طیبہ کے ساتھ عمل کا ذخیرہ نہیں یا کم ہے تو پھر ضابطہ میں تو اس کی سزا بھگتنی پڑے گی اگر رحمت عفو کر دے تو یہ اس کا فضل ہوگا لیکن اسکے بعد ایمان کی بدولت پھر نجات حاصل ہو جائیگی۔ معتزلہ کا یہ خیال بھی غلط ہے کہ گناہ کرنے سے ایمان ہی باقی نہیں رہتا۔

کب اجمالاً ایمان لانا کافی ہے؟

ابو ہریرہؓ بیان کرتے ہیں کہ اہل کتاب عبرانی زبان میں تورات پڑھا کرتے اور مسلمانوں کے سامنے عربی زبان میں اس کی تفسیر کیا کرتے تھے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ان کی نہ تصدیق کرو نہ تکذیب صرف مجملاً اتنا کہدیا کرو کہ ہم اللہ تعالیٰ پر ایمان لاچکے اور اس قرآن پر جو ہم پر اتارا گیا ہے۔ (بخاری شریف)

تشریح:۔ یہ مسئلہ بہت اہم مسئلہ تھا کہ ذات وصفات کے جن مسائل میں بھی حقیقت منکشف نہ ہو سکے ان کے متعلق کیا صورت اختیار کرنی چاہئے۔ علماء کی تحقیق یہ ہے کہ ایسے مسائل میں جو صورت اللہ تعالیٰ کے علم میں صواب ہو۔ سردست اسی پر اجمالاً ایمان رکھنا کافی ہے۔ البتہ آئندہ اس کی تحقیق کی فکر میں لگا رہنا چاہئے۔

جب علم توحید وعقائد کے کسی باریک مسئلہ میں الجھن پیش آجائے تو سردست اس کے متعلق اجمالاً اتنا ایمان لے آنا کافی ہے کہ اس مسئلہ میں اللہ کے نزدیک جو راہ صواب ہو اسی پر ہمارا اعتقاد ہے یہ اجمالی ایمان اس وقت تک کافی ہوگا۔ جب تک اس کو کوئی عالم نہ ملے جب کوئی محقق عالم مل جائے تو اس سے تحقیق کرنی ضروری ہوگی۔ اور اب تحقیق وتفتیش کے بغیر بیٹھے رہنا کفر ہوگا۔ یہ یادرکھنا چاہئے کہ یہاں علم توحید کے باریک مسائل سے وہ مسائل مراد ہیں جن میں شک وشبہ کرنا ایمان کے منافی ہو۔ (شرح فقہ اکبر)

ان کے علاوہ جن مسائل کا علم ایمان کے لئے ضروری نہیں ان کا حکم بھی یہی ہے یعنی ان کے متعلق بھی اجمالی ایمان لانا کافی ہے۔ مگر ان کی تحقیق تفتیش کے لئے کسی عالم کی تلاش کی ضرورت نہیں کیونکہ جب خود ان مسائل کا علم ہی ایمان کے لئے شرط نہیں تو ان کی تحقیق کے لئے عالم کی تلاش کیوں شرط ہو۔ (شرح فقہ اکبر)

حضرت عائشہؓ کی حدیث میں آیات متشابہات کا جو حکم مذکور ہے اس سے بھی اس قسم کے پیچیدہ مسائل کے متعلق یہی حکم ثابت ہوتا ہے۔ یعنی جس طرح ان آیات متشابہات کی مرادوں پر اجمالاً ایمان لے آنا رسوخ فی العلم کی نشانی ہے اسی طرح اور پیچیدہ مسائل پر بھی اجمالاً ایمان لے آنا ایمان کی پختگی کی دلیل ہوگی۔

حضرت عائشہؓ فرماتی ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ آیت تلاوت فرمائی ھو الذی الخ اللہ تعالیٰ ہی کی ذات پاک ہے جس نے قرآن کریم نازل فرمایا اس میں دو قسم کی آیات ہیں محکمات اور متشابہات (آیات محکمات اپنے معنی میں واضح اور کھلی ہوئی ہیں اور متشابہات اپنی مرادوں میں واضح نہیں ان پر مجملاً ایمان لے آنا چاہئے لیکن جن کے دلوں میں کجی کا مضمون ہوتا ہے وہ ان ہی آیتوں کے معنوں کی تلاش کے پیچھے پڑے رہتے ہیں اور پختہ علم کے لوگ صرف یہ کہہ دیتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ کے علم میں اس کے جو معنی بھی ہوں ہم اس پر ایمان لا چکے) حضرت عائشہؓ فرماتی ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اے عائشہؓ! جب تم ایسے لوگوں کو دیکھو جو متشابہات کے معانی معلوم کرنے کے درپے ہوں تو اس سے بچتی رہنا کیونکہ یہی وہ لوگ ہیں جن کا قرآن نے زائغین نام رکھا ہے۔ (بخاری شریف)

خوف کی حالت میں اپنا ایمان پوشیدہ رکھنا درست ہے

حذیفہ روایت کرتے ہیں کہ (ایک غزوہ میں) ہم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ہمراہ تھے آپ نے ارشاد فرمایا مجھے شمار کر کے کلمہ گو لوگوں کی تعداد بتاؤ۔ یہ کہتے ہیں کہ ہم نے عرض کیا یا رسول اللہ آپ کو ہمارے متعلق کچھ اندیشہ ہے حالانکہ اس وقت ہم چھ اور سات سو کے درمیان ہیں۔ آپ نے فرمایا تم نہیں جانتے شاید (آئندہ) تم کسی آزمائش میں ڈالے جاؤ۔ حذیفہ کہتے ہیں کہ ایسا ہی ہوا اور نوبت یہاں تک آ گئی کہ ہم میں ایک شخص کو نماز بھی چھپ چھپ کر پڑھنی پڑی۔ (مسلم۔ بخاری)

تشریح:۔ نووی کہتے ہیں کہ لفظ الست مائۃ نحوی قاعدہ کے لحاظ سے صحیح نہیں ہے لیکن مسلم کے علاوہ دوسری کتب میں بھی لفظ ست مائۃ الف لام کے بغیر بھی روایت کیا گیا ہے یہ بالکل بے غبار ہے۔ دوسرا اشکال اس روایت میں لشکر کی تعداد کے مطابق ہے۔ امام بخاری کے یہاں ڈیڑھ ہزار کی تعداد مذکور ہے۔ شارحین نے اس کی مختلف توجیہات بیان کی ہیں مگر ان میں کوئی تشفی بخش نہیں ہے۔ حضرت استاد (مولانا انور شاہ) کے نزدیک جو اختلافات ذیل کے قصے میں پیدا ہو جائیں اگر ان سے کوئی حکم شرعی مستنبط نہیں ہوتا تو ان کے فیصلے کے درپے ہونا مفت کی دردسری ہے۔ ہاں اگر صرف تاریخی لحاظ سے کوئی شخص اس طرف توجہ کرنا چاہے تو کر سکتا ہے۔

یہاں ہماری غرض صرف یہ ہے کہ خوف و ہراس کی زندگی میں اس امر کی اجازت ہے کہ اسلامی احکام چھپ کر ادا کر لئے جائیں۔ مگر یہ مرحلہ زیر بحث رہے گا کہ اس اخفاء کی اجازت کن حالات میں دی جاسکتی ہے۔ ایک بزدل کو اپنی زندگی ہر جگہ اور ہر وقت خوف و ہراس کی زندگی نظر آتی ہے۔ اسلامی احکام میں ایسے بزدلوں کی رعایت نہیں کی جاسکتی۔ جیسا کہ ان بہادروں کو بھی معیار نہیں بنایا جاسکتا جن کے سامنے عاقبت اندیشی سے پہلے جانبازی کی منزل آجاتی ہے وہ خوف و ہراس کے میدانوں کو سکون و اطمینان کی آرام گاہیں تصور کر لیتے ہیں ایک عالمگیر مذہب کو جوش اور ہوش دونوں کی تعلیم دینی چاہئے اس لئے مصلحت کے وقت اسلام نے اخفاء ایمان کی بھی اجازت دیدی ہے۔ حتیٰ کہ بصورت اکراہ دلی زبان سے کلمہ کفر ادا کرنے کی بھی رخصت دیدی گئی ہے بشرطیکہ دل اندر سے مطمئن رہے۔ اگرچہ افضل اب بھی یہی ہے کہ اپنی جان قربان کردے اور کلمہ کفر زبان سے ادا نہ کرے۔

یہ یاد رکھنا چاہئے کہ اخفاء ایمان اور اظہار کفر میں زمین و آسمان کا فرق ہے۔ اخفاء ایمان کا یہ مطلب نہیں کہ کلمات کفر زبان سے نکالے اور اعمال کفر کر ڈالے بلکہ مطلب یہ ہے کہ جو احکام اسلام وہ امن کی حالت میں کھلم کھلا ادا کیا کرتا تھا اب حالت خوف میں وہ چھپ کر ادا کر سکتا ہے اس سے کفر کے افعال ادا کرنے کی رخصت سمجھ لینا سخت مہلک غلطی ہے۔

سعید بن جبیرؓ ابن عباسؓ سے روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فوج کا ایک مختصر دستہ (ایک کافر جماعت کی طرف) روانہ کیا۔ اس میں مقداد بن الاسود بھی شامل تھے۔ جب وہ دستہ ان کے پاس پہنچا تو وہ (پہلے ہی) اِدھر اُدھر بھاگ چکے تھے صرف ایک شخص جو بڑا مال دار تھا اپنی جگہ باقی رہ گیا تھا، وہ اپنی جگہ سے کہیں نہ گیا تھا اس نے (انہیں دیکھ کر) کہا میں گواہی دیتا ہوں کہ خدا کوئی نہیں مگر ایک اللہ، مقداد اس کے باوجود اس کی طرف بڑھے اور اس کو مار ڈالا اور ان کے رفقاء میں ایک شخص نے کہا آپ نے اس شخص کو جس نے لا الہ الا اللہ کہہ دیا تھا کیسے قتل کر دیا۔ بخدا یہ بات میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے کہہ کر رہوں گا۔ جب یہ لوگ آپ کی خدمت میں آئے تو انہوں نے عرض کیا یا رسول اللہ ایک شخص نے لا الہ الا اللہ کی شہادت دیدی تھی اس کے باوجود مقدادؓ نے اس کو قتل کر ڈالا۔ آپ نے فرمایا مقداد کو میرے سامنے بلاؤ

(مقداد آئے تو آپ نے فرمایا) مقداد! کیا تم نے اس شخص کو بھی قتل کر ڈالا جس نے لا الہ الا اللہ کہہ دیا تھا (بولو) قیامت میں اس کلمہ کا کیا جواب دو گے اس واقعہ پر اللہ تعالیٰ نے یہ آیت نازل فرمائی۔ اے ایمان والو جب کہیں سفر کے لئے جایا کرو تو خوب تحقیق کر لیا کرو اور جب کوئی شخص تم کو سلام کرے تو یہ مت کہا کرو کہ تو مسلمان نہیں۔ کیا تم دنیا کی دولت چاہتے ہو تو سن لو کہ اللہ تعالیٰ کے یہاں بہت سی غنیمتیں ہیں تم بھی پہلے ایسے ہی تھے تو اللہ تعالیٰ نے تم پر احسان کیا اس لئے آئندہ تحقیق کر لیا کرو۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مقدادؓ سے کہا یہ ایک مومن شخص تھا جو کافروں میں اپنا ایمان چھپائے ہوئے تھا، اس نے اپنا ایمان ظاہر کیا تو تم نے اسے قتل کر دیا۔ آخر تم بھی تو جب مکہ مکرمہ میں تھے تو اسی طرح اپنا ایمان چھپائے ہوئے تھے۔ (بزار)

ضعیف الایمان شخص کی دلجوئی اور مدد کرنی چاہیے

عمرو بن تغلب سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس (کہیں سے) کچھ مال آیا آپ نے اس کو تقسیم کرنا شروع کر دیا، بہت سے لوگوں کو دیا اور بہت سے لوگوں کو نہ دیا۔ اس پر آپ کو یہ اطلاع ملی کہ جن کو آپ نے کچھ نہ دیا تھا ان کو یہ تفریق ناگوار گذری ہے۔ آپ نے خدا کی حمد وثناء کے بعد ارشاد فرمایا خدا کی قسم بیشک میں کسی شخص کو مال دیتا ہوں اور کسی کو نہیں دیتا اور واقعہ یہ ہے کہ جس کو نہیں دیتا وہ مجھے اس سے زیادہ محبوب ہوتا ہے جس کو دیتا ہوں۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ میں بعض لوگوں کو صرف اس لئے دیتا ہوں کہ ان کے دلوں میں مال کے لئے بے چینی اور اضطراب کا احساس کرتا ہوں اور بعض کو اس بے نیازی اور نور ایمانی کی وجہ سے جو اللہ تعالیٰ نے ان کے دلوں میں ڈال دی ہے خدائے تعالیٰ کے حوالہ کر دیتا ہوں۔ ان میں سے ایک شخص عمرو بن تغلب بھی ہیں۔ خدا کی قسم آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے اس ایک کلمہ کے مقابلہ میں مجھے یہ تمنا نہیں کہ میرے پاس بہت سے سرخ اونٹ ہوتے۔ (بخاری شریف)

انسؓ کہتے ہیں کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے انصار کو جمع کیا اور فرمایا قریش ابھی تازہ تازہ مسلمان ہوئے ہیں اور فقر و فاقہ کی مصیبتیں جھیل چکے ہیں میں ان کی کچھ امداد کرنا چاہتا ہوں اور یہ چاہتا ہوں کہ ان کی دلجوئی کروں اور ان کو اسلام کے ساتھ ذرا مانوس کروں۔ کیا تم اس پر راضی نہیں کہ اور لوگ تو اپنے گھروں کو دنیا کا مال

لیجائیں اور تم خدا کے رسول کو لیجاؤ۔ انصار بولے بیشک ہم اس پر راضی ہیں اس کے بعد آپ نے فرمایا اگر لوگ ایک راستہ پر جائیں اور انصار دوسرے راستہ پر تو میں اسی راستہ کو اختیار کروں گا جس پر انصار جائیں گے۔ (بخاری)

تشریح:۔ صحیح بخاری میں موجود ہے کہ انصار کو آپ کا مہاجرین قریش کو مال دینا ناگوار نہ تھا بلکہ دراصل اس تقسیم نے ان میں جذبات رقابت ابھار دیئے تھے اور انہیں کچھ یہ وہم گذرنے لگا تھا کہ آپ کی شفقت ومحبت کا پلہ بھی شاید کچھ ان کی جانب ہی جھک گیا ہے۔ اسی لئے جب ان کو یہ اطمینان حاصل ہوگیا کہ اگرچہ آپ کی دادودہش کا ہاتھ قریش کی طرف جھک رہا ہے مگر آپ کے جذبات محبت درحقیقت ان ہی کی طرف مائل ہیں تو انہیں سرخ اونٹ جو عرب کا محبوب ترین مال تھا آپ کے اس ایک فقرہ کے بالمقابل ہیچ نظر آنے لگے۔

انس روایت کرتے ہیں کہ ایک شخص نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے سوال کیا آپ نے فوراً اس کو اتنی بکریاں بخش دیں جو ایک وادی کے درمیان بھری ہوئی تھیں وہ شخص اپنی قوم کے پاس آیا اور بولا اسلام قبول کرلو بخدا محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) اس شخص کی طرح مال لٹاتے ہیں جسے احتیاج کا کبھی خطرہ نہیں گذرتا۔ واقعہ یہ ہے کہ صبح کو آدمی آپ کی خدمت میں صرف طمع دنیا لیکر آتا اور شام نہ ہونے پاتی کہ آپ کا دین اس کو دنیا و مافیہا سے زیادہ پیارا ہوجاتا تھا یا زیادہ معزز ہوجاتا تھا۔ (راوی کو شک ہے) (مسلم)

سعد بن وقاص بیان کرتے ہیں کہ میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں بیٹھا ہوا تھا آپ نے چند لوگوں کو کچھ مال تقسیم کیا اور میرے نزدیک جو شخص ان سب میں زیادہ مستحق تھا اس کو کچھ نہ دیا، میں کھڑا ہوگیا اور میں نے پوچھا آپ نے فلاں آدمی کو بھلا کیوں نہیں دیا۔ خدا کی قسم میں تو اس کو پکا مومن سمجھتا ہوں آپ نے فرمایا مومن کہتے ہو یا صرف مسلمان۔ سعد نے تین بار (لوٹا لوٹا کر) یہی کہا اور ہر بار آپ نے ان کو یہی ایک جواب دیا اس کے بعد فرمایا میں ایک شخص کو مال اس لئے دیتا ہوں حالانکہ اس سے زیادہ پیارا مجھے دوسرا شخص ہوتا ہے کہ کہیں وہ اوندھے منہ دوزخ میں نہ ڈال دیا جائے۔ (متفق علیہ)

تشریح:۔ ابتداء اسلام میں نومسلم اور ضعیف الایمان افراد کی تالیف قلب کا بھی ایک دور گذر چکا ہے لیکن جولوگ آپ کی پہلی ہی صحبت میں ایمان کا کیف حاصل کر چکے تھے یا بتدریج اس کی لذت سے آشنا ہو چکے تھے وہ اس قسم کی دلجوئیوں سے بہت بالاتر تھے ان کی استقامت و محبت کی آزمائش کے لئے یا تو دہکتے ہوئے پتھر تھے یا آبدار شمشیر۔ مال کی محبت درحقیقت آثار کفر کا ایک بقیہ ہے اور غناء و بے نیازی ایمان کے برکات کی ابتداء۔ ان واقعات سے یہ ثابت ہوتا ہے کہ اسلام نے جبر واکراہ کی پالیسی کبھی اختیار نہیں کی بلکہ اس کے برعکس تالیف قلب اور دلجوئی سے کام لیا ہے حتیٰ کہ اگر کسی نومسلم نے آپ سے مال کی کوئی طمع ظاہر کی ہے تو آپ نے اس کی خواہش بھی پوری فرما دی ہے اور اس کی اس پست حوصلگی کی اصلاح بھی انداز بے نیازی میں نہیں فرمائی ہر شخص کا مزاج یکساں نہیں ہوا کرتا علمی دماغ اور بلند طبیعتیں گوہر حقیقت کی جویاں ہوتی ہیں اور پست فطرتیں حسن سلوک اور ظاہری ہمدردی کا اثر زیادہ قبول کرتی ہیں یہاں نباض فطرت ہر ایک کے ساتھ معاملہ اس کی فطرت کے مناسب کیا کرتا تھا۔

بیچارے سعد کی رسائی ان دقیقہ سنجیوں تک نہ تھی اس لئے آپ نے اس کو سمجھا دیا کہ مال کی تقسیم کو میری محبت کی تقسیم کا معیار تصور کرنا غلط ہے یہاں آپ نے ان کی ایک اور بات کی بھی اصلاح فرمائی وہ یہ کہ انسان کو اپنے مقدار علم کے مطابق بات کہنی چاہئے ایمان قلب کی ایک صفت ہے اور اسلام ظاہر کی کسی کے دل کا حال کسی کو کیا معلوم اس لئے۔ ان کے لئے یہاں مومن کے بجائے مسلم کا لفظ استعمال کرنا مناسب تھا یہ ایک نوع کی گستاخی ہے کہ صاحب وحی کے سامنے کسی کے متعلق ایسے احکام لگا دیئے جائیں جن کا علم خدائے تعالیٰ کی اطلاع کے بغیر خود اس کو بھی نہیں ہوتا۔

ایمان کیا ہے؟

ایمان کے اصل معنی کسی کے اعتبار اور اعتماد پر کسی حق بات کو سچ ماننے کے ہیں۔
(فی التنزیل وَمَا اَنْتَ بِمُؤْمِنٍ لَّنَا وَلَوْ كُنَّا صَادِقِيْنَ۔سورۂ یوسف۱۲:۱۷)
اور دین کی خاص اصطلاح میں ایمان کی حقیقت یہ ہے کہ اللہ کے پیغمبر! ایسی حقیقتوں کے متعلق جو ہمارے حواس اور آلاتِ ادراک کے حدود سے ماوراء ہوں جو کچھ بتلائیں اور ہمارے پاس جو علم اور جو ہدایت اللہ تعالیٰ کی طرف سے لائیں ہم ان کو سچا مان کر اس میں ان کی تصدیق کریں اور اس کو حق مان کر قبول کرلیں۔ بہرحال شرعی ایمان کا تعلق اصولاً امورِ غیب ہی سے ہوتا ہے جن کو ہم اپنے آلاتِ احساس وادراک (آنکھ، ناک، کان وغیرہ) کے ذریعے معلوم نہیں کرسکتے۔(اسی واسطے ''ایمان'' کے ساتھ بالغیب کی قید بھی لگائی جاتی ہے۔کمال قال تعالیٰ يُؤْمِنُوْنَ بِالْغَيْبِ۔)

مثلاً اللہ اور اس کی صفات اور اس کے احکام اور رسولوں کی رسالت اور ان پر وحی کی آمد اور مبداء و معاد کے متعلق ان کی اطلاعات، وغیرہ وغیرہ تو اس قسم کی جتنی باتیں اللہ کے رسول نے بیان فرمائیں ان سب کو ان کی سچائی کے اعتماد پر حق جان کر ماننے کا نام اصطلاح شریعت میں ایمان ہے، اور پیغمبر کی اس قسم کی کسی ایک بات کو نہ ماننا یا اس کو حق نہ سمجھنا ہی اس کی تکذیب ہے، جو آدمی کو ایمان کے دائرہ سے نکال کر کفر کی سرحد میں داخل کردیتی ہے۔

جو لوگ اللہ کے کسی پیغمبر کی حیات مقدسہ میں براہ راست ان کی زبان سے ان کی ہدایت اور تعلیم سنیں ان کے لئے تو ان کی ہر اس بات کی تصدیق شرط ایمان ہے جو پیغمبر ان کے سامنے اللہ کی طرف سے بیان کریں۔اگر وہ ان کی ایسی ایک بات کا بھی انکار کریں گے تو مومن نہ رہیں گے لیکن جب پیغمبر اس دنیا میں نہ رہیں تو صرف ان باتوں کی تصدیق کرنا شرط

ایمان ہے جن کا ثبوت ان پیغمبر سے ایسے یقینی قطعی اور بدیہی طریقہ سے ہو، جس میں کسی شک وشبہ کی گنجائش نہ ہو۔ دین کی ایسی تعلیمات کو خاص علمی اصطلاح میں ضروریاتِ دین کہتے ہیں، ان سب پر ایمان لانا شرط ایمان ہے، اگر ان میں سے کسی کا بھی کوئی انکار کرے تو مؤمن نہیں رہے گا اور اگر وہ پہلے مسلمان تھا تو اسلام سے اس کا رشتہ کٹ جائے گا۔

پس آدمی کے مؤمن ہونے کے لئے یہ ضروری ہے کہ '' کُلُّ مَا جَاءَ بِهِ الرَّسُوْلُ مِنْ عِنْدِ اللّٰهِ '' کی (یعنی تمام ان چیزوں اور حقیقتوں کی جو اللہ کے پیغمبر اللہ کی طرف سے لائے) تصدیق کی جائے اور ان کو حق مان کر قبول کیا جائے۔ لیکن ان سب چیزوں کی پوری تفصیل معلوم ہونی ضروری نہیں ہے، بلکہ نفسِ ایمان کے لئے یہ اجمالی تصدیق بھی کافی ہے، البتہ کچھ خاص اہم اور بنیادی چیزیں ایسی بھی ہیں کہ ایمانی دائرہ میں آنے کے لئے ان کی تصدیق تعین کے ساتھ ضروری ہے۔ چنانچہ حدیث زیرِ تشریح میں ایمان سے متعلق سوال کے جواب میں جن امور کا ذکر فرمایا گیا ہے (یعنی اللہ، ملائکہ، اللہ کی کتابیں، اللہ کے رسول، روزِ قیامت اور ہر خیر وشر کی تقدیر) تو ایمانیات میں سے یہ وہی اہم اور بنیادی امور ہیں جن پر تعین کے ساتھ ایمان لانا ضروری ہے اور اسی واسطے آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ان کا ذکر صراحۃً اور تعین کے ساتھ فرمایا، اور قرآن پاک میں بھی یہ ایمانی امور اسی تفصیل اور تعین کے ساتھ مذکور ہیں۔ سورۂ بقرہ کے آخری رکوع میں ارشاد ہے:

اٰمَنَ الرَّسُوْلُ بِمَآ اُنْزِلَ اِلَيْهِ مِنْ رَّبِّهٖ وَالْمُؤْمِنُوْنَ كُلٌّ اٰمَنَ بِاللّٰهِ وَمَلٰٓئِكَتِهٖ وَكُتُبِهٖ وَرُسُلِهٖ. (بقرہ ۲:۲۸۵)

رسول پر جو ہدایت اور تعلیم نازل ہوئی خود رسول کا بھی اس پر ایمان ہے اور سب مؤمنوں کا بھی، یہ سب ایمان رکھتے ہیں اللہ اور اس کے فرشتوں اور اس کی کتابوں اور اس کے رسولوں پر ۱۲۔

وَمَنْ يَّكْفُرْ بِاللّٰهِ وَمَلٰٓئِكَتِهٖ وَكُتُبِهٖ وَرُسُلِهٖ وَالْيَوْمِ الْاٰخِرِ فَقَدْ ضَلَّ ضَلٰلًا بَعِيْدًا. (نساء:۴:۱۳۶)

جو بھی اللہ اور اس کے ملائکہ اس کی کتابوں اور اس کے رسولوں اور یوم آخر سے کفر کرے یعنی ان پر ایمان نہ لائے وہ بہت ہی زیادہ گمراہ ہو گیا اور گمراہی میں بہت دور نکل گیا ۱۲۔

ان امورِ ششگانہ میں سے ''تقدیر خیر و شر'' کا ذکر قرآن پاک میں اگرچہ ان ایمانیات کے ساتھ ان آیات میں نہیں آیا ہے، لیکن دوسرے موقع پر قرآن پاک نے اس کو بھی صراحۃً بیان فرمایا ہے۔

ایک جگہ ارشاد ہے: قُلْ کُلٌّ مِّنْ عِنْدِاللّٰہِ. (نساء: ۴:۷۸)

(اے پیغمبر! آپ اعلان فرما دیئے کہ ہر چیز خدا کی طرف سے اور اس کے حکم سے ہے۱۲) اور دوسری جگہ ارشاد ہے:

فَمَنْ یُّرِدِاللّٰہُ اَنْ یَّھْدِیَہٗ یَشْرَحْ صَدْرَہٗ لِلْاِسْلَامِ وَمَنْ یُّرِدْ اَنْ یُّضِلَّہٗ یَجْعَلْ صَدْرَہٗ ضَیِّقًا حَرَجًا. الآیۃ. (انعام ۶:۱۲۵)

اللہ جس کو ہدایت دینا چاہتا ہے ''اسلام'' کے ماننے اور قبول کرنے کے لئے اس کے سینے کو کھول دیتا ہے اور جس کے متعلق اس کا فیصلہ ضلالت کا ہوتا ہے اس کے سینے کو بھینچا ہوا اور تنگ کر دیتا ہے۔۱۲۔

اب مختصراً یہ بھی معلوم کرنا چاہیے کہ ان سب پر ایمان لانے کا کیا مطلب ہے؟

سو اللہ پر ایمان لانے کا مطلب تو یہ ہے کہ اس کے موجود وحدہٗ لاشریک خالقِ کائنات اور ربُّ العالمین ہونے کا یقین کیا جائے، عیب ونقص کی ہر بات سے پاک اور ہر صفتِ کمال سے اس کو متصف سمجھا جائے۔

اور ملائکہ پر ایمان لانا یہ ہے کہ مخلوقات میں ایک مستقل نوع کی حیثیت سے ان کے وجود کو حق مانا جائے اور یقین کیا جائے کہ وہ اللہ کی ایک پاکیزہ اور محترم مخلوق ہے بَلْ عِبَادٌ مُّکْرَمُوْنَ۔ (انبیاء۲۱:۲۶) (بلکہ وہ محترم اور باعزت بندے ہیں۱۲)

جس میں شر اور شرارت اور عصیان وبغاوت کا عنصر ہی نہیں بلکہ ان کا کام صرف اللہ کی بندگی اور اطاعت ہے (لَا یَعْصُوْنَ اللّٰہَ مَآ اَمَرَھُمْ وَیَفْعَلُوْنَ مَا یُؤْمَرُوْنَ) (تحریم۶۶:۶)

(وہ اللہ کے احکام کی نافرمانی نہیں کرتے، جو حکم ان کو دیا جاتا ہے وہ اس کے مطابق ہی کرتے ہیں۱۲)

ان کے متعلق کام ہیں اور ان کی ڈیوٹیاں (فرائض) ہیں جن کو وہ خوبی سے انجام دیتے ہیں)

ایمان کی ضرورت واہمیت

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے' وہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت کرتے ہیں کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''قسم اس ذات پاک کی جس کے قبضہ قدرت میں محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی جان ہے' اُس اُمت کا (یعنی اس دور کا) جو کوئی بھی یہودی یا نصرانی میری خبر سن لے (یعنی میری نبوت و رسالت کی دعوت اُس تک پہنچ جائے) اور پھر وہ مجھ پر اور میرے لائے ہوئے دین پر ایمان لائے بغیر مر جائے تو ضرور وہ دوزخیوں میں ہوگا۔'' (مسلم)

تشریح:...... اس حدیث میں یہودی اور نصرانی کا ذکر صرف تمثیل کے طور پر اور یہ ظاہر کرنے کے واسطے کیا گیا ہے کہ جب یہود و نصاریٰ جیسے مسلم اہل کتاب بھی خاتم الانبیاء صلی اللہ علیہ وسلم پر ایمان لائے بغیر اور ان کی شریعت کو قبول کیے بغیر نجات نہیں پاسکتے تو دوسرے کافروں' مشرکوں کا انجام اسی سے سمجھ لیا جائے۔

بہرحال حدیث کا مضمون عام ہے اور مطلب یہ ہے کہ اس دورِ محمدی میں (جو حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی بعثت سے شروع ہوا ہے اور قیامت تک جاری رہے گا) جس شخص کو آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی نبوت ورسالت کی دعوت پہنچ جائے اور وہ آپ پر ایمان نہ لائے اور آپ کے لائے ہوئے دین کو اپنا دین نہ بنائے اور اسی حال میں مر جائے تو وہ دوزخ میں جائے گا۔ اگرچہ وہ کسی سابق پیغمبر کے دین اور اس کی کتاب و شریعت کا ماننے والا کوئی یہودی یا نصرانی ہی کیوں نہ ہو' الغرض خاتم الانبیاء صلی اللہ علیہ وسلم کی بعثت کے بعد آپ پر ایمان لائے اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی شریعت کو قبول کیے بغیر نجات ممکن نہیں ہاں جس بیچارہ کو آپ کی نبوت کی اطلاع اور اسلام کی دعوت ہی نہ پہنچی وہ معذور ہے۔ یہ مسئلہ دین اسلام کے قطعیات اور بدیہیات میں سے ہے جس میں شک وشبہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی نبوت ورسالت کی حیثیت کو نہ سمجھنے ہی سے ہوسکتا ہے۔

حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ انہوں نے بیان کیا کہ ایک شخص رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوا اور اس نے سوال کیا کہ ''یا رسول اللہ! (صلی اللہ علیہ وسلم) ایک نصرانی شخص ہے جو انجیل کے موافق عمل کرتا ہے اور اسی

طرح ایک یہودی شخص ہے جو تورات کے احکام پر چلتا ہے اور وہ اللہ پر ان کے رسول پر ایمان بھی رکھتا ہے مگر اس کے باوجود وہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے دین اور آپ کی شریعت پر نہیں چلتا تو فرمایئے کہ اس کا کیا حکم ہے؟ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جس یہودی یا نصرانی نے میری بات کو سن لیا (یعنی میری دعوت اُس تک پہنچ گئی) اور اس کے بعد بھی اس نے میری پیروی اختیاری نہیں کی تو وہ دوزخ میں جانے والا ہے۔'' (دار قطنی)

ایمان پر نجات

اعمش تابعی نے اپنے استاذ ابو صالح سے اس شک کے ساتھ نقل کیا کہ انہوں نے حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت کیا تھا یا (ابو سعید خدریؓ سے) کہ غزوۂ تبوک کے دنوں میں (جب سامان خوراک ختم ہوگیا اور) لوگوں کو بھوک نے ستایا تو انہوں نے رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وسلم) سے عرض کیا کہ ''حضرتؐ! اگر اجازت دیں تو ہم پانی لانے والے اپنے اونٹوں کو ذبح کرلیں؟ پھر ان کو کھا بھی لیں اور ان سے روغن بھی حاصل کرلیں؟'' حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''اچھا کرلو!'' راوی کہتے ہیں کہ پھر حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ آئے اور انہوں نے عرض کیا کہ یارسول اللہ! (صلی اللہ علیہ وسلم) اگر آپؐ نے ایسا کیا (یعنی لوگوں کو اگر اونٹ ذبح کرنے کی اجازت دیدی اور لوگوں نے ذبح کرڈالے) تو سواریاں کم ہو جائیں گی (لہٰذا ایسا تو نہ کیا جائے) البتہ لوگوں کو آپ ان کے بچے کھچے سامان خوراک کے ساتھ بلا لیجئے' پھر ان کے واسطے اللہ سے اسی میں برکت کردینے کی دُعا کیجئے' اُمید ہے کہ اللہ تعالیٰ اسی میں برکت فرمادے گا۔ حضور صلی اللہ علیہ نے فرمایا: ''ہاں ٹھیک ہے'' چنانچہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے چمڑے کا بڑا دستر خوان طلب فرمایا' پس وہ بچھا دیا گیا' پھر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے لوگوں سے ان کا بچا کھچا سامان خوراک منگوایا' پس کوئی آدمی مٹھی چینا کے دانے ہی لیے آرہا ہے' کوئی ایک مٹھی کھجوریں لارہا ہے اور کوئی روٹی کا ایک ٹکڑا ہی لیے چلا آرہا ہے حتیٰ کہ دستر خوان پر تھوڑی سی مقدار میں یہ چیزیں جمع ہوگئیں۔ راوی کہتے ہیں کہ رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وسلم) نے پھر برکت کی دُعا فرمائی' اس کے بعد فرمایا: اب تم سب اس میں سے اپنے اپنے برتنوں میں بھرلو۔

چنانچہ سب نے اپنے اپنے برتن بھر لیے حتیٰ کہ (قریباً ۳۰ ہزار کے لشکر میں) لوگوں نے ایک برتن بھی بغیر بھرے ہوئے نہیں چھوڑا۔ راوی کہتے ہیں کہ پھر سب نے کھایا، حتیٰ کہ خوب سیر ہو گئے اور کچھ فاضل بھی بچ رہا۔ اس پر رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وسلم) نے فرمایا:

''میں شہادت دیتا ہوں کہ اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں اور میں اللہ کا رسول ہوں، نہیں ہے کوئی بندہ جو بغیر کسی شک وشبہ کے کامل یقین واذعان کے ساتھ ان دو شہادتوں کے ساتھ اللہ کے سامنے جائے، پھر وہ جنت سے روکا جائے۔'' (مسلم)

تشریح:۔ حدیث کا مضمون ظاہر ہے جس مقصد سے اس حدیث کو یہاں درج کیا گیا ہے اس کا تعلق حدیث کے صرف آخری جز سے ہے جس میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اللہ کی توحید اور اپنی رسالت کی شہادت ادا کر کے اعلان فرمایا ہے کہ جو شخص بھی ان دو شہادتوں کو مخلصانہ طور پر ادا کرے اور شک شبہ کی کوئی بیماری اس کے دل دماغ کو نہ ہو اور اسی ایمانی حال میں اس کو موت آئے تو وہ جنت میں ضرور جائے گا۔

جو لوگ قرآن حدیث کے محاورہ اور طرز بیان سے کچھ واقف ہیں وہ جانتے ہیں کہ ایسے موقعوں پر ''اللہ کی توحید اور رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وسلم) کی رسالت کی شہادت'' ادا کرنے کا مطلب رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وسلم) کی دعوت ایمان کو قبول کر لینا اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے لائے ہوئے دین اسلام کو اپنا دین بنالینا ہوتا ہے اور اسی لیے ان دو شہادتوں کے ادا کرنے کا مطلب ہمیشہ سے یہ سمجھا جاتا ہے کہ اس شخص نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی ایمانی دعوت کو قبول کر لیا اور اسلام کو اپنا دین بنالیا۔ پس رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وسلم) کے اس ارشاد کا مطلب یہ ہی ہے کہ جو شخص ''لَا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰه اور مُحَمَّد رَّسُوْلُ اللّٰه'' کی شہادت ادا کر کے میری ایمانی دعوت کو قبول کر لے اور اسلام کو اپنا دین بنالے اور اس بارے میں وہ مخلص اور صاحب یقین ہو تو اگر اسی حال میں وہ مر جائے گا تو جنت میں ضرور جائے گا۔

پس اگر کوئی شخص ''لَا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰه مُحَمَّد رَّسُوْلُ اللّٰه'' کا اقرار کرے لیکن اسلام کو اپنا دین نہ بنائے بلکہ کسی اور دین ومذہب پر قائم رہے یا توحید ورسالت کے علاوہ دوسرے ایمانیات کا انکار کرے مثلاً قیامت کو یا قرآن مجید کو نہ مانے تو وہ ہرگز اس بشارت کا مستحق نہ ہوگا۔

الغرض اس حدیث میں توحید و رسالت کی شہادت ادا کرنے کا مطلب رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وسلم) کی ایمانی دعوت کو قبول کرنا اور اسلام کو اپنا دین بنانا ہے۔ اسی طرح جن حدیثوں میں صرف توحید پر اور صرف "لَا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰه" کے اقرار پر جنت کی بشارت دی گئی ہے ان کا مطلب بھی یہی ہے۔ دراصل یہ سب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی دعوت ایمان کو قبول کر لینے اور اسلام کو اپنا دین بنا لینے کے بعد مشہور و معروف عنوانات ہیں۔ ان شاء اللہ اس کی کچھ مزید تفصیل اگلی حدیثوں کی تشریح میں بھی کی جائیگی۔

اس حدیث سے ضمنی طور پر اور بھی چند سبق ملتے ہیں:

۱)...... اگر کوئی بڑا حتیٰ کہ اللہ کا نبی و رسول بھی کسی معاملہ میں اپنی رائے ظاہر کرے اور کسی صاحب رائے خادم کو اس میں مضرت کا کوئی پہلو نظر آئے تو وہ ادب کے ساتھ اپنی رائے اور اپنا مشورہ پیش کرنے سے دریغ نہ کرے اور اس بڑے کو چاہیے کہ وہ اس پر غور کرے اور اگر وہی رائے بہتر اور اُنسب معلوم ہو تو اپنی رائے سے رجوع کرنے اور اُس کو اختیار کرنے میں ادنیٰ تامل نہ کرے۔

۲) دُعا کا قبول ہونا اور بالخصوص اس قبولیت کا خرق عادت کی شکل میں ظاہر ہونا اللہ کی نشانیوں اور مقبولیت اور تعلق باللہ کی خاص علامتوں میں سے ہے، جس سے مؤمنین کے انشراح صدر اور اطمینان قلبی میں ترقی ہونا برحق بلکہ نبوت کی میراث ہے۔ (جیسا کہ اس موقع پر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے کلمہ شہادت پڑھنے سے ظاہر ہے) پس جن لوگوں کو اس طرح کے انعامات الٰہیہ کے تذکرہ سے بجائے انشراح کے انقباض ہوتا ہے یا جو اس قسم کے خوراق کو طنز و تضحیک اور استخفاف و استحقار کے لائق سمجھتے ہیں ان کے دل ایک بڑی بیماری کے بیمار ہیں۔

حضرت عبادہ بن صامت رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ میں نے خود رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے سنا ہے، آپ صلی اللہ علیہ وسلم ارشاد فرماتے تھے کہ "جو کوئی شہادت دے کہ اللہ کے سوا کوئی عبادت و بندگی کے لائق نہیں ہے اور محمد صلی اللہ علیہ وسلم اس کے رسول ہیں، تو اللہ نے اس شخص پر دوزخ کی آگ حرام کر دی ہے۔" (مسلم)

حضرت معاذ بن جبل رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ ایک دفعہ میں حضور صلی اللہ

علیہ وسلم کے ساتھ ایک ہی سواری پر تھا اور میرے اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے درمیان کجاوے کے پچھلے حصے کے سوا اور کوئی چیز حائل نہ تھی (یعنی میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے پیچھے بالکل ملا ہوا بیٹھا تھا کہ چلتے ہی چلتے) آپ صلی الہ علیہ وسلم نے مجھے پکارا اور فرمایا: معاذ بن جبل!...... میں نے عرض کیا: ''لبیک یا رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وسلم) وسعدیک'' (یعنی میں حاضر ہوں' ارشاد فرمائیں)...... پھر کچھ دیر چلنے کے بعد آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: معاذ بن جبل! میں نے عرض کیا: ''لبیک یا رسول اللہ وسعدیک'' پھر کچھ دیر چلنے کے بعد آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''معاذ بن جبل!'' میں نے عرض کیا ''لبیک یا رسول اللہ وسعدیک'' (اس تیسری دفعہ میں) آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: ''تم جانتے ہو کہ بندوں پر اللہ کا کیا حق ہے؟'' میں نے عرض کیا: اللہ ورسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو ہی زیادہ علم ہے۔ ارشاد فرمایا: اللہ کا حق بندوں پر یہ ہے کہ اس کی عبادت وبندگی کریں اور اس کے ساتھ کسی کو شریک نہ کریں۔ پھر کچھ دیر چلنے کے بعد آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: معاذ بن جبل! میں نے عرض کیا ''لبیک یا رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وسلم) وسعدیک'' آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''تم جانتے ہو کہ جب بندے اللہ کا یہ حق ادا کریں تو پھر اللہ پر ان کا کیا حق ہے؟ میں نے عرض کیا: اللہ ورسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہی کو زیادہ علم ہے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: یہ کہ انہیں عذاب میں نہ ڈالے۔'' (بخاری ومسلم)

تشریح:...... اس حدیث میں چند چیزیں قابل توجہ ہیں:

۱) حضرت معاذ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اصل حدیث بیان کرنے سے پہلے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ ایک ہی سواری پر سوار ہونے اور آپ کے پیچھے آپ سے مل کر بیٹھنے کو جس خاص انداز سے بیان کیا ہے اس کی چند وجہیں ہو سکتی ہیں ایک یہ کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی جو خاص شفقت اور عنایت حضرت معاذ رضی اللہ تعالیٰ عنہ پر تھی اور بارگاہِ نبوی صلی اللہ علیہ وسلم میں جو خاص مقام قرب ان کو حاصل تھا' وہ سامعین کے پیش نظر رہے تا کہ وہ یہ سمجھ سکیں کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت معاذ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے ایک ایسی بات کیوں فرمائی جس کی عوام مسلمین میں اشاعت کے آپ روادار نہ تھے جیسا کہ اگلی روایت میں تصریح ہے۔

دوسری بات اس کی توجیہ میں یہ بھی کہی جاسکتی ہے کہ ممکن ہے حضرت معاذ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا مقصد اس تفصیل کے بیان کرنے سے اس حدیث کے بارے میں اپنا اتقان بھی ظاہر کرنا ہو یعنی لوگوں پر یہ واضح کرنا ہو کہ مجھے یہ حدیث ایسی یاد ہے کہ اس وقت کی یہ جزئی باتیں بھی مجھے محفوظ ہیں۔

اور تیسری وجہ یہ بھی ہوسکتی ہے کہ جس طرح عشاق ومحبین کی عادت ہوتی ہے کہ وہ محبت کی یادگار صحبتوں کو والہانہ انداز میں اور مزے لے لے کر تفصیل کے ساتھ بیان کرتے ہیں اسی جذبے کے ماتحت حضرت معاذ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ اپنے سوار ہونے کی یہ تفصیل بیان کی ہو۔

۲) حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے تھوڑے تھوڑے وقفہ کے بعد حضرت معاذ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو تین دفعہ مخاطب کیا اور پھر جو کچھ آپ فرمانا چاہتے تھے اس کا ایک حصہ آپ نے تیسری دفعہ فرمایا اور دوسرا جز کچھ دیر توقف کے بعد چوتھی دفعہ فرمایا...... اس کی توجیہ میں شارحین نے لکھا ہے کہ غالباً آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اس طرح حضرت معاذ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو پوری طرح اپنی طرف متوجہ فرمانا چاہتے تھے تاکہ وہ ہمہ تن گوش ہوکر پوری رغبت وتوجہ اور غور وتام کے ساتھ آپ کا ارشاد سنیں...... دوسری توجیہ یہ بھی کی گئی ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو اس میں تردد اور توقف تھا کہ حضرت معاذ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے بھی یہ بات بیان کردی جائے یا نہ کی جائے اس وجہ سے آپ نے ابتداء میں تو تین دفعہ توقف فرمایا اور جب بیان فرمادینے ہی کے متعلق آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا شرح صدر ہوگیا تب آپؐ نے بیان فرمایا...... لیکن ان دونوں توجیہوں میں تکلف ہے اور زیادہ قرین قیاس یہ معلوم ہوتا ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم پر اس وقت کوئی خاص استغراقی حالت طاری تھی، آپؐ حضرت معاذ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو مخاطب کرتے تھے اور کچھ فرمانے سے پہلے پھر اسی کیفیت میں استغراق ہوجاتا تھا، اس وجہ سے درمیان میں یہ وقفے ہوئے۔ واللہ تعالیٰ اعلم

۳) اصل حدیث کا حاصل صرف یہ ہے کہ بندوں پر اللہ تعالیٰ کا حق یہ ہے کہ وہ اس کی عبادت اور بندگی کریں اور کسی چیز کو اس کے ساتھ شریک نہ کریں اور جب وہ اللہ کا یہ حق ادا کریں گے تو اللہ تعالیٰ نے ان کا یہ حق اپنے پر مقرر کرلیا ہے کہ وہ ان کو عذاب میں نہ ڈالے گا۔

حضرت انس بن مالک رضی اللہ تعالیٰ عنہ راوی ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم حضرت معاذ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو جبکہ وہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ ایک ہی کجاوے پر سوار تھے' پکارا اور فرمایا: یا معاذ! انہوں نے عرض کیا: ''لبیک یا رسول اللہ وسعدیک'' حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے پکارا: یا معاذ! انہوں نے عرض کیا: ''لبیک یا رسول اللہ وسعدیک''۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے پھر پکارا: یا معاذ! انہوں نے عرض کیا: ''لبیک یا رسول اللہ و سعدیک'' تین دفعہ ایسا ہوا۔ پھر حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے (اس آخری دفعہ میں فرمایا) ''جو کوئی سچے دل سے شہادت دے کہ اللہ تعالیٰ کے سوا کوئی معبود نہیں اور محمد صلی اللہ علیہ وسلم اس کے رسول ہیں تو اللہ نے دوزخ پر ایسے شخص کو حرام کر دیا ہے۔'' حضرت معاذ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے (یہ خوش خبری سن کر) عرض کیا: ''کیا میں لوگوں کو اس کی خبر نہ کر دوں تا کہ وہ سب خوش ہو جائیں؟'' حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''پھر وہ اسی پر بھروسہ کر کے بیٹھ جائیں گے۔'' پھر حضرت معاذ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے کتمان علم کے گناہ کے خوف سے اپنے آخری وقت میں یہ حدیث لوگوں سے بیان کی۔ (رواہ البخاری ومسلم)

حضرت معاذ بن جبل رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مجھ سے ارشاد فرمایا: ''لا الہ الا اللہ'' کی شہادت دینا جنت کی کنجی ہے۔ (مسند احمد)

حضرت ابوذر غفاری رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے' کہتے ہیں کہ میں (ایک دن) حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں پہنچا تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم اس وقت سفید کپڑا اوڑھے سوئے ہوئے تھے' پھر (کچھ دیر بعد) میں حاضر ہوا تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم بیدار ہو چکے تھے' اس وقت آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''جو کوئی بندہ لا الہ الا اللہ کہے اور پھر اسی پر اس کو موت آ جائے تو وہ جنت میں ضرور جائے گا۔'' ابوذر کہتے ہیں میں نے عرض کیا: اگر چہ اس نے زنا کیا ہو اور اگر چہ اس نے چوری کی ہو؟ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: ''ہاں اگر چہ اس نے زنا کیا ہو' اگر چہ اس نے چوری کی ہو'' (ابوذر کہتے ہیں) میں نے پھر عرض کیا ''اگر چہ اس نے زنا کیا ہو' اگر چہ اس نے چوری کی ہو؟'' آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے پھر ارشاد فرمایا: ''ہاں! اگر چہ اس نے زنا کیا ہو' اگر چہ اُس

نے چوری کی ہو۔" (ابوذر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کہتے ہیں) میں نے (پھر تعجب سے) عرض کیا کہ "یا رسول اللہ! (صلی اللہ علیہ وسلم) لا الٰہ الا اللہ کی شہادت دینے والا جنت میں ضرور جائے گا) اگرچہ اس نے زنا کیا ہو اگرچہ اس نے چوری کی ہو؟" آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے پھر ارشاد فرمایا: "(ہاں!) ابوذر کے علی الرغم (وہ جنت میں جائے گا) اگرچہ اس نے زنا کیا ہو اگرچہ اس نے چوری کی ہو۔" (رواہ البخاری ومسلم)

تشریح:...... اس حدیث میں بھی "لَآ اِلٰهَ اِلَّا اللّٰه" کہنے سے مراد پورے دین توحید (یعنی اسلام) پر ایمان لانا اور اس کو اختیار کرنا ہے اور بیشک جو شخص اس دین توحید پر صدق دل سے ایمان رکھتا ہوگا وہ ضرور جنت میں جائے گا۔ اب اگر بالفرض ایمان کے باوجود اس نے گناہ بھی کیے ہوں گے تو اگر کسی وجہ سے وہ معافی کا مستحق ہوگا تو اللہ تعالیٰ گناہوں کو معاف فرما کے بغیر کسی عذاب ہی کے اُس کو جنت میں داخل کر دے گا اور اگر وہ معافی کا مستحق نہ ہوگا تو گناہوں کی سزا پانے کے بعد وہ جنت میں جا سکے گا۔ بہرحال دین اسلام پر صدق دل سے ایمان رکھنے والا ہر شخص جنت میں ضرور جائے گا' اگرچہ دوزخ میں گناہوں کی سزا بھگتنے کے بعد ہی جائے۔ حضرت ابوذر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی اس روایت کا مطلب اور مفاد یہی ہے۔

حضرت ابوذر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے جو بار بار اپنا سوال دُہرایا تو اس کی وجہ غالباً یہ تھی کہ چوری اور زنا کو سخت ناپاک گناہ جاننے کی وجہ سے اُن کو اس پر تعجب تھا کہ ایسے ناپاک گناہ کرنے والے بھی جنت میں جا سکیں گے۔ گویا اُس وقت تک انہیں یہ مسئلہ معلوم نہ تھا' آج ہم جیسوں کو حضرت ابوذر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے اس تعجب اور اس سوال کی وجہ سمجھنا اس لیے مشکل ہو گیا ہے کہ ہم نے اسلام ہی میں آنکھ کھولی ہے اور یہ موٹی موٹی باتیں ہم کو گھروں ہی میں معلوم ہو جاتی ہیں۔ واللہ اعلم

حضرت عثمان بن عفان رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: "جو شخص اس حال میں مرا کہ وہ یقین کے ساتھ جانتا تھا کہ اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں ہے تو وہ جنت میں جائے گا۔" (مسلم)

تشریح:...... اس حدیث میں بھی "لا الٰہ الا اللہ" پر یقین ہونے سے مراد وہی دین

توحید پر ایمان رکھنا ہے اور دخول جنت کے وعدہ کا مطلب بھی وہی ہے جو اوپر مذکور ہوا کہ اپنے پورے اعمال نامہ کے تقاضے کے مطابق اللہ کی رحمت سے ابتداء ہی میں یا گناہوں کی کچھ سزا بھگت کر ہر صاحب ایمان جنت میں ضرور ہو جائے گا۔

عتبان بن مالک رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے (اور وہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ان اصحابؓ میں سے ہیں جو انصار میں سے غزوہ بدر میں شریک تھے) کہ وہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئے اور عرض کیا کہ میری نگاہ میں فرق آ گیا ہے (یعنی مجھے کم دکھائی دینے لگا ہے) اور میں اپنی قوم کو نماز پڑھاتا ہوں۔ سو جب بارشیں ہوتی ہیں اور میرے اور میری قوم والوں کے درمیان جو نالہ ہے وہ بہنے لگتا ہے تو میں ان کی مسجد تک جا کر نماز نہیں پڑھا سکتا اور یا رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وسلم) میری یہ خواہش ہے کہ حضورؐ میرے یہاں تشریف لائیں اور میرے گھر میں نماز پڑھیں تاکہ میں اُسی جگہ کو اپنی مستقل نماز گاہ بنالوں۔ کہتے ہیں کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ان شاء اللہ تعالیٰ میں ایسا کروں گا۔ عتبان کہتے ہیں کہ صبح ہی کو جب کچھ دن چڑھا تھا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اور ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ میرے یہاں پہنچ گئے اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اندر آنے کی اجازت چاہی۔ میں نے آپ کو اجازت دی۔ پس جب آپ گھر میں تشریف لائے تو بیٹھے نہیں اور مجھ سے فرمایا: تم اپنے گھر میں سے کون سی جگہ پسند کرتے ہو کہ میں وہاں پڑھوں؟ کہتے ہیں کہ میں نے گھر کی ایک جانب کی طرف اشارہ کر دیا۔ پس رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کھڑے ہوئے اور اللہ اکبر کہہ کر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے نماز شروع کر دی۔ ہم بھی صف باندھ کے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے پیچھے کھڑے ہوگئے۔ پس آپ نے دو رکعتیں پڑھیں اور سلام پھیر دیا۔ عتبان کہتے ہیں اور ہم نے آپ کو خزیرہ کھانے کے لیے روک لیا جو آپ کے واسطے ہم نے تیار کیا تھا اور (آپ کی اطلاع پا کے) محلہ والوں میں سے بھی چند آدمی آ کے جڑ گئے۔ پس انہی میں سے کسی کہنے والے نے کہا کہ مالک بن دخیشن (یا ابن دخشن) کہاں ہے؟ انہی میں سے کسی نے جواب دیا کہ وہ تو منافق ہے' اللہ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم سے اُسے محبت ہی نہیں ہے۔ پس رسول

اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا' یہ مت کہو! کیا تم نہیں دیکھتے ہو کہ وہ ''لا الہ الا اللہ'' کا قائل ہے اور اس سے وہ اللہ کی رضا ہی چاہتا ہے۔ اس کہنے والے شخص نے کہا کہ اللہ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کو ہی زیادہ علم ہے، ہم تو اُس کا رخ اور اس کی خیر خواہی منافقوں کی طرف دیکھتے ہیں۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: ''یقیناً اللہ عز وجل نے دوزخ کی آگ پر اُس شخص کو حرام کر دیا ہے، جس نے اخلاص کے ساتھ لا الٰہ الا اللہ کہا ہو اور اُس کا ارادہ اس کلمہ سے اللہ تعالیٰ کی رضا مندی حاصل کرنا ہی ہو۔'' (رواہ البخاری و مسلم)

تشریح:...... اس حدیث میں بھی لا الٰہ الا اللہ کہنے والے پر آتش دوزخ حرام ہونے کا مطلب وہی ہے جو اسی مضمون کی سابقہ احادیث کی تشریح کے ضمن میں تفصیل سے لکھا جا چکا ہے بلکہ اس حدیث کی صحیح مسلم کی روایت میں بجائے ''قال لَآ اِلٰهَ اِلَّا اللّٰه'' کے ''یشھد اَنْ لَآ اِلٰهَ اِلَّا اللّٰه وَاَنِّی رَسُوْلُ اللّٰهِ'' ہے اور مراد ان دونوں ہی عنوانوں سے دعوت اسلام کو قبول کرنا اور دین اسلام کو بحیثیت دین کے اختیار کر لینا ہے۔ دراصل جیسا کہ پہلے عرض کیا جا چکا ہے عہد نبویؐ میں اسلام قبول کرنے اور اسلام کو اختیار کرنے کی یہ عام تعبیر تھی۔

یہاں ایک بات یہ بھی ملحوظ رکھنی چاہیے کہ جن صحابی نے مالک بن دخشن کو منافق کہا تھا اُن کی نظر میں بھی مالک بن دخیشن میں نفاق یا فسق و فجور کی کوئی بات اس کے سوا نہ تھی کہ اُن کے خیال میں مالک بن دخشن منافقین سے تعلقات اور میل ملاقات رکھتے تھے۔

اس سے ایک طرف تو صحابہ کرام رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین کے ایمانی جذبے کا اندازہ ہوتا ہے کہ وہ اتنی سی بات سے بھی اس قدر ناراض ہوتے تھے اور اس کو منافقت سمجھتے تھے اور دوسری طرف آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی تنبیہ سے سبق ملتا ہے کہ جن لوگوں میں اس طرح کی کچھ کمزوریاں ہوں مگر اپنے ایمان اور توحید و رسالت کی شہادت میں وہ مخلص ہوں تو ان کے بارے میں ایسی بدگمانیاں اور اتنی سخت باتیں کرنی جائز نہیں بلکہ ایمان کا پہلو زیادہ قابل لحاظ اور واجب الاحترام ہے۔

یہ بھی یاد رہنا چاہیے کہ یہ مالک بن دخیشن بھی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ان صحابہ میں سے ہیں جو عام غزوات میں حتیٰ کہ بدر میں بھی شریک رہے ہیں۔ ممکن

ہے کہ منافقین سے تعلقات رکھنے میں حاطب بن ابی بلتعہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی طرح ان کی بھی کچھ مجبوریاں ہوں۔ واللہ اعلم

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ راوی ہیں کہ ایک دن ہم لوگ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم (کی خدمت میں حاضر تھے اور) آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے اِردگرد بیٹھے ہوئے تھے اور حضرت ابوبکر صدیق وعمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما بھی ہمارے ساتھ ہی اس مجلس میں تھے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم ہمارے درمیان سے اُٹھے (اور کسی طرف کو نکل گئے) اور پھر آپ کی واپسی میں بہت دیر ہوگئی تو ہمیں ڈر ہوا کہ کہیں ہم سے علیحدہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو کوئی تکلیف نہ پہنچائی جائے (یعنی ہماری عدم موجودگی میں کسی دشمن وغیرہ سے آپ کو کوئی ایذاء نہ پہنچ جائے) پس اس خیال سے ہمیں سخت گھبراہٹ اور فکر لاحق ہوئی اور ہم لوگ (آپ کی جستجو میں) نکل کھڑے ہوئے اور سب سے پہلے میں ہی گھبرا کے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی تلاش میں نکلا یہاں تک کہ انصار کے خاندان بنی النجار کے ایک باغ پر پہنچ گیا جو چہار دیواری سے گھرا ہوا تھا اور میں نے اس کے چاروں طرف چکر لگایا کہ اندر جانے کے لیے مجھے راستہ مل جائے لیکن نہیں ملا، پھر مجھے پانی کی ایک گول (چھوٹی سی نہر) نظر پڑی جو باہر کے ایک کنوئیں سے باغ کے اندر جاتی تھی (ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کہتے ہیں) میں سمٹ اور سکڑ کر اس میں سے باغ کے اندر گھس گیا اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس جا پہنچا۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ابوہریرہ! میں نے عرض کیا: ہاں! یارسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم میں ہی ہوں۔ آپ ﷺ نے فرمایا: تم کیسے آئے؟ میں نے عرض کیا: یارسول اللہ! (صلی اللہ علیہ وسلم) آپ ہمارے درمیان تشریف رکھتے تھے، پھر وہاں سے اُٹھ کر چلے آئے اور جب دیر تک آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی واپسی نہیں ہوئی تو ہمیں خطرہ ہوا کہ مبادا ہم سے علیحدہ آپ کو کوئی ایذاء پہنچائی جائے۔ اسی خطرے سے گھبرا کے ہم سب چل پڑے اور سب سے پہلے گھبرا کے میں ہی نکلا تھا یہاں تک کہ میں اس باغ تک پہنچا اور (جب مجھے کوئی دروازہ نہیں ملا تو) لومڑی کی طرح سمٹ سکڑ کے میں (اس گول میں سے کس طرح) گھس آیا ہوں اور دوسرے لوگ بھی میرے پیچھے آرہے ہیں۔ پھر حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے نعلین مبارک مجھے عطا فرمائے اور ارشاد فرمایا کہ ”میرے یہ جوتے لے کر جاؤ اور اس باغ سے نکل کے جو آدمی بھی

تمہیں ایسا ملے جو دل کے پورے یقین کے ساتھ لا الٰہ الا اللہ کی شہادت دیتا ہو اس کو جنت کی خوشخبری سنا دو۔'' (ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کہتے ہیں میں وہاں سے چلا) تو سب سے پہلے میری ملاقات عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے ہوئی۔ انہوں نے مجھ سے پوچھا ابوہریرہؓ! تمہارے ہاتھ میں یہ دو جوتیاں کیسی ہیں؟ میں نے کہا' یہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی نعلین مبارک ہیں' حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے مجھے یہ دے کر بھیجا ہے کہ جو کوئی بھی دل سے ''لا الٰہ الا اللہ'' کی شہادت دینے والا مجھے ملے' میں اس کو جنت کی خوشخبری سنا دوں۔ ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کہتے ہیں کہ پس عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے میرے سینے پر ایک ہاتھ مارا جس سے میں اپنی سرینوں کے بل پیچھے کو گر پڑا اور مجھ سے انہوں نے کہا ''پیچھے کو لوٹو'' میں روتا ہوا حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس واپس آیا اور عمر بھی میرے پیچھے پیچھے آئے' رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے (مجھے اس حالت میں دیکھ کر) پوچھا: ''ابوہریرہ! تمہیں کیا ہوا؟'' میں نے عرض کیا کہ عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ مجھے ملے تھے' حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے مجھے جو پیغام دے کر بھیجا تھا میں نے وہ اُنہیں بتلایا تو انہوں نے میرے سینے پر ایک ایسی ضرب لگائی جس سے میں اپنی سینوں کے بل گر پڑا اور مجھ سے کہا کہ پیچھے کو لوٹو۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو مخاطب کر کے فرمایا: ''عمر! تم نے ایسا کیوں کیا؟'' انہوں نے عرض کیا: حضور صلی اللہ علیہ وسلم پر میرے ماں باپ قربان ہوں' کیا آپ نے ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو اپنے نعلین مبارک دے کر اس لیے بھیجا تھا کہ جو کوئی بھی دل کے یقین کے ساتھ ''لا اِلٰہ اِلا اللہ'' کی شہادت دینے والا ان کو ملے وہ اس کو جنت کی بشارت دے دیں۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ہاں! میں نے ہی یہ کہہ کر بھیجا تھا۔ عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے عرض کیا: ''حضور! ایسا نہ کیجئے' مجھے خطرہ ہے کہ کہیں لوگ بس اس شہادت ہی پر بھروسہ کر کے (سعی و عمل سے بے پرواہ ہو کے) نہ بیٹھ جائیں۔ لہٰذا انہیں اسی طرح عمل کرنے دیجئے۔'' حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''تو جانے دو!''۔ (مسلم)

تشریح:...... اس حدیث میں چند چیزیں وضاحت طلب ہیں:

۱) رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس موقع پر حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو اپنی نعلین مبارک کیوں عطا فرمائیں؟ شارحین نے اس کی توجیہ میں اگرچہ کئی باتیں کہی

ہیں لیکن ان سب میں زیادہ قرین قیاس یہ وجہ معلوم ہوتی ہے کہ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو آپ نے جس بشارت عظمیٰ کے اعلان کے لیے بھیجا تھا اس کی غیر معمولی اہمیت کی وجہ سے آپ نے اپنی کوئی خاص نشانی بھی ان کے ساتھ کر دینا مناسب سمجھا اور اس وقت آپ کے پاس ایسی چیز جو اس مقصد کے لیے آپ ان کو دے سکتے تھے یہ نعلین مبارک ہی تھیں اس لیے وہی آپ نے ان کو عطا فرمادیں۔ واللہ اعلم

۲) حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اس واقعہ میں حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے ساتھ جو سختی کا معاملہ فرمایا اس کی صحیح نوعیت کو سمجھنے کے لیے حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی اس امتیازی حیثیت کو پیش نظر رکھنا چاہیے جو صحابہ کرام رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین کی جماعت میں ان کو حاصل تھی یعنی وہ (اور حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ بھی) حضور (صلی اللہ علیہ وسلم) کے خاص شریک کار، محرم راز، مشیر خصوصی اور گویا آپ کے وزیر و نائب تھے اور صحابہ کرامؓ عام طور سے ان کے اس امتیازی مقام کو پہچانتے تھے اور جس طرح ہر جماعت اور ہر خاندان کا بڑا اپنے چھوٹوں کو تنبیہ اور سرزنش کا حق رکھتا ہے اسی طرح حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ بھی یہ حق رکھتے تھے اور بسا اوقات حسب ضرورت اس حق کو آپ استعمال بھی فرماتے تھے اور واقعہ یہ ہے کہ چھوٹوں کی اصلاح و تربیت کے لیے بڑوں کے واسطے اس حق کا ماننا ضروری بھی ہے۔ پس حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اس واقعہ میں حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے ساتھ جو تشدد کیا وہ درحقیقت اسی قبیل سے ہے اور معلوم ایسا ہوتا ہے کہ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے ابتداءً ان سے واپس ہونے کو کہا ہوگا لیکن وہ چونکہ تمام اہل ایمان کے لیے ایک بشارت عظمیٰ کا پروانہ لے کر آرہے تھے اور اُن کے نزدیک یہ ایک بڑی سعادت تھی جو انہیں حاصل ہورہی تھی اس لیے انہوں نے واپس ہونے سے انکار کیا ہوگا اور بالآخر حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے ان کو واپس لوٹانے کے لیے اس جبر و تشدد سے کام لیا ہوگا کیونکہ ان کو مقام نبوت اور شئون نبوت کی پوری شناسائی کی وجہ سے اس کا کامل یقین تھا کہ اس بشارت عامہ کا مضر پہلو جب حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے آئے گا تو آپ بھی اس کو خلاف مصلحت ہی سمجھیں گے اور ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو اس کی عام اشاعت سے منع فرمادیں گے۔ چنانچہ ایسا ہی ہوا۔

یہاں یہ بھی ملحوظ رہنا چاہیے کہ ایک دفعہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت معاذ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو بھی ایسی ہی بشارت سنائی تھی (وہ حدیث اوپر گزر چکی ہے) اس وقت حضرت معاذ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے اجازت مانگی تھی کہ وہ سب مسلمانوں کو یہ خوشخبری سنا دیں تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اجازت نہیں دی تھی اور اجازت نہ دینے کی وجہ یہی بیان فرمائی تھی کہ لوگ اسی پر بھروسہ کر کے دینی ترقیوں سے رہ جائیں گے۔

۳) اس حدیث میں بھی صرف ''لا الہ الا اللہ'' کی شہادت پر جنت کی خوشخبری دی گئی ہے' سو اس کی ایک عام توجیہ تو وہی ہے جو مندرجہ بالا احادیث کے ذیل میں ذکر کی جا چکی ہے۔ ماسوا اس کے اس حدیث کے الفاظ میں اس احتمال کی بھی کافی گنجائش ہے کہ حضور (صلی اللہ علیہ وسلم) کا مطلب اس ارشاد سے صرف یہ ہو کہ جو کوئی ''لا الہ الا اللہ'' کی شہادت دے یعنی صدق دل سے دین توحید (اسلام) پر ایمان لائے اس کو خوشخبری دے دی جائے کہ وہ ضرور جنت میں جائے گا۔ اگرچہ گناہوں کی سزا پانے کے بعد ہی جائے' اس صورت میں کوئی اشکال نہیں رہتا۔

اس کے سوا ایک خاص نکتہ یہاں یہ بھی قابل ذکر ہے کہ مقربین بارگاہِ قدس پر بعض اوقات اللہ تعالیٰ کے بے پناہ قہر و جلال اور شان غضب و انتقام کا جب خاص انکشاف ہوتا ہے تو ان پر ہیبت اور خوف کا غلبہ ہو جاتا ہے اور اُس وقت کا ادراک و احساس یہ ہوتا ہے کہ شاید کسی بھی نافرمان کی نجات نہ ہو سکے گی اور اس خاص حال میں ان کے ارشادات اس طرح کے ہوتے ہیں کہ جو یہ گناہ کرے گا جنت میں نہیں جا سکے گا' جو وہ گناہ کرے گا' جنت کی ہوا بھی نہیں پا سکے گا' وغیرہ وغیرہ...... اور اسی طرح جب دوسرے بعض اوقات میں ان پر اللہ تعالیٰ کی شان رحمت اور اس کے بے حساب اور بے اندازہ فضل و کرم کا انکشاف ہوتا ہے تو ان پر رجاء اور اُمید رحمت کا غلبہ ہو جاتا ہے اور اس عالم میں ان کا ادراک و احساس یہ ہوتا ہے کہ جس میں کچھ بھی ذرہ خیر ہو گا وہ بخشا ہی جائے گا اور ایسے ہی احوال میں ان حضرات کی زبانوں سے اس طرح کی عام بشارتیں نکلتی ہیں۔

پس حدیث مندرجہ بالا کے بارے میں یہ بھی بہت زیادہ قرین قیاس ہے کہ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ جس وقت بنی النجار کے اس باغ میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے

پاس پہنچے ہوں تو اس وقت آپ اللہ تعالیٰ کی بے پایاں شئونِ رحمت اور تجلیات کرم کے مراقبے ومشاہدے میں مستغرق ہوں اور اسی حالت میں آپ نے حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو بطور نشانی اپنی نعلین مبارک عطا فرما کر ہر شاہد توحید کو جنت کی خوشخبری سنا دینے کا حکم دے دیا ہو لیکن حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ چونکہ اس پوری حقیقت کے راز داں اور ان احوال و کیفیات کے اُتار چڑھاؤ سے باخبر تھے اس لیے انہوں نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے براہِ راست مراجعت و تحقیق تک حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو اس کے اعلان عام سے روکا ہو۔ دوسرے طور پر اس کو یوں بھی کہا جا سکتا ہے کہ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ پر اس وقت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے قلب مبارک کی اس خاص کیفیت (یعنی غلبہ رجا و رحمت) کا انکشاف منجانب اللہ ہو چکا تھا اور ان کو اپنے نورِ فراست سے اس بات کا یقین تھا کہ جب آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم پر اس کیفیت کا غلبہ نہیں رہے گا اور اس اعلان کا دوسرا پہلو آپ کے سامنے رکھا جائے گا تو خود آپ اس کو منع فرما دیں گے۔ جیسا کہ ظہور میں آیا۔ اس طرح کے موافق پر صحیح حقیقت کا ادراک و انکشاف حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی امتیازی فضیلت ہے، جس کو حدیث نبویؐ میں ''مقام محدثیت'' سے تعبیر کیا گیا ہے۔

حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: ''دوزخ میں سے وہ سب لوگ نکال لیے جائیں گے جنہوں نے ''لا الہ الا اللہ'' کہا اور ان کے دل میں جَو کے دانے کے برابر بھی بھلائی تھی، پھر وہ لوگ بھی نکالے جائیں گے جنہوں نے ''لا الہ الا اللہ'' کہا اور ان کے دل میں گیہوں کے دانے کے برابر بھی بھلائی تھی اور اس کے بعد وہ لوگ بھی نکال لیے جائیں گے جنہوں نے ''لا الہ الا اللہ'' کہا اور اُن کے دل میں ذرہ برابر بھی بھلائی تھی۔'' (رواہ البخاری ومسلم)

تشریح: اس حدیث سے دو نہایت اہم باتیں جو اہل حق کے خاص اجماعی عقائد میں سے ہیں پوری صراحت اور صفائی کیساتھ معلوم ہو جاتی ہیں۔

ایک یہ کہ بہت سے لوگ کلمہ اسلام پڑھنے کے باوجود اپنی بداعمالیوں کے سبب دوزخ میں بھی ڈالے جائیں گے۔ اور دوسرے یہ کہ اگر ان کے دلوں میں خفیف سے خفیف اور ضعیف سے ضعیف حتیٰ کہ (حدیث کی تصریح کے مطابق) ذرہ برابر بھی ایمان ہوگا تو بالآخر وہ دوزخ

سے نکال لیے جائیں گے۔ یہ نہیں ہوسکتا کہ کوئی ادنیٰ سے ادنیٰ درجے کا مؤمن بھی کافروں کی طرح ہمیشہ دوزخ میں رہے۔ اگرچہ وہ اعمال کے لحاظ سے کیسا ہی فاسق وفاجر کیوں نہ ہو۔

ایمان کے بعد جان و مال معصوم و محفوظ

حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''مجھے حکم ہے کہ میں لوگوں سے اس وقت تک جنگ جاری رکھوں جب تک کہ وہ ''لا الہ الا اللہ'' کے قائل نہ ہو جائیں پس جو شخص لا الہ الا اللہ کا قائل ہو گیا اس نے اپنے مال اور اپنی جان کو محفوظ کرلیا' سوائے اس کے حق کے اور اس کا حساب اللہ کے سپرد ہے۔'' (بخاری ومسلم)

تشریح:...... حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے اس حدیث کی روایت اس مکالمہ کے ضمن میں آتی ہے جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات کے بعد ادائیگی زکوٰۃ سے انکار کرنے والے بعض قبائل کے خلاف جنگ کرنے کے بارے میں ان کے اور حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے درمیان ہوا تھا۔

اس حدیث میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اسلامی جنگ کے متعلق ایک نہایت اہم اور اصولی اعلان بھی فرمایا ہے اور وہ یہ کہ ہماری جنگ کا مقصد اس کے سوا کچھ نہیں کہ اللہ تعالیٰ کے بندوں کو اس کی بندگی کے رستے پر لگایا جائے اور ان کو عذاب ابدی سے نجات دلائی جائے۔ لہٰذا جو کوئی اللہ کے دین کو قبول کرلے اور اللہ ہی کی بندگی کا اقرار کر کے اُس کے مقرر کیے ہوئے طریقہ زندگی (دین اسلام) کو اپنا دین بنالے اس کے جان و مال کو ہماری طرف سے بالکل امن ہے۔

''اِلَّا بِحَقِّہٖ'' کا مطلب یہ ہے کہ البتہ اگر اس نے اسلام اختیار کرنے کے بعد کوئی ایسا جرم کیا کہ خود اللہ کے قانون کا تقاضا اُس کو جانی یا مالی سزا دینے کا ہوا تو خداوندی حکم کے مطابق اس کو سزا دی جائے گی اور ''لا الہ الا اللہ'' کہنے اور مسلمان کہلانے کی وجہ سے وہ اس قانونی سزا سے نہیں بچ سکے گا۔

''وَحِسَابُہٗ عَلَی اللّٰہِ'' کا مطلب یہ ہے کہ جو شخص کلمہ اسلام پڑھ کے اپنا ایمان لانا ہمارے سامنے ظاہر کرے گا ہم اس کو مؤمن اور مسلم تسلیم کر کے اس کے خلاف جنگ بند کردیں

گے اور اس کے ساتھ ایمان و اسلام ہی کا معاملہ کریں گے لیکن اگر فی الواقع اُس کی نیت میں کوئی برائی اور اس کے دل میں کوئی کھوٹ ہوگی تو اُس کا حساب آخرت میں اللہ تعالیٰ پر ہے جو ”عَالِمُ الْغَیْبِ اور عَلِیْمٌ بِذَاتِ الصُّدُوْر“ ہے۔ وہ ہی اُس سے حساب کرلے گا۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی یہ حدیث قریب قریب انہی الفاظ میں صحیح مسلم میں حضرت جابر رضی اللہ تعالیٰ عنہ اور طارق اشجعی رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے بھی روایت کی گئی ہے اور بعض دوسرے صحابہ کرام رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین نے اس مضمون کو کسی قدر تفصیل سے بھی روایت کیا ہے جس سے اس حدیث کے مضمون کی بھی اور زیادہ وضاحت ہو جاتی ہے، ہم ان میں سے بعض روایات ذیل میں درج بھی کرتے ہیں۔

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ ”مجھے حکم ہے کہ میں لوگوں سے اُس وقت تک جنگ جاری رکھوں جب تک کہ وہ ”لا الہ الا اللہ“ کی شہادت دیں اور مجھ پر اور جو ہدایت میں لے کر آیا ہوں اس پر ایمان لے آئیں، سو جب وہ ایسا کرلیں تو انہوں نے اپنے جان و مال کو مجھ سے محفوظ کرلیا' سوائے اس کے حق کے اور ان کا حساب اللہ کے سپرد ہے۔“ (مسلم)

حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ”مجھے حکم ہے کہ میں لوگوں سے جنگ جاری رکھوں' اس وقت تک کہ وہ اس بات کی شہادت ادا کریں (یعنی اس کا اقرار و اعلان کریں) کہ اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں اور محمد اللہ کے پیغمبر ہیں اور نماز قائم کرنے لگیں اور زکوٰۃ ادا کرنے لگیں۔ پس جب وہ یہ سب کچھ کرنے لگیں تو انہوں نے اپنے جان و مال کو مجھ سے محفوظ کرلیا سوائے حق اسلام کے اور ان کا حساب اللہ کے سپرد ہے۔“ (بخاری و مسلم شریف)

حضرت انس بن مالک رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ”مجھے حکم دیا گیا ہے کہ میں لوگوں سے جنگ جاری رکھوں' یہاں تک کہ وہ ”لا الٰہ الا اللہ“ کے قائل ہو جائیں۔ پس جب وہ ”لا الٰہ الا اللہ“ کے قائل ہو جائیں اور ہماری نمازیں پڑھنے لگیں اور (اپنی نمازوں میں) ہمارے قبلہ کی طرف رُخ کرنے لگیں اور ہمارا ذبیحہ کھانے لگیں تو ان کے خون اور ان کے مال ہم پر حرام ہو گئے سوائے اس کے حق کے اور ان کا حساب اللہ کے سپرد ہے۔“ (بخاری)

تشریح:..... اس حدیث میں شہادت توحید کے ساتھ نماز پڑھنے اور نماز میں قبلہ اسلام کی طرف رُخ کرنے اور اہل اسلام کا ذبیحہ کھانے کا ذکر بھی کیا گیا ہے۔ درحقیقت ان تمام چیزوں کا ذکر بھی بطور علامات اور نشانیوں ہی کے کیا گیا ہے اور اصل مقصد اس حدیث کا بھی احادیث مندرجہ بالا کی طرح صرف اتنا ہی ہے کہ ہماری جنگ جس کسی سے بھی ہے صرف دین کی خاطر اور لوگوں کو کفر و شرک کی گمراہی سے نکال کر راہِ حق پر لانے کے لیے ہے۔ پس جو لوگ بے راہ روی چھوڑ کر اللہ کی بتلائی ہوئی سیدھی راہ اختیار کر لیں اور دین حق کی دعوت کو قبول کر لیں، ان کے جان و مال سے تعرض کرنا ہمارے لیے حرام ہے اور چونکہ اس زمانہ اور اس ماحول میں ایمان واسلام کی ظاہری علامات یہی تھیں کہ آدمی مسلمانوں کے طریقے پر نماز پڑھنے لگے اور نماز میں کعبہ کی طرف رُخ کرنے لگے اور مسلمانوں کے ذبیحہ سے پرہیز نہ کرے اس لیے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے علامات ہی کے طور پر ان چیزوں کا بھی ذکر کر دیا ہے۔

مسلمان کسی گناہ اور بدعملی کی وجہ سے کافر نہیں ہو جاتا

حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ”تین باتیں اصول اسلام میں داخل ہیں، ایک یہ کہ جو شخص کلمہ لا الٰہ اِلا اللہ کا قائل ہو اس کے بارے میں زبان کو روکا جائے یعنی کسی گناہ کی وجہ سے اس کی تکفیر نہ کی جائے اور کسی بدعملی کی وجہ سے اس کو خارج از اسلام قرار نہ دیا جائے..... دوسری چیز (اصول اسلام میں سے) جہاد ہے وہ اس وقت سے جاری ہے، جب مجھے اللہ نے رسول بنا کر بھیجا اور اس آخری زمانہ تک جاری رہے گا جبکہ اس اُمت کا آخری طبقہ دجال سے جنگ کرے گا (مسلمانوں کے حکمران خواہ ظالم ہوں یا منصف، جہاد بہرحال جاری رہے گا) کسی ظالم حکومت کا ظلم اور عادل حکمران کا عدل اس کو ختم نہیں کرے گا اور (اصول اسلام میں سے تیسری چیز) تقدیر پر ایمان لانا ہے۔“ (ابوداؤد)

تشریح:..... اس حدیث میں تین باتوں کو اصول اسلام میں سے بتلایا گیا ہے اول یہ کہ کسی گناہ اور بدعملی کی وجہ سے کسی ایسے شخص کی تکفیر نہ کی جائے اور اس کے خارج از اسلام ہونے کا فتویٰ نہ دیا جائے جو کلمہ لا الٰہ اِلا اللہ کا قائل ہو۔ اس کے بارے میں ایک بات تو یہ ملحوظ رکھنے کی ہے کہ کلمہ لا الٰہ الا اللہ کے قائل ہونے کا مطلب وہی ہے جو پہلے

بھی بار بار بیان کیا جا چکا ہے یعنی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی دینی دعوت کو قبول کر کے مسلمان ہو جانا۔ پہلے بتلایا جا چکا ہے کہ عہد نبویؐ میں کلمہ لا الٰہ الا اللہ کا قائل ہو جانا' اسلام قبول کر لینے کا عنوان تھا' خود ہماری زبان اُردو میں بھی اسی محاورہ کے مطابق ''کلمہ پڑھ لینے'' کا مطلب اسلام قبول کر لینا سمجھا جاتا ہے۔

دوسری بات یہاں یہ قابل لحاظ ہے کہ اس حدیث میں کسی گناہ اور بد عملی کی وجہ سے ''کلمہ گو'' کی تکفیر سے منع فرمایا گیا ہے۔ گویا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے اس ارشاد کے ذریعے اُمت کو اس غلطی اور گمراہی سے بچانے کی کوشش فرمائی ہے جس میں معتزلہ اور خوارج مبتلا ہوئے' وہ صرف معاصی اور بداعمالیوں کی بناء پر بھی آدمی کو اسلام سے خارج قرار دیتے ہیں اور اہل سنت کا مسلک اس حدیث نبویؐ کے مطابق یہی ہے کہ کوئی مسلمان صرف اپنی بد عملی اور اپنے معاصی کی وجہ سے اسلام سے نہیں نکلتا اور کافر نہیں ہو جاتا۔

الغرض حدیث کے اس جز کا مقصد و مدعا یہی ہے کہ جب ایک شخص کلمہ پڑھ کر ایمان لے آیا اور اسلام کو اس نے اپنا دین بنا لیا تو اس کے بعد اگر اس سے گناہ سرزد ہوں اور وہ بداعمالیوں میں مبتلا دیکھا جائے تو صرف عمل کی اس خرابی کی وجہ سے اس کو کافر اور خارج از اسلام نہ قرار دیا جائے...... پس ایسے لوگوں سے اس حدیث کا کوئی تعلق ہی نہیں ہے جو کسی ایسی چیز کا انکار کر کے خود ایمان و اسلام کے دائرے سے نکل جائیں جس پر ایمان لانا مسلمان ہونے کی شرط ہے۔

اس حدیث میں جہاد کے متعلق فرمایا گیا ہے کہ میری بعثت سے لے کر وہ اس وقت تک جاری رہے گا جبکہ میری اُمت کا آخری طبقہ دجال کے خلاف جہاد کرے گا' کسی ظالم کا ظلم اور منصف کا عدل و انصاف اس کو ختم نہیں کرے گا۔ اس آخری فقرہ کا مطلب یہ ہے کہ اگر کسی وقت مسلمانوں کی حکومت کا نظام غلط ہاتھوں میں ہو اور حکمران غلط قسم کے اور ظالم ہوں' تب بھی جہاد ساقط نہ ہوگا اور کسی کے لیے یہ عذر کرنا صحیح نہ ہوگا کہ ہم ان غلط کار حاکموں کی ماتحتی میں جہاد نہیں کریں گے بلکہ حکومت پر تسلط خواہ اچھوں کا ہو یا بروں کا بہرحال ان کی ماتحتی میں جہاد کرنا ہوگا۔

ایمان کے منافی اخلاق و اعمال

بہز بن حکیم اپنے والد حکیم کے واسطے سے اپنے دادا معاویہ بن حیدہ قشیری سے روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ ''غصہ ایمان کو ایسا خراب کر دیتا ہے جیسے کہ ایلوا شہد کو خراب کر دیتا ہے۔'' (شعب الایمان للبیہقی)

تشریح:...... درحقیقت غصہ ایسی ہی ایمان سوز چیز ہے جب آدمی پر غصہ سوار ہوتا ہے تو اللہ کی مقرر کی ہوئی حدود سے وہ تجاوز کر جاتا ہے اور اس سے وہ باتیں اور وہ حرکتیں سرزد ہوتی ہیں جو اس کے دین کو برباد کر دیتی ہیں اور اللہ کی نظر سے اُس کو گرا دیتی ہیں۔

اوس بن شرحبیل سے روایت ہے کہ انہوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے سنا' آپ صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے تھے کہ جو شخص کسی ظالم کی مدد کے لیے اور اس کا ساتھ دینے کے لیے چلا اور اُس کو اس بات کا علم تھا کہ یہ ظالم ہے تو وہ اسلام سے نکل گیا۔ (رواہ البیہقی فی شعب الایمان)

تشریح:...... جب ظلم کا ساتھ دینا اور ظالم کو ظالم جانتے ہوئے اس کی کسی قسم کی مدد کرنا اتنا بڑا گناہ ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ایسے شخص کو اسلام سے نکل جانے والا قرار دیا ہے تو سمجھا جا سکتا ہے کہ خود ظلم ایمان و اسلام کے کس قدر منافی ہے اور اللہ و رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے نزدیک ظالموں کا کیا درجہ ہے۔

حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ ''مؤمن لعن طعن کرنے والا نہیں ہوتا اور نہ فحش گو اور بدکلام ہوتا ہے۔'' (ترمذی و شعب الایمان للبیہقی)

تشریح:...... مطلب یہ ہے کہ بدکلامی اور فحش گوئی اور دوسروں کے خلاف زبان درازی' یہ عادتیں ایمان کے منافی ہیں اور مسلمان کو ان سے پاک ہونا چاہیے۔

حضرت صفوان بن سلیم سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے عرض کیا گیا کہ کیا مسلمان بزدل ہوسکتا ہے؟ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ہاں! (مسلمان میں یہ کمزوری ہوسکتی ہے) پھر عرض کیا گیا کیا مسلمان بخیل ہوسکتا ہے؟ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ہاں! (مسلمان میں یہ کمزوری بھی ہوسکتی ہے) پھر عرض کیا گیا' کیا مسلمان کذاب (یعنی بہت جھوٹا) ہوسکتا ہے؟ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: نہیں! (یعنی ایمان کے ساتھ بیباکانہ جھوٹ کی ناپاک عادت جمع نہیں ہوسکتی اور ایمان جھوٹ کو برداشت نہیں کرسکتا۔ (مالک و بیہقی)

تشریح:...... مطلب یہ ہے کہ بخل اور بزدلی اگرچہ بری عادتیں ہیں لیکن یہ دونوں انسان کی کچھ ایسی فطری کمزوریاں ہیں کہ ایک مسلمان میں بھی یہ ہوسکتی ہیں لیکن جھوٹ کی عادت میں اور ایمان میں ایسی منافات ہے کہ یہ ایک ساتھ جمع نہیں ہوسکتے۔

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: نہیں زنا کرتا کوئی زناکار' جس وقت وہ زنا کرتا ہے اور وہ اس وقت مؤمن ہو اور نہیں چوری کرتا کوئی چور جس وقت وہ چوری کرتا ہے اور وہ اس وقت مؤمن ہو اور نہیں شراب پیتا کوئی شرابی جبکہ وہ شراب پیتا ہے اور وہ اُس وقت مؤمن ہو اور نہیں لوٹتا لوٹ کا کوئی مال کہ لوگ اس کی طرف آنکھیں اُٹھا اُٹھا کر اس کی لوٹ مار کو دیکھتے ہوں جبکہ وہ لوٹتا ہے اور وہ اس وقت مؤمن ہو اور نہیں خیانت کرتا خیانت کرنے والا جبکہ وہ خیانت کرتا ہے اور وہ اُس وقت مؤمن ہو۔ پس (ایمان والو! ان منافی ایمان حرکات سے) اپنے کو بچاؤ! بچاؤ! (بخاری و مسلم)

یہ حدیث بخاری و مسلم ہی میں حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی روایت سے بھی آئی ہے اور اس میں زنا' چوری' شراب نوشی' لوٹ مار اور خیانت کے علاوہ قتل ناحق کا بھی ذکر ہے یعنی اس میں ان الفاظ کا اور اضافہ ہے: "وَلَا يَقْتُلُ حِيْنَ يَقْتُلُ وَهُوَ مُؤْمِنٌ" (یعنی نہیں قتل کرتا کوئی قتل کرنے والا کسی کو جبکہ وہ قتل کرتا ہے اور وہ اُس وقت مؤمن ہو) (بخاری و مسلم)

تشریح:...... مطلب یہ ہے کہ زنا' چوری' شراب نوشی' قتل و غارت گری اور خیانت' یہ سب حرکتیں ایمان کے قطعاً منافی ہیں اور جس وقت کوئی شخص یہ حرکتیں کرتا ہے اُس وقت اس کے دل میں ایمان کا نور بالکل نہیں رہتا' یہ مطلب نہیں ہے کہ وہ اسلام کے دائرہ سے

بالکل نکل کر کافروں میں شامل ہو جاتا ہے...... خود امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ نے اس حدیث کی وضاحت کرتے ہوئے فرمایا ہے:

''ان گناہوں کا کرنے والا جس وقت کہ یہ گناہ کرتا ہے اُس وقت وہ پورا مؤمن نہیں ہوتا اور اس میں ایمان کا نور نہیں رہتا۔''

اس طرح کہ احادیث کا مطلب صرف یہ ہوتا ہے کہ یہ شخص اس حقیقی ایمان سے محروم اور بے نصیب ہے جو مسلمانوں کی اصلی شان ہے اور جو اللہ کو محبوب ہے اور اس کے لیے نحوی ترکیب میں ''کاملاً'' یا ''تاماً'' جیسے الفاظ مقدر ماننے کی بالکل ضرورت نہیں بلکہ ایسا کرنا ایک قسم کی بدذوقی ہے، ہر زبان کا یہ عام محاورہ ہے کہ اگر کسی میں کوئی صفت بہت ناقص اور کمزور درجہ کی ہو تو اُس کو کالعدم قرار دے کر اس کی مطلق نفی کر دی جاتی ہے خاص کر دعوت و خطابت اور ترغیب و ترہیب میں یہی طرزِ بیان زیادہ موزوں اور زیادہ مفید مطلب ہوتا ہے۔

مثلاً یہی حدیث ہے جس میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے زنا اور چوری اور خونِ ناحق وغیرہ گناہوں کے بارے میں ارشاد فرمایا کہ ''ان کا کرنے والا جس وقت یہ ناپاک کام کرتا ہے وہ اس وقت مؤمن نہیں ہوتا۔'' اگر بجائے اس کے آپ یوں فرماتے کہ ''اُس وقت اُس کا ایمان کامل نہیں ہوتا'' تو اس میں کوئی زور اور وزن نہیں ہوتا اور ترہیب و تخویف جو حدیث کا مقصد ہے وہ بالکل فوت ہو جاتا یا مثلاً پہلے یہ حدیث گزر چکی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اپنے اکثر خطبات میں ارشاد فرمایا کرتے تھے کہ ''لَا اِیْمَانَ لِمَنْ لَا اَمَانَۃَ لَہٗ وَلَا دِیْنَ لِمَنْ لَا عَھْدَ لَہٗ'' (جس میں امانت نہیں، اُس میں ایمان نہیں اور جس میں عہد کی پابندی نہیں اس کا دین میں حصہ نہیں) اب اگر بجائے اس کے صریح الفاظ میں یہ فرمایا جاتا کہ ''جس میں امانت نہیں وہ مؤمن کامل نہیں اور جو عہد کا پابند نہیں وہ پورا دیندار نہیں'' تو ظاہر ہے کہ اس میں وہ زور اور اثر بالکل نہ ہوتا جو حدیث کے موجود الفاظ میں ہے۔ بہر حال دعوت و موعظت اور انذار و ترہیب جو ان حدیثوں کا اصل مقصد ہے اس کے لیے یہی طرز بیان صحیح اور زیادہ موزوں و خوبصورت ہے۔

وسوسے پر مواخذہ نہیں

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے

فرمایا: اللہ تعالیٰ نے میری اُمت سے دل کے برے خیالات اور وسوسوں کو معاف کر دیا ہے ان پر کوئی مواخذہ نہ ہوگا جب تک اُن پر عمل نہ ہو اور زبان سے نہ کہا جائے۔ (بخاری ومسلم)

تشریح:...... انسان کے دل میں بعض اوقات بڑے گندے خیالات اور خطرات آتے ہیں اور کبھی کبھی منکرانہ اور ملحدانہ سوالات و اعتراضات بھی دل و دماغ کو پریشان کرتے ہیں' اس حدیث میں اطمینان دلایا گیا ہے کہ یہ خیالات اور وساوس جب تک کہ صرف خیالات اور وساوس ہیں' ان پر اللہ تعالیٰ کی طرف سے کوئی مواخذہ نہیں ہے' ہاں! جب یہی خیالات' خطرات و وساوس کی حد سے بڑھ کر اُس شخص کا قول یا عمل بن جائیں تو پھر اُن پر مواخذہ اور محاسبہ ہوگا۔

حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں ایک شخص حاضر ہوا اور عرض کیا کہ: ''کبھی کبھی میرے دل میں ایسے برے خیالات آتے ہیں کہ جل کر کوئلہ ہو جانا مجھے اس سے زیادہ محبوب ہے کہ میں اُن کو زبان سے نکالوں؟'' آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: ''اللہ کی حمد اور اس کا شکر ہے جس نے اس کے معاملہ کو وسوسہ کی طرف لوٹا دیا ہے۔'' (ابوداؤد)

تشریح:...... مطلب یہ ہے کہ یہ غمگین اور فکرمند ہونے کی بات نہیں بلکہ اس پر اللہ کا شکر کرو کہ اُس کے فضل و کرم اور اس کی دستگیری نے تمہارے دل کو اُن برے خیالات کے قبول کرنے اور اپنانے سے بچا لیا ہے اور بات وسوسہ کی حد سے آگے نہیں بڑھنے دی ہے۔

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے اصحابؓ میں سے کچھ لوگ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئے اور آپؐ سے دریافت کیا کہ ہمارا حال یہ ہے کہ بعض اوقات ہم اپنے دلوں میں ایسے برے خیالات اور وسوسے پاتے ہیں کہ اُن کو زبان سے کہنا بھی بہت برا اور بہت بھاری معلوم ہوتا ہے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: کیا واقعی تمہاری یہ حالت ہے؟ انہوں نے عرض کیا' ہاں! یہی حال ہے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ: یہ تو خالص ایمان ہے۔ (مسلم)

تشریح:...... مطلب یہ ہے کہ کسی شخص کی یہ کیفیت کہ وہ دین و شریعت کے

خلاف وساوس سے اتنا گھبرائے اوران کو اتنا برا سمجھے کہ زبان سے ادا کرنا بھی اس کو گراں ہو، یہ خالص ایمانی کیفیت ہے۔

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: تم میں سے کسی کسی کے پاس شیطان آتا ہے اور کہتا ہے کہ فلاں چیز کو کس نے پیدا کیا؟ فلاں چیز کو کس نے پیدا کیا؟ (یہاں تک کہ یہی سوال وہ اللہ کے متعلق بھی دل میں ڈالتا ہے کہ جب ہر چیز کا کوئی پیدا کرنے والا ہے تو پھر) اللہ کا پیدا کرنے والا کون ہے؟ پس سوال کا سلسلہ جب یہاں تک پہنچے تو چاہیے کہ بندہ اللہ سے پناہ مانگے اور رُک جائے۔ (بخاری ومسلم)

تشریح:...... مطلب یہ ہے کہ اس قسم کے وسوسے اور سوالات شیطان کی طرف سے ہوتے ہیں اور جب شیطان کسی کے دل میں اللہ تعالیٰ کے متعلق یہ جاہلانہ اور احمقانہ سوال ڈالے تو اُس کا سیدھا اور آسان علاج یہ ہے کہ بندہ شیطان کے شر سے اللہ کی پناہ مانگے اور خیال کو اُس طرف سے پھیر لے یعنی اس مسئلہ کو قابل توجہ اور لائق غور ہی نہ سمجھے اور واقعہ بھی یہی ہے کہ اللہ جب اُس ہستی کا نام ہے جس کا وجود اُس کی ذاتی صفت ہے اور جو تمام موجودات کا وجود بخشنے والا ہے اس کے متعلق یہ سوال پیدا ہی نہیں ہوتا۔

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ: لوگوں میں ہمیشہ فضول سوالات اور چون و چرا کا سلسلہ جاری رہے گا یہاں تک کہ یہ احمقانہ سوال بھی کیا جائے گا کہ اللہ نے سب مخلوق کو پیدا کیا ہے تو پھر اللہ کو کس نے پیدا کیا ہے؟ پس جس کو اس سے سابقہ پڑے وہ یہ کہہ کر بات ختم کر دے کہ اللہ پر اور اس کے رسولوں پر میرا ایمان ہے۔ (بخاری ومسلم)

تشریح:...... مطلب یہ ہے کہ مؤمن کا رویہ ان سوالات اور وساوس کے بارے میں یہ ہونا چاہیے کہ وہ سوال کرنے والے آدمی سے یا وسوسہ ڈالنے والے شیطان سے اور اپنے نفس سے صاف کہہ دے کہ اللہ اور اس کے رسولوں پر ایمان کی روشنی مجھے نصیب ہو چکی ہے اس لیے میرے لیے یہ سوال بالکل قابل غور نہیں جس طرح کسی آنکھوں والے کے لیے یہ سوال قابل غور نہیں کہ سورج میں روشنی ہے یا نہیں؟

ایمان واسلام کیا ہے؟

سفیان بن عبداللہ ثقفی سے روایت ہے کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے عرض کیا کہ: ''یارسول اللہ! (صلی اللہ علیہ وسلم) اسلام کے بارے میں مجھے کوئی ایسی جامع اور شافی بات بتائیے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد پھر میں کسی سے اس بارے میں کچھ نہ پوچھوں؟ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: کہو میں اللہ پر ایمان پر لایا اور پھر پوری طرح اور ٹھیک ٹھیک اس پر قائم رہو۔'' (مسلم شریف)

تشریح:...... مطلب یہ ہے کہ اللہ ہی کو اپنا الٰہ اور رب مان کر اپنے کو بس اُس کا بندہ بنادو اور پھر اس ایمان اور عبدیت کے تقاضوں کے مطابق ٹھیک ٹھیک چلنا اپنی زندگی کا دستور بنالو' بس یہی کافی ہے۔

یہ حدیث ''جوامع الکلم'' میں سے ہے' رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے جواب کے ان دولفظوں میں اسلام کا پورا خلاصہ آ گیا ہے۔ ''ایمان باللہ اور اُس پر استقامت'' ہی اسلام کی غرض و غایت بلکہ اس کی روح ہے۔ ''ایمان باللہ'' کا مطلب تو کتاب کے بالکل شروع میں حدیث جبرئیل علیہ السلام کی تشریح میں بیان کیا جاچکا ہے اور استقامت کے معنی ہیں بلاافراط وتفریط اور بغیر کسی کجی اور انحراف کے اللہ کی مقرر کی ہوئی ''صراط مستقیم'' پر قائم رہنا اور ہمیشہ اُس کی ٹھیک ٹھیک پیروی کرتے رہنا۔ گویا تمام اوامر ونواہی اور جملہ احکام خداوندی کے صحیح مکمل اور دائمی اتباع کا نام استقامت ہے اور ظاہر ہے کہ بندوں کے لیے اس سے آگے کوئی مقام نہیں' اسی سے بعض اکابر صوفیہ نے فرمایا ہے:

اَلۡاِسۡتِقَامَةُ خَيۡرٌ مِنۡ اَلۡفِ كَرَامَةٍ. (یعنی استقامت ہزاروں کرامتوں سے بہتر اور بالاتر ہے۔)

بہرحال استقامت وہ چیز ہے کہ اس کی تعلیم کے بعد کسی اور سبق کے لینے کی ضرورت نہیں رہتی اور بس وہی انسان کیلئے کافی ہے۔ قرآن مجید میں بھی کئی جگہ انسان کی سعادت اور فلاح کو ایمان باللہ اور استقامت ہی سے وابستہ کیا گیا ہے۔ ان میں سے ایک آیت یہ ہے:

إِنَّ الَّذِيۡنَ قَالُوا رَبُّنَا اللّٰهُ ثُمَّ اسۡتَقَامُوا فَلَا خَوۡفٌ عَلَيۡهِمۡ وَلَا هُمۡ يَحۡزَنُونَ ۝ أُولٰٓئِكَ أَصۡحَابُ الۡجَنَّةِ خَالِدِيۡنَ فِيۡهَا جَزَآءًۢ بِمَا كَانُوۡا يَعۡمَلُوۡنَ (الاحقاف ۴۶: ۱۳' ۱۴)

''بیشک جن لوگوں نے کہا کہ ہمارا رب اللہ ہی ہے (اور ہم اسی کے بندے ہیں) اور پھر وہ اس پر مستقیم رہے تو انہیں کوئی خوف وخطر نہیں اور نہ اُن کو رنج وغم ہوگا وہ سب جنتی ہیں' اپنے اعمال کے بدلہ میں وہ جنت ہی میں ہمیشہ رہیں گے۔''

بلکہ "اِرْجَاعُ اَلسُّنَّةِ اِلَی الْکِتَاب'' کے اصول پر کہا جا سکتا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے سفیان بن عبداللہ ثقفی کو یہ جواب شاید ایسی ہی آیات کی روشنی میں دیا ہوگا۔

حضرت تمیم داری سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: دین نام ہے ''خلوص اور وفاداری'' کا۔ ہم نے عرض کیا کہ کس کے ساتھ خلوص اور وفاداری؟ ارشاد فرمایا: اللہ کے ساتھ' اللہ کی کتاب کے ساتھ' اللہ کے رسول کے ساتھ' مسلمانوں کے سرداروں' پیشواؤں کے ساتھ اور ان کے عوام کے ساتھ۔ (مسلم)

تشریح:...... یہ حدیث بھی ''جوامع الکلم'' میں سے ہے۔ امام نووی رحمۃ اللہ علیہ نے لکھا ہے کہ کل مقاصد دین کو یہ حدیث جامع ہے اور اس پر عمل کر لینا گویا دین کے پورے منشاء کو ادا کر دینا ہے کیونکہ دین کا کوئی شعبہ اور کوئی گوشہ ایسا نہیں ہے جو اس حدیث کے مضمون سے باہر رہ گیا ہو۔ اس اجمال کی تفصیل یہ ہے کہ اس حدیث میں اللہ' کتاب اللہ' رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم' آئمہ اُمت و پیشوایان ملت اور عوام مسلمانوں کے ساتھ خلوص و وفاداری کو دین بتلایا گیا ہے اور یہی کل دین ہے کیونکہ اللہ کے ساتھ اخلاص و وفاداری کا مطلب یہ ہے کہ اُس پر ایمان لایا جائے' ممکن حد تک اُس کی معرفت حاصل کی جائے' اس کے ساتھ انتہائی محبت کی جائے' اُس کی اطاعت وعبادت کی جائے' اُس کے ساتھ کسی کو شریک نہ کیا جائے اور مالک ومقتدر جانتے ہوئے اُس سے ڈرا جائے' غرض پورے اخلاص ووفا کے ساتھ عبدیت کا حق ادا کیا جائے۔

اور کتاب اللہ کے ساتھ وفاداری یہ ہے کہ اُس پر ایمان لایا جائے' اس کا حق عظمت ادا کیا جائے' اس کا علم حاصل کیا جائے' اس کا علم پھیلایا جائے' اس پر عمل کیا جائے۔

علیٰ ہذا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ خلوص ووفا یہ ہے کہ اُن کی تصدیق کی

جائے، تعظیم وتوقیر کی جائے، ان سے ان کی تعلیمات اور اُن کی سنتوں سے محبت کی جائے اور دل وجان سے اُن کی پیروی وغلامی میں اپنی نجات سمجھی جائے۔

اور آئمہ مسلمین (یعنی مسلمانوں کے سرداروں اور پیشواؤں، حاکموں اور رہنماؤں) کے ساتھ خلوص ووفاداری یہ ہے کہ اُن کی ذمہ داریوں کی ادائیگی میں اُن کی مدد کی جائے، ان کے ساتھ نیک گمان رکھا جائے اور اگر اُن سے کوئی غفلت اور غلطی ہوتی نظر آئے تو بہتر طریقہ پر اُس کی اصلاح اور درستگی کی کوشش کی جائے، اچھے مشوروں سے دریغ نہ کیا جائے اور معروف کی حد تک اُن کی بات مانی جائے۔

اور عام مسلمانوں کے ساتھ خلوص ووفا یہ ہے کہ اُن کی ہمدردی وخیر خواہی کا پورا پورا خیال رکھا جائے، اُن کا نفع اپنا نفع اور ان کا نقصان اپنا نقصان سمجھا جائے، جائز اور ممکن خدمت اور مدد سے دریغ نہ کیا جائے۔ الغرض علیٰ فرق مراتب ان کے جو حقوق عظمت و شفقت اور خدمت وتعاون کے مقرر ہیں اُن کو ادا کیا جائے۔

اس تفصیل سے ہر شخص سمجھ سکتا ہے کہ یہ حدیث کس طرح پورے دین کو حاوی ہے اور دین کے تمام شعبوں کو اِن مختصر لفظوں میں کس طرح ادا کر دیا گیا ہے اور اس پر صحیح طور سے عمل کرنا گویا پورے دین پر عمل کرنا ہے۔

ایمان سیکھنا ضروری ہے

حضرت جی کاندھلوی رحمہ اللہ اپنے خطبات میں فرماتے ہیں۔

سب سے بڑی مایہ جس کے حاصل کئے بغیر انسان کی زندگی خطرات میں گھری ہوئی ہے۔ وہ ہے ایمان کا سیکھنا۔ اپنے یقینوں کو موڑنا۔ اول تو ایمان کے بغیر عمل قبول نہیں ہوں گے۔ اور دوسرے ایمان کے بغیر عمل پر استقامت حاصل نہیں ہوتی۔ اس کا ثمرہ بھی مرتب نہیں ہوگا۔ یا بہت سے بہت اگر جما بھی رہا تو اس کا ثمرہ مرتب نہیں ہوگا۔ یہی وجہ ہے کہ لوگ اپنے ایمانوں کی طرف متوجہ نہیں۔ تبلیغ میں لگیں کم، جمیں کم اور جب کرنی آجائے تو گھروں پر جا کر بیٹھ جائیں۔ یقین نہیں سیکھا، عمل سیکھ لیا۔ سب سے پہلے حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ایمان سکھایا۔ ایمان سکھا کر عمل کا سلسلہ قائم کیا گیا۔ یہاں لوگ ایمان نہیں سیکھتے عمل سیکھ لیتے ہیں۔ اچھے سے اچھے عمل موجود لیکن دنیا میں جوتیاں کھا رہے ہیں۔ چاہے دنیا ترقی میں کہیں پہنچ گئی ہے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے لائے ہوئے عمل ان سب نقشوں کو گرانے کی طاقت رکھتے ہیں، ہم نے ایمان نہ سیکھا۔ نہ اس کا داعیہ، نہ کوئی فکر، تبلیغ میں دو قسم کے آدمی نکلے۔ ایک تو کمائی والے، کمائی میں سے نہ نکلیں گے، اپنی کمائی کے اردگرد چکر کاٹتے رہیں گے۔ دس دن کو دیکھا کمائی سے فرصت کا موقعہ ہے تو دس دن کو آ گیا۔ یقین ایک خاص شکل کے ساتھ ہے۔ اس یقین کو باقی رکھتے ہوئے نماز پڑھنے کو، روزہ رکھنے کو، حج کرنے کو، تبلیغ تعلیم، ذکر کرنے کو تیار ہیں۔ ایمان سیکھنے کو تیار نہیں، ایمان کے بغیر عمل ایسا جیسے بغیر کرنٹ کے بجلی کا تار،

ایمان بغیر عمل بگاڑ پیدا کرتا ہے

آج شیطان عمل سے زیادہ نہیں روکتا، عمل اگر اس نے کر ہی لیا تو کیا خوش فہمی

پیدا ہوگی ۔اگر عمل کرلیا تو میری قسم تیار ہوگی ۔ایسے بنیں گے جو راندۂ درگاہ ہوں ۔عمل سے آدمی کو بگاڑنے کی کوشش کرتا ہے۔آدمی کے پاس ایمان کی قوت نہ ہوتو عمل سے بگڑے ہے۔عمل کیا، بڑائی پیدا ہوگئی ، شہرت کا جذبہ آ گیا ، یہ عمل منہ پر کھینچ کر مارا جائے گا۔حضورؐ نے فرمایا: سب سے پہلے آخرت میں تین آدمی پیش ہوں گے، ایک پڑھا ہوا، صدقہ اور خیرات کرنے والا اور شہید، ہم نے تجھے قرآن دیا تھا تو نے کیا کیا تھا؟ آپ نے جو قرآن دیا تھا میں نے خوب عمل کیا، رات کو نماز پڑھتا تھا دن کو ویسے نماز پڑھتا تھا۔ جھوٹ بولتا ہے،تو نے بڑا بھاری بزرگ بننے کے واسطے کیا، نیت ٹھیک نہیں تھی ، نیت غیر کی تھی ۔ اگر یقین ٹھیک ہوتا تو نیت بھی ٹھیک ہوتی ۔ حدیثوں میں آیا ہے عمل صرف اللہ کی رضا کے لئے ہوتو قبول ہوتا ہے۔یقین کمزور ہے تو نیت غیر اللہ کی بن جاوے گی ۔ اس کے پاؤں پکڑ کر اٹھایا جائے گا۔اور جہنم میں ڈال دیا جائیگا۔ یہ ہیں پڑھے لکھے عمل کرنے والے جنہوں نے اللہ کے غیر کیلئے عمل کیا۔ (دوسرا کہے گا) اے اللہ میں نے خوب مدرسوں میں، خانقاہوں میں پیسہ لٹایا۔ (جواب دیا جائے گا) لوگوں نے تجھے سخی کہہ لیا، میرے پاس تیرے لئے کچھ نہیں ہے، تیسرے نمبر پر وہ (ہوگا) جو خود خدا کے راستہ میں نکلتا تھا، کبھی جان کی بھی پرواہ نہیں کی ۔

یہ تین آدمی ہیں جن سے دوزخ کو سب سے پہلے بھرا جائے گا۔جنہوں نے (کمزور ایمان کے ساتھ) عمل کئے ،ان کا یہ حشر بنے گا (اور) جنہوں نے (ایمان) حاصل نہیں کیا اور عمل بھی نہیں کئے تو ان کو تو بغیر پوچھے دوزخ میں ڈال دیا جائے گا۔خدا کی باتوں پر یقین آجائے گا تو اس کے اوپر سب کچھ ملے گا،علم آ گیا،عمل نہیں آیا تو دوزخ۔علم نہ آیا عمل نہ آیا تو دوزخ ، اور اگر علم آ گیا اور عمل بھی کرلیا (لیکن) یقین نہ آیا تو دوزخ۔ اول تو جنت (صرف) ایمان پر ملے گی ،شرک والوں کے مقابلہ میں ایمان سے چمکایا جائے گا عمل سے نہیں ۔اصل چیز سیکھنے کی ہے، ایمان، اور یہ ایمان سیکھنے کو تیار نہیں۔

ایک تو کمانے والے (جن کا) پورا یقین اپنی کمائی پر ہے۔ دوسرا طبقہ وہ ہے جو کماتا نہیں ، زبان سے کہیں کہ اللہ دیویں۔ کسی نہ کسی پر یقین رکھیں کہ فلاں کردے گا۔ تبلیغ تو

خوب ہو رہی، اندر سے ٹٹولو تو اس کے دل کے اندر گوبر بھرا ہوا ہوگا۔ ایمان کے لئے علم، ایمان ہی کے لئے ہے نماز، روزہ، حج، زکوٰۃ۔

مرنے والے سے پہلا سوال

آخر میں یہ ہے کہ جو آدمی ایمان پر مرے گا وہ جائے گا جنت میں۔ آخر کی دعا بھی یہ ہے کہ "جسے زندہ رکھے عملوں پر زندہ رکھ، اور مارے تو ایمان پر مار" (یہ دعا) مرنے والے کے لئے نہیں مانگتے، اپنے لئے مانگتے ہیں، مرنے والا تو مر گیا۔ اس کی دعا تو یہ ہے اللّٰھم اغفر لحیینا۔ مرنے والا ایمان پر مرا یا شرک پر مرا یہ تو اللہ ہی جانے۔ قبر میں جاتے ہی یہ سوال ہوگا کہ تیرا پالنے والا کون ہے؟ آدمی اپنے ذہن میں جس سے پلا ہو اس کی ہر وقت رعایت کرے۔ زمیندار کے ذہن میں یہ بیٹھا ہوا ہے کہ میں زمیندارے سے پلوں گا۔ چاہے کتنا ہی سمجھالو، بارش ہوگئی، بغیر کھیتی کے پلتے نہیں۔ کھیتی بغیر بیل کے نہیں، بیل بغیر پیسہ کے نہیں، سود پر قرضہ لیا، بیل خرید لیا، زمینداروں کی اکثریت آج ایسی ہی ملے گی۔ کھیتی سے نہیں پلتا، اللہ پالتے ہیں۔ جس کا یقین ہوگا اللہ سے ملنے کا قرضہ نہ ملا تو وہ بیل خریدنے کا ارادہ نکال دے گا۔ بٹائی پر دے دے گا۔ یا وہ کام کرے گا جس سے بیل کے بغیر کام چل جائے۔ جھلی بھی ڈھو سکتا ہے۔ جس کا یقین یہ ہے کہ زمیندارے سے چل رہا ہوں وہ سود بھی لے لے ہے، رشوت بھی دے ہے، جھوٹے بیان بھی دے ہے، مرا یہ آدمی، مرتے ہی پہلا سوال (ہوگا) کہ تیرا پالنے والا کون ہے؟ کمانے والے یا نہ کمانے والا بھی۔ کوئی ضرورت آ کر پڑے گی (یوں کہیں گے) پیر صاحب یوں کر دیں گے، منشی جی یوں کر دیں گے، مرتے ہی پوری زندگی کا خلاصہ پوچھ لیا کہ بتا تیرا پالنے والا کون ہے؟ اگر یہ یقین لے کر گیا کہ خدا پالتا ہے، نہ کمائی سے، نہ کسی شکل و صورت سے پلنے کا تعلق اگر ساری دنیا میں کوئی نہ ہو تو بھی اللہ مجھے پالیں گے۔ تو جھٹ کہہ دے گا کہ میرے پالنے والے اللہ ہیں۔ اگر دل میں نہیں تو زبان سے کیسے نکلے گا۔ مشق کر کے دل میں یہ بات لے گیا کہ بالکل کہیں سے نہیں پلتا۔ نہ دکان سے نہ کھیتیوں سے، اس کے لئے تیاریاں بھی کیں، کمائی کی پرواہ نہ کی، آدمیوں پر نگاہ نہ ڈالی، جان پر تکلیفیں اٹھائیں، اور محنت کرتے کرتے وقت گزار دیا۔ ہر حکم کو پورا کیا، کمایا تو جھوٹ نہیں بولا، سود نہیں دیا، رشوتیں نہیں دیں، آبروریزی نہ

کی۔اللہ کا حکم پورا کروں گا اللہ پالیں گے۔ بوائی کے وقت آواز لگادی تو اسی وقت دوڑ گیا۔ کوئی صورت نہیں بنی پلنے کی۔ جہاں گیا سب نے جھنڈی دکھادی۔ مولوی نے، پیر نے، منشی جی نے جھنڈی دکھادی۔ اللہ پالنے والے ہیں۔ سب کو چھوڑ کر چل دیا۔ اللہ زمین پھاڑ کر دے دے گا۔ جس کا اپنے پلنے کے بارے میں غیر اللہ سے یقین ٹوٹ جائے، خدا سے یقین جڑ جائے تو یہ ایمان والا بنے گا۔ جب یہ تیاری کر کے جائے گا تو کہہ دے گا کہ اللہ ہی پالنے والے۔ حضورؐ اچھی طرح بتا گئے صاف صاف۔ جاتے ہی پوچھیں گے کہ تیرا رب کون ہے؟ دیکھنا رٹنے سے جواب نہیں دے سکے گا۔ دل میں رکھنے سے جواب دے سکے گا۔ جب کہہ دیا کہ اللہ پالنے والے ہیں، اچھا یہ بتلاؤ جب اللہ پالنے والے تھے تو تم نے اللہ سے پلنے کے واسطے کیا طریقہ اختیار کیا؟ برادری کا طریقہ اختیار کیا تھا، انڈین یونین کے طریقہ پر پلا کرتا تھا، امریکہ، روس نے جوں بتایا تھا یوں پلتا تھا، یہ تو کہہ نہ سکے گا کیونکہ اس کی پٹائی ہو رہی ہے۔ ہاہا کرے گا۔

دوسرا سوال

(پھر پوچھا جائے گا) بتاؤ اِن آدمی کو کیا کہو؟ پیسے آگئے تو ایسی کوٹھی بنائیں گے جیسی فلاں نے بنائی، جن کی زبان پر جان و مال خرچ کرنے میں غیر چڑھے ہوئے تھے وہ نہ کہہ سکے گا کون ہیں؟ جن کی زبان پر حضورؐ چڑھے ہوئے تھے وہ کہہ سکے گا کہ یہ ہمارے نبی پاکؐ ہیں۔ علم پر زبان نہیں بولے گی۔ ایمان و عمل پر بولے گی۔ خشوع کی تقریر ہو رہی ہے، خشوع کا پتہ نہیں۔ خدمت خلق کی تقریر ہو رہی ہے، خدمت خلق کا پتہ نہیں، بے ایمان کی ایمان پر تقریر ہو، ایک یہودی، مشرک، بت پرست ملحد خدا پر تقریر کر سکتا ہے، نصرانی وزراء، ہندو پنڈت، اللہ اور اللہ کے رسولؐ پر، اسلام پر خوب بول جاویں ہیں۔ حضورؐ کے مانے بغیر بھی حضورؐ پر تقریر ہو سکتی ہے۔ یقین کی علامت بولنا نہیں ہے، آج غیر مسلم بھی بول رہے ہیں، ان کا بولنا ان کے منہ پر مار دیا جائے گا۔ ایک کوڑی، ایک ذرہ نہیں ملے گا۔

یقین پیدا کرنا

ساری بات ایمان سیکھنا ہے۔ یقین موڑنے میں وہ یقین پیدا کرنا ہے جو محمدؐ لے کر

آئے۔ اللہ اکبر، اللہ بہت ہی بڑے ہیں۔ ساتوں زمین وآسمان کے ایک حکم کے مقابلہ میں مچھر کے برابر نہیں، عرش، فرش، کرسی، سب ٹوٹ کر گر جائیں۔ ایک حکم سے اس سب سے زیادہ بنا کر دکھلا دیں۔ ان کا ان کے ان کے مقابلہ میں ایک ذرہ کی حیثیت نہیں رکھتا۔ اللہ عزت دینے میں، ذلت دینے میں، اللہ پیدا کرنے میں بہت بڑے ہیں۔ اللہ معطی، اللہ اکبر، اللہ اکبر، رنج دینے میں بہت بڑے ہیں، غم لانے میں بہت بڑے ہیں۔ پٹائی لائیں تو ایسی پٹائی لائیں کہ تم تصور نہ کرسکو۔ ایک آدھ بات میں نہیں، ہر بات میں بڑے ہیں، چھیننے میں بہت بڑے ہیں، تصور نہ کرسکو کیا چھین سکتے ہیں۔ جھکانے پر آئیں تو تمہارے جھکانے میں بہت بڑے۔ مسلط کرنے پر آئیں تو چیونٹی کو اس طرح مسلط کردیں کہ یہ ایٹم والے کبھی نہ کرسکیں۔ بڑے بہت ہیں۔ لا الٰہَ اِلَّا اللہ۔ جو جو کچھ کرنے میں بڑے ہیں اس میں ان کو غیر کی ضرورت نہیں۔ ان سب کے بغیر جو چاہیں گے کردیں گے۔ ہر چیز کے پہلے کو قدرت سے بغیر اس کی جنس کے بنایا تھا۔ ساتوں زمین وآسمان کے بغیر جو چاہیں بنادیں۔ چیزوں کے بغیر چیزیں بنادیں، چیزوں کے بغیر عزت بنادیں۔ پہلے یوں کہا، اللہ بہت بڑے۔

درحقیقت اللہ ہی سب سے بڑا ہے

بڑائیوں کو اگر ایک دوسرے کی چلے جاؤ۔ چیونٹی اپنے بچوں سے بڑی ہے، چلتے چلتے اسرافیلؑ تک لے جاؤ، طاقت کے اعتبار سے شکل کے اعتبار سے جبرئیلؑ کا قد ساتوں زمین وآسمان جتنا بڑا ہے۔ نیچے سے لے کر چھوٹے سے بڑے ہوتے چلے گئے۔ مقابلہ میں بڑائی چھوٹائی غیروں کے اعتبار سے بولی جاتی ہے۔ خدا کے اعتبار نہیں بولی جاتی۔ حقیقت کے اعتبار سے ایک اللہ بڑے ہیں اور سارے چھوٹے ہیں۔ یہ جو کچھ تمہارے سامنے ہے یہ سب کچھ بڑے سے ہوا ہے چھوٹے سے نہیں ہوا۔ انبیاءؑ جتنے ہوئے یہ اس بڑے ہوئے اور کسی سے نہیں ہوئے۔ بڑے نے اسرافیلؑ کو ایسی طاقت والا بنایا سب کے بغیر محض اپنی قدرت سے، یہ حالات جو تم دنیا میں دیکھ رہے ہو یہ حالات اسی بڑے نے بنائے ہیں۔ آخر میں کیا کہیں اللہ اکبر اللہ اکبر۔ لا الہ الا اللہ۔ ایک دن وہ بڑا اپنی بڑائی کو توڑنے پر لائے گا

کوئی بھی نہ رہے گا۔ وہ اکیلا رہ جائے گا۔ یہ یقین بنانا ہے۔ سب کی بڑائی دل سے نکل جائے۔ میرا تو بہت بڑا زمیندارہ ہے میں کیسے جاؤں۔ شیطان کہیں کے تو اس زمیندارہ کو بڑا کہہ رہا ہے۔ ساتویں زمین و آسمان بھی بڑے نہیں۔ تو اس صدر وزیر کو بڑا کہہ رہا ہے۔ یہاں تو وہ ملک الموت بھی بڑا نہیں جو ان سب کی جان ایک وقت میں نکال لے۔ لوگوں کو بڑا کہہ رہا ہے یہاں تو اسرافیلؑ بھی بڑا نہیں۔

صرف ایک بڑائی دل میں بیٹھاؤ

اپنے جتنے مسئلے ہیں (ان کے) چاروں طرف سلسلے جا رہے ہیں۔ جب (ایک) سلسلہ کو دیکھنا شروع کرو گے بڑا لمبا چوڑا دکھائی دے گا۔ تو کروں میں، آقاؤں میں جاؤ، خارجہ میں ، داخلہ میں جاؤ بڑا سلسلہ ہے۔ زمین و آسمان خود ہی چھوٹے ہیں۔ (اسی طرح) ان کے اندر کے سارے سلسلے چھوٹے ہیں۔ اپنی محنت سے یقین موڑنا ہے۔ ساتوں زمین و آسمان سے یقین موڑنا ہے۔ اللہ کی بڑائی دل میں بٹھلاؤ۔ ہمیں اللہ اکبر، لا الہ الا اللہ، سبحان اللہ، الحمدللہ آجائے۔ (بس) ایک کی بڑائی دل میں بیٹھ جائے۔ (باقی) اور (سب) چھوٹے۔

اللہ کے علاوہ سے ہوتا نہیں۔ اللہ اکبر جب آیا جب جو چیز سامنے آئی۔ بہت بڑی کوٹھی (دیکھی) تو کہہ زمین و آسمان بھی بڑا نہیں کوٹھی سے کیا ہوگا۔

تعریفیں اللہ کی طرف لوٹتی ہیں

سبحان اللہ۔ میرا خدا عاجز ہونے سے پاک ہے۔ ضعف سے ہر نا مناسب سے پاک ہے۔ اللہ پاک ہے اس سے کہ پیسے کا، مکان کا پابند ہو۔

جو کچھ تو نے نبیؐ میں دیکھا (یا اس کی تعریف کی) اس کی تعریف خدا کی طرف لوٹے گی۔ نبیؐ میں جو کچھ نظر آتا ہے خدا نے رکھا ہے۔ حفاظت تیرے مکان سے نہیں ہوئی اس کی تعریف اللہ کی طرف جائے گی۔ سارے قرآن کا خلاصہ ہے کلمہ سوئم۔ اللہ کی بڑائی کا بیان ہے قرآن میں، نبی بہت چھوٹے ہیں۔ اللہ بہت بڑے ہیں۔ محمد صلی اللہ علیہ وسلم میں جو تم ہدایت دیکھتے ہو وہ ہدایت محمدؐ نے نہیں دی ہے۔ خدا نے رکھی ہے۔ برزخ میں دیکھنا کیا کیا کرے گا۔ حشر

میں دیکھنا کیا کیا کرے گا۔ جنت میں دوزخ میں دیکھنا کیا کیا کرے گا۔ ابھی کیا دیکھا ہے۔ بھونرے میں ہو، خدا کی قدرت کے تماشے اور شکلیں دیکھنا آگے کیا کیا آئیں گی۔

اعمال کا چیزوں سے مقابلہ

اب یقین دیکھنا۔ یقین کے بنانے کے واسطے عمل دیئے گئے ہیں۔ عملوں میں مقابلہ چیز کا رکھ دیا گیا۔ مقابلہ کے درجات رکھ دیئے گئے۔ نماز مقابلہ ہے کمائیوں سے، گھریلو کاموں سے، معاشرت کے کاموں سے، روزہ حج بھی مقابلہ ہے۔ خدا کے راستہ کی نقل و حرکت، ایمان کی، دین کی محنت بھی مقابلہ ہے۔ دنیا کے جو رائج نظام میں نقشے ہیں یہ پانچوں چیزیں مقابلہ ہیں ان سے نکل کر۔ جتنا انسان ان پانچ کے لئے نقشوں سے نکلے گا اتنا ایمان آئے گا۔ جس درجہ کا مقابلہ کرو گے اتنا ایمان تمہارا قوی ہوگا۔ ایک آدمی نماز کے واسطے پندرہ منٹ لگائے۔ مقابلہ کیا پندرہ منٹ۔ روزہ رکھ کر سارے کام کرتا رہا۔ یہ مقابلہ بہت چھوٹے درجہ میں ہے۔ ہوائی جہاز سے ۱۵ دن میں حج کر کے آ گیا، پندرہ دن کا مقابلہ رہا۔ زکوٰۃ کے لئے ۲۵۰ روپے دے گیا، کہیں لگا دینا۔ تھوڑی مقدار میں مقابلہ ہوا، ایمان تھوڑا سا آئے گا۔ ایک مقابلہ ہوگا، مالہٗ ماعلیہ۔ سیکھنے کے واسطے پورا وقت دیا۔ حج کی معلومات کیں۔ غیبت چھوڑ، جھوٹ چھوڑ، گالی بکنا ختم کر، ایثار کی عادت ڈال۔ نماز کی تعلیم کی، ذکر کی مشق کی، جنت کا تصور باندھنے کی مشق کی، حج کا علم حاصل کرنے کی مشق کی۔ دو چار ماہ پہلے سے تیاری میں وقت لگایا۔ ۴ (چار) ماہ حج میں لگائے۔ اب مقابلہ بن گیا۔ صرف حج کرنے سے مقابلہ نہ بنا۔ ساری چیزیں معلوم کرنے میں اور پھر اس عمل کرنے میں وقت لگے لگا۔ قصور معاف کرائے۔ غیبت معاف کرائی، نماز پر وقت لگایا، نفع نقصان سیکھے۔ سود چھوڑے گا، غیبت چھوڑے گا تو نماز قبول ہوگی۔ کسی نماز کو دو گھنٹے کسی نماز کو اڑھائی گھنٹے لگے، جتنا نماز کی محنت پر آتا چلا گیا، ایمان بڑھتا چلا گیا۔ خدا کی بڑائی دل میں بیٹھے گی، جتنا نماز کی محنت میں وقت زیادہ لگے گا۔ نماز کے بارے میں بیٹھ کر سننا اور یقین کو اس کے مطابق بنانا۔

سب سے بڑا مقابلہ

سب سے بڑا مقابلہ تبلیغ سے بنتا ہے۔ حج کا وقت مقرر۔ رمضان کا وقت مقرر

ہے۔نماز کا وقت مقرر ہے۔ پہلے سے انتظار کرلے گا۔اچانک مقابلہ آکر پڑے گا،جس کی پہلے سے کچھ خبر نہیں وہ ہے تبلیغی مقابلہ، حج کے اعتبار سے ترتیب لگا لے گا۔اصل مقابلہ جو آکر پڑے گا (کہا جائے گا کہ) تبلیغ میں چل اللہ ہمیں پالنے والے ہیں۔ سارے انتظام جس میں ٹوٹیں گے۔ادھر بچہ بیمار ہو رہا ہے۔چھت ہو رہا ہے۔ دیوار ٹوٹ رہی ہے۔ جماعت بن گئی ہے،اس کا سنبھالنے والا کوئی نہیں۔تو چلا جا۔اس طرح کہے گا تبلیغ تو ہو جائے ایمان نہ آئے۔اس طرح کہہ دے کہ کل کو چلا جاؤں گا تو کعبؓ جیسا حال بن جائے گا۔ وہ تو بدر جیسا حال بنادیں گے۔اچانک لاکر بات ڈالیں گے۔ منشی جی میرے بیونت نہیں۔میری تو طبیعت خراب ہو رہی ہے۔اب ایمان نہ پیدا ہوگا۔ اگر کمانے والا ہے تو کوئی اور اگر کمانے والا نہیں ہے تو تیری ساخت پر زد پڑے گی۔ مقابلہ آئے گا۔ جب اللہ کی بات کرنے میں پڑ جائے تو کوئی چیز دیکھنے کی ہے نہیں۔وہی کرنے والا ہے۔میری ترکیب وتدبیر سے نہیں چلتے اللہ ہی پالتے ہیں۔سواری نہیں تھی بغیر سواری کے چل دیئے، بے شک یہ بڑا اعتماد والا ہے جس پر زد پڑی۔اللہ خوش ہوں گے۔کائنات کے نقشے کے مقابلہ سے آئے گا ایمان۔ یہ ہیں خارجی

داخلی مقابلے

خارجی مقابلہ کرنا آجائے تو داخلی مقابلہ پڑے گا۔اس کمائی میں سود نہ ہو۔اس وقت سود پرلیں تو پچاس ہزار بن جائیں گے۔بغیر سود کے پانچ سو بنیں تو وہ لینے ہیں۔پانچ ہزار پر لات مارنی ہے۔مقابلہ پڑے گا،تھوڑی سی رشوت دے دوں تو دس بیگھہ سے پچاس بیگھہ بن جائیں تو رشوت نہیں دینی اس واسطے کہ اللہ ناراض ہو جائیں گے۔پیسے ہاتھ میں آگئے تو پھر مقابلہ، کوٹھیاں یوں کہیں گی تو بھی ایسی ہی بنا۔ مجھے یہ سارے نقشے نہیں بنانے۔ مجھے حضرت محمدؐ کے حکم پر جان و مال کو خرچ کرنا ہے۔چپہ چپہ پر مقابلہ ہے۔پھر ایمان میں بھی کمال،اعمال میں بھی رہتی دنیا تک عزت قائم رہے گی۔ جب اللہ عزت دیں گے تو اللہ بہت بڑے ہیں۔ جب اللہ ذلت دیں گے تو اللہ بہت بڑے ہیں۔حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی عزت آج تک چل رہی ہے آخرت میں باقی رہنے والا نقشہ ہوگا۔اگر یہ راستہ سیکھنا

ہے تو مقابلہ کے واسطے تیار ہو جاؤ، زندگی کے اندر اپنے ایمان سیکھنے کے لئے اپنے اپنے نقشے کے مقابلہ کے لئے تیار ہو جاؤ۔ (خطبات حضرت جی)

دل میں اللہ کی بڑائی

حضرت جی مولانا محمد یوسف کاندھلوی رحمہ اللہ اپنے خطبات میں فرماتے ہیں۔

جب اللہ کی بڑائی سے دل تمہارا ابھر جائے تو بڑے بڑے بہادروں کے دل لرز جائیں گے، شیر اور اژدھا اور ہتھیاروں والے لرز جائیں گے۔ ہر ایک چھوٹا نظر آئے، ساتوں آسمان چھوٹے نظر آئیں، اس کی بڑائی کے آگے انبیاءؑ چھوٹے نظر آئیں، ہمارے آگے بڑے ہیں، اللہ کے آگے بہت چھوٹے ہیں، وہ نبیوںؑ میں بڑے ہیں، حضور صلی اللہ علیہ وسلم جتنی باتوں کے اعتبار سے ہمارے بڑے ہیں، اللہ رب العزت جتنا ہمارے بڑے ہیں اتنے ہی اعتبارات سے محمدؐ کے بڑے ہیں۔ چیونٹی، مچھر، مکوڑا، شیر، پہاڑ، آسمان ایک دوسرے سے بڑے چھوٹے ہیں۔ انبیاءؑ کی بڑائی، مخلوقات سے بڑے ہیں لیکن خدا کی ذات کے مقابلہ میں ان کی کوئی حیثیت نہیں۔ دم مارنے کی طاقت نہیں، نبیوںؑ کی بڑائی اس طرح کی نہیں کہ خدا کے محاذات میں کہیں آویں۔ جیسے خدا کے مقابلہ میں ہم چھوٹے ہیں، سارے نبیؑ اسی طرح اللہ کے مقابلہ میں چھوٹے ہیں۔ باپ کسی بیٹے کی بات کو بہت سنتا ہے، بہت سے بچے ہیں۔ خدا کے ساتھ میں ویسی چھوٹائی کا تعلق ہے، ایسے چھوٹے ہیں کہ جو اللہ سے مانگتے ہیں وہ دے دیتے ہیں، وہ بڑے ہیں اسی لئے کہ انہوں نے اپنے آپ کو چھوٹا مان لیا، جیسے حضرت عیسیٰؑ کے بارے میں عیسائیوں نے کہا کہ یہ اتنے بڑے ہیں کہ خدا کی جنس سے ہو گئے نہیں بھائی اللہ قادر ہیں، اللہ خالق ہیں، یہ مخلوق ہے، ایک آدمی اپنی لکڑی آگ میں ڈال دے، کہو گے بڑا ظالم ہے؟ نہیں بھائی۔ اللہ اگر چاہیں تو سارے نبیوںؑ کو آگ میں ڈال دیں، یہ سب خدا کی ملک ہے۔ پہلی بات جو ہمیں دی گئی، اپنی پرورش و حفاظت کے واسطے اللہ کی بڑائی کو لے کر در در پھرو۔ صحابہؓ نے کام اسی کو بنا لیا۔ اللہ بہت بڑے ہیں، اللہ کے کہنے کے مطابق چلو گے تو بہت بڑے منافع سے نوازیں گے اور اللہ کا کہنا نہ مانا تو بہت بڑے نقصانات بھگتنے پڑیں گے۔ (خطبات حضرت جی)

اللہ کی پہچان

معرفت کیلئے تین چیزیں ضروری ہیں:

(۱)صحبت اہل اللہ (۲) کثرت ذکر اللہ (۳) تفکر فی خلق اللہ

صحبت اہل اللہ

کومقدم اس لئے رکھا جاتا ہے کہ اللہ والوں کی صحبت ہی سے اللہ تعالیٰ کی یاد کا شوق پیدا ہوتا ہے ان کی صورت دیکھ کر اللہ یاد آ جاتے ہیں ان کی نورانی گفتگو سے اللہ تعالیٰ کی محبت پیدا ہوتی ہے اور محبت سے ذکر کی توفیق ہوتی ہے۔

فقر خواہی آں بصحبت قائم است.........نہ زبانت کاری آید نہ دست

یعنی حق تعالیٰ کا راستہ صحبت ہی سے طے ہوتا ہے نہ محض زبان کام آتی ہے نہ ہاتھ کام آتا ہے اسی واسطے حق تعالیٰ جل شانہٗ نے قرآن پاک میں فرمایا ہے کہ "اے ایمان والو اللہ سے ڈرو" اب سوال پیدا ہوا کہ ڈریں کیسے ڈرنے کا طریقہ کیا ہے اس کا جواب بھی حق تعالیٰ نے اسی آیت میں آگے دیدیا کہ کونوا مع الصادقین کہ سچوں کے ساتھ رہ پڑو جن کا ظاہر اور باطن دونوں خدا کے خوف سے سچے ہوں ان کی صحبت کی برکت سے ان کا صدق فی الاعمال اور ان کا صدق فی المقال تمہارے اندر بھی آجائے گا، یعنی ان کا اندر باہر ایک ہو جو کہتے ہوں اس پر عمل پیرا ہوں۔

کس طرح فریاد کرتے ہیں بتا دو قاعدہ
اے اسیران قفس میں نو گرفتاروں میں ہوں

تو حق تعالیٰ نے کیسا پیارا قانون بتادیا کہ اللہ والوں کے ساتھ رہو خربوزے کو دیکھ کر خربوزہ رنگ پکڑ لیتا ہے اللہ والوں کے ساتھ رہنے اور ان سے تعلق اور رابطہ رکھنے سے اللہ تعالیٰ سے تعلق پہلے سے زیادہ ہو جاتا ہے۔

کثرت ذکر اللہ

دوسری چیز ہے یعنی اللہ تعالیٰ جل شانہ کو بہت یاد کرنا اللہ تعالیٰ کے ذکر کو تفکر فی الخلق (یعنی اللہ کی مخلوق میں غور وفکر) کے انوار سے نفس کے ظلماتی پردے ہٹتے چلے جاتے ہیں ذکر کے انوار جب دل میں آتے ہیں تو دل کی تاریکیاں انوارات سے بدل جاتی ہیں، پہلے جب دل تاریک تھا تو افکار (سوچیں) بھی تاریک ہوتے تھے اب نورانی دل میں افکار بھی نورانی پیدا ہوتے ہیں، ذکر سے فکر کا جمود (بجھنا) دور ہو جاتا ہے، چوتھے پارہ میں حق تعالیٰ نے حضرات صحابہ رضوان اللہ علیہم اجمعین کی محبت کاملہ اور عبدیت کاملہ کا ذکر کیا ہے وہاں بھی پہلے یذکرون اللہ ذکر فرمایا کہ وہ لیٹے بیٹھے چلتے پھرتے اللہ تعالیٰ کا ذکر کرتے ہیں پھر بعد میں فکر ارشاد فرمایا کہ وَيَتَفَكَّرُوْنَ فِيْ خَلْقِ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ کہ وہ آسمانوں اور زمین کی پیدائش میں غور وفکر کرتے ہیں اور یوں کہتے ہیں کہ ''اے ہمارے پروردگار! یہ آسمان بے ستون آسمان میں چاند اور سورج اور اتنے بے شمار ستارے اور زمین کے اتنے بے شمار ذرات کا اکٹھا کر دینا آپ ہی کی قدرت کاملہ کی صفت گری ہے''۔

بہرحال کثرت ذکر کے انوارات سے ان کی سمجھ ایسی نورانی ہوگئی جس سے اپنی غلامی اور بندگی کا اور حق تعالیٰ کی عظمت شان کا استحضار پختہ ہوگیا یہی وجہ ہے کہ عارفین باوجود کثرت ذکر وفکر کے عجب اور خود بینی میں مبتلا نہیں ہوتے بلکہ ڈرتے رہتے ہیں اور کہتے ہیں کہ ''یارب! ہمیں دوزخ کے عذاب سے بچا'' کثرت ذکر سے طالب کے اندر جو نور پیدا ہوتے ہیں وہ شیخ کے انوار و برکت کو جذب کر لیتے ہیں یعنی نور کھینچنے کی صلاحیت ذکر کے اہتمام سے ہی حاصل ہوتی ہے۔

تفکر فی خلق اللہ

(۱) صحبت اہل اللہ سے کثرت ذکر اللہ کی توفیق ہوتی ہے۔ (۲) اور کثرت ذکر اللہ کی

برکت سے فکر حرکت میں آتی ہے۔ (۳) پھر ذاکر حق تعالیٰ کی مصنوعات اور مخلوقات میں غور کرتا ہے اور جہان کا ہر ذرہ ہر پتہ اس کے لئے معرفت کا دفتر بن جاتا ہے۔

ذکر سے زیادہ فکر سے قرب بڑھتا ہے مگر فکر میں نورانیت ذکر ہی سے آتی ہے، حدیث میں ہے کہ ''فکر کا اجر ذکر سے دس درجہ زیادہ ملتا ہے'' اس کی تائید سورہ قمر کی آخری آیات سے بھی ہوتی ہے کہ ''بے شک متقین بندے باغوں میں ہونگے یا عمدہ مقام میں قدرت والے بادشاہ کے پاس'' بیان القرآن میں ہے کہ جنت کے ساتھ قرب بھی نصیب ہوگا، جب تقویٰ کی یہ برکات ہیں تو تقویٰ (ڈر) کیسے پیدا ہو، غور کرنے سے معلوم ہوتا ہے کہ فکر ہی سے پیدا ہوتا ہے، اس کی تائید سورہ نازعات کی آیت سے بھی ہوتی ہے، حق تعالیٰ جل شانہ ہمیں ان تینوں چیزوں پر عمل کی توفیق دے آمین ثم آمین یارب العلمین۔ (یکے از مضامین حضرت ڈاکٹر حفیظ اللہ رحمہ اللہ۔ شمارہ نمبر 34)

ایمان کا بچاؤ.. کان اور دل و دماغ کی حفاظت

کان کی حفاظت بہت ضروری ہے، بعض لوگ کہتے ہیں کہ آخر اس میں کیا حرج ہے کہ دوسرے کی بات سن تو لینی چاہئے، حالانکہ یہ نہایت خطرناک بات ہے کہ بعض دفعہ کان میں کوئی ایسی بات پڑ جاتی ہے جس سے ایمان خطرے میں پڑ جاتا ہے، کان کے راستہ سے جو بات جاتی ہے وہ بھی دل میں جاتی ہے، آنکھ سے دیکھ کر جو تاثرات مرتب ہوتے ہیں وہ دل پر مرتب ہوتے ہیں اور کان کی سنی ہوئی بات وہ بھی دل میں پہنچتی ہے اس کا بہت خیال رکھنا چاہئے۔

حضرت مسیح الامت مولانا مسیح اللہ صاحبؒ فرمایا کرتے تھے بعض آدمی کہتے ہیں کہ ہم تو اس کان سے سنتے ہیں اس کان سے نکال دیتے ہیں فرمایا: یہ بھی کوئی عقل مندی کی بات ہے؟ کہ اس کان سے سنا اور اس یہاں سے اس بات کو گزارتے گزارتے پھر یہاں سے اس کو نکالا، ارے! سننے ہی کی کیا ضرورت ہے، کیسی عجیب بات ارشاد فرمائی کہ کان میں داخل ہی کیوں ہونے دیا جائے یہاں سے وہاں تک گذاری تو سہی، گزرنے ہی کیوں دیا جائے؟

آپ فرمایا کرتے تھے جس طرح سننا اختیاری ہے اسی طرح نہ سننا بھی اختیاری ہے، بہر حال کان کی حفاظت بہت ضروری ہے، حضرت حاجی محمد فاروق صاحبؒ نے اپنے مواعظ میں ایک عبرت انگیز واقعہ بیان فرمایا کہ شاہ عبدالعزیز محدث دہلویؒ کے زمانہ میں گمراہ ملنگوں کا ایک ٹولہ تھا دہلی کے قریب، اور جو بھی ان کے پاس جاتا کم بخت اس کو ایسا مسخر کرتے تھے کہ وہ چار ابرو کا صفایا کر لیتا تھا، سر بھنویں، داڑھی، مونچھ ان کو چار ابرو کہتے ہیں ایک مولوی صاحب نے کہا کہ میں جا کر ان کو تہس نہس کر دوں گا، ایسی بات سناؤں گا کہ سب توبہ کر لیں گے ورنہ میں ان کا ڈٹ کر مقابلہ کروں گا، شاہ عبدالعزیز صاحب محدث دہلویؒ نے منع فرمایا کہ تم نہ جاؤ تمہارا کام نہیں ہے، بڑوں کی بات مان لینی چاہئے، دیکھئے

بڑوں کی بات ماننے میں بڑی بھلائی ہے اب بتایئے اس زمانہ کا بھی مولوی نہیں ہے بلکہ اس وقت کا جب کہ دہلی میں خانوادہ ولی اللہ ہی غالب تھا کیسے کیسے حضرات اس وقت تھے لیکن وہ مولوی صاحب نہیں مانے چلے گئے وہاں پہنچے اور دیکھتے ہی اس گمراہ ملنگ نے کہا اچھا تو بھی آ گیا ہے چل چارابرو کا صفایا کر، اور بیٹھ ان کے ساتھ، بس اتنا کہا اس کی آواز کان میں پہنچی اور وہ مولوی صاحب سب کچھ بھول گئے اور وہاں ان کے یہاں جو نائی اس گمراہ ملنگ کی طرف سے بیٹھا رہتا تھا اس کام کیلئے، اس نے ان کی داڑھی مونڈھی، مونچھیں مونڈھیں بھنویں مونڈھیں، سر کے بال مونڈھ کر چارابرو کا صفایا کرے ان ملنگوں میں شامل کر دیا، شاہ عبدالعزیز صاحب محدث دہلویؒ کو عین اس وقت کشف ہوا اور اپنے درس میں فرمایا کہ میں نے منع کیا تھا ان مولوی صاحب کو کہ تم نہ جانا، تمہارے بس کی بات نہیں ہے، ایسا نہ ہو کہ تم بھی انہیں میں شامل ہو جاؤ مجھے ابھی ابھی منجانب اللہ معلوم ہوا ہے کہ چار ابرو کا صفایا کر کے وہ مولوی صاحب بھی گمراہ ملنگوں میں شامل ہو گئے ہیں۔

اسی طرح ہر کس و ناکس کی کتاب بھی نہیں دیکھنی چاہئے، بعض دفعہ تو ایسی ایسی باتیں سننے میں آتی ہیں جو دل میں اتر جاتی ہیں اور شکوک وشبہات دل و دماغ کو ستاتے ہیں، بعض لوگ مطالعہ کے شوقین ہوتے ہیں، ہر کس و ناکس کی کتابوں کا مطالعہ شروع کر دیتے ہیں اور خیال ہوتا ہے کہ کوئی بات نہیں ہر کتاب کو دیکھنا چاہئے تا کہ معلوم ہو کہ کون کیا لکھتا ہے؟ اور اپنے پاس صحیح اسلامی معلومات ہوتی نہیں تو پھر نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ اسلام پر اعتراضات شروع ہو جاتے ہیں۔ الامان والحفیظ۔

ہمارے ایک بزرگ حضرت صوفی بشیر محمد صاحب رحمہ اللہ جنہوں نے اکابر اولیاء کی طویل صحبت اٹھائی تھی، ان کو اخیر عمر میں کسی ملنے والے نے ایک گمراہ شخص کی تصنیف بھجوادی تھی جو بظاہر اسلامی کتاب تھی، حضرت صوفی صاحبؒ فرماتے تھے کہ گھر میں آ گئی تھی اس لئے کہیں کہیں سے دیکھ لیا، جس کا نتیجہ یہ ہوا کہ آخری دنوں میں فرماتے تھے کہ ان پڑھی ہوئی باتوں کا یہ اثر ہوا کہ غلط غلط وساوس آتے ہیں، اسی لئے حضرت حکیم الامت تھانویؒ نے اپنی خاص نصیحتوں میں فرمایا:

(۱) غیر مسلک، غیر مشرب لوگوں کی مجالس میں نہ جایا کریں اور نہ غیر کی کتابیں دیکھیں۔

(۲) آپ نے فرمایا اسلام کی تعریف میں لکھی ہوئی کسی غیر مسلم کی کتاب بھی نہ دیکھو کیونکہ اس کی تحریر میں اس کے کفر کی ’’ظلمات‘‘ بھری ہوئی ہوتی ہیں۔

(۳) بعض لوگ اسلامی تعلیمات جدید انداز میں اسلاف کی تعبیروں سے ہٹ کر خود رائی کرتے ہیں ان کے متعلق آپ ارشاد فرماتے ہیں ’’ایسے لوگوں کی تحریریں جو بظاہر بہت خوبصورت ہوتی ہیں لیکن ان کی مثال ایسی ہے جیسے گوبر کے اوپر مٹھائی‘‘ اس لئے ایسی کتابوں سے بچئے، اور اپنے بزرگوں کے مشورہ سے کتاب کا مطالعہ کیجئے ان شاء اللہ برکت ہوگی اور دور حاضر کے فتنوں سے حفاظت ہوگی‘‘۔ اللہ پاک ہم سب کو اسلاف کے طریقوں پر چلنے کی توفیق عطا فرمائیں۔ (آمین) (شمارہ نمبر 28)

تقدیر پر ایمان لانا فرض ہے...... سمجھنا فرض نہیں

حکیم الاسلام قاری محمد طیب صاحب رحمہ اللہ فرماتے ہیں۔

حکما سورج کو ٹکٹکی لگا کر دیکھنے سے روکتے ہیں، آخر سورج کو اس طرح دیکھنے کو کیوں منع کرتے ہیں کیا آپ کے اندر دیکھنے کی قوت نہیں بلکہ وہ اس لئے منع کرتے ہیں کہ اگر سورج کو ٹکٹی لگا کر دیکھو گے تو آنکھ کی بینائی ختم ہو جائے گی کیونکہ تمہاری آنکھ میں آفتاب کو دیکھنے کی تحمل نہیں ہے، اسی طرح بعض علوم اتنے دقیق ہوتے ہیں کہ ہر کس و ناکس کی سمجھ میں نہیں آسکتے، اس لئے ان میں پڑنے سے روکا جاتا ہے، انہیں میں مسئلہ تقدیر ہے اگر اس میں پڑو گے تو ایمان کا خطرہ ہے، بالاجمال تقدیر پر ایمان لانا فرض ہے مگر اس کی تفصیل معلوم کرنا شرعاً مطلوب نہیں ہے، بالاجمال تقدیر کا مسئلہ عقلی ہے اسلام کے علاوہ کون سا مذہب ہے جو تقدیر پر بحث نہیں کرتا، تقدیر کے معنی ربط حادثات بالقدیم کے ہیں، یعنی مخلوق کو اللہ کے ساتھ کیا ربط ہے، دوسرے ادیان نے اس ربط کو بیان نہیں کیا یہ صرف اسلام کی خصوصیت ہے کہ اسلام نے اس ربط کو معقول کر کے دکھلایا مگر دوسروں نے دباؤ سے منوایا، لہٰذا جب یہ مسئلہ مشکل ہے تو اس میں کیوں پڑتے ہو اس میں پڑنے سے اسلام نے ممانعت کر دی ہے، لہٰذا یہ کہنا کہ تقدیر کا مسئلہ سمجھ اور عقل میں نہیں آتا ہم کہتے ہیں کہ تمہاری عقل ہی کتنی بڑی ہے جو یہ مسئلہ سمجھ سکے مثلاً ہزار آدمیوں میں نو سو پچاس تو نابینا ہیں اور پچاس بینا یعنی آنکھ والے ہیں اب اگر سارے

بینا کسی کے بارے میں اتفاق کرلیں کہ یہ چیز تو ہے ہی نہیں کیونکہ ہماری نظر میں نہیں آرہی ہے تو کیا ان کا یہ کہنا صحیح ہوگا ہرگز نہیں بلکہ یہی کہا جائے گا کہ پہلے اپنی اپنی نظروں کا علاج کرلو خرابی تو اپنے اندر ہو اور اس کو ڈال دیں سائل پر یہ کون سی انصاف کی بات ہے۔

تقدیر کا مسئلہ عقلی ہے

سائل کو تو اس طرح سوال کرنا چاہئے کہ اگر تقدیر کا مسئلہ عقلی ہے تو وہ کس درجے تک عقلی ہے کیونکہ عقلی مسئلہ تو ہم بھی سمجھ سکتے ہیں تو پھر سائل کو سمجھایا جائے گا کہ جب آپ خالق سے رابطہ قائم کریں گے تو اس رابطے کو سمجھنے کی کوشش کریں گے اسکے سمجھنے کی ایک صورت تو یہ ہے جس کو فلاسفہ نے سمجھا ہے کہ حق تعالیٰ مخلوق کو پیدا کر کے فارغ ہو گئے اب آپ مختار کل ہیں اب ان کا کوئی واسطہ نہیں رہا اور نہ ان کے اندر یہ قدرت ہے کہ آپ کے افعال میں تصرف کرسکیں، آپ خود ہی اپنے افعال کے خالق ہیں اگر آپ نے ایسا ہی سمجھا تو حق تعالیٰ کی ذات میں ایسا نقص مانا کہ جس سے توحید باقی نہیں رہتی اور اگر آپ نے یوں سمجھا کہ سب کچھ اللہ تعالیٰ ہی کے اختیار میں ہے بندے کو تو کسی قسم کا اختیار اللہ تعالیٰ نے دیا ہی نہیں تو اس سے عدل خداوندی میں تہمت لازم آئے گی اور ذات حق پر اعتراض ہوگا کہ جب بندہ مجبور ہے اور اس کو کوئی اختیار ہی نہیں ہے تو گناہ پر سزا دینا یہ بندے کو مجبور کرنا ہے گناہ بھی وہی کرائیں اور سزا بھی وہی دیں یہ کون سا عدل ہے تو اس عدل خداوندی میں تہمت لازم آئے گی اور وہ اس سے بری ہے تو اسلام سے ہٹ کر جس مذہب والے کی لائن اختیار کر کے جو بھی شکل بناؤ گے اس میں مشکلات پیدا ہوں گی اس لئے کہا جائے گا کہ ہر مذہب والوں کی لائن الگ الگ ہے، البتہ اسلام نے اس کے بارے میں یہی فرمایا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے بندے کو پیدا فرمایا اور اس کو اختیار دیا لیکن وہ قدرت واختیار خود اللہ تعالیٰ کے ہاتھ میں ہے اس لئے یہ اس کی مخلوق ہے مگر جتنا اختیار دیا اس میں اس کا حق ہے اس لئے بندے کو جتنا اختیار اور قدرت اللہ تعالیٰ نے دی ہے اسی کے متعلق سوال ہوگا اور حکم خداوندی کو اپنے اختیار کے مطابق پورا نہ کرنے پر سزا ملے گی رہا خالق اور مخلوق کے درمیان جو دقیق روابط ہیں وہاں تک کوئی نہیں پہنچ سکتا اس لئے اس کا تعلق حقائق الٰہیہ سے ہے اور حقائق الٰہیہ کی کنہہ اور حقیقت تک رسائی محال ہے، بندے اس قابل ہی نہیں ہیں کہ حقائق الٰہیہ کی

کنہہ تک پہنچیں اور جب یہ محال ہے تو پھر اس کے سمجھنے کی بندے کو تکلیف بھی نہیں دی گئی تو حقائق الٰہیہ کو اتنا ہی سمجھو جو تمہاری سمجھ میں آسکے اس لئے اسلام میں تقدیر میں آسانی کردی اور فرمایا گیا لایکلف اللہ نفسا الا وسعھا یعنی کسی نفس کو وہ تکلیف نہی دی گئی ہے جو اس کی وسعت اور طاقت سے باہر ہو نہ عقل میں نہ فعل میں نہ عمل میں لہذا التقدیر کا مسئلہ اگر دقیق ہے تو اس کے معلوم کرنے کی تکلیف ہی کہاں دیگئی کہ جس سے آدمی پریشان ہو جائے بس خدا کی یکتائی مانو اس میں کیا اشکال ہے جو سمجھ میں نہیں آتا اس کو چھوڑ دو۔ (مجالس حکیم الاسلام)

اصل دولت......ایمان پر خاتمہ ہے

آج کل ناگہانی اموات کثرت سے ہونے لگی ہیں، روزانہ خبریں سنی جاتی ہیں کہ فلاں صاحب اچانک انتقال کر گئے، ابھی کل شام ہی ایک وکیل صاحب نے سنایا کہ کل ایک کیس میں ہم دو وکیلوں نے شہادتیں کرائیں، شہادت کی کارروائی سے فارغ ہو کر عدالت سے باہر نکلتے تو میں نے اپنے ساتھی وکیل سے کہا آؤ ملک صاحب نماز پڑھ لیں، انھوں نے کہا نہیں میں گھر جا کر پڑھوں گا، کیونکہ ایک جنازہ میں شرکت کیلئے پہنچنا ہے دیر ہو رہی ہے میں سلام کہہ کر اپنی سیٹ کی طرف چلا، سیٹ تک پہنچا ہی تھا کہ پیچھے سے کسی نے آواز دیکر کہا ملک شبیر صاحب کا انتقال ہو گیا ہے، میں حیرت زدہ ہو کر واپس لوٹا کہ ابھی تو وہ ٹھیک ٹھاک تھے اور کسی کے جنازہ کے لئے روانہ ہو رہے تھے وہاں پہنچا تو پتہ چلا جی کہ وہ آپ سے سلام کے بعد اپنی موٹر سائیکل کی طرف آئے منشی نے موٹر سائیکل انہیں پکڑائی انہوں نے موٹر سائیکل کو کک لگائی اور پھر نیچے گر پڑے، گرتے ہی روح پرواز کر گئی سارے لوگ حیرت کا مجسمہ بنے دیکھ رہے تھے کہ دیکھو جی انہیں کسی اور کے جنازہ میں شرکت کی جلدی تھی اس سے پہلے خود رخصت ہو چلے۔

اسی طرح ایک اور دوست کے بارے میں بتایا گیا کہ گھر سے بچی کی دوائی لینے نکلے ڈاکٹر کے پاس پہنچے تو اچانک اپنے سینہ پر ہاتھ رکھا کہ درد ہے اور وہیں گر پڑے ڈاکٹر کے سنبھلنے سے پہلے ہی روانہ ہو چلے، نہیں معلوم کہ اس طرح کی اموات کے پیچھے کیا وجوہ واسباب ہیں، واللہ اعلم۔ لیکن اس طرح کی اموات ہمارے لئے نشان عبرت ضرور ہیں۔

لطیفہ مشہور ہے کہ ایک صاحب کی کہیں عزرائیل علیہ السلام سے ملاقات ہوئی اور دوستی

ہوگئی انہوں نے ملک الموت سے کہا جب میری موت قریب ہو تو مجھے ذرا پہلے اطلاع کر دینا انہوں نے کہا ٹھیک ہے لیکن اس آدمی کی موت کا وقت آ پہنچا اور عزرائیل نے پہلے کوئی اطلاع نہ دی تو اس آدمی نے کہا آپ نے تو وعدہ کیا تھا کہ پہلے اطلاع کروں گا عزرائیل نے کہا ارد گرد تمہارے علاقے میں جو اموات ہوتی رہی ہیں وہ تیرے لئے اطلاع تھیں۔

ہمیں فوراً سے بھی پہلے اپنی موت کی تیاری اور اپنے خاتمہ بالخیر کی فکر کرنی چاہئے، اتنا بھی بھروسہ نہیں ہے کہ کسی عزیز دوست کے جنازہ میں جا رہے ہیں تو یقیناً خود واپس آ جائیں گے، یہ ممکن ہے کہ اس کا جنازہ پڑھنے سے پہلے ہمارے جنازہ کی تیاری شروع ہو جائے۔

اس لئے اپنے خاتمہ کی فکر میں لگن سب سے بڑی دانائی ہے، ایک بزرگ اپنی ساری زندگی نہیں ہنسے، کسی نے پوچھا تو فرمایا مجھے اپنے خاتمہ کا علم نہیں کہ کیسا ہوگا اسی لئے اب میں کیسے ہنسوں؟ جب فوت ہوئے تو ہنس رہے تھے گویا بزبان حال بتلا رہے تھے کہ اب میں خوش ہو رہا ہوں کہ میرا خاتمہ ایمان کے ساتھ ہو گیا ہے، اعتبار خاتمہ کا ہے حدیث پاک میں ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ **انما الاعمال بالخواتیم** کہ اعمال کا اعتبار خاتمہ پر ہے اور انسان کا خاتمہ اس کی زندگی بھر کے مشغلہ اور دلچسپیوں کے مطابق ہوتا ہے اسی کو حدیث پاک میں بتلایا گیا ہے **المرء مع من احب**، انسان کا انجام اسی کے ساتھ ہوتا ہے جس سے وہ شغف رکھتا ہے اور یہ بھی ارشاد ہے **من کثر سواد قوم فھو منه** جس نے جس گروہ کی کثرت بڑھائی وہ اسی کے ساتھ ہوگا یعنی زندگی میں اگر اس نے اپنے آپ کو اچھے لوگوں کی صحبت میں رکھا تو اس کا انجام بھی اچھا ہوگا بروں کے ساتھ شامل رہا اور ان کا ووٹ بڑھایا تو انجام بھی برا ہی ہوگا۔ اور اس بات کی دلیل کئی مشاہدات بھی ہیں۔ ہمارے عم محترم حاجی فدا حسین صاحب رحمۃ اللہ علیہ دعوت و تبلیغ کے حریص تھے کوئی موقع خالی نہ جانے دیتے تھے چنانچہ ان کی موت بھی تبلیغ و نصیحت کرتے ہی آئی، اپنے عزیز کی تعزیت کے لئے گئے اور انکے لئے طویل دعاء مانگی، دعاء کے بعد نیکی و بھلائی کی نصیحتیں کرنے لگے اتنے میں فرمایا چلو جمعہ کی نماز پڑھیں بس نماز کے لئے اٹھنے لگے اور بلند آواز سے کلمہ طیبہ پڑھا اور اللہ کو پیارے ہو گئے۔ انا للہ وانا الیہ راجعون۔

قاری عبداللطیف صاحبؒ ملتان والے جو حال ہی میں مدینہ منورہ میں ٹریفک کے حادثہ میں شہید ہوئے ہیں چونکہ ساری زندگی کا مشغلہ قرآن پڑھنا پڑھانا تھا اس لئے آخروقت بھی قرآن کریم پڑھتے ہوئے جان دی۔

اس لئے ہمیں چاہئے کہ ہم اپنی مصروفیات ومشغولیات کا جائزہ لیں کہ کہیں ہماری مصروفیات گناہ ونافرمانی کی تو نہیں ہیں؟ خدانخواستہ اگر ایسا ہے تو پھر خاتمہ بالخیر کی فکر کریں، آج ہی ہمیں ہر قسم کے گناہ سے توبہ کر کے اپنی مصروفیات کو اچھائی کی طرف بدل لینا ضروری ہے، اگر ہم آج اپنے آپ کو نیکیوں میں مشغول رکھنے میں کامیاب ہو گئے تو انشاءاللہ خاتمہ بالایمان کی قوی امید ہے۔

نماز کی پابندی، تلاوت کی پابندی، اپنے دفتر وکاروبار میں کسی سے بدمعاملگی نہ کریں، جھوٹ نہ بولیں، رشوت نہ لیں، خیانت نہ کریں، ہر ایک کی خیرخواہی کرتے رہیں اور استغفار کو اپنا اوڑھنا بچھونا بنالیں تو پھر اللہ تعالیٰ کے فضل سے بیڑہ پار ہے۔

ایمان پر استقامت اور حسن خاتمہ کیلئے سات نسخے

1۔ ہر فرض نماز کے بعد الحاح (آہ وزری) سے یہ دعا پڑھنا: رَبَّنَا لَا تُزِغْ قُلُوْبَنَا بَعْدَ اِذْ هَدَيْتَنَا وَ هَبْ لَنَا مِنْ لَّدُنْکَ رَحْمَةً اِنَّکَ اَنْتَ الْوَهَّابُ (پ۳ آل عمران)

اس آیت میں اللہ تعالیٰ نے استقامت اور حسن خاتمہ کی درخواست کا بندوں کے لئے سرکاری مضمون نازل فرمایا ہے اور جب شاہ خود درخواست کا مضمون عطا فرمائے اس کی قبولیت یقینی ہوتی ہے، لہذا اس دعا کی برکت سے استقامت اور حسن خاتمہ ان شاء اللہ تعالیٰ ضرور عطا ہوگا۔

2۔ اس دعا کا معمول بنالیں جو حدیث پاک میں ہے، استقامت اور حسن خاتمہ کے لئے کثرت سے پڑھتے رہیں۔ **یا حی یا قیوم برحمتک استغیث** (مشکوٰۃ)

3۔ مسواک کرنا: علامہ شامی ابن عابدین ج ۱ ص ۸۴ پر رقم طراز ہیں کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم ارشاد فرماتے ہیں کہ: سنت مسواک کی برکت سے موت کے وقت کلمۂ شہادت یاد آجائیگا۔

4۔ ایمان وموجودہ پر شکر ہے۔ یعنی ہر روز موجودہ ایمان پر شکر ادا کرنا اور وعدہ ہے کہ: لئن شکرتم لا زیدنکم (سورۃ ابراہیم) اگر تم لوگ شکر ادا کرو تو ہم اپنی نعمتوں میں ضرور ضرور اضافہ کرینگے، پس ایمان پر شکر ایمان کی بقاء بلکہ ترقی کا ذریعہ ہے۔

5۔ بدنظری سے حفاظت: بدنظری سے حفاظت پر حلاوت ایمان عطا ہونے کا وعدہ ہے، حلاوت ایمان جب دل کو ایک بار عطا ہوجائے گی پھر کبھی واپس نہ لی جائے گی۔

پس حسن خاتمہ کی بشارت اس عمل پر بھی ہے، حضور صلی اللہ علیہ وسلم ارشاد فرماتے ہیں: تحقیق نظر ابلیس کے تیروں میں سے زہر میں بجھا ہوا ایک تیر ہے جس بندے نے میرے خوف سے اپنی نظر کو (نامحرم لڑکی سے حسین لڑکے سے) محفوظ رکھا اس کو ایسا ایمان عطا کروں گا جس کی حلاوت وہ قلب میں محسوس کرے گا۔

یہ دولت حسن خاتمہ آج کل سڑکوں پر تقسیم ہورہی ہے، نظر کی حفاظت کیجئے اور یہ دولت حاصل کیجئے۔

6۔ اذان کے بعد کی دعاء: جس کو دعائے وسیلہ بھی کہتے ہیں اذان کے کلمات کا جواب دے دیجئے، پھر جب اذان ختم ہو، آپ درودشریف پڑھ کر دعائے وسیلہ پڑھئے:

اللھم رب ھذہ الدعوۃ التامۃ والصلوٰۃ القائمۃ ات محمدن الوسیلۃ و الفضیلۃ وابعثہ مقاماً محمودا ن الذی وعدتہ (بخاری)

انک لا تخلف المیعاد یہ آخری جملہ مسند امام بیہقی میں ہے۔

اس دعا پر وعدہ ہے کہ حک لہ شفاعتی۔

بخاری شریف کی روایت ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں کہ جو اس دعاء کو پڑھے گا اس کے لئے میری شفاعت واجب ہوجائے گی اور جب اس دعاء پر حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی شفاعت واجب ہوگی تو ملاعلی قاری تحریر فرماتے ہیں:

اس میں حسن خاتمہ کی بشارت موجود ہے کہ اس کا خاتمہ ایمان پر ہوگا، کیونکہ شفاعت حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی کافر کو نہیں مل سکتی (مرقاۃ، باب الاذان)

7۔ اہل اللہ کی صحبت اختیار کرنا۔ بخاری شریف کی دو روایتوں سے پتہ چلتا ہے کہ اس عمل مذکور سے حسن خاتمہ کا فیصلہ مقدور ہوجاتا ہے۔

روایت ا: اہل ذکر یعنی صالحین اور اہل اللہ کی شان میں حدیث وارد ہے کہ ایک شخص مجلس ذکر میں صالحین اور اہل اللہ کے مجمع میں کسی حاجت کیلئے جاتے ہوئے تھوڑی دیر کیلئے بیٹھ گیا اللہ تعالیٰ نے ملائکہ سے ان ذاکرین کی مغفرت کا اعلان کیا تو ایک فرشتے نے کہا کہ فلاں شخص تو کسی ضرورت سے آیا تھا اور ان میں بیٹھ گیا اور وہ خطا کار بھی ہے، ارشاد ہو یہ ایسے مقبولان حق ہیں کہ ان کے پاس بیٹھنے والا محروم اور شقی نہیں رہ سکتا ولہ قد غفرت میں نے اس کو بھی بخش دیا۔

۲: بخاری ومسلم ہے کہ تین خصائل جس میں ہونگے وہ ان کی برکت سے ایمان کی حلاوت پائے گا۔

ا۔ جس کے قلب میں اللہ تعالیٰ ورسول صلی اللہ علیہ وسلم تمام کائنات سے محبوب ہوں۔

۲- جو کسی بندہ سے محبت کرے صرف اللہ تعالیٰ کے لئے۔
۳- اور جو ایمان عطاء ہونے کے بعد کفر میں جانا اتنا نا گوار سمجھے جیسا کہ آگ میں جانا۔
ایمان پر خاتمہ کے لئے اللہ تعالیٰ کیلئے کسی سے محبت کرنا ایک عظیم ذریعہ ہے اور ظاہر ہے کہ یہ محبت اللہ والوں ہی کے ساتھ اعلیٰ اور کامل درجہ کی ہوتی ہے پس اس کا کامل نسخہ کسی اللہ والے سے محبت کرنا ہے (قرآن وحدیث کے انمول خزانے) (شمارہ نمبر 42)

اللہ اکبر

چاند پر سب سے پہلے قدم رکھنے والا ''نیل آرم سٹرانگ'' مصر گیا، وہ صبح تڑکے بستر پر ہڑ بڑا کر اٹھ بیٹھا، کمرے سے باہر نکل کر پریشانی کے عالم میں لان پہنچا ہوٹل کے اسٹاف نے پریشان دیکھ کر اس سے وجہ پوچھی اس نے کہا ''میں کہاں ہوں'' اور جب اسے بتایا گیا کہ '' آپ مصر کے دارالحکومت قاہرہ میں ہیں، تو کہنے لگا '' قاہرہ میں یہ آوازیں کہاں سے آرہی ہیں؟'' اسے کہا گیا کہ قاہرہ کی مسجد سے صبح کی اذانیں بلند ہو رہی ہیں تب اس نے اپنی بدحواسی کی وجہ بتائی کہ میں نے چاند پر اس طرح کی آوازیں سنی تھیں، یہاں دوبارہ سن کر مجھے شک ہوا کہ ''میں چاند پر ہوں یا زمین پر''...... خاک سے اٹھ کر گردوں پر گذر رکھنے اور جھوٹے خداؤں کی خدائی پر ضرب لگانے والی ''اللہ اکبر'' کی یہ ایمانی صدا، مومن کی حوصلہ بخشی، سرمدی جذبوں کو حرارت عطا کرتی، مخالف سمتوں کے سامنے ڈٹ جانے اور انجام سے ظالم کے دوچار ہونے تک اس میں صبر کی قوت پیدا کرتی ہے۔ (شمارہ نمبر 48)

حیا اور غیرت ایمانی

عارف باللہ حضرت ڈاکٹر محمد عبدالحئی عارفی رحمہ اللہ فرماتے ہیں۔

اجزاء ایمان میں ایک بڑا اور اہم جزو شرم و حیا ہے، یہ ایک بڑا شعبہ ہے ایمان کا حدیث شریف کا مضمون ہے کہ حیا ایمان کا نصف ہے جب یہ ختم ہو جاتا ہے کہ تو دوسرا حصہ خود بخود ختم ہو جاتا ہے، ذرا غور کیجئے کہ اس زمانے میں مسلمانوں کے پاس حیا کہاں ہے کس کے پاس ہے، معاشرہ کی لعنتوں نے حیا کا مفہوم ہی ہمارے ذہنوں سے نکال دیا ہے اور ہم کو اس کا ذرا احساس نہیں نصف ایمان کو تو ڈھایا جا چکا ہے پھر نصف کی بقاء کی کیا صورت ہوگی؟ کبھی آپ نے اس بات پر غور کیا ہے؟

اب ڈھونڈیئے چل کر حیا کہاں ہے؟ کس جگہ ہے سب سے پہلے اپنی طرف نظر ڈالیئے آپ کے نفس نے آپ کو اس چکر میں ڈال رکھا ہے کہ آپ تھوڑے بہت دیندار آدمی ہیں، نماز روزہ فرائض واجبات ادا کر لیتے ہیں لیکن اس کے باوجود کیا آپ نے غور کیا ہے کہ آپ کہاں کہاں حیا سے کام لیتے ہیں؟ کہاں کہاں آپ کی نظر بہکتی ہے خدا اور رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے احکام کی صریح خلاف ورزی دیکھ کر کب آپ کو غیرت آتی ہے خلاف شرع کام کرنے میں کب خود آپ کو شرم محسوس ہوتی ہے؟ بلکہ اس کے برخلاف جانتے بوجھتے غیر شرعی باتوں میں کتنی رغبت اور دلکشی محسوس کرتے ہیں، اس سے معلوم ہوتا ہے کہ ایمان کا دعویٰ کرتے ہوئے بھی جتنی غیرت ایمانی ہمارے پاس ہونی چاہئے وہ نہیں ہے، اب ہم اس کی کیا تشریح کریں؟ ہر شخص خود اپنے دل کو ٹٹول کر دیکھ لے اپنی ہی ذات کو پہلے دیکھ لیں پھر اپنے اہل وعیال پر نظر کریں، کیا ہمارے لڑکوں میں حیا ہے؟ کیا ہماری لڑکیوں میں حیا و شرم ہے، حیا تو کہیں بھی نہیں ہے، شرم و حیا سے سب کے سب بیگانہ اور آزاد ہیں نفس و

شیطان نے سب سے پہلے ہماری حمیت اور غیرت ایمانی پر ڈاکہ ڈالا ہے، آدھا ایمان تو جاچکا ہے، اب اعمال و طاعات میں جان آئے کہاں سے؟ عورت کا سب سے بڑا شرف نسوانیت حیا ہے جس عورت میں حیا نہیں ہے اس میں نسوانیت ہی باقی نہیں سارے جسم کا پردہ اب تو قریب قریب اتر گیا ہے عقلوں پر پڑ گیا ہے اب لباس پوشاک ہی دیکھ لیجئے، کھلا ہوا سر اور سینہ، غیر محرموں سے بے محابہ ملنا جلنا، حیا کا تو نام بھی باقی نہیں رکھا اور یہ بے حیائی کے مناظر آج اچھے خاصے دیندار اور شریف گھرانوں میں بھی عام ہیں۔ الا ماشاء اللہ

اس کثرت کی بے حیائی نے ہمیں بے حس بنا دیا ہے، نہ گھروں میں حیا وشرم دکھائی دیتی ہے، نہ گھروں کے باہر، عورت کے منہ پر آج یہ الفاظ ہیں کہ وہ دن ختم ہوئے جب عورت گھروں کی چار دیواری میں چھپی بیٹھی رہتی تھی اب ہم بیدار ہو گئے ہیں، گھروں سے باہر نکلیں گے، ہر کام میں مردوں کے شانہ بشانہ حصہ لیں گے، ہم ہر طرح آزاد ہیں، ہم ترقی کی راہ میں مردوں سے آگے بڑھ کر اپنا مقام پیدا کر لیں گے۔ انا للہ وانا الیہ راجعون۔

اسکولوں کالجوں میں مخلوط تعلیم

جوان لڑکے جوان لڑکیاں سر کھلا، سینہ کھلا، نیم برہنہ لباس شرم وحیا سے بے نیاز بے باکانہ آپس میں ملتے جلتے ہیں اس طرح تمام تعلیم گاہیں ایمانی و اسلامی حمیت و غیرت سے بیگانہ ہو چکی ہیں اور اس کو تہذیب حاضر کا سرمایہ ناز سمجھا جاتا ہے کوئی ان سے پوچھے کیا تم مسلمان ہو اور کیا اسلام کا یہی تقاضہ ہے؟ تجارت گاہوں پر نظر ڈالو ناقص اشیاء چور بازاری، ملاوٹ ذخیرہ اندوزی کا بازار گرم ہے ان لوگوں میں انسانی محبت وغیرت کا شائبہ تک نہیں، دفاتر میں جا کر دیکھ لو؟ دھڑلے کے ساتھ بہ بانگ دہل رشوتیں لی جا رہی ہیں، مخلوق خدا کو ستایا جا رہا ہے، کیا ان کے پاس شرم وغیرت کا نام بھی ہے؟ جو محکمے عوام الناس کی فلاح وحفاظت کے لئے تھے چاہے وہ ہسپتال ہوں، میونسپل ادارے ہوں، عدالتیں ہوں، ان سب میں حقوق تلفی ستم رانی اور ظلم کا دور دورہ ہے، شرم وحیا سب مٹ گئی ہے نہ شرافت ہے نہ انسانیت، نہ ایمان ہے نہ اسلام۔

ہمارا آدھا ایمان تو ماؤف ہو چکا ہے

ہم بڑے دھوکے میں ہیں اگر کچھ عبادات طاعات کا موقع خدا نے دیدیا تو سمجھتے ہیں کہ یہ سب کچھ ہے اس میں تو شک نہیں کہ اس زمانے میں اتنا کچھ بھی بہت کچھ ہے مگر بندہ نواز! ذرا سوچئے تو سہی آپ کو ایک سو روپے کا نوٹ دیدیا جائے اس کے ایک طرف سارے نقش و نگار نوٹ کی تمام تر خصوصیات موجود ہوں اور دوسری طرف آپ پلٹ کر دیکھیں تو کورا کاغذ جناب اس نوٹ کا کیا کریں گے؟ اس نوٹ کی کیا قیمت ہے؟ کیا یہ ردی کی ٹوکری کی زینت بننے کے قابل نہیں؟ کیا یہ پھاڑ ڈالنے اور جلا دینے کے مطلب نہیں؟ تو صاحبو! پھر ہمارے اس ایمان کی کیا قیمت ہوگی جس کا نصف حصہ یعنی شرم وحیا ہم سے بالکل ہی حذف ہو چکا ہو ہم دوسری طرف سے بالکل کورے ہوں تو ان اعمال کا کیا وزن ہوگا؟ خدائے پاک کے سامنے کیا لے کر جاؤ گے کیا منہ دکھلاؤ گے اس پر بھی غور کیا؟ دنیا میں جتنی بھی بری چیزیں ہیں جتنی بھی گمراہیاں ہیں ساری کی ساری شروع ہوتی ہیں بے حیائی اور بے شرمی سے، ہم کیسے غافل ہیں کہ نہ ہم کو ان اعمال سے ڈر معلوم ہوتا ہے کہ جس میں ہم مبتلا ہیں نہ ان اعمال سے جس میں ہمارے اہل وعیال، ہمارا ماحول سب مبتلا ہیں کیا وزن ہوگا ہمارے اس آدھے ایمان کا جس میں سے شرم وحیا کا بنیادی جزو نکل گیا ہو، ارے کچھ اعمال ہماری زندگی میں ایسے ہوں گے جن کی وجہ سے اللہ پاک کے فضل وکرم سے ہم اعلانیہ عذاب میں مبتلا نہیں ہوئے مگر وبال اور شامت اعمال کیا کچھ کم ہیں۔

آپ نے جائزہ لے لیا، متذکرہ بالا باتوں کا اب اس کو سنکر اور دیکھ کر ہی رہ جانا کوئی معنی نہیں رکھتا بلکہ اس کو اپنے اوپر ڈھالنا ہے کچھ نہ کچھ تغیر کرنا ہے اپنی زندگی میں، یہ کہہ دینا کہ ہمارا ماحول اور معاشرہ شیطانی ہے یہ کیسے بدلے گا یہ خود ایک شیطانی وسوسہ ہے یہ بڑی کم ہمتی کی بات ہے تم خود اپنی ذات میں تغیر پیدا کرلو، کیوں فکر میں پڑتے ہو سارے جہان کی بس ذرا ہمت سے کام لو اللہ پاک ایسی راہیں کھول دیں گے جنکا وہم وگمان بھی ہم کو نہ ہو، یہ تصور سامنے رکھ کر مانگو کہ ہمارا اعمال کا سکہ ایک طرف سے بالکل کورا ہے اس کی

کیا قدر و قیمت ہوگی حالات کیسے ہی نا گفتہ بہ ہوں اللہ پاک ایسے ہی غفور و رحیم اور قادر مطلق ہیں کہ حالات کو بدلنے کیلئے ان کو ذرا دیر نہیں لگتی ان کی بارگاہ میں عرض کرو مناجات کرو ندامت کے ساتھ مانگو، یا اللہ ہماری بے غیرتی کو معاف فرما دیجئے اور ہمارے اہل و عیال تمام مسلمان بھائیوں کو معاف فرما دیجئے ہماری قوم کو اس بے حسی اور غفلت کا احساس عطا فرما دیجئے یا اللہ جن لعنتوں میں ہم گرفتار ہیں ان سے ہم کو رہائی دلایئے ہم کو شامت اعمال سے بچا لیجئے، معاشرہ کی ہلاکت خیزیوں سے ہم کو بچا لیجئے دنیا و آخرت کی ہلاکت و بربادی سے بچا لیجئے ہمارے ایمان کی حفاظت فرمایئے ہماری قوم کے غیور جوانمرد جو ہماری بے حمیتی اور بے غیرتی کی وجہ سے کافروں کی قید و بند میں سختیاں برداشت کر رہے ہیں ان کو رہائی عطا فرما دیجئے ہمارے ہر طبقے کے لوگوں کو ہدایت فرما دیجئے ہماری زندگیوں کو خوشگوار بنا دیجئے ہم کو حیات طیبہ عطا فرما دیجئے، ہماری جملہ حاجات کو پورا فرما دیجئے ہم کو اسلام پر قائم اور خاتمہ ایمان پر فرمایئے۔ آمین (عارف باللہ حضرت ڈاکٹر عبدالحئی عارف رحمہ اللہ شمارہ نمبر 49)

ایمان...سب سے بڑی دولت

کوئی آدمی ٹرین میں سفر کر رہا ہے اور اس کے پاس ٹکٹ نہیں ہے تو فرسٹ کلاس میں موٹے گدے پر ہونے کے باوجود وہ بے چینی محسوس کرے گا اور اگر اس نے دیکھا کہ کوئی کالا سوٹ پہن کر آیا تو اس کی بے چینی اور بڑھ جائے گی اور دھڑ دھڑ کی کیفیت شروع ہو جائے گی پھر بیت الخلاء میں پہنچنے کے بعد ہی اس کو سکون نصیب ہوگا اور وہاں سے نکلنا ہی نہیں چاہے گا، سمجھ لے گا کہ عافیت اسی مقام پر ہے تو ٹکٹ نہ ہونے کی وجہ سے ٹرین کے ائیر کنڈیشنڈ ڈبے میں بھی اسے اطمینان نصیب نہیں ہے اور اگر ٹکٹ آپ نے لیا ہے تو پھر چاہے دروازے پر لٹکنا پڑے اور پھر ایک گارڈ نہیں بلکہ پوری پولیس پارٹی چیکنگ کے لئے آجائے تب بھی آپ کو اطمینان رہے گا اس لئے کہ آپ کے پاس ٹکٹ موجود ہے، اسی طرح ایمان کی حیثیت ٹکٹ ہی کی ہے جس سے اس دنیا میں اطمینان و سکون وابستہ ہے اور آخرت میں بھی۔

ایک قصہ

عالم گیر رحمۃ اللہ علیہ کے زمانہ میں ایک نواب کا انتقال ہو گیا اس کا چھوٹا بیٹا تھا ایک

وزیر چاہتا تھا کہ بچے کو بادشاہ کی جگہ بٹھائے اور دوسرے لوگ چاہتے تھے کہ کوئی اور بیٹھ جائے ،ان میں اختلاف ہوا پھر یہ طے پایا کہ عالمگیر رحمۃ اللہ علیہ کے پاس جا کر مشورہ کریں گے راستہ میں وزیر بچے کو مختلف سوالات کے جوابات سمجھاتا رہا، جب قریب پہنچ گئے تو بچے نے کہا کہ آپ نے جتنے سوالات کے جوابات سکھائے ہیں اگر بادشاہ ان کے علاوہ کوئی اور سوال کرلے تو کیا جواب دوں اس نے کہا جس نے یہ سوال تمہارے ذہن میں ڈالا ہے وہی عین وقت پر تمہارے ذہن میں اس کا جواب بھی ڈال دے گا خیر! وہاں پہنچے تو عالم گیر حوض میں پیر ڈالے ہوئے بیٹھے تھے، وزیر نے صورتحال بیان کی تو بادشاہ نے کہا ٹھیک ہے لاؤ بچے کی آزمائش کرلیں، بچے کو بلایا اور اس کے دونوں ہاتھ پکڑ کر حوض کے اوپر لٹکا دیا اور پوچھا کہ تجھے ڈبو دوں؟ تو بچے نے کوئی جواب نہیں دیا بلکہ صرف ہنسا تو بادشاہ نے بچے کو ہٹالیا، پھر بچہ سے پوچھا تم نے کوئی جواب نہیں دیا اور ہنسے، تو بچے نے جو جواب دیا، وہ چاندی کی تختی پر آب زر سے نہیں بلکہ لوح قلب پر نقش کرنے کے قابل ہے، بچے نے کہا حضور جہاں پناہ! آپ اتنے بڑے بادشاہ ہیں کہ اگر کسی کا ایک ہاتھ پکڑ لیں تو وہ ڈوب نہیں سکتا جبکہ آپ نے تو میرے دونوں ہاتھ پکڑ رکھے تھے میں کیسے ڈوب سکتا تھا، کاش! ہم بھی اللہ تعالیٰ کی دست گیری پر ایسا ہی اعتماد پیدا کرلیں اور ایمان لے آئیں، جیسا کہ بچہ کو بادشاہ کی دست گیری پر حاصل تھا، اگر حق تعالیٰ کی رحمت کسی کی دست گیری کرے تو وہ کیسے ڈوب سکتا ہے؟

ایمان... محدثین وفقہائے کرام کی نظر میں

ایمان کا لغوی معنی

ایمان یہ باب افعال کا مصدر ہے بمعنی تصدیق اور مجرد میں امن سے ماخوذ ہے۔ ایمان بمعنی تصدیق سے ماخوذ ہے اور امن ماخوذ منہ ہے۔

ایمان کا اصطلاحی وشرعی معنی

ایمان کا شرعی معنی التصدیق بجمیع ماعلم کونه من دین محمد صلی الله علیه وسلم بالضرورة۔ ان تمام امور کی تصدیق کرنا جن کا حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے دین سے ہونا بالضرورۃ معلوم ہو۔

باقی رہی یہ بات کہ بالضرورۃ کا مطلب کیا ہے؟ اس کے دو مطلب بیان کئے گئے ہیں۔ نمبر (۱) ان امور کا حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے دین میں سے ہونا جو عوام وخواص کے درمیان مشہور رہوں۔

سوال: ہوسکتا ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے دین سے کوئی امر ایسا ہو جو دین محمد صلی اللہ علیہ وسلم میں سے ہو لیکن عوام وخواص میں مشہور نہ ہو تو اسکے معلوم نہ ہوتے ہوئے بھی مومن ہو؟۔

جواب:۔ عوام سے مراد عوام کالانعام نہیں بلکہ عوام سے مراد علماء ہیں اور خواص سے مراد مجتہدین ہیں اور ان دونوں حضرات کو وہ امور معلوم ہوتے ہیں۔

نمبر (۲) بالضرورۃ کا دوسرا مطلب یہ ہے کہ ان امور کا دین محمد صلی اللہ علیہ وسلم میں سے ہونا دلائل قطعیہ سے ثابت ہو۔

پہلا مطلب علامہ زمخشری نے بیان کیا ہے دوسرا مطلب علامہ تفتازانی نے بیان کیا ہے۔

سوال:۔ حدیث جبرئیل سے معلوم ہوتا ہے ایمان شرعی کیلئے صرف چند امور کی تصدیق کافی ہے زائد امور کہاں سے نکال لئے۔

جواب:۔ حدیث جبرئیل میں بعض امور ایسے ہیں جو دین کی تمام ضروریات کو اپنے پیٹ میں لئے ہوئے ہیں تو ایمان شرعی کے لئے تمام ضروریات دین کے امور پر (ایمان) لانا واجب ہے۔ گویا یہ نکاح کا ایجاب وقبول ہے۔

ایمان کا مرکب یا بسیط ہونا

پہلا مذہب: جمہور متکلمین اور احناف کا ہے کہ ایمان بسیط ہے یعنی ایمان فقط تصدیق قلبی کا نام ہے (تصدیق سے مراد مطلق نہیں بلکہ چند شرائط مذکورہ کے ساتھ خاص ہے یعنی اس کا متعلق خاص یعنی امور شرعیہ ہوں اور تصدیق بالاختیار ہو اور علی وجہ التسلیم ہو ان تمام شرائط سے مقید تصدیق قلبی کا نام ایمان ہے) نہ اقرار لسانی حقیقت ایمان کا جزء ہے اور نہ ہی اعمال ارکانی حقیقت ایمان کا جزء ہیں۔ بلکہ اقرار لسانی احکام دنیوی کے اجراء کیلئے شرط ہے اور اعمال ارکانی اگر چہ حقیقت ایمانی کا جزء نہیں لیکن بایں ہمہ بے فائدہ بھی نہیں بلکہ مکملات ایمان کا ذریعہ ہیں۔ دخول جنت بدخول اولی کا ذریعہ ہے اور درجات عالیہ کا ذریعہ ہے۔ باقی رہی یہ بات کہ انکے دلائل کیا ہیں وہ مندرجہ ذیل ہیں۔

اہل جمہور کی پہلی دلیل:۔ کلام میں اصل اور اولیٰ وراجح یہ ہوتا ہے کہ اس کو ایسے معنی پر محمول کیا جائے جو اس کے معنی لغوی وحقیقی کے قریب ہو اور (جو جس معنی سے) زیادہ مناسبت ہو الا یہ کہ دلائل قطعیہ سے کسی لفظ کا معنی لغوی وحقیقی سے کسی دوسرے معنی کی طرف نقل ہونا ثابت ہو جائے۔ (تو الگ بات ہے ورنہ حقیقت اور اصل یہی ہے) اور ظاہر ہے کہ ایمان کا لغوی معنی تصدیق ہے اور کسی دوسرے معنی کی طرف نقل ہونا بھی ثابت نہیں ہے اور اس کی مناسبت زیادہ ہے۔ بنسبۃ اقرار لسانی اور اعمال ارکانی سے' فرق صرف اتنا ہے کہ تصدیق شرعی خاص ہے اور معنی لغوی عام ہے اور فرق صرف تقیید اور عدم تقیید کا ہے تو چونکہ اس کی سرحد، ایمان کی سرحد کے ساتھ زیادہ ہے اس لئے اس کو اسی معنی لغوی تصدیق قلبی پر محمول کیا جائے۔

دوسری دلیل:۔ حدیث جبرئیل میں جبرئیلؑ نے ایمان کے متعلق سوال کیا تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے چند امور ذکر کئے ان تو من باللہ و ملئکتہ و کتبہ الخ تو اس سے معلوم ہوا کہ فقط تصدیق قلبی کا نام ایمان ہے۔

تیسری دلیل:۔ وہ نصوص جن میں اعمال صالحہ کا ایمان پر عطف کیا گیا ہے مثلاً اِنَّ الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ جیسی متعدد آیات ہیں۔ عطف میں اصل مغائرت ذاتی ہے اس سے معلوم ہوا کہ قرآن مجید کی نظر میں ایمان الگ چیز ہے اور اعمال الگ چیز ہے اس کے علاوہ اور بھی متعدد آیات ہیں جن سے معلوم ہوتا ہے کہ اعمال صالحہ حقیقت ایمان کا جز نہیں ہیں۔ طریق استدلال یہ ہے کہ اگر اعمال صالحہ حقیقت ایمان کا جزء ہوں تو لازم آئے گا جزء (اعمال صالحہ) کا عطف کل (ایمان) پر ہو اور جزء کا کل پر عطف یہ کلام عرب میں مروج نہیں ہے۔ لیکن متعدد نصوص ایسی ہیں جن میں اعمال صالحہ کا عطف ہے ایمان پر اور یہ قرآن میں معروف ہے تو معلوم ہوا اعمال صالحہ کی قید کے بغیر ایمان تصدیق قلبی کا نام ہے۔

چوتھی دلیل:۔ وہ نصوص جن میں ایمان کو معصیت کے ساتھ ملایا گیا ہے ان سے بھی معلوم ہوتا ہے کہ ایمان بسیط ہے۔ طریق استدلال یہ ہے کہ قاعدہ اور ضابطہ ہے کہ شئی کا اپنی جزء کی ضد کے ساتھ اقتران نہیں ہوتا حالانکہ قرآن میں متعدد نصوص ایسی ہیں جن میں ایمان کو معصیت کے ساتھ ملایا گیا ہے جیسے وَاِنْ طَآئِفَتٰنِ مِنَ الْمُؤْمِنِیْنَ اقْتَتَلُوْا اور بھی متعدد آیات ہیں جن میں ایمان کو معصیت کے ساتھ ملایا گیا ہے۔ اب ہم کہتے ہیں کہ اگر اعمال صالحہ کو حقیقت ایمان کا جزو مان لیا جائے تو اعمال صالحہ حقیقت ایمان کا جز بنتے ہیں اور معصیت اعمال صالحہ کی ضد ہے تو ایمان اعمال صالحہ کی ضد یعنی معصیت کے ساتھ اقتران لازم آئے گا جو کہ ناجائز ہے تو گویا معلوم ہوا کہ ایمان فقط تصدیق قلبی کا نام ہے۔ ورنہ شئی (ایمان) کی جز (اعمال صالحہ) کی ضد (معصیت) کا شئی (ایمان) کیساتھ اقتران لازم آئیگا جو کہ جائز نہیں۔

پانچویں دلیل:۔ تارکین اعمال صالحہ کے ساتھ مومنین جیسا معاملہ کیا جانا جیسے ان کی نماز جنازہ پڑھنا اور مومنین کے قبرستان میں دفن کرنا وغیرہ تو اس سے بھی معلوم ہوا کہ ایمان صرف تصدیق قلبی کا نام ہے ورنہ تارک اعمال صالحہ کے ساتھ مومن جیسا معاملہ نہ کیا جاتا تو مومنین جیسا معاملہ کیا جانا اس بات کی دلیل ہے کہ اعمال صالحہ حقیقت ایمان کا جز نہیں ہیں۔

سوال:۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک مرتبہ ایک شخص کا جنازہ نہیں پڑھایا اس کی وجہ یہ تھی کہ محض اس نے قرضہ دینا تھا۔ تو یہاں معلوم ہوا کہ اعمال صالحہ حقیقت ایمان کا جزو ہیں؟

جواب:۔ اس کا جواب یہ ہے کہ جز کے انتفاء سے کل کا انتفاء لازم نہیں آتا۔ لہٰذا یہاں اعمال صالحہ کے ایک جز کے نہ ہونے سے یہ لازم نہیں آتا کہ وہ ایمان سے خارج ہو گیا۔

چھٹی دلیل:۔ قرآن مجید میں ایمان کے ساتھ خطاب کر کے معاصی سے توبہ کرنے کا حکم دیا ہے۔

دوسرا مذہب مرجیہ کا ہے۔ مرجیہ یہ ارجا سے ماخوذ ہے بمعنی موخر کرنا پس پشت ڈالنا، تو مرجیہ اپنے عقیدہ فاسدہ پر قائم رہنے اور اپنے باطل نظریے پر قائم رہنے کے لئے نصوص کو پس پشت ڈال دیتے ہیں اس لئے ان کو مرجیہ کہتے ہیں ان کا نظریہ یہ ہے کہ ایمان بسیط ہے یعنی ایمان کی حقیقت صرف تصدیق قلبی ہے نہ کہ اقرار لسانی ایمان کا جز ہے اور نہ اعمال ارکانی اور نہ ہی اعمال صالحہ حقیقت ایمان کا جزو ہیں۔

سوال: جب ان کے نزدیک بھی ایمان صرف تصدیق قلبی کا نام ہے تو پھر جمہور متکلمین، احناف اور مرجئہ کے مذہب کے درمیان فرق کیا ہوا۔

جواب: زمین و آسمان کا فرق ہے۔ اس لئے کہ جمہور متکلمین واحناف اقرار باللسان کی حیثیت کو شرط ہونے کی حیثیت سے تسلیم کرتے ہیں اور اعمال ارکانی کو تکمیل ایمان ہونے کی حیثیت سے تسلیم کرتے ہیں بخلاف مرجیہ کے کہ وہ کہتے ہیں اقرار لسانی اور اعمال ارکانی کی سرے سے کوئی حیثیت ہی نہیں ہے تو جمہور کے نزدیک اعمال صالحہ کا ہونا مفید اور نہ ہونا نقصان دہ ہے اور مرجیہ کے نزدیک کچھ بھی نہیں۔

دلیل مرجیہ:۔ ان حضرات کی دلیل وہ نصوص ہیں کہ جن میں محض تصدیق قلبی کے پائے جانے پر دخول جنت کو مرتب کیا گیا ہے مثلاً مشکوۃ شریف کی ایک روایت حضرت عثمان رضی اللہ عنہ سے مروی ہے جس میں ہے کہ جو اس حال میں مرا کہ اس کو معلوم ہے کہ اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں تو وہ جنت میں داخل ہو گا اور اس طرح اور احادیث بھی ہیں تو ان سے معلوم ہوا کہ ایمان صرف تصدیق قلبی کا نام ہے۔

اس دلیل کا جواب:۔ دخول جنت کی دو قسمیں ہیں۔

(۱) مطلق دخول جنت یعنی خواہ سیدھا جنت میں جائے خواہ کچھ دیر دوزخ میں گناہوں کی سزا بھگت کر بعد میں جنت میں جائے۔

(۲) دخول جنت اولیٰ یعنی دوزخ میں جائے بغیر سیدھے جنت میں جانا نصیب ہوجائے۔ تو نفس تصدیق قلبی پر مطلق دخول جنت کا مرتب ہونے سے یہ کب لازم آتا ہے کہ دخول جنت بدخول اولیٰ مطلق نفس تصدیق قلبی پر مرتب ہوجائے **لاالہ الا اللہ** پڑھنے سے جو جنت کی بشارات ہیں وہاں مطلق دخول جنت مراد ہے۔ دخول اولی نہیں دخول اولی کا وعدہ اس صورت میں ہے جب کہ تصدیق قلبی کے ساتھ اعمال صالحہ بھی مل جائیں اس طرح سے سب نصوص میں تطبیق ہوجائے گی۔

دوسرا جواب: یہ ہے کہ اگر اس فاسد نظریے کو تسلیم کرلیا جائے تو قرآن وحدیث کی بے شمار نصوص **دالة علی ترغیب الاعمال الصالحه** اور **دالة علی ترهیب ارتکاب المعاصی** بے فائدہ ہوجائیں گی اور یہ بہت بڑی خرابی ہے۔

تیسرا مذہب کرامیہ کا ہے۔ محمد بن کرام ایک شخص تھا جو کہ اس فرقہ کا رہبر تھا اس لئے اس کو کرامیہ کہتے ہیں ان کا نظریہ یہ ہے کہ ایمان بسیط ہے یعنی ایمان کی حقیقت فقط اقرار لسانی ہے۔ تصدیق قلبی ہو یا نہ ہو اعمال صالحہ ہوں یا نہ ہوں۔

دلیل حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ میں کسی شخص کے مومن ہونے کے لئے فقط اقرار لسان کو کافی سمجھا جاتا تھا اور اس پر دلیل یہ ہے کہ ایک صحابیؓ نے ایک شخص کو قتل کر دیا اور وہ ڈر کی وجہ سے کلمہ پڑھنے لگ گیا تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو جب قصہ بتایا گیا تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کو فرمایا **هل شققت قلبه**' کہ کیا تو نے اس کے دل کو پھاڑ لیا تھا تو اس سے معلوم ہوا کہ اس نے چونکہ اقرار لسانی کرلیا تھا اس لئے اس کو قتل نہیں کرنا چاہئے تھا اور وہ مومن تھا۔

الزامی جواب یہ ہے کہ اگر ایمان کی حقیقت صرف اقرار باللسان ہو تو اس میں منافقین بھی شامل ہوجائیں گے جو صرف اقرار لسانی کے علاوہ نماز وغیرہ بھی پڑھتے تھے۔ ان کا مومن ہونا ثابت ہوجائے گا۔ لہٰذا اس کا جو جواب آپ دیں گے وہی ہمارا جواب ہوگا۔

تحقیقی جواب: ایمان دو قسم پر ہے۔ ۱۔ **المنجی عن العذاب الابدی**۔ ۲۔

المنجی عن السیف حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ میں اقرار لسان کو کافی سمجھا جاتا تھا وہ ثانی کے حق میں ہے یعنی المنجی عن السیف کے لئے تھا اور وہ محل نزاع نہیں ہے محل نزاع ایمان کی قسم اول ہے اور اس میں فقط اقرار لسانی کافی نہیں بلکہ تصدیق قلبی ضروری ہے۔

فائدہ:۔ محققین نے یہ کہا ہے کہ یہ اقرار لسانی اگر تصدیق قلبی کے موافق ہو تو نجات دہندہ ہے اور اگر یہ اقرار لسانی تصدیق قلبی کے مخالف ہو تو ہلاک کرنے والا ہے۔ تو کوئی معتد بہ اختلاف نہیں ہے۔ (شیخ ابن ہمام)

چوتھا مذہب بعض محققین اشاعرہ اور احناف کا دوسرا قول ہے:۔ ایمان مرکب ہے یعنی ایمان کی حقیقت و ماہیت میں دو چیزیں داخل ہیں۔ (۱)۔ تصدیق قلبی (۲)۔ اقرار لسانی اور یہ دونوں ماہیت ایمان کا رکن ہیں البتہ فرق اتنا ہے کہ تصدیق قلبی رکن لازم ہے یعنی کسی حالت میں بھی ساقط نہیں ہوتا۔ لیکن اقرار لسانی حالت عجز میں ساقط ہو جاتا ہے بشرطیکہ دل ایمان سے مطمئن ہو۔ **وقلبه مطمئن بالایمان** (الآیہ)

دلیل (۱) مشکوۃ شریف کی حدیث ہے حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا **امرت ان اقاتل الناس حتی یقولوا لا الہ الا اللہ** (کما قال) تو قول اقرار لسانی سے ہوگا تو اس حدیث کے مضمون سے یہ بات معلوم ہوتی ہے کہ اقرار لسانی ضروری ہے۔

جواب:۔ جمہور متکلمین کی طرف سے جواب یہ ہے کہ اس حدیث کا مدلول یہ ہے کہ احکام دنیوی کے اجراء کے لئے اقرار لسانی کا پایا جانا ضروری ہے۔ جیسا کہ قرینہ اس پر یہ ہے کہ یہاں اقرار لسانی پر انتہائے جنگ وقتال اور جہاد کو مرتب کیا گیا ہے یہ اس بات پر دال ہے کہ اقرار لسانی دنیوی احکام کے اجراء کے لئے ہے کیونکہ قتال یہ دنیوی حکم ہے (یعنی اس حدیث میں اقرار لسانی پر قتال کے موقوف ہونے کو مرتب کیا گیا ہے) جواب دینے کی ضرورت تو نہیں تھی کیونکہ یہ احناف کا قول بھی ہے۔

دلیل نمبر۲۔ اقرار لسانی میں دو احتمال ہیں (۱) حقیقت ایمان میں داخل ہو (۲) خارج ہو۔ احتیاط کا تقاضا یہ ہے کہ اقرار لسانی کو حقیقت ایمان میں داخل قرار دیا جائے۔ کیونکہ ادخال میں نفع ہے اور اخراج میں نقصان ہے۔ اس لئے کہ اگر حقیقتاً اقرار لسانی خارج ہو اور

ہم اس کو حقیقت ایمان میں داخل کریں تو فائدہ ہوگا اور مواخذہ نہیں ہوگا اور اگر بالفرض داخل ہے اور ہم اگر اس کو حقیقت ایمان سے خارج کر دیں تو اس پر مواخذہ ہوگا۔ اس لئے اس کو حقیقت ایمان میں داخل مانیں گے خارج نہیں مانیں گے۔

پانچواں مذہب جمہور محدثین اور فقہائے شوافع و مالکیہ کا ہے:۔ ان کا مذہب یہ ہے کہ ایمان مرکب ہے یعنی حقیقت ایمان تین چیزوں سے مرکب ہے (۱) تصدیق قلبی (۲) اقرار لسانی (۳) اعمال جوارح سے۔ یہ تینوں ایمان کا جزو ہیں۔

دلیل:۔ وہ نصوص ہیں جن میں اعمال صالحہ پر ایمان کا اطلاق ہوتا ہے جیسے قرآن پاک کی آیت **وَمَا كَانَ اللّٰهُ لِيُضِيعَ اِيْمَانَكُمْ اى صلاتكم** اور حدیث وفد عبدالقیس (جو کہ مشکوٰۃ میں ہے) وہاں بھی ایمان کا اطلاق اعمال صالحہ پر ہوا ہے۔ تو ان نصوص سے معلوم ہوا کہ اقرار لسانی اور اعمال جوارح کا ایمان کے لئے ہونا ضروری ہے اور یہ حقیقت ایمان کا جزو ہیں۔

جواب:۔ جمہور متکلمین کی طرف سے جواب یہ ہے کہ یہ آپ کا استدلال تب تام ہوتا جب کہ یہ ثابت ہو جائے کہ یہ **اطلاق الجز علی الکل** کے قبیل سے ہے حالانکہ اس میں یہ احتمال بھی تو ہے کہ **اطلاق الاصل علی الفرع** یا **اطلاق الاثر علی الموثر** کی قبیل سے ہو۔ **اذا جاء الاحتمال بطل الاستدلال**۔ لہٰذا یہ دلیل قابل استدلال نہیں۔

سوال: فرق باطلہ کا اختلاف تو کوئی باعث تعجب نہیں لیکن اہل حق کا خصوصاً اصل اصول کا ایمان کے مسئلے میں کیسے اختلاف ہو سکتا ہے؟

جواب۔ کوئی اختلاف نہیں محض تعبیر اور عنوان کا اختلاف ہے یعنی ایمان کی تعبیر بسیط ہونے کے ساتھ کی جائے یا مرکب ہونے کے ساتھ اس میں اختلاف ہے۔ جمہور متکلمین فرماتے ہیں کہ بسیط کے ساتھ کی جائے اور جمہور محدثین اور فقہائے شوافع و مالکیہ فرماتے ہیں مرکب کے ساتھ کی جائے۔ باقی اس بات میں اتفاق ہے کہ ایمان تصدیق قلبی کا نام ہے۔

سوال:۔ باقی رہی یہ بات کہ عنوان میں کیوں اختلاف ہوا ہے؟ اور اس اختلاف کا پس منظر کیا ہے؟

جواب:۔ ہر فریق کا مقصود اپنے زمانے کے فرق باطلہ پر علی وجہ المبالغہ رد کرنا ہے تو

جس کے زمانے میں جس کا مقتضی تھا اس نے اسی تعبیر وعنوان سے رد کر دیا ہے چونکہ جمہور متکلمین کا مقصود فرق باطلہ میں سے خوارج پر رد کرنا ہے جن کا عقیدہ یہ تھا کہ اعمال صالحہ کا تارک کافر ہوتا ہے تو ان پر علی وجہ المبالغہ رد کیا ہے کہ ایمان تو ہے ہی بسیط۔ اعمال صالحہ اس میں داخل ہی نہیں ہیں اور جمہور محدثین اور فقہاء کا مقصود فرق باطلہ میں سے معتزلہ پر رد کرنا تھا جن کا عقیدہ یہ تھا کہ تارک اعمال صالحہ مومن باقی نہیں رہتا اگر چہ کافر بھی نہیں ہوتا اور فرقہ مرجیئہ پر رد کرنا مقصود تھا جن کا عقیدہ یہ ہے کہ اعمال صالحہ کی سرے سے کوئی حیثیت ہی نہیں تو جمہور محدثین نے ان پر رد کرنے کے لئے کہ علی وجہ المبالغہ کہا کہ اعمال صالحہ تو ایمان کا جزو ہیں ۔تو حاصل یہ ہے کہ زمانے کے حالات کے مطابق اور مقتضی کے مطابق تعبیر کو اختیار کیا ہے۔

بعنوان ثانی یوں کہا جائے کہ ایمان کے دو درجے ہیں۔ (۱) نفس ایمان (۲) کامل ایمان۔ جن اہل حق نے یہ کہا کہ اعمال صالحہ حقیقت ایمان کا جزو نہیں یعنی نفس ایمان کا جزو نہیں اور جن اہل حق نے یہ کہا کہ اعمال صالحہ حقیقت ایمان کا جزو ہے یعنی کامل ایمان کا جزو ہے اب اس میں کوئی اشکال نہیں۔

بعنوان ثالث یوں کہا جائے گا کہ ایمان دو قسم پر ہے (۱) المنجی عن دخول النار (۲) المنجی عن الخلود فی النار۔ جن اہل حق نے یہ کہا ہے کہ اعمال صالحہ حقیقت ایمان کا جزو نہیں ہے تو اس سے مراد وہ ایمان ہے جو المنجی عن الخلود فی النار ہو۔ اور جن اہل حق نے یہ کہا کہ حقیقت ایمان کا جزو ہے تو المنجی عن دخول فی النار ہو۔ یعنی وہ ایمان جو جہنم میں داخل ہونے سے بچائے وہ ایمان ہے جو اعمال صالحہ کے ساتھ ہو۔

بعنوان رابع یوں کہا جائے گا کہ اجزاء دو قسم پر ہیں (۱) اجزائے حقیقیہ ترکیبیہ جن کے انتفاء سے کل منتفی ہو جاتا ہے مثلاً درخت کی جڑوں کو بالکل کاٹ دینے سے درخت باقی نہیں رہتا۔ اسی طرح انسان کا سر کاٹ دینے سے انسان باقی نہیں رہتا (۲) اجزائے عرفیہ تزیینیہ کہ جس کے انتفاء سے شئ تو منتفی نہیں ہوتی لیکن شئ کی چمک دمک ختم ہو جاتی ہے۔ حسن و جمال منتفی ہو جاتا ہے مثلاً درخت کی شاخیں کاٹ دیں تو درخت منتفی تو نہیں ہوگا لیکن اس کا حسن و جمال ختم ہو جائے گا اور اسی طرح انسان کے اعضاء کاٹ دیئے جائیں تو انسان ختم تو نہیں ہوگا لیکن اس کا حسن

وجمال منتفی ہوجائے گا۔اس کے بعداب ہم کہتے ہیں جن اہل حق نے یہ کہا کہ اعمال صالحہ حقیقت ایمان کا جزو نہیں یعنی اجزائے حقیقیہ ترکیبیہ نہیں کہ ان کے انتفاء سے ایمان منتفی ہوجائے اور جن اہل حق نے یہ کہا کہ اعمال صالحہ حقیقت ایمان کا جزو ہیں یعنی اجزائے عرفیہ وتزیینیہ ہیں۔

چھٹا مذہب خوارج اور معتزلہ کا ہے:۔ وہ کہتے ہیں ایمان امور ثلثہ سے مرکب ہے۔۱۔ تصدیق قلبی۔۲۔اقرار لسانی۔۳۔اعمال جوارح۔

سوال:۔ جمہور محدثین اور معتزلہ وخوارج کے مذہب کے درمیان فرق کیا ہوا جبکہ جمہور کے نزدیک بھی ایمان امور ثلثہ سے مرکب ہے اوران کے نزدیک بھی امور ثلثہ سے مرکب ہے۔

جواب۔ زمین وآسمان کا فرق ہے اس لئے کہ جمہور کے نزدیک اعمال صالحہ اجزائے عرفیہ تزیینیہ ہیں اور خوارج ومعتزلہ کے نزدیک اعمال صالحہ یہ اجزائے حقیقیہ ترکیبیہ ہیں کہ جن کے ختم سے ایمان ختم ہوجاتا ہے۔یہی وجہ ہے کہ معتزلہ وخوارج کے نزدیک اعمال صالحہ کا تارک اور کبائر کا مرتکب ایمان سے خارج ہوجاتا ہے اور پھر فرق یہ ہے کہ آیا وہ کافر ہوتا ہے یا نہیں ہوتا تو معتزلہ منزلۃ بین المنزلتین کے قائل ہیں اور خوارج اسکے قائل نہیں لیکن جمہور کے نزدیک اعمال صالحہ کا تارک اور مرتکب کبائر ایمان سے بھی خارج نہیں ہوتا۔لہٰذا فرق واضح ہے۔

خوارج ومعتزلہ کی دلیل۔ انکی دلیل یہ ہے وہ نصوص کہ جن میں اعمال صالحہ کے تارک سے ایمان کی نفی کی گئی ہے جیسے لا ایمان لمن له امانة له۔اسی طرح حدیث ابوہریرہؓ کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اذا زنی العبد خرج منه الایمان تو معلوم ہوا کہ یہ مومن نہیں رہیگا۔زانی سے ایمان کی نفی کی گئی ہے۔

جواب۔ یہ نصوص زجر علی وجه المبالغه پر محمول ہیں یا مستحل پر محمول ہیں یعنی وہ شخص جوان کاموں کو جائز اور حلال سمجھتا ہے اسکے بارے میں فرمایا ہے۔

ایمان کے ساتھ اقرار کے تعلق کی کیفیت کا بیان

اس میں متعدد قول ہیں (۱) اقرار لسانی کا ایمان کے ساتھ احکام دنیوی کے اجرا کے لئے شرطیت کا تعلق ہے۔جیسا کہ مذہب جمہور متکلمین واحناف کا ہے۔

(۲)اقرارلسانی نسیاً منسیاً نہ شرطیت کی حیثیت معتبر ہے اور نہ شطریت کی حیثیت معتبر ہے جیسا کہ مذہب مرجیئہ ہے۔

(۳)اقرارلسانی تو عین ایمان ہے۔جیسا کہ کرامیہ کا قول ہے۔(۴)اقرارلسانی کا ایمان کے ساتھ رکن ہونے کا تعلق ہے۔جو رکن حالت اضطراری میں ساقط ہو جاتا ہے جیسا کہ اشاعرہ کا قول ہے(۵)۔اقرارلسانی ایمان کا جزو تزئینی ہے۔جیسا کہ جمہور محدثین وفقہاء کا قول ہے۔

(۶)۔اقرارلسانی ایمان کا جزو حقیقی اور ترکیبی ہے۔جیسا کہ معتزلہ وخوارج کا قول ہے۔

ایمان کے ساتھ
اعمال صالحہ کے عمل کی کیفیت

۱-اہل حق کے ہاں مکمل للایمان ہونے کا تعلق ہے۔۲-جمہور محدثین حضرات کے نزدیک اجزاء عرفیہ تنزیہیہ ہونے کا تعلق ہے۔

۳-معتزلہ اور خوارج کے نزدیک اجزاء حقیقیہ ترکیبیہ ہونے کا تعلق ہے۔۴-مرجیئہ کے نزدیک کوئی تعلق ہے ہی نہیں۔

ایمان میں کمی وزیادتی

اس میں تین قول ہیں۔

۱۔احناف فرماتے ہیں: الایمان لایزید ولا ینقص۔

(ایمان نہ زیادتی کو قبول کرتا ہے اور نہ نقصان کو)

۲۔مالکیہ فرماتے ہیں الایمان یزید ولکن لاینقص . یزید بالطاعات ۔ (ایمان زیادتی کو تو قبول کرتا ہے لیکن نقصان کو قبول نہیں کرتا) اور ایمان میں زیادتی نیک اعمال کے ساتھ ہوگا۔

۳۔جمہور محدثین فرماتے ہیں الایمان یزید و ینقص یزید بالطاعات وینقص بالمعاصی۔(ایمان زیادتی کو قبول کرتا ہے طاعات کے ساتھ اور نقصان کو قبول کرتا ہے گناہوں کے ساتھ)

دلیل۔ احناف کے نزدیک ایمان کی حقیقت فقط تصدیق قلبی ہے اور تصدیق قلبی نہ بڑھتی ہے اور نہ کم ہوتی ہے لہٰذا الایمان لایزید و لاینقص۔

اور مالکیہ کے نزدیک ایمان بڑھتا ہے لیکن کم نہیں ہوتا۔

ان کی دلیل یہ ہے کہ چونکہ نصوص میں زیادتی ایمان کا ذکر ہے جیسے وَاِذَا تُلِيَتْ عَلَيْهِمْ اٰيٰتُهٗ زَادَتْهُمْ اِيْمَانًا اس لئے ایمان میں زیادتی مانتے ہیں کہ تسلیم خم چونکہ ایمان کے کم ہونے کا ذکر نہیں اس لئے ایمان نہیں کم ہوتا۔ نصوص میں نقصان ایمان کا ذکر نہیں ہے۔

جمہور محدثین فرماتے ہیں کہ ایمان بڑھتا بھی ہے طاعات کے ذریعہ اور کم بھی ہوتا ہے معاصی کے ذریعہ سے۔

دلیل۔ یہ ہے کہ چونکہ ایمان نام ہے تصدیق قلبی اور اعمال ارکانی اور اقرار لسانی کے مجموعے کا۔ اور نیز زیادتی کا ذکر تو نصوص میں ہے اور قاعدہ اور ضابطہ یہ ہے کہ کل مایقبل الزیادۃ یقبل النقصان لہٰذا ایمان زیادتی اور نقصان دونوں کے ساتھ موصوف ہوتا ہے اور دونوں کو قبول کرتا ہے۔ یہ قابل للزیادۃ والنقصان ہے۔

یہ بھی کوئی حقیقی اختلاف نہیں لفظی اختلاف ہے۔ جنہوں نے کہا ایمان بسیط ہے انہوں نے کہا الایمان لایزید ولا ینقص اور جنہوں نے مرکب ہونے کا قول کہا انہوں نے کہا الایمان یزید و ینقص. بعنوان آخر ایمان کے دو درجے ہیں۔

نمبر(۱)۔ نفس ایمان۔ (۲)۔ کامل ایمان۔ جنہوں نے نفس ایمان کا اعتبار کیا ہے انہوں نے کہا الایمان لایزید و لاینقص اور جنہوں نے کامل ایمان کا اعتبار کیا ہے انہوں نے کہا الایمان یزید و ینقص.

بعنوان ثالث تصدیق میں دو اعتبار ہیں۔ ۱۔ قولہ کم میں سے ہونے کی حیثیت کے اعتبار سے۔ ۲۔ قولہ کیف میں سے ہونے کی حیثیت کے اعتبار سے۔ کم کا مطلب یہ ہے کہ مقدار اور کیف کا مطلب یہ ہے کہ قوۃ وضعف ہو۔ تو جن حضرات نے مقولہ کم میں سے ہونے کی حیثیت کے اعتبار سے کیا انہوں نے کہا الایمان لایزید ولا ینقص اور جنہوں نے مقولہ کیف میں سے ہونے کی حیثیت کے اعتبار سے کیا انہوں نے کہا الایمان یزید و ینقص

یعنی ایمان قوی اور ضعیف ہوتا ہے کہاں ابوبکر صدیقؓ کا ایمان ہے اور کہاں دیگر صحابہؓ کا اور باقی عوام کا ایمان ہے۔ (اور یہ نہیں کہا جا سکتا کہ کم ہے یا زیادہ)

بعنوان رابع:۔ زیادتی میں دو اعتبار ہیں (۱) نفس تصدیق کے اعتبار سے زیادتی ہو (۲) مصدق بہ مومن بہ کی تصدیق کی اعتبار سے زیادتی ہو۔ نیز متعلقات تصدیق میں اضافہ تدریجاً ہوتا رہا ہے تو جنہوں نے نفس تصدیق کی زیادتی کا اعتبار کیا وہ انہوں نے کہا **الایمان لایزید و لاینقص** اور جنہوں نے متعلقات تصدیق کی زیادتی کا اعتبار کیا انہوں نے کہا **الایمان یزید و ینقص** اور متعلقات تصدیق تدریجاً فتدریجاً بڑھتے رہے ہیں اور اس قسم کی زیادتی کوئی باعث فضیلت نہیں ہے۔ اس لئے اب یہ اعتراض بھی وارد نہیں ہوگا کہ پہلے وفات پانے والے صحابہ کرامؓ کا ایمان تھوڑا ہوا۔ لیکن یہ بھی حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانے تک تھا اس کے بعد تو نسخ وغیرہ کا مسئلہ بھی ختم ہو گیا۔ (خیر المفاتیح جلد اول)

حکیم الامت حضرت تھانوی رحمہ اللہ تعالیٰ کے خطبات سے ایمان افروز اقتباسات

ایمان اور تردد

حکیم الامت حضرت تھانوی رحمہ اللہ فرماتے ہیں۔ ایک بزرگ کی حکایت ہے کہ انہوں نے حق تعالیٰ سے دعا مانگی کہ جتنا رزق تمام عمر کے اندر میری قسمت میں لکھا ہے وہ مجھے ایک دم سے مل جاوے۔ اس پر خطاب ہوا کہ کیا ہمارے وعدہ پر وثوق نہیں۔ انہوں نے عرض کیا کہ وثوق تو پورا ہے مگر شیطان پریشان کرتا ہے جب عبادت کے لئے کھڑا ہوتا ہوں تو کہتا ہے کہ تو کھائے گا کہاں سے۔ میں کہتا ہوں کہ اللہ دے گا تو وہ کہتا ہے کہ یہ تو سچ ہے کہ اللہ دے گا مگر یہ تو معلوم نہیں کہ کب دے گا۔ وہ مجھے پریشان کرتا ہے اس لئے میں چاہتا ہوں کہ ساری عمر کا ایک دم سے مل جاوے تو اس کو کوٹھڑی میں مقفل کر دوں۔ جب شیطان کہے گا کہاں سے کھائے گا تو فوراً کہہ دوں گا کہ اس کوٹھڑی کے اندر سے کھاؤں گا۔ بس پھر وہ وسوسہ نہ ڈالے گا۔ وہ بزرگ عقلاً تو غالب تھے شیطان پر لیکن طبعاً غالب نہ تھے۔

اس حکایت کو سن کر کوئی یہ شبہ نہ کرے کہ یہ کیسے بزرگ تھے کہ ان کو حق تعالیٰ پر اطمینان نہ تھا یہ بات تو بزرگی کے خلاف ہے مخلوق کے وعدہ پر تو ایسا وثوق ہو جاوے کہ وسوسہ بھی نہ آوے اور خدا تعالیٰ کے وعدہ پر اتنا بھی وثوق نہ ہو۔ یہ تعجب کی بات ہے اور یہی شبہ اکثر واعظوں کی زبان پر عام مسلمانوں کے حق میں دائر ہوتا ہے کہ کوئی دعوت کر جاوے تو کیسے بھروسہ کر کے بیٹھ جاتے ہیں اور خدا تعالیٰ کے وعدہ پر ایسا بھروسہ نہیں۔ مگر سمجھ لیجئے کہ یہ

الزام ہے مسلمانوں پر۔ وجہ یہ ہے کہ خدا تعالیٰ کی طرف سے وقت معین نہیں ہے اور ابہام میں خاصیت طبعیہ ہے بے اطمینانی نہ کہ بے یقینی اور مخلوق کی طرف سے وقت معین ہوتا ہے اور تعین میں خاصیت طبعیہ ہے۔ اطمینان چنانچہ اگر مخلوق کی طرف سے بھی وقت متعین نہ ہو۔ مثلاً کوئی اس طرح دعوت کرے کہ ہم جب دل چاہے ایک وقت کا کھانا بھیجیں گے تو ان کے وعدہ سے بھی اطمینان نہیں ہوتا۔ یہ وجہ ہے کہ مخلوق کی طرف سے تو اطمینان ہو جاتا ہے اور خدا کی طرف سے نہیں ہوتا۔ یہ کوئی الزام کی بات نہیں یہ تو امر طبعی ہے ہاں اگر حق تعالیٰ کا وعدہ معین ہوتا پھر اگر کوئی یقین نہ کرتا تو الزام تھا۔

پس چونکہ خدا تعالیٰ کے وعدہ میں تین قسم کا ابہام ہے ایک یہ کہ کب ملے گا۔ ایک یہ کہ کس درجہ سے ملے گا۔ زراعت سے یا تجارت سے یا اور کسی طریقہ سے۔ ایک یہ کہ کتنا ملے گا پیٹ بھی بھرے گا یا نہیں۔ چنانچہ کبھی کم ملتا ہے اور کبھی زیادہ ملتا ہے۔ اس واسطے تردد ہوتا ہے کیونکہ طبعی بات ہے کہ ابہام سے تردد ہوتا ہے۔ یہ نہیں کہ حق تعالیٰ پر وثوق نہیں اور یہ تردد ایمان کے منافی نہیں بلکہ کمال ایمان کے بھی منافی نہیں۔

سب سے زیادہ انبیاء علیہم السلام کا ایمان ہے۔ وہ سب سے زیادہ کامل الایمان ہیں مگر حضرت ابراہیم علیہ السلام کے قصے میں ہے کہ وہ عرض کرتے ہیں۔ وَلٰكِنْ لِّيَطْمَئِنَّ قَلْبِیْ. (اور لیکن میرے دل کی تسلی کے لئے) آخر لِّيَطْمَئِنَّ کا کیا مطلب ہے خود واقعہ سے معلوم ہوتا ہے کہ ابراہیم علیہ السلام کو کسی درجہ کا تردد تھا۔ اس لئے وہ چاہتے تھے کہ میں دیکھ لوں۔ فرمایئے کہ ابراہیم علیہ السلام کو کون سا تردد تھا۔ ظاہر بات ہے کہ وہ تردد تو ہو نہیں سکتا جو منافی ایمان ہو۔ پس اس سے معلوم ہوا کہ مطلق تردد منافی ایمان کے نہیں۔ ایک فرد تردد کی وہ بھی ہے جو منافی ایمان نہیں۔ تردد کی بہت سی قسمیں ہیں۔ یہ تردد جو حضرت ابراہیم کو تھا ایمان کے ساتھ جمع ہو سکتا ہے۔ اول تو ابراہیم علیہ السلام کی شان ایسی ہے کہ ان کی نسبت یہ گمان ہو ہی نہیں سکتا کہ ان میں ایسا تردد تھا جو کہ ایمان کے منافی ہے اور پھر قرآن میں اس کی تصریح بھی موجود ہے کہ جب ان سے کہا گیا کہ اَوَلَمْ تُؤْمِنْ کہ کیا تمہارا اس پر ایمان نہیں تو انہوں نے جواب دیا کہ بَلٰی یعنی ایمان کیوں نہیں۔ میں تو صرف اس لئے یہ درخواست کرتا ہوں کہ میرے قلب کو

اطمینان ہو جاوے۔اس سے معلوم ہوتا ہے کہ یقین آپ کو پورا تھا۔شک ذرا بھی نہ تھا۔ہاں تردد کا وہ زمانہ تھا جو اطمینان کے مقابل ہے اور وہ منافی ایمان نہیں۔

اسی طرح حضرت ابراہیم علیہ السلام عرض کرتے ہیں۔ رَبِّ اَرِنِیْ کَیْفَ تُحْیِ الْمَوْتٰی کہ آپ کس کیفیت سے مردوں کو زندہ کریں گے۔اس کی کوئی نظیر دکھا دیجئے۔ اس پر حکم ہوا۔ فَخُذْ اَرْبَعَةً مِّنَ الطَّیْرِ الخ (پس چار پرندے پکڑو) ان کو بلالو۔ پھر ذبح کر کے خوب ان کا قیمہ کرلو اور چار حصے کر کے چار جگہ رکھ دو۔ پھر ان کو پکارو سب دوڑے چلے آئیں گے۔ چنانچہ ایسا ہی کیا اور پکارا۔ بس سب زندہ ہو کر ان کی طرف چلے آئے۔ابراہیم علیہ السلام نے اپنی آنکھ سے تماشا دیکھ لیا بس اس سے معلوم ہو گیا کہ مطلق تردد نہ ایمان کے منافی ہے اور نہ کمال ولایت کے۔

یہ سالکین کے کام کی بات ہے ان کو بعض اوقات وسوسے گھیرتے ہیں تردد پیدا ہوتے ہیں۔اس سے سمجھتے ہیں کہ پہلی حالت کی طرف عود ہو گیا ہم مردود ہو گئے۔ یہ غلطی ہے بلکہ بات یہ ہے کہ وساوس کے آنے میں بھی حکمت ہوتی ہے۔ مثلاً یہ کہ پہلے اطمینان کی حالت پیش آ گئی تھی۔اس وقت ناز ہونے لگا تھا۔حق تعالیٰ اس کی اصلاح کے واسطے تردد میں گرفتار کر دیتے ہیں۔خوب سمجھ لینا چاہئے کہ تردد خطرات وسواس مطلق منافی نہیں کمال کے۔یہ علامت ضعف کی نہیں۔

خیر ان بزرگ کی حکایت یہ ہوئی کہ انہوں نے حق تعالیٰ سے عرض کیا کہ یا اللہ مجھے ساری عمر کا رزق ایک دفعہ دے دیجئے تا کہ وسواس سے نجات ہو جاوے۔تو یہ حضرت جمعیت قلب کے لئے اسباب دنیا اختیار کرتے ہیں۔ چنانچہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ایک سال کا وظیفہ عیال کے لئے جمع کر لیتے تھے۔آپؐ نے ہماری تعلیم کے لئے ایسا کیا۔ آپؐ کو اس کی ضرورت نہیں تھی۔ بلکہ امت کے ضعف کی رعایت فرمائی اگر آپؐ ایسا نہ کرتے تو امت یوں سمجھتی کہ جائز تو ہے مگر کمال کے خلاف ہے آپؐ نے عمل کر کے بتلا دیا کہ یہ کمال کے بھی خلاف نہیں۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے مذاق کے خلاف امت کے مذاق کی رعایت فرمائی۔ اگر آپؐ اسباب کو ترک فرما دیتے تو باوجود ہونے کے بھی ذخیرہ رکھتے ہوئے بہت سے متبعین کی طبیعت رکتی...... کیا ٹھکانا ہے اس شفقت کا۔

اس کی ایسی مثال ہے جیسے کوئی بڑا فصیح ہو اور وہ بچہ کی رعایت کر کے تو تلا بولنے لگتا ہے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ہمارے ضعف کی رعایت فرمائی۔ اسباب کو اختیار نہ فرماتے تو آپ کا کوئی ضرر نہ تھا۔ بس صرف شفقت تھی جس کی وجہ سے ایسا کیا۔ مگر آپؐ نے اسباب کو ایک حد کے اندر رکھا۔ (خطبات حکیم الامت ج ۸)

ایک اہم ایمانی نکتہ

حکیم الامت حضرت تھانوی رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ حق تعالیٰ نے ارشاد فرمایا۔

وَكَذٰلِكَ اَوْحَيْنَآ اِلَيْكَ رُوْحًا مِّنْ اَمْرِنَا ؕ مَا كُنْتَ تَدْرِىْ مَا الْكِتٰبُ وَلَا الْاِيْمَانُ وَلٰكِنْ جَعَلْنٰهُ نُوْرًا نَّهْدِىْ بِهٖ مَنْ نَّشَآءُ مِنْ عِبَادِنَا ؕ وَاِنَّكَ لَتَهْدِىْۤ اِلٰى صِرَاطٍ مُّسْتَقِيْمٍ

(اور اسی طرح جیسا کہ اوپر بشر کے ساتھ ہمکلام ہونے کا طریقہ بیان کیا گیا ہے) ہم نے آپ کے پاس بھی وحی یعنی اپنا حکم بھیجا ہے (چنانچہ اس سے پہلے آپ کو نہ یہ خبر تھی کہ کتاب اللہ کیا چیز ہے اور نہ (مفصلا) یہ خبر تھی کہ ایمان کیا چیز ہے ولیکن ہم اپنے بندوں میں سے جس کو چاہتے ہیں ہدایت کر دیتے ہیں اور اس میں کچھ شبہ نہیں کہ آپ (اس قرآن وحی کے ذریعہ) ایک سیدھے راستے کی ہدایت کرتے ہیں (من بیان القرآن ملخصا)

یہاں حق تعالیٰ نے مَا كُنْتَ تَدْرِىْ فرمایا ہے جس کا ترجمہ بے خبری اور ناواقفی ہی سے کیا جاتا ہے یہی معنی ہیں ووجدک ضالا کے مگر ظاہر ہے کہ اس حقیقت کو اہل علم ہی سمجھ سکتے ہیں کہ ضالا یا گمراہ کا استعمال کس کس معنی میں آتا ہے اس لئے ان کو وحشت نہیں ہوسکتی اور جاہل کے ذہن میں گمراہ کے ایک ہی معنی ہیں اس لئے اس کو خلجان پیش آئے گا۔ اس لئے ایسے لوگوں کو ترجمہ دیکھنا جائز نہیں۔

فطرت سلیمہ کا تقاضا

اب میں استطراداً ایک اشکال کا اور جواب دینا چاہتا ہوں جو دوسری آیت مَا كُنْتَ تَدْرِىْ مَا الْكِتٰبُ وَلَا الْاِيْمَانُ پر واقع ہوتا ہے کیونکہ اس میں یہ کہا گیا ہے کہ

آپ کو کچھ خبر نہ تھی کہ کتاب کیا چیز ہے اور ایمان کیا چیز ہے جس سے بظاہر ایمان کی نفی ہوتی ہے۔ سو سمجھ لینا چاہئے کہ اس سے یہ لازم نہیں آتا کہ نعوذ باللہ! حضور صلی اللہ علیہ وسلم پر کوئی زمانہ ایسا بھی گزرا جس میں آپ کو ایمان حاصل نہ تھا۔ ہرگز نہیں۔ کیونکہ انبیاء علیہم السلام کو نفس ایمان ہر وقت نبوت سے پہلے بھی حاصل ہوتا ہے جس سے مراد صانع عالم کا اعتقاد اور توحید کا قائل ہونا ہے کہ اس سے کوئی نبی کسی وقت بھی خالی نہیں ہوسکتا کیونکہ وجود صانع اور توحید صانع کا علم فی نفسہ فطری ہے اگر ایک بچہ کو الگ مکان میں پرورش کیا جائے جہاں اس کے سامنے کسی مذہب کا تذکرہ اثباتاً یا نفیاً نہ کیا جائے پھر جب وہ بلوغ کو پہنچ جائے اس وقت اس کو جنگل میں کھڑا کر کے پوچھا جائے کہ آسمان وزمین کس طرح پیدا ہوئے تو وہ ضرور کہے گا کہ انکا بنانے والا کوئی ضرور ہے اور وہ واحد ہے فطرت سلیمہ وجود وتوحید صانع کا انکار نہیں کرسکتی۔ اور انبیاء علیہم السلام کی فطرت سب سے زیادہ سلیم ہوتی ہے پھر یہ کیونکر ممکن ہے کہ وہ توحید کے قائل نہ ہوں۔ یہ علم ان کے لئے ضروریات سے ہے۔ استدلال کی بھی حاجت نہیں الاللتقویہ۔ پس مَا كُنْتَ تَدْرِىْ مَا الْكِتٰبُ وَلَا الْاِيْمَانُ کا یہ مطلب نہیں کہ کسی وقت آپ کو ایمان حاصل نہ تھا بلکہ مطلب یہ ہے کہ آپ ایمان کو جانتے نہ تھے اور عدم درایت عدم وجود کو مستلزم نہیں کیونکہ بعض دفعہ ایک آدمی کے پاس کوئی چیز موجود ہوتی ہے مگر اس کو خبر نہیں ہوتی کہ میرے پاس یہ چیز موجود ہے۔

مثلاً ایک ناواقف کے ہاتھ کہیں سے یاقوت یا زمرد کا ٹکڑا لگ جائے تو اس وقت یہ کہنا صحیح نہیں کہ اس کو یاقوت وزمرد کی خبر نہیں۔ اسی طرح سیدنا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر ایسا کوئی وقت نہیں گزرا جس میں آپ ایمان سے مشرف نہ ہوں۔ نبوت سے پہلے آپ کو یہ خبر نہ تھی کہ ایمان اسی کیفیت کا نام ہے جو میرے اندر موجود ہے جیسے احکام ناسوتیہ میں حکماء اس کے قائل ہیں کہ بچہ جب پیدا ہوتا ہے۔ اسی وقت سے اس میں عقل وشعور وغیرہ سب کچھ ہوتا ہے مگر اس وقت مرتبہ استعداد میں یہ امور ہوتے ہیں اس وقت بچہ کو یہ خبر نہیں ہوتی کہ میرے اندر کیا کیا جواہرات ہیں۔ پھر بالغ ہونے کے بعد اس کی عقل وغیرہ کا ظہور ہوتا ہے اور اس وقت اس کو بھی علم ہوجاتا ہے کہ ہاں میرے اندر عقل وفہم موجود ہے۔

ایمان اور نبوت

اسی طرح حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو ایمان نبوت سے پہلے بھی حاصل تھا۔ آپ کے اندر اور کمالات کا مادہ بھی سب موجود تھا۔ آپ ابتداء ہی سے معرفت وانوار کے جامع تھے مگر آپ کو اس کی خبر نہ تھی۔ بعد نبوت کے حق تعالیٰ نے ان کمالات سے واقف کر دیا' تب معلوم ہوا کہ مجھے تو اللہ تعالیٰ نے بہت بڑی دولت دے رکھی ہے اور اب خبر ہوئی کہ جو کیفیت میرے اندر ابتداء سے موجود ہے اس کا نام ایمان ومعرفت وغیرہ وغیرہ ہے۔

خوب سمجھ لو کہ ماتدری سے خبر کی نفی ہوتی ہے حصول کی نفی نہیں اور یہ بے خبری کچھ نقص نہیں بلکہ اگر غور کر کے دیکھا جائے تو اس صورت میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ حق تعالیٰ کی محبت وعنایت زیادہ ظاہر ہوتی ہے کہ پہلے آپ بے خبر تھے پھر دفعۃً علوم کا دریا بہا دیا۔ اگر آپ پہلے سے باخبر ہوتے تو وحی نازل ہوتی تو آپ کو حق تعالیٰ کی محبت وعنایت کا کیا پتہ چلتا۔ اس صورت میں محبت حق کی کوئی دلیل نمایاں طور پر نہ ہوتی اور جب پہلے آپ بے خبر تھے تو دفعۃً تمام عالم سے زیادہ علوم آپ کو عطا کر دیئے گئے۔ اب آپ کے پاس عنایت ومحبت حق کی نمایاں دلیل ہوگئی کہ واقعی حق تعالیٰ مجھے بہت ہی چاہتے ہیں۔

دونوں صورتوں کا فرق ایک مثال سے سمجھئے۔ مثلاً ایک تو وہ آدمی ہے جس کے گھر میں سونا چاندی بھرا ہوا ہے جو بادشاہ نے اس کے بزرگوں کو دیا تھا اور اس کو میراث میں پہنچا۔ بادشاہ اس کو بلا کر یہ کہے کہ جو کچھ تمہارے پاس ہے وہ ہمارا ہی دیا ہوا ہے مگر تم کو خبر نہیں۔ تم سمجھتے ہو کہ یہ میرا موروثی سرمایہ ہے اور میرے بزرگوں کا کمایا ہوا ہے اور ایک وہ آدمی ہے جس کو بادشاہ نے گھر دیا جس میں سونا چاندی مدفون ہے مگر اس کو خبر نہیں اس کو بلا کر بادشاہ نے اسی دفینہ پر مطلع کر دیا اور اس کے نکالنے اور برتنے کی اجازت دے دی۔ بتلایئے ان دونوں میں سے عنایت سلطانی کا زیادہ احساس کس کو ہوگا۔ یقیناً اس دوسرے کو پہلے شخص سے زیادہ احساس ہوگا۔ معلوم ہوا کہ بے خبری کے بعد جو دولت کی خبر ہوتی ہے اس سے محسن کی محبت زیادہ معلوم ہوتی ہے۔ اس صورت میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم پر حق تعالیٰ کی شفقت زیادہ واضح ہوئی۔ (حکیم الامت ج ۵)

ایمان کے لئے عمل صالح لازم ہے:

حکیم الامت حضرت تھانوی رحمہ اللہ فرماتے ہیں یہ بات بھی سمجھ لینے کی ہے کہ امنو بہ کے ساتھ واعملو صالحاً (اور نیک کام کرو) کیوں نہیں فرمایا یہاں سے تو گویا سہارا ملے بعض کو کہ ایمان کافی ہے اعمال صالحہ کی کوئی ضرورت نہیں سمجھو کہ اس کے ذکر نہ کرنے سے یہ بتلانا ہے کہ عمل صالح تو ایمان کے لئے لازم غیر منفک (جدا نہیں) ہے کہ کہنے کی بھی ضرورت نہیں دیکھو اگر حاکم کہے کہ رعیت نامہ داخل کر دو تو اس کہنے کی ضرورت نہیں کہ قانون پر عمل بھی کرنا میں اس کی مثال دیا کرتا ہوں کہ کسی شخص نے قاضی کے کہنے سے کہا کہ کیا میں نے اس عورت کو قبول کیا کچھ دنوں تک دعوتیں ہوتی رہیں اس لئے کسی چیز کی ضرورت نہیں ہوئی لیکن دو چار روز کے بعد نمک لکڑی کی ضرورت ہوئی تو بیوی نے فرمائش کرنی شروع کیں۔ اب وہ گھبرایا اور پہلوتہی کرنی شروع کی جب بیوی نے بہت دق کیا تو کہنے لگا سنو بیوی میں نے صرف تمہیں قبول کیا تھا نمک لکڑی کو قبول نہیں کیا تھا تو اگر آپ کے سامنے اس کا فیصلہ آوے تو آپ فیصلہ میں کیا کہیں گے ظاہر ہے کہ بیوی کا قبول کرنا ان سب چیزوں کا قبول کرنا ہے تو اسی طرح ایمان لانا سب چیزوں کا قبول کرنا ہے اس لئے اٰمِنُوْ بِهٖ (اس پر ایمان لاؤ) کہنا کافی ہوگیا اور وَاعْمَلُوْا صَالِحًا (اور نیک کام کرو) کی ضرورت نہیں ہوئی کیونکہ خدا اور رسول ﷺ کو مانے گا اس کو سب کو سب کچھ کرنا پڑے گا آگے اس کا ثمرہ مرتب کرتے ہیں کہ یَغْفِرْ لَکُمْ مِنْ ذُنُوْبِکُمْ (اگر ایسا کرو گے تو تمہارے گناہوں کو معاف کر دیں گے اس آیت میں من یا تو ابتدائیہ ہے کہ گناہوں سے مغفرت شروع ہوگی اور اس میں اشارہ ہے کہ اتصال ہوگا یعنی ایک سرے سے گناہ معاف ہوتے چلے جائیں گے یا من تبعیضیہ ہو کہ جن گناہوں کا اب تدراک نہیں ہوسکتا مثلاً شراب خوری وغیرہ وہ معاف ہو جائیں گے باقی جن کا تدارک ہوسکتا ہے معاف نہیں ہوں گے جیسے کہ مثلاً ایک شخص نے کسی سے ہزار روپے چھین لئے اور اگلے دن ہو گئے مسلمان تو وہ روپیہ ادا کرنا پڑے گا ۔معاف نہ ہوگا۔ اب میری تقریر سے یہ اشکال جاتا رہا کہ کیا نرے ایمان پر گناہ معاف ہو جاویں گے کیونکہ معلوم ہوگیا کہ

ایمان کیلئے عمل لازم ہے اور یہ بھی ایک جواب ہے کہ صرف ایمان پر بھی کبھی نہ کبھی تو مغفرت ہوگی گو دخول نار کے بعد ہی سہی مگر یہ طالب علمانہ جواب ہے آگے فرماتے ہیں وَيُجِرْكُمْ مِنْ عَذَابٍ اَلِيْمٍ (اور دردناک عذاب سے تم کو محفوظ رکھیں گے) اگر ایمان کے ساتھ عمل صالح بھی کیا جاوے تو عذاب الیم سے عذاب مطلق مراد ہوگا کہ ہر طرح کے عذاب سے پناہ دیں گے اور اگر نرا ایمان لیا جاوے اور اس کے ساتھ عمل صالح نہ ہو تو عذاب سے مراد عذاب مخلد ہوگا کہ ہمیشہ عذاب نہیں ہوگا۔ (خطبات حکیم الامت جلد ۲۱)

دین میں رائے زنی

حکیم الامت حضرت تھانوی رحمہ اللہ فرماتے ہیں۔ صاحبو! آج کل جو لوگ قرآن میں اپنی رائے کو دخل دیتے ہیں ان کو ایمان عزیز نہیں ورنہ اگر جان کی طرح ان کو ایمان بھی عزیز ہوتا تو قرآن میں اپنی رائے کو نہ ٹھونستے نہ علماء سے مزاحمت کرتے جیسا کہ اطباء سے مزاحمت نہیں کرتے اور اگر وہاں طبیب یا ڈاکٹر کی رائے سے مزاحمت کریں گے تو وہ نکال باہر کردے گا پھر نہ معلوم دین ہی اتنا سستا کیوں ہے کہ اس میں ہر شخص اپنی رائے کو دخل دیتا ہے۔

ایمان کی قدرومنزلت

بس ایمان کو تو یوں سمجھ لیا ہے کہ ہم کو خود لپٹتا پھرتا ہے کہ جب لَا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ مُحَمَّدٌ رَسُوْلُ اللّٰهِ۔ کہہ لیں گے بس ایمان آ جائے گا اور اگر کبھی چلا بھی جائے گا تو پھر کلمہ پڑھ لینے سے واپس آ جائے گا اسی لئے بیوی کا نکاح ٹوٹنے کا تو لوگوں کو خوف ہوتا ہے مگر ایمان جانے کا خوف نہیں ہوتا۔ سو یاد رکھو بیشک ایمان لَا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ مُحَمَّدٌ رَسُوْلُ اللّٰهِ کہہ لینے سے ہر بار لوٹ آتا ہے اور چاہے کتنی دفعہ کفر کرے اس سے ایمان تازہ ہو جائے گا مگر اس بیوفائی میں خاصیت یہ ہے کہ پھر ایمان کی توفیق ہی نہ ہوگی۔ قرآن میں ہے۔

اِنَّ الَّذِيْنَ آمَنُوْا ثُمَّ كَفَرُوْا ثُمَّ آمَنُوْا ثُمَّ كَفَرُوْا ثُمَّ ازْدَادُوْا كُفْرًا لَّمْ يَكُنِ اللّٰهُ لِيَغْفِرَ لَهُمْ وَلَا لِيَهْدِيَهُمْ سَبِيْلًا۔

(جو لوگ ایمان پہلے لائے پھر کافر ہو گئے پھر ایمان لائے پھر کافر ہو گئے پھر کفر میں رہے تو اللہ ان کو ہرگز بخشنے والا نہیں اور نہ ان کو سیدھی راہ دکھائے گا)

حالانکہ ثُمَّ ازْدَادُوا کُفْراً کے بعد بھی ثُمَّ آمَنُوا کی گنجائش تھی مگر اس کے بعد حق تعالیٰ نے ثم آمنوا نہیں فرمایا، کیونکہ اس پر متنبہ کرنا مقصود ہے، کہ اس فعل میں خاصیت یہ ہے کہ اس کے بعد اکثر توفیق ایمان نہیں ہوتی پس ایمان کی قدر کرو اور اس کی حفاظت کی کوشش کرو قرآن وحدیث میں اپنی رائے کو دخل نہ دو اور نہ علماء سے مزاحمت کرو بلکہ خود کو محققین کے سپرد کرو اس سے شبہات وساوس کا دروازہ بند ہو جائے گا چونکہ آج کل یہ مرض عام ہے۔ اس لئے میں نے اس پر تنبیہ کر دی۔ (خطبات حکیم الامت ج ۲۰)

ایمان اور عمل صالح پر محبوبیت خداوندی

حکیم الامت حضرت تھانوی رحمہ اللہ فرماتے ہیں حق تعالیٰ کا ارشاد ہے۔

اِنَّ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ سَيَجْعَلُ لَهُمُ الرَّحْمٰنُ وُدًّا (سورہ مریم آیت ۹۶)

(بلاشبہ جو لوگ ایمان لائے اور انہوں نے اچھے کام کئے اللہ تعالیٰ ان کیلئے محبت پیدا کر دیگا)

اس آیت میں حق تعالیٰ شانہ نے ایک بڑی نعمت کا ذکر فرمایا ہے اور اس کے حصول کا طریقہ بھی بتلایا ہے، یا یوں کہئے کہ ایک عمل کا ذکر کر کے اس کا ثمرہ بتلایا ہے، خلاصہ یہ کہ اس جگہ یا تو ایک مقصود اور اس کا ثمرہ مذکور ہے یا ثمرہ مقصودہ اور اس کا طریق مذکور ہے فرق صرف یہ ہے کہ ایک صورت میں مطمح نظر مقصود ہے اور طریق تابع ہے اور دوسری صورت میں مطمح نظر طریق ہے اور اس کی تسہیل کے لئے ثمرہ کا ذکر ہے یعنی اِنَّ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ (جو لوگ ایمان لائے اور انہوں نے اچھے کام کئے) میں طریق کا ذکر ہے اور سَيَجْعَلُ لَهُمُ الرَّحْمٰنُ وُدًّا (اللہ تعالیٰ ان کے لئے محبت پیدا کر دے گا) میں مقصود کا ذکر ہے اور یہی ثمرہ بھی ہے۔ بہر حال یہاں حق تعالیٰ نے ایمان وعمل صالح پر محبت کو متفرع فرما دیا ہے یعنی اس سے محبت پیدا ہوتی اور محبوبیت حاصل ہوتی ہے مگر دونوں عنوانوں کے اعتبار سے اس مضمون کی تعبیر میں ذرا سا فرق ہوگا ایک صورت میں تو ایمان و عمل صالح کی ترغیب دینا مقصود ہے اور ثمرہ محبت کا ذکر اس کی طرف سہولت سے رغبت کرنے کے لئے سَيَجْعَلُ لَهُمُ الرَّحْمٰنُ وُدًّا (اللہ تعالیٰ ان کے لئے محبت پیدا کر دے گا) کیا گیا، اس وقت مقصود بالذکر ایمان وعمل صالح ہوگا اور مطلب یہ ہوگا کہ اے ہمارے

بندو! تم ایمان وعمل صالح حاصل کرو یہ مقصود ہے آگے ترغیب وتسہیل کے لئے فرمایا کہ ہم تم کو محبت عطا کریں گے محبت کی تعریف میں نے ابھی نہیں کی انتظار کیجئے ابھی میں مسوق لہٗ الکلام کی تعیین کررہا ہوں یا یوں کہئے کہ مقصود نعمت محبت کا ذکر ہے اور اِنَّ الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ (جولوگ ایمان لائے اور انہوں نے اچھے کام کئے) میں ایمان وعمل صالح کو اس کا طریق بتلایا ہے اس صورت میں مراد کی تعبیر اس طرح ہوگی کہ اے مسلمانو! نعمت محبت کے حاصل کرنے کی کوشش کرو جس کا طریقہ ایمان وعمل صالح ہے خلاصہ یہ کہ یہاں دو کام ہیں ایک ہمارے کرنے کا دوسرا حق تعالیٰ کے کرنے کا اور جو کام ہمارے کرنے کا ہے وہ دو قسم پر ہے ایک ظاہری ایک باطنی ایمان عمل باطن ہے اور عمل صالح ظاہر ہے تو کل تین کام ہوئے جن میں دو ہمارے کرنے کے ہیں اور ایک حق تعالیٰ کے کرنے کا اور تینوں فی نفسہ حاصل کرنے کی چیزیں ہیں چاہے محبت کو مقصود کہو اور اس کے واسطے ایمان وعمل کو اختیار کرو، یا ایمان وعمل صالح کو مقصود سمجھو اور اس کے اختیار کرنے کے بعد محبت کی امید رکھو حاصل دونوں کا ایک ہی ہے گو ملتفت الیہ بالذات وبالعرض کا فرق ہوگا مگر ضروری تینوں میں چاہے پہلے وہ حاصل ہو یا یہ ہر صورت میں مدعا حاصل ہے عارف شیرازی خوب کہتے ہیں ؎

بخت اگر مدد کند دامنش آورم بکف ۔۔۔۔ گر بکشد زہے طرب ور بکشم زہے شرف

(بخت اگر مدد کرے تو اس کا دامن تھام لوں اگر وہ مجھے اپنی طرف کھینچے تو باعث مسرت اور اگر میں اس کو پہنچوں تو باعث مسرت)

یعنی مقصود تو وصال ہے چاہے وہ کھینچ لیں یا ہم کھینچ لیں اسی طرح یہاں مقصود رضاء حق ہے چاہے محبت اول ملتفت الیہ ہو اور اعمال ملتفت الیہ ثانیاً ہوں یا اعمال.......... ملتفت الیہ اولاً ہوں محبت ثانیاً تینوں چیزیں حاصل کرنے کے قابل ہیں نہ وہ قابل ترک ہے نہ یہ مقصود اصلی بہر صورت متحد ہے گو دونوں کی تعبیروں میں فرق ہے۔ اب یہ سمجھئے کہ محبت کیا چیز ہے اور ایمان وعمل صالح اس کا طریق کیونکر ہے ایمان وعمل صالح کی تفسیر کی تو ضرورت نہیں معلوم ہوتی کیونکہ ان کی تفسیر کو سب جانتے ہیں اس کا مقتضاء تو یہی تھا کہ ان کی تفسیر نہ کی جائے صرف یہ بتلانا ضروری ہے کہ محبت کا ترتب ایمان وعمل صالح پر کیونکر ہے اور کیسا ہے مگر اس وجہ سے ان

کی تفسیر کا بیان کرنا بھی ضروری ہے کہ گو لوگ ان کے جاننے کا دعویٰ تو کرتے ہیں مگر چونکہ ان پر توجہ کا ترتب نہیں ہوتا اس لئے شبہ ہوتا ہے کہ شاید حقیقت ہی کو نہ جانتے ہوں اس کی ایسی مثال ہے جیسے ایک شخص اختلاج قلب کا مریض ہو اور اس کے سامنے سیب رکھا ہوا ہو مگر وہ اس پر توجہ نہیں کرتا تو اس سے شبہ ہوگا کہ شاید اس کو سیب کی حقیقت اور منفعت معلوم نہیں۔

صاحبو! اگر ایک بچہ روپے اور پیسے میں عملی فرق نہ کرے تو جائے تعجب نہیں لیکن اگر کوئی بڑا آدمی ایسا ہی کرنے لگے تو ضرور شبہ ہوتا ہے کہ اس کو روپیہ اور پیسہ میں فرق معلوم نہیں جبھی تو روپیہ دے کر پیسہ لیتا ہے اس وقت بعینہ یہی حالت ہماری ہے کہ اکثر لوگ دنیا کو آخرت پر ترجیح دے رہے ہیں، اس سے شبہ ہوتا ہے کہ شاید ان کو ایمان و عمل صالح کی حقیقت معلوم نہیں جبھی تو دنیا کے لئے ان کو برباد کیا جا رہا ہے۔ شیخ سعدی فرماتے ہیں ؎

مبادا دل آں فرومایہ شاد　　که از بہر دنیا دہد دین بباد

(اس کمینہ کے دل کو خوشی نصیب نہ ہو کہ دنیا کے واسطے دین کو برباد کرتا ہے)

(خطبات حکیم الامت جلد ۱۴)

ایمان کے مراتب

حکیم الامت حضرت تھانوی رحمہ اللہ اپنے خطبات میں فرماتے ہیں۔ حقیقت یہ ہے کہ خوف کے مراتب مختلف ہیں ایک خوف وہ ہے جو درجہ اعتقاد میں ہو یہ تو ادنیٰ درجہ ہے اور ایک وہ ہے جو درجہ حال میں ہو اور جبکہ مدار ایمان کا خوف پر ہے تو ایمان کے بھی اسی طرح دو مرتبے ہیں ایک وہ ایمان جو صرف درجہ اعتقاد تک محدود رہتا ہے یہ تو عوام کا ایمان ہے کہ جب قلب میں ٹٹولتے ہیں تو قیامت جنت دوزخ حساب کتاب سب کا حق ہونا قلب میں پاتے ہیں اور تحریک وتذکیر و ترغیب و ترہیب کے وقت ہی مستحضر ہو جاتا ہے اور باقی اوقات میں اس سے غافل ہیں سو یہ ایمان اعتقادی موقوف ہے خوف اعتقادی پر اور دوسرا درجہ ایمان کا وہ جو اعتقاد سے متجاوز ہو کر درجہ حال میں آ گیا ہے یہ خواص کا ایمان ہے کہ ایک خاص حالت ان پر رہتی ہے اور وہ یہ ہے کہ وہ علوم اجمال کے درجہ میں ان کو ہر وقت مستحضر رہتے ہیں کسی وقت نہیں بھولتے ان کو ایک ملکہ راسخہ حاصل ہو جاتا ہے جس کو یادداشت کہا جاتا ہے جیسے کسی کو کسی سے محبت ہو جاتی ہے تو دیکھئے کہ

ہر وقت اس کا خیال رہتا ہے یا کسی مقدمہ کا خوف ہوجاتا ہے ہر وقت اس کا دھیان رہتا ہے۔ حتیٰ کہ بیٹھے لیٹے کھانا کھانے میں سونے میں کسی وقت اس کو نہیں بھولتا یا کوئی مرض وبائی پھیلتا ہے تو بعض لوگوں کو ہر وقت اسی کا اندیشہ ہوتا رہتا ہے۔ حتیٰ کہ بعض تو اس خوف کی وجہ سے مر بھی جاتے ہیں۔ اسی طرح جب کسی کو خدا تعالیٰ سے تعلق ہوجاتا ہے تو وہ کسی وقت بھولتا نہیں اور یہ ایمان حالی موقوف ہے خوف حالی پر۔ بس یہ شبہ جاتا رہا اور اس استحضار کا جو ایمان حالی و خوف حالی سے ہوتا ہے یہ اثر ہے کہ آدمی اس سے بروقت متاثر رہتا ہے ایسے بندے مقبول اور اہل نسبت کہلاتے ہیں ایسے لوگوں کا ایمان ہر وقت تازہ رہتا ہے۔ مولانا اسی کو فرماتے ہیں:

تازہ کن ایمان نہ از گفت زباں   اے ہوا را تازہ کردہ در نہاں

(یعنی ایمان کو صدق دل سے تازہ کرو صرف زبان سے کہنا کافی نہیں تم نے تو باطن میں خواہشات نفسانی کو تازہ کر رکھا ہے)

ایمان تازہ رکھنے کا حکم

جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے جو ایمان کے تازہ رکھنے کا حکم فرمایا ہے ان حضرات کی حالت و عمل بالکل اسی کے موافق رہتی ہے اور اسی لیے وہ ہر وقت خدمت حق کے لیے تازہ رہتے ہیں، کسی وقت ملول نہیں ہوتے۔ یوں طبعی تکان تو ان حضرات کو بھی بمقتضائے بشریت ہوجاتا ہے مگر قلبی تکان نہیں ہوتا جیسے شوقین طلبہ کسی وقت ملول نہیں ہوتے یعنی جی نہیں اترتا تھک جاتے ہیں اور جیسے کسی محبوب کی طلب میں عاشق ہر وقت تازہ رہتا ہے تھک بھی جاتا ہے اور اسی تازگی کے سبب کبھی یاس اور ناامیدی ان کے پاس نہیں آتی۔ جیسے مولانا فرماتے ہیں:

کوئے نومیدی مرد کامید ہاست   سوئے تاریکی مرد خورشید ہاست

(یعنی ناامیدی کی راہ مت چلو اللہ تعالیٰ سے بہت امید ہیں ظلمت کی طرف مت جاؤ بہت سے خورشید بھی ہیں)

خاصیت ایمان

اور وجہ اس کی یہ ہے کہ ایمان کی خاصیت ہے کہ اس سے ہر وقت تازگی بشاشت

انشراح مومن کے قلب میں رہتا ہے اسی کو حق تعالیٰ فرماتے ہیں: "اَلَّذِیْنَ اٰمَنُوْا فَزَادَتْهُمْ اِیْمَانًا وَّهُمْ یَسْتَبْشِرُوْنَ." (سو جو لوگ ایمان دار ہیں اس صورت نے تو ان کو ایمان میں ترقی دی ہے اور خوش ہو رہے ہیں) اگر کوئی کہے کہ اہل سلوک کو قبض بھی تو پیش آتا ہے تو حقیقت یہ ہے کہ وہ تازگی مذکور اور آثار ایمان کے ان کے قلب میں اس وقت بھی ہوتے ہیں لیکن ان کو قبض کے وقت اس طرف التفات نہیں رہتا۔ اسی واسطے جب وہ کسی محقق سے رجوع کرتے ہیں اور وہ ان کو حقیقت سے آگاہی دیتا ہے تو پھر وہی بشاشت پانے لگتے ہیں کوئی نئی کیفیت پیدا نہیں ہوتی اسی بشاشت سابقہ کا ظہور ہو جاتا ہے۔ غرض ان حضرات پر اس حالت کا غلبہ رہتا ہے۔ گو ضعف کسی وقت ہو جاتا ہے لیکن مطلق تازگی ہر وقت رہتی ہے غرض جس طرح ایمان کے دو درجے ہیں ایک اعتقاداً اور ایک حالاً اور اسی طرح خوف چونکہ مدار ایمان کا ہے اس کے بھی ایسے ہی دو درجے ہیں ایک درجہ اعتقاد کا اور ایک درجہ حال کا کہ ہر وقت اس کا اثر غالب رہے اور خوف اعتقادی کی ایسی مثال ہے جیسے کوئی شخص جو مجسٹریٹ ضلع اور عدالت اور جیل خانے سے غائب ہے کبھی اس کو دیکھنے کا اتفاق نہیں ہوا تو حاکم سے ڈرتا تو وہ بھی ہے لیکن یہ خوف اعتقاد میں ہے اس پر حالت کا غلبہ نہیں اور ایک وہ شخص کہ حاکم اور مجلس حکم اس کو ہر وقت پیش نظر ہے اور جیل خانہ اور قیدی اور ہتھکڑی ہر وقت اس کے سامنے ہے اس پر جس خوف کا غلبہ ہوگا یہ خوف حالی ہے۔ پس عوام کی نسبت یوں نہ کہیں گے کہ خوف نہیں ہے خوف ضرور ہے لیکن اعتقادی ہے جو نفس ایمان کے لیے کافی ہے۔ البتہ جیسا خوف ہے اسی درجہ کا ان میں ایمان بھی ہے اب کوئی اشکال نہیں رہا۔

کمال ایمان کی نفی

اور یہاں سے اس حدیث کے معنی بھی معلوم ہو گئے کہ حدیث میں آیا ہے: "لا یزنی الزانی وھو مومن ولا یسرق السارق وھو مومن"[1] (یعنی نہیں زنا کرتا کوئی زنا کرنے والا اس حال میں کہ وہ مومن کامل ہو اور نہیں چوری کرتا کوئی چوری کرنے والا اس حال میں کہ وہ مومن کامل ہو یعنی چوری و زنا کی حالت میں ایمان کامل نہیں رہتا) یعنی جس

وقت گناہ کیا گیا اس وقت چونکہ خوف درجہ حال میں نہیں ہے اس لیے ایمان بھی اسی درجہ کا منفی ہے پس اس حدیث میں کمال ایمان کی نفی ہے نہ کہ نفس ایمان کی نفی اسی لیے حضرات شراح حدیث اہل سنت نے اس حدیث میں مومن کے معنی مومن کامل کہے ہیں جس کو طلباء محض تاویل سمجھتے ہیں لیکن اس تقریر سے واضح ہو گیا ہو گا کہ حقیقت پر محمول ہے اس لیے کہ تقسیم کا اپنی ہر قسم پر صادق آنا حقیقتاً ہی ہوتا ہے بلکہ عرفاً تو مطلق کا اطلاق اکثر کامل ہی پر ہوتا ہے۔ مثلاً کھانا ایک لقمہ کو کوئی نہیں کہتا تو اس کا مقتضا تو یہ تھا کہ ادنیٰ ایمان کو ایمان ہی نہ کہا جاتا مگر یہ محض حق تعالیٰ کا فضل ہے ایسے ایمان کو بھی انہوں نے ایمان میں شمار کیا ہے غرض وہ اشکال بلواحقہ بالکل صاف ہو گیا اور یہ تمام تر تقریر حدیث کے متعلق اہل علم کے یہاں موجود ہونے کی وجہ سے کی گئی ہے اب میں اصل مقصود کی طرف رجوع کرتا ہوں یعنی تقریر ابتدائی سے یہ ثابت ہوا کہ جب آدمی خدا تعالیٰ کی نافرمانی کرتا ہے اس وقت خوف نہیں ہوتا یعنی ایسا خوف نہیں ہوتا جیسا کہ ایک کلکٹر کو دیکھ کر چپڑاسی کو ہوتا ہے اور جیسے کسی کو یہ خبر ملی ہو کہ تمہارے گھر کا محاصرہ ہو گیا ہے۔ اگرچہ وہ جانتا ہے کہ میں بری ہوں اور اس محاصرہ سے کچھ نہ ہو گا مگر جو حالت خوف کی اس وقت ہوتی ہے گناہ کرتے ہوئے ایسی نہیں ہوتی' افسوس ہے کہ ایک ادنیٰ حاکم جو خدا کے سامنے کسی درجہ میں بھی نہیں اس کا تو اتنا خوف اور مالک حقیقی اور احکم الحاکمین کا خوف کچھ نہیں کہ کس دلیری سے اس کی مخالفت کرتے ہو۔ (خطبات حکیم الامت ج ۲۹)

فضیلت ایمان

حکیم الامت حضرت تھانوی رحمہ اللہ فرماتے ہیں جس چیز کو ایمان سے زیادہ تلبس ہو گا وہ زیادہ افضل ہو گی اور اسی وجہ سے ایمان کے ساتھ ایک دوسری صفت یعنی جاھد فی سبیل اللہ (اللہ کے راستے میں اس نے جہاد کیا) کو بھی ذکر کر دیا کیونکہ وہ اعلاء کلمۃ اللہ کا باعث اور اسلام کے پھیلانے میں معین ہے اور دلیل اس کی یہ ہے کہ کوئی عمل ایسا نہیں کہ بدوں اس کے دوسرے عمل بالکل مقبول نہ ہوں مثلاً ایسا نہیں کہ نماز بدون زکوٰۃ کے قبول نہ ہو اور زکوٰۃ بدون حج کے بجز ایمان کے کہ اس پر تمام اعمال موقوف ہیں۔ پس اس سے یہ بھی معلوم ہو گیا ہو گا کہ متعدی کو من کل الوجوہ افضل کہنا غلطی ہے۔ چنانچہ ایمان عمل متعدی نہیں

اور پھر سب سے افضل ہے اور یہیں سے یعنی ایمان کے افضل الاعمال ہونے سے ان لوگوں کی غلطی بھی معلوم ہوگئی جو کہ غیر اہل ایمان کو اہل ایمان پر فضیلت دیتے ہیں اور کہا کرتے ہیں کہ مسلمانوں سے فلاں قوم اچھی ہے۔ البتہ اگر ایسے مضامین سے مسلمانوں کو غیرت دلانا مقصود ہو تو مضائقہ نہیں، بعض لوگ بے دھڑک کہہ دیتے ہیں کہ فلاں شخص مسلمان ہو کر بھی فلاں عیب کو نہیں چھوڑتا۔ اس سے تو مسلمان ہی نہ ہوتا تو بہتر تھا یہ سخت غلطی اور جہل ہے ایک شخص مجھ سے کہنے لگے کہ رنڈیوں کو مسلمان نہ کرنا چاہیے اسلام کو ایسے مسلمانوں سے عیب لگتا ہے میں نے کہا کہ اگر اسلام ایسے مسلمانوں کو نکالے تو تم کو ان سے پیشتر نکال دے گا، تمہارے اعمال کہاں کے اچھے ہیں۔ بعضے لوگ چمار بھنگی کے مسلمان ہونے کو بوجہ تحقیر کے پسند نہیں کرتے مگر یاد رکھو جب قیامت کا دن ہوگا اس روز معلوم ہو جائے گا کہ ہم جن کو ذلیل سمجھتے تھے ان کی کیا حالت ہے اور ہماری کیا گت۔

فسوف تری اذا انکشف الغبار　　افرس تحت رجلک ام حمار

(پس عنقریب تو اے مخاطب دیکھ لے گا جس وقت کہ غبار ختم ہو جائے گا کہ آیا تیرے پیروں کے نیچے گھوڑا ہے یا کہ گدھا میدان جنگ میں کس قسم کے سوار پر فتح پائی ہے۔ اسی طرح دنیا کی زندگی ایک قسم کا غبار جب موت واقع ہوگی اور دنیاوی پردہ ختم ہو جائے گا اس وقت حقیقت حال ظاہر ہو جائے گی)

ایمان کی عجیب مثال

مومن عیب دار کو کافر با کمال کے مقابلے میں آپ دیکھیں گے کہ ایک شخص جو صرف ایمان لایا تھا اور کوئی عمل اس نے اچھا نہیں کیا اس کو تھوڑی مدت کے بعد عذاب سے نجات ملے گی اور کہا جائے گا: "اُدْخُلُوا الْجَنَّةَ لَا خَوْفٌ عَلَيْكُمْ وَلَآ اَنْتُمْ تَحْزَنُوْنَ" (جنت میں داخل ہو جاؤ اب نہ تمہیں کوئی خوف ہوگا نہ کسی کا غم) اور اس کے مقابلے میں ایک ایسا شخص جو کہ دنیا میں بڑا خلیق مہربان با کمال تھا لیکن دولت ایمان سے محروم تھا وہ ابدالاباد جہنم میں رہے گا اور کبھی اس کو نکلنا نصیب نہ ہوگا۔

اس کو واضح طور سے یوں سمجھو کہ اگر گورنمنٹ کی رعایا میں دو شخص ارتکاب جرم

کریں ایک تو چوری میں ماخوذ ہو اور دوسرا بغاوت میں تو اگرچہ سزا دونوں کو دی جائے گی لیکن چور کی سزا محدود اور کم ہوگی ایک دن ایسا ضرور ہوگا کہ وہ سزا بھگت کر پھر اپنے گھر آئے اور چین سے بسر کرے پر وہ باغی کبھی عذاب سے نجات نہ پائے گا اور زندگی بھر سزا کی تکالیف میں رہے گا یا فوراً پھانسی کا حکم ہوگا کہ زندگی ہی کا خاتمہ ہو جائے' گو وہ کتنا ہی بڑا لائق فائق ہو اور وہ چور بالکل جاہل کندہ ناتراش ہو۔

صاحبو! ایمان ایک آفتاب ہے اگر ہزاروں بدلی کے ٹکڑے اس پر حائل ہوں تب بھی اس کا نور فائض ہو کر رہے گا اور جھلک جھلک کر روشنی پڑے گی اور کفر کی خوش اخلاقی آئینہ کی سی چمک ہے جو کہ بالکل عارضی ہے۔

مسلمان کے افضل ہونے کی عجیب مثال

دوسری مثال لیجئے اگر ایک گلاب کی شاخیں کسی گملہ میں لگا دی جائیں اور اس کے مقابل کاغذ کے ویسے ہی پھول بنا کر رکھ دیئے جائیں تو اگرچہ اس وقت کاغذ کے پھولوں میں زیادہ رونق اور شادابی ہے۔ اصل گلاب کی وہ حالت نہیں لیکن ایک چھینٹا بارش ہو جائے پھر دیکھئے کہ گلاب کیا رنگ لاتا ہے اور کاغذ کے پھول کیسے بدرنگ ہوتے ہیں پس مسلمان اگرچہ دنیا میں کسی حالت میں ہو لیکن قیامت میں جب ابر رحمت برسے گا تو دیکھنا کہ اس کا اصلی رنگ کیسا کچھ نکھرتا ہے اور کافر کی زرق برق حالت پر کیا پانی پڑتا ہے۔ صاحبو! غیرت آنی چاہیے کہ مسلمان ہو کر اسلام کی حقیقت جان کر اپنے منہ سے کافر کو مسلمان پر فضیلت دو اور مسلمان کی مذمت اور کافر کی تعریف کرو۔ جب معلوم ہوا کہ ایمان ایسی بڑی چیز ہے تو اس کے ساتھ جن چیزوں کو زیادہ تلبس ہوگا وہ افضل ہوں گی لیکن تلبس بالایمان کو سمجھنا ذرا دشوار ہے کیونکہ بعض ایسے اعمال ہیں کہ وہ خود اسلام کا مبنی ہیں بعض ایسے ہیں کہ وہ اسلام پر مبنی ہیں۔ (خطبات حکیم الامت ج ۲۷)

مومن کیلئے بشارت

یعنی ہر مومن کی نجات ضرور ہے گو اخیر میں ہو اور اولاً جزا و سزا اعمال کی بھگتنی پڑے چنانچہ حدیث میں اس معنی کی تصریح موجود ہے

لَا یَبْقٰی فِی النَّارِ مَنْ کَانَ فِیْ قَلْبِہٖ مِثْقَالَ ذَرَّۃٍ مِّنْ اِیْمَان ؟

(سنن ابن ماجہ: ۵۹، سنن الترمذی: ۱۹۹۸ بلفظ آخر)

(نہیں باقی رہے گا دوزخ میں کوئی ایسا شخص جس کے دل میں ذرہ بھر بھی ایمان ہو)

کہ دوزخ میں کوئی وہ شخص نہیں رہے گا۔ دوزخ اس کے رہنے کا مکان نہیں ہے۔ مکان اصلی اس کا جنت ہے مگر بعارض دوزخ میں آ گیا ہے، غرض جس کے دل میں ذرا سا بھی ایمان ہے، جس کی وجہ سے اس کو کافر نہ کہہ سکیں اس کے واسطے بھی جنت ثابت ہے اور خُلُوْدُ فِی النَّار (یعنی جہنم میں ہمیشہ رہنا) نہ ہوگا۔ اور کبھی نہ کبھی دوزخ سے نکال لیا جائے گا حتیٰ کہ اس قدر ضعیف اور قلیل الایمان شخص بھی جس کے دل میں اس قدر تھوڑا حصہ ایمان کا ہوگا۔ جس کا پتہ انبیا اور ملائکہ کو بھی نہ لگے گا۔ اور اس کی اطلاع فقط اللہ تعالیٰ کو ہوگی۔ وہ بھی نکال لیا جائے گا۔ چنانچہ ایک حدیث ہے جو شفاعت کے بارہ میں وارد ہے، جس کا مطلب یہ ہے کہ حق تعالیٰ اخیر میں فرمائے گا کہ سب لوگ شفاعت کر چکے انبیاء بھی اور ملائکہ بھی اور مومنین بھی۔

اہل ایمان کی مغفرت

بعض لوگوں کے قلب میں اتنا خفیف ایمان ہوگا جس کا پتہ کسی شفاعت کرنے والے کو حتیٰ کہ انبیا اور ملائکہ کو بھی نہ چلے گا اور ان کو بھی نجات ہوگی۔ یہ بات ذرا غامض (پوشیدہ کلام) معلوم ہوتی ہے مگر تھوڑی تقریر کے بعد غامض نہ رہے گی وہ تقریر یہ ہے کہ نص قطعی موجود ہے اس پر کہ کافر کی کبھی مغفرت نہ ہوگی چنانچہ سورہ بینہ میں ہے۔ اِنَّ الَّذِیْنَ کَفَرُوْا مِنْ اَھْلِ الْکِتَابِ وَالْمُشْرِکِیْنَ فِیْ نَارِ جَھَنَّمَ خَالِدِیْنَ فِیْھَا (جو لوگ اہل کتاب اور مشرکین میں سے کافر ہوئے وہ دوزخ کی آگ میں ڈالے جائیں گے جہاں ہمیشہ ہمیشہ رہیں گے) اور اس مضمون کی آیتیں صدہا قرآن شریف میں موجود ہیں چنانچہ عقیدہ اہل سنت کا یہی ہے کہ کافر کے لئے خلود فی النار ضرور ہوگا۔ اور اس کی کبھی مغفرت نہ ہوگی۔ تو اب یہ لوگ جن کو حق تعالیٰ نے اخیر میں دوزخ سے نکالا وہ اس دلیل سے مومن تو ضروری ہیں تو اب دیکھنا یہ ہے کہ کسی نے ان کی سفارش کیوں نہیں کی کیونکہ مومنین کے لئے سفارش کی اجازت ہو چکی، اس کی وجہ اگر ہو سکتی ہے تو یہی کہ یہ لوگ اس قدر ضعیف الایمان ہوں گے کہ کسی کو ان کے

ایمان کا احساس نہ ہوسکے گا باوجود یہ کہ سب حدید البصر ہیں مومن کے لئے حدیث میں وارد ہے اِتَّقُوْا فِرَاسَةَ الْمُؤْمِنِ فَاِنَّه' یَنْظُرُ بِنُوْرِ اللّٰہِ (سنن الترمذی: ۳۱۲۷، کنز العمال: ۳۰۷۳۰) یعنی مومن کے تاڑ لینے سے ڈرو کیونکہ وہ نور خدا سے دیکھتا ہے۔

کسی چیز کا علم دینا حق تعالیٰ کے اختیار میں ہے

جب مومن کی نظر دنیا میں ایسی تیز ہے تو آخرت میں جو کہ عالم ہے کشف حقائق کا کیسی ہوگی پھر جب مومن کی یہ نظر ہے تو انبیاء اور ملائکہ کی نسبت کیا خیال ہوسکتا ہے مگر اس پر بھی ان لوگوں کا ایمان ایسے اہل نظر سے بھی مخفی رہا اور یہ کوئی تعجب کی بات نہیں کیونکہ کسی چیز کا علم دینا حق تعالیٰ کے اختیار میں ہے۔ دنیا کا ہو یا آخرت کا مومن کو بھی تو فراست حق تعالیٰ ہی نے دی ہے۔ اس قصہ میں حق تعالیٰ نے ان کے ایمان کو مخفی رکھا۔ اگر چاہتے تو یہ بھی ظاہر کردیتے مگر اپنی رحمت خاص دکھلانے کے لئے ایسا کیا۔

ادنیٰ مومن کو بھی حقیر نہ سمجھو

غرض یہ ثابت ہوا کہ بعضوں کا ایمان اتنا خفیف ہوگا کہ انبیاء کو بھی پتہ نہ چل سکے گا اس واسطے وہ شفاعت بھی نہ کریں گے اس سے معلوم ہوا کہ اگر اتنا ضعیف ایمان بھی ہو کہ ایسے حقیقت شناسوں کو بھی پتہ نہ لگے گا تب بھی بخشش ہوجائے گی یہ مومن کی اخروی حالت کا مقابلہ ہے۔ کافر کی اخروی حالت سے اور یہاں سے یہ بھی معلوم ہوا کہ مومن کو خواہ کسی درجہ کا ہو حقیر نہ سمجھو خواہ وہ کیسے ہی گناہوں میں مبتلا کیوں نہ ہو ہاں اس کے افعال کو برا سمجھو۔

گنہگار مومن کی مثال

اگر دوسرے مومن میں کوئی عیب ہے تو اس کی مثال ایسی سمجھو جیسے ایک حسین شخص ہے کہ اس کا منہ کالا کیا ہوا ہے وہ حقیقت میں تو حسین ہے اور بدصورتی عارضی ہے۔ جس کی نظر صحیح ہوگی وہ دونوں حالتوں کو الگ پہچان لے گا اور اس عارضی بدصورتی کی وجہ سے اس کو حسین ہونے سے خارج نہ کرے گا اور یوں سمجھ لے گا کہ یہ وہی حسین ہے لیکن حماقت سے اس نے منہ کالا کر

لیا ہے اور بمقابلہ اس کے اگر اپنے اندر لاکھ ہنر ہوں اور بہت سے اوصاف حمیدہ رکھتا ہو تو اپنی ایسی مثال سمجھے کہ درحقیقت تو یہ کالا کلوٹا ہے مگر اس نے پوڈر مل رکھا ہے اگر دونوں کو دھویا جائے تو دونوں کی حالت برعکس ہو جائے تو صاحب نظر نے سیاہی کو بدصورت سمجھا نہ کہ اس حسین کو۔ اسی طرح مومن حسین ہے اور گناہ کا لک اگر اس کالک کو توبہ سے دھوئے تو اچھا خاصا خوبصورت نکل آئے اور اپنی نسبت یہ سمجھے کہ ممکن ہے کہ ہماری طینت ہی خراب ہو اور پوڈر تقویٰ کا مل رکھا ہو اور جو کچھ حالت اچھی نظر آتی ہے وہ سب تصنع اور تلبیس ہو اس واسطے اپنی طرف گمان نیک کرنے میں اور دوسرے کو حقیر سمجھنے میں بڑی احتیاط کی ضرورت ہے دوسرے کو کبھی حقیر نہ سمجھے ہر مومن میں شان مقبولیت ہے چنانچہ اس کا ظہور کبھی نہ کبھی ہوگا اور ضعیف سے ضعیف مومن بھی بالآخر دوزخ سے نکال لیا جائے گا غرض کسی مومن پر مَا لَهُ فِي الْآخِرَةِ مِنْ خَلَاقٍ صادق نہیں آسکتا یہ شان صرف کافر کی ہے۔ (خطبات حکیم الامت جلد ۲۳)

نورایمان کی ایک خاصیت

حکیم الامت حضرت تھانوی رحمہ اللہ فرماتے ہیں مقاصد حسنہ میں حدیث ہے کہ مومن جب پل صراط پر سے گزرے گا تو دوزخ کہے گی ''جُزْ يَا مُؤْمِنُ فَإِنَّ نُوْرَكَ قَدْ أَطْفَأَ نَارِيْ'' (اے مسلمان جلدی سے گزر جا کہ تیرے نور نے تو میری آگ کو بھی بجھا دیا) تو جب نور ایمان میں یہ خاصیت ہے کہ دوزخ کی آگ کو بھی بجھا دیتا ہے تو دنیا کے غموم و ہموم و احزان کی تو حقیقت ہی کیا ہے مگر ضرورت اس کی ہے کہ ہم اپنے ایمان میں نور پیدا کریں' اسی کی کمی کی وجہ سے ہماری دنیا و آخرت برباد ہو رہی ہے اگر یہ نور حاصل ہو جائے تو واللہ دنیا و آخرت کی راحتیں ہمارے ہی واسطے ہیں پھر ہمارے پاس غم ورنج کا نام ونشان بھی نہ رہے۔ ہاں ایک غم رہے گا خدا کی بقاء ورضا کا۔ سو یہ غم لذیذ ہے اگر یہ حاصل ہو جائے تو آپ ہفت اقلیم کی سلطنت پر لات ماردیں گے باقی دنیا کا کوئی غم پاس نہ آئے گا۔ چنانچہ ایک بزرگ کے پاس ایک بادشاہ نے بڑا قیمتی موتی بھیجا' بزرگ نے اس کو دیکھ کر کہا الحمدللہ اور خادم سے فرمایا کہ اس کو احتیاط سے رکھ دو۔ کچھ عرصہ کے بعد خادم نے عرض کیا کہ موتی چوری ہو گیا' بزرگ نے فرمایا الحمدللہ' خادم نے دریافت کیا کہ دونوں حالتوں میں الحمدللہ کس لیے فرمایا اگر آنے کی خوشی تھی تو جانے کا رنج ہونا

چاہیے تو اس وقت الحمدللہ کا کیا موقع اور اگر جانے کی خوشی ہوئی تو آنے پر رنج ہونا چاہیے تھا تو اس وقت الحمدللہ کیوں فرمایا' بزرگ نے فرمایا کہ میں نے الحمدللہ نہ اس کے آنے پر کہا نہ جانے پر بلکہ دل کی حالت پر الحمدللہ کہا ہے۔ جب یہ موتی آیا تھا تو میں نے اپنے دل کو دیکھا کہ کچھ خوشی ہوئی یا نہیں معلوم ہوا کہ خوشی نہیں' اس پر الحمدللہ کہا' جب وہ چوری ہو گیا تو میں نے پھر اپنے دل کو دیکھا کہ کچھ رنج ہوا یا نہیں' معلوم ہوا کچھ رنج نہیں ہوا تو اس پر میں نے الحمدللہ کہا کہ نہ آنے کی خوشی ہوئی نہ جانے کا رنج ہوا تو بتلایئے جس شخص کا یہ حال ہو اس کے پاس رنج و غم کیوں آئے گا۔ اسی طرح حضرت غوث اعظم رحمۃ اللہ علیہ کے پاس کہیں سے ایک چینی آئینہ بڑا قیمتی ہدیہ میں آیا' آپ نے خادم کے حوالہ فرما دیا کہ کنگھا کرنے کے وقت ہمارے سامنے رکھ دیا کرو ایک دفعہ اتفاق سے وہ آئینہ خادم کے ہاتھ سے گر کر ٹوٹ گیا اور وہ ڈرا کہ دیکھئے آج شیخ کس قدر ناراض ہوں گے۔ چنانچہ ڈرتے ڈرتے اس نے عرض کیا:

از قضا آئینہ چینی شکست

(قضا سے چین کا آئینہ ٹوٹ گیا)

حضرت غوث اعظم نے برجستہ فرمایا: خوب شد اسباب خود بینی شکست

(اچھا ہوا اسباب خود بینی ٹوٹ گئے) (خطبات حکیم الامت جلد۲۲)

مسلمان کبھی کافر نہیں ہو سکتا

حکیم الامت حضرت تھانوی رحمہ اللہ فرماتے ہیں۔ مجھے حضرت مولانا یعقوب صاحب رحمۃ اللہ علیہ کی بات یاد آئی۔ مولانا فرماتے تھے کہ جو مسلمان ہو گیا وہ کافر کبھی نہیں ہو سکتا ہے اور یہ جو بعضے مسلمان آریہ وغیرہ ہو جاتے ہیں وہ حقیقت میں مسلمان ہی نہ تھے ان کو ایمان نصیب ہی نہیں ہوا اور یہ کوئی تعجب کی بات نہیں کہ ایک شخص ظاہر میں اپنے کو مسلمان کہتا ہو اور اس کے دل میں ایمان نہ ہو کیونکہ زبانی دعوے سے دل میں ایمان کا ہونا لازم نہیں تو ممکن ہے کہ ایک مدعی اسلام عنداللہ مسلمان نہ ہو بلکہ میں ترقی کر کے کہتا ہوں کہ جو لوگ مرتد ہوتے ہیں وہ عندالناس بھی مسلمان نہیں تھے اور ہم لوگوں کا ان کو مسلمان سمجھنا محض حسن ظن پر مبنی تھا کہ نیک گمان کی وجہ سے ہم نے ان کی حالت میں غور نہیں کیا اور اگر

دعویٰ اسلام کی حالت ہی میں ان کے اقوال وافعال کو غور سے دیکھا جاتا تو ہم کو بھی معلوم ہوجاتا کہ ان کو ایمان نصیب نہیں ہوا۔ (خطبات حکیم الامت جلد ۲۲)

انا مومن ان شاء اللہ کہنے میں اختلاف

امام اشعری رحمتہ اللہ علیہ نے فرمایا ہے کہ انا مومن حقا (میں یقیناً مومن ہوں) نہ کہنا چاہیے بلکہ انا مومن حقا ان شاء اللّٰہ (میں انشاء اللہ مومن ہوں) کہنا چاہیے اور انہوں نے بھی حقیقت میں دعوے ہی سے منع کیا ہے۔ تفصیل اس کی یہ ہے کہ علماء میں اختلاف ہوا ہے کہ انا مومن حقا ان شاء اللّٰہ کہنا چاہیے یا انا مومن حقا تو اشعری انا مومن حقا (میں ان شاء اللہ مومن ہوں) کہنا چاہیے اور امام ابوحنیفہ رحمتہ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ انا مومن حقا (میں واقعی مومن ہوں) کہنا چاہیے۔ انا مومن حقا ان شاء اللّٰہ (میں ان شاء اللہ مومن ہوں) نہ کہنا چاہیے۔ مشہور قول میں تو اس اختلاف کا منشاء یہ ہے کہ جن لوگوں نے انا مومن حقا سے منع فرمایا ہے اور انا مومن ان شاء اللہ کہنے کی تعلیم دی ہے۔ انہوں نے حال پر نظر کی ہے اور چونکہ حال معلوم نہیں کہ ہم حال میں مومن ہیں یا نہیں اس لیے ان شاء اللہ بڑھانے کی تاکید کی ہے اور جن لوگوں نے کہا ہے کہ انا مومن حقا کہنا چاہیے ان کی نظر حال پر ہے اور فی الحال اپنے ایمان میں تردد و شک کرنا کفر ہے اس لیے وہ ان شاء اللہ بڑھانے سے منع کرتے ہیں اور کہتے ہیں کہ انا مومن حقا کہنا چاہیے اور یہ نزاع محض لفظی ہوگا کیونکہ حال کے اعتبار سے ان شاء اللہ بڑھانے کو کوئی منع نہیں کرسکتا اور حال کے اعتبار سے انا مومن حقا سے کوئی روک نہیں سکتا مگر میرے ذوق میں یہ ہے کہ جیسے انا مومن حقا حال کے اعتبار سے ہے اسی طرح انا مومن ان شاء اللہ بھی حال ہی کے اعتبار سے ہے مال کے اعتبار سے نہیں۔ امام صاحب رحمتہ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ حال کے اعتبار سے حقاً کہنا چاہیے اور امام اشعری فرماتے ہیں کہ نہیں بلکہ حال کے اعتبار سے بھی انا مومن ان شاء حقا ان شاء اللہ ہی کہنا چاہیے اور مطلب اشعری کا یہ ہے کہ انا مومن حقا دعویٰ کے طور سے نہ کہنا چاہیے بلکہ دعوے سے بچنے کے لیے ان شاء اللہ کہنا چاہیے اور یہ ان شاء اللہ محض برکت کے لیے ہوگا، تعلیق وتردد کے لیے نہیں ہوگا جس سے مقصود تفویض وتوکل ہے کیونکہ ان شاء اللہ

جیسے تعلیق فی المستقبل کے لیے آتا ہے کبھی حال کے لیے بھی مستعمل ہوتا ہے جس سے تعلیق مقصود نہیں ہوتی۔ چنانچہ اس آیت "وَلَا تَقُوْلَنَّ لِشَیْءٍ اِنِّیْ فَاعِلٌ ذٰلِکَ غَدًا اِلَّآ اَنْ یَّشَآءَ اللّٰهُ" آپ کسی کام کی نسبت یوں نہ کہا کیجئے کہ میں اس کو کل کروں گا مگر خدا کے چاہنے کو ملا دیا کیجئے) میں بھی حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو برکت ہی کے لیے ان شاء اللہ کہنے کی تعلیم کی گئی ہے۔ یہ انشاء اللہ تعلیق کے لیے نہیں ہے کیونکہ آگے ارشاد ہے: "وَاذْکُرْ رَّبَّکَ اِذَا نَسِیْتَ" (اپنے رب کا ذکر کرو جبکہ بھول جاؤ) کہ اگر کبھی ان شاء اللہ کہنا بھول جاؤ تو جب یاد آئے اسی وقت انشاء اللہ کہہ لیا کرو۔ یعنی ایک بات کہہ کر گھنٹہ دو گھنٹہ کے بعد ان شاء اللہ کا خیال آئے تو اس وقت بھی امر ہے کہ ان شاء اللہ کہہ لو تو ظاہر ہے کہ اس صورت میں یہ لفظ تعلیق کے لیے نہیں ہوسکتا کیونکہ تعلیق کے لیے کلام سابق سے موصول ہونا عقلاً ضروری ہے اور اگر انشاء اللہ کلام سے مفصول ہو تو تعلیق کو مفید نہیں ہوسکتا۔

پس یہاں بھی یعنی انا مومن ان شاء اللہ میں لفظ ان شاء اللہ محض تفویض کیلئے ہے نہ کہ تعلیق و تردد کے لیے اور مطلب اشعری رحمتہ اللہ کا یہ ہے کہ انا مومن حقا میں ایک قسم کا دعویٰ ہے۔ (خطبات حکیم الامت جلد ۲۲)

ایمان، کفر اور شرک کی تعریف

ایمان کی تعریف یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کے تمام حکموں کو نبی کے بھروسہ اور اعتماد پر بے چون و چرا تسلیم کرلیا جائے۔

کفر چونکہ ایمان کی ضد ہے لہذا کفر کی تعریف یہ ہوگی کہ اللہ تعالیٰ کے احکام میں سے کسی ایک حکم کا انکار کرنا یا اس میں شک کرنا جو قطعی اور یقینی طور سے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے ہم کو پہنچا ہے اس کا نام کفر ہے۔

شرک کی حقیقت یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کے سوا کسی مخلوق کو عبادت یا محبت و تعظیم میں اللہ تعالیٰ کے برابر سمجھنا' اللہ تعالیٰ کی مخصوص صفات خالق' رازق' قادر مطلق' عالم الغیب والشہادۃ وغیرہ میں مخلوق کو اللہ کے برابر سمجھنا کھلا شرک ہے۔

مشرک کے متعلق قرآن حکیم میں صاف حکم ہے کہ بے شک اللہ تعالیٰ اس بات کو سزا دے کر بھی نہ بخشیں گے کہ ان کے ساتھ کسی کو شریک قرار دیا جائے بلکہ سزائے ابدی میں مبتلا رکھیں گے۔ شرک کے سوا اور جتنے گناہ ہیں خواہ صغیرہ ہوں یا کبیرہ جس کے لئے منظور ہوگا بلا سزا وہ گناہ بخش دیئے جائیں گے۔ البتہ اگر وہ مشرک مسلمان ہو جائے تو پھر مشرک ہی نہ رہا۔ اب وہ سزائے دائمی بھی نہ رہے گی۔ وجہ اس مشرک کے نہ بخشنے کی یہ ہے کہ چونکہ کارساز کی تعظیم' اس کے حقوق میں سے ہے پس مشرک نے حضرت صانع کارساز کی اہانت کی۔ اس لئے ایسی سزا کا مستحق ہوگا اور یہ قطعاً قابل عفو و مغفرت ہی نہ رہا۔ بخلاف مسلمان کے کہ وہ کتنا ہی سخت گنہگار کیوں نہ ہو اس کی خرابی اور گمراہی اس کے اعمال تک ہے اور اس کا عقیدہ گمراہی اور خرابی سے محفوظ ہے۔ یہ بھی یاد رکھیں کہ شرک یہی نہیں کہ اللہ کے سوا کسی کی پرستش کرے بلکہ اللہ کے حکم کے مقابلہ میں کسی کے حکم

کو پسند کرنا یہ بھی شرک ہے۔ نیز شرک کی طرح کفر بھی نا قابل معافی ہے۔ کیونکہ اس میں بھی انکار ہوتا ہے۔ صانع کی کسی بتلائی ہوئی بات کا۔ پس کافر اس کی صفت صدق کا انکار کرتا ہے اور بعض کافر تو خود ذات باری تعالیٰ ہی کے منکر ہیں۔ بعض کسی صفت کے منکر ہیں اور بعض صفت اور ذات دونوں کے منکر ہیں۔ ان میں سے جس کا بھی انکار ہو وہ توحید کا انکار اور اس سے بعد ہے۔ پس کفر و شرک دونوں قابل معافی نہیں ہیں۔

حقیقی اعتقاد توحید

توحید کا اعتقاد صرف اتنا ہی نہیں کہ وہ ایک ہے بلکہ یہ ہے کہ عالم میں جو کچھ بھی ہو رہا ہے وہ درحقیقت اسی ایک کا تصرف ہے نیز غیر اللہ کے نام کی قربانی کرنی اور غیر اللہ کے نام پر جانور چھوڑنے کی رسم قبیح قدیم سے چلی آ رہی تھی۔ اسلام نے آ کر دونوں کو ختم کر دیا اور سمجھایا کہ جان صرف جان آفرین کے لئے قربان کی جاسکتی ہے۔ یہ خاص اسی کا حق ہے نہ کسی کے لئے جان آفرینی میں شرکت ہے اور نہ اس کی قربانی میں شرکت ہوسکتی ہے۔ قرآن کریم نے ایسے جانوروں کو سوٗر کے گوشت اور مردار کی صف میں شمار کیا ہے گویا اس بے محل نامزدگی کی وجہ سے اب وہ خنزیر کی طرح بن گیا ہے جس پر اگر ایک ہزار بار بھی بسم اللہ پڑھو۔ تو بھی حلال نہیں ہوسکتا۔ غیر اللہ کے نام پر قربانی کرنی کفر کی ایک قدیم رسم تھی اور اس کی مختلف صورتیں تھیں۔ شریعت نے یہاں ایک قاعدہ کلیہ بنا کر ان سب کو روک دیا ہے اور وہ قاعدہ یہ ہے کہ بجز اللہ تعالیٰ کے اور کسی کے نام کا جانور ذبح نہ کرنا چاہئے۔ ترمذی شریف میں آتا ہے کہ جس نے اللہ تعالیٰ کے سوا کسی اور کی قسم کھائی اس نے شرک کیا۔ گو اس شرک کو تغلیظاً شرک کہا گیا ہے۔ حقیقی شرک کا حکم نہیں۔ مگر مطلب یہ ہے کہ اگر کوئی شخص غیر اللہ کی قسم کھاتا ہے تو اس کے یہ معنیٰ ہیں کہ اس کے قلب میں غیر اللہ کی عظمت اللہ تعالیٰ کے برابر ہے۔ یہی شرک ہے۔ اسلام سے قبل اپنے بادشاہوں اور سرداروں کو سجدہ تعظیمی بجالانے کا عام رواج تھا۔ اسلام نے اس رسم کا تو استیصال کیا ہی تھا لیکن اس کے ساتھ اس نے اس کی بھی ممانعت کر دی کہ ایک انسان دوسرے انسان کے سامنے دست بستہ کھڑا رہے یا اپنا سر جھکائے ایک روایت میں ہے کہ حضرت انسؓ نے

پوچھا یا رسول اللہ کیا ہم باہم ملاقات کے وقت ایک دوسرے کے سامنے تواضعاً جھک سکتے ہیں۔ آپؐ نے اس سے بھی منع فرمایا۔ پس جہاں قیام اور عام ملاقاتوں میں جھکنا جھکانا بھی پسند نہ کیا گیا ہو وہاں تعظیمی سجدہ کی بھلا کیا اجازت مل سکتی ہے۔

سجدہ صرف اللہ تعالیٰ کو ہی کیا جا سکتا ہے

سجدہ انسان کی اختیاری تعظیم کی آخری حد ہے اس لئے اسلام نے اس کو صرف اللہ تعالیٰ کی ذات کے لئے مخصوص کر دیا ہے۔ اسلام چونکہ توحید کا سب سے بڑا علمبردار ہے اس لئے ہر ہر نقطہ پر اس نے عبد و معبود کے حقوق ممتاز کر دیئے ہیں۔ اسی لئے قرآن حکیم نے اس حقیقت کا بار بار اعلان کیا ہے کہ سجدہ کرنا صرف ایک اپنے خالق کو ہی زیبا ہے۔ پس سجدہ خالق اور صرف خالق کا حق ہے۔ اس میں مخلوق کے لئے کوئی گنجائش ہی نہیں۔ اسی لئے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے جاں نثاروں میں کہیں اس کا ثبوت نہیں ملتا کہ انہوں نے آپ کو سجدہ کرنے کی سنت قائم کی ہو حالانکہ صحابہ کرامؓ کی نظروں میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے بڑھ کر کوئی شخص بھی محبوب و محترم نہ تھا۔ بلکہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی زبان فیض ترجمان سے ان یہود و نصاریٰ پر لعنت ثابت ہے جنہوں نے انبیاء کی قبور کو مسجدیں بنا ڈالا تھا۔ پہلی امتوں کے یہ کارنامے دیکھ کر حضورؐ نے اپنی امت کو اپنی حیات کے آخری سانس تک سجدہ وغیرہ کی سخت ممانعت فرمائی۔ پھر بعد میں یہ اہتمام کیا گیا کہ آپ کی قبر مبارک کو کھلا ہوا نہیں رکھا گیا۔ صحیح مسلم کی روایت میں ہے کہ اگر جاہلوں کی مبالغہ آمیزی کا خطرہ نہ ہوتا تو آپ کی قبر مبارک کھول دی جاتی۔ پھر جب مسجد مبارک اور وسیع کی گئی تو یہ احتیاط مزید کی گئی کہ اس کے اردگرد مع ازواج مطہرات کے حجروں کے ایک چار دیواری بھی کھنچوا دی گئی تا کہ ان کی جانب سجدہ کی کوئی صورت ہی نہ رہے۔

حفاظت توحید کے لئے اسلاف کی احتیاطیں

سلف نے تو اتنی احتیاطیں برتیں مگر افسوس کہ امت کے ناخلف افراد نے یہ کمال دکھایا کہ جب تک زیارت کے وقت اس عمارت ہی کی طرف سجدہ نہیں کر لیتے اپنی حاضری

بیکار سمجھتے ہیں۔ معلوم نہیں کہ کل اس رسول عربی کو وہ کیا جواب دیں گے۔ جس نے جیتے جی اپنے لئے کسی کا کھڑا ہونا بھی پسند نہ فرمایا اور دنیا سے چلتے چلتے یہ ہدایت کر دی کہ دیکھنا پہلی امتوں کی طرح تم میری قبر کو سجدہ نہ کرنا۔ اب ذرا آپ جنازہ کی نماز ہی کو ملاحظہ کیجئے کہ وہ بھی ایک قسم کی نماز ہی تو ہے اور اسی ذات پاک کے لئے ہوتی ہے۔ جس کے لئے اور فرض نمازیں۔ پھر کیا بات ہے کہ رکوع اور سجود جو نماز کی اصل روح تھے وہ یہاں سے غائب ہیں۔ اس میں ایک حکمت یہ بھی ہے کہ جسد میت کو سامنے رکھ کر اس کی طرف رکوع وسجود کرنا اسلام کی توحید برداشت نہیں کرتی۔ خیر یہ تو ایک انسان تھا جس کو جاہل تو میں کبھی سجدہ کر بھی لیتیں مگر ایک معمولی خشک لکڑی جس کی کوئی عبادت نہیں کرتا اگر سترہ کے لئے سامنے گاڑ دی جائے تو اس کے متعلق بھی مقدس اسلام کی ہدایت ہے کہ وہ بھی ٹھیک عین سامنے نہ ہونی چاہئے بلکہ ذرا دائیں بائیں سمت مائل ہونی چاہئے تا کہ اس قوم کے سامنے جس کو پتھروں کو سجدہ کرنے کی عادت تھی کوئی عمل بھی ایسا نہ آنے پائے جو ان کی قدیم خصلت کی یاد دہانی میں ذرا بھی مدومعاون ہو۔ اسلام نے تو ہر ہر موقعہ پر جہاں کسی دور کے علاقہ سے بھی شرک کی رگ متحرک ہوسکتی تھی اس کو بھی جڑ سے کاٹ دینے کی کوشش کی ہے۔ کیا ایسا مقدس مذہب جو نماز جنازہ میں رکوع وسجود سے منع کرے قبور کو سجدہ کرنا برداشت کر سکتا ہے حالانکہ وہ قابل تعظیم جسد اب زمین میں مدفون ہو چکا ہے۔

شرک والحاد

حضرت ابو ہریرۃ رضی اللہ عنہ کی روایت میں ہے کہ قیامت میں سیدنا ابراہیم علیہ السلام اپنے باپ آزر سے ایسی حالت میں ملاقات کریں گے کہ اس کا چہرہ سیاہ اور خاک آلود ہوگا۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام اس سے فرمائیں گے ''میں تجھ سے نہ کہتا تھا کہ تو میری نافرمانی نہ کر'' وہ جواب میں کہے گا آج سے میں تیری نافرمانی نہ کروں گا۔' چنانچہ حضرت ابراہیم اللہ تعالیٰ سے عرض کریں گے تو نے وعدہ کیا تھا کہ میں تجھ کو قیامت کے دن رسوا نہ کروں گا اور اس سے بڑھ کر اور کیا رسوائی ہوگی جو میرے اس باپ کی وجہ سے جو خدا کی رحمت سے محروم ہے ہو رہی ہے۔ اللہ تعالیٰ فرمائے گا اے ابراہیم! میں تو جنت کو کافروں

کے لئے حرام کر چکا ہوں۔ پھر ارشاد ہوگا اے ابراہیم! اپنے پاؤں کے نیچے دیکھو۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام جب دیکھیں گے تو ان کو معلوم ہوگا کہ ان کا باپ ایک کیچڑ میں لتھڑا ہوا بجو ہے۔ جس کے پاؤں پکڑ کر دوزخ میں ڈالا جا رہا ہے۔ (بخاری شریف)

تشریح: شاید یہ اس لئے ہو کہ لوگ اسے پہچان نہ سکیں۔ کیونکہ رسوائی کا دارومدار شناخت پر ہے۔ جب شناخت نہ رہے گی کہ کیا چیز دوزخ میں پھینکی گئی پھر بیٹے کی رسوائی کا کچھ مطلب نہیں۔ بہر حال قدرت نے اس کا یوں ایفا کر دیا کہ آزر کی شکل ہی کو مسخ کر دیا تا کہ یہ شناخت ہی نہ ہو سکے کہ یہ کون ہیں۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام براہ راست تو کافر باپ کی سفارش نہیں کرتے مگر یوں فرماتے ہیں کہ پروردگار ان کی اس حالت کا اثر آج کچھ تیرے خلیل پر بھی پڑتا ہے ان کو رسوائی سے بچا نہ بچا یہ تیری مرضی مگر اپنے خلیل کو تو بچا لے۔ اس کے متعلق تو تیرا وعدہ ہے قدرت نے اپنے دونوں وعدے پورے کر دیئے کافر کو بخشا نہیں اور خلیل کو رسوا نہیں کیا۔ لَهُ الْحَمْدُ فِي الْأُولَىٰ وَالْآخِرَةِ اس روایت سے معلوم ہوا کہ کافر کے لئے دعائے مغفرت بھی نہ کرنی چاہئے۔ کیونکہ جس کے حق میں عدم مغفرت کا اعلان کر دیا گیا ہے إِنَّ اللَّهَ لَا يَغْفِرُ أَن يُشْرَكَ بِهِ اس کے لئے مغفرت کی دعا کرنا قرآن کریم سے گویا معارضہ ہے۔ ابو طالب کے حق میں آپ کی سفارش صرف عذاب کے تخفیف کے لئے ہوگی۔ اس کو بھی علماء نے آپ کی خصوصیت پر محمول کیا ہے۔ بہر حال مغفرت کا دروازہ کافر کے لئے بند ہے۔ اللہ تعالیٰ سب کا پروردگار، سب کا مالک اور خالق ہے۔ اس کے سامنے اس کی اجازت کے بغیر سفارش کرنے کی کسی کو تاب و طاقت نہیں۔ وہاں اجازت ملنے پر شفاعت ہو سکتی ہے۔ خواہ شفیع نے اپنی جانب سے درخواست بھی نہ کی ہو اور اگر اجازت نہ ملے تو شفیع اگر ستر بار بھی سفارش کرے تو بھی اس کی سفارش قبول نہیں ہوتی۔ جیسے حضرت نوح علیہ السلام کی سفارش اپنے بیٹے کے لئے اور حضرت ابراہیم علیہ السلام کی سفارش اپنے والد کے لئے اور حضرت لوط علیہ السلام کی اپنی قوم کے حق میں اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی منافقین کے بارے میں قبول نہیں ہوئی۔ خلاصہ کلام یہ ہے کہ حق تعالیٰ کی بارگاہ بلند میں سفارش کا معاملہ بھی انہی کی مرضی پر موقوف

ہے۔ انبیاء علیہم السلام کی بھی یہ تاب و طاقت نہیں کہ وہ کسی کے معاملہ میں قدرت کو مجبور کر سکیں۔ جب تک اس طرف سے ممانعت کے آ ثار نہیں پاتے یہ بھی اپنے عجز و نیاز کے ہاتھ پھیلائے رہتے ہیں۔ اور جب ذرا آ ثار ممانعت نظر آ نے لگتے ہیں تو پھر وہ بھی اپنی بیزاری کا اعلان کر دیتے ہیں خواہ اپنا والد ہی کیوں نہ ہو جیسا کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام کی شان میں ارشاد ہے فَلَمَّا تَبَيَّنَ لَهُ أَنَّهُ عَدُوٌّ لِلَّهِ تَبَرَّأَ مِنْهُ خدا تعالیٰ کی قاہر بارگاہ میں اس کے اذن کے بغیر لب کشائی کی ہمت کسی میں بھی نہیں۔ پس ایمان لاؤ اور عمل کئے جاؤ۔ اس کے بعد بھی بخشش کا بھروسہ صرف اس کی رحمت پر رکھو۔ مگر دنیا ہے کہ وہ عمل صالح اور خدا کی رحمت کو تو فراموش کر چکی ہے اور اب محض بزرگانہ نسبتوں پر بھروسہ کئے بیٹھی ہے یہ اسلامی تعلیم نہیں اور نہ فوز و فلاح کا یہ راستہ ہے۔ (راہ جنت)

کفریہ الفاظ اور ان کے احکامات

جو لوگ دین اسلام کو مانتے ہی نہیں وہ کافر اصلی کہلاتے ہیں اور جو لوگ خاتم الانبیاء والمعصومین حضرت محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے لائے ہوئے دین میں سے کسی بات کا انکار کریں یا مذاق اڑائیں وہ کافر کہلاتے ہیں۔ ان کافروں کے ساتھ بوقت ضرورت اگر ان کے ہاتھ منہ پاک ہوں تو کھانا کھانا جائز ہے۔ کافروں کو خود تو سلام نہ کیا جائے اگر وہ سلام کہے تو جواب میں صرف وعلیکم کہا جائے۔

کافروں کے ساتھ بوقت ضرورت اور بقدر ضرورت لین دین و معاملات جائز ہیں بشرطیکہ اس میں کسی مسلمان بھائی کی حق تلفی یا نقصان نہ ہوتا ہو۔ نیز اسلام اور مسلمانوں کی پوزیشن میں برا اثر نہ پڑتا ہو۔ کافروں کے ساتھ دلی دوستی ہرگز جائز نہیں ورنہ کفر لازم آئے گا۔

ایک مسلمان کی نظر میں کوئی چیز اپنے مذہب سے زیادہ معظم و محترم نہیں ہو سکتی۔ جس مسلمان کے دل میں خشیت الٰہی اور غیرت ایمانی کا ذرا شائبہ ہو وہ کافر اور کافر قوم سے موالات اور دوستانہ راہ ورسم پیدا کرنے یا قائم کرنے کو ایک منٹ کیلئے بھی گوارا نہیں کرے گا۔

اس موقع پر یہ ملحوظ رکھنا چاہئے کہ مروت، حسن سلوک، مصالحت، رواداری اور عدل و انصاف یہ سب چیزیں الگ الگ ہیں۔ اہل اسلام اگر مصلحت سمجھیں تو ہر کافر سے صلح اور عہدو پیمان مشروع طریقہ پر کر سکتے ہیں اور حسن سلوک، رواداری یا مروت کا برتاؤ ان کفار کے ساتھ ہو سکتا ہے جو اسلام اور مسلمانوں کے مقابلہ میں دشمنی اور عناد کا مظاہرہ نہ کریں۔ باقی موالاۃ یعنی دوستانہ اور اعتماد اور برادرانہ مناصرۃ و معاونت تو کسی مسلمان کو حق نہیں کہ یہ تعلق کسی غیر مسلم سے قائم کرے۔ (تفسیر عثمانی)

شرک کی تعریف اور اس کے متعلق احکام

شرک کے معنی ہیں اللہ تعالیٰ کی الوہیت میں یا اس کی صفات خاصہ میں کسی دوسرے کو شریک کرنا اور یہ جرم (سوائے توبہ کے) نا قابل معافی ہے۔

امت مسلمہ کو چاہئے کہ شرک سے دور رہیں کیونکہ قرآن مجید میں مسلمانوں کو اس بدعقیدگی سے بچنے اور پرہیز کرنے کی شدید ترین تاکید کی گئی ہے۔ چنانچہ چند آیات قرآنی کا ترجمہ وخلاصہ ملاحظہ ہو۔

اگر تم نے شرک کیا تو تمہارے (سارے نیک) اعمال اکارت جائیں گے۔ (سورہ زمر آیت ۶۵)

بے شک جس شخص نے اللہ تعالیٰ کے ساتھ شرک کیا تو اللہ نے اس پر جنت حرام کردی اور اس کا ٹھکانہ جہنم ہے اور ایسے بے انصافوں کا حمایت کرنے والا کوئی بھی نہ ہوگا۔ (سورۃ المائدہ آیت ۲۷)

بے شک اللہ تعالیٰ اس گناہ کو نہیں بخشتا کہ اس کے ساتھ شرک کیا جائے اور اس سے کم درجہ کے گناہ جس کے چاہے بخش دیتا ہے اور جس نے اللہ کے ساتھ شرک کیا تو یقیناً وہ بھٹک گیا' دور کی گمراہی میں۔ (سورہ نساء آیت ۱۱۶)

شرک سے جہاں ایمان ختم ہو جاتا ہے تو ساتھ ہی اگر وہ مرد یا عورت شادی شدہ ہو تو نکاح بھی ٹوٹ جاتا ہے۔ لہٰذا جس سے یہ عظیم غلطی ہو جائے تو چاہئے کہ اللہ تعالیٰ کے حضور سچی اور پکی توبہ کرے اور ایمان کی تجدید کے ساتھ نکاح بھی دوبارہ کرے۔

مرتد کی تعریف اور اس کا حکم

مرتد اس شخص کو کہتے ہیں جو دین اسلام سے پھر جائے۔ یعنی ایمان واسلام کے نورانی دائرہ سے نکل کر کفر وشرک کے اندھیروں میں چلا جائے۔

ایمان لانے کے بعد کلمہ کفر کا زبان سے ادا ہونا مرتد ہونے کا رکن ہے اور مرتد کا حکم صحیح ہونے کیلئے عقل کا ہونا شرط ہے۔ نیز مرتد کا حکم نافذ ہونے کیلئے رضا ورغبت بھی شرط ہے۔ لہٰذا اس شخص پر مرتد کا حکم نافذ نہیں ہوسکتا جس کو مرتد ہو جانے پر مجبور کیا گیا ہو۔

مرتد کا حکم یہ ہے کہ اس کو تین دن کی مہلت دی جائے اور اگر وہ اسلام کے بارے

میں کسی شخص کو شبہ کا شکار ہو تو اس کا شک وشبہ دور کرنے کی کوشش کی جائے۔ اگر وہ ان تین دنوں میں توبہ کر کے اسلام میں لوٹ آئے تو اس کی توبہ قبول کی جائے اور اسے رہا کر دیا جائے لیکن اگر وہ توبہ نہ کرے تو اسلام سے بغاوت کے جرم میں اسے قتل کر دیا جائے کیونکہ اسلام نے مرتد کی سزا قتل مقرر کی ہے۔

شرعاً مرتد کا جنازہ جائز نہیں اور نہ ہی اس سے میل جول رکھنا جائز ہے۔ نیز کافروں کے ساتھ اگر کھانے میں حرام کا شبہ نہ ہو تو ان کے ساتھ کھانا جائز ہے۔ مگر مرتد کے ساتھ کسی حال میں بھی کھانا جائز نہیں۔ نہ ان کے گھر جانا چاہئے۔

زندیق کی تعریف اور اس کا حکم

جو لوگ دعویٰ اسلام کا کریں لیکن عقائد کفریہ رکھتے ہوں اور قرآن و حدیث کے نصوص میں تحریف کر کے انہیں اپنے عقائد کفریہ پر فٹ کرنے کی کوشش کریں انہیں زندیق کہا جاتا ہے مثلاً عقیدہ ختم نبوت اسلام کا قطعی اور اٹل عقیدہ ہے۔ اس لئے جو لوگ دعویٰ اسلام کے باوجود کسی جھوٹے اور مدعی نبوت کو مانتے ہیں اور قرآن وحدیث کے نصوص کو اس جھوٹے نبی پر چسپاں کرتے ہیں وہ زندیق کہلاتے ہیں۔ یا جو لوگ دعویٰ اسلام کے باوجود یہ عقیدہ یا نظریہ رکھتے ہیں کہ موجودہ قرآن مجید صحیح نہیں ہے یہ تو (نعوذ باللہ من ذلک) شرابیوں اور زانیوں کی لکھی ہوئی کتاب ہے، یہ لوگ زندیق کہلاتے ہیں۔

اسی پر تمام ضروریات دین کو قیاس کیا جاسکتا ہے۔ زندیق بھی مرتد کی طرح واجب القتل ہے لیکن اگر وہ توبہ کرے تو اس کی جان بخشی کی جائے گی یا نہیں؟ حنفیہ کا مختار مذہب یہ ہے کہ اگر وہ گرفتاری سے پہلے از خود توبہ کر لے تو اس کی توبہ قبول کی جائے گی اور سزائے قتل معاف ہو جائے گی لیکن گرفتاری کے بعد اس کی توبہ کا کوئی اعتبار نہیں۔ اس سے معلوم ہوا کہ زندیق مرتد سے بھی بدتر ہے۔ مرتد و زندیق سے نکاح ہرگز ہرگز جائز نہیں بلکہ اگر شادی کے بعد معلوم ہوا کہ وہ شخص مرتد یا زندیق تھا تو نکاح منعقد ہی نہیں ہوا، لہٰذا پہلے تو اسے اسلام کی دعوت دی جائے اگر

وہ صحیح معنوں میں اسلام قبول کر کے مسلمان ہو جائے تو صحیح ہے اور اس کا نکاح بھی دوبارہ کیا جائے۔ ورنہ بغیر طلاق وغیرہ کے ان سے علیحدگی کرادی جائے۔

کفر وارتداد سے توبہ کا طریقہ

اگر کوئی کافر یا مرتد اپنے کفر وارتداد سے تائب ہوکر مسلمان ہونا چاہتا ہے تو اسے اپنے سابقہ عقائد سے برأت کا اعلان کرنا ہوگا۔ اسلام کی وسیع اور عالمگیر رحمت کے دروازے اس کیلئے بند نہیں ہیں، وہ صاف وصریح توبہ کر کے اسلام میں داخل ہوسکتا ہے اور اسلامی برادری کا معزز فرد بن سکتا ہے۔ جیسا کہ ابتدا میں بیان کیا گیا ہے کہ جو شخص مرتد ہوجائے اس کے سامنے اسلام کی دعوت پیش کی جائے۔ اگر اس کو کوئی شک وشبہ ہو تو اسے دور کیا جائے اور پھر جب وہ دوبارہ دائرہ اسلام میں آنا چاہئے تو کلمہ شہادت پڑھے اور مذہب اسلام کے سوا اور تمام مذاہب سے بیزاری سے اعلان کرے اور اگر اسی مذہب سے بیزاری کا اعلان کرے نیز اگر وہ شادی شدہ ہے تو نکاح دوبارہ کرنا ہوگا۔

حصہ دوم

انسانی تاریخ سے منتخب ایمان افروز واقعات

صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے ایمان افروز واقعات

صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کس طرح غیب پر ایمان لایا کرتے تھے اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی بتائی ہوئی خبروں کے مقابلہ میں فانی لذتوں' انسانی مشاہدوں وقتی محسوسات اور مادی تجربوں کو چھوڑ دیتے تھے اور ایسا معلوم ہوتا تھا کہ گویا انہوں نے غیبی امور کو اپنی آنکھوں سے دیکھ لیا تھا اور اپنے مشاہدات کو وہ جھٹلا دیا کرتے تھے۔

حضرت ابوذر رضی اللہ عنہ کا واقعہ

حضرت ابوذر رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ ایک رات میں باہر نکلا تو دیکھا کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم اکیلے جا رہے ہیں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ کوئی نہیں ہے۔ میں نے اپنے دل میں کہا شاید آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ چلنے سے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو ناگواری ہو، اس لئے میں ذرا فاصلے سے ایسی جگہ چلنے لگا جہاں چاند کی روشنی نہیں پڑ رہی تھی۔ اتنے میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے مڑ کر مجھے دیکھا اور فرمایا یہ کون ہے؟ میں نے عرض کیا اللہ مجھے آپ پر قربان کرے' میں ابوذر ہوں۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اے ابوذر! ادھر آ ؤ۔ میں کچھ دیر آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ چلا پھر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا زیادہ مال والے قیامت کے دن کم ثواب والے ہوں گے البتہ جس کو اللہ نے خوب مال دیا اور اس نے دائیں بائیں آگے پیچھے مال خوب لٹایا اور نیکی کے کاموں میں خوب خرچ کیا تو وہ مالدار بھی قیامت کے دن زیادہ اجر وثواب والا ہوگا۔ پھر میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ تھوڑی دیر اور چلا اس کے بعد آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے مجھ سے فرمایا تم یہاں بیٹھ جاؤ اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے مجھے ایک وسیع ہموار میدان میں بٹھا دیا جس کے اردگرد پتھر ہی پتھر تھے۔

آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے مجھ سے فرمایا میرے واپس آنے تک یہیں بیٹھے رہنا۔ یہ فرما کر حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک پتھریلے میدان میں چلنا شروع کر دیا اور چلتے چلتے اتنی دور چلے گئے کہ مجھے نظر نہیں آ رہے تھے۔ پھر کافی دیر کے بعد آپ صلی اللہ علیہ وسلم واپس آئے تو میں نے دور سے سنا کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم فرما رہے تھے اگر چہ وہ زنا کرے اور چوری کرے۔ جب آپ صلی اللہ علیہ وسلم میرے پاس پہنچ گئے تو مجھ سے رہا نہ گیا اور میں نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے پوچھا اے اللہ کے نبی! اللہ مجھے آپ صلی اللہ علیہ وسلم پر قربان کرے آپ اس پتھریلے میدان میں کس سے باتیں کر رہے تھے، مجھے تو آپ کی باتوں کا جواب دیتا ہوا کوئی سنائی نہ دیا؟ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا یہ جبرئیل علیہ السلام تھے جو اس پتھریلے میدان کے کنارے میں میرے سامنے آئے تھے اور انہوں نے کہا تھا آپ صلی اللہ علیہ وسلم اپنی امت کو یہ خوشخبری سنا دیں کہ جو اس حال میں مرے کہ وہ اللہ کے ساتھ کسی کو شریک نہ کرتا ہو وہ جنت میں داخل ہوگا۔ میں نے کہا اے جبرائیل! اگر چہ وہ زنا کرے اور چوری کرے۔ حضرت جبرائیل نے عرض کیا جی ہاں (حضرت ابوذر رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ) میں نے عرض کیا یا رسول اللہ! اگر چہ وہ چوری کرے اور زنا کرے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جی ہاں! اگر چہ وہ شراب پیئے۔ (اخرجہ الشیخان کذا فی جمع الفوائد (۱/۷)

کلمہ اخلاص

حضرت عثمان بن عفان رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ میں نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو فرماتے ہوئے سنا کہ میں ایسا کلمہ جانتا ہوں کہ جو آدمی بھی اسے سچے دل سے کہے گا وہ آگ پر ضرور حرام ہو جائے گا۔ اس پر حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ نے کہا کیا میں آپ کو بتاؤں وہ کلمہ کون سا ہے؟ یہ وہ کلمہ اخلاص ہے جس پر اللہ تعالیٰ نے محمد صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ کے صحابہ رضی اللہ عنہم کو جمائے رکھا اور یہ وہ تقویٰ والا کلمہ ہے جس کی حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے چچا ابو طالب کو مرتے وقت بہت ترغیب دی تھی۔ یعنی اس بات کی گواہی دینا کہ اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں (اخرجہ احمد کذا فی المجمع ۱/۱۵)

کلمہ پر جنت کا وعدہ

حضرت یعلیٰ بن شداد رحمہ اللہ تعالیٰ کہتے ہیں کہ میرے والد حضرت شداد رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے مجھے یہ واقعہ سنایا اس وقت حضرت عبادہ بن صامت رضی اللہ عنہ بھی اس مجلس میں موجود تھے اور وہ میرے والد کی تصدیق کر رہے تھے۔ میرے والد نے فرمایا کہ ایک دن ہم لوگ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس تھے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کیا تم میں کوئی اجنبی یعنی اہل کتاب (یہود) میں سے ہے؟ میں نے عرض کیا نہیں یارسول اللہ! پھر حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا دروازہ بند کردو۔ (ہم نے دروازہ بند کردیا) پھر حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اپنے ہاتھ اوپر اٹھاؤ اور لا الٰہ الا اللہ کہو چنانچہ ہم نے کچھ دیر اپنے ہاتھ اٹھائے رکھے (حضور صلی اللہ علیہ وسلم بھی ہاتھ اٹھائے ہوئے تھے) پھر حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے ہاتھ نیچے کئے (اور ہم نے بھی نیچے کئے) پھر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا الحمد للہ اے اللہ! تو نے مجھے یہ کلمہ دے کر بھیجا اور اس (پر ایمان لانے) کا حکم دیا اور اس پر جنت کا تو نے وعدہ فرمایا اور تو وعدہ خلافی نہیں کرتا۔ پھر فرمایا غور سے سنو تمہیں بشارت ہو کیونکہ اللہ تعالیٰ نے تمہاری مغفرت کردی ہے۔ (اخرجہ احمد)

ایمان پر جنت

حضرت رفاعہ جہنی رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ ہم لوگ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ واپس آرہے تھے۔ جب ہم کدید یا قدید مقام پر پہنچے تو کچھ لوگ آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے اپنے گھر والوں کے پاس جانے کی اجازت مانگنے لگے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم ان کو اجازت دینے لگے پھر کھڑے ہو کر حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اللہ کی حمد وثنا بیان کی پھر فرمایا ان لوگوں کو کیا ہو گیا ہے کہ ان کو درخت کا وہ حصہ جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے قریب ہے دوسرے حصے سے زیادہ ناپسند ہے۔ بس اس بات کے سنتے ہی سب رونے لگے۔ کوئی ایسا نظر نہیں آرہا تھا جو رو نہ رہا ہو۔ ایک آدمی نے کہا اس کے بعد جو اجازت مانگے گا وہ یقیناً بڑا نادان ہوگا۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے پھر اللہ کی حمد وثنا بیان کی اور خیر کی بات کی اور فرمایا میں اللہ کے ہاں

اس بات کی گواہی دیتا ہوں کہ جو بندہ اس حال میں مرے گا کہ وہ اس بات کی سچے دل سے گواہی دے رہا ہو کہ اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں اور میں اللہ کا رسول ہوں اور پھر وہ ٹھیک ٹھیک چلتا رہے تو وہ ضرور جنت میں داخل ہوگا اور میرے رب عزوجل نے مجھ سے وعدہ کیا ہے کہ وہ میری امت میں سے ستر ہزار آدمی جنت میں حساب کتاب اور عذاب کے بغیر داخل کرے گا اور مجھے امید ہے کہ آپ لوگ اور آپ لوگوں کے نیک ماں باپ اور نیک بیوی بچے جنت میں پہلے اپنے ٹھکانوں میں پہنچ جائیں گے پھر وہ ستر ہزار جنت میں داخل ہوں گے۔ (اخرجہ احمد)

کلمہ ایمان پر گناہوں کی مغفرت

حضرت انس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اے فلاں! تم نے ایسے اور ایسے کیا ہے؟ اس نے کہا نہیں۔ اس ذات کی قسم جس کے علاوہ کوئی معبود نہیں! میں نے ایسے نہیں کیا۔ چونکہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو معلوم تھا کہ اس نے یہ کام کیا ہے اس لئے آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس سے کئی مرتبہ پوچھا (لیکن ہر مرتبہ وہ یہی جواب دیتا رہا) حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا چونکہ تم لآ الٰہ الا اللہ کی تصدیق کررہے ہو اس وجہ سے تمہارے اس گناہ کو مٹا دیا گیا۔ (اخرجہ البزار)

کلمہ طیبہ کا صلہ

حضرت حذیفہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اسلام بھی ایسے پرانا ہو جائے گا جیسے کپڑے کے نقش ونگار پرانے ہو جاتے ہیں۔ کسی کو معلوم نہ ہوگا کہ روزہ صدقہ اور قربانی کیا چیز ہے؟ اللہ کی کتاب یعنی قرآن پر ایک رات ایسی آئے گی کہ اس کی ایک آیت بھی زمین پر باقی نہ رہے گی (فرشتہ ساری زمین سے سارا قرآن اٹھا کر لے جائے گا) اور لوگوں کی مختلف جماعتیں باقی رہ جائیں گی جن کے بوڑھے مرد اور بوڑھی عورتیں کہیں گی ہم نے اپنے آباء واجداد کو اس کلمہ لآ الٰہ الا اللہ پر پایا تھا ہم بھی یہی کلمہ پڑھتے ہیں۔ حضرت صلہ (راوی) نے پوچھا کہ جب وہ لوگ یہ نہیں جانتے ہوں گے کہ روزہ صدقہ اور قربانی کیا چیز ہے تو لآ الٰہ الا اللہ پڑھنے سے انہیں کیا فائدہ ہوگا؟ حضرت

حذیفہ رضی اللہ عنہ نے ان سے اعراض فرمالیا۔ حضرت صلہ نے دوبارہ پوچھا تو حضرت حذیفہ رضی اللہ عنہ نے پھر اعراض فرمالیا۔ جب تیسری مرتبہ پوچھا تو حضرت حذیفہ رضی اللہ عنہ نے اس کی طرف متوجہ ہو کر فرمایا اے صلہ! یہ کلمہ انہیں آگ سے نجات دے گا' یہ کلمہ انہیں آگ سے نجات دے گا یہ کلمہ انہیں آگ سے نجات دے گا۔ (اخرجہ الحاکم ۳/ ۵۴۵)

محبت بقدر ایمان

حضرت علی رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ لوگوں میں سے اللہ تعالیٰ کے ساتھ سب سے زیادہ معاملہ صاف رکھنے والا اور اللہ کو سب سے زیادہ جاننے والا وہ آدمی ہے جو لآ الٰہ الا اللہ والوں سے سب سے زیادہ محبت کرنے والا اور ان کی سب سے زیادہ تعظیم کرنے والا ہو۔ (اخرجہ ابونعیم فی الحلیۃ کذا فی الکنز ۱/ ۸۶)

ایمان اور ذکر

حضرت سالم بن ابی الجعدؒ کہتے ہیں کہ حضرت ابوالدرداء رضی اللہ عنہ کو کسی نے بتایا کہ حضرت ابوسعد بن منبہؒ نے سو غلام آزاد کئے ہیں۔ حضرت ابوالدرداء رضی اللہ عنہ نے فرمایا ایک آدمی کے مال میں سے سو غلام بہت زیادہ ہیں لیکن اگر تم کہو تو میں تمہیں اس سے بھی زیادہ فضیلت والے (اعمال) بتادوں۔ ایک تو وہ ایمان جو دن رات ہر وقت دل سے چمٹا ہوا ہو اور دوسرے یہ کہ ہر وقت تمہاری زبان اللہ کے ذکر سے تر رہے۔ (اخرجہ ابونعیم فی الحلیۃ ۱/ ۲۱۹)

ایمان اللہ کی عطا

حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ جیسے اللہ تعالیٰ نے تمہاری روزی کو تمہارے درمیان تقسیم کیا ہے اسی طرح اخلاق کو بھی تمہارے درمیان تقسیم کیا ہے اور اللہ تعالیٰ مال تو اسے بھی دے دیتے ہیں جس سے محبت ہو اور اسے بھی دے دیتے ہیں جس سے محبت نہ ہو لیکن ایمان صرف اسے ہی دیتے ہیں جس سے محبت ہو چنانچہ اللہ تعالیٰ جب کسی بندے سے محبت کرتے ہیں تو اسے ایمان دے دیتے ہیں۔ لہذا جو بخل کی وجہ سے مال نہ خرچ کرسکتا

ہواور بزدلی کی وجہ سے دشمن سے جہاد نہ کرسکتا ہواور راتوں کو محنت نہ کرسکتا ہو اسے چاہئے کہ وہ لا الہ الا اللہ واللہ اکبر والحمد للہ وسبحان اللہ کثرت سے کہا کرے۔ (اخرجہ الطبرانی)

ایمان کی مجالس

حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ حضرت عبداللہ بن رواحہ رضی اللہ عنہ جب حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے کسی صحابی سے ملتے تو اس سے کہتے آؤ تھوڑی دیر اپنے رب پر ایمان کو تازہ کریں۔ ایک دن انہوں نے یہ بات ایک آدمی سے کہی اسے غصہ آ گیا اور اس نے جا کر حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں عرض کیا یا رسول اللہ! کیا آپ نے حضرت عبداللہ بن رواحہ رضی اللہ عنہ کو نہیں دیکھا کہ وہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے ایمان کو چھوڑ کر ایک گھڑی کا ایمان اختیار کر رہے ہیں۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اللہ ابن رواحہ پر رحمت فرمائے یہ ان مجلسوں کو پسند کرتے ہیں جن پر فرشتے فخر کرتے ہیں۔ (اخرجہ احمد)

آؤ ایمان تازہ کرلیں

حضرت ابوالدرداء رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ حضرت عبداللہ بن رواحہ رضی اللہ عنہ میرا ہاتھ پکڑ کر کہا کرتے آؤ ہم کچھ دیر اپنا ایمان تازہ کرلیں کیونکہ دل اس ہانڈی سے بھی جلدی پلٹ جاتا ہے جو خوب زور وشور سے ابل رہی ہو۔ (اخرجہ الطیالسی)

حضرت ابوذر رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ اپنے ساتھیوں میں سے ایک دو کا ہاتھ پکڑ لیتے اور فرماتے ہمارے ساتھ کچھ دیر رہو تا کہ ہم اپنا ایمان بڑھا لیں اور پھر ہم اللہ تعالیٰ (کی ذات وصفات) کا ذکر کرتے۔ (اخرجہ ابن ابی شیبہ واللالکائی فی السنۃ کذا فی الکنز ۱۰/ ۲۰۸)

حضرت اسود بن ہلال رحمہ اللہ تعالیٰ کہتے ہیں کہ ہم لوگ حضرت معاذ رضی اللہ عنہ کیساتھ چل رہے تھے کہ اتنے میں انہوں نے فرمایا آؤ کچھ دیر بیٹھ کر ایمان تازہ کرلیں۔ (اخرجہ ابونعیم فی الحلیۃ)

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اپنا ایمان تازہ کرتے رہو۔ صحابہ رضی اللہ عنہم نے پوچھا یا رسول اللہ! ہم اپنا ایمان کیسے تازہ کریں؟ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا لا الہ الا اللہ کثرت سے کہا کرو۔ (اخرجہ احمد والطبرانی)

قرآن وحدیث کے مقابلہ میں انسانی تجربات مشاہدات کو غلط سمجھنا

حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ ایک آدمی نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوکر عرض کیا کہ میرے بھائی کو دست آ رہے ہیں۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اسے شہد پلاؤ (کیونکہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے کہ شہد میں لوگوں کے لئے شفاء ہے) وہ آدمی گیا اور اس نے جا کر اپنے بھائی کو شہد پلایا اور پھر آ کر عرض کیا یارسول اللہ! میں نے اسے شہد پلایا اس سے تو دست اور زیادہ آنے لگے ہیں۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جاؤ اور اسے شہد پلاؤ۔ اس نے جا کر شہد پلایا اور پھر آ کر عرض کیا یارسول اللہ! اس کو تو دست اور زیادہ آنے لگے ہیں۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اللہ سچ فرماتے ہیں اور تمہارے بھائی کا پیٹ غلط کہتا ہے۔ جاؤ اسے شہد پلاؤ۔ اب جا کر اس نے بھائی کو شہد پلایا تو وہ ٹھیک ہوگیا۔ (اخرجہ الشیخان کذافی التفسیر لابن کثیر ۲/۵۷۵)

مشرکانہ عملیات سے اجتناب

حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کی بیوی حضرت زینب رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ حضرت عبداللہ رضی اللہ عنہ جب ضرورت پوری کر کے گھر واپس آتے اور دروازے پر پہنچتے تو کھنکارتے اور تھوکتے تا کہ ایسا نہ ہو کہ وہ اچانک اندر آئیں اور ہمیں کسی نامناسب حالت میں دیکھ لیں؟ چنانچہ وہ ایک دن آئے اور انہوں نے کھنکارا۔ اس وقت میرے پاس ایک بوڑھی عورت تھی جو پت کا منتر پڑھ کر مجھ پر دم کر رہی تھی۔ میں نے اس کو پلنگ کے نیچے چھپا دیا۔ حضرت عبداللہ اندر آ کر میرے پاس بیٹھ گئے ان کو میری گردن میں ایک دھاگہ نظر آیا۔ انہوں نے کہا یہ دھاگہ کیسا ہے؟ میں نے کہا اس پر منتر پڑھ کر کسی نے مجھے دیا ہے۔ انہوں نے دھاگہ پکڑ کر کاٹ دیا اور فرمایا عبداللہ کے گھر والوں کو شرک کی کوئی ضرورت نہیں۔ میں نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ فرماتے ہوئے سنا کہ منتر، تعویذ اور گنڈا یہ سب شرک ہے۔ (بشرطیکہ ان چیزوں کو ہی خود اثر کرنے والا سمجھے) میں نے ان سے کہا آپ یہ کیسے کہہ رہے ہیں؟ میری آنکھ دکھنے

آتی تھی میں فلاں یہودی کے پاس جایا کرتی تھی وہ دم کیا کرتا تھا۔ جب بھی وہ دم کرتا میری آنکھ ٹھیک ہو جاتی۔ حضرت عبداللہ رضی اللہ عنہ نے فرمایا یہ سب کچھ شیطان کی طرف سے تھا۔ شیطان تمہاری آنکھ پر ہاتھ سے چوکہ مارتا تھا (جس سے آنکھ دکھنے لگ جاتی تھی) جب وہ یہودی دم کرتا تو وہ اپنا ہاتھ پیچھے ہٹالیتا (جس سے آنکھ ٹھیک ہو جاتی) تمہیں یہ کافی تھا کہ تم اس موقع پر یہ دعا پڑھ لیتیں جو کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم پڑھا کرتے تھے۔

"اذهب الباس رب الناس اشف وانت الشافی لا شفاء الا شفائک شفاءً لا یغادر سقماً" (اخرجہ احمد کذا فی التفسیر لابن کثیر ۲/۴۹۴)

بر و بحر میں ایمان کی تاثیر و برکات کے واقعات

حضرت قیس بن حجاجؒ اپنے ایک استاد سے نقل کرتے ہیں کہ جب مسلمانوں نے مصر فتح کر لیا اور مصری مہینوں میں سے بونہ نامی مہینہ شروع ہو گیا تو مسلمانوں کے امیر حضرت عمرو بن عاص رضی اللہ عنہ کے پاس مصر والے آئے اور انہوں نے کہا اے امیر صاحب! ہمارے اس دریائے نیل کے جاری رہنے کے لئے ایک پرانی رسم ہے وہ رسم ہم ادا نہ کریں تو دریائے نیل کا پانی خشک ہو جاتا ہے۔ حضرت عمرو رضی اللہ عنہ نے فرمایا وہ رسم کیا ہے؟ مصر والوں نے کہا وہ رسم یہ ہے جب اس (بونہ) مہینے کی بارہ تاریخ ہو جاتی ہے تو ہم ایک کنواری لڑکی کو تلاش کرتے ہیں جو اپنے ماں باپ کے پاس رہتی ہو۔ اس کے ماں باپ کو (بہت سا مال دے کر) راضی کرتے ہیں۔ پھر اس لڑکی کو سب سے عمدہ زیور اور کپڑے پہناتے ہیں اور پھر اسے دریائے نیل میں ڈال دیتے ہیں۔ حضرت عمرو رضی اللہ عنہ نے ان سے فرمایا یہ کام اسلام میں نہیں ہو سکتا۔ اسلام اپنے سے پہلے کے تمام غلط کاموں کو ختم کر دیتا ہے۔ وہ مصری لوگ بونہ مہینے میں وہاں ہی رہے دریائے نیل میں پانی بالکل نہیں تھا۔ بالآخر مصریوں نے مصر چھوڑ کر جانے کا ارادہ کر لیا۔ حضرت عمرو رضی اللہ عنہ نے حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ کو خط میں یہ ساری تفصیل لکھ کر بھیجی۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے جواب میں یہ لکھا کہ تم نے جو کیا وہ بالکل ٹھیک ہے اور میں اس خط کے ساتھ ایک پرچہ بھیج رہا ہوں اسے دریائے نیل میں ڈال دو۔ پھر آگے اور حدیث بھی ہے جیسے کہ تائیدات غیبیہ کے باب میں دریاؤں کے

مسخر ہونے کے ذیل میں آئے گی۔ اس کے آخر میں یہ ہے کہ حضرت عمرو رضی اللہ عنہ نے وہ پرچہ دریائے نیل میں ڈال دیا (یہ جمعہ کا دن تھا) ہفتہ کے دن صبح کو لوگوں نے جا کر دیکھا تو وہ حیران رہ گئے کہ ایک ہی رات میں اللہ تعالیٰ نے دریائے نیل میں سولہ ہاتھ پانی چڑھا دیا تھا اور یوں اللہ تعالیٰ نے مصر والوں کی اس غلط رسم کو ختم کرا دیا اور آج تک وہ رسم ختم ہے (اس کے بغیر ہی دریائے نیل میں مسلسل پانی چل رہا ہے) (اخرجہ الحافظ ابوالقاسم اللالکائی فی السنۃ)

حضرت سہم بن منجابؒ کہتے ہیں کہ ہم حضرت علاء بن حضرمی رضی اللہ عنہ کے ساتھ ایک غزوے میں گئے ہم چلتے چلتے دارین (جزیرے) کے پاس پہنچ گئے۔ ہمارے اور دارین والوں کے درمیان سمندر تھا حضرت علاء رضی اللہ عنہ نے یہ دعا مانگی **یاعلیم یا حلیم یا علی یا عظیم** ہم تیرے بندے ہیں اور تیرے راستہ میں ہیں تیرے دشمن سے جنگ کرنے آئے ہیں۔ اے اللہ! دشمن تک پہنچنے کا ہمارے لئے راستہ بنا دے۔ اس کے بعد حضرت علاء رضی اللہ عنہ ہمیں لے کر سمندر میں اتر گئے اور ہم بھی ان کے ساتھ گھس گئے لیکن سمندر کا پانی ہماری زین کے نمدوں تک بھی نہیں پہنچا اور ہم لوگ ان تک پہنچ گئے (اخرجہ ابونعیم فی الحلیۃ ۱/۸)

حضرت معاویہ بن حرملؒ کہتے ہیں کہ ایک مرتبہ (مدینہ منورہ کے پتھریلے میدان) حرہ میں آگ نکلی تو حضرت عمر رضی اللہ عنہ حضرت تمیم رضی اللہ عنہ کے پاس گئے اور ان سے فرمایا کہ اٹھو اور اس آگ کا انتظام کرو۔ حضرت تمیم رضی اللہ عنہ نے کہا اے امیر المومنین! میں کون ہوں؟ میں کیا ہوں؟ (تواضع کرنے لگے) حضرت عمر رضی اللہ عنہ ان پر اصرار کرتے رہے یہاں تک کہ حضرت تمیم رضی اللہ عنہ کھڑے ہو گئے اور دونوں آگ کی طرف چل پڑے اور میں ان کے پیچھے چلنے لگا۔ وہاں پہنچ کر حضرت تمیم رضی اللہ عنہ آگ کو اپنے ہاتھ سے دھکا دیتے رہے کہ وہ آگ (اس) گھاٹی میں داخل ہو گئی (جس میں سے نکل کر آئی تھی) اور آگ کے پیچھے حضرت تمیم رضی اللہ عنہ بھی گھاٹی کے اندر چلے گئے۔ یہ دیکھ کر حضرت عمر رضی اللہ عنہ فرمانے لگے کہ جس نے یہ منظر نہیں دیکھا وہ دیکھنے والے کے برابر نہیں ہو سکتا (کیونکہ اسے دیکھ کر ایمان تازہ ہو گیا ہے) (اخرجہ ابونعیم فی الدلائل ص ۲۱۲)

بحرین کے ایک صاحب ابوسکینہؒ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے ایک صحابی رضی اللہ

عنہ سے روایت کرتے ہیں کہ جب نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے خندق کھودنے کا حکم دیا تو (خندق کھودتے ہوئے) صحابہ رضی اللہ عنہم کے سامنے ایک چٹان آ گئی جس نے صحابہ رضی اللہ عنہم کو خندق کھودنے سے روک دیا۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم خندق کے ایک کنارے چادر رکھ کر کھڑے ہوئے اور کدال لے کر یہ آیت پڑھی۔

وَتَمَّتْ كَلِمَةُ رَبِّكَ صِدْقًا وَّعَدْلًا لَا مُبَدِّلَ لِكَلِمٰتِهٖ وَهُوَ السَّمِيْعُ الْعَلِيْمُ (سورۃ انعام: ۱۱۵)

ترجمہ: ''اور آپ کے رب کا کلام واقفیت اور اعتدال کے اعتبار سے کامل ہے۔ اس کے کلام کا کوئی بدلنے والا نہیں اور وہ خوب سن رہے ہیں خوب جان رہے ہیں''۔

اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے زور سے کدال چٹان پر ماری اس سے چٹان کا تہائی حصہ ٹوٹ کر گر پڑا۔ حضرت سلمان فارسی رضی اللہ عنہ کھڑے ہوئے دیکھ رہے تھے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے کدال مارنے کے ساتھ ایک چمک ظاہر ہوئی' پھر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے دوبارہ وہی آیت پڑھ کر کدال ماری تو چٹان کا دوسرا تہائی حصہ بھی ٹوٹ کر گر پڑا اور پھر دوبارہ ایک چمک ظاہر ہوئی جسے حضرت سلمان رضی اللہ عنہ نے دیکھا۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے تیسری مرتبہ وہی آیت پڑھ کر کدال ماری تو چٹان کا آخری تیسرا حصہ بھی ٹوٹ کر گر پڑا پھر حضور صلی اللہ علیہ وسلم خندق سے باہر تشریف لائے اور اپنی چادر لے کر بیٹھ گئے۔ حضرت سلمان رضی اللہ عنہ نے عرض کیا یا رسول اللہ! میں نے دیکھا کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم جب بھی چٹان پر چوٹ مارتے تو اس کے ساتھ ایک چمک ظاہر ہوتی۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اے سلمان! کیا تم نے اسے دیکھ لیا؟ حضرت سلمان رضی اللہ عنہ نے عرض کیا یا رسول اللہ! اس ذات کی قسم جس نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو حق دے کر بھیجا ہے ہاں میں نے اسے دیکھا ہے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جب میں نے پہلی دفعہ چوٹ ماری تھی تو اس وقت کسریٰ کا شہر مدائن اور اس کے آس پاس کے علاقے اور بہت سارے شہر میرے سامنے ظاہر کر دیئے گئے جنہیں میں نے اپنی آنکھوں سے دیکھا۔ وہاں جو صحابہ رضی اللہ عنہم اس وقت موجود تھے انہوں نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں عرض کیا یا رسول اللہ!

آپ اللہ سے یہ دعا کریں کہ وہ یہ تمام شہر فتح کر کے ہمیں دے دے اور ان کی اولاد کو ہمارے لئے مال غنیمت بنا دے اور ان کے شہروں کو ہمارے ہاتھوں اجاڑ دے' چنانچہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ دعا فرمائی اور فرمایا پھر میں نے دوسری مرتبہ چوٹ ماری تو قیصر کے شہر اور آس پاس کے علاقے میرے سامنے ظاہر کر دیئے گئے جنہیں میں نے اپنی آنکھوں سے دیکھا۔ صحابہ رضی اللہ عنہم نے عرض کیا یا رسول اللہ! آپ اللہ سے یہ دعا کریں کہ وہ یہ تمام علاقے فتح کر کے ہمیں دے دے اور ان کی اولاد کو ہمارے لئے مال غنیمت بنا دے اور ان کے شہروں کو ہمارے ہاتھوں اجاڑ دے' چنانچہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ دعا فرمائی اور فرمایا پھر میں نے تیسری مرتبہ چوٹ ماری تو حبشہ کے شہر اور اس کے آس پاس کے علاقے میرے سامنے ظاہر کئے گئے جنہیں میں نے اپنی آنکھوں سے دیکھا پھر حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جب تک حبشہ والے تمہیں چھوڑے رکھیں تم بھی انہیں چھوڑے رکھو اور جب تک ترک تمہیں چھوڑے رکھیں تم بھی انہیں چھوڑے رکھو۔ یہ حکم شروع میں تھا بعد میں یہ حکم منسوخ ہو گیا۔ اور ہر ملک میں جانے کا حکم آ گیا (اخرجہ النسائی)

ایمان کی حقیقت اور اس کا کمال

حضرت انس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ ایک دن حضور صلی اللہ علیہ وسلم مسجد میں تشریف لے گئے تو وہاں حضرت حارث بن مالک رضی اللہ عنہ سو رہے تھے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کو پاؤں سے ہلایا اور فرمایا اپنا سر اٹھاؤ۔ انہوں نے سر اٹھا کر کہا یا رسول اللہ! میرے ماں باپ آپ صلی اللہ علیہ وسلم پر قربان ہوں۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا' اے حارث بن مالک! تم نے کس حال میں صبح کی؟ انہوں نے عرض کیا یا رسول اللہ! میں نے پکا سچا مومن ہونے کی حالت میں صبح کی ہے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہر حق بات کی کوئی حقیقت ہوا کرتی ہے جو تم کہہ رہے ہو اس کی حقیقت کیا ہے؟ حضرت حارث رضی اللہ عنہ نے عرض کیا میں نے اپنے آپ کو دنیا سے ہٹا لیا اور دن کو میں پیاسا رہتا ہوں یعنی روزہ رکھتا ہوں اور رات کو جاگتا ہوں اور مجھے ایسے معلوم ہوتا ہے کہ جیسے میں اپنے رب کے عرش

کو دیکھ رہا ہوں اور جنت والوں کو جنت میں ایک دوسرے کی زیارت کرتے ہوئے دیکھ رہا ہوں اور جہنم والوں کو ایک دوسرے پر بھونکتے ہوئے دیکھ رہا ہوں۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ان سے فرمایا اللہ تعالیٰ نے تمہارا دل نورانی بنا دیا ہے اور تم نے (ایمان کی حقیقت کو) پہچان لیا ہے لہٰذا تم اس (ایمانی کیفیت) پر پکے رہو۔ (اخرجہ ابن عساکر)

حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ ایک مرتبہ حضرت معاذ بن جبل رضی اللہ عنہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا تم نے کس حال میں صبح کی؟ حضرت معاذ رضی اللہ عنہ نے عرض کیا میں نے آپ پر ایمان لانے کی حالت میں صبح کی۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہر بات کی سچائی کی کوئی دلیل ہوتی ہے اور ہر حق بات کی ایک حقیقت ہوتی ہے تمہاری بات کی سچائی کی کیا دلیل ہے؟ حضرت معاذ رضی اللہ عنہ نے عرض کیا اے اللہ کے نبی! جب بھی صبح ہوتی ہے میں یہ سمجھتا ہوں کہ میں شام نہیں کر سکوں گا اور جب بھی شام ہوتی ہے میں یہ سمجھتا ہوں کہ میں صبح نہیں کر سکوں گا اور جب بھی کوئی قدم اٹھاتا ہوں تو یہ گمان کرتا ہوں کہ میں دوسرا قدم نہیں اٹھا سکوں گا اور گویا کہ میں ان تمام امتوں کی طرف دیکھ رہا ہوں جو گھٹنوں کے بل بیٹھی ہوئی ہیں اور انہیں ان کے اعمال نامے کی طرف بلایا جا رہا ہے اور ان کے ساتھ ان کے نبی بھی ہیں۔ اور ان کے ساتھ وہ بت بھی ہیں جن کی وہ اللہ کے علاوہ عبادت کیا کرتے تھے اور گویا کہ میں جہنم والوں کی سزا اور جنت والوں کے اجر و ثواب کو دیکھ رہا ہوں۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا تم نے (ایمان کی حقیقت) پہچان لی اب اسی پر جمے رہنا۔ (اخرجہ ابونعیم فی الحلیۃ ۱/۲۴۲)

حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس بیٹھا ہوا تھا کہ اتنے میں قبیلہ بنو حارثہ کے حضرت حرملہ بن زید انصاری رضی اللہ عنہ آئے اور انہوں نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے بیٹھ کر ہاتھ سے زبان کی طرف اشارہ کرتے ہوئے عرض کیا یا رسول اللہ! ایمان یہاں پر ہے اور سینے پر ہاتھ رکھ کر کہا اور یہاں نفاق ہے اور یہ دل اللہ کا ذکر بہت کم کرتا ہے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم خاموش رہے۔ حضرت حرملہ رضی اللہ عنہ نے اپنی بات پھر دہرائی۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت حرملہ کی زبان کا کنارہ

پکڑ کر کہا اے اللہ! اس کی زبان کو سچ بولنے والا اور اس کے دل کو شکر کرنے والا بنا دے اور اسے میری محبت نصیب فرما اور جو مجھ سے محبت کرے اس کی محبت بھی اسے نصیب فرما اور اس کے معاملے کو خیر کی طرف موڑ دے۔ حضرت حرملہ رضی اللہ عنہ نے عرض کیا یا رسول اللہ! میرے بہت سے بھائی منافق ہیں میں ان کا سردار تھا۔ کیا میں آپ کو ان کے نام نہ بتاؤں؟ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جو بھی ہمارے پاس اس طرح آئے گا جس طرح تم ہمارے پاس آئے ہم اس کے لئے ایسے ہی استغفار کریں گے جیسے ہم نے تمہارے لئے کیا اور جو نفاق پر ہی ڈٹا رہے گا تو اللہ اس سے خود ہی نبٹ لیں گے۔ (اخرجہ ابونعیم کذا فی الکنز ۲/۲۵۰)

اللہ تعالیٰ کی ذات وصفات پر ایمان

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک آدمی کو ایک لشکر کا امیر بنا کر بھیجا۔ وہ جب بھی اپنے ساتھیوں کو نماز پڑھاتا تو قل ھو اللہ احد ضرور پڑھتا۔ جب وہ لوگ واپس آئے تو انہوں نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے اس کا تذکرہ کیا۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اس سے پوچھو وہ ایسا کیوں کرتا ہے؟ ان لوگوں نے اس سے پوچھا تو اس نے بتایا کہ چونکہ اس سورۃ میں رحمٰن کی صفات کا تذکرہ ہے اس لئے اس کا پڑھنا مجھے بہت پسند ہے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اسے بتا دو کہ اللہ تعالیٰ اس سے محبت کرتے ہیں (اخرجہ البیہقی فی الاسماء والصفات ص ۲۰۸ واخرجہ الشیخان عن عائشہ کما قال البیہقی)

حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ ایک یہودی عالم نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہو کر عرض کیا یا محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) یا کہا یا رسول اللہ! اللہ تعالیٰ نے آسمانوں کو ایک انگلی پر، زمینوں کو دوسری انگلی پر رکھا، پہاڑوں، درختوں، پانی اور گیلی مٹی کو تیسری انگلی پر اور باقی ساری مخلوق کو چوتھی انگلی پر رکھا اور اللہ تعالیٰ ان تمام چیزوں کو ہلا کر فرماتے ہیں کہ میں ہی بادشاہ ہوں۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم اس یہودی عالم کی اس بات کی تصدیق کرتے ہوئے اتنا ہنسے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے دندان مبارک ظاہر ہو گئے۔ پھر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ آیت آخر تک پڑھی۔

وَمَا قَدَرُوا اللّٰهَ حَقَّ قَدْرِهٖ وَالْاَرْضُ جَمِيْعًا قَبْضَتُهٗ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ (سورۂ زمر ۶۸)

ترجمہ: ''اور (افسوس ہے کہ) ان لوگوں نے اللہ تعالیٰ کی کچھ عظمت نہ کی جیسی عظمت کرنا چاہیے تھی، حالانکہ (اس کی وہ شان ہے کہ) ساری زمین اس کی مٹھی میں ہوگی قیامت کے دن اور تمام آسمان لپٹے ہوں گے اس کے داہنے ہاتھ میں۔ وہ پاک اور برتر ہے ان کے شرک سے۔'' (اخرجہ البیہقی فی الاسماء والصفات ۲۴۵)

حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے کسی نے پوچھا کہ قیامت کے دن کافر کو کیسے منہ کے بل اٹھایا جائے گا؟ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جس ذات نے اسے دنیا میں پاؤں کے بل چلایا وہ اس بات پر بھی قادر ہے کہ اسے قیامت کے دن منہ کے بل چلائے۔ (اخرجہ البیہقی فی الاسماء والصفات ص ۳۵۶)

حضرت حذیفہ بن اسید رحمۃ اللہ تعالیٰ کہتے ہیں کہ ایک مرتبہ حضرت ابوذر رضی اللہ عنہ نے کھڑے ہوکر (اپنی قوم سے) کہا اے بنوغفار! تم بات کیا کرو اور قسم نہ کھایا کرو کیونکہ صادق مصدوق (یعنی جو خود بھی سچ بولتے تھے اور ان سے فرشتہ بھی سچ بات آ کر کہتا تھا یعنی حضور صلی اللہ علیہ وسلم) نے مجھے یہ بتایا ہے کہ (قیامت کے دن) لوگوں کو تین جماعتوں میں اٹھایا جائے گا۔ ایک جماعت تو سوار ہوگی اور یہ لوگ کھاتے پیتے اور کپڑے پہنے ہوئے ہوں گے اور ایک جماعت پیدل بھاگ رہی ہوگی اور ایک جماعت کو فرشتے منہ کے بل گھسیٹ کر (جہنم کی) آگ کے پاس جمع کر رہے ہوں گے ان میں سے ایک آدمی نے پوچھا کہ دو جماعتوں کو تو ہم نے پہچان لیا ہے لیکن جو لوگ پیدل بھاگ رہے ہوں گے ان کا یہ حال کیوں ہوگا؟ حضرت ابوذر رضی اللہ عنہ نے کہا اللہ تعالیٰ سواری پر آفت ڈال دیں گے۔ اور ایک سواری بھی باقی نہ رہے گی یہاں تک کہ ایک آدمی کے پاس ایک پسندیدہ باغ ہوگا وہ یہ باغ دے کر پالان والی بوڑھی اونٹنی لینا چاہے گا لیکن وہ بھی اسے نہ مل سکے گی۔

(اخرجہ احمد کذا فی التفسیر لابن کثیر ۳/ ۶۵ واخرجہ الحاکم ۴/ ۵۶۴)

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں کہ ایک آدمی حاضر خدمت ہوکر حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے کسی کام کے بارے میں بات کرنے لگا اور بات کرتے کرتے اس نے یوں کہہ

دیا جیسے اللہ اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم چاہیں۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کیا تم نے مجھے اللہ کے برابر بنا دیا ہے؟ بلکہ یوں کہو جیسے اکیلا اللہ چاہے۔ (اخرجہ البیہقی فی الاسماء والصفات ص ۱۱۰)

حضرت اوزاعیؒ کہتے ہیں کہ ایک یہودی نے آ کر حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے مشیت کے بارے میں پوچھا (کہ کس کے چاہنے سے کام ہوتا ہے) حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کام تو اللہ ہی کے چاہنے سے ہوتا ہے۔ اس یہودی نے کہا کہ میں کھڑا ہونا چاہتا ہوں (تو کھڑا ہو جاتا ہوں یعنی میرے چاہنے سے ہوا) حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اللہ تعالیٰ نے بھی تمہارے کھڑے ہونے کو چاہ لیا تھا (اس لئے تم کھڑے ہو سکے) پھر اس یہودی نے کہا میں بیٹھنا چاہتا ہوں (تو بیٹھ جاتا ہوں) حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اللہ نے بھی تمہارے بیٹھنے کو چاہ لیا تھا۔ اس یہودی نے کہا میں کھجور کے اس درخت کو کاٹنا چاہتا ہوں (تو کاٹ لیتا ہوں) حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اللہ نے چاہ لیا تھا کہ تم اس درخت کو کاٹ لو۔ اس یہودی نے کہا میں اس درخت کو باقی رکھنا چاہتا ہوں (تو وہ باقی رہ جاتا ہے) حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اللہ نے چاہ لیا تھا کہ تم اسے باقی رکھو۔ حضرت اوزاعی کہتے ہیں کہ پھر حضرت جبرائیلؑ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آئے اور عرض کیا اللہ تعالیٰ نے آپ کو یہ دلیل سجھائی جیسے کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام کو سجھائی تھی یہی مضمون لے کر قرآن کی یہ آیت نازل ہوئی:۔

مَا قَطَعْتُمْ مِّنْ لِّيْنَةٍ اَوْ تَرَكْتُمُوْهَا قَآئِمَةً عَلٰٓى اُصُوْلِهَا فَبِاِذْنِ اللّٰهِ وَلِيُخْزِيَ الْفٰسِقِيْنَ (سورۃ حشر: ۵)

ترجمہ:۔ "جو کھجوروں کے درخت کے تنے تم نے کاٹ ڈالے یا ان کو ان کی جڑوں پر کھڑا رہنے دیا ہو سو (دونوں باتیں) اللہ ہی کے حکم (اور رضا) کے موافق ہیں اور تا کہ کافروں کو ذلیل کرے۔"

(اخرجہ البیہقی فی الاسماء والصفات ۱۱۱ قال البیہقی ھذا وان کان مرسلا فما قبلہ من الموصولات فی معناہ یوکدہ انتھی)

حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ جب حضور صلی اللہ علیہ وسلم حدیبیہ سے واپس آ رہے تھے تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے رات کے آخری حصہ میں ایک جگہ پڑاؤ ڈالا اور فرمایا ہمارا پہرہ کون دے گا؟ میں نے عرض کیا 'میں' میں۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا تم تم تو سوتے رہ جاؤ گے۔ پھر حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اچھا تم

ہی پہرہ دو چنانچہ میں پہرہ دینے لگا جب صبح صادق ہونے لگی تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی بات پوری ہوگئی اور مجھے نیند آ گئی اور جب سورج کی گرمی ہماری پشت پر پڑی تب ہماری آنکھ کھلی؛ چنانچہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم اٹھے اور ایسے موقع پر جو کیا کرتے تھے وہ کیا۔ پھر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے صبح کی نماز پڑھائی۔ پھر فرمایا اگر اللہ چاہتے تو تم یوں سوتے نہ رہ جاتے اور تمہاری نماز قضا نہ ہوتی لیکن اللہ تعالیٰ نے چاہا کہ تمہارے بعد آنے والوں میں سے کوئی سوتا رہ جائے یا نماز پڑھنا بھول جائے تو اس کے لئے عملی نمونہ سامنے آ جائے۔ (اخرجہ البیہقی فی الاسماء والصفات ص ۱۰۹)

حضرت طارق بن شہاب رحمۃ اللہ تعالیٰ کہتے ہیں کہ ایک یہودی نے آ کر حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ سے پوچھا کہ ذرا یہ تو بتائیں کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے۔

وَجَنَّةٍ عَرْضُهَا السَّمٰوٰتُ وَالْاَرْضُ (سورۃ آل عمران: ۱۳۳)

ترجمہ:۔ ''اور جنت جس کی وسعت ایسی ہے جیسے سب آسمان اور زمین۔''

(جب سب جگہ جنت ہوگئی) تو پھر جہنم کہاں ہے؟ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے صحابہ رضی اللہ عنہم سے فرمایا کہ اسے جواب دو لیکن ان میں سے کسی کے پاس اس کا جواب نہیں تھا۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا ذرا تم یہ بتاؤ کہ جب رات آ کر ساری زمین پر چھا جاتی ہے تو دن کہاں چلا جاتا ہے؟ اس یہودی نے کہا جہاں اللہ چاہتے ہیں وہاں چلا جاتا ہے۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا ایسے ہی جہنم بھی وہاں ہے جہاں اللہ چاہتا ہے۔ اس پر اس یہودی نے کہا کہ اے امیر المومنین! اس ذات کی قسم جس کے قبضہ میں میری جان ہے اللہ تعالیٰ کی نازل کردہ کتاب میں بھی اسی طرح ہے جیسے آپ نے فرمایا۔ (اخرجہ عبد بن سعید وابن جریر وابن المنذر وابن خسرو وھولفظہ کذا فی الکنز ۷/۲۷۷)

حضرت جعفر بن محمدؒ اپنے والد (حضرت محمدؒ) سے نقل کرتے ہیں کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ کو بتایا گیا کہ یہاں ایک آدمی ہے جو مشیت اور ارادے کے بارے میں باتیں کرتا ہے تو حضرت علی رضی اللہ عنہ نے اس سے فرمایا اے اللہ کے بندے! اللہ نے جیسے چاہا تمہیں ویسے پیدا کیا۔ یا جیسے تم نے چاہا (تمہیں ویسے پیدا کیا)؟ اس نے کہا نہیں بلکہ جیسے

اللہ نے چاہا ویسے پیدا کیا۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ نے فرمایا جب وہ چاہتا ہے تمہیں بیمار کرتا ہے یا جب تم چاہتے ہو؟ اس نے کہا نہیں بلکہ جب وہ چاہتا ہے۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ نے فرمایا پھر جب وہ چاہتا ہے تمہیں شفا دیتا ہے یا جب تم چاہتے ہو؟ اس نے کہا نہیں بلکہ جب وہ چاہتا ہے۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ نے فرمایا جہاں تم چاہتے ہو اللہ تمہیں وہاں داخل کرے گا یا جہاں وہ چاہتا ہے؟ اس نے کہا جہاں وہ چاہتا ہے۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ نے فرمایا اللہ کی قسم! اگر تم اس کے علاوہ کچھ اور کہتے تو میں تمہارے اس دو آنکھوں والے سر کو تلوار سے اڑا دیتا۔ (اخرجہ ابن ابی حاتم کذا فی التفسیر لابن کثیر ۳/۲۱۱)

حضرت سعید بن المسیب رحمہ اللہ تعالیٰ کہتے ہیں کہ حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ نے حضرت معاذ رضی اللہ عنہ کو قبیلہ بنو کلاب میں صدقات وصول کرنے کے لئے بھیجا۔ انہوں نے (وہاں جا کر صدقات وصول کر کے) ان ہی میں تقسیم کر دیئے اور (اپنے لئے) کوئی چیز نہ چھوڑی اور اپنا جو ٹاٹ لے کر گئے تھے اسے ہی اپنی گردن پر رکھے ہوئے واپس آئے تو ان کی بیوی نے ان سے پوچھا کہ صدقات وصول کرنے والے اپنے گھر والوں کے لئے جو ہدیئے لایا کرتے ہیں اور آپ بھی وہ لائے ہیں وہ کہاں ہیں؟ حضرت معاذ رضی اللہ عنہ نے کہا میرے ساتھ (مجھے) دبا کر رکھنے والا ایک نگران تھا (اس لئے ہدیئے نہیں لا سکا) ان کی بیوی نے کہا حضور صلی اللہ علیہ وسلم اور حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کے ہاں تو آپ امین تھے۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے آپ کے ساتھ دبا کر رکھنے والا ایک نگران بھیج دیا (وہ آپ کو امین نہیں سمجھتے) ان کی بیوی نے اپنے خاندان کی عورتوں میں اس کا بڑا شور مچایا اور حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی شکایت کی۔ جب حضرت عمر رضی اللہ عنہ کو یہ خبر پہنچی تو انہوں نے حضرت معاذ رضی اللہ عنہ کو بلا کر پوچھا کیا میں نے تمہارے ساتھ کوئی نگران بھیجا تھا؟ حضرت معاذ رضی اللہ عنہ نے کہا مجھے اپنی بیوی سے معذرت کرنے کے لئے اور کوئی بہانہ نہ ملا۔ یہ سن کر حضرت عمر رضی اللہ عنہ ہنسے اور انہیں کوئی چیز دی اور فرمایا (یہ دے کر) اسے راضی کر لو۔ ابن جریر کہتے ہیں کہ نگران سے حضرت معاذ رضی اللہ عنہ کی مراد اللہ تعالیٰ ہیں۔ (اخرجہ عبدالرزاق والمحاملی فی امالیہ کذا فی الکنز ۷/ ۸۷)

حضرت علقمہؒ اپنی والدہ سے نقل کرتے ہیں کہ ایک عورت حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کے گھر آئی اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے حجرے (جس میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم دفن ہیں اس) کے پاس نماز پڑھنے لگی۔ وہ بالکل ٹھیک ٹھاک تھی۔ جب سجدے میں گئی تو اس نے سجدے سے سر نہ اٹھایا بلکہ اسی حال میں مر گئی۔ حضرت عائشہ نے (اس کے یوں اچانک مر جانے پر) فرمایا کہ تمام تعریفیں اس اللہ کے لئے ہیں جو زندہ کرتا ہے اور موت دیتا ہے اور (میرے بھائی) عبدالرحمٰن بن ابی بکر رضی اللہ عنہ (کی اچانک موت) کے مسئلہ میں مجھے اس عورت کے اس قصہ سے بڑی عبرت ملی۔ حضرت عبدالرحمٰن رضی اللہ عنہ دوپہر کو اپنی جگہ سوئے ہوئے تھے۔ جب لوگ انہیں جگانے لگے تو دیکھا کہ ان کا انتقال ہو چکا ہے۔ (چنانچہ ان کو جلدی سے غسل دے کر دفن کر دیا گیا) اس سے میرے دل میں یہ خیال بیٹھ گیا کہ ان کے ساتھ شرارت کی گئی ہے اور زندہ تھے لیکن جلدی میں انہیں دفن کر دیا گیا ہے۔ اب جو میں نے اس عورت کو یوں ایک دم مرتے دیکھا اس سے مجھے بڑی عبرت ہوئی اور حضرت عبدالرحمٰن رضی اللہ عنہ کے بارے میں جو میرا غلط خیال تھا' وہ جاتا رہا۔ (اخرجہ الحاکم ۳/۴۷۶)

فرشتوں پر ایمان

حضرت علی رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ (اللہ تعالیٰ نے پانی کے خزانے پر فرشتہ مقرر فرما رکھا ہے اس) فرشتے کے ہاتھوں میں ایک پیمانہ ہے اور اس پیمانے میں سے گزر کر ہی پانی کا ہر قطرہ زمین پر آتا ہے لیکن حضرت نوحؑ (کے طوفان) والے دن ایسا نہ ہوا بلکہ اللہ تعالیٰ نے براہ راست پانی کو حکم دیا اور پانی کو سنبھالنے والے فرشتوں کو حکم نہ دیا جس پر وہ فرشتے پانی کو روکتے رہ گئے لیکن پانی نہ رکا بلکہ فرشتوں پر زور کر کے چل پڑا۔ اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے:

اِنَّا لَمَّاطَغَی الْمَآءُ (سورۃ حاقہ: ۱۱)

ترجمہ:۔ جب کہ (نوح علیہ السلام کے وقت میں) پانی کو طغیانی ہوئی۔''

اس فرمان کا مطلب یہی ہے کہ پانی (اللہ کا فرمانبردار تھا لیکن) فرشتوں پر سرکش ہو گیا تھا اور (اسی طرح سے اللہ تعالیٰ نے ہوا کے خزانے پر فرشتہ مقرر فرما رکھا ہے) اس کے ہاتھ میں ایک پیمانہ ہے ہوا اس میں سے گزر کر زمین پر آتی ہے لیکن قوم عاد (کی ہلاکت) والے

دن ایسا نہ ہوا بلکہ اللہ تعالیٰ نے ہوا کو براہ راست (چلنے کا) حکم دیا اور ہوا کو سنبھالنے والے فرشتوں کو حکم نہ دیا اس پر وہ فرشتے ہوا کو روکتے رہ گئے لیکن ہوا زور کر کے چل پڑی اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے بِرِيْحٍ صَرْصَرٍ عَاتِيَةٍ (سورۃ حاقہ:۶) ایک تیز وتند ہوا" وہ ہوا ان فرشتوں کی نافرمان ہوگئی تھی۔ (اور اللہ کی فرمانبردار تھی) (اخرجہ ابن جریر کذا فی الکنز ۱/۲۷۳)

حضرت سلمان رضی اللہ عنہ کی بیوی حضرت بقیرہ رضی اللہ عنہ فرماتی ہیں کہ جب حضرت سلمان رضی اللہ عنہ کی وفات کا وقت قریب آیا تو انہوں نے مجھے بلایا اس وقت وہ اپنے ایک بالاخانے میں تھے جس کے چار دروازے تھے اور مجھ سے کہا اے بقیرہ! ان دروازوں کو کھول دو کیونکہ آج میرے پاس کچھ ملنے والے آئیں گے اور مجھے یہ معلوم نہیں کہ وہ کون سے دروازے سے میرے پاس آئیں گے؟ پھر اپنا مشک منگوا کر مجھ سے کہا اسے ایک چھوٹے برتن میں پانی میں گھول کر لاؤ۔ میں گھول کر لے آئی تو مجھ سے کہا کہ یہ مشک والا پانی میرے بستر کے چاروں طرف چھڑک دو پھر نیچے چلی جاؤ اور وہاں تھوڑی دیر ٹھہری رہو پھر جب تم اوپر آؤ گی تو تم میرے بستر پر (کوئی چیز) دیکھو گی (چنانچہ میں نے ایسے ہی کیا اور) جب میں اوپر آئی تو دیکھا کہ ان کی روح پرواز کر چکی ہے اور وہ ایسے لگ رہے ہیں کہ جیسے وہ اپنے بستر پر سو رہے ہوں۔ (عند ابی سعد ایضاً ۴/۹۲)

تقدیر پر ایمان

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو انصار کے ایک بچے کے جنازے کے لئے بلایا گیا۔ میں نے کہا اس بچے کو خوشخبری ہو یہ جنت کی چڑیوں میں سے ایک چڑیا ہے اور اس نے کوئی گناہ نہیں کیا اور نہ گناہ کا زمانہ اس نے پایا (یعنی بالغ نہیں ہوا) حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اے عائشہ! تم جو کچھ کہہ رہی ہو حق اس کے علاوہ کچھ اور ہے اللہ نے جنت کو پیدا فرمایا اور جنت کے لئے کچھ لوگ پیدا فرمائے اور ان کے جنت میں جانے کا فیصلہ اللہ نے اس وقت کیا جب کہ وہ اپنے باپ کی پشتوں میں تھے اور اللہ نے جہنم کی آگ کو پیدا کیا اور اس میں جانے کے لئے کچھ لوگوں کو پیدا کیا اور اللہ نے ان کے لئے جہنم کا فیصلہ اس وقت کیا جب کہ وہ اپنے باپ کی پشتوں میں تھے۔ (اخرجہ مسلم کذا فی التفسیر لابن کثیر ۲/۲۶۸)

حضرت ولید بن عبادہ رحمہ اللہ تعالیٰ کہتے ہیں کہ میں (اپنے والد) حضرت عبادہ رضی اللہ عنہ کی خدمت میں گیا۔ وہ بیمار تھے۔ میرا اندازہ یہ تھا کہ ان کا اس بیماری میں انتقال ہو جائے گا۔ میں نے عرض کیا اے ابا جان! ذرا کوشش فرما کر مجھے وصیت فرمادیں۔ انہوں نے فرمایا مجھے بٹھا دو جب لوگوں نے انہیں بٹھا دیا تو انہوں نے فرمایا اے میرے بیٹے! تم ایمان کا ذائقہ اس وقت چکھ سکو گے اور اللہ کے علم کی حقیقت کے حق تک اس وقت پہنچ سکو گے جب تم اچھی اور بری تقدیر پر ایمان لے آؤ گے۔ میں نے عرض کیا اے ابا جان! مجھے یہ کیسے پتہ چلے گا کہ کون سی تقدیر اچھی ہے اور کون سی بری ہے؟ انہوں نے فرمایا تم یہ سمجھ لو کہ جو اچھائی یا برائی تمہیں نہیں پہنچی وہ تمہیں پہنچنے والی نہیں تھی اور جو تمہیں پہنچی ہے وہ تمہیں چھوڑنے والی نہیں تھی۔ اے میرے بیٹے! میں نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو فرماتے ہوئے سنا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے سب سے پہلے قلم پیدا فرمایا پھر اس سے فرمایا لکھ چنانچہ اس نے اسی وقت وہ سب کچھ لکھ دیا جو قیامت تک ہونے والا ہے۔ اے میرے بیٹے! اگر تم اس حال پر مرے کہ تمہارے دل میں یہ یقین نہ ہوا تو تم جہنم کی آگ میں داخل ہو جاؤ گے۔

(اخرجہ الامام احمد واخرجہ الترمذی عن الولید بن عبادۃ عن ابیہ وقال حسن صحیح غریب کما فی التفسیر لابن کثیر ۲۶۸/۴)

حضرت معاذ بن جبل رضی اللہ عنہ کی وفات کا وقت جب قریب آیا تو وہ رونے لگے تو ان سے کسی نے پوچھا آپ کیوں رو رہے ہیں؟ حضرت معاذ رضی اللہ عنہ نے فرمایا اللہ کی قسم! نہ تو میں موت سے گھبرا کر رو رہا ہوں اور نہ ہی دنیا کو پیچھے چھوڑ کر جانے کے غم میں رو رہا ہوں بلکہ اس وجہ سے رو رہا ہوں کہ میں نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو فرماتے ہوئے سنا ہے کہ (انسانوں کی) دو مٹھیاں ہیں ایک مٹھی جہنم کی آگ میں جائے گی اور دوسری جنت میں۔ اور مجھے معلوم نہیں ہے کہ میں ان دونوں مٹھیوں میں سے کس میں ہوں؟ (اخرجہ الطبرانی)

حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ سے کسی آدمی نے کہا کہ ایک آدمی ہمارے پاس آیا ہے جو تقدیر کو جھٹلاتا ہے۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما اس وقت نابینا ہو چکے تھے انہوں نے فرمایا مجھے اس کے پاس لے جاؤ۔ لوگوں نے کہا اے ابن عباس! آپ اس کے ساتھ کیا کریں گے؟ انہوں نے فرمایا اس ذات کی قسم جس کے قبضے میں میری جان ہے! اگر

وہ میرے قابو آ گیا تو میں اس کی ناک دانتوں سے ایسے کاٹوں گا کہ وہ کٹ کر الگ ہو جائے اور اگر اس کی گردن میرے قابو میں آ گئی تو میں اسے کچل دوں گا کیونکہ میں نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ فرماتے ہوئے سنا ہے کہ گویا کہ میں بنو فہر کی مشرک عورتوں کو خزرج کا طواف کرتے ہوئے اور ان کے سرین ہلتے ہوئے دیکھ رہا ہوں اور یہ (تقدیر کو جھٹلانا) اس امت کا پہلا شرک ہے اس ذات کی قسم جس کے قبضہ میں میری جان ہے! پہلے تو یہ کہیں گے کہ شر اللہ کے مقدر کرنے سے نہیں ہے پھر ان کا یہ برا اور غلط خیال انہیں اس پر لے آئے گا کہ خیر بھی اللہ کے مقدر کرنے سے نہیں ہے۔ (اخرجہ احمد عن محمد بن عبید المکی)

حضرت نافعؒ کہتے ہیں کہ حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہ کا ایک دوست شام کا رہنے والا تھا جس سے ان کی خط و کتابت رہتی تھی۔ ایک دفعہ حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہ نے اسے لکھا کہ مجھے یہ خبر پہنچی ہے کہ تم تقدیر کے بارے میں کچھ اعتراض کرنے لگ گئے ہو خبردار! آئندہ مجھے کبھی خط نہ لکھنا کیونکہ میں نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ فرماتے ہوئے سنا ہے کہ میری امت میں ایسے لوگ ہوں گے جو تقدیر کو جھٹلائیں گے۔ (اخرجہ احمد)

قیامت کی نشانیوں پر ایمان

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں کہ جب یہ آیت۔

فَاِذَا نُقِرَ فِی النَّاقُوْرِ (سورۃ مدثر: ۸)

ترجمہ: ''پھر جس وقت صور پھونکا جائے گا۔'' نازل ہوئی تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا میں زندگی آرام و راحت سے کیسے گزاروں جب کہ صور (پھونکنے) والا (فرشتہ) صور اپنے منہ میں رکھ چکا ہے اور وہ اپنی پیشانی جھکائے انتظار کر رہا ہے کہ کب اسے (اللہ کی طرف سے) حکم ملے اور وہ صور پھونک دے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے صحابہ رضی اللہ عنہم نے عرض کیا پھر ہم کیا دعا کیا کریں؟ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا یہ دعا پڑھا کرو۔

''حَسْبُنَا اللّٰهُ وَ نِعْمَ الْوَكِيْلُ عَلَى اللّٰهِ تَوَكَّلْنَا''

(اخرجہ ابن ابی شیبۃ والطبرانی وابن مردویۃ کذا فی الکنز ۷/۲۷۰)

حضرت سعید بن مسیبؒ کہتے ہیں کہ حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نے فرمایا کیا عراق میں خراسان نام کی کوئی جگہ ہے؟ لوگوں نے عرض کیا جی ہاں! آپ نے فرمایا دجال وہاں سے نکلے گا۔ نعیم بن حماد نے فتن میں یہ روایت ذکر کی ہے کہ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ مرو (شہر) کے یہودی فرقے میں سے دجال نکلے گا۔ (اخرجہ ابن ابی شیبہ کذا فی الکنز ۷/۲۶۳)

حضرت عبداللہ بن ابی ملیکہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ ایک دن میں صبح کو حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کے پاس گیا انہوں نے کہا آج رات مجھے صبح تک نیند نہیں آئی۔ میں نے پوچھا کیوں؟ انہوں نے کہا لوگ کہہ رہے تھے کہ دمدار ستارہ نکل آیا، تو مجھے اس کا ڈر ہوا کہ یہ کہیں (وہ) دھواں نہ ہو (جسے قیامت کی نشانیوں میں سے بتایا گیا ہے) اس وجہ سے مجھے صبح تک نیند نہیں آئی۔ (اخرجہ ابن جریر)

قبر اور عالم برزخ پر ایمان

حضرت عبادہ بن نسی رحمہ اللہ تعالیٰ کہتے ہیں کہ جب حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کی وفات کا وقت قریب آیا تو انہوں نے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے فرمایا میرے ان کپڑوں کو دھو کر مجھے ان ہی میں کفن دے دینا کیونکہ (مرنے کے بعد) تمہارے باپ کی دو حالتوں میں سے ایک حالت ضرور ہوگی۔ یا تو اسے اس سے بھی اچھے کپڑے (جنت کے) پہنائے جائیں گے یا یہ کفن کے کپڑے بھی بری طرح چھین لئے جائیں گے۔ (اخرجہ احمد فی الزہد کذا فی المنتخب ۴/۳۶۳)

حضرت یحییٰ بن ابی راشد نصری رحمہ اللہ تعالیٰ کہتے ہیں کہ جب حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ کی وفات کا وقت قریب آیا تو اپنے بیٹے سے فرمایا اے میرے بیٹے! جب مجھے موت آنے لگے تو میرے جسم کو (دائیں پہلو کی طرف) موڑ دینا اور اپنے دونوں گھٹنے میری کمر کے ساتھ لگا دینا اور اپنا دایاں ہاتھ میری پیشانی پر اور بایاں ہاتھ میری ٹھوڑی پر رکھ دینا اور جب میری روح نکل جائے تو میری آنکھیں بند کر دینا اور مجھے درمیانے قسم کا کفن پہنانا کیونکہ اگر مجھے اللہ کے ہاں خیر ملی تو پھر اللہ تعالیٰ مجھے اس سے بہتر کفن دے دیں گے اور اگر میرے ساتھ کچھ اور ہوا تو اللہ تعالیٰ اس کفن کو مجھ سے جلدی چھین لیں گے اور میری قبر درمیانی قسم کی بنانا کیونکہ اگر مجھے اللہ کے ہاں خیر ملی تو پھر تو قبر کو تا حد نگاہ کشادہ کر دیا جائے گا اور اگر

معاملہ اس کے خلاف ہوا تو پھر قبر میرے لئے اتنی تنگ کر دی جائے گی کہ میری پسلیاں ایک دوسرے میں گھس جائیں گی۔ میرے جنازے کے ساتھ کوئی عورت نہ جائے اور جو خوبی مجھ میں نہیں ہے اسے مت بیان کرنا کیونکہ اللہ تعالیٰ مجھے تم لوگوں سے زیادہ جانتے ہیں اور جب تم میرے جنازے کو لے کر چلو تو تیز چلنا کیونکہ اگر مجھے اللہ کے ہاں سے خیر ملنے والی ہے تو تم مجھے اس خیر کی طرف لے جا رہے ہو (اس لئے جلدی کرو) اور اگر معاملہ اس کے خلاف ہے تو تم ایک شر کو اٹھا کر لے جا رہے ہو اسے اپنی گردن سے جلد اتارو۔ (اخرجہ ابن سعد)

حضرت خالد بن ربیعؒ کہتے ہیں کہ جب حضرت حذیفہ رضی اللہ عنہ کی بیماری بڑھی تو یہ خبر ان کی جماعت اور انصار تک پہنچی یہ لوگ آدھی رات کو یا صبح کے قریب حضرت حذیفہ رضی اللہ عنہ کے پاس آئے (میں بھی ان کے ساتھ تھا) حضرت حذیفہ رضی اللہ عنہ نے پوچھا اب کیا وقت ہے؟ ہم نے عرض کیا آدھی رات ہے یا صبح کے قریب۔ انہوں نے فرمایا میں جہنم کی صبح سے اللہ کی پناہ چاہتا ہوں۔ کیا تم لوگ میرے کفن کے لئے کچھ لائے ہو؟ ہم نے کہا جی ہاں! انہوں نے فرمایا کفن مہنگا نہ بنانا کیونکہ اگر اللہ کے ہاں میرے لئے خیر ہوئی تو مجھے اس کفن سے بہتر کپڑا مل جائے گا اور اگر دوسری صورت ہوئی تو یہ کفن مجھ سے جلدی چھین لیا جائے گا۔ (اخرجہ البخاری فی الادب ص ۷۲)

حضرت ضحاک بن عبدالرحمٰنؒ کہتے ہیں کہ جب حضرت ابوموسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ کی وفات کا وقت قریب آیا تو انہوں نے اپنے جوانوں کو بلا کر ان سے کہا جاؤ اور میرے لئے خوب گہری اور چوڑی قبر کھودو۔ وہ گئے اور واپس آ کر انہوں نے کہا کہ ہم خوب چوڑی اور گہری قبر کھود آئے ہیں۔ پھر انہوں نے فرمایا اللہ کی قسم! قبر میں دو قسم کے حالات میں سے ایک طرح کے حالات ضرور پیش آئیں گے یا تو میری قبر کو اتنا کشادہ کر دیا جائے گا کہ اس کا ہر کونہ چالیس ہاتھ لمبا ہو جائے گا۔ پھر میرے لئے جنت کی طرف ایک دروازہ کھول دیا جائے گا اور میں اس میں سے اپنی بیویوں، محلات اور جو کچھ اللہ تعالیٰ نے میرے اکرام و اعزاز کے لئے وہاں تیار رکھا ہے وہ سب کچھ دیکھوں گا اور آج مجھے جتنا اپنے گھر کا راستہ آتا ہے اس سے زیادہ مجھے اس ٹھکانے کا راستہ آتا ہوگا اور قبر سے اٹھائے جانے تک جنت کی ہوا اور راحت کا سامان مجھ تک پہنچتا رہے گا اور اگر خدانخواستہ دوسری حالت ہوئی اور

اس سے ہم اللہ کی پناہ چاہتے ہیں تو میری قبر کو مجھ پر اتنا تنگ کر دیا جائے گا کہ جیسے نیزے کی لکڑی نیزے کے پھل میں تنگ ہوتی ہے وہ قبر اس سے بھی زیادہ تنگ ہوگی۔ پھر میرے لئے جہنم کے دروازوں میں سے ایک دروازہ کھول دیا جائے گا اور میں اس میں سے اپنی زنجیروں بیڑیوں اور جہنم کے قیدی ساتھیوں کو دیکھوں گا اور آج مجھے جتنا اپنے گھر کا راستہ آتا ہے اس سے زیادہ مجھے جہنم میں اپنے ٹھکانے کا راستہ آتا ہوگا اور قبر سے اٹھائے جانے تک جہنم کی گرم ہوا اور گرم پانی کا اثر مجھ تک پہنچتا رہے گا۔ (اخرجہ ابونعیم فی الحلیۃ ۲۶۲/۱)

آخرت پر ایمان

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ ہم نے عرض کیا یارسول اللہ! جب ہم آپ کو دیکھتے ہیں تو ہمارے دل نرم ہو جاتے ہیں اور آخرت کی فکر والے بن جاتے ہیں لیکن جب ہم آپ سے جدا ہو جاتے ہیں تو ہمیں دنیا اچھی لگنے لگتی ہے اور بیویوں اور بچوں میں مشغول ہو جاتے ہیں۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا تم میرے پاس جس حالت پر ہوتے ہو اگر تم ہر وقت اس حالت پر رہو تو فرشتے اپنے ہاتھوں سے تم سے مصافحہ کرنے لگیں اور تمہارے گھروں میں تم سے ملنے آئیں اگر تم گناہ نہ کرو تو اللہ تعالیٰ ایسے لوگوں کو لے آئیں گے جو گناہ کریں گے (اور استغفار کریں گے) تاکہ اللہ تعالیٰ ان کی مغفرت فرمائے۔ ہم نے عرض کیا یارسول اللہ؟ ہمیں جنت کے بارے میں بتائیں کہ اس کی عمارت کس چیز سے بنی ہوئی ہے؟ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ایک اینٹ سونے کی اور ایک اینٹ چاندی کی ہے۔ اس کا گارا خوب مہکتے ہوئے مشک کا ہے۔ اس کی کنکریاں موتی اور یاقوت ہیں۔ اس کی مٹی زعفران ہے۔ جو جنت میں جائے گا وہ ہمیشہ عیش وعشرت میں رہے گا کبھی بدحال نہ ہوگا اور ہمیشہ رہے گا۔ کبھی اسے موت نہیں آئے گی اور نہ ہی اس کے کپڑے پرانے ہوں گے اور نہ کبھی اس کی جوانی ختم ہوگی۔ تین آدمی ایسے ہیں جن کی دعا کبھی رد نہیں ہوتی۔ ایک عادل بادشاہ دوسرا روزہ دار جب تک روزہ نہ کھول لے تیسرے مظلوم کی بددعا جسے بادلوں سے اوپر اٹھا لیا جاتا ہے اور اس کے لئے آسمانوں کے دروازے کھول دیئے جاتے ہیں پھر اللہ تبارک وتعالیٰ فرماتے ہیں میری عزت کی قسم! میں تیری مدد ضرور کروں گا اگرچہ اس میں کچھ دیر ہو جائے۔ (اخرجہ احمد وروی الترمذی وابن ماجہ بعضہ)

حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ ہم لوگ ایک سفر میں حضرت ابو موسیٰ رضی اللہ عنہ کے ساتھ تھے۔ انہوں نے لوگوں کو باتیں کرتے ہوئے اور فصیح و بلیغ گفتگو کرتے ہوئے سنا تو فرمایا اے انس! مجھے ان کی باتوں سے کیا تعلق؟ آؤ ہم اپنے رب کا ذکر کریں کیونکہ یہ لوگ تو اپنی زبان سے کھال ہی اتار دیں گے۔ پھر مجھ سے فرمایا اے انس! کس چیز نے ان لوگوں کو آخرت سے پیچھے کر دیا اور کس چیز نے انہیں آخرت سے روک دیا؟ میں نے عرض کیا خواہشات نے اور شیطان نے۔ حضرت ابو موسیٰ رضی اللہ عنہ نے فرمایا نہیں۔ اللہ کی قسم! نہیں بلکہ انہوں نے اس وجہ سے آخرت کو چھوڑ دیا کہ دنیا تو سامنے ہے اور آخرت بعد میں آئے گی۔ اگر یہ آنکھوں سے آخرت دیکھ لیتے تو اس سے نہ ہٹتے اور شک نہ کرتے۔ (اخرجہ ابونعیم فی الحلیۃ ۱/۲۵۹)

قیامت اور اس کے احوال پر ایمان

حضرت عمران بن حصین رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ جب یٰۤاَیُّهَا النَّاسُ اتَّقُوْا رَبَّكُمْ سے لے کر وَلٰكِنَّ عَذَابَ اللّٰهِ شَدِیْدٌ تک دو آیتیں نازل ہوئیں۔ (سورۃ حج: ۱،۲)

ترجمہ: ”اے لوگو! اپنے رب سے ڈرو (کیونکہ) یقیناً قیامت (کے دن) کا زلزلہ بڑی بھاری چیز ہوگی۔ جس روز تم لوگ اس (زلزلہ) کو دیکھو گے تمام دودھ پلانے والیاں (مارے ہیبت کے) اپنے دودھ پینے بچے کو بھول جائیں گی اور تمام حمل والیاں اپنا حمل (دن پورے ہونے سے پہلے) ڈال دیں گی اور (اے مخاطب) تجھ کو لوگ نشہ کی سی حالت میں دکھائی دیں گے، حالانکہ وہ (واقع میں) نشہ میں نہ ہوں گے لیکن اللہ کا عذاب ہے ہی سخت چیز“۔

تو اس وقت حضور صلی اللہ علیہ وسلم سفر میں تھے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا تم لوگ جانتے ہو یہ کون سا دن ہے؟ صحابہ رضی اللہ عنہم نے عرض کیا اللہ اور اس کا رسول زیادہ جانتے ہیں۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا یہ وہ دن ہے جس دن اللہ تعالیٰ حضرت آدم (علیہ السلام) سے فرمائیں گے آگ میں جانے والوں کو بھیج دو۔ وہ عرض کریں گے اے میرے رب! آگ میں جانے والے کتنے ہیں؟ اللہ تعالیٰ فرمائیں گے نو سو ننانوے تو آگ میں جائیں گے اور ایک آدمی جنت میں جائے گا۔ یہ سن کر سارے مسلمان رونے لگ

پڑے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا میانہ روی اختیار کرو اور ٹھیک ٹھیک چلتے رہو۔ ہر نبوت سے پہلے جاہلیت کا زمانہ ہوا کرتا تھا تو پہلے یہ تعداد ان جاہلیت والوں سے پوری کی جائے گی پھر منافقوں سے پوری کی جائے گی۔ تمہاری اور باقی تمام امتوں کی مثال ایسی ہے جیسے کسی جانور کے پاؤں میں ابھری ہوئی غدود ہو یا جیسے اونٹ کے پہلو میں تل ہو۔ پھر فرمایا مجھے امید ہے کہ آپ لوگ جنت میں جانے والوں میں سے چوتھائی ہوں گے۔ اس پر صحابہ رضی اللہ عنہم نے اللہ اکبر کہا پھر فرمایا مجھے امید ہے آپ لوگ جنت میں جانے والوں کا تہائی حصہ ہوں گے اس پر صحابہ رضی اللہ عنہم نے پھر اللہ اکبر کہا۔ پھر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا مجھے امید ہے کہ آپ لوگ جنت میں جانے والوں میں سے آدھے ہوں گے۔ صحابہ رضی اللہ عنہم نے پھر اللہ اکبر کہا۔ راوی کہتے ہیں مجھے معلوم نہیں کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے دو تہائی بھی فرمایا یا نہیں (لیکن طبرانی اور ترمذی کی دوسری روایت میں یہ ہے کہ یہ امت جنت والوں کا دو تہائی ہو گی یعنی اللہ نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی امید سے زیادہ کر دیا۔ (اخرجہ الترمذی وصححہ وکذا رواہ الامام احمد وابن ابی حاتم۔

حضرت عبداللہ بن زبیر رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ جب یہ آیت حضور صلی اللہ علیہ وسلم پر نازل ہوئی:

إِنَّكَ مَيِّتٌ وَإِنَّهُم مَّيِّتُونَ ۝ ثُمَّ إِنَّكُمْ يَوْمَ الْقِيَامَةِ عِندَ رَبِّكُمْ تَخْتَصِمُونَ (سورۃ زمر: ۳۰،۳۱)

ترجمہ: ''آپ کو بھی مرنا ہے اور ان کو بھی مرنا ہے پھر قیامت کے روز تم مقدمات اپنے رب کے سامنے پیش کرو گے (اس وقت عملی فیصلہ ہو جائے گا)''

تو حضرت زبیر بن عوام رضی اللہ عنہ نے عرض کیا یا رسول اللہ! خاص خاص گناہوں کے ساتھ ہم پر وہ جھگڑے بھی بار بار پیش کئے جائیں گے جو دنیا میں ہمارے آپس میں تھے؟ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہاں، یہ مقدمات بار بار پیش کئے جاتے رہیں گے یہاں تک کہ ہر حق والے کو اس کا حق مل جائے۔ حضرت زبیر رضی اللہ عنہ نے کہا اللہ کی قسم پھر تو معاملہ بہت سخت ہے۔ (عند احمد ورواہ الترمذی)

حضرت قیس بن ابی حازمؒ کہتے ہیں کہ حضرت عبداللہ بن رواحہ رضی اللہ عنہ اپنی بیوی کی گود میں سر رکھے ہوئے تھے کہ اتنے میں رونے لگے پھر ان کی بیوی بھی رونے لگی۔

ابن رواحہ رضی اللہ عنہ نے کہا تم کیوں رو رہی ہو؟ انہوں نے کہا میں نے آپ کو روتے ہوئے دیکھا' اس لئے میں بھی رونے لگی۔ حضرت ابن رواحہ رضی اللہ عنہ نے کہا مجھے اللہ تعالیٰ کا یہ فرمان یاد آ گیا:

وَاِنْ مِّنْكُمْ اِلَّا وَارِدُهَا (سورة مريم: ۷۱)

ترجمہ۔ اور تم میں سے کوئی بھی نہیں جس کا اس (جہنم) پر سے گزر نہ ہو"۔

اب مجھے معلوم نہیں میں جہنم سے نجات پا سکوں گا یا نہیں۔ ایک روایت میں یہ ہے کہ حضرت ابن رواحہ رضی اللہ عنہ اس وقت بیمار تھے۔ (اخرجہ عبدالرزاق کذا فی التفسیر لابن کثیر ۳/۱۳۲)

شفاعت پر ایمان

حضرت عوف بن مالک رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ ایک سفر میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے آخر شب میں ایک جگہ پڑاؤ ڈالا۔ ہم بھی آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ تھے۔ ہم میں سے ہر آدمی اپنے کجاوے کی ہتھی کے ساتھ ٹیک لگا کر سو گیا کچھ دیر بعد میری آنکھ کھلی تو مجھے حضور صلی اللہ علیہ وسلم اپنے کجاوے کے پاس نظر نہ آئے۔ اس سے میں گھبرا گیا اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو تلاش کرنے چل پڑا۔ ڈھونڈتے ڈھونڈتے ایک جگہ مجھے حضرت معاذ بن جبل اور حضرت ابوموسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ ملے۔ وہ دونوں بھی اسی وجہ سے گھبرائے ہوئے تھے جس وجہ سے میں گھبرایا ہوا تھا۔ ہم لوگ یونہی ڈھونڈ رہے تھے کہ اچانک ہمیں وادی کے اوپر کے حصہ سے چکی چلنے جیسی آواز سنائی دی۔ (ہم لوگ اس آواز کی طرف گئے تو دیکھا حضور صلی اللہ علیہ وسلم رو رہے ہیں) پھر ہم نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو اپنی بات بتائی۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا آج رات میرے پاس میرے رب کی طرف سے ایک فرشتہ آیا اور اس نے مجھے دو باتوں میں اختیار دیا کہ یا تو میں شفاعت کروں یا میری آدھی امت جنت میں چلی جائے۔ میں نے شفاعت کو اختیار کر لیا۔ میں نے عرض کیا اے اللہ کے نبی صلی اللہ علیہ وسلم میں آپ کو اللہ کا اور آپ کی صحبت میں رہنے کا واسطہ دے کر عرض کرتا ہوں کہ آپ ہمیں بھی اپنی شفاعت والوں میں شامل کر لیں۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ آپ لوگ تو میری شفاعت میں ہو ہی پھر ہم لوگ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ چل پڑے یہاں تک کہ ہم لوگوں کے پاس پہنچ گئے تو وہ بھی حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو اپنی جگہ نہ پا کر

گھبرائے ہوئے تھے۔ یہ دیکھ کر حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا میرے پاس میرے رب کی طرف سے ایک فرشتہ آیا اور اس نے مجھے ان باتوں میں اختیار دیا کہ یا تو میں شفاعت اختیار کروں یا میری آدھی امت جنت میں داخل ہو جائے چنانچہ میں نے شفاعت کو اختیار کر لیا۔ صحابہ رضی اللہ عنہم نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں عرض کیا ہم آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو اللہ کا اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی صحبت میں رہنے کا واسطہ دے کر عرض کرتے ہیں کہ آپ ہمیں بھی اپنی شفاعت والوں میں شامل کر لیں۔ جب تمام صحابہ رضی اللہ عنہم آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس جمع ہو گئے تو آپ نے فرمایا میں تمام حاضرین کو اس بات پر گواہ بناتا ہوں کہ میری شفاعت میری امت میں سے ہر اس آدمی کے لئے ہے جو اس حال میں مرے کہ اللہ کے ساتھ کسی کو شریک نہ ٹھہراتا ہو۔ (اخرجہ البغوی وابن عساکر کذا فی الکنز ۷/۲۷۱)

حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا میں اپنی امت کے برے لوگوں کے لئے بہترین آدمی ہوں تو قبیلہ مزینہ کے ایک آدمی نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں عرض کیا یا رسول اللہ! جب آپ اپنی امت کے بروں کے لئے ایسے ہیں تو ان کے نیکوں کے لئے کیسے ہیں؟ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا میری امت کے نیک لوگ اپنے اعمال کی برکت سے جنت میں داخل ہو جائیں گے اور میری امت کے برے لوگ میری شفاعت کا انتظار کریں گے۔ غور سے سنو! میری شفاعت قیامت کے دن میری امت کے تمام لوگوں کے لئے ہوگی سوائے اس آدمی کے جو میرے صحابہ میں کمی نکالتا ہو۔ (اخرجہ الشیرازی فی الالقاب وابن النجاء کذا فی الکنز ۷/۲۷۲)

حضرت علی بن ابی طالب رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا میں اپنی امت کے لئے شفاعت کرتا رہوں گا یہاں تک کہ میرا رب مجھے پکار کر پوچھے گا اے محمد! کیا تم راضی ہو گئے؟ میں کہوں گا جی ہاں میں راضی ہو گیا۔ پھر حضرت علی رضی اللہ عنہ نے (لوگوں کی طرف) متوجہ ہو کر فرمایا تم عراق والے یہ کہتے ہو کہ قرآن میں سب سے زیادہ امید والی آیت یہ ہے:

يٰعِبَادِيَ الَّذِيْنَ اَسْرَفُوْا عَلٰٓى اَنْفُسِهِمْ لَا تَقْنَطُوْا مِنْ رَّحْمَةِ اللّٰهِ ۭ اِنَّ اللّٰهَ يَغْفِرُ الذُّنُوْبَ جَمِيْعًا ۭ اِنَّهٗ هُوَ الْغَفُوْرُ الرَّحِيْمُ ۝ (سورۂ زمر: ۵۳)

ترجمہ:۔ ’’آپ کہہ دیجئے کہ اے میرے بندو جنہوں نے (کفر وشرک کر کے) اپنے اوپر زیادتیاں کی ہیں کہ تم خدا کی رحمت سے ناامید مت ہو بالیقین اللہ تعالیٰ تمام (گذشتہ) گناہوں کو معاف فرمادے گا۔ واقعی وہ بڑا بخشنے والا بڑی رحمت والا ہے‘‘۔

میں نے کہا ہم تو یہی کہتے ہیں۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ نے فرمایا لیکن ہم اہل بیت یہ کہتے ہیں کہ اللہ کی کتاب میں سب سے زیادہ امید والی آیت یہ ہے۔

وَلَسَوْفَ يُعْطِيكَ رَبُّكَ فَتَرْضَىٰ ۝ (سورۃ ضحیٰ: ۵)

ترجمہ:۔ ’’اور عنقریب اللہ تعالیٰ آپ کو (آخرت میں بکثرت نعمتیں) دے گا سو آپ خوش ہو جائیں گے‘‘۔

اور اس دینے سے مراد شفاعت ہے۔ (اخرجہ ابن مردویہ کذافی الکنز ۷/۲۷۳)

حضرت طلق بن حبیب ؒ کہتے ہیں کہ میں لوگوں میں سب سے زیادہ شفاعت کو جھٹلایا کرتا تھا یہاں تک کہ ایک دن میری ملاقات حضرت جابر بن عبداللہ رضی اللہ عنہ سے ہوئی اور (اپنی بات کو ثابت کرنے کے لئے) میں نے ان کو وہ تمام آیتیں پڑھ کر سنادیں جو مجھے آتی تھیں اور جن میں اللہ تعالیٰ نے جہنم والوں کے جہنم میں ہمیشہ رہنے کا ذکر فرمایا ہے۔ حضرت جابر رضی اللہ عنہ نے فرمایا اے طلق! کیا تم یہ سمجھتے ہو کہ تم مجھ سے زیادہ اللہ کی کتاب کو پڑھنے والے ہو اور مجھ سے زیادہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی سنت کو جاننے والے ہو؟ تم نے جو آیتیں پڑھی ہیں ان سے مراد تو وہ جہنم والے ہیں جو مشرک ہوں اور شفاعت ان لوگوں کے بارے میں ہے جو (مسلمان تھے لیکن وہ) بہت سے گناہ کر بیٹھے اور انہیں (جہنم میں) عذاب دیا جائے گا پھر ان کو (حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی شفاعت پر) جہنم سے نکالا جائے گا۔ پھر حضرت جابر رضی اللہ عنہ نے اپنے دونوں ہاتھ اپنے کانوں کو لگا کر کہا یہ دونوں کان بہرے ہو جائیں اگر میں نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ فرماتے ہوئے نہ سنا ہو کہ جہنم میں ڈالنے کے بعد ان کو اس میں سے نکالا جائے گا جیسے تم قرآن پڑھتے ہو ہم بھی ویسے ہی پڑھتے ہیں۔ (اخرجہ ابن مردویہ)

جنت اور جہنم پر ایمان

حضرت حنظلہ کاتب اسیدی رضی اللہ عنہ جو حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے کاتبوں میں سے تھے وہ فرماتے ہیں کہ ہم حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس تھے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے

ہمارے سامنے جنت اور جہنم کا ذکر اس طرح فرمایا کہ گویا ہم دونوں کو آنکھوں سے دیکھ رہے ہیں پھر میں اٹھ کر بیوی بچوں کے پاس چلا گیا اور ان کے ساتھ ہنسنے کھیلنے لگ گیا پھر مجھے وہ حالت یاد آئی جو (حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے) ہماری تھی (کہ ہم دنیا بھولے ہوئے تھے اور جنت اور جہنم آنکھوں کے سامنے تھیں اور اب وہ نہ رہی تھیں) یہ سوچ کر میں باہر نکلا تو حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ مجھے ملے۔ میں نے کہا اے ابوبکر! میں تو منافق ہو گیا۔ انہوں نے کہا کیا بات ہوئی؟ میں نے کہا ہم لوگ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس ہوتے ہیں۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم ہمارے سامنے جنت اور جہنم کا ذکر اس طرح فرماتے ہیں کہ گویا ہم دونوں کو آنکھوں سے دیکھ رہے ہیں جب ہم آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس سے باہر آ جاتے ہیں اور بیوی بچوں اور کام کاج میں لگ جاتے ہیں تو ہم (جنت جہنم سب) بھول جاتے ہیں۔ حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نے کہا ہمارا بھی یہی حال ہے۔ پھر میں نے جا کر حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں یہ ساری بات کر دی۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اے حنظلہ! تمہاری جو حالت میرے پاس ہوتی ہے وہی اگر گھر والوں کے پاس جا کر بھی رہے تو فرشتے تم سے بستروں پر اور راستوں میں مصافحہ کرنے لگیں لیکن حنظلہ! بات یہ ہے کہ گاہے گاہے گاہے۔ (اخرجہ الحسن بن سفیان وابونعیم کذا فی الکنز ۱/۱۰۰)

حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ ایک رات ہم نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس جاگ کر گزاری اور صبح ہم حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں گئے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا آج رات مجھے خواب میں انبیاء علیہم السلام اور ان کی تابعدار امتیں دکھائی گئیں۔ ایک ایک نبی میرے پاس سے گزرتا تھا کوئی نبی ایک جماعت میں ہوتا کسی کے ساتھ تین آدمی ہوتے، کسی کے ساتھ کوئی بھی نہ ہوتا۔ حضرت قتادہ رضی اللہ عنہ نے یہ آیت پڑھی۔

اَلَيْسَ مِنْكُمْ رَجُلٌ رَّشِيْدٌ (سورۃ ھود: ۷۸)

ترجمہ: ''کیا تم میں کوئی بھی (معقول آدمی اور) بھلا مانس نہیں''۔

پھر حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا پھر میرے پاس سے حضرت موسیٰ بن عمران علیہ السلام بنی اسرائیل کی ایک بہت بڑی جماعت کے ساتھ گزرے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں میں

نے پوچھا یہ کون ہیں؟ اللہ تعالیٰ نے فرمایا یہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے بھائی حضرت موسیٰ بن عمران اوران کے تابعدار امتی ہیں۔ میں نے عرض کیا اے میرے رب! میری امت کہاں ہے۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا اپنی دائیں طرف ٹیلوں میں دیکھو میں نے وہاں دیکھا تو بہت سے آدمیوں کے چہرے نظر آئے پھر اللہ تعالیٰ نے فرمایا کیا آپ راضی ہو گئے؟ میں نے کہا اے میرے رب! میں راضی ہو گیا۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا اب اپنی بائیں طرف آسمان کے کنارے میں دیکھو میں نے وہاں دیکھا تو بہت سے آدمیوں کے چہرے نظر آئے۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا کیا آپ راضی ہو گئے؟ میں نے کہا اے میرے رب! میں راضی ہو گیا۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ان کے ساتھ ستر ہزار اور بھی ہیں جو جنت میں حساب کے بغیر داخل ہوں گے۔ پھر قبیلہ بنو اسد کے حضرت عکاشہ بن محصن رضی اللہ عنہ جو کہ بدری تھے وہ کہنے لگے اے اللہ کے نبی! اللہ سے میرے لئے دعا کریں کہ اللہ تعالیٰ مجھے ان میں شامل کر دے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے دعا فرمائی اے اللہ! اسے ان میں شامل فرما دے۔ پھر ایک اور آدمی نے کہا اے اللہ کے نبی! اللہ سے دعا کریں اللہ مجھے بھی ان میں شامل کر دے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اس دعا میں عکاشہ تم سے سبقت لے گئے۔ پھر حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے صحابہ رضی اللہ عنہم سے فرمایا میرے ماں باپ تم پر قربان ہوں اگر تم ستر ہزار والوں میں سے ہو سکتے ہو تو ان میں سے ضرور ہو جاؤ۔ اگر یہ نہ ہو سکے تو تم ٹیلوں والوں میں سے ہو جاؤ اور اگر یہ بھی نہ ہو سکے تو پھر ان میں سے ہو جاؤ جن کو میں نے آسمان کے کنارے میں دیکھا تھا کیونکہ میں نے ایسے بہت سے آدمی دیکھے ہیں جن کے حالات ان تین قسم کے انسانوں کے خلاف ہیں۔ پھر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا مجھے امید ہے کہ تم جنت والوں کا چوتھائی حصہ ہو گے اس پر ہم نے اللہ اکبر کہا۔ پھر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا مجھے امید ہے کہ تم جنت والوں کا تہائی حصہ ہو گے۔ ہم نے پھر اللہ اکبر کہا۔ پھر حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا مجھے امید ہے کہ تم جنت والوں میں آدھے ہو گے۔ ہم نے پھر اللہ اکبر کہا۔ پھر حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ آیت پڑھی:

ثُلَّةٌ مِّنَ الْأَوَّلِينَ ﴿٣٩﴾ وَثُلَّةٌ مِّنَ الْآخِرِينَ ﴿٤٠﴾ (سورة واقعہ: ۳۹،۴۰)

ترجمہ:۔ (اصحاب الیمین) کا ایک بڑا گروہ اگلے لوگوں میں ہوگا اور ایک بڑا گروہ پچھلے لوگوں میں سے ہوگا"۔

حضرت عبداللہ رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ ہم آپس میں یہ بات کرنے لگے کہ یہ ستر ہزار کون

ہیں؟ ہم نے کہا یہ وہ لوگ ہیں جو اسلام میں پیدا ہوئے اور انہوں نے زندگی میں کبھی شرک نہیں کیا۔ ہوتے ہوتے یہ بات حضور صلی اللہ علیہ وسلم تک پہنچی تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا نہیں یہ تو وہ لوگ ہیں جو (علاج کے لئے) جسم پر داغ نہیں لگائیں گے اور کبھی منتر نہیں پڑھیں گے اور نہ کبھی بدفالی لیں گے اور اپنے رب پر توکل کریں گے (اخرجہ ابن ابی حاتم وکذا رواہ ابن جریر)

حضرت سلیم بن عامرؒ کہتے ہیں کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے صحابہ رضی اللہ عنہم کہا کرتے تھے کہ اللہ تعالیٰ ہمیں دیہاتی لوگوں کے سوالات سے بڑا نفع پہنچاتے ہیں چنانچہ ایک دن ایک دیہاتی آیا اور اس نے کہا یا رسول اللہ! اللہ تعالیٰ نے جنت میں ایک ایسے درخت کا ذکر کیا ہے جس سے انسان کو تکلیف ہوتی ہے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے پوچھا وہ کون سا درخت ہے؟ اس نے کہا بیری کا درخت کیونکہ اس میں تکلیف دہ کانٹے ہوتے ہیں۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کیا اللہ تعالیٰ نے یہ نہیں فرمایا۔

فِیْ سِدْرٍ مَّخْضُوْدٍ (سورۃ واقعہ:۲۸)

ترجمہ: "وہ ان باغوں میں ہوں گے جہاں بے خار بیریاں ہوں گی۔" اللہ تعالیٰ نے اس کے کانٹے دور کردیئے ہیں اور ہر کانٹے کی جگہ پھل لگا دیا ہے۔ اس درخت میں ایسے پھل لگیں گے کہ ہر پھل میں بہتر (۷۲) قسم کے ذائقے ہوں گے اور ہر ذائقہ دوسرے سے مختلف ہوگا۔ (اخرجہ ابن النجار)

حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ حبشہ کا ایک آدمی حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آیا۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جو چاہو پوچھو۔ اس نے کہا یا رسول اللہ! آپ کو شکل و صورت، رنگ اور نبوت کی وجہ سے ہم پر فضیلت حاصل ہے ذرا یہ بتائیں کہ اگر میں ان چیزوں پر ایمان لے آؤں جن پر آپ ایمان لائے ہیں اور وہ تمام عمل کروں جو آپ صلی اللہ علیہ وسلم کر رہے ہیں تو کیا میں بھی جنت میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ ہو سکتا ہوں؟ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا بالکل ضرور۔ اس ذات کی قسم جس کے قبضہ میں میری جان ہے کالے حبشی کی سفیدی جنت میں ہزار سال کی مسافت سے نظر آئے گی۔ پھر حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جو آدمی **لآ الله الا الله** کہے وہ اللہ کی ذمہ داری میں آجاتا ہے اور جو **سبحان الله و بحمده** کہے اس کے لئے ایک لاکھ چوبیس ہزار نیکیاں لکھی جاتی ہیں۔ اس پر ایک آدمی نے کہا یا رسول

اللہ اس کے بعد ہم کیسے ہلاک ہوں گے؟ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا قیامت کے دن ایک آدمی اتنے اعمال لے کر آئے گا کہ اگر وہ اعمال کسی پہاڑ پر رکھ دیئے جائیں تو پہاڑ کو بھاری لگنے لگیں۔ پھر ان اعمال کے مقابلہ میں اللہ کی نعمتیں آئیں گی اور وہ ان سارے اعمال کو ختم کرنے کے قریب ہوں گی۔ البتہ اگر اللہ اسے اپنی رحمت سے ڈھانپ لے تو اس کے اعمال بچ سکیں گے اور جب یہ آیت هَلْ اَتٰى عَلَى الْاِنْسَانِ حِيْنٌ مِّنَ الدَّهْرِ سے لے کر مُلْكًا كَبِيْرًا تک نازل ہوئی۔ (سورۃ دھر: ۱ تا ۲۰)

ترجمہ: "بے شک انسان پر زمانہ میں ایک وقت ایسا بھی آ چکا ہے جس میں وہ کوئی چیز قابل تذکرہ نہ تھا (یعنی انسان نہ تھا بلکہ نطفہ تھا)" تو اس حبشی نے کہا میری آنکھیں بھی وہ سب کچھ جنت میں دیکھیں گی جو آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی آنکھیں دیکھیں گی؟ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہاں! یہ سن کر (خوشی کے مارے) وہ رونے لگا اور اتنا رویا کہ اس کی جان نکل گئی۔ حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ میں نے دیکھا کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم اپنے ہاتھ سے اسے قبر میں اتار رہے تھے۔ (اخرجہ الطبرانی کذا فی التفسیر لابن کثیر ۴/ ۴۵۷)

حضرت ابو مطرؒ کہتے ہیں کہ میں نے حضرت علی رضی اللہ عنہ کو فرماتے ہوئے سنا کہ جب حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ کو ابولؤلؤہ نے زخمی کیا تو میں ان کے پاس گیا وہ رو رہے تھے میں نے کہا اے امیر المومنین! آپ کیوں رو رہے ہیں؟ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا میں آسمان کے فیصلے کی وجہ سے رو رہا ہوں۔ مجھے معلوم نہیں کہ مجھے جنت میں لے جایا جائے گا یا جہنم میں؟ میں نے ان سے کہا آپ رضی اللہ عنہ کو جنت کی بشارت ہو کیونکہ میں نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو بے شمار دفعہ فرماتے ہوئے سنا ہے کہ ابوبکر و عمر جنت کے بڑی عمر کے لوگوں کے سردار ہیں اور دونوں بہت عمدہ آدمی ہیں۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا اے علی! کیا تم میرے جنتی ہونے کے گواہ ہو؟ میں نے کہا جی ہاں اور اے حسن! تم اپنے باپ کے گواہ رہنا کہ حضورؐ نے فرمایا کہ عمر جنت والوں میں سے ہے۔ (اخرجہ ابن عساکر کذا فی المنتخب ۴/ ۴۳۸)

حضرت مصعب بن سعدؒ کہتے ہیں جب میرے والد (حضرت سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ) کی جان نکل رہی تھی۔ ان کا سر میری گود میں تھا۔ میری آنکھوں میں آنسو آ گئے۔ انہوں نے میری طرف دیکھا اور فرمایا اے میرے بیٹے! کیوں روتے ہو؟ میں نے

کہا آپ کے مقام کی وجہ سے اور آپ کو مرتے ہوئے دیکھ کر رو رہا ہوں۔ میرے والد نے مجھے کہا مت روئیں کیونکہ اللہ تعالیٰ مجھے کبھی عذاب نہیں دیں گے اور میں یقیناً جنت والوں میں سے ہوں اور مومن بندے جب تک اللہ کے لئے عمل کریں گے اللہ ان کی نیکیوں کا بدلہ دے گا اور کفار کی نیکیوں کی وجہ سے ان کے عذاب میں تخفیف ہوگی اور مومنین کے وہ عمل جو انہوں نے اللہ کے لئے کئے تھے جب وہ ختم ہو جائیں گے تو ان سے کہا جائے گا جس کے لئے عمل کیا تھا ہر ایک اس کا ثواب بھی اسی سے لے لے۔ (اخرجہ ابن سعد ۳/ ۱۴۷)

حضرت عبدالرحمٰن بن شماسہ رحمۃ اللہ تعالیٰ کہتے ہیں کہ جب حضرت عمرو بن عاص رضی اللہ عنہ کی وفات کا وقت قریب آیا تو وہ رونے لگے۔ ان سے ان کے بیٹے حضرت عبداللہ رضی اللہ عنہ نے کہا آپ کیوں رو رہے ہیں؟ کیا آپ موت سے گھبرا رہے ہیں؟ حضرت عمرو رضی اللہ عنہ نے کہا نہیں اللہ کی قسم! نہیں۔ (موت کی وجہ سے نہیں رو رہا ہوں) بلکہ موت کے بعد جو حالات آنے والے ہیں ان کی وجہ سے رو رہا ہوں۔ حضرت عبداللہ رضی اللہ عنہ نے ان سے کہا آپ نے تو خیر کا زمانہ گزارا ہے پھر حضرت عبداللہ رضی اللہ عنہ انہیں یاد کرانے لگے کہ آپ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ رہے ہیں۔ آپ نے شام میں بڑی فتوحات حاصل کی ہیں۔ حضرت عمرو رضی اللہ عنہ نے فرمایا تم نے ان سب سے افضل چیز کو تو چھوڑ دیا اور وہ ہے کلمہ شہادت **اشھد ان لا الہ الا اللہ** پھر آگے حدیث کو مختصر ذکر کیا اور اس کے آخر میں یہ مضمون ہے کہ جب میں مر جاؤں تو کوئی عورت مجھ پر بین نہ کرے اور نہ کوئی تعریف کرنے والا میرے جنازے کے ساتھ جائے اور نہ (جاہلیت کے دستور کے مطابق) میرے جنازے کے ساتھ آگ ہو۔ اب میری لنگی اچھی طرح مضبوطی سے باندھ دو کیونکہ (جان نکالتے وقت) فرشتے مجھ سے جھگڑا کریں گے (تو کہیں اس حالت میں ستر نہ کھل جائے) اور میرے اوپر دونوں طرف اچھی طرح مٹی ڈالنا کیونکہ میرا دایاں پہلو بائیں پہلو سے زیادہ مٹی کا حقدار نہیں ہے اور میری قبر میں کوئی لکڑی اور پتھر استعمال نہ کرنا (تاکہ قبر شاندار نہ بنے) (اخرجہ احمد کذا فی البدایۃ ۸/ ۲۶)

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ ایک مرتبہ میں جہنم کو یاد کر کے رونے لگی۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اے عائشہ! تمہیں کیا ہوا؟ میں نے کہا میں جہنم کو یاد کر کے رو رہی ہوں۔ کیا

آپ صلی اللہ علیہ وسلم قیامت کے دن اپنے گھر والوں کو یاد رکھیں گے؟ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا تین جگہوں پر کوئی کسی کو یاد نہیں رکھے گا ایک تو اعمال کے ترازو کے پاس جب تک یہ نہ معلوم ہو جائے کہ اس کا ترازو (نیک اعمال کی وجہ سے) ہلکا ہوگا یا (گناہوں کی وجہ سے) بھاری۔ دوسرے اعمال نامے ملنے کے وقت۔ جسے دائیں ہاتھ میں ملے گا وہ کہے گا لو میرا اعمال نامہ پڑھ لو یہاں تک کہ اسے یہ معلوم ہو جائے کہ اعمال نامہ اس کے دائیں ہاتھ میں آئے گا یا بائیں میں اور (سامنے سے ملے گا) یا پشت کے پیچھے سے تیسرے پل صراط کے پاس۔ جب پل صراط جہنم کی پشت پر رکھا جائے گا اس کے دونوں کنارے پر بہت سارے آنکڑے اور کانٹے ہوں گے۔ اللہ تعالیٰ اپنی مخلوق میں سے جسے چاہیں گے ان آنکڑوں اور کانٹوں میں پھنسا کر روک لیں گے یہاں تک کہ یہ معلوم ہو جائے کہ اس سے نجات پاتا ہے یا نہیں۔ (اخرجہ الحاکم ۴/ ۵۷۸)

حضرت عبدالعزیز بن ابی رواد کہتے ہیں کہ مجھے یہ روایت پہنچی ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ آیت پڑھی۔

يَاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا قُوْٓا اَنْفُسَكُمْ وَاَهْلِيْكُمْ نَارًا وَّقُوْدُهَا النَّاسُ وَالْحِجَارَةُ (سورۃ تحریم: ۶)

ترجمہ: ''اے ایمان والو! تم اپنے آپ کو اور اپنے گھر والوں کو (دوزخ کی) اس آگ سے بچاؤ جس کا ایندھن (اور سوختہ) آدمی اور پتھر ہیں''۔

اس وقت حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس کچھ صحابہ رضی اللہ عنہم بیٹھے ہوئے تھے۔ ان میں ایک بڑے میاں بھی تھے۔ بڑے میاں نے کہا یا رسول اللہ! جہنم کے پتھر دنیا کے پتھر جیسے ہوں گے؟ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اس ذات کی قسم جس کے قبضہ میں میری جان ہے جہنم کی چٹانوں میں سے ایک چٹان دنیا کے تمام پہاڑوں سے زیادہ بڑی ہے۔ یہ سن کر وہ بڑے میاں بے ہوش ہو کر گر پڑے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کے دل پر ہاتھ رکھا تو وہ زندہ تھا۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اسے پکار کر کہا اے بڑے میاں! لآ الٰہ الا اللہ پڑھو۔ اس نے کلمہ پڑھا۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اسے جنت کی بشارت دی۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے صحابہ رضی اللہ عنہم نے کہا یہ بشارت ہم میں سے صرف اسی کے لئے ہے؟ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہاں۔ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں:

ذٰلِكَ لِمَنْ خَافَ مَقَامِيْ وَخَافَ وَعِيْدِ (سورۃ ابراھیم: ۱۴)

ترجمہ: ''یہ ہر اس شخص کے لئے (عام) ہے جو میرے روبرو کھڑا ہونے سے ڈرے اور میری وعید سے ڈرے۔'' (اخرجہ ابن ابی حاتم ھذا حدیث مرسل غریب کذا فی التفسیر لابن کثیر ۳۹۱/۴ و اخرج الحاکم بمعناہ مختصراً من حدیث ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما وصححہ کما تقدم فی الخوف)

اللہ تعالیٰ کے وعدوں پر یقین وایمان

حضرت نیار بن مکرم اسلمی رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ جب یہ آیت نازل ہوئی۔

الٓمّٓ ۝ غُلِبَتِ الرُّوْمُ ۝ فِیْٓ اَدْنَی الْاَرْضِ وَهُمْ مِّنْۢ بَعْدِ غَلَبِهِمْ سَیَغْلِبُوْنَ ۝ فِیْ بِضْعِ سِنِیْنَ ۝ (سورۃ روم: ۱ تا ۴)

ترجمہ: ''الم۔ اہل روم ایک قریب کے موقع میں مغلوب ہوئے اور وہ اپنے مغلوب ہونے کے بعد عنقریب تین سال سے لے کر نو سال کے اندر اندر غالب آ جائیں گے''۔

تو اس وقت فارس والے روم والوں پر غالب آئے ہوئے تھے اور مسلمان یہ چاہتے تھے کہ روم والے فارس والوں پر غالب آ جائیں کیونکہ مسلمان اور روم والے اہل کتاب تھے اور اس بارے میں اللہ تعالیٰ کا یہ فرمان ہے:

وَیَوْمَئِذٍ یَّفْرَحُ الْمُؤْمِنُوْنَ ۝ بِنَصْرِ اللّٰهِ یَنْصُرُ مَنْ یَّشَآءُ وَهُوَ الْعَزِیْزُ الرَّحِیْمُ ۝ (سورۃ روم: ۵،۴)

ترجمہ: ''اس روز مسلمان اللہ تعالیٰ کی اس امداد پر خوش ہوں گے وہ جس کو چاہے غالب کر دیتا ہے اور وہ زبردست ہے (اور) رحیم ہے۔''

اور قریش چاہتے تھے کہ فارس والے روم والوں پر غالب رہیں کیونکہ قریش اور فارس والے دونوں نہ تو اہل کتاب تھے اور نہ انہیں مرنے کے بعد دوبارہ زندہ ہونے کا یقین تھا۔ جب اللہ تعالیٰ نے یہ آیت نازل فرمائی تو حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ مکہ کے مختلف علاقوں میں جا کر بلند آواز سے یہ آیت پڑھنے لگے تو قریش کے کچھ لوگوں نے حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ سے کہا یہ آیت ہمارے اور تمہارے درمیان فیصلہ کر دے گی آپ کے حضرت یہ کہتے ہیں روم والے فارس والوں پر تین سے لے کر نو سال کے اندر اندر غالب آ جائیں گے۔ کیا ہم آپ کے ساتھ اس بات پر شرط نہ لگالیں؟ حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نے کہا ٹھیک ہے اور یہ شرط لگانے کے حرام ہونے سے پہلے کا واقعہ ہے۔ چنانچہ حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ اور مشرکوں نے شرط لگائی اور ہارنے پر جو چیز دینی پڑے گی اسے طے کیا اور مشرکوں نے حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ سے کہا

آپ تین سال سے لے کر نو سال تک کی مدت میں سے کتنے سال طے کرتے ہیں؟ آپ ہمارے اور اپنے درمیان کوئی مدت طے کر دیں تا کہ اس کے پورا ہونے پر پتہ چلے کہ شرط میں کون ہارتا ہے اور کون جیتتا ہے۔ چنانچہ انہوں نے چھ سال متعین کر دیئے۔ پھر چھ سال گزرنے پر بھی رومی لوگ غلبہ نہ پا سکے تو مشرکین نے حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ کی شرط لگائی ہوئی چیز لے لی۔ پھر جب ساتواں سال شروع ہوا تو روم والے فارس والوں پر غالب آ گئے۔ مسلمان حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ پر چھ سال مقرر کرنے پر اب اعتراض کرنے لگے کیونکہ اللہ تعالیٰ نے تو یہ کہا تھا کہ تین سال سے نو سال کے اندر اندر۔ جب نو سال سے پہلے پہلے روم والوں نے فارس والوں پر غلبہ حاصل کر لیا تو اس پر بہت سے لوگ مسلمان ہو گئے۔ (اخرجہ الترمذی)

حضرت کعب بن عدی رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ میں اہل حیرہ کے وفد کے ساتھ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوا۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ہم پر اسلام پیش کیا۔ ہم مسلمان ہو گئے اور حیرہ واپس آ گئے۔ چند دن گزرے تھے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات کی خبر آ گئی جس سے میرے ساتھی تو شک میں پڑ گئے اور کہنے لگے اگر وہ نبی ہوتے تو ان کا انتقال نہ ہوتا۔ میں نے کہا نہیں۔ ان سے پہلے اور انبیاء کا بھی تو انتقال ہو چکا ہے۔ میں اسلام پر پکا رہا پھر میں مدینہ کے ارادے سے چل پڑا۔ راستے میں میرا گزر ایک راہب کے پاس سے ہوا۔ ہم اس سے پوچھے بغیر کوئی فیصلہ نہیں کرتے تھے۔ میں نے جا کر اسے کہا جس کام کا میں نے ارادہ کیا ہے اس کے بارے میں بتاؤ۔ اس بارے میں میرے دل میں کچھ کھٹک سی ہے۔ اس راہب نے کہا اپنے نام کی کوئی چیز لاؤ۔ میں ٹخنے کی ہڈی لایا (عربی میں ٹخنے کی ہڈی کو کعب کہتے ہیں اور ان کا نام بھی کعب تھا) اس نے کچھ بال نکالے اور کہا اس ہڈی کو ان بالوں میں ڈال دو۔ میں نے وہ ہڈی ان بالوں میں ڈال دی تو مجھے حضور صلی اللہ علیہ وسلم بالکل اسی صورت میں نظر آئے جس میں میں نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو دیکھا تھا اور مجھے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی موت کا منظر بھی سارا اسی طرح نظر آیا جس طرح ہوا تھا (بظاہر جادو کے زور سے یہ سب کچھ نظر آیا) اس سے میرے ایمان کی بصیرت اور بڑھ گئی۔ میں نے حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ کی خدمت میں حاضر ہو کر یہ سارا قصہ سنایا اور میں ان کے پاس ٹھہر

گیا۔ پھر انہوں نے مجھے (اسکندریہ کے بادشاہ) مقوقس کے پاس بھیجا وہاں سے واپس آیا تو پھر حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے مجھے مقوقس کے پاس بھیجا اور جنگ یرموک کے بعد حضرت عمر رضی اللہ عنہ کا خط لے کر مقوقس کے پاس پہنچا مجھے جنگ یرموک کی اس وقت تک خبر نہیں تھی۔ مقوقس نے کہا مجھے پتہ چلا ہے کہ رومیوں نے عربوں کو قتل کر دیا ہے اور انہیں شکست دے دی ہے۔ میں نے کہا نہیں ایسا نہیں ہوسکتا۔ اس نے کہا کیوں؟ میں نے کہا کیونکہ اللہ تعالیٰ نے اپنے نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے یہ وعدہ فرمایا ہے کہ اس کو تمام دینوں پر غالب کریں گے اور اللہ تعالیٰ وعدہ خلافی نہیں کرتے۔ اس پر اس نے کہا اللہ کی قسم! عربوں نے رومیوں کو ایسے قتل کیا ہے جیسے قوم عاد کو قتل کیا گیا تھا اور تمہارے نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے بالکل سچ کہا۔ پھر اس نے مجھ سے بڑے بڑے صحابہ کے بارے میں پوچھا اور مجھے ان کے لئے ہدیئے دیئے۔ میں نے کہا اس نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے چچا حضرت عباس رضی اللہ عنہ زندہ ہیں۔ ان کے ساتھ بھی حسن سلوک اور صلہ رحمی کرو۔ حضرت کعب رضی اللہ عنہ کہتے ہیں میں تجارت وغیرہ میں حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ کا شریک تھا۔ جب حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے عطایا کا رجسٹر بنایا تو مجھے (اپنے خاندان) بنوعدی بن کعب میں شمار کر کے میرا بھی حصہ مقرر کیا۔ (اخرجہ البغوی)

اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے جن چیزوں کی خبر دی ہے ان پر ایمان و یقین

حضرت عمرہ بن خزیمہ بن ثابتؒ اپنے چچا سے نقل کرتے ہیں جو کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے صحابی ہیں کہ ایک مرتبہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک دیہاتی آدمی سے گھوڑا خریدا اور اسے اپنے پیچھے آنے کے لئے کہا تا کہ اسے گھوڑے کی قیمت دے دیں۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم تیز تیز چلتے ہوئے آگے نکل گئے۔ وہ دیہاتی آہستہ آہستہ چل رہا تھا لوگوں کو معلوم نہیں تھا کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اس سے گھوڑا خرید لیا ہے اس لئے لوگ اس سے اس گھوڑے کا سودا کرنے لگے۔ ہوتے ہوتے ایک آدمی نے اس گھوڑے کی قیمت حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے زیادہ لگا دی تو اس نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو آواز دے کر کہا اگر آپ یہ گھوڑا خریدنا چاہتے ہیں

تو خرید لیں ورنہ میں اسے بیچنے لگا ہوں۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے جب اس دیہاتی کی یہ بات سنی تو رک گئے۔ جب دیہاتی آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس پہنچا تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس سے کہا کیا میں نے تم سے یہ گھوڑا خرید نہیں لیا؟ اس نے کہا نہیں۔ اللہ کی قسم! میں نے آپ کو یہ گھوڑا نہیں بیچا۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا نہیں، میں تم سے یہ گھوڑا خرید چکا ہوں۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم اور وہ دیہاتی آپس میں بات کرنے لگے تو دونوں کے گرد لوگ جمع ہو گئے۔ پھر وہ دیہاتی کہنے لگا آپ اپنا کوئی گواہ لائیں جو اس بات کی گواہی دے کہ میں نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے ہاتھ یہ گھوڑا بیچا ہے. جو بھی مسلمان وہاں آتا وہ اس دیہاتی کو یہی کہتا تیرا ناس ہو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم تو ہمیشہ صرف حق بات ہی کہتے ہیں۔ یہاں تک کہ خزیمہ بن ثابت رضی اللہ عنہ بھی آ گئے اور انہوں نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی اور دیہاتی کی گفتگو کو سنا۔ اور دیہاتی کہہ رہا تھا آپ اپنا کوئی گواہ لائیں جو اس بات کی گواہی دے کہ میں نے یہ گھوڑا آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے ہاتھ بیچا ہے۔ حضرت خزیمہ رضی اللہ عنہ نے فوراً کہا میں اس بات کی گواہی دیتا ہوں کہ تم نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے ہاتھ یہ گھوڑا بیچا ہے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت خزیمہ رضی اللہ عنہ کی طرف متوجہ ہو کر فرمایا تم کس بنیاد پر گواہی دے رہے ہو؟ حضرت خزیمہ رضی اللہ عنہ نے کہا یا رسول اللہ! میں اس بنیاد پر گواہی دے رہا ہوں کہ میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو سچا مانتا ہوں۔ اس پر حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اکیلے حضرت خزیمہ رضی اللہ عنہ کی گواہی دو آدمیوں کی گواہی کے برابر قرار دے دی۔ (اخرجہ ابن سعد ۴/ ۳۷۸)

حضرت محمد بن عمارہ بن خزیمہ رحمہ اللہ کہتے ہیں کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اے خزیمہ! تم تو ہمارے ساتھ نہیں تھے تو تم کس بنیاد پر گواہی دے رہے ہو؟ انہوں نے کہا یا رسول اللہ! جب میں آپ کو آسمان کی باتوں میں سچا مانتا ہوں تو آپ یہ جو بات کہہ رہے ہیں اس میں آپ کو سچا کیسے نہ مانوں؟ چنانچہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کی گواہی دو مردوں کی گواہی کے برابر قرار دے دی۔ (عند ابن سعد ایضا ۴/ ۳۷۹)

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ جب حضور صلی اللہ علیہ وسلم شب معراج میں مسجد اقصیٰ تشریف لے گئے تو لوگ اس بارے میں باتیں کرنے لگے اور جو لوگ آپ صلی اللہ علیہ وسلم

پر ایمان لائے تھے اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی تصدیق کر چکے تھے ان میں سے کچھ لوگ مرتد ہو گئے۔ پھر یہ لوگ حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کے پاس گئے اور ان سے جا کر کہا آپ کا اپنے حضرت کے بارے میں کیا خیال ہے وہ یہ کہہ رہے ہیں کہ وہ آج رات بیت المقدس گئے تھے۔ حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نے کہا کیا انہوں نے یہ بات کہی ہے؟ لوگوں نے کہا جی ہاں! حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نے کہا اگر انہوں نے یہ بات کہی ہے تو بالکل سچ ہے۔ لوگوں نے کہا تو کیا آپ اس بات کی تصدیق کرتے ہیں کہ وہ آج رات بیت المقدس گئے تھے اور صبح سے پہلے واپس بھی آ گئے؟ حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نے کہا جی ہاں! میں تو اس سے بھی زیادہ بعید نظر آنے والے امور میں ان کی تصدیق کرتا ہوں وہ صبح اور شام جو آسمان کی خبریں بتاتے ہیں میں ان میں ان کی تصدیق کرتا ہوں اسی وجہ سے حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کا نام صدیق رکھا گیا۔ (اخرجہ البیہقی)

حضرت جابر بن عبداللہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے زمانہ خلافت میں ایک سال ٹڈیاں کم ہو گئیں۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے ٹڈیوں کے بارے میں بہت پوچھا لیکن کہیں سے کوئی خبر نہ ملی تو وہ اس سے بہت پریشان ہوئے چنانچہ انہوں نے ایک سوار ادھر یعنی یمن بھیجا اور دوسرا شام تیسرا عراق بھیجا تاکہ یہ سوار پوچھ کر آئیں کہ کہیں ٹڈی نظر آئی ہے یا نہیں۔ جو سوار یمن گیا تھا وہ وہاں سے ٹڈیوں کی ایک مٹھی لایا اور لا کر حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے سامنے ڈال دیں۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے جب انہیں دیکھا تو تین دفعہ اللہ اکبر کہا پھر فرمایا میں نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ فرماتے ہوئے سنا کہ اللہ تعالیٰ نے ایک ہزار قسم کی مخلوق پیدا کی ہے۔ چھ سو سمندر میں اور چار سو خشکی میں اور ان میں سے سب سے پہلے ٹڈی ختم ہو گی۔ جب ٹڈیاں ختم ہو جائیں گی تو پھر اور مخلوق بھی ایسے آگے پیچھے ہلاک ہونی شروع ہو جائیں گی جیسے موتیوں کی لڑی کا دھاگہ ٹوٹ گیا ہو۔ (اخرجہ الحافظ ابو یعلی کذا فی التفسیر لابن کثیر ۲/۱۳۱)

حضرت فضالہ بن ابی فضالہ انصاری رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ حضرت علی بن ابی طالب رضی اللہ عنہ ینبع میں بیمار تھے اور بیماری کافی شدید تھی۔ میں اپنے والد کے ساتھ ان کی عیادت کرنے ینبع گیا۔ میرے والد صاحب نے ان سے کہا آپ یہاں کیوں ٹھہرے ہوئے ہیں؟ اگر آپ کا یہاں انتقال ہو گیا تو آپ کے پاس صرف جہینہ کے دیہاتی ہوں

گے۔ آپ تھوڑی سی تکلیف فرما کر مدینہ تشریف لے چلیں۔ اگر آپ کا وہاں انتقال ہوا تو پھر آپ کے ساتھی آپ کے پاس ہوں گے جو آپ کی نماز جنازہ پڑھیں گے (میرے والد) حضرت ابو فضالہ رضی اللہ عنہ بدری صحابہ میں سے تھے (اس لئے حضرت علی رضی اللہ عنہ کی نگاہ میں ان کا بڑا مقام تھا) حضرت علی رضی اللہ عنہ نے فرمایا مجھے یقین ہے کہ میرا اس بیماری میں انتقال نہیں ہوگا کیونکہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے مجھے بتایا تھا کہ جب تک میں امیر نہ بنایا جاؤں اور پھر میری یہ داڑھی میرے اس سر کے خون سے رنگی نہ جائے اس وقت تک میں نہیں مروں گا۔ (اخرجہ ابن احمد فی زوائدہ وابن ابی شیبۃ)

حضرت معاویہ بن جریر حضرمیؒ کہتے ہیں کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ گھوڑے سوار میرے سامنے سے گزریں (چنانچہ سوار گزرنے لگے) پھر حضرت علی رضی اللہ عنہ کے پاس سے ابن ملجم گزرا۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ نے اس سے اس کا نام اور نسب پوچھا اس نے اپنے باپ کے علاوہ کسی اور کا نام بتا دیا۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ نے فرمایا تم غلط کہتے ہو پھر اس نے اپنے باپ کا نام لیا۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ نے فرمایا اب تم نے ٹھیک کہا۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے مجھے بتایا تھا کہ میرا قاتل یہودیوں میں سے ہوگا۔ یہ ابن ملجم یہودی تھا۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ نے اس سے کہا چلے جاؤ۔ (اخرجہ ابن عدی وابن عساکر کذا فی المنتخب ۵/۶۳)

حضرت ام عمارہ رضی اللہ عنہا جنہوں نے حضرت عمار رضی اللہ عنہ کی پرورش کی تھی وہ بیان کرتی ہیں کہ ایک مرتبہ حضرت عمار رضی اللہ عنہ بیمار ہو گئے تو کہنے لگے اس بیماری میں مجھے موت نہیں آئے گی۔ کیونکہ میرے محبوب محمد صلی اللہ علیہ وسلم نے مجھے بتایا تھا کہ مسلمانوں کی دو جماعتوں میں لڑائی ہوگی اور میں ان دو جماعتوں کے درمیان شہید ہو کر ہی مروں گا۔ (اخرجہ ابن عساکر)

حضرت ابراہیم بن اشترؒ اپنے والد سے نقل کرتے ہیں کہ جب حضرت ابوذر رضی اللہ عنہ کی وفات کا وقت قریب آیا تو ان کی بیوی رونے لگی۔ انہوں نے اپنی بیوی سے کہا تم کیوں رو رہی ہو؟ اس نے کہا میں اس لئے رو رہی ہوں کہ مجھ میں آپ کو دفن کرنے کی طاقت نہیں اور نہ ہی میرے پاس اتنا کپڑا ہے جو آپ کے دفن کے لئے کافی ہو۔ حضرت ابوذر رضی اللہ عنہ نے کہا مت رؤو کیونکہ میں نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو کچھ لوگوں کو فرماتے ہوئے سنا اور ان لوگوں

میں میں بھی تھا۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا تم لوگوں میں سے ایک آدمی کی موت جنگل بیابان میں آئے گی اوراس کے جنازے میں مسلمانوں کی ایک جماعت شریک ہوگی۔ اب ان لوگوں میں سے ہر ایک کا انتقال کسی نہ کسی بستی میں اور مسلمانوں کے مجمع میں ہوا ہے۔ لہذا اب میں ہی ایسا ہوں کہ جسے جنگل بیابان میں موت آئے گی اللہ کی قسم! نہ تو میں غلط کہہ رہا ہوں اور نہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے مجھ سے غلط بات کی ہے لہذا آنے جانے کے عام راستہ کی طرف دیکھو۔ ان کی بیوی نے کہا حاجیوں کے قافلے واپس جا چکے ہیں اور راستے بند ہو چکے ہیں۔ بہر حال وہ ٹیلہ پر چڑھ کر کھڑی ہو جاتیں اور راستہ کی طرف دیکھتیں۔ (جب کوئی نظر نہ آتا تو) واپس آ کر تیمارداری میں لگ جاتیں اور پھر ٹیلے پر چڑھ کر دیکھتیں وہ ایسے ہی کر رہی تھیں کہ اچانک انہوں نے دیکھا کہ ایک جماعت ہے جسے ان کی سواریاں تیزی سے لئے چلی آ رہی ہیں اور وہ اپنے کجاووں میں بیٹھے ہوئے ایسے لگ رہے تھے جیسے گدھ ہوں۔ ان کی بیوی نے کپڑے سے ان کی طرف اشارہ کیا تو وہ دیکھ کر ان کی طرف آئے یہاں تک کہ ان کے پاس آ کر کھڑے ہو گئے اور پوچھا کیا بات ہے؟ ان کی بیوی نے کہا ایک مسلمان مر رہا ہے کیا آپ اس کے کفن کا انتظام کر سکتے ہیں؟ ان لوگوں نے پوچھا وہ کون ہے؟ انہوں نے بتایا وہ ابوذر رضی اللہ عنہ ہیں۔ یہ سنتے ہی وہ سب کہنے لگے ہمارے ماں باپ حضرت ابوذر رضی اللہ عنہ پر قربان ہوں اور کوڑے مار کر سواریاں تیز دوڑائیں اور حضرت ابوذر رضی اللہ عنہ کے پاس پہنچ گئے۔ حضرت ابوذر رضی اللہ عنہ نے فرمایا تمہیں خوشخبری ہو اور پھر انہیں حضور صلی اللہ علیہ وسلم والی وہی حدیث سنائی پھر فرمایا میں نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے یہ سنا ہے کہ جن دو مسلمانوں کے دو یا تین بچے مر جائیں اور وہ ثواب کی نیت سے اس پر صبر کر لیں تو دونوں کو جہنم کے دیکھنے سے بھی اللہ بچا لیں گے تم لوگ سن رہے ہو اگر میرے پاس کفن کے لئے کوئی کپڑا ہوتا تو مجھے اسی میں کفن دیا جاتا ایسے ہی اگر میری بیوی کے پاس میرے کفن کے قابل کوئی کپڑا ہوتا تو مجھے اس میں کفن دیا جاتا (ہمارے پاس تو کفن کا کپڑا ہے نہیں اس لئے آپ لوگ کفن کا کپڑا دیں) لیکن میں اللہ اور اسلام کا واسطہ دے کر کہتا ہوں کہ تم میں سے جو آدمی امیر یا چودھری یا نمبردار یا قاصد رہا ہو وہ مجھے کفن نہ دے تو ان لوگوں میں سے ہر آدمی ان میں سے کسی نہ کسی منصب پر رہ

چکا تھا صرف ایک انصاری جوان ایسا تھا جس نے ان میں سے کوئی بھی کام نہیں کیا تھا اس نے کہا میں آپ کو کفن دوں گا کیونکہ آپ نے جتنی باتیں کہی ہیں میں نے ان میں سے کوئی کام نہیں کیا۔ میں نے یہ چادر اوڑھ رکھی ہے اور میرے تھیلے میں دو کپڑے ہیں جنہیں میری ماں نے کات کر میرے لئے بنا تھا میں ان تین کپڑوں میں آپ کو کفن دوں گا۔ حضرت ابوذر رضی اللہ عنہ نے فرمایا ہاں تم مجھے ضرور کفن دینا چنانچہ اس انصاری نے انہیں کفن دیا۔ راوی حضرت ابراہیمؒ کہتے ہیں کہ اس جماعت میں حضرت حجر بن ادبر اور (میرے والد) مالک بھی تھے اور یہ سب لوگ یمن کے تھے۔ (اخرجہ ابن سعد ۴/۲۳۳)

حضرت جبیر بن حیہؒ کہتے ہیں کہ عجمی کافر سردار بندار فان نے یہ پیغام بھیجا کہ اے عرب کے لوگو! اپنے میں سے ایک آدمی میرے پاس بھیجو تاکہ ہم اس سے بات کریں چنانچہ لوگوں نے اس کام کے لئے حضرت مغیرہ بن شعبہ رضی اللہ عنہ کا انتخاب کیا۔ حضرت جبیر کہتے ہیں کہ میں ان کو دیکھ رہا تھا کہ ان کے لمبے لمبے بال تھے اور وہ کانے تھے چنانچہ وہ اس سردار کے پاس گئے۔ جب وہ وہاں سے واپس آئے تو ہم نے ان سے پوچھا کہ اس سردار سے کیا بات ہوئی؟ انہوں نے بتایا کہ میں نے پہلے اللہ کی حمد وثنا بیان کی پھر میں نے کہا (زمانہ جاہلیت میں) ہم لوگ تمام لوگوں سے زیادہ دور گھر والے تھے (آبادی دور دور تھی) سب سے زیادہ بھوکے تھے سب سے زیادہ بدحال تھے تمام لوگوں میں ہر خیر سے سب سے زیادہ دور تھے یہاں تک کہ اللہ تعالیٰ نے ہمارے پاس ایک رسول بھیجا جس نے ہم سے دنیا میں اللہ کی مدد کا اور آخرت میں جنت کا وعدہ کیا اور جب سے وہ رسول ہمارے پاس آئے ہیں اس وقت سے ہم اپنے رب کی طرف سے مسلسل کامیابی اور مدد ہی دیکھ رہے ہیں اور اب ہم تمہارے پاس آ گئے ہیں اور اللہ کی قسم! ہمیں یہاں بادشاہت اور شاندار زندگی نظر آ رہی ہے، ہم اسے چھوڑ کر بدحالی کی طرف کبھی واپس نہیں جائیں گے بلکہ یا تو تم پر غالب آ کر جو کچھ تمہارے قبضے میں ہے وہ سب کچھ لے لیں گے یا پھر یہاں ہی شہید ہو جائیں گے۔ (اخرجہ ابونعیم فی الدلائل ص ۱۹۸)

حضرت طلقؒ کہتے ہیں کہ ایک آدمی نے آ کر حضرت ابوالدرداء رضی اللہ عنہ سے کہا اے ابودرداء! آپ کا گھر جل گیا انہوں نے فرمایا میرا گھر نہیں جل سکتا پھر دوسرے آدمی

نے آ کر وہی بات کہی تو انہوں نے کہا نہیں میرا گھر نہیں جل سکتا۔ پھر تیسرے آدمی نے آ کر بھی وہی بات کہی تو اس کو بھی یہی کہا کہ میرا گھر نہیں جل سکتا پھر چوتھے آدمی نے آ کر کہا آگ تو بھڑکی تھی اور آپ کے گھر تک بھی پہنچ گئی تھی لیکن وہاں جا کر بجھ گئی تھی۔ انہوں نے فرمایا مجھے یقین تھا کہ اللہ تعالیٰ ایسا نہیں کریں گے (یعنی میرے گھر کو جلنے نہیں دیں گے) اس آدمی نے کہا اے ابودرداء! ہمیں پتہ نہیں چل رہا کہ آپ کی کونسی بات زیادہ عجیب ہے؟ پہلے آپ نے کہا میرا گھر نہیں جل سکتا۔ پھر بعد میں آپ نے کہا مجھے یقین تھا کہ اللہ تعالیٰ ایسا نہیں کریں گے۔ انہوں نے فرمایا میں نے چند کلمات حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے سنے ہیں جو آدمی صبح کو یہ کلمات کہہ لے گا شام تک اسے کوئی مصیبت نہیں پہنچے گی اور وہ کلمات یہ ہیں۔

اَللّٰهُمَّ اَنْتَ رَبِّیْ لَآ اِلٰهَ اِلَّا اَنْتَ عَلَيْكَ تَوَكَّلْتُ وَ اَنْتَ رَبُّ الْعَرْشِ الْكَرِيْمِ مَاشَاءَ اللّٰهُ كَانَ وَمَالَمْ يَشَأْ لَمْ يَكُنْ وَلَا حَوْلَ وَلَا قُوَّةَ اِلَّا بِاللّٰهِ الْعَلِيِّ الْعَظِيْمِ اَعْلَمُ اَنَّ اللّٰهَ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ قَدِيْرٌ وَاَنَّ اللّٰهَ قَدْ اَحَاطَ بِكُلِّ شَيْءٍ عِلْمًا اَللّٰهُمَّ اِنِّیْ اَعُوْذُبِكَ مِنْ شَرِّ نَفْسِیْ وَمِنْ شَرِّ كُلِّ دَآبَّةٍ اَنْتَ اٰخِذٌبِنَا صِيَتِهَا اِنَّ رَبِّیْ عَلٰى صِرَاطٍ مُّسْتَقِيْمٍ.

ترجمہ: ''اے اللہ! تو میرا رب ہے تیرے سوا کوئی معبود نہیں۔ تجھ پر میں نے توکل کیا تو محترم عرش کا رب ہے۔ جو اللہ (تبارک وتعالیٰ) نے چاہا وہ ہوا اور جو نہ چاہا وہ نہیں ہوا۔ برائیوں سے بچنے کی قوت اور نیکی کرنے کی طاقت صرف بزرگ و برتر اللہ سے ہی ملتی ہے۔ میں اس بات کو جانتا ہوں کہ اللہ ہر چیز پر قادر ہے اور اللہ ہر چیز کو جانتا ہے۔ اے اللہ! میں اپنے نفس کے شر سے اور ہر اس جانور کے شر سے تیری پناہ چاہتا ہوں جس کی پیشانی کو تو پکڑنے والا ہے۔ بیشک میرا رب سیدھے راستے پر ہے۔ (اخرجہ البیہقی فی الاسماء والصفات ۱۲۵)

اعمال کا بدلہ ملنے کا یقین

حضرت ابو اسماء رحمہ اللہ تعالیٰ کہتے ہیں کہ ایک مرتبہ حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ دوپہر کا کھانا کھا رہے تھے کہ اتنے میں یہ آیت نازل ہوئی:

فَمَنْ يَّعْمَلْ مِثْقَالَ ذَرَّةٍ خَيْرًا يَّرَهٗ ۝ وَمَنْ يَّعْمَلْ مِثْقَالَ ذَرَّةٍ شَرًّا يَّرَهٗ ۝ (سورۃ الزلزال ۷،۸)

ترجمہ:۔ ''سو جو شخص (دنیا میں) ذرہ برابر نیکی کرے گا وہ (وہاں) اس کو دیکھ لے گا اور جو شخص ذرہ برابر بدی کرے گا وہ اس کو دیکھ لے گا''۔

یہ سن کر حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نے کھانا کھانا چھوڑ دیا اور عرض کیا یا رسول اللہ! ہم جو بھی برا کام کریں گے کیا ہمیں اس کا بدلہ ضرور ملے گا؟ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا آپ لوگ جو ناگواریاں (دنیا میں) دیکھتے ہو یہ برے اعمالوں کا بدلہ ہے اور اچھے اعمال کا بدلہ بعد میں آخرت میں دیا جائے گا۔ (اخرجہ ابن ابی شیبہ)

حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ میں نے عرض کیا یا رسول اللہ! من یعمل سوءً یجز بہ والی آیت کے بعد حال کس طرح ٹھیک ہو سکتا ہے؟ کیونکہ ہم نے جو بھی برا کام کیا ہے اس کا بدلہ ہمیں ضرور ملے گا۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اے ابوبکر! اللہ تعالیٰ تمہاری مغفرت فرمائے کیا تم بیمار نہیں ہوتے؟ کیا تم کبھی تھکتے نہیں؟ کیا تمہیں کبھی کوئی مصیبت پیش نہیں آتی؟ میں نے عرض کیا جی یہ سب کچھ پیش آتا ہے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا یہی گناہوں کا بدلہ ہے جو تمہیں دنیا میں مل رہا ہے۔ (عند احمد وابن المنذر)

حضرت ثعلبہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ حضرت عمرو بن سمرہ بن حبیب بن عبد شمس رضی اللہ عنہ نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہو کر عرض کیا یا رسول اللہ! میں نے فلاں قبیلہ کا ایک اونٹ چوری کیا ہے مجھے (اس گناہ سے) پاک کر دیں۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اس قبیلہ والوں کے پاس آدمی بھیج کر پتہ کرایا۔ انہوں نے بتایا کہ ہاں ہمارا ایک اونٹ گم ہے چنانچہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے فرمانے پر حضرت عمرو بن سمرہ رضی اللہ عنہ کا ہاتھ کاٹا گیا۔ حضرت ثعلبہ کہتے ہیں جب حضرت عمرو کا ہاتھ کٹ کر نیچے گرا اس وقت میں انہیں دیکھ رہا تھا انہوں نے (اپنے ہاتھ کو خطاب کرتے ہوئے) کہا تمام تعریفیں اس اللہ کے لئے ہیں جس نے مجھے تجھ سے پاک کر دیا ورنہ تو نے تو میرے جسم کو جہنم میں داخل کرنے کا ارادہ کر لیا تھا۔ (اخرجہ ابن ماجہ)

حضرت ابوضمرہ بن حبیب بن ضمرہ رحمہ اللہ کہتے ہیں کہ جب حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کے ایک بیٹے کی وفات کا وقت قریب آیا تو وہ ایک تکیہ کی طرف دیکھنے لگا۔ جب اس کا انتقال ہو گیا تو لوگوں نے کہا ہم نے دیکھا تھا کہ آپ کا بیٹا کنکھیوں سے اس تکیہ کی طرف دیکھ

رہا تھا۔ جب لوگوں نے تکیہ اٹھایا تو اس کے نیچے پانچ یا چھ دینار ملے۔ یہ دیکھ کر حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کف افسوس ملنے لگے اور بار بار انا للہ و انا الیہ راجعون پڑھتے رہے اور فرماتے رہے میرے خیال میں تو تمہاری کھال ان دیناروں کی سزا برداشت نہیں کر سکتی (کہ تم نے ان کو جمع کر کے رکھا اور انہیں خرچ نہ کیا) (اخرجہ احمد فی الزہد وابونعیم فی الحلیۃ کذا فی الکنز ۲/۱۳۵)

صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے ایمان کی پختگی

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ جب یہ آیت نازل ہوئی:

لِلّٰهِ مَا فِي السَّمٰوٰتِ وَمَا فِي الْاَرْضِ ؕ وَاِنْ تُبْدُوْا مَا فِيْٓ اَنْفُسِكُمْ
اَوْ تُخْفُوْهُ يُحَاسِبْكُمْ بِهِ اللّٰهُ ؕ فَيَغْفِرُ لِمَنْ يَّشَآءُ وَيُعَذِّبُ مَنْ يَّشَآءُ ؕ
وَاللّٰهُ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ قَدِيْرٌ (سورۃ بقرہ: ۲۸۴)

ترجمہ: ”اللہ تعالیٰ ہی کی ملک ہیں سب جو کچھ آسمانوں میں ہیں اور جو کچھ زمین میں ہیں اور جو باتیں تمہارے نفسوں میں ہیں ان کو اگر تم ظاہر کرو گے یا کہ پوشیدہ رکھو گے حق تعالیٰ تم سے حساب لیں گے پھر (بجز کفر و شرک کے) جس کے لئے منظور ہوگا بخش دیں گے اور جس کو منظور ہوگا سزا دیں گے اور اللہ ہر شے پر پوری قدرت رکھنے والے ہیں“۔

تو اس سے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کو بہت گرانی اور پریشانی ہوئی اور آ کر حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں دو زانو ہو کر بیٹھ گئے اور عرض کیا یا رسول اللہ! ہمیں کچھ ایسے اعمال کا مکلف بنایا گیا ہے جو ہمارے بس میں ہیں جیسے نماز، روزہ، جہاد اور صدقہ لیکن اب آپ پر یہ آیت نازل ہوئی ہے (اور اس میں ہمیں ایسے اعمال کا مکلف بنایا گیا جو ہمارے بس میں نہیں ہیں) حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کیا تم چاہتے ہو کہ تم اس آیت کو سن کر سمعنا و عصینا (ہم نے اللہ کا حکم سن لیا لیکن ہم اسے مانیں گے نہیں) کہو جیسے کہ تم سے پہلے تورات اور انجیل والوں نے کہا تھا؟ نہیں بلکہ تم سَمِعْنَا وَاَطَعْنَا غُفْرَانَكَ رَبَّنَا وَاِلَيْكَ الْمَصِيْرُ کہو یعنی ہم نے سن لیا اور مان لیا اے ہمارے رب! ہم تیری مغفرت چاہتے ہیں اور تیرے پاس ہی لوٹ کر جانا ہے چنانچہ صحابہ رضی اللہ عنہم نے یہ دعا مانگنی شروع کر دی اور جب ان کی زبانیں اس دعا سے مانوس ہو گئیں تو اللہ تعالیٰ نے اسکے بعد یہ آیت نازل فرمائی۔

اٰمَنَ الرَّسُوْلُ بِمَآ اُنْزِلَ اِلَيْهِ مِنْ رَّبِّهٖ وَالْمُؤْمِنُوْنَ ؕ كُلٌّ اٰمَنَ بِاللّٰهِ وَمَلٰٓئِكَتِهٖ وَكُتُبِهٖ وَرُسُلِهٖ ۟ لَا نُفَرِّقُ بَيْنَ اَحَدٍ مِّنْ رُّسُلِهٖ ۟ وَقَالُوْا سَمِعْنَا وَاَطَعْنَا غُفْرَانَكَ رَبَّنَا وَاِلَيْكَ الْمَصِيْرُ (سورۃ بقرہ: ۲۸۵)

ترجمہ: ''اعتقاد رکھتے ہیں رسول (صلی اللہ علیہ وسلم) اس چیز کا جو ان کے پاس ان کے رب کی طرف سے نازل کی گئی ہے اور مومنین بھی سب کے سب عقیدہ رکھتے ہیں اللہ کے ساتھ اور اس کے فرشتوں کے ساتھ اور اس کی کتابوں کے ساتھ اور اس کے پیغمبروں کے ساتھ کہ ہم اس کے پیغمبروں میں سے کسی میں تفریق نہیں کرتے اور ان سے سب نے یوں کہا کہ ہم نے (آپ کا ارشاد) سنا اور خوشی سے مانا۔ ہم آپ کی بخشش چاہتے ہیں۔ اے ہمارے پروردگار اور آپ ہی کی طرف (ہم سب کو) لوٹنا ہے''۔

جب صحابہ رضی اللہ عنہم نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے ارشاد کے مطابق اس طرح کیا تو اللہ تعالیٰ نے پہلی آیت (کے حکم) کو منسوخ کر دیا اور یہ آیت نازل فرمائی:

لَا يُكَلِّفُ اللّٰهُ نَفْسًا اِلَّا وُسْعَهَا ؕ لَهَا مَا كَسَبَتْ وَعَلَيْهَا مَا اكْتَسَبَتْ ؕ رَبَّنَا لَا تُؤَاخِذْنَآ اِنْ نَّسِيْنَآ اَوْ اَخْطَاْنَا سے لے کر آخر تک (سورۃ بقرہ/۲۸۶)

ترجمہ: ''اللہ تعالیٰ کسی شخص کو مکلف نہیں بناتا مگر اسی کا جو اس کی طاقت (اور اختیار) میں ہو اس کو ثواب بھی اسی کا ملے گا جو ارادہ سے کرے اور اس پر عذاب بھی اسی کا ہوگا جو ارادہ سے کرے۔ اے ہمارے رب ہم پر داروگیر نہ فرمائیے اگر ہم بھول جائیں یا چوک جائیں آخر آیت تک (اخرجہ احمد ورواہ مسلم مثلہ)

حضرت عبداللہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ جب اَلَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَلَمْ يَلْبِسُوْٓا اِيْمَانَهُمْ بِظُلْمٍ آیت نازل ہوئی تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا مجھے (اللہ کی طرف سے) کہا گیا کہ آپ بھی ان میں سے ہیں۔ (عند ابن مردویہ کذا فی التفسیر لابن کثیر ۲/۱۵۳)

حضرت صفیہ بنت شیبہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ ہم حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کے پاس بیٹھی تھیں ہم نے قریش کی عورتوں کا تذکرہ کیا اور ان کے فضائل بیان کئے۔ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے فرمایا واقعی قریش کی عورتوں کو بڑے فضائل حاصل ہیں لیکن اللہ کی قسم! اللہ کی کتاب کی تصدیق

کرنے اور اس پر ایمان لانے میں انصار کی عورتوں سے آگے بڑھا ہوا میں نے کسی کو نہیں دیکھا۔ جب سورۂ نور کی یہ آیت نازل ہوئی۔ وَلْيَضْرِبْنَ بِخُمُرِهِنَّ عَلٰى جُيُوْبِهِنَّ (سورۂ نور: ۳۱)

ترجمہ:۔ ''اور اپنے دوپٹے اپنے سینوں پر ڈالے رہا کریں۔''

تو انصار مردوں نے واپس گھر جا کر اپنی عورتوں کو وہ حکم سنایا جو اللہ نے اس آیت میں نازل فرمایا ہر آدمی اپنی بیوی، اپنی بیٹی اپنی بہن اور اپنی ہر رشتہ دار عورت کو یہ آیت پڑھ کر سناتا۔ ان میں سے ہر عورت سنتے ہی اللہ کی نازل کردہ آیت پر ایمان لانے اور ان کی تصدیق کرنے کے لئے فوراً کھڑی ہو کر منقش چادر لے کر اس میں لپٹ جاتی۔ چنانچہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے پیچھے فجر کی نماز میں یہ سب چادروں میں ایسی لپٹی ہوئی آئیں کہ گویا ان کے سروں پر کوے بیٹھے ہوئے ہیں (اخرجہ ابن ابی حاتم ورواہ ابوداوٗد)

حضرت ابوفروہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ میں نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہو کر عرض کیا یا رسول اللہ! آپ ذرا یہ بتائیں کہ ایک آدمی نے سارے گناہ کئے ہیں کوئی چھوٹا بڑا گناہ نہیں چھوڑا۔ کیا اس کی توبہ قبول ہو سکتی ہے؟ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کیا تم مسلمان ہو گئے ہو میں نے کہا جی ہاں۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اب نیکیاں کرتے رہو اور برے کام چھوڑ دو تو اللہ تعالیٰ تمہارے تمام گناہوں کو نیکیاں بنا دیں گے۔ میں نے کہا میری تمام بدعہدیاں اور بدکاریاں بھی معاف ہو جائیں گی۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہاں۔ اس پر حضرت ابوفروہ چل پڑے اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی نگاہوں سے اوجھل ہونے تک اللہ اکبر کہتے رہے۔ (اخرجہ الطبرانی کذا فی التفسیر لابن کثیر ۳/ ۳۲۸)

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ ایک عورت میرے پاس آئی اور اس نے مجھ سے کہا کیا میری توبہ قبول ہو سکتی ہے؟ میں نے زنا کیا تھا جس سے میرے ہاں بچہ پیدا ہوا پھر میں نے اس بچے کو قتل کر ڈالا میں نے کہا نہیں (تم نے دو بڑے گناہ کئے ہیں اس لئے) نہ تو تمہاری آنکھ کبھی ٹھنڈی ہو اور نہ تجھے شرافت و کرامت کبھی حاصل ہو۔ اس پر وہ عورت افسوس کرتی ہوئی اٹھ کر چلی گئی۔ پھر میں نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ فجر کی نماز پڑھی اور اس عورت نے جو کچھ کہا تھا اور میں نے اسے جو جواب دیا تھا وہ سب حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو بتایا۔

حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا تم نے اسے برا جواب دیا۔ کیا تم یہ آیتیں وَالَّذِيْنَ لَا يَدْعُوْنَ مَعَ اللّٰهِ اِلٰهًا اٰخَرَ سے لے کر اِلَّا مَنْ تَابَ آخر تک نہیں پڑھتے۔ (سورۃ الفرقان: ۶۴ تا ۸۰)

ترجمہ:۔ ''اور جو کہ اللہ تعالیٰ کے ساتھ کسی اور معبود کی پرستش نہیں کرتے اور جس شخص کے قتل کرنے کو اللہ نے حرام فرمایا ہے اس کو قتل نہیں کرتے ہاں مگر حق پر اور وہ زنا نہیں کرتے اور جو شخص ایسے کام کرے گا تو سزا سے اس کو سابقہ پڑے گا کہ قیامت کے روز اس کا عذاب بڑھتا چلا جائے گا اور وہ اس (عذاب) میں ہمیشہ ہمیشہ ذلیل (وخوار) ہو کر رہے گا مگر جو (شرک و معاصی سے) توبہ کرلے اور ایمان (بھی) لے آئے اور نیک کام کرتا رہے تو اللہ تعالیٰ ایسے لوگوں کے (گذشتہ) گناہوں کی جگہ نیکیاں عنایت فرمائے گا اور اللہ تعالیٰ غفور الرحیم ہے''۔

پھر میں نے یہ آیتیں اس عورت کو پڑھ کر سنائیں۔ اس نے کہا تمام تعریفیں اس اللہ کے لئے ہیں جس نے میری خلاصی کی صورت بنا دی۔ (اخرجہ ابن ابی حاتم)

حضرت تمیم داری رضی اللہ عنہ کے غلام حضرت ابوالحسنؒ کہتے ہیں کہ جب وَالشُّعَرَآءُ يَتَّبِعُهُمُ الْغَاوٗنَ والی آیت نازل ہوئی۔

ترجمہ:۔ ''اور شاعروں کی راہ تو بے راہ لوگ چلا کرتے ہیں'' (سورۃ شعراء: ۲۲۴)

تو (مسلمان شعراء) حضرت حسان بن ثابت رضی اللہ عنہ، حضرت عبداللہ بن رواحہ رضی اللہ عنہ اور حضرت کعب بن مالک رضی اللہ عنہ روتے ہوئے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئے اور عرض کیا کہ جب اللہ تعالیٰ نے اس آیت کو نازل فرمایا تو اللہ کو معلوم تھا کہ ہم لوگ شعراء ہیں (لہذا یہ سخت وعید تو ہمارے لئے ہوئی) اس پر حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ آگے والی آیت تلاوت فرمائی۔

اِلَّا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ

ترجمہ: ''مگر جو لوگ ایمان لائے اور اچھے کام کئے''۔

حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا یہ دونوں باتیں تم لوگوں میں موجود ہیں۔

وَذَكَرُوا اللّٰهَ كَثِيْرًا ''اور انہوں نے (اپنے اشعار میں) کثرت سے اللہ کا ذکر کیا''

حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا یہ صفت بھی تم میں موجود ہے۔

وَانْتَصَرُوا مِنْ بَعْدِ مَا ظُلِمُوا

''اور انہوں نے بعد اس کے کہ ان پر ظلم ہو چکا ہے (اس کا) بدلہ لیا''۔

حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا یہ صفت بھی تم میں ہے (لہذا یہ وعید تم مسلمان شعراء کے لئے نہیں ہے) (اخرجہ ابن اسحاق واخرجہ ابن ابی حاتم)

حضرت عمر رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے مجھ سے فرمایا اے عمر! تمہارا اس وقت کیا حال ہوگا جب تم چار ہاتھ لمبی اور دو ہاتھ چوڑی زمین (یعنی قبر) میں ہو گے اور تم منکر نکیر کو دیکھو گے؟ میں نے عرض کیا یا رسول اللہ! منکر نکیر کون ہیں؟ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا یہ قبر میں امتحان لینے والے (دو فرشتے) ہیں جو قبر کو اپنے دانتوں سے کریدیں گے اور ان کے بال اتنے لمبے ہوں گے کہ وہ اپنے بالوں کو روندتے ہوئے آئیں گے ان کی آواز زوردار گرج کی طرح ہوگی اور ان کی آنکھیں اچکنے والی بجلی کی طرح چمک رہی ہوں گی۔ ان دونوں کے پاس ایک اتنا بڑا ہتھوڑا ہوگا کہ سارے منیٰ والے مل کر اسے نہ اٹھا سکیں۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے ہاتھ میں ایک چھڑی تھی جسے آپ صلی اللہ علیہ وسلم ہلا رہے تھے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کی طرف اشارہ کرتے ہوئے فرمایا لیکن ان دونوں کے لئے اسے اٹھانا میری اس چھڑی سے بھی زیادہ آسان ہوگا۔ وہ دونوں تمہارا امتحان لیں گے اگر تم جواب نہ دے سکے یا تم لڑکھڑا گئے تو پھر وہ تمہیں وہ ہتھوڑا اس زور سے ماریں گے کہ تم راکھ بن جاؤ گے۔ میں نے کہا یا رسول اللہ! کیا اس وقت میں اپنی اسی حالت پر رہوں گا؟ (یعنی اس وقت میرے ہوش وحواس ٹھیک ہوں گے) حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہاں! میں نے کہا پھر میں ان دونوں سے نمٹ لوں گا۔ (اخرجہ ابن ابی داؤد فی البعث)

حضرت ابو بحریہ کندیؒ فرماتے ہیں کہ ایک دن حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ باہر تشریف لائے تو دیکھا کہ ایک مجلس ہے جس میں حضرت عثمان بن عفان رضی اللہ عنہ بھی ہیں۔ حضرت عمر نے فرمایا تمہارے ساتھ ایک ایسا آدمی بیٹھا ہوا ہے کہ اگر اس کا ایمان کسی بڑے لشکر میں تقسیم کیا جائے تو ان سب کو کافی ہو جائے گا۔ اس سے حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی مراد حضرت عثمان بن عفان رضی اللہ عنہ تھے۔ (اخرجہ ابن عساکر کذا فی المنتخب ۸/۵)

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ کے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کس طرح مسجدوں میں نمازوں کے لئے جمع ہوتے تھے خود انہیں نمازوں کا کتنا شوق تھا اور دوسروں کو نماز کی کتنی ترغیب دیتے تھے اور نمازوں کے اوقات کے بدلنے سے وہ یہ سمجھتے تھے کہ ہمارا اصل کام ایک حکم خداوندی سے دوسرے حکم میں اور ایک عمل صالح سے دوسرے عمل میں لگنا ہے اور انہیں ان اعمال کا حکم دیا جاتا تھا کہ وہ ایمان اور ایمانی صفات کو پکا کریں علم اور علم والے اعمال کو پھیلائیں اور اللہ کے ذکر کو زندہ کریں اور دعا کو اور اس کی قبولیت کی شرائط کو قائم کریں چنانچہ وہ کس طرح سے ان اعمال کی وجہ سے اپنے دنیاوی مشاغل کو چھوڑ دیا کرتے تھے ایسا معلوم ہوتا تھا کہ انہیں ظاہری شکلوں کی طرف کوئی توجہ نہیں ہے بلکہ وہ تو اس ذات سے براہ راست فائدہ حاصل کرتے ہیں جو تمام چیزوں اور شکلوں کو پیدا کرنے والی اور ان میں تصرف کرنے والی ہے۔

ایمان کیلئے حضرت سلمان رضی اللہ عنہ کا سفر

ابوالطفیل عامر بن واثلہ نے بیان کیا مجھ سے حضرت سلمان فارسی رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے بیان کیا کہ میں جی والوں میں سے تھا اور میرے قصبہ والے چتکبرے گھوڑے کی عبادت کرتے تھے اور میں سمجھتا تھا کہ یہ کسی حقیقت پر نہیں مجھے بتایا گیا جس دین کا تو طلب گار وہ مغرب کی سمت میں ہے تو میں نکل پڑا حتیٰ کہ میں موصل کی سرزمین کے قریب پہنچ گیا میں نے وہاں کے سب سے بڑے عالم کے بارے میں پوچھا تو مجھے ایک عبادت خانہ میں رہنے والے ایک آدمی کا بتایا گیا میں اس کے پاس گیا اور اس سے کہا میں مشرق کا آدمی ہوں اور خیر کی طلب میں آیا ہوں۔ اگر آپ مناسب سمجھیں تو میں آپ کے ساتھ رہ کر آپ کی خدمت کروں اور اللہ تعالیٰ نے جو علم آپ کو عطا فرمایا ہے آپ مجھے سکھائیں؟ اس نے کہا درست ہے پھر اس نے میرے لئے غلہ سرکہ اور زیتون جاری کرا دیا جیسا اس کے لئے جاری تھا اس طرح جب تک اللہ تعالیٰ نے چاہا میں اس کے ساتھ رہا پھر اس کی موت آپڑی جب اس کا انتقال ہونے لگا تو میں اس کے سرہانے بیٹھ کر رونے لگا۔ اس نے کہا کس وجہ سے روتے ہو؟ میں نے کہا میں نے خیر کی تلاش میں اپنا وطن چھوڑا تو اللہ تعالیٰ نے مجھے آپ کی صحبت عطا کی اور آپ نے مجھے اچھے طریقہ سے رکھا اور جو علم اللہ تعالیٰ نے آپ کو عطا کیا

ہے آپ نے وہ مجھے سکھایا اوراب آپ پر موت طاری ہورہی ہے اور میں نہیں جانتا کہ اب میں کہاں جاؤں؟ اس نے کہا تم فلاں فلاں مقام پر میرے بھائی کے پاس چلے جانا اور اسے میرا سلام کہہ کر اسے بتانا کہ میں نے تمہیں اس کی طرف آنے کی وصیت کی تھی اور اسی کی صحبت میں رہنا بے شک وہ حق پر ہے۔ پس جب وہ فوت ہوگیا تو میں چل پڑا حتیٰ کہ وہاں پہنچ گیا جہاں کا اس نے مجھے بتایا تھا۔ میں نے کہا آپ کا فلاں بھائی آپکو سلام کہتا تھا اس نے کہا اور اس پر بھی سلام ہو۔ اس کا کیا ہوا؟ میں نے کہا وہ فوت ہوگیا ہے اور میں نے پورا قصہ سنایا پھر اسے بتایا کہ اس نے مجھے آپ کی صحبت میں رہنے کا حکم کیا تھا چنانچہ اس نے مجھے قبول کرلیا اور اچھے طریقہ سے رکھا اور مجھ پر اسی طرح کا (سامان ضرورت) جاری کرا دیا جیسا دوسروں کے لئے مقرر تھا۔ جب اسے موت آنے لگی تو میں اس کے سرہانے بیٹھ کر رونے لگا تو اس نے پوچھا تجھے کیا چیز رلاتی ہے؟ میں نے جواب دیا۔ میں اپنے ملک سے آیا اور اللہ تعالیٰ نے مجھے فلاں کی صحبت عطا کردی اور اس نے مجھے اچھے طریقہ سے رکھا اور جو اللہ تعالیٰ نے اسے علم عطا کیا تھا اس نے مجھے سکھایا۔ پھر جب اس کی موت آنے لگی تو اس نے مجھے آپ کی طرف آنے کی وصیت کی۔ چنانچہ آپ نے مجھے اچھے طریقہ سے رکھا اور اللہ تعالیٰ نے جو علم آپ کو عطا کیا ہے وہ مجھے سکھایا اور اب آپ کی موت آنے لگی ہے تو میں نہیں جانتا کہ میں کہاں جاؤں؟ اس نے کہا تم روم میں داخل ہونے کے راستہ کے مقام پر میرے بھائی کے پاس چلے جانا اس کے پاس جاکر اسے میرا سلام کہنا اور بتانا کہ میں نے تمہیں اس کی صحبت میں رہنے کا حکم دیا ہے۔ پھر تم اسی کی صحبت میں رہنا کیونکہ وہ حق پر ہے۔

جب وہ فوت ہوگیا تو میں چل پڑا حتیٰ کہ جو آدمی اس نے بتایا تھا وہاں پہنچ گیا اور اس سے کہا آپ کا فلاں بھائی آپ کو سلام کہتا تھا اس نے کہا وعلیہ السلام اس کا کیا حال ہے؟ میں نے کہا وہ فوت ہوگیا ہے اور اسے اپنا سارا قصہ سنایا اور بتایا کہ اس نے مجھے آپ کی صحبت میں رہنے کا حکم کیا ہے تو اس نے مجھے قبول کرلیا اور مجھے اچھے طریقہ سے رکھا اور جو علم اللہ تعالیٰ نے اسے دیا تھا مجھے سکھایا۔

جب اس کو موت آنے لگی تو میں اس کے سرہانے بیٹھ کر رونے لگا اس نے پوچھا کس وجہ سے روتے ہو؟ میں نے اسے اپنا قصہ سنایا پھر کہا مجھے اللہ تعالیٰ نے آپ کی صحبت

عطا کی اور اب آپ کو موت آ رہی ہے اور میں نہیں جانتا کہ میں کہاں جاؤں؟ اس نے کہا کہیں نہ جانا کیونکہ اب حالت یہ ہے کہ میں کسی آدمی کو نہیں جانتا خود حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے دین پر باقی ہو لیکن یہ تہامہ کی سرزمین میں ایک نبی کے آنے کے حالات ہیں ۔لہٰذا تم میرے حجرہ میں رہنا اور جو بھی تاجر تیرے پاس سے گزرے اس سے پوچھنا اور روم میں جانے کے لئے اہل حجاز کے تاجروں کا راستہ وہی تھا۔لہٰذا اہل حجاز میں سے جو تیرے پاس آئے اس سے پوچھنا کیا تم میں سے کسی نے نبوت کا دعویٰ کیا ہے؟ پس جب وہ تجھے بتائیں کہ ان میں وہ شخصیت آ چکی ہے تو اس کے پاس چلا جانا وہ وہی ہے جس کی حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے خوشخبری دی تھی اور اس کی نشانی یہ ہے کہ اس کے دونوں کندھوں کے درمیان مہر نبوت ہوگی اور وہ ہدیہ سے کھائے گا۔صدقہ نہیں کھائے گا۔

چنانچہ اس کا انتقال ہو گیا اور میں اس کی جگہ پر رہا جو بھی میرے پاس سے گزرتا میں اس سے پوچھتا کہ تم کون سے علاقہ سے آئے ہو۔ یہاں تک کہ مکہ والوں میں سے کچھ لوگ میرے پاس سے گزرے تو میں نے ان سے پوچھا کون سے ملک سے آئے ہو؟ انہوں نے کہا حجاز سے ۔میں نے پوچھا تم میں کوئی ایسا آدمی سامنے آیا ہے جو سمجھتا ہو کہ میں نبی ہوں؟ انہوں نے کہا ہاں میں نے کہا کیا تمہیں یہ منظور ہے میں تم میں سے کسی کا اس شرط پر غلام بن جاؤں کہ وہ مجھے اپنے پیچھے سواری پر بٹھا لے اور مجھے بچے کھچے ٹکڑے کھلاتا رہے اور اس طرح مکہ پہنچا دے جب وہ مجھے مکہ لے جائے تو اس کی مرضی ہے چاہے تو مجھے بیچ دے اور چاہے تو اپنے پاس رکھے۔ان میں سے ایک نے کہا میں تیار ہوں تو میں اس کا غلام ہو گیا وہ مجھے اپنے ساتھ بٹھانے لگا اور ٹکڑے کھلانے لگا حتیٰ کہ میں مکہ آ گیا۔ جب میں مکہ آ گیا تو اس نے مجھے دو حبشیوں کے ساتھ اپنے باغ میں ٹھہرا دیا پھر میں ایک دفعہ نکلا اور مکہ میں گھوما تو میرے ملک والوں کی ایک خاتون ملی تو میں نے اس سے پوچھا اور گفتگو کی۔ معلوم ہوا کہ اس کے غلام اور گھر والے سب مسلمان ہو چکے ہیں اور میں نے اس سے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے بارے میں سوال کیا تو اس نے بتایا کہ جب مکہ کی چڑیاں چہکتی ہیں تو آپ اپنے اصحاب کے ساتھ حطیم میں بیٹھتے ہیں حتیٰ کہ جب فجر روشن ہو جاتی ہے تو متفرق ہو جاتے ہیں تو میں اس رات آتا جاتا رہا اس وجہ سے کہ میرے ساتھی کہیں مجھے غائب نہ

سمجھیں۔ انہوں نے پوچھا تمہیں کیا ہے؟ میں نے کہا میرے پیٹ میں تکلیف ہے پس جب وہ گھڑی آئی جس کا اس نے مجھے بتایا تھا کہ اس میں آپ تشریف فرما ہوتے ہیں تو میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوا تو آپ حطیم میں اپنی چادر کمر و گھٹنوں کے گرد باندھ کر بیٹھے تھے اور آپ کے اصحاب سامنے بیٹھے تھے۔ میں آپ کے پیچھے سے گیا تو آپ نے میرا مقصد جان لیا اور اپنی چادر چھوڑ دی اور وہ گر پڑی تو میں نے آپ کے کندھوں کے درمیان مہر نبوت دیکھ لی۔ میں نے دل میں کہا اللہ اکبر یہ ایک نشانی ہوگئی۔

پھر جب اگلی رات آئی تو میں اسی طرح کیا جب گذشتہ رات کیا تھا تا کہ میرے ساتھی مجھے نہ ٹوکیں۔ میں نے کچھ کھجوریں جمع کیں اور جب نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی تشریف آوری کا وقت آیا میں نے کھجوریں آپ کے سامنے رکھ دیں۔ آپ نے دریافت فرمایا یہ کیا ہے میں نے کہا صدقہ ہے۔ آپ نے اپنے اصحاب سے فرمایا کھاؤ! اور اپنا ہاتھ نہ بڑھایا میں نے دل میں کہا اللہ اکبر یہ دو نشانیاں پوری ہوگئیں جب اگلی رات آئی تو میں کچھ کھجوریں جمع کیں پھر آپ جس وقت تشریف رکھتے تھے اس میں آیا اور کھجوریں آپ کے سامنے رکھ دیں۔ آپ نے پوچھا یہ کیا ہے؟ میں نے عرض کیا ہدیہ ہے تو آپ نے بھی تناول فرمائیں اور اصحاب نے بھی۔ میں نے کہا اشھد ان لا الٰہ الا اللہ وانک رسول اللہ (میں گواہی دیتا ہوں کہ اللہ تعالیٰ کے سوا کوئی معبود نہیں اور آپ اللہ تعالیٰ کے رسول ہیں) تب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے میرا ماجرا دریافت فرمایا تو میں نے آپ کو بتا دیا اس وقت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مجھ سے فرمایا ''جا اور اپنے آپ کو خرید لے'' میں اپنے مالک کے پاس گیا اور کہا تم مجھے بیچ دو۔ اس نے کہا درست ہے میں تجھے تیرا نفس اس کے عوض بیچتا ہوں کہ تو مجھے کھجور کے سو درخت کاشت کر دے جب وہ پھل اٹھائیں اور ان کا پھل واضح ہو جائے تو گٹھلی کے برابر سونا لا دے۔ میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوا اور آپ کو بتایا آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اس نے جو مانگا ہے وہ دینے کا وعدہ کر لو اور میرے پاس اس کنوئیں کے پانی کا ایک ڈول لاؤ جس سے اس باغ کو پانی دیا جاتا ہے۔ پھر میں مالک کے پاس گیا اور اس سے اپنا آپ خرید لیا اور جو اس نے مانگا تھا اس کی شرط منظور کر لیا اور اس

کنوئیں کے پانی کا ایک ڈول لایا جس سے باغ کو سیراب کیا جاتا تھا۔ وہ پانی نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں لایا تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس میں میرے لئے دعا فرمائی اور میں نے جا کر اس پانی سے درختوں کو لگایا۔ اللہ کی قسم ان سے ایک درخت بھی ضائع نہیں ہوا۔ پھر جب کھجوروں کا پھل واضح ہو گیا میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوا اور انہیں خبر دی کہ کھجوروں کا پھل واضح ہو چکا ہے تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے میرے لئے گٹھلی کی مقدار سونا منگایا اور مجھے عطا فرمایا۔ میں اس سونے کو اپنے مالک کے پاس لے گیا اور اسے ترازو کے ایک پلہ میں رکھا اور اس نے اپنی گٹھلی دوسرے پلہ میں رکھی۔ اللہ کی قسم وہ پلہ زمین سے نہ اٹھا پھر (بقایا کو) میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں لے گیا تو فرمایا اگر تم اس سے اتنے اتنے وزن کی شرط کر لیتے تو بھی یہ ٹکڑا اس پر بھاری ہو جاتا پھر میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آ گیا اور آپ کے ساتھ رہنے لگا۔

ابوالطفیل البکری کہتے ہیں حضرت سلمان الخیر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے بتلایا کہ وہ اصبہان کے شہر جی کے رہنے والے تھے۔ میں رہ رہا تھا کہ اللہ تعالیٰ نے میرے دل میں ڈالا کہ آسمانوں اور زمین کو کس نے پیدا کیا؟ تو میں ایک آدمی کے پاس گیا جو لوگوں سے بات نہیں کرتا تھا۔ بات کرنے سے تنگ ہوتا تھا۔ میں نے اس سے پوچھا کون سا دین افضل ہے؟ اس نے کہا تم یہ بات کیوں پوچھتے ہو۔ کیا تو اپنے والد کے علاوہ کوئی اور دین اختیار کرنا چاہتا ہے؟ میں نے کہا نہیں لیکن میں یہ جاننا چاہتا ہوں کہ آسمانوں اور زمین کا رب کون ہے اور افضل دین کون سا ہے؟ اس نے کہا میں اس کے جواب کے لئے موصل کے راہب کے علاوہ کسی کو مناسب نہیں جانتا تو میں اس راہب کی طرف چل پڑا۔ وہاں پہنچا تو دیکھا کہ وہ دنیا سے کنارہ کش ہو چکا ہے دن کو روزہ رکھتا ہے اور رات کو عبادت کرتا ہے۔ میں بھی اسی کی طرح عبادت کرنے لگا اور اس کے ہاں تین سال رہا پھر اس کا انتقال ہونے لگا تو میں نے پوچھا مجھے تم کس کے ہاں جانے کی وصیت کرتے ہو؟ کہا میں اہل مشرق میں سے کسی کو اس راہ پر نہیں پاتا جس پر میں ہوں لہٰذا تم اس جزیرہ سے آگے ایک راہب ہے تم اس کے پاس جانا اور اسے میرا اسلام کہنا پس میں اس کے پاس گیا اور اسے اس کے سلام

پہنچائے اور بتایا کہ وہ فوت ہو گیا ہے۔ اس کے ہاں بھی میں تین سال رہا پھر وہ فوت ہونے لگا تو میں نے پوچھا۔ آپ مجھے کس کے پاس جا رہنے کا حکم فرماتے ہیں؟ کہا میں زمین والوں میں سے کسی کو اس راہ پر نہیں پاتا جس پر میں ہوں سوائے عموریہ کے ایک راہب کے جب بہت بوڑھا ہے اور میں نہیں سمجھتا کہ تو اس کے پاس پہنچ پائے گا یا نہیں؟ پس میں اس کے پاس گیا میں اس کے ہاں ٹھہرا وہ تو بڑا خوشحال آدمی تھا۔ جب اس کی وفات کا وقت آیا۔ میں نے اس سے پوچھا آپ مجھے کہاں جانے کی وصیت کریں گے؟ اس نے کہا میں زمین والوں میں سے کسی کو اس دین پر نہیں پاتا جس پر میں ہوں لیکن تو ایسا زمانہ پائے گا جس میں ایک آدمی حضرت ابراہیم علیہ السلام والے گھر سے نکلے گا اور میں نہیں سمجھتا کہ تو اس کا زمانہ پائے گا۔ لیکن میں امید رکھتا ہوں کہ میں اسے پاؤں گا۔ لہٰذا اگر تو اس کے ساتھ ہونے پر قادر ہو سکے تو کر لینا کیونکہ سچا دین اسی کا ہوگا اور اس کی نشانی یہ ہے کہ اس کی قوم کہے گی یہ جادوگر و مجنون اور کاہن ہے اور وہ نبی ہدیہ کے مال سے کھائے گا صدقہ سے نہیں کھائے گا اور اس کے کندھے کی نرم ہڈی کے پاس نبوت کی مہر ہوگی۔ پس میں ان حالات میں تھا کہ مدینہ سے ایک قافلہ آیا۔ میں نے پوچھا تم کون ہو؟ انہوں نے کہا ہم مدینہ والوں میں سے ہیں اور ہم تجارت پیشہ لوگ ہیں ہمارا گزر بسر تجارت سے ہوتا ہے لیکن حضرت ابراہیم علیہ السلام والے گھر سے ایک آدمی نمودار ہوا اور وہ اپنی قوم سے لڑائی کرتا ہوا ہمارے ہاں آیا ہے ہمیں اندیشہ ہوا کہ وہ آدمی ہماری تجارت میں رکاوٹ نہ بن جائے لیکن اس نے مدینہ کو سنبھال لیا ہے۔ میں نے پوچھا لوگ اس کے بارے میں کیا کہتے ہیں؟ انہوں نے کہا لوگ کہتے ہیں یہ جادوگر ہے۔ مجنون ہے اور کاہن ہے۔ میں نے کہا یہ تو یہی نشانی ہے تم مجھے اپنے امیر سے ملواؤ تو میں اس کے پاس گیا اور اس سے کہا مجھے مدینہ تک لے چلو۔ اس نے کہا تو مجھے کیا دے گا؟ میں نے کہا میں آپ کو دینے کے لئے کوئی چیز نہیں رکھتا سوائے اس کے کہ میں آپ کا غلام ہوں۔ اس پر وہ مجھے سوار کر کے ساتھ لے گیا جب مدینہ آ گیا تو اس نے مجھے کھجوروں کے باغ میں رکھ لیا اور میں اس کے باغ کو پانی دیتا تھا جیسے اونٹ پانی کھینچتا ہے حتیٰ کہ اس وجہ سے میری پیٹھ اور سینہ زخمی ہو گئے اور مجھے کوئی آدمی نہیں ملتا تھا جو میری بات سمجھے حتیٰ کہ ایک فارسی بڑھیا پانی لینے آئی۔ اس سے میں نے بات کی تو وہ میری بات

سمجھ گئی تب میں نے اس سے کہا وہ آدمی کہاں ہے جو (نیا دین لیکر) آیا ہے؟ مجھے اس کا پتہ بتا۔ اس نے کہا وہ صبح سویرے تیرے پاس سے گزرے گا جبکہ وہ دن کے شروع میں صبح کی نماز پڑھتا ہے۔ پس میں گیا اور کھجوریں جمع کیں جب صبح ہوئی تو میں گیا اور کھجوریں انہیں پیش کیں۔ انہوں نے پوچھا یہ کیا ہے صدقہ ہے یا ہدیہ ہے؟ میں نے اشارہ کیا کہ صدقہ ہے تو فرمایا ان کے پاس لے جاؤ۔ آپ کے اصحاب آپ کے پاس بیٹھے تھے۔ انہوں نے کھائیں آپ نے نہ کھائیں۔ میں نے کہا یہ نشانی پوری ہوگئی۔ جب اگلا دن تھا تو میں کھجوریں لے گیا۔ پوچھا یہ کیا ہے؟ میں نے کہا یہ ہدیہ ہے تو آپ نے تناول فرمائیں اور اپنے اصحاب کو بلایا انہوں نے بھی کھائیں پھر آپ نے مجھے مہر نبوت دیکھنے کی کوشش کرتے دیکھا تو سمجھ گئے اور اپنی چادر مبارک ہٹادی۔ میں مہر نبوت کو چومنے اور چمٹنے لگا تو فرمایا تجھے کیا۔ آپ نے پوچھا تو میں نے اپنا واقعہ سنا دیا پھر فرمایا تم نے ان سے شرط کی تھی کہ تم ان کے غلام ہو۔ اب اپنے آپ کو ان سے خرید لو۔ تو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اسے تین سو کھجور کے درختوں کے لگانے اور چالیس اوقیہ سونے کے بدلہ خرید لیا کہ اس کے بعد وہ آزاد ہوگا۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا پودے لگاؤ تو حضرت سلمان نے لگا دیئے پھر جا کر کنوئیں میں ڈول ڈالو جب وہ بھر جائے تو کھینچ لو۔ پس جب ڈول بھرتا تو خود بخود اوپر اٹھ آتا پھر پودوں کی جڑوں میں ڈال۔ حضرت سلمان نے ایسا ہی کیا تو بہت جلدی پودے لگ گئے سب نے کہا سبحان اللہ ہم نے اس جیسا غلام نہیں دیکھا۔ بے شک اس غلام کی عجیب شان ہے اور لوگ اس پر جمع ہو گئے پھر نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت سلمان کو سونے کی ایک ٹکڑی دی تو اس میں سے چالیس اوقیہ سونا تھا۔

ابوالنہدی کہتے ہیں کہ حضرت سلمان فارسی رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے بتایا کہ مجھے دس سے زیادہ مالکوں نے خریدا و بیچا۔ (۳۱۳ روشن ستارے)

عدالت فاروقی میں ایک ایمان افروز واقعہ

امیر المومنین حضرت عمر فاروق رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی عدالت عالیہ میں ایک مقدمہ پیش ہوا۔ دو خوبصورت نوجوان ایک نوجوان کو پکڑ کر حاضر ہوئے اور فریاد کی اے امیر المومنین اس

نوجوان نے ہمارے بوڑھے باپ کوقتل کردیا ہے۔اس ظالم قاتل سے ہماراحق دلوایئے۔آپؓ نے دعویٰ سننے کے بعد ملزم کی طرف دیکھااور دریافت فرمایا کہ تُو اپنی صفائی میں کیا کہتا ہے؟

ملزم نے عرض کی ہاں امیرالمومنین یہ جرم واقعی مجھ سے صادر ہوا ہے میں نے زور سے ایک پتھر اسے مارا تھا جس سے وہ ہلاک ہوگیا تھا۔ فاروق اعظمؓ نے فرمایا گویا تُو اپنے جرم کا اقرار کرتا ہے۔ملزم ہاں امیرالمومنین! یہ جرم واقعی مجھ سے صادر ہوا ہے۔آپؓ نے فرمایا پھر تم پر قصاص لازم ہوگیا اور اس کے عوض تمہیں قتل کیا جائے گا۔ملزم نے جواب دیا آقا مجھے آپؓ کے حکم اور شریعتِ مطہرہ کے فتوے سے انکار نہیں البتہ میں ایک گذارش کرنا چاہتا ہوں۔ ارشاد ہوا بیان کرو۔عرض کی تین دن کی مہلت چاہتا ہوں۔تین دن بعد حاضر خدمت ہو جاؤں گا۔ عظیم قائد نے کچھ دیر سر جھکا کر سوچا غور کے بعد سر اوپر اٹھایا اور فرمایا اچھا کون ضامن ہوگا تمہارا کہ تم واقعی وعدہ کو ایفا کرنے کے لئے تیسرے دن عدالت عالیہ میں حاضر ہو کر خون کا بدلہ خون سے دوگے۔عمر فاروقؓ کے اس ارشاد پر اس جوان رعنا نے پُر امید نظروں سے حاضرین مجلس کا جائزہ کے بعد حضرت ابوذر غفاریؓ کے متدین پُر نور چہرے پر نگاہیں گاڑتے ہوئے اشارہ کر کے کہا یہ میری ضمانت دیں گے۔ خلیفۃ الرسول نے ان سے دریافت فرمایا تو انہوں نے کہا بے شک میں ضمانت دیتا ہوں کہ نوجوان تین دن بعد تکمیل قصاص کے لئے عدالت میں حاضر ہو جائے گا۔اس ضمانت کے بعد ملزم کو چھوڑ دیا گیا۔

دو دن گزر گئے اور تیسرا دن آ گیا۔جلیل القدر صحابہ اور مشیران خلافت دربار میں جمع ہوئے۔دونوں مدعی بھی آ گئے۔حضرت ابوذر غفاریؓ بھی آ گئے اور ملزم کا بے قراری سے انتظار ہونے لگا۔جوں جوں وقت گزرتا جارہا تھا۔صحابہ کرامؓ کا اضطراب بڑھتا جارہا تھا کیونکہ ملزم ابھی تک نہیں پہنچا تھا اور وقت قریب آ رہا تھا اور صحابہؓ کو ابوذرؓ کی نسبت پریشانی ہونے لگی ایک دو مرتبہ مدعیوں نے بھی دریافت کیا مگر انہوں نے ہر مرتبہ یہی جواب دیا کہ اگر تین یوم گزر گئے اور ملزم نہ آیا تو میں اپنی ضمانت پوری کروں گا۔پریشانی کی کوئی بات نہیں۔

جب حاضرین پریشانی کی انتہا پر پہنچ گئے اور دہلا دینے والے انجام کے تصور سے سہم گئے کہ اچانک ایک طرف سے ملزم دربار میں آ حاضر ہوا اس کا جسم پسینے سے شرابور تھا۔

چہرے پر گرد جم چکی تھی۔ مسلسل بھاگنے سے اس کی سانس پھول گئی تھی اس نے آتے ہی سلام کیا اور عرض کی اللہ تعالیٰ کا جو حکم ہے، بجالایا جائے۔ امانت کی سپردگی: آپ رضی اللہ عنہ کے دریافت کرنے پر ملزم نے بتایا کہ میں ایک امانت امانت والے کے سپرد کرنے گیا تھا۔ واقعہ یوں ہے کہ میرا ایک چھوٹا بھائی ہے۔ والد فوت ہو گیا موت سے پہلے اس نے میرے پاس میرے چھوٹے بھائی کے لئے کچھ سونا رکھا تھا اور وصیت کی تھی کہ جب وہ جوان ہو جائے تو اس کے سپرد کر دینا۔ میں وہ سونا ایک جگہ رکھ آیا تھا جس کا مجھے ہی علم تھا اس لئے میں وہ سونا اس کے سپرد کرنے گیا تھا۔ الحمدللہ میں نے امانت اس کے سپرد کر دی جس کی وہ تھی۔

امیر المومنین رضی اللہ عنہ نے ابوذر غفاری رضی اللہ عنہ سے پوچھا کہ آپ نے اس کی ضمانت کیوں دی تھی کیا یہ آپ کا واقف تھا؟

انہوں نے کہا کہ میرا اس سے کوئی تعلق نہ تھا صرف یہ بات تھی کہ جب اس نے پُر امید نگاہوں سے میری طرف دیکھا تو مجھے خیال آیا کہ اگر بھرے مجمع میں بھی میں اس کی ضمانت نہ دوں تو کل قیامت کے دن رب العزت کے سامنے شرمندہ ہونا پڑے گا کہ اتنے آدمیوں میں سے کوئی بھی اس کا ضامن نہ بن سکا۔ اس لئے میں نے اس کی ضمانت دی حالانکہ میں اسے بالکل نہ جانتا تھا نہ مجھے یہ معلوم ہے کہ یہ کہاں رہتا ہے بس اس کی ظاہری شرافت نے مجھے یقین دلا دیا تھا کہ وعدہ کا پکا ہے اور میں نے ضمانت دے دی ۔ یہ بات سن کر حاضرین محفل اشک آلود ہو گئے مدعیوں نے التجا کی کہ اے امیر المومنینؓ! ہم نے اپنے باپ کا خون معاف کر دیا۔ (ماہنامہ ''محاسن اسلام'' ملتان)

ایک بچے کا ایمان پوری قوم کی ہدایت کا ذریعہ بنا

لڑکے کی راہب سے ملاقات

بادشاہ کے محل اور ساحر کے مکان کے درمیان ایک راہب یعنی حق پرست عیسائی عابد رہتا تھا اس زمانہ میں حضرت عیسیٰ علیہ السلام ہی کا دین دین حق تھا۔ اور یہ راہب اسی پر قائم تھا اور عبادت گزارتا تھا۔ ایک مرتبہ لڑکا اس راہب کے پاس چلا گیا اور اس کی باتوں اور اس کے طریقوں کو دیکھ کر بہت مسرور ہوا اور اس کے پاس آنے جانے لگا۔ تو اب ساحر اور بادشاہ کے ہاں مقررہ وقت میں آمد ورفت میں تاخیر ہونے پر وہ لڑکے پر برافروختہ اور ناراض ہوئے۔ لڑکے نے راہب سے اس کی شکایت کی۔ راہب نے کہا کہ اس معاملہ کے مخفی رکھنے کی صرف یہ صورت ہے کہ جب بادشاہ باز پرس کرے تو یہ عذر کر دینا کہ ساحر کے ہاں دیر ہوگئی اور جب ساحر ناراض ہو تو یہ کہہ دینا کہ بادشاہ کے پاس تاخیر ہوگئی۔

راہب کے سچے ہونے کا ثبوت

غرض یہ سلسلہ کچھ عرصہ تک یونہی جاری رہا کہ ایک مرتبہ لڑکے نے دیکھا کہ راہ میں ایک بہت ہیبت ناک اور عظیم الجثہ درندہ لوگوں کی راہ روکے ہوئے ہے اور کسی کو یہ جرات نہیں ہوتی کہ وہ اس کے سامنے سے گزر جائے۔ لڑکے نے سوچا کہ یہ بہترین وقت ہے اس بات کا کہ میں جانچ کروں آیا ساحر کا مذہب سچا ہے یا راہب کا دین۔ یہ سوچ کر اس نے ایک پتھر اٹھایا اور کہنے لگا خدایا اگر تیرے نزدیک ساحر کے مقابلہ میں راہب کا دین سچا ہے تو میرے اس پتھر سے اس جانور کو ہلاک کردے یہ کہہ کر اس نے جانور کو پتھر مارا۔ پتھر کا لگنا تھا کہ وہ وہیں ہلاک ہوگیا۔ لڑکا چل دیا اور راہب سے سارا ماجرا جا کر سنایا۔ راہب نے کہا مجھے ڈر ہے کہ تم آزمائش میں ڈالے جاؤ گے۔ دیکھو وہ وقت آئے تو میرا ذکر نہ کرنا۔

لڑکے کی کرامات

لوگوں نے لڑکے کی اس جرأت کو دیکھ کر چرچا کیا اور کہنے لگے کہ اس کو عجیب غریب علم آتا ہے۔ یہ سن کر اس کے پاس اندھے اور کوڑھی آنے لگے اور انہوں نے کہا کہ اپنے علم کے زور سے ہم کو اچھا کر دو وہ خدا کے فضل سے اچھا کر دیتا تھا۔ بادشاہ کا ایک درباری مصاحب نابینا ہو گیا تھا اس نے جو لڑکے کا چرچا سنا تو تحفہ تحائف کا بہت بڑا سامان لے کر اس کے پاس آیا اور تحفے پیش کرتے ہوئے بینا کر دینے کی درخواست کی۔ لڑکے نے جواب دیا میں کچھ نہیں ہوں اور نہ مجھ میں یہ طاقت ہے بلکہ شافی مطلق تو خدائے واحد ہے پس اگر تو ایمان لے آئے اور اس واحد یکتا کے سوا کسی کی پرستش نہ کرے تو میں ضرور تیری سفارش کے لئے دعا کروں گا۔ درباری یہ سن کر خدائے واحد پر ایمان لے آیا اور بت پرستی سے تائب ہو کر دین عیسوی جو اس وقت دین حق تھا اختیار کر لیا۔ اللہ تعالیٰ نے اس کو شفا عطا فرمائی اور وہ بینا ہو گیا۔

لڑکے کے ایمان کی خبر بادشاہ تک پہنچ گئی

اگلے دن جب وہ بادشاہ کے دربار میں حاضر ہوا تو بادشاہ نے نابینا کو بینا پایا۔ تب بادشاہ نے سوال کیا کہ اپنے بینا ہونے کی حقیقت بیان کر۔ اس نے جواب دیا میرے رب نے مجھ کو شفا بخش دی۔ کافر بادشاہ نے کہا تیرا رب تو میں ہوں۔ کیا میں نے تجھ کو اچھا کر دیا؟ درباری نے جواب دیا نہیں۔ تیرے اور میرے کل جہان کے پروردگار نے اچھا کر دیا۔ بادشاہ نے غصہ میں آ کر کہا کیا میرے سوا بھی کوئی تیرا رب ہے؟۔ درباری نے کہا ہاں۔ اللہ تیرا اور میرا دونوں کا رب ہے۔ تب بادشاہ نے اس درباری کو طرح طرح کے عذاب میں مبتلا کیا۔ آخر اس درباری نے لڑکے کا ماجرا کہہ سنایا۔

لڑکے کی آزمائش اور کامیابی

بادشاہ نے لڑکے کو بلایا اور اس سے کہا مجھے معلوم ہوا ہے کہ تو سحر کے ذریعہ سے اندھوں کو بینا اور مبروص و جذامی کو شفا دیتا ہے۔ لڑکے نے کہا مجھ میں یہ طاقت کہاں۔ یہ تو اللہ تعالیٰ رب العالمین کے شفا دینے سے شفایاب ہوتے ہیں۔ بادشاہ نے کہا کیا میرے علاوہ بھی تیرا اور کوئی رب ہے؟ لڑکے نے کہا وہ خدا جو واحد یکتا ہے۔ تیرا اور میرا دونوں کا

رب ہے۔ تب بادشاہ نے اس لڑکے کو عذاب میں مبتلا کرنا شروع کر دیا۔ آخر اس نے راہب سے متعلق تمام واقعہ کہہ سنایا۔ تب بادشاہ نے راہب کو بلایا اور اس کو مجبور کیا کہ وہ دین حق سے پھر جائے۔ مگر راہب نے کسی طرح اس کو قبول نہیں کیا۔ تب بادشاہ نے راہب کے سر پر آرا چلوادیا اور اس طرح اس کو شہید کر ڈالا۔

لڑکے کو قتل کرنے میں بادشاہ کی ناکامی

اب لڑکے سے کہا کہ تو راہب کے دین سے پھر جا۔ لڑکے نے بھی صاف انکار کر دیا تو بادشاہ نے حکم دیا کہ اس کو پہاڑ کی چوٹی پر لے جا کر وہاں سے گرادو کہ پاش پاش ہو جائے۔ جب سرکاری آدمی لڑکے کو پہاڑ پر لے کر چڑھے تو لڑکے نے دعا کی۔ الٰہی تو ان لوگوں کے مقابلہ میں میرے لئے کافی ہو جا۔ چنانچہ اسی وقت پہاڑ زلزلہ میں آ گیا اور سرکاری آدمی گر گر ہلاک ہو گئے اور لڑکا صحیح سالم بچ کر بادشاہ کے سامنے حاضر ہو گیا۔ بادشاہ نے یہ دیکھا تو کہا کہ تیرے ساتھ والے کہاں گئے۔ لڑکے نے کہا خدا نے ان کے مقابلہ میں میری مدد کی۔ تب بادشاہ نے غضبناک ہو کر حکم دیا کہ اس کو لے جاؤ اور دریا میں لے جا کر غرق کر دو۔ سرکاری آدمی اس کو دریا کے بیچ میں لے کر پہنچے تو لڑکے نے پھر وہی دعا کی۔ خدایا ان سے مجھ کو نجات دے۔ فوراً ہی دریا میں جوش آیا اور وہ سب غرق ہو گئے اور لڑکا بچ گیا اور صحیح سلامت بادشاہ کے سامنے جا کھڑا ہوا۔ بادشاہ نے پھر وہی سوال کیا اور لڑکے نے پھر وہی جواب دیا۔

لڑکے کی شہادت اور پوری قوم کا مسلمان ہونا

اب لڑکے نے کہا کہ اے بادشاہ اس طرح تو مجھ پر ہرگز کامیابی حاصل نہیں کر سکتا البتہ جو ترکیب میں بتاؤں اگر اس کو اختیار کرے تو بے شک تو مجھ کو قتل کر سکتا ہے۔ بادشاہ نے لڑکے سے وہ تدبیر دریافت کی۔ لڑکے نے کہا تو شہر کی تمام مخلوق کو بلند جگہ پر جمع کر جب سب جمع ہو جاویں تو اس وقت مجھ کو درخت پر لٹکا دینا اور میرے ترکش سے تیر لے کر اور یہ پڑھ کر میرے سینہ پر تیر مارنا۔ بسم اللہ رب الغلام اللہ کے نام پر جو اس لڑکے کا پروردگار ہے تب میں مر سکتا ہوں۔ بادشاہ نے لڑکے کے قول پر عمل کیا اور جب تمام شہر جمع ہو گیا تو لڑکے کو سولی پر لٹکا کر اور لڑکے کی بتائی ہوئی عبارت پڑھ کر اس کے تیر مارا اور لڑکا تیر کھا کر جاں بحق ہو گیا۔ مخلوق نے جو

یہ دیکھا تو سب نے ایک دم بآواز بلند نعرہ لگایا۔ امنا برب الغلام۔ امنا برب الغلام ہم لڑکے کے پروردگار پر ایمان لے آئے اور سب نے دین عیسوی جو اس وقت دین حق تھا قبول کر لیا۔

قوم کو جلانے کے لئے خندقوں کا انتظام

بادشاہ پوری قوم کی یہ حالت دیکھ کر جامہ سے باہر ہو گیا اور اس نے حکم دیا کہ شہر کے ہر ایک محلّہ گلی کوچہ میں خندقیں کھودو اور ان میں خوب آگ دہکاؤ۔ پھر ہر محلّہ کے لوگوں کو جمع کرو اور ان سے کہو کہ اس دین سے باز آجائیں۔ جو باز آجائے اس کو چھوڑ دو اور جو انکار کرتا جائے اس کو دہکتی آگ میں ڈالتے جاؤ۔ لوگ جوق در جوق جمع ہوتے تھے اور دین حق سے باز نہ رہنے کا اقرار کرتے اور بخوشی دہکتی آگ میں ڈالے جاتے تھے اور اس جان گسل اور ہولناک نظارہ کو بادشاہ اور اس کے مصاحبین مسرت کے ساتھ دیکھ رہے تھے کہ ایک عورت لائی گئی جس کی گود میں شیر خوار بچہ تھا۔ عورت بچہ کی محبت میں جھجکی۔ فوراً بچہ نے کہا اماں صبر سے کام لے اور بے خوف خندق میں کود جا اس لئے کہ بلاشبہ تو حق پر ہے اور یہ ظالم باطل پر ہیں۔

اس قصہ کا درس

علامہ ابن کثیرؒ نے بحیثیت ایک مؤرخ یہ ثابت کیا ہے کہ بلاشبہ اس نوعیت کے متعدد واقعات پیش آچکے ہیں جو اپنے مفہوم، مراد اور مقصد کے لحاظ سے سب ہی اس سورۃ بروج کی آیات کے مصداق بن سکتے ہیں۔ اور تمام واقعات کا حاصل اگر تفصیلات اور جزئیات کو نظر انداز کر دیا جائے تو ایک ہی نکلتا ہے اور وہ یہ کہ حق پرست جماعت کے حصہ میں ابدی کامرانی اور سرمدی فوز و فلاح اور ظالم اور باطل پرست جماعت دنیا میں بھی خائب و خاسر ہے اور آخرت میں ابدی جہنم نصیب ہے۔ تو نزول قرآن کے وقت اہل عرب ان میں سے بعض یا کسی ایک واقعہ سے ضرور آگاہ ہوں گے۔ اس لئے کفار مکہ کو یہ آیات سنائی گئیں۔ جب کہ وہ مسلمانوں پر ہر طرح کے ظلم توڑ رہے تھے اور مکہ کے مشرکین سردار اپنی آنکھوں کے سامنے مظلوم مسلمانوں پر ظلم کرا رہے تھے۔ اگر انہوں نے اصحاب اخدود کے گذشتہ واقعات سے عبرت حاصل نہ کی اور اپنی حرکات سے باز نہ آئے تو ان کو بھی ہلاکت ولعنت خداوندی سے دوچار ہونا پڑے گا۔ (فوائد القرآن)

اتباع سنت کی برکت سے سلسلہ امدادیہ والوں کیلئے دوخوشخبریاں

حکیم الامت حضرت تھانوی رحمہ اللہ فرماتے ہیں حضرت حاجی صاحب کا واقعہ یاد آیا وہ فرماتے ہیں کہ مجھ پر کئی فاقے گزرے کوئی ذریعہ نہیں تھا ایک دوست متمول تھے ان سے میں نے کہا مجھے پانچ روپے قرض دے دیجئے انہوں نے انکار کر دیا۔

ع دیکھتا تھا میں' کہ تمہی نے اشارہ کر دیا

اس پر میں نے اللہ کی رضا پر راضی ہوتے ہوئے صبر کیا' میں نے سوچا اللہ تعالیٰ کو یونہی منظور ہے' آخر کار جب بھوک نے بہت ستایا تو میں نے دو پتھر اٹھائے پیٹ پر باندھ لئے' فرماتے ہیں کہ پتھر کا پیٹ پر باندھنا تھا کہ آنکھیں روشن ہوگئیں دل روشن ہوگیا۔ ایسے معلوم ہوا کہ جیسے دل پر سکینہ نازل ہو رہی ہے' یہ سب اتباع سنت کی وجہ سے تھا اس حالت میں مجھے بشارت ہوئی میں نے دیکھا کہ دونو جوان حسین وجمیل ایک ہاتھ دوسرے ہاتھ میں لئے ہوئے میری طرف سامنے سے مسکراتے ہوئے چلے گئے' حضرت کے خادموں نے کسی وقت پوچھا حضرت آپ نے کیا دیکھا ہے؟ فرمایا دونوں حضرت جبرائیل اور حضرت میکائیل تھے ان کی زیارت سے مجھے یہ بتلایا گیا کہ اللہ تعالیٰ مجھے الہامی مضامین القاء کریں گے' کیونکہ حضرت جبرائیل تمام انبیاء پر وحی لاتے تھے۔ حضرت میکائیل کی زیارت سے معلوم ہوا کہ مجھ پر فاقہ نہیں آئے گا' حضرت حاجی صاحب فرماتے ہیں کہ اس بشارت کے بعد مجھ پر کبھی فاقہ نہیں آیا نیز فرمایا کہ میں اللہ پر بھروسہ کرتے ہوئے کہتا ہوں کہ مجھ سے تعلق رکھنے والے اور میرے سلسلے میں داخل ہونے والوں کے رزق میں برکت ہوگی اور فاقہ کبھی نہیں آئے گا۔ نیز میرے سلسلے کے لوگوں کو اللہ تبارک وتعالیٰ علوم عطا فرمائیں گے

اور تیسری بات یہ ہے کہ ان شاء اللہ سب کا خاتمہ ایمان پر ہوگا۔ الحمدللہ اب تک تو یہی دیکھا ہے ایسا ہی ہو رہا ہے۔ خدا کرے ہمارے اور آپ سب کا معاملہ بھی ایسا ہی ہو، اللہ تعالیٰ نے ہمیں اس سلسلے سے جوڑ کر یہ دولت بے بہا عطا فرمائی اس لحاظ سے ہم بڑے خوش نصیب ہیں اپنے مقدر پر ہمیں ناز کرنا چاہئے یہ سب کچھ مقبول بندوں سے وابستگی کی وجہ سے ہے۔ باقی ہم میں صلاحیتیں وغیرہ کچھ نہیں۔ (انمول موتی جلد اول)

اللہ تعالیٰ کی مؤمن بندے سے عجیب سرگوشی

حضرت صفوان فرماتے ہیں کہ میں حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما کا ہاتھ تھامے ہوئے تھا کہ ایک شخص آیا اور اس نے کہا: آپ نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے مؤمن کی جو سرگوشی قیامت کے دن اللہ تعالیٰ سے ہوگی اس کے بارے میں کیا سنا ہے؟ آپ نے فرمایا رسالت مآب صلی اللہ علیہ وسلم سے میں نے سنا ہے کہ اللہ تعالیٰ مومن کو اپنے قریب بلائے گا، اور اپنا بازو اس پر رکھ دے گا اور لوگوں سے اسے پردے میں کر لے گا اور اس سے اس کے گناہوں کا اقرار کرائے گا اور پوچھے گا: یاد ہے فلاں گناہ تو نے کیا تھا؟ فلاں کیا تھا؟ یہ اقرار کرتا جائے گا، اور دل دھڑک رہا ہوگا کہ اب ہلاک ہوا۔ اتنے میں اللہ تعالیٰ فرمائے گا دیکھ دنیا میں، میں نے ان گناہوں کی پردہ پوشی کی، اور آج ان گناہوں کو معاف کرتا ہوں۔ پھر اسے اس کی نیکیوں کا اعمال نامہ دیا جائے گا۔ (تفسیر ابن کثیر جلد ۲ صفحہ ۳۸۲)

خاتمہ ایمان پر ہونے کا عجیب واقعہ

ابوزرعہ علم حدیث کے مشہور امام ہیں۔ ان کے انتقال کا واقعہ بھی عجیب ہے۔ ابوجعفر تستری کہتے ہیں کہ ہم جان کنی کے وقت ان کے پاس حاضر ہوئے اس وقت ابو حاتم، محمد بن مسلم، منذر بن شاذان اور علماء کی ایک جماعت وہاں موجود تھی ان لوگوں کو تلقین میت کی حدیث کا خیال آیا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد مبارک ہے۔ اپنے مُردوں کو لا الہ الا اللہ کی تلقین کیا کرو مگر ابوزرعہؒ سے شرما رہے تھے۔ اور ان کو تلقین کی ہمت نہ ہو رہی تھی۔ آخر سب نے سوچ کر یہ راہ نکالی کہ تلقین کی حدیث کا مذاکرہ کرنا چاہیے۔ چنانچہ محمد بن مسلم نے ابتداء کی حدثنا الضحاک بن مخلد عن عبدالحمید بن جعفر اور

اتنا کہہ کر رُک گئے باقی حضرات نے بھی خاموشی اختیار کی' اس پر ابوزرعہؒ نے اسی جان کنی کے عالم میں روایت کرنا شروع کیا حدثنا بندار حدثنا ابو عاصم حدثنا عبد الحمید بن جعفر عن صالح بن ابی عریب عن کثیر بن مرۃ الحضرمی عن معاذ بن جبل رضی اللہ عنه قال قال رسول اللّٰه صلی اللّٰه علیه وسلم " من کان آخر کلامه لا الٰه الا اللّٰه " اتنا کہہ پائے تھے کہ طائر روح قفس عنصری سے عالم قدسی کی طرف پرواز کر گیا' پوری حدیث یوں ہے " من کان آخر کلامه لآ اله الا اللّٰه دخل الجنة (یعنی جس کی زبان سے آخری الفاظ لا الٰه الا اللّٰه نکلے وہ جنت میں داخل ہوگا)

سبحان اللہ! کیا خوش نصیب تھے اور حدیث شریف سے ان سعید روحوں کو کیسا گہرا تعلق تھا کہ دمِ واپسیں تک علم وعمل کا ساتھ رہا ۔ جزاہم اللہ عنا وعن جمیع المسلمین الی یوم الدین ۔ (جواہر پارے)

مرزائیت سے توبہ کا ایمان افروز واقعہ

مولانا لال حسین اختر پہلے پکے قادیانی تھے بعد میں مسلمان ہو گئے ۔ایک بار ان سے کسی نے پوچھا" آپ مرزائیت سے کیسے تائب ہوئے؟" انہوں نے جواب دیا۔

ایک بار میں نے خواب دیکھا کہ ایک جگہ لوگ قطار میں کھڑے ہو رہے ہیں ۔ میں نے پوچھا کہ کیا بات ہے؟ مجھے بتایا گیا کہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم تشریف لائے ہوئے ۔آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی زیارت کے لیے بندوبست ہو رہا ہے ۔ یہ سن کر میں بھی قطار میں لگ گیا لوگ آہستہ آہستہ آگے بڑھ رہے تھے اور ہر آدمی کے سر کے اوپر ایک بلب روشن تھا میں نے اپنا سر اوپر کر کے دیکھا تو میرے سر کے اوپر بلب تو ہے ۔ مگر بجھا ہوا ہے میں بہت افسردہ اور شرمندہ ہوا کہ سب کے سروں پر بلب روشن ہیں ۔ میں ہی بدقسمت ہوں کہ میرا بلب بجھا ہوا ہے ۔اسی ندامت کے ساتھ میں آگے بڑھتا جارہا تھا ۔آخر میں بھی رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے حضور پہنچ گیا مگر بہت شرمندہ تھا۔

حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اوپر دیکھو میں نے دیکھا تو میرا بلب بھی روشن تھا آنکھ کھلی تو یقین ہو گیا کہ اب تک میرے ایمان کا بلب بجھا ہوا تھا ۔اب خاتم النبیین صلی اللہ علیہ وسلم کی نگاہ والتفات سے روشن ہو گیا ۔لہٰذا مرزائیت سے توبہ کر کے از سر نو مسلمان ہوا۔

تحفظ ایمان کیلئے عظیم قربانی

''آپ کا بیٹا بس آج شام تک کا مہمان ہے۔اس کا کوئی علاج نہیں''

ڈاکٹر کے یہ الفاظ سن کر مولانا رو پڑے اپنے بیٹے کو گھر لے آئے۔ گھر میں کھڑے اپنے بیٹے کی تیمارداری کر رہے تھے کہ دروازے پر دستک ہوئی۔مولانا دروازے پر گئے باہر ایک بوڑھے شخص کو کھڑے پایا۔ حضرتؒ نے سلام ودعا کے بعد پوچھا بابا جی! خیریت سے آئے ہو؟ وہ کہنے لگا خیریت سے کہاں آیا ہوں۔ ہمارے علاقے میں ایک قادیانی مبلغ آیا ہوا ہے وہ لوگوں کو گمراہ کر رہا ہے۔ پوری امت گمراہ ہو رہی ہے اور آپ گھر میں کھڑے ہیں۔

مولانا نے جیسے ہی یہ بات سنی آپؒ کی آنکھوں سے آنسو بہ پڑے۔ بیوی سے فرمایا بی بی! میرا بیگ کہاں ہے؟ بیوی نے بیگ اٹھا کر دیا اور آپؒ بیگ ہاتھ میں پکڑے گھر سے روانہ ہونے لگے۔ بیوی نے دامن پکڑ لیا اور کہنے لگی۔ مولانا! آخری لمحات میں اپنے نوجوان بیٹے کو اس حالت میں چھوڑ کر جا رہے ہو؟ مولانا نے آسمان کی طرف نظریں اٹھائیں اور رو کر روانہ ہونے لگے تو جاں بلب بیٹے نے کہا ابا جان! میں آج کا مہمان ہوں چند لمحے تو انتظار کر لیجئے میری روح نکل رہی ہے مجھے اس حال میں چھوڑ کر جا رہے ہو؟

مولانا نے اپنے نوجوان بیٹے کو بوسہ دیا رونے لگے اور فرمایا اے بیٹے! بات یہ ہے کہ میں محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے دین کی خاطر جا رہا ہوں کل قیامت کے دن حوض کوثر پر ہماری تمہاری ملاقات ہو جائے گی۔ یہ فرمایا اور گھر سے روانہ ہو گئے۔اڈے پر پہنچے ابھی بس میں بیٹھے ہی تھے کہ چند لوگ دوڑے آئے اور کہنے لگے کہ مولانا! آپ کا بیٹا فوت ہو چکا ہے۔اس کا جنازہ پڑھاتے جائیے۔مولانا نے آسمان کی طرف نظریں اٹھائیں اور رو کر فرمانے لگے۔ جنازہ پڑھانا فرض کفایہ ہے اور امت محمدیہ کو گمراہی سے بچانا فرض عین ہے۔فرض عین چھوڑ کر فرض کفایہ کی طرف نہیں جا سکتا۔ پھر وہاں سے روانہ ہو گئے اس علاقے میں پہنچے اللہ تعالیٰ نے کامیابی عطا کی وہ قادیانی مبلغ بھاگ گیا۔مولانا تین دن کے بعد گھر واپس پہنچے۔ بیوی قدموں میں گر گئی اور رو کر کہنے لگی۔ مولانا! جب آپ جا رہے تھے تو بیٹا آپ کی راہ تکتا رہا اور کہتا رہا جب ابا جان واپس آجائیں تو انہیں میرا اسلام عرض کر دینا۔ مولانا نے جب یہ سنا تو

فوراً اپنے بیٹے کی قبر پر گئے اور دعا مانگنے لگے اے اللہ! ختم نبوت کے وسیلے سے میرے بیٹے کی قبر کو جنت کا باغ بنادے۔ مولانا دُعا مانگ کر گھر واپس آئے تو رات بیٹے کو خواب میں دیکھا بیٹے نے اپنے ابا سے ملاقات کی اور کہا کہ رب محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی قسم! ختم نبوت کے وسیلے سے اللہ تعالیٰ نے میری قبر کو جنت کا باغ بنادیا ہے۔ ختم نبوت کے اس مجاہد کو دنیا مولانا غلام غوث ہزاروی رحمہ اللہ کے نام سے جانتی ہے۔ (بشکریہ ماہنامہ تذکرہ دارالعلوم کبیر والا)

اللہ تعالیٰ موجود ہے

ایک فرانسیسی صحافی جو خدا کی ذات کا انکار کرتا تھا۔ افغانستان میں تقریباً چھ ماہ مختلف محاذوں اور مورچوں پر مجاہدین کے حالات وواقعات کو بغور دیکھا۔ مشاہدے کیے اپنے ملک واپس جاکر اس نے ''رایت اللہ فی افغانستان'' نام کی ایک کتاب لکھی جس میں وہ لکھتا ہے کہ

میں نے مسلمانوں کے اللہ کو افغانستان میں دیکھ لیا کہ واقعی اللہ موجود ہے ۳۵ مجاہدین کلاشنکوفیں لے کر گئے اور دشمن کے ایک سو پچاس آدمیوں کو گرفتار کرکے لے آئے پچاس مجاہدین گئے اور دشمن کے اڑھائی سو ٹینک تباہ کردیئے۔ کبھی آسمان سے گھوڑوں کو دیکھتے ہیں۔ کبھی دشمن کہتے ہیں کہ تمہارے گھوڑے جب زمین پر اترے ان سوار مجاہدین نے کوئی چیز ہماری طرف پھینکی ہم اندھے ہوگئے۔ کبھی کسی شہید کو دیکھا کہ اس کے خون سے خوشبو آرہی ہے۔ کبھی کوئی مجاہد زخمی ہوگیا۔ دونوں ٹانگیں کٹ گئیں مگر آخری وقت میں بھی وصیت کرتا ہے کہ میرے ساتھیو! کبھی جہاد نہ چھوڑنا کہ جو چیز میں مرتے وقت دیکھ رہا ہوں تمہیں بھی نصیب ہوجائے۔

ایک عجیب عبرت انگیز واقعہ

حکیم الامت حضرت تھانوی رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ میں آپ کو ایک عجیب عبرت انگیز حکایت سناتا ہوں جو میں نے مولانا فتح محمد صاحب رحمۃ اللہ علیہ سے سنی تھی۔ مولانا فرماتے ہیں کہ شیخ دہان (تاجر روغن) نے جو مکہ مکرمہ کے ایک بڑے عالم تھے' فرمایا کہ مکہ مکرمہ میں ایک عالم کا انتقال ہوا اور ان کو دفن کردیا گیا' کچھ عرصہ کے بعد کسی دوسرے شخص کا انتقال ہوا تو اس کے وارثوں نے ان عالم صاحب کی قبر میں ان کو دفن کرنا چاہا مکہ مکرمہ میں یہ دستور ہے کہ ایک

قبر میں کئی کئی مردوں کو دفن کردیتے ہیں۔ چنانچہ ان عالم صاحب کی قبر کھودی گئی تو دیکھا کہ ان کی لاش کی بجائے ایک نہایت حسین لڑکی کی لاش رکھی ہوئی ہے اور صورت دیکھنے سے وہ لڑکی یوریپین معلوم ہوتی تھی۔ سب کو حیرت ہوئی کہ یہ کیا معاملہ ہے' اتفاق سے اس مجمع میں یورپ سے آنے والا ایک شخص بھی موجود تھا اس نے جو لڑکی کی صورت دیکھی تو کہا میں اس کو پہچانتا ہوں یہ لڑکی فرانس کی رہنے والی اور ایک عیسائی کی بیٹی ہے یہ مجھ سے اردو پڑھتی تھی اور در پردہ مسلمان ہوگئی تھی' میں نے اس کو دینیات کے چند رسالے بھی پڑھائے تھے۔ اتفاق سے بیمار ہوکر انتقال کر گئی اور میں دل برداشتہ ہوکر نوکری چھوڑ کر یہاں چلا آیا۔ لوگوں نے کہا کہ اس کے یہاں منتقل ہونے کی وجہ تو معلوم ہوگئی کہ مسلمان اور نیک تھی لیکن اب یہ بات دریافت طلب ہے کہ ان عالم صاحب کی لاش کہاں گئی' بعض لوگوں نے کہا کہ شاید عالم کی لاش اس لڑکی کی قبر میں منتقل کردی گئی اس پر لوگوں نے اس سیاح سے کہا کہ تم حج سے واپس ہوکر یورپ جاؤ تو اس لڑکی کی قبر کھود کر ذرا دیکھنا کہ اس میں مسلمان عالم کی لاش ہے یا نہیں اور کوئی صورت شناس بھی ساتھ کردیا۔ چنانچہ وہ شخص یورپ واپس گیا اور لڑکی کے والدین سے اس کا یہ حال بیان کیا اس پر ان کو بڑی حیرت ہوئی کہ بھلا یہ کیسے ممکن ہے کہ لڑکی کو دفن تو کیا جائے فرانس میں اور تم اس کی لاش مکہ مکرمہ میں دیکھ لو۔ اخیر رائے یہ قرار پائی کہ اس لڑکی کی قبر کو کھودو۔ چنانچہ اس کے والدین اور چند لوگ اس حیرت انگیز معاملہ کی تفتیش کے لیے قبرستان چلے اور لڑکی کی قبر کھودی گئی تو واقعی اس کے تابوت میں اس کی لاش نہ تھی بلکہ اس کے بجائے وہ مسلمان عالم قطع صورت وہاں دھرے ہوئے تھے جن کو مکہ مکرمہ میں دفن کیا گیا تھا۔ شیخ دہان نے فرمایا کہ اس سیاح نے کسی ذریعہ سے ہم کو اطلاع دی کہ اس عالم کی لاش یہاں فرانس میں موجود ہے۔ اب مکہ مکرمہ والوں کو فکر ہوئی کہ لڑکی کا مکہ پہنچ جانا تو اس کے مقبول ہونے کی علامت ہے اور اس کے مقبول ہونے کی وجہ بھی معلوم ہوگئی مگر اس عالم کا مکہ مکرمہ سے کفرستان میں پہنچ جانا کس بنا پر ہوا اس کے مردود ہونے کی کیا وجہ ہے۔ سب نے کہا کہ انسان کی اصلی حالت گھر والوں کو معلوم ہوا کرتی ہے۔ اس کی بی بی سے پوچھنا چاہیے چنانچہ لوگ اس کے گھر گئے اور دریافت کیا کہ تیرے شوہر میں اسلام کے خلاف کوئی بات تھی اس نے کہا کچھ بھی نہیں وہ تو بڑا نمازی اور قرآن کا پڑھنے والا تہجد گزار تھا۔ لوگوں نے کہا سوچ کر بتلاؤ کیونکہ اس کی لاش دفن کے بعد مکہ مکرمہ سے

کفرستان میں پہنچ گئی ہے کوئی بات اسلام کے خلاف اس میں ضرور تھی اس پر بی بی نے کہا ہاں میں اس کی ایک بات پر ہمیشہ کھٹکتی تھی وہ یہ کہ جب وہ مجھ سے مشغول ہوتا اور فراغت کے بعد غسل کا ارادہ کرتا تو یوں کہا کرتا تھا کہ نصاریٰ کے مذہب میں یہ بات بڑی اچھی ہے کہ ان کے یہاں غسل جنابت فرض نہیں لوگوں نے کہا بس یہی بات ہے جس کی وجہ سے خدا تعالیٰ نے اس کی لاش کو مکہ مکرمہ سے اسی قوم کی جگہ پھینک دیا جن کے طریقہ کو وہ پسند کرتا تھا۔ حضرات آپ نے دیکھا کہ یہ شخص ظاہر میں عالم متقی اور پورا مسلمان تھا مگر تفتیش کے بعد معلوم ہوا کہ اس میں ایک بات کفر کی موجود تھی کہ وہ کفار کے ایک طریقے کو اسلامی حکم پر ترجیح دیتا تھا اور استحسان کفر کفر ہے۔ اس لیے وہ شخص پہلے ہی سے مسلمان نہ تھا۔ یہ ضروری نہیں کہ ہر جگہ لاش منتقل ہو جایا کرے۔ مگر خدا تعالیٰ کہیں ایسا بھی کر کے دکھلا دیتے ہیں تا کہ لوگوں کو عبرت ہو کہ بدحالی کا نتیجہ یہ ہے۔ اس لیے میں کہتا ہوں کہ جو کافر ہوتا ہے اس میں اول ہی سے کوئی بات کفر کی ہوتی ہے جو تفتیش اور غور کے بعد ہم کو بھی معلوم ہو سکتی ہے مگر ہم غور نہیں کرتے اس لیے کہہ دیتے ہیں کہ مسلمان آریہ ہو گیا حالانکہ وہ پہلے ہی سے آریہ تھا اس میں اسلام تھا ہی نہیں مگر ہم کو اس کی بدحالی کا علم نہ تھا ورنہ جو مسلمان ہوگا وہ کبھی کافر نہیں ہو سکتا اسی لیے شیطان کے بارے میں حق تعالیٰ کا ارشاد ہے: وَكَانَ مِنَ الْكَافِرِينَ کہ وہ پہلے ہی کافروں میں سے تھا سجدہ آدم علیہ السلام سے انکار کرنے کے وقت ہی کافر نہیں ہوا جس کا راز اہل تحقیق نے اس طرح فرمایا ہے کہ

در لوح بدنوشتہ کہ ملعوں شود یکے | بردم گماں بہر کس و بر خود گماں بنود
آدم زخاک بود و من از نور پاک او | گفتم منم یگانہ وا وخود یگانہ بود

یعنی لوح محفوظ میں پہلے ہی سے لکھا ہوا تھا کہ آدم علیہ السلام کی پیدائش کے وقت ایک شخص کافر ہوگا (یعنی اس وقت اس کا کفر ظاہر ہوگا ۱۲) اور شیطان لوح محفوظ کو پڑھ کر اس واقعہ سے باخبر تھا کہ ایک شخص کافر ہونے والا ہے۔ مگر اس کو کبھی اپنے متعلق یہ احتمال نہ ہوا کہ شاید وہ میں ہی ہوں وہ اپنی طاعت و عبادت کی وجہ سے بے فکر تھا کہ بھلا اتنا بڑا عابد کبھی کافر ہو سکتا ہے ہرگز نہیں یہ کوئی اور شخص ہوگا۔ اس تکبر اور بے فکری ہی نے اس کو تباہ کیا (ورنہ ملائکہ کی یہ حالت تھی کہ اس خبر کو دیکھ کر سب کے سب تھراتے تھے کہ دیکھئے کس کی کم بختی آنے والی ہے اس تواضع اور خشیت ہی سے وہ مقبول و مکرم رہے ۱۲)

حاصل راز کا یہ ہوا کہ اس کا عجب و پندار اساس تھی کفر کی اور وہ اس میں پہلے ہی سے تھا جس کیلئے مردودیت لازم ہے۔ غرض شیطان پہلے ہی سے مقبول نہ تھا اس لیے مردود ہو گیا ورنہ جو مقبول ہو جاتا ہے وہ کبھی مردود نہیں ہوتا جیسے بالغ کبھی نابالغ نہیں ہوتا مگر یہ بھی خبر ہے کہ بالغ کون ہے۔ ہر زبان سے دعویٰ اسلام کرنے والا بالغ نہیں بلکہ بالغ وہ ہے جس کو مولانا فرماتے ہیں:

خلق اطفالند جز مست خدا　　　　نیست بالغ جز رہیدہ از ہوا

(بجز مست (عشق) الٰہی کے تمام مخلوق (گویا) اطفال ہیں۔ پس بالغ وہی ہے جو ہوائے نفسانی سے چھوٹ گیا)

یعنی جس نے اسلام کے بعد حکم الٰہی کے سامنے اپنی ہوا و ہوس کو فنا کر دیا ہو وہ بالغ ہے باقی سب نابالغ ہیں۔ بس جو شخص اسلام سے مرتد ہو کر اپنا نابالغ ہونا ظاہر کرتا ہے وہ ابھی تک بالغ ہوا نہیں بلکہ اس وقت تک نابالغ تھا۔ (خطبات حکیم الامت جلد ۲۲)

ایک بزرگ کی ایمانداری

حضرت حاجی ظفر احمد صاحبؒ تھانہ بھون میں رہنے والے تھے حضرت تھانوی رحمہ اللہ کے مجاز صحبت تھے ہجرت کے بعد کراچی میں حیدری کے علاقے میں رہتے تھے۔ یہ حاجی ظفر احمد صاحب شیخ الاسلام حضرت مولانا ظفر احمد تھانویؒ کے علاوہ تھے۔ حضرت ڈاکٹر حفیظ اللہ صاحب رحمہ اللہ ان کا واقعہ سناتے تھے کہ حضرت حاجی ظفر احمد صاحب پاکستان میں پہلے طالب علم تھے جو ولایت سے انجینئرنگ کا اعلیٰ کورس کر کے آئے تھے جبکہ ان سے پہلے لوگوں میں یہ تاثر تھا کہ یہاں کے لوگوں کا اتنا اونچا دماغ نہیں ہوتا کہ اتنا بڑا کورس کر سکیں مگر حاجی ظفر احمد صاحبؒ نے یہ تاثر ختم کر دیا ایک دفعہ پاکستان نے برطانیہ سے ایک بحری جہاز خریدنا چاہا اور حاجی صاحب کو نمائندہ بنا کر برطانیہ بھیجا کہ جہاز بنوا کر لے آئیں اور اس کی نگرانی کریں اس میں اچھے سے اچھا میٹریل لگوایا جائے جتنا خرچہ ہو گا حکومت پاکستان ادا کریگی چنانچہ حاجی صاحب برطانیہ تشریف لے گئے اور برطانیہ کی حکومت نے بھی اپنا ایک نمائندہ مقرر کیا ان دونوں نے جہاز کی تیاری میں پوری کوشش کی بالآخر جہاز تیار ہو گیا اب صرف قیمت کا مرحلہ رہ گیا تھا ایک دن انگریز نے جو حکومت برطانیہ کا نمائندہ

تھا حضرت حاجی صاحبؒ کو خلوت میں بلایا اور کہا کہ جہاز پر ایک لاکھ روپیہ خرچ ہوا ہے لیکن ہم حکومت پاکستان کو دو لاکھ روپیہ بتائیں گے زائد جو ایک لاکھ ملے گا وہ ہم اور آپ آپس میں تقسیم کرلیں گے جب حضرت حاجی صاحبؒ نے یہ سنا تو فرمایا کوئی نہ کوئی ہماری یہ بات سن رہا ہے اور ہمیں دیکھ رہا ہے تو انگریز اٹھ کر باہر گیا تو ایک چپڑاسی بیٹھا ہوا تھا اس کو کہا یہاں سے دور چلے جاؤ وہ دور چلا گیا واپس آ کر کہا کہ اب کوئی نہیں سن رہا ہے اور نہ کوئی دیکھ رہا ہے صرف چپڑاسی تھا اس کو میں نے دور کردیا حاجی صاحبؒ نے کہا صرف چپڑاسی نہیں دیکھ رہا تھا بلکہ ہمارا تمہارا خالق اور مالک ہمیں دیکھ رہا ہے اور ہماری باتوں کو سن رہا ہے یہ سن کر انگریز اپنی بے ایمانی سے باز آیا اس سے حاجی صاحبؒ کا تقویٰ اور خوف خدا معلوم ہوا۔ (اصلاحی مضامین)

ایمان اور خدا خوفی کا واقعہ

ایک دفعہ حاجی ظفر احمد صاحبؒ جبکہ نوجوان تھے لندن جارہے تھے پاکستان کے ایک شخص لندن کے قریب کسی شہر میں رہتے تھے اور ان کا نکاح ہو چکا تھا دلہن پاکستان میں تھی اور رخصتی نہیں ہوئی تھی والدین چاہتے تھے رخصتی ہو جائے مگر اس وقت نہ دولہا پاکستان آ سکتا تھا اور نہ پاکستان سے دلہن کا عزیز پہنچانے کیلئے لندن جا سکتا تھا دلہن والوں کو پتہ چلا کہ حاجی صاحبؒ لندن جارہے ہیں تو انہوں نے کہا ہماری لڑکی کو لندن لیتے جایئے اس کا دولہا لندن ایئرپورٹ پر منتظر ہوگا لڑکی اس کے سپرد کردیجئے ہم آپ کے شکر گزار ہونگے ہم آپ کے ساتھ اس کی ٹکٹ بنوا دیتے ہیں حاجی صاحبؒ نے فرمایا غیر محرم کیساتھ سفر کرنا شرعاً جائز نہیں ہے میں ایسا نہیں کرسکتا۔ انہوں نے کہا کہ آپ نے اکیلے تو اسکے ساتھ سفر نہیں کرنا بلکہ ہوائی جہاز میں اور لوگ بھی ہونگے یہ اپنی سیٹ پر بیٹھی رہیگی آپ صرف اس قدر خیال کیجئے کہ جہاز میں اس کیساتھ کوئی چھیڑ چھاڑ کرنے نہ پائے حاجی صاحبؒ خاموش ہو گئے جس دن حاجی صاحبؒ کی روانگی ہوئی اس دن انہوں نے لڑکی کو جہاز میں بٹھا دیا جب لندن کے ایئرپورٹ پر اترے تو دولہا وہاں موجود نہ تھا۔ اس کو فون کیا گیا کہ آ کر اپنی دلہن کو سنبھال لو تو اس نے کہا اس وقت میں نہیں آ سکتا کل میں دلہن کو لے لوں گا اب حاجی صاحبؒ بہت پریشان ہوئے کہ اب میں اس غیر محرم عورت کو کہاں لے جاؤں رات کا وقت

تھا سردی بے حد تھی لندن کی سردی مشہور ہے آخر ایک قریبی ہوٹل میں گئے اور دو کمرے کرائے پر لئے خیال تھا کہ ایک میں دلہن لیٹ جائیگی اور دوسرے میں میں آرام کرلوں گا مگر دلہن بضد ہوگئی کہ میں علیحدہ کمرے میں نہیں لیٹوں گی کافروں کا ملک ہے کوئی بدمعاش میرے اوپر زیادتی کرنے لگے تو میں کیا کرونگی۔ حاجی صاحبؒ نے بہت سمجھایا کہ میں تمہارے قریب والے کمرے میں ہوں میں ایسا نہیں ہونے دوں گا مگر وہ نہ مانی اور ایک ہی کمرے میں لیٹنے پر اصرار کیا۔ حاجی صاحبؒ نے بہت سمجھایا کہ اجنبی عورت کیساتھ خلوت میں لیٹنا حرام ہے اور گناہ ہے مگر وہ نہ مانی۔ آخر حاجی صاحبؒ نے فرمایا کہ تم کمرے میں لیٹ جاؤ اور میں کمرے کے باہر دروازے پر بیٹھا رہوں گا اور تمہاری حفاظت کرونگا اور کسی بدمعاش کو تمہارے قریب نہیں آنے دونگا اس پر دلہن رضامند ہوگئی حاجی صاحب بیچارے کمرے کے دروازے کے باہر سردی میں کمبل لپیٹے بیٹھے رہے ساری رات بے آرام رہے مگر شریعت کے خلاف نہیں کیا اور کمرے کے اندر نہیں لیٹے۔ جب صبح ہوگئی دولہا آ گیا تو حضرت نے فرمایا بندہ خدا تو نے مجھے آزمائش میں ڈال دیا اپنی امانت سنبھالو۔ اس سے بھی حضرت حاجی صاحبؒ کا تقویٰ اور خوف خدا معلوم ہوا۔ (اصلاحی مضامین)

ایمان اور گناہ

علامہ ابن جوزی رحمہ اللہ فرماتے ہیں: مؤمن گناہوں پر اصرار نہیں کرسکتا۔ ہاں کبھی خواہش غالب ہوجاتی ہے اور شہوت کی آگ بھڑک جاتی ہے تو ذرا اپنے مرتبہ سے نیچے اُتر آتا ہے کیونکہ اس کے پاس ایسا ایمان ہے جو گناہوں سے بغض پیدا کرتا ہے۔ لہٰذا نہ اس سے گناہوں کا پختہ ارادہ ہوسکتا ہے اور نہ فراغت کے بعد دوبارہ کرنے کا عزم ہوسکتا ہے۔ وہ اگر کسی سے ناراض ہوتا ہے تو زیادہ انتقام نہیں لیتا اور لغزشوں سے پہلے ہی توبہ کی نیت رکھتا ہے۔ غور کرو حضرت یوسف علیہ السلام کے بھائیوں کے حال پر کہ انہوں نے حضرت یوسف علیہ السلام کو اپنے سے دور کرنے سے پہلے ہی توبہ کا بھی عزم کرلیا۔ چنانچہ پہلے کہا ''اُقْتُلُوْا یُوْسُفَ'' (یوسف کو مار ڈالو) پھر اس کو بڑا گناہ تصور کر کے کہا ''اَوِ اطْرَحُوْهُ اَرْضًا'' (اس کو کہیں دور دراز علاقہ میں چھوڑ آؤ) پھر انابت

ہوئی تو کہا "وَتَكُونُوا مِنْ بَعْدِهٖ قَوْمًا صَالِحِيْنَ" (اس کے بعد تم لوگ نیکوکار ہو جانا) اسی طرح جب آپ کو صحرا میں لے گئے اور حسد کے تقاضے سے قتل کرنا چاہا تو بڑے بھائی نے کہا "لَا تَقْتُلُوْا يُوْسُفَ وَاَلْقُوْهُ فِيْ غَيَابَتِ الْجُبِّ" (یوسف کو قتل نہ کرو بلکہ اسے اندھے کنویں میں ڈال دو) اوراس میں بھی یہ خواہش نہیں کی کہ مر جائیں بلکہ "يَلْتَقِطْهُ بَعْضُ السَّيَّارَةِ" (اسے کوئی قافلہ لیتا جائے) پھر یہی کیا بھی۔

ان احوال کا سبب یہ ہے کہ ایمان اپنی قوت کے بقدر لوگوں کو گناہوں سے روکتا ہے۔ چنانچہ کبھی تو خیال ہی کے وقت روک دیتا ہے اور کبھی کمزور ہونے کے سبب عزم مصمم کے وقت روکتا ہے اور اگر غفلت غالب ہی ہو جائے اور گناہ صادر ہو جائے تو طبیعت سست پڑ جاتی ہے اس وقت عمل کے لیے اُٹھاتا ہے اور کیے پر ندامت کے سبب اس گناہ سے حاصل ہونے والی لذت بہت کم ہو جاتی ہے (صید الخاطر)

لفظ "اللہ" کا کرشمہ

خواجہ غلام حسن سواک رحمہ اللہ بڑے معروف بزرگ گزرے ہیں، ان کا بڑا مشہور واقعہ ہے۔ اس واقعہ کے سینکڑوں لوگ گواہ موجود تھے۔ ایک جگہ ہندو مسلمان اکٹھے رہتے تھے۔ ہندوؤں نے مقدمہ کر دیا اور جج نے ان کو عدالت میں بلوالیا۔ حضرت عدالت میں پہنچے جج سے پوچھا کہ مجھے کیوں بلایا۔ اس نے کہا کہ جی آپ پر مقدمہ یہ ہے کہ آپ نوجوان ہندوؤں کو زبردستی مسلمان بناتے ہیں۔ وہ بڑے حیران ہوئے، فرمانے لگے کہ میں زبردستی مسلمان بناتا ہوں؟ کہا ہاں: تو یہ کہہ کر وہ ہندوؤں کی طرف متوجہ ہوئے اور ان میں سے جو آدمی قریب تھا اس کی طرف دیکھ کر کہا "اللہ" ان کا "اللہ" کہنا تھا کہ اس ہندو نے کلمہ پڑھنا شروع کر دیا۔ پھر دوسرے کی طرف متوجہ ہوئے پھر تیسرے کی طرف پانچ بندوں کی طرف اشارہ کر کے "اللہ" کا لفظ کہا اور پانچوں بندوں نے کلمہ پڑھا۔ جج نے یہ دیکھ کر انکا مقدمہ ہی خارج کر دیا۔ سینکڑوں لوگوں نے یہ واقعہ اپنی آنکھوں سے دیکھا۔ اس "اللہ" کے نام کی عجیب برکات ہیں۔ ہاں! ہمیں یہ نام لینا نہیں آتا۔ ذرا لیکر تو دیکھیں تب پتہ چلے گا، جب اللہ تعالیٰ نے قرآن میں کہہ دیا "تبارک اسم ربک" برکت والا نام ہے تیرے رب کا" ہم

پہلے یہ نام پکارنا تو سیکھیں پھر اسکی برکتیں دیکھیں گے، اللہ والے یہ ''اللہ'' کہنا سکھاتے ہیں۔ اس کو پہلے دل میں اتارنا پڑتا ہے پھر یہ دل سے نکلتا ہے تو اسکی ایک تاثیر ہوتی ہے۔ ''دل سے جو بات نکلتی ہے اثر رکھتی ہے۔'' (مختصر پراثر)

حضرت خضر علیہ السلام کا تعجب خیز ایمانی قصہ

حافظ ابو نعیم اصبہانی اس طریق سے حضرت ابو امامہ سے نقل کرتے ہیں کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے اصحاب کرام کو فرمایا! کیا میں تم کو خضر کے متعلق نہ بتلاؤں؟ لوگوں نے عرض کیا کیوں نہیں تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔

خضر ایک دن بنی اسرائیل کے بازار میں چلے جارہے تھے کہ ایک مکاتب شخص نے آپ کو دیکھا اس نے صدائے بھیک لگائی کہ مجھ پر کچھ صدقہ کرو اللہ آپ کو برکت دے۔ خضر علیہ السلام نے فرمایا میں اللہ پر ایمان لایا جو اللہ چاہے گا وہ ہو کر رہے گا، میرے پاس ایسی کوئی چیز نہیں جو تجھے دے سکوں۔ تو فقیر نے پھر صدا لگائی، میں تجھ سے اللہ کی ذات کے طفیل سوال کرتا ہوں کیونکہ جب آپ نے مجھ پر صدقہ نہیں کیا تو میں نے آسمان کی طرف نظر کی تو میں نے آپ کے پاس برکت پہچان لی۔ خضر نے فرمایا میں اللہ پر ایمان لایا میرے پاس کوئی ایسی چیز نہیں جو تجھ کو دوں مگر تو مجھے لے لے اور فروخت کردے۔ مسکین نے کہا کیا یہ بات درست ہے؟ فرمایا بالکل میں تجھ کو حق ہی کہتا ہوں کیونکہ تو نے عظیم ذات کے طفیل مجھ سے سوال کیا ہے۔ بس میں ہرگز اپنے رب کی ذات کے نام کی لاج کو نہ چھوڑوں گا مجھے فروخت کر ڈال۔

حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا! کہ پھر مسکین نے ان کو بازار لے جا کر چار سو درہم میں فروخت کردیا اور آپ خریدار کے پاس ایک زمانہ تک یونہی بغیر کسی کام کاج کے فارغ رہے تو پھر اپنے مالک سے کہا آپ نے مجھے کسی بھلائی کے کام کے لئے ہی خریدا ہوگا تو مجھے کسی کام کا حکم کیجئے۔ مالک نے کہا مجھے ناگوار لگتا ہے کہ میں آپ پر بوجھ ڈالوں کیونکہ آپ سن رسیدہ شیخ اور بزرگ ہیں۔ فرمایا مجھ پر بار نہ ہوگا، تو مالک نے کہا پھر یہ پتھر منتقل کرو، حالانکہ وہ پتھر ایک دن میں چھ آدمیوں کے بغیر منتقل نہ کیا جا سکتا تھا (پتھر کیا تھا پوری چٹان تھی) تو پھر مالک اپنی کسی ضرورت کے لئے باہر نکلا اور واپس آیا تو دیکھا کہ پتھر اتنے ہی

وقت میں منتقل ہو چکا تھا۔ مالک نے کہا آپ نے بہت اچھا کیا اور خوب کیا اور ایسی طاقت دکھائی جس کی مجھے امید نہ تھی پھر مالک کو سفر درپیش ہوا تو خضر نے فرمایا مجھے کوئی کام سونپتے جاؤ۔ مالک نے پھر کہا مجھے ناگوار لگتا ہے کہ میں آپ پر مشقت ڈالوں۔ آپ نے فرمایا مجھ پر کوئی مشقت نہ ہوگی تو مالک نے کہا تو پھر میرے گھر کی تعمیر کے لئے اینٹیں بناؤ۔

تو آدمی سفر پر چلا گیا، آ کر دیکھا تو عمارت تعمیر شدہ پائی، تو مالک (مارے تعجب کے) گویا ہوا میں اللہ کے نام سے آپ سے سوال کرتا ہوں کہ آپ کا کیا راستہ ہے؟ اور آپ کی کیا حقیقت ہے؟ فرمایا آپ نے مجھ سے اللہ کے نام سے سوال کیا ہے اور اللہ کے نام پر سوال ہی نے مجھے غلامی میں ڈالا ہے اور میں تجھ کو بتلاتا ہوں کہ میں کون ہوں؟ میں وہی خضر ہوں جس کے متعلق تو نے سنا ہوگا، مجھ سے ایک مسکین نے سوال کیا تھا، لیکن میرے پاس کچھ نہ تھا جو میں اسے دیتا، پھر اس نے اللہ کے نام سے سوال کیا تو میں نے اپنی جان پر اس کو قدرت دے دی کہ مجھے فروخت کر دے، تو اس نے مجھے فروخت کر ڈالا اور میں تجھے بتاتا ہوں کہ جس شخص سے اللہ کے نام سے سوال کیا گیا، پھر بھی سائل کو مسترد کر دیا گیا جبکہ وہ کچھ دینے پر قادر تھا تو قیامت کے روز وہ ایسے کھڑا ہوگا کہ اس کے جسم پر کوئی گوشت نہ ہوگا اور نہ کوئی اس کی ہڈی حرکت کر سکے گی۔

تو مالک نے کہا میں اللہ پر ایمان لایا، اے خدا کے پیغمبر میں نے آپ کو مشقت میں ڈال دیا اور مجھے کوئی علم نہ تھا، خضر علیہ السلام نے فرمایا! کوئی حرج نہیں آپ نے اچھا کیا اور ثواب کمایا، تو مالک نے کہا میرے ماں باپ آپ پر قربان ہوں اے اللہ کے پیغمبر میرے گھر اور مال کے متعلق آپ جو اللہ کی مرضی سے حکم فرمائیں آپ کو اختیار ہے یا میں آپ کو اختیار دیتا ہوں اور آپ کا راستہ چھوڑتا ہوں۔

تو آپ نے مجھے فرمایا یہ بات پسندیدہ ہے کہ آپ میرا راستہ چھوڑ دیں تا کہ میں اپنے رب کی عبادت کروں، تو اس نے آپ کا راستہ صاف کر دیا، تو خضر نے فرمایا!

تمام تعریفیں اس اللہ کیلئے ہیں جس نے مجھے غلامی میں ڈالا اور پھر اس نے مجھے اس سے نجات دی۔ (تاریخ ابن کثیر)

جان دے کر ایمان کی حفاظت

ایک مسلمان نے سڑک کے درمیان آ کر بلند آواز میں نعرہ لگایا۔ ختم نبوت زندہ باد ان دنوں ختم نبوت کی تحریک زوروں پر تھی۔ ختم نبوت کے پروانے گولیوں لاٹھیوں جیلوں اور حوالاتوں کے کمرے لے رہے تھے جونہی اس نے نعرہ لگایا۔ پولیس والا آگے بڑھا اور اس کے گال پر زوردار تھپڑ مارا تھپڑ کھاتے ہی اس نے پھر کہا ختم نبوت زندہ باد اس بار پولیس والے نے اسے بندوق کا بٹ مارا۔ بٹ کھا کر وہ پہلے سے زیادہ بلند آواز میں گرجا ختم نبوت زندہ باد اب تو پولیس والے اس پر جھپٹ پڑے۔ اُدھر وہ ہر تھپڑ ہر لات اور ہر بٹ پر ختم نبوت زندہ باد کا نعرہ لگا تا چلا گیا۔ وہ مارتے رہے۔ یہاں تک کہ زخموں سے چور چور ہو گیا۔ اسی حالت میں اُٹھا کر فوجی عدالت میں پیش کیا گیا۔ اس نے عدالت میں داخل ہوتے ہی نعرہ لگایا۔ ختم نبوت زندہ باد۔ فوجی نے فوراً کہا۔ ایک سال کی سزا ایک سال کی سزا کا سن کر اس نے پھر نعرہ لگایا۔ ختم نبوت زندہ باد فوجی نے پھر کہا تین سال سزا۔ اس نے پھر ختم نبوت زندہ باد کا نعرہ لگایا۔ غرض وہ ایک ایک سال کر کے سزا بڑھاتا چلا گیا۔ یہ ختم نبوت کا نعرہ لگاتا چلا گیا۔ یہاں تک کہ سزا بیس سال تک پہنچ گئی۔

بیس سال کی سزا سن کر بھی اس نے کہا ختم نبوت زندہ باد اس پر فوجی نے جھلا کر کہا باہر لے جا کر گولی مار دو۔ اس نے گولی کا حکم سن کر کہا ختم نبوت زندہ باد ساتھ ہی خوشی کے عالم میں ناچنے لگا۔ ناچتے ہوئے بھی برابر نعرے لگا رہا تھا۔ ختم نبوت زندہ باد۔ ختم نبوت زندہ باد عدالت میں وجد کی حالت طاری ہو گئی۔ یہ حالت دیکھ کر عدالت نے کہا۔ یہ دیوانہ ہے دیوانے کو سزا نہیں دی جا سکتی رہا کر دو۔ رہائی کا حکم سنتے ہی اس نے پھر کہا۔ ختم نبوت زندہ باد (میں بھی کہتا ہوں ختم نبوت زندہ باد آپ سب بھی کہیں ختم نبوت زندہ باد) (عالمی تاریخ جلد اول)

عبید بن عمیر رحمہ اللہ کی خدا خوفی

عبید بن عمیر مشہور تابعی گذرے ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے ان کو بڑی فصیح زبان دی تھی ان کی مجلس میں مشہور صحابی حضرت عبداللہ بن عمرؓ بھی بیٹھا کرتے تھے اور ان کی دل پر اثر کرنے والی گفتگو سے پھوٹ پھوٹ کر روتے تھے۔

مکہ مکرمہ میں ایک جوان عورت تھی۔ شادی شدہ تھی۔ اللہ تعالیٰ نے اسے غیر معمولی حسن سے نوازا تھا یہ حسن بھی عجیب چیز ہے بڑے بڑے بہادر پہلوان اور سورما اس کے ایک انداز غلط نگاہ کے وار سے ڈھیر ہو کر بسمل کی طرح تڑپنے لگتے ہیں وہ بہادر جو کسی کے وارے میں نہ آتا تھا بسا اوقات حسن کی ایک بھولی سی نظر سے اس کے قلب وجگر کی حالت دگرگوں ہو جاتی تھی یہ خاتون ایک دن آئینہ میں اپنا چہرہ دیکھ رہی تھی شوہر سے کہنے لگی ''کوئی شخص ایسا ہو سکتا ہے جو یہ چہرہ دیکھے اور اس پر فریفتہ نہ ہو'' شوہر نے کہا'' ہاں ایک شخص ہے'' کہنے لگی'' کون؟'' عبید بن عمیر'' اسے شرارت سوجھی کہنے لگی'' آپ مجھے اجازت دیں۔ میں ابھی انہیں اسیر محبت بنائے دیتی ہوں'' شوہر نے کہا'' اجازت ہے'' وہ عبید بن عمیر کے پاس آئی کہا'' مجھے آپ سے تنہائی میں ایک ضروری مسئلہ پوچھنا ہے'' چنانچہ عبید بن عمیر مسجد حرام کے ایک گوشے میں اس کے ساتھ الگ کھڑے ہو گئے تو اس نے اپنے چہرے سے حجاب سرکایا اور اس کا چاند ایسا چہرہ قیامت ڈھانے لگا عبید نے اسے بے پردہ دیکھ کر فرمایا'' خدا کی بندی! اللہ سے ڈر'' کہنے لگی ''میں آپ پر فریفتہ ہو گئی ہوں۔ آپ میرے متعلق غور کر لیں'' دعوت گناہ کی طرف اشارہ تھا۔ عبید بن عمیر اس کے جھانسے میں آنے والے کب تھے۔ ان کی حالت تو کہہ رہی تھی۔

اے باد بہاری! مت چھیڑ ہمیں، لگ رہ اپنی　　تجھے اٹھکیلیاں سوجھی ہیں ہم بےزار بیٹھے ہیں

عبید نے اس سے کہا کہ میں تجھ سے چند سوالات پوچھتا ہوں اگر تو نے صحیح اور درست جوابات دیئے تو میں تیری دعوت پر غور کر سکتا ہوں اس نے حامی بھری فرمایا'' موت کا فرشتہ تیری روح قبض کرنے آ جائے اس وقت تجھے یہ گناہ اچھا لگے گا؟'' کہنے لگی'' ہرگز نہیں'' فرمایا'' جواب درست'' فرمایا'' لوگوں کو ان کے اعمال نامہ دیئے جا رہے ہوں اور تجھے اپنے اعمال نامہ کے متعلق معلوم نہ ہو کہ دائیں ہاتھ میں ملے گا یا بائیں ہاتھ میں اس وقت تجھے یہ گناہ اچھا لگے گا؟'' کہنے لگی'' ہرگز نہیں'' فرمایا'' جواب درست'' فرمایا'' پل صراط کو عبور کرتے ہوئے تجھے اس گناہ کی خواہش ہو گی؟'' کہنے لگی'' ہرگز نہیں'' فرمایا'' جواب درست'' فرمایا'' اللہ کے سامنے اپنے اعمال کے سوال و جواب کے لئے جس وقت تو کھڑی ہو اس وقت اس گناہ میں تجھے رغبت ہو گی؟'' کہنے لگی'' ہرگز نہیں'' فرمایا'' جواب درست''

اس کے بعد اسے مخاطب کر کے کہا ”اللہ کی بندی! اللہ سے ڈر اللہ نے تجھ پر انعام واحسان کیا ہے۔ اس کی نافرمانی نہ کر“ چنانچہ وہ گھر لوٹی تو اس کے دل کی کائنات بدل چکی تھی۔ دنیوی لذتیں اور شوخیاں اسے بے حقیقت معلوم ہونے لگیں۔ شوہر نے پوچھا ”کیا ہوا؟“ کہنے لگی ”مرد اگر عبادت کر سکتے ہیں تو ہم عورتیں کیوں نہیں کر سکتیں۔ ہم کیوں پیچھے رہیں“ اور اس کے بعد نماز روزہ اور عبادت میں منہمک ہو کر ایک عابدہ اور پرہیزگار خاتون بن گئی اس کا آزاد منش شوہر اس کی حالت دیکھ کر کہا کرتا تھا ”مجھے عبید بن عمیر کے پاس شرارت کے لئے بیوی بھیجنے کا کس نے مشورہ دیا تھا اس نے تو میری بیوی بگاڑ کر رکھ دی پہلے ہماری ہر رات شب زفاف تھی اب اس کی ہر شب شب عبادت بن گئی وہ راتوں کو عبادت میں مشغول ہو کر راہبہ بن چکی ہے“ (کتاب الثقات للعجلی ...، ج:۲، ص:۱۱۹)

واقعتاً مرد مؤمن کی نگاہ ایمان افروز سے بسا اوقات دل کی دنیا میں انقلاب آ جاتا ہے۔ اور عقل وخرد کی شوخی ومستی جلوہ ایمان کے سامنے دم توڑنے لگتی ہے۔

جلووں نے اہل ہوش کو کیسے شکست فاش دی
آئے تھے انکو ڈھونڈنے خود سے بھی بے خبر ہو گئے

(عالمی تاریخ جلد اول)

ایمان کی تاثیر

تاتاری جب بغداد کی سلطنت پر غالب آ گئے تو ان کے اندر احساس برتری پیدا ہو گیا، وہ اپنے آپ کو مسلمانوں سے بہت اونچا سمجھنے لگے ایک تاتاری شہزادہ ایک بار گھوڑے پر سوار ہو کر شکار کے لئے جا رہا تھا، اس کے ساتھ اس کا کتا بھی تھا، راستہ میں ایک مسلمان بزرگ ملے، اس نے مسلمان بزرگ کو اپنے پاس بلایا اور کہا: ”تم اچھے ہو یا میرا کتا“ مسلمان بزرگ نے اطمینان کے ساتھ جواب دیا: ”اگر میرا خاتمہ ایمان پر ہو تو میں اچھا ورنہ تمہارا کتا اچھا“ یہ جملہ اس وقت اتنا مؤثر ثابت ہوا کہ تاتاری شہزادہ کا دل ہل گیا، وہ اس ”ایمان“ کے بارے میں معلومات حاصل کرنے لگا جس پر آدمی کا خاتمہ نہ ہو تو وہ کتے سے بدتر ہو جاتا ہے۔ اس تلاش کا بالآخر نتیجہ یہ ہوا کہ وہ مسلمان ہو گیا۔ (عالمی تاریخ جلد اول)

درزی کی اذان کا عجیب ایمان افروز واقعہ

قاضی ابوالحسن محمد بن عبدالواحد الہاشمی نے ایک بڑے تاجر کا واقعہ نقل کیا ہے کہ وہ کہتے ہیں کہ کسی بڑے حاکم پر میرا بہت زیادہ قرض تھا لیکن وہ ٹال مٹول سے کام لیتا تھا اور مجھے میرا حق نہیں دیتا تھا جب میں قرض کے سلسلے میں اس کے پاس جاتا تو وہ صاف صاف جواب دے دیتا بلکہ اپنے نوکروں کے ذریعے مجھے تنگ بھی کرتا تنگ آ کر میں نے ایک وزیر سے شکایت کی لیکن کوئی فائدہ حاصل نہیں ہوا پھر میں شکایت لے کر اعلیٰ حکام کی خدمت میں حاضر ہوا لیکن انہوں نے بھی میرا مسئلہ حل نہ کیا اب میں بالکل مایوس ہو چکا تھا اور سوچ رہا تھا کہ کس سے فریاد کروں۔

اچانک مجھے کسی نے کہا کہ تم فلاں درزی کے پاس کیوں نہیں جاتے جو فلاں مسجد کا امام بھی ہے میں نے کہا کہ بڑے بڑے حکام میرا کام نہ کروا سکے اور اس ظالم سے میرا حق نہ دلوا سکے یہ بے چارہ درزی کیا کرے گا اس نے کہا کہ جن جن کے پاس تم نے فریاد کی ہے۔ ان سب سے زیادہ اس درزی کا اس ظالم پر رعب اور دبدبہ ہے۔ لہٰذا تم اس درزی کے پاس ضرور جاؤ ان شاء اللہ تمہارا مسئلہ حل ہو جائے گا۔

تاجر کہتا ہے کہ غیر یقینی کیفیت میں میں اس درزی کے پاس پہنچا اور میں نے اس کے سامنے اپنا ایک مسئلہ بیان کیا وہ سنتے ہی فوراً مجھے لے کر اس ظالم کی طرف چلا وہ ظالم دیکھتے ہی فوراً کھڑا ہو گیا اور اس کا اعزاز و اکرام کیا اس درزی نے صرف اس کو اتنا کہا کہ یا تو اس کا حق دے دو ورنہ میں اذان دے دوں گا اس نے یہ سنتے ہی فوراً میرا سارا قرض ادا کر دیا۔

تاجر کہتا ہے کہ مجھے اس درزی کی خستہ حالت اور پھٹے پرانے کپڑوں کے باوجود اس حاکم کا اس کے سامنے سرنگوں ہونے پر بڑا تعجب ہوا پھر میں نے اس کی خدمت میں کچھ ہدیہ پیش کیا لیکن اس نے یہ کہہ کر انکار کر دیا کہ اگر میں اس قسم کے ہدیے قبول کرتا تو بہت بڑا مالدار ہوتا پھر میں نے اپنے تعجب اور دلی کیفیت کا اس کے سامنے اظہار کر کے اس سے حقیقت حال کے بارے میں سوال کیا۔

اس نے جواب دیا کہ اصل میں ہمارے محلّہ میں ایک خوبصورت نوجوان بڑے درجے کا ترکی حاکم رہتا تھا ایک روز اس کے سامنے ایک حسین و جمیل قیمتی لباس پہنے ہوئے ایک عورت

گزری جو حمام سے نکل کر آئی تھی اور وہ ترکی حاکم شراب کے نشے میں مست تھا وہ عورت کو دیکھ کر اس کے ساتھ چمٹ گیا اور اسے زبردستی اپنے گھر میں داخل کرنے کی کوشش کرنے لگا لیکن عورت انکار کر رہی تھی اور زور زور سے پکار رہی تھی کہ اے میرے مسلمان بھائیو میں شادی شدہ ایک عورت ہوں یہ شخص میرے ساتھ برائی کرنا چاہتا ہے اور مجھے زبردستی اپنے گھر لے جانا چاہتا ہے اور میرے شوہر نے قسم اٹھا رکھی ہے کہ اگر غیر کے گھر میں رات گزری تو مجھے طلاق ہو جائے گی جس کی وجہ سے مجھے ایسی شرمندگی کا سامنا کرنا پڑے گا جو کبھی دور نہ ہوگی۔

درزی کہتا ہے کہ عورت کی فریاد سن کر میں کھڑا ہوا اور میں نے اس عورت کو اس ظالم کے پھندے سے آزاد کرانے کی کوشش کی لیکن اس نے مجھے لوہے کے ڈنڈے سے مار مار میرا سر زخمی کر دیا اور وہ عورت کو زبردستی گھر میں لے جانے میں کامیاب ہو گیا میں نے وہاں سے واپس آ کر اپنا سر دھویا اور اس کی پٹی کی اور عشاء کی نماز پڑھائی نماز کے بعد میں نے لوگوں سے کہا کہ اس ظالم نے جو کچھ میرے ساتھ کیا اس سے تم باخبر ہو چکے ہو اب ہم دوبارہ مل کر چلیں اور عورت کو اس کے ظلم سے نجات دلائیں پھر ہم سب نے جا کر اس کے گھر پر حملہ کر دیا جس پر اس کے نوکروں نے ہمیں چھریوں اور ڈنڈوں سے مارا اور خاص طور پر مجھے تو اتنا مارا کہ میں لہولہان ہو گیا اور ہمیں انتہائی ذلت کے ساتھ اپنے گھر سے نکال دیا تو میں اپنے گھر کی طرف چلا لیکن تکلیف کی شدت کی وجہ سے مجھے راستے کا بھی پتہ نہیں چل رہا تھا بمشکل میں گھر پہنچا اور آرام کے لئے بستر پر لیٹا لیکن نیند نہ آئی اور میں اس فکر میں تھا کہ کسی طرح اس عورت کو اس کے گھر پہنچا دوں تا کہ اس پر طلاق واقع نہ ہو۔

اچانک مجھے خیال آیا کہ میں رات ہی کو اذان فجر دے دوں تا کہ وہ ظالم یہ سوچ کر کہ صبح ہو گئی ہے اس عورت کو چھوڑ دے اور وہ اپنے گھر پہنچ جائے چنانچہ میں اذان دینے کے لئے منارہ پر چڑھا اور میں اس ظالم کے گھر کے دروازہ کی طرف دیکھ رہا تھا اور اپنی قدیم عادت کے مطابق اذان سے پہلے بات کر رہا تھا تا کہ میں عورت کو نکلتے ہوئے دیکھوں پھر میں نے اذان دی لیکن وہ عورت اب تک نہیں نکلی پھر میں نے سوچا کہ اسی وقت فجر کی نماز کرا دوں تا کہ لوگوں کو صبح ہونے کا یقین ہو جائے اور ساتھ ساتھ میں اس عورت کے نکلنے کی طرف بھی دیکھ رہا تھا میں اسی سوچ میں ڈوبا ہوا تھا کہ اچانک شہسوار اور پیدل لوگوں کی

جماعت آئی اور انہوں نے سوال کیا کہ ابھی اذان کس نے دی ہے میں نے یہ سوچ کر کہ یہ لوگ میری کچھ مدد کریں گے میں نے کہا کہ اذان میں نے دی ہے۔

یہ سن کر انہوں نے مجھے نیچے اترنے کا حکم دیا چنانچہ میں نیچے اترا انہوں نے مجھے کہا کہ اسی وقت خلیفہ نے آپ کو بلوایا ہے انہوں نے مجھے پکڑ کر فوراً خلیفہ کے سامنے حاضر کر دیا میں جیسے ہی خلیفہ کو خلافت کی نشست پر بیٹھے ہوئے دیکھا تو میں کانپنے لگا اور میں بہت زیادہ گھبرایا خلیفہ نے مجھے قریب ہونے کا حکم دیا میں قریب ہو گیا پھر انہوں نے کہا کہ تسلی سے بیٹھو کسی چیز کا خوف مت کرو اور مسلسل مجھے تسلی دیتے رہے حتیٰ کہ میرا خوف ختم ہوا اور مجھے اطمینان ہو گیا پھر خلیفہ نے پوچھا کہ تم نے ہی بے وقت اذان کہی میں نے کہا جی ہاں اے امیر المومنین! انہوں نے دوبارہ سوال کیا کہ ابھی تک تورات کا اکثر حصہ باقی ہے اتنی جلدی تم نے اذان کیوں دی اور تم نے اس کے ذریعے روزہ رکھنے والوں نماز پڑھنے والوں سفر کرنے والوں کو دھوکے میں مبتلا کر دیا۔

میں نے عرض کیا اے امیر المومنین اگر آپ کی طرف سے جان بخشی کا وعدہ ہو تو میں اصل واقعہ سے آپ کو باخبر کر دوں انہوں نے وعدہ کر لیا پھر میں نے سارا واقعہ سنا دیا۔ جس کو سن کر خلیفہ غضب ناک ہو گیا اور حکم دیا کہ اسی وقت اس حاکم اور عورت کو جس حال میں بھی ہوں ان کو حاضر کروں چنانچہ فوراً انہیں حاضر کر دیا گیا عورت کو تو اسی وقت کچھ با اعتماد عورتوں کے ساتھ اس کے شوہر کے پاس بھیج دیا اور ان سے کہہ دیا کہ اس کے شوہر سے کہہ دینا یہ عورت معذور اور بے قصور ہے اس لئے اس سے عفو اور نرمی کا معاملہ کریں پھر اس حاکم نوجوان ترکی سے پوچھا کہ بیت المال سے تیرا کتنا وظیفہ مقرر ہے اور اس وقت تیرے پاس کتنا مال کتنی باندیاں اور بیویاں ہیں؟ اس کے بتانے پر معلوم ہوا کہ مذکورہ چیزیں اس کے پاس وافر مقدار میں ہیں۔

خلیفہ نے اس سے کہا کہ تیرا ستیاناس ہو اللہ کی دی ہوئی اس قدر نعمتوں کے بعد بھی تو نے اللہ کی حرمت کی ہتک کی اور اس کی حدود سے تجاوز کیا اور خلیفہ کے خلاف تو نے اتنا بڑا اقدام کیا اور پھر مزید اس پر ظلم یہ کہ منع کرنے والے کی پٹائی کی اور اسے لہولہان کر دیا اور اس کی بے عزتی کی لیکن اس کے پاس ان باتوں کا کوئی جواب نہیں تھا۔

خلیفہ نے اس کو ذلت کا لباس پہنوا کر اور پاؤں میں بیڑیاں اور گلے میں پھندا ڈلوا کر اس کی سخت پٹائی لگوائی اور پھر اسے دریا میں ڈلوا دیا یہ ہی اس کا آخری انجام ہوا۔

پھر پولیس والے کوحکم دیا کہ اس کے گھر میں موجود اموال سامان وغیرہ سب کو اپنی تحویل میں لے لیا جائے اور اس مرد صالح درزی کو کہا کہ جب بھی تم کبھی چھوٹی بڑی برائی دیکھو چاہے یہ پولیس والے ہی کریں تو مجھے باخبر کر دینا اگر ہماری ملاقات ہو سکے تو فبہا وگرنہ چاہے یہی وقت ہو یا اس کے علاوہ کوئی اور وقت ہو اذان دے دینا۔

درزی نے اس تاجر سے کہا کہ خلیفہ کے خوف کی وجہ سے اب جب بھی میں اس کے ارکان میں سے کسی کو کسی کام کے کرنے یا نہ کرنے کا حکم دیتا ہوں تو وہ فوراً اس پر عمل پیرا ہوتا ہے لیکن اس واقعہ کے بعد اب تک مجھے اس قسم کی اذان دینے کی ضرورت پیش نہیں آئی۔ (تاریخ ابن کثیر)

اللہ تعالیٰ کی قدرت اور اہمیت ایمان کا عجیب پر اثر واقعہ

حضرت شیخ ابو عبداللہؒ مشہور شیخ المشائخ اندلس کے اکابر اولیاء اللہ میں ہیں ہزاروں خانقاہیں ان کے دم سے آباد ہزاروں مدارس ان کے فیوض سے جاری۔ ہزاروں شاگرد ہزاروں مریدین آپ کے مریدین کی تعداد بارہ ہزار تک بتائی جاتی ہے۔ ایک دفعہ بارادۂ سفر تشریف لے گئے ہزاروں مشائخ وعلماء ہمرکاب ہیں جن میں حضرت جنید بغدادیؒ حضرت شبلیؒ بھی ہیں۔ حضرت شبلیؒ کا بیان ہے کہ ہمارا قافلہ نہایت ہی خیرات وبرکات کے ساتھ چل رہا تھا کہ عیسائیوں کی ایک بستی پر گزر ہوا۔ نماز کا وقت تنگ ہو رہا تھا بستی میں پانی نہ ملا۔ بستی سے باہر ایک کنوئیں پر چند لڑکیاں پانی بھر رہی تھیں حضرت شیخ کی نگاہ ایک لڑکی پر پڑی۔ حضرت کی نگاہ اس پر پڑتے ہی تغیر ہونے لگا۔ حضرت شبلیؒ فرماتے ہیں کہ شیخ اس کی گفتگو کے بعد سر جھکا کر بیٹھ گئے۔ تین دن کامل گزر گئے کہ نہ کھاتے ہیں نہ پیتے ہیں نہ کسی سے بات کرتے ہیں۔ حضرت شبلیؒ کہتے ہیں کہ سب خدام پریشان حال تھے تیسرے دن میں نے جرأت کر کے عرض کیا یا شیخ! آپ کے ہزاروں مریدین آپ کی اس حالت سے پریشان ہیں۔ شیخ نے ان لوگوں کی طرف متوجہ ہو کر کہا "میرے عزیزو! میں اپنی حالت تم سے کب تک چھپاؤں۔ پرسوں میں نے جس لڑکی کو دیکھا ہے اس کی محبت مجھ پر اتنی غالب آ چکی ہے کہ تمام اعضاء وجوارح پر اسی کا تسلط ہے۔ اب کسی طرح ممکن نہیں کہ اس سرزمین کو میں چھوڑ دوں۔"

حضرت شبلی رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا کہ "اے میرے سردار! آپ اہل عراق کے

پیرومرشد علم وفضل۔ زہدوعبادت میں شہرۂ آفاق ہیں۔آپ کے مریدین کی تعداد بارہ ہزار سے متجاوز ہوچکی ہے۔ بطفیل قرآن عزیز ہمیں اوران سب کو رسوانہ کیجئے۔''

شیخ نے فرمایا''میرے عزیز! میرا تمہارا نصیب۔تقدیر خداوندی ہوچکی ہے مجھ سے ولایت کالباس سلب کرلیا گیا ہے اور ہدایت کی علامات اٹھالی گئیں۔'' یہ کہہ کر رونا شروع کیا اور کہا'' اے میری قوم! قضاوقدر نافذ ہوچکی ہے اب کام میرے بس کا نہیں۔''

حضرت شبلی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ ہمیں اس عجیب واقعہ پر سخت تعجب ہوا اور حسرت سے رونا شروع کیا۔شیخ بھی ہمارے ساتھ رو رہے تھے۔یہاں تک کہ زمین آنسوؤں سے امنڈ آنے والے سیلاب سے تر ہوگئی۔اس کے بعد ہم مجبور ہوکر اپنے وطن بغداد کی طرف لوٹے۔جب ہم نے واپس آ کر یہ واقعات سنائے تو شیخ کے مریدین میں کہرام مچ گیا۔چند آدمی تو اسی وقت غم وحسرت میں عالم آخرت کو سدھار گئے اور باقی لوگ گڑگڑا کر خدائے بے نیاز کی بارگاہ میں دعائیں کرنے لگے کہ اے مقلب القلوب شیخ کو ہدایت کراور پھر اپنے مرتبہ پر لوٹا دے۔اس کے بعد تمام خانقاہیں بند ہوگئیں اور ہم ایک سال تک اسی حسرت وافسوس میں شیخ کے فراق میں لوٹتے رہے۔ایک سال کے بعد جب مریدوں نے ارادہ کیا کہ چل کر شیخ کی خبر لیں کہ کس حال میں ہیں تو ہماری ایک جماعت نے سفر کیا۔اس گاؤں میں پہنچ کر لوگوں سے شیخ کا حال دریافت کیا تو گاؤں والوں نے بتایا کہ وہ جنگل میں سؤر چرارہا ہے۔ہم نے کہا خدا کی پناہ یہ کیا ہوا؟

گاؤں والوں نے بتایا کہ اس نے سردار کی لڑکی سے منگنی کی تھی۔اس کے باپ نے اس شرط پر منظور کرلیا اور وہ جنگل میں سؤر چرانے کی خدمت پر مامور ہے۔ہم یہ سن کر ششدر رہ گئے اور غم سے کلیجے پھٹنے لگے۔آنکھوں سے بے ساختہ آنسوؤں کا طوفان امنڈنے لگا۔بمشکل دل تھام کر اس جنگل میں پہنچے جس میں وہ سؤر چرارہے تھے۔دیکھا تو شیخ کے سر پر نصاریٰ کی ٹوپی اور کمر میں زنار بندھا ہوا ہے اور اس عصا پر ٹیک لگائے ہوئے خنزیروں کے سامنے کھڑے ہیں جس سے وعظ اور خطبہ کے وقت سہارا لیا کرتے تھے۔جس نے ہمارے زخموں پر نمک پاشی کا کام کیا.... شیخ نے ہمیں اپنی طرف آتے دیکھ کر سر جھکالیا۔ہم نے قریب

پہنچ کر السلام علیکم کہا شیخ نے کسی قدر دبی آواز سے وعلیکم السلام کہا حضرت شبلی رحمۃ اللہ علیہ نے عرض کیا کہ "اے شیخ! اس علم و فضل اور حدیث و تفسیر کے ہوئے آج تمہارا کیا حال ہے"؟

شیخ نے فرمایا "میرے بھائیو! میں اپنے اختیار میں نہیں۔ میرے مولیٰ نے مجھے جیسا چاہا ویسا کر دیا اور اس قدر مقرب بنانے کے بعد جب چاہا کہ مجھے اپنے دروازہ سے دور پھینک دے تو پھر اس کی قضا کو کون ٹالنے والا ہے۔ اے عزیزو! خدائے بے نیاز کے قہر و غضب سے ڈرو۔ اپنے علم و فضل پر مغرور نہ ہو۔" اس کے بعد آسمان کی طرف نظر اٹھا کر کہا کہ "اے میرے مولیٰ! میرا گمان تو تیرے بارے میں ایسا نہ تھا کہ تو مجھ کو ذلیل و خوار کر کے اپنے دروازہ سے نکال دے گا" یہ کہہ کر خدا تعالیٰ سے استغاثہ کرنا اور رونا شروع کر دیا اور فرمایا "اے شبلی! اپنے غیر کو دیکھ کر عبرت حاصل کر۔"

شبلی نے روتے ہوئے عرض کیا "اے ہمارے پروردگار! ہم تجھ ہی سے مدد طلب کرتے ہیں اور تجھ ہی سے استغاثہ کرتے ہیں اور ہر کام میں ہم کو تیرا ہی بھروسہ ہے ہم سے یہ مصیبت دور کر دے کہ تیرے سوا کوئی دفعہ کرنے والا نہیں۔"

خنزیران کا رونا اور ان کی دردناک آواز سنتے ہی ان کے پاس جمع ہو گئے اور انہوں نے بھی رونا اور چلانا شروع کر دیا۔ ادھر شیخ بھی زار زار رو رہے تھے۔ حضرت شبلی نے عرض کیا کہ۔ آپ حافظ قرآن تھے اور قرآن کو ساتوں قرأتوں سے پڑھا کرتے تھے اب بھی کوئی اس کی آیت یاد ہے"؟

شیخ نے کہا "اے عزیز! مجھے قران میں دو آیت کے سوا کچھ یاد نہیں رہا۔ ایک تو یہ ہے:

"وَمَنْ يُّهِنِ اللّٰهُ فَمَالَهٗ مِنْ مُّكْرِمٍ ط اِنَّ اللّٰهَ يَفْعَلُ مَا يَشَآءُ"

(جس کو اللہ ذلیل کرتا ہے اس کو کوئی عزت دینے والا نہیں.... بیشک اللہ جو چاہتا ہے کرتا ہے)

اور دوسری یہ ہے: "وَمَنْ يَّتَبَدَّلِ الْكُفْرَ بِالْاِيْمَانِ فَقَدْ ضَلَّ سَوَآءَ السَّبِيْلِ"

(جس نے ایمان کے بدلہ میں کفر اختیار کیا.... تحقیق وہ سیدھے راستہ سے گمراہ ہو گیا)

حضرت شبلی نے عرض کیا اے شیخ! آپ کو تیس ہزار حدیثیں مع اسناد کے بر زبان یاد تھیں۔ اب ان میں سے بھی کوئی یاد ہے۔؟

شیخ نے کہا ''صرف ایک حدیث یاد ہے یعنی من بدل دینه فاقتلوه (جو شخص اپنا دین بدل ڈالے اس کو قتل کر ڈالو)

حضرت شبلی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں ہم نے یہ حال دیکھ کر شیخ کو وہیں چھوڑ کر بغداد کا قصد کیا۔ ابھی تین منزل طے کرنے پائے تھے کہ تیسرے روز اچانک شیخ کو اپنے آگے دیکھا کہ ایک نہر سے غسل کر کے نکل رہے ہیں اور بآواز بلند شہادتیں اشہد ان لا الٰہ الا اللہ واشہد ان محمد رسول اللہ پڑھتے جاتے ہیں۔ اس وقت ہماری مسرت کا اندازہ وہی شخص کر سکتا ہے جس کو اس سے پہلے ہماری مصیبت کا اندازہ ہو۔ بعد میں شیخ سے ہم نے پوچھا کہ کیا آپ کے اس ابتلا کا کوئی سبب تھا تو شیخ نے فرمایا ''ہاں جب ہم گاؤں میں اترے اور بت خانوں اور گرجا گھروں پر ہمارا گذر ہوا۔ آتش پرستوں اور صلیب پرستوں کو غیر اللہ کی عبادت میں مشغول دیکھ کر میرے دل میں تکبر اور بڑائی پیدا ہوئی کہ ہم مومن موحد ہیں اور یہ کمبخت کیسے جاہل و احمق ہیں کہ بے حس و بے شعور چیزوں کی پرستش کرتے ہیں مجھے اسی وقت ایک غیبی آواز دی گئی کہ یہ ایمان و توحید کچھ تمہارا ذاتی کمال نہیں کہ سب کچھ ہماری توفیق سے ہے۔ کیا تم اپنے ایمان کو اپنے اختیار میں سمجھتے ہو؟

اور اگر تم چاہو تو ہم تمہیں ابھی بتلادیں اور مجھے اسی وقت یہ احساس ہوا کہ گویا ایک پرندہ میرے قلب سے نکل کر اڑ گیا جو درحقیقت ایمان تھا۔''

بعض بزرگوں نے لکھا ہے کہ جب شیخ بحال ہو کر اپنی خانقاہ میں چلے گئے اور پھر اصلاح امت کی خدمت میں لگ گئے تو وہ عیسائی کی لڑکی کہتی تھی کہ ہمارے شیخ کہاں گئے وہ ان کی جدائی میں بے چین تھی اور تلاش کرتی تھی۔ اس کو ایک شخص ملا اور کہا کہ تم اس قدر بے چین کیوں ہو اس نے اپنا واقعہ سنایا انہوں نے کہا کہ آنکھ بند کرو اس نے آنکھ بند کر لی پھر کہا کہ اب آنکھ کھولو تو اس لڑکی نے دیکھا کہ شیخ کی خانقاہ سامنے ہے اور وہ اس میں تشریف فرما ہیں لڑکی ان کی خدمت میں حاضر ہوئی حضرت شیخ عبداللہ اندلسیؒ نے فرمایا کہ اب مجھے شادی کی ضرورت نہیں ہے لڑکی نے کہا کہ میں مسلمان ہو رہی ہوں اور آپ کے پاس رہ کر اسلام کی تعلیم کے مطابق زندگی گزاروں گی۔ حضرت رحمۃ اللہ علیہ نے منظور فرمالیا۔ وہ لڑکی دن

رات عبادت اور ذکر میں مصروف رہتی تھی اور ولیہ بن گئی اور چند سال کے بعد اس کا انتقال ہو گیا۔ حضرت شیخ رحمۃ اللہ علیہ نے اس کی نماز جنازہ پڑھا کر دفن کرا دیا۔

اللہ تعالیٰ اس طرح اپنے مخلصین بندوں کی مدد فرماتے ہیں اور تنبیہ کے طور پر کسی کوتاہی اور بھول پر سزا بھی دیتے ہیں اسی لئے اولیاء اللہ چھوٹی چھوٹی خطاؤں کو اور غلطیوں کو بھی گناہ کبیرہ کہتے ہیں کیونکہ بعض مرتبہ چھوٹی غلطی بھی اللہ تعالیٰ کی ناراضگی کا سبب بن جاتی ہے۔ اس سے معلوم ہوا کہ اولیاء اللہ سے بھی غلطی ہو جاتی ہے اور یہ بھی معلوم ہوا کہ عام لوگوں سے بڑے بڑے گناہ سرزد ہوتے رہتے ہیں مگر ان کی کوئی پکڑ نہیں ہوتی اور مقربین کی چھوٹی چھوٹی غلطیوں کی پکڑ ہو جاتی ہے مگر وہ حضرات چھوٹی سی غلطی پر اس قدر نادم ہو کر روتے ہیں اور توبہ کرتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ کا غضب ان کے رحم و کرم سے بدل جاتا ہے۔ باری توبہ کرنے والے اور معافی مانگنے والے اپنے اولیاء کی توبہ کو قبول فرما کر ان کے مقام کو پہلے سے بہت زیادہ بلند فرما دیتے ہیں جیسا کہ حضرت شیخ ابوعبداللہ اندلسی رحمۃ اللہ علیہ کے واقعہ کو آپ لوگوں نے سنا۔ اگر بندہ اپنی غلطی پر نادم ہو کر اللہ تعالیٰ سے معافی مانگتا رہے تو وہ رحیم و کریم ہیں بڑے بڑے گناہوں کو معاف فرما کر ان کی جگہ پر حسنات شامل فرما دیتے ہیں اسلئے تمام بندگان خداوندی کو اپنی زندگی کے ہر لمحہ کی قدر کرنی چاہئے اور باری تعالیٰ سے اپنے گناہوں کی مغفرت طلب کرنا چاہئے۔ (مجالس حکیم الاسلام جلد دوم)

ایک نصرانی راہب کے ایمان لانے کا واقعہ

حضرت ابراہیم خواص کہتے ہیں کہ میں ایک مرتبہ جنگل میں جا رہا تھا راستہ میں ایک نصرانی راہب مجھے ملا جس کی کمر میں زنار (پٹکہ یا دھاگہ وغیرہ جو کفر کی علامت کے طور پر کافر باندھتے ہیں) بندھ رہا تھا اس نے میرے ساتھ رہنے کی خواہش ظاہر کی (کافر فقیر اکثر مسلمان فقراء کی خدمت میں رہتے چلے آئے ہیں) میں نے ساتھ لے لیا سات دن تک ہم چلتے رہے (نہ کھانا نہ پینا) ساتویں دن اس نصرانی نے کہا اے محمدی کچھ اپنی فتوحات دکھاؤ (کئی دن ہو گئے کچھ کھایا نہیں) میں نے اللہ تعالیٰ شانہ سے دعا کی کہ یا اللہ اس کافر کے سامنے مجھے ذلیل نہ فرما، میں نے دیکھا کہ فوراً ایک خوان سامنے رکھا گیا جس

میں روٹیاں، بھنا ہوا گوشت اور تر وتازہ کھجوریں اور پانی کا لوٹا رکھا ہوا تھا ہم دونوں نے کھایا پانی پیا اور چل دیئے، سات دن تک چلتے رہے۔ ساتویں دن میں نے (اس خیال سے کہ وہ نصرانی پھر نہ کہہ دے) جلدی کر کے اس نصرانی سے کہا کہ اس مرتبہ تم کچھ دکھاؤ اب کے تمہارا نمبر ہے۔ وہ اپنی لکڑی پر سہارا لگا کر کھڑا ہو گیا اور دعا کرنے لگا جب ہی دو خوان جن میں ہر چیز اس سے دگنی تھی جو میرے خوان پر تھی سامنے آ گئی۔ مجھے بڑی غیرت آئی میرا چہرہ فق ہو گیا اور میں حیرت میں رہ گیا اور میں نے رنج کی وجہ سے کھانے سے انکار کر دیا۔ اس نصرانی نے مجھ پر کھانے کا اصرار کیا مگر میں عذر ہی کرتا رہا اس نے کہا کہ تم کھاؤ میں تم کو دو بشارتیں سناؤں گا۔ جن میں سے پہلی یہ ہے کہ **اشهد ان لا اله الا الله واشهد ان سیدنا محمد رسول الله صلی الله علیه و آله وسلم** میں مسلمان ہو گیا ہوں اور یہ کہہ کر زنار توڑ پھینک دیا اور دوسری بشارت یہ ہے کہ میں نے جو کھانے کیلئے دعا کی تھی وہ یہی کہہ کر کی تھی کہ یا اللہ اس محمدی کا اگر تیرے یہاں کوئی مرتبہ ہے تو اس کے طفیل تو ہمیں کھانا دے۔ اس پر یہ کھانا ملا ہے اور اسی وجہ سے میں مسلمان ہوا۔ اس کے بعد ہم دونوں نے کھانا کھایا پھر آگے چل دیئے آخر مکہ مکرمہ پہنچے حج کیا اور وہ نومسلم مکہ ہی میں ٹھہر گیا وہیں اس کا انتقال ہوا۔ **غفر الله له**۔ (جواہر پارے)

روئے انور کو دیکھ کر ایمان لانے کی سعادت

حضرت عبداللہ بن سلام رضی اللہ عنہ یہودیوں کے بہت بڑے عالم تھے، توراۃ پر عبور حاصل تھا۔ جب حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم مدینہ منورہ تشریف لائے تو حضرت عبداللہ بن سلام رضی اللہ عنہ نے روئے انور کی زیارت کے بعد اسلام قبول کر لیا، پہلے آپ کا نام حصین تھا آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے عبداللہ بن سلام نام رکھا۔

حضرت عبداللہ بن سلام رضی اللہ عنہ اپنے اسلام لانے کا واقعہ اس طرح بیان کرتے ہیں کہ جب رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم مدینہ منورہ تشریف لائے تو میں آپ کی تشریف آوری کی خبر سنتے ہی آپ کو دیکھنے کیلئے حاضر ہوا۔

فلما تبینت وجهه عرفت انه لیس بوجه کذاب

جب میں نے آپ کے چہرہ انور کو دیکھا تو مجھے معلوم ہو گیا کہ یہ چہرہ جھوٹا نہیں ہو سکتا۔

حضرت عبداللہ بن سلام رضی اللہ عنہ کی طرح اور بھی بہت سے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم ہیں جو محض آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے جمال جہاں آراء کے دیدار ہی سے مسلمان ہو گئے تھے۔ (جواہر پارے)

جادوگروں کے مسلمان ہو جانے کی وجہ

حکیم الامت حضرت مولانا اشرف علی تھانوی رحمہ اللہ لکھتے ہیں۔

''سیر کی روایت میں ہے کہ جب فرعون نے حضرت موسیٰ علیہ السلام کے مقابلہ کیلئے ساحرین (جادوگروں) کو جمع کیا تو وہ لوگ اسی لباس میں آئے تھے جو کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام کا لباس تھا۔ آخر مقابلہ ہوتے ہی تمام ساحرین (جادوگر) مسلمان ہو گئے۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے حضرت خداوندی میں عرض کیا کہ یا الٰہی یہ سامان فرعون کے اسلام کیلئے ہوا تھا کیا سبب کہ اس پر فضل نہ ہوا اور ساحرین کو ایمان کی توفیق ہو گئی؟ ارشاد ہوا اے موسیٰ یہ تمہاری سی صورت بن کر آئے تھے۔ ہماری رحمت نے پسند نہ کیا کہ ہمارے محبوب کے ہم وضع لوگ دوزخ میں جائیں' اس لئے ان کو توفیق ہو گئی اور فرعون کو چونکہ اتنی مناسبت بھی نہ تھی' اس لئے اس کو یہ دولت نصیب نہ ہو سکی۔ (جواہر پارے)

پانچ سو پادریوں کا قبول اسلام

حضرت بایزید بسطامی رحمہ اللہ فرماتے ہیں۔

ایک دن میں مراقبہ میں اپنی خلوت وراحت سے لذت حاصل کر رہا تھا نیز اپنی فکر میں مستغرق اور اپنے ذکر سے انسیت حاصل کر رہا تھا۔ اچانک میرے گوشہ دل میں آواز آئی کہ ابویزید دیر سمعان جاؤ اور وہاں کے راہبوں کے ساتھ ان کی عید وقربانی میں شریک ہو ہمیں وہاں ایک عظیم معاملہ در پیش ہے۔ حضرت بایزیدؒ فرماتے ہیں کہ میں نے اس آواز کو وسوسہ خیال کر کے اللہ تعالیٰ سے پناہ چاہی اور میں نے (جی میں) کہا کہ میں اس وسوسہ کو خاطر میں نہیں لاتا' جب رات ہوئی تو ہاتف غیبی نیند میں آیا اور وہی بات دہرائی (کہ بایزید دیر سمعان جاؤ) میں بیدار ہوا تو بے قرار ہو کر لرزنے کانپنے لگا' مجھ پر اس کلام کا اتنا اثر تھا کہ مفلوج آدمی سنے تو کھڑا ہو جائے۔ مجھے دوران مراقبہ کہا گیا کہ (بایزید) تم ہمارے نزدیک اولیاء اخیار میں سے ہو اور ابرار (نیک لوگوں) کے رجسٹر میں تمہارا نام درج ہے۔ تم کچھ محسوس نہ کرو اور راہبوں کا بھیس بدل لو اور ہماری خاطر زنار باندھ لو' اس سلسلہ میں تم پر کسی قسم کا کوئی گناہ اور نکیر نہ ہوگی۔ حضرت بایزید رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ میں صبح سویرے اٹھا اور حکم الٰہی کے پورا کرنے میں لگ گیا' میں نے راہبوں کا بھیس بدلا اور ان کے ساتھ دیر سمعان چلا آیا جب ان راہبوں کا بڑا پادری آیا اور یہ سب اس کے گرد اکٹھے ہوئے اور خاموش ہو کر اس کے کلام کو سننے کی طرف متوجہ ہوئے تو اس کیلئے کھڑا ہونا مشکل ہو گیا اور قوت گویائی نہ رہی گویا اس کے منہ میں لگام ڈال دی گئی ہے سارے راہب اس کی طرف متوجہ ہو کر بولے حضور کیا بات پیش آ گئی ہے کہ آپ کچھ کلام نہیں فرما رہے' ہم آپ کے کلام سے راہ یاب ہوتے ہیں اور آپ کے علم کی اقتداء کرتے ہیں' پادری بولا کہ مجھے کلام کرنے

اور تقریر کا آغاز کرنے میں کوئی رکاوٹ نہیں ہے سوائے اس کے کہ تمہارے درمیان ایک رجل محمدی آ گیا ہے اور وہ آیا ہے تمہارے دین کو جانچنے اور تم پر زیادتی کرنے کیلئے وہ سارے بولے کہ آپ ہمیں بتلایئے وہ کون ہے ہم ابھی اسے قتل کئے دیتے ہیں وہ پادری کہنے لگا کہ نہیں کسی کو بغیر دلیل و برہان کے قتل کرنا صحیح نہیں' میرا خیال ہے کہ میں اس (رجل محمدی) کا امتحان لیتا ہوں اور اس سے علم الادیان سے متعلق چند مسائل دریافت کرتا ہوں اگر اس نے ان کا جواب دے دیا اور اچھی طرح بیان کر دیا تو ہم اسے چھوڑ دینگے ورنہ مار ڈالیں گے۔ ضابطہ بھی ہے کہ امتحان کے وقت آدمی کی یا تو عزت ہوتی ہے یا وہ ذلیل و رسوا ہو جاتا ہے وہ سارے پادری بولے ٹھیک ہے جناب کی جو رائے ہو اس کے مطابق عمل کریں' ہم تو استفادے کی غرض سے حاضر ہوئے ہیں وہ بڑا پادری اپنے پاؤں پر کھڑا ہوا اور یوں پکارا کہ اے رجل محمدی تجھے محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا واسطہ تو اپنی جگہ پر کھڑا ہو جاتا کہ نگاہیں تجھے دیکھ سکیں۔ حضرت بایزیدؒ اٹھے اور اللہ جل شانہ کی تسبیح و تنزیہ کرنے لگے۔

پادری نے آپ کی طرف متوجہ ہو کر کہا کہ اے رجل محمدی میرا ارادہ ہے کہ میں تجھ سے کچھ سوالات کروں' اگر تو نے ان کے جوابات دے دیئے اور ان کی اچھی تشریح کر دی تو ہم تیری پیروی کر لیں گے اور اگر تو ان کے جوابات نہ دے سکا تو ہم تجھے قتل کر دیں گے۔

حضرت بایزیدؒ نے فرمایا کہ منقولات و معقولات میں سے جو چاہو پوچھو ہماری جو باتیں ہوں گی اللہ اس پر گواہ ہے۔

۱۔ آپ ہمیں ایسا ایک بتلایئے جس کا دوسرا نہیں۔

۲۔ اور ایسے دو جن کا تیسرا نہیں۔

۳۔ اور ایسے تین جن کا چوتھا نہیں۔

۴۔ اور ایسے چار جن کا پانچواں نہیں۔

۵۔ اور ایسے پانچ جن کا چھٹا نہیں۔

۶۔ اور ایسے چھ جن کا ساتواں نہیں۔

۷۔ اور ایسے سات جن کا آٹھواں نہیں۔

۸۔اور ایسے آٹھ جن کا نواں نہیں۔

۹۔اور ایسے نو جن کا دسواں نہیں۔

۱۰۔اور عشرہ کاملہ کے بارے میں بتلائیے۔

۱۱۔اور ہمیں گیارہ کے بارے میں بتلائیے۔

۱۲۔اور بارہ کے بارے میں خبر دیجئے۔

۱۳۔اور تیرہ کے بارے میں بتلائیے ان سے کیا مراد ہے۔

۱۴۔اور بتلائیے کہ وہ کون سی قوم تھی جس نے جھوٹ بولا اور جنت میں گئی اور وہ کون سی قوم ہے جس نے سچ بولا اور جہنم میں پہنچی؟

۱۵۔اور بتلائیے کہ انسانی جسم میں اس کے نام رہنے کی جگہ کہاں ہے؟

۱۶۔اور ذاریات ذروا۔

۱۷۔حاملات وقرا۔

۱۸۔جاریات یسرا۔

۱۹۔اور مقسمات امرا کے بارے میں بتلائیے ان سے کیا مراد ہے؟

۲۰۔اور وہ چیز بتلائیے جو بغیر روح کے سانس لیتی ہے۔

۲۱۔اور ان چودہ کے بارے میں بتلائیے جنہوں نے اللہ رب العزت سے کلام کیا۔

۲۲۔اور وہ قبر بتلائیے جو اپنے مردہ کو لئے پھرتی رہی۔

۲۳۔اور ایسا پانی بتلائیے جو نہ زمین سے نکلا اور نہ آسمان سے برسا۔

۲۴۔اور ان چار کے بارے میں بتلائیے جو نہ باپ کی پیٹھ سے نکلے اور نہ ماں کے پیٹ سے پیدا ہوئے۔

۲۵۔اور بتلائیے کہ زمین پر سب سے پہلے خون کونسا بہایا گیا۔

۲۶۔اور وہ چیز بتلائیے جس کو اللہ نے پیدا کیا اور پھر خرید لیا۔

۲۷۔اور وہ چیز بتلائیے جس کو اللہ نے پیدا کیا پھر اس کو برا بتلایا۔

۲۸۔اور وہ چیز بتلائیے کہ جس کو اللہ نے پیدا کیا اور بڑا بتلایا۔

۲۹۔اور وہ چیز بتلایئے کہ جس کو اللہ نے پیدا کیا اور اس کے بارے میں سوال کیا۔

۳۰۔بتلایئے عورتوں میں سب سے افضل عورتیں کون سی ہیں؟

۳۱۔دریاؤں میں سب سے افضل دریا کونسے ہیں؟

۳۲۔پہاڑوں میں سب سے افضل پہاڑ کون سا ہے؟

۳۳۔چوپایوں میں سب سے افضل چوپایہ کونسا ہے؟

۳۴۔مہینوں میں سب سے افضل مہینہ کونسا ہے؟

۳۵۔اور راتوں میں سب سے افضل رات کونسی ہے؟

۳۶۔اور طامہ کسے کہتے ہیں بتلایئے؟

۳۷۔اور ایسا درخت بتلایئے جس میں بارہ ٹہنیاں اور ہر ٹہنی پر تیس پتے اور ہر پتے پر پانچ پھول دو دھوپ میں کھلتے ہیں اور تین سایہ میں۔

۳۸۔اور وہ چیز کون سی ہے جس نے بیت اللہ کا طواف کیا' حج کیا' حالانکہ اس پر نہ حج فرض اور نہ اس میں روح۔

۳۹۔اور بتلایئے اللہ نے کتنے نبی بھیجے؟

۴۰۔اور ان میں کتنے رسول ہوئے؟

۴۱۔اور ایسی چار چیزیں بتلایئے کہ جن کا ذائقہ اور رنگ مختلف اور ان سب کی اصل ایک ہے۔

۴۲۔اور نقیر، قطمیر اور فتیل کے بارے میں بتلایئے۔

۴۳۔اور بتلایئے سبد اور لبد کیا چیز ہوتی ہے؟

۴۴۔اور بتلایئے طم اور رم سے کیا مراد ہے؟

۴۵۔اور بتلایئے کہ کتا جب آواز کرتا ہے تو کیا کہتا ہے؟

۴۶۔اور گدھا جب بولتا ہے تو کیا کہتا ہے؟

۴۷۔بیل کیا بولتا ہے؟

۴۸۔گھوڑا ہنہناتے وقت کیا کہتا ہے؟

۴۹۔اونٹ کیا کہتا ہے؟

۵۰۔مور کیا گاتا ہے؟

۵۱۔تیتر کیا بولتا ہے؟

۵۲۔بلبل چہچہاتے وقت کیا گاتی ہے؟

۵۳۔مینڈک اپنی تسبیح میں کیا کہتا ہے؟

۵۴۔ناقوس سے کیا آواز آتی ہے؟

۵۵۔ایسی قوم بتلایئے کہ اللہ تعالیٰ نے اس کی جانب وحی فرمائی حالانکہ نہ وہ انسان ہے نہ جنات نہ فرشتے۔

۵۶۔اور بتلایئے کہ جب دن آتا ہے تو رات کہاں چلی جاتی ہے اور جب رات آتی ہے تو دن کہاں رہتا ہے؟

(جب پادری اتنے سوالات کر چکا تو) حضرت بایزید بسطامی رحمہ اللہ نے فرمایا اور کچھ پوچھنا ہے؟ پادری بولا نہیں اور کچھ نہیں پوچھنا (آپ صرف انہی سوالات کے صحیح صحیح جوابات دے دیجئے اور ہماری باتوں کو وضاحت سے بیان کر دیجئے) حضرت بایزید بسطامی نے پھر یاددہانی کراتے ہوئے فرمایا کہ اگر میں تمام باتوں کے صحیح صحیح جواب دے دوں تو تم اللہ اور اس کے رسول پر ایمان لے آؤ گے۔ تمام بولے ہاں' ہم ضرور ایمان لے آئیں گے حضرت بایزید بسطامی رحمہ اللہ نے فرمایا۔

اللهم انت الشاهد علی ما یقولون۔ اے اللہ جو کچھ یہ کہہ رہے ہیں تو اس پر گواہ ہے۔

حضرت بایزید بسطامی رحمہ اللہ کے جوابات

حضرت بایزید بسطامی رحمہ اللہ نے جواب دینے شروع کئے اور فرمایا۔

۱۔ایسا ایک جس کا دوسرا نہیں وہ اللہ واحد و قہار ہے۔

۲۔اور ایسے دو جن کا تیسرا نہیں وہ رات اور دن ہے' اللہ رب العزت نے فرمایا۔

وَجَعَلْنَا الَّيْلَ وَالنَّهَارَ اٰيَتَيْنِ۔ اور ہم نے بنائے رات اور دن دو نمونے۔

۳۔اور ایسے تین جن کا چوتھا نہیں وہ عرش' کرسی اور قلم ہے۔

۴۔ اور ایسے چار جن کا پانچواں نہیں وہ اللہ تعالیٰ کی نازل کردہ چاروں کتابیں تورات‘ زبور‘ انجیل اور قرآن پاک ہیں۔

۵۔ اور ایسے پانچ جن کا چھٹا نہیں وہ پانچ نمازیں ہیں جن کا ہر مسلمان مرد و عورت پر پڑھنا فرض ہے۔

۶۔ اور ایسے چھ جن کا ساتواں نہیں وہ چھ دن ہیں جن کا اللہ تعالیٰ نے اپنے کلام میں ذکر فرمایا ہے۔ وَلَقَدْ خَلَقْنَا السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ وَمَا بَیْنَهُمَا فِیْ سِتَّةِ اَیَّامٍ ۔ ہم نے بنائے آسمان اور زمین اور جو کچھ ان کے بیچ میں ہے چھ دن میں۔

۷۔ اور ایسے سات جن کا آٹھواں نہیں وہ ساتوں آسمان ہیں جن کے متعلق اللہ تعالیٰ نے فرمایا اَلَّذِیْ خَلَقَ سَبْعَ سَمٰوٰتٍ طِبَاقًا ۔ وہی تو ہے جس نے بنائے سات آسمان تہہ بہ تہہ۔

۸۔ اور ایسے آٹھ جن کا نواں نہیں تو وہ عرش الٰہی کو اٹھانے والے آٹھ فرشتے ہیں۔ چنانچہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں۔ وَیَحْمِلُ عَرْشَ رَبِّکَ فَوْقَهُمْ یَوْمَئِذٍ ثَمٰنِیَةٌ اور اٹھائے ہوئے ہوں گے آپ کے رب کا عرش اس روز آٹھ فرشتے۔

۹۔ اور ایسے نو جن کا دسواں نہیں تو وہ نو شخص ہیں جو شہر میں فساد پھیلاتے تھے‘ ارشاد باری تعالیٰ ہے۔ وَکَانَ فِی الْمَدِیْنَةِ تِسْعَةُ رَهْطٍ یُّفْسِدُوْنَ فِی الْاَرْضِ وَلَا یُصْلِحُوْنَ اور اس شہر میں نو شخص تھے جو ملک میں فساد پھیلاتے تھے اور اصلاح نہیں کرتے تھے۔

۱۰۔ اور عشرہ کاملہ سے مراد وہ دس دن ہیں جن میں متمتع ہدیہ نہ ہونے کی صورت میں روزہ رکھتا ہے۔ ارشاد ربانی ہے۔ فَصِیَامُ ثَلٰثَةِ اَیَّامٍ فِی الْحَجِّ وَسَبْعَةٍ اِذَا رَجَعْتُمْ تِلْکَ عَشَرَةٌ کَامِلَةٌ پس روزے رکھنے تین حج کے دنوں میں اور سات روزے اس وقت جب تم واپس لوٹو یہ پورے دس دن ہوئے۔

۱۱۔ رہا تمہارا سوال گیارہ کے بارے میں تو وہ برادران یوسف ہیں جن کا تذکرہ اللہ تعالیٰ نے جناب یوسف علیہ السلام کی جانب سے حکایۃ فرمایا ہے۔ چنانچہ ارشاد ہے۔ انی رایت احد عشر کوکبا۔ میں نے دیکھا (خواب میں) گیارہ ستاروں (یعنی بھائیوں) کو۔

۱۲۔ اور بارہ کے متعلق تمہارا سوال تو ان سے مراد بارہ مہینے ہیں‘ اللہ تعالیٰ ارشاد

فرماتے ہیں۔اِنَّ عِدَّةَ الشُّهُوْرِ عِنْدَاللّٰهِ اثْنَا عَشَرَ شَهْرًا فِیْ كِتٰبِ اللّٰهِ بلاشبہ اللہ کے یہاں مہینوں کی گنتی بارہ مہینے ہیں۔اللہ کے حکم میں۔

۱۳۔اور تمہارا سوال تیرہ کے متعلق تو اس سے مراد حضرت یوسف علیہ السلام کا خواب ہے اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں اِنِّیْ رَاَیْتُ اَحَدَ عَشَرَ كَوْكَبًا وَّالشَّمْسَ وَالْقَمَرَ رَاَیْتُهُمْ لِیْ سٰجِدِیْنَ بے شک میں نے دیکھا ہے (خواب میں) گیارہ ستاروں کو اور سورج اور چاند کو میں نے دیکھا انہیں کہ یہ مجھے سجدہ کر رہے ہیں۔

۱۴۔رہا تمہارا سوال ایسی قوم کے بارے میں جس نے جھوٹ بولا اور جنت میں گئی تو وہ حضرت یوسف علیہ السلام کے بھائی ہیں۔جنہوں نے یہ کہا تھا اِنَّا ذَهَبْنَا نَسْتَبِقُ وَتَرَكْنَا یُوْسُفَ عِنْدَ مَتَاعِنَا فَاَكَلَهُ الذِّئْبُ ابا جان ہم دوڑنے لگے آگے نکلنے کو اور یوسف کو ہم نے اپنے سامان کے پاس چھوڑا اسے بھیڑیا کھا گیا۔یہ بات انہوں نے جھوٹ کہی تھی لیکن پھر بھی جنت میں گئے (کیونکہ توبہ کر لی تھی) اور وہ قوم جس نے سچ بولا پھر بھی جہنم میں گئی تو وہ یہود و نصاریٰ ہیں جنہوں نے یہ کہا وَقَالَتِ الْیَهُوْدُ لَیْسَتِ النَّصٰرٰی عَلٰی شَیْءٍ وَّقَالَتِ النَّصٰرٰی لَیْسَتِ الْیَهُوْدُ عَلٰی شَیْءٍ یہودی کہتے ہیں کہ نصاریٰ کسی راہ پر نہیں ہیں اور نصاریٰ کہتے ہیں کہ یہودی کسی راہ پر نہیں ہیں۔انہوں نے یہ بات تو سچ کہی ہے لیکن پھر بھی جہنم میں گئے (اس لئے کہ یہ نبی آخر الزمان صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر ایمان نہیں لائے)

۱۵۔رہا تمہارا یہ سوال کہ تمہارے جسم میں تمہارے نام رہنے کی جگہ کہاں ہے تو اس کا جواب یہ ہے کہ تمہارا نام رہنے کی جگہ تمہارے کان ہیں۔

۱۶۔ذاریات ذروا سے مراد چاروں ہوائیں ہیں۔

۱۷۔ حاملات وقرا سے مراد بادل ہیں، چنانچہ ارشاد باری ہے۔ وَالسَّحَابِ الْمُسَخَّرِ بَیْنَ السَّمَآءِ وَالْاَرْضِ اور بادل میں جو کہ مسخر ہے آسمان و زمین کے درمیان۔

۱۸۔جاریات یسرا سے مراد دریاؤں میں چلنے والی کشتیاں ہیں۔

۱۹۔اور مقسمات امرا سے مراد وہ فرشتے ہیں جو نصف شعبان سے اگلے نصف شعبان تک مخلوق کی روزی تقسیم کرنے پر مقرر ہیں۔

۲۰۔اور وہ چودہ جنہوں نے اللہ تعالیٰ سے کلام کیا سووہ ساتوں زمین اور ساتوں آسمان ہیں۔اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے فَقَالَ لَهَا وَلِلْاَرْضِ ائْتِيَا طَوْعًا اَوْ كَرْهًا قَالَتَآ اَتَيْنَا طَآئِعِيْنَ پھر فرمایا آسمان اور زمین سے کہ چلے آؤ خوشی سے یا نہ خوشی سے بولے آئے ہم خوشی سے۔

۲۱۔اور ایسی قبر جو اپنے مردہ کو لئے پھرتی رہی سووہ مچھلی ہے جس نے یونس علیہ السلام کو نگل لیا تھا اور ان کو دریا میں لئے پھرتی تھی۔

۲۲۔اور ایسی چیز جو بغیر روح کے سانس لیتی ہے وہ صبح ہے اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں وَالصُّبْحِ اِذَا تَنَفَّسَ اور قسم ہے صبح کی جب دم بھرے۔

۲۳۔اور ایسا پانی جو نہ آسمان سے برسا اور نہ زمین سے نکلا سو اس سے گھوڑے کا پسینہ مراد ہے۔جو بلقیس نے قارورہ میں رکھ کر حضرت سلیمان علیہ السلام کے پاس ان کا امتحان لینے کیلئے بھیجا تھا۔

۲۴۔اور ایسے چار جو نہ باپ کی پیٹھ سے نکلے اور نہ ماں کے پیٹ سے پیدا ہوئے۔

۱۔وہ حضرت اسماعیل علیہ السلام کے فدیہ میں آنے والا مینڈھا۔

۲۔حضرت صالح علیہ السلام کی اونٹنی جو پہاڑ سے پیدا کی گئی۔

۳۔حضرت آدم علیہ السلام جو بغیر ماں باپ کے پیدا ہوئے۔

۴۔حضرت اماں حوا علیہا السلام جو حضرت آدم علیہ السلام کی بائیں پسلی سے پیدا کی گئیں۔یہ چار مراد ہیں۔

۲۵۔اور وہ خون جو زمین پر سب سے پہلے بہایا گیا وہ ہابیل کا خون ہے جسے اس کے بھائی قابیل نے قتل کر دیا تھا۔

۲۶۔اور ایسی چیز جسے اللہ تعالیٰ نے پیدا کیا اور پھر خود ہی خرید لیا وہ مومن کا نفس ہے چنانچہ ارشاد باری تعالیٰ ہے۔اِنَّ اللّٰهَ اشْتَرٰى مِنَ الْمُؤْمِنِيْنَ اَنْفُسَهُمْ وَاَمْوَالَهُمْ بِاَنَّ لَهُمُ الْجَنَّةَ بلاشبہ اللہ تعالیٰ نے خرید لیا ہے اہل ایمان سے ان کے نفسوں اور مالوں کو اس قیمت پر کہ ان کیلئے جنت ہے۔

۲۷۔اور ایسی چیز جس کو اللہ تعالیٰ نے پیدا کیا اور اسے برا بتلایا وہ گدھے کی

آواز ہے اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں اِنَّ اَنکَرَ الْاَصْوَاتِ لَصَوْتُ الْحَمِیْرِ بلاشبہ سب سے بری آواز گدھے کی ہے۔

۲۸۔ایسی چیز جس کو اللہ تعالیٰ نے پیدا کیا اور بڑا ابتلایا وہ عورتوں کا مکر اور چالاکی ہے ارشاد ہے۔اِنَّ کَیْدَکُنَّ عَظِیْمٌ البتہ تمہارا مکروفریب بڑا ہے۔

۲۹۔ایسی چیز جسے اللہ تعالیٰ نے پیدا کیا اور اس کے بارے میں سوال کیا وہ حضرت موسیٰ علیہ السلام کی لاٹھی ہے۔ارشاد باری ہے۔وَمَا تِلْکَ بِیَمِیْنِکَ یٰمُوْسٰی قَالَ هِیَ عَصَایَ اَتَوَکَّؤُا عَلَیْهَا وَاَهُشُّ بِهَا عَلٰی غَنَمِیْ یہ کیا ہے تمہارے داہنے ہاتھ میں اے موسیٰ عرض کیا کہ یہ میری لاٹھی ہے اس پر ٹیک لگاتا ہوں اور پتے جھاڑتا ہوں اس سے بکریوں کیلئے۔

۳۰۔عورتوں میں سب سے افضل حضرت حوا (ام البشر) حضرت خدیجہ' حضرت عائشہ' حضرت آسیہ' حضرت مریم بنت عمران رضی اللہ عنہن ہیں۔

۳۱۔دریاؤں میں سب سے افضل دریا سیحون جیحون' دجلہ' فرات اور نیل ہیں۔

۳۲۔پہاڑوں میں سب سے افضل پہاڑ طور ہے۔

۳۳۔چوپایوں میں سب سے افضل گھوڑا ہے۔

۳۴۔مہینوں میں سب سے افضل رمضان المبارک کا مہینہ ہے۔اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتے ہیں۔ شَهْرُ رَمَضَانَ الَّذِیْ اُنْزِلَ فِیْهِ الْقُرْاٰنُ رمضان کا مہینہ وہ ہے جس میں قرآن نازل ہوا

۳۵۔راتوں میں سب سے افضل لیلۃ القدر ہے۔اللہ رب العزت ارشاد فرماتے ہیں۔ لَیْلَةُ الْقَدْرِ خَیْرٌ مِّنْ اَلْفِ شَهْرٍ. لیلۃ القدر ہزار مہینوں سے بہتر ہے۔

۳۶۔طامہ قیامت کے دن کو کہتے ہیں۔

۳۷۔ایسا درخت جس میں بارہ ٹہنیاں ہوں ہر ٹہنی پر تیس پتے ہوں ہر پتہ پر پانچ پھول ہوں جن میں سے دو دھوپ میں کھلتے ہوں اور تین سایہ میں' سو درخت سے مراد تو سال ہے بارہ ٹہنیوں سے مراد بارہ مہینے ہیں اور تیس پتوں سے مراد مہینے کے تیس دن ہیں اور ہر پتے پر پانچ پھول سے مراد پانچوں فرض نمازیں ہیں جو رات دن میں پڑھی جاتی ہیں جن میں سے دو ظہر اور عصر دھوپ (دن) میں اور تین فجر' مغرب' عشاء سایہ رات میں پڑھی جاتی ہیں۔

۳۸۔ایسی چیز جس نے بیت اللہ کا طواف کیا' حج کیا حالانکہ نہ اس پر حج فرض نہ اس

میں جان اس سے مراد حضرت نوح علیہ السلام کی کشتی ہے۔

۳۹۔ رہا، سوال کہ اللہ تعالیٰ نے کتنے انبیاء اور رسول بھیجے سو اللہ تعالیٰ نے (کم وبیش) ایک لاکھ چوبیس ہزار انبیاء کرام مبعوث فرمائے۔

۴۰۔ اور ان میں سے تین سو تیرہ کو رسول بنایا۔

۴۱۔ ایسی چار چیزیں جن کا ذائقہ اور رنگ الگ الگ ہے اور ان سب کی اصل ایک ہے وہ آنکھ' ناک' کان اور منہ ہیں آنکھوں کا پانی کھاری' منہ کا پانی میٹھا' ناک کا پانی کھٹا اور کان کا پانی کڑوا ہوتا ہے۔

۴۲۔ یہ سوال کہ نقیر' قطمیر اور فتیل کس کو کہتے ہیں سو نقیر کھجور کی گٹھلی کی پشت پر جو نقطہ ہے اس کو اور قطمیر کھجور کی گھٹلی کے اوپر جو باریک چھلکا ہوتا ہے اسے اور فتیل کھجور کی گٹھلی کے شگاف کی باریک بتی کو کہتے ہیں۔

۴۳۔ سبد اور لبد' بھیڑ' دنبہ اور بکری کے بالوں کو کہتے ہیں۔

۴۴۔ طم اور رم سے مراد ہمارے جد امجد حضرت آدم علیہ السلام سے پہلے کی مخلوق ہے۔

۴۵۔ گدھا جب شیطان کو دیکھتا ہے تو کہتا ہے۔ **لعن الله العشار وهو المكاس**۔ چنگی پر محصول لینے والے پر خدا کی پھٹکار ہو۔

۴۶۔ کتا کہتا ہے **ويل لا هل النار من غضب الجبار**۔ اللہ جبار کے غصہ کی وجہ سے دوزخیوں کیلئے ہلاکت و بربادی ہے۔

۴۷۔ بیل کہتا ہے۔ **سبحان الله وبحمده**۔

۴۸۔ گھوڑا کہتا ہے۔ **سبحان حافظي اذا التقت الابطال واشتغلت الرجال بالرجال**۔

۴۹۔ اونٹ کہتا ہے۔ **حسبي الله وكفى بالله وكيلا**۔

۵۰۔ مور کہتا ہے۔ **الرحمن على العرش استوى**۔

۵۱۔ بلبل کہتی ہے۔ **سبحان الله حين تمسون وحين تصبحون**۔

۵۲۔ مینڈک کہتا ہے۔ **سبحان المعبود في البراري والقفار سبحان الملك الجبار**۔

۵۳۔ناقوس سے آواز نکلتی ہے۔سبحان الله حقا حقا انظر یا ابن آدم فی هذه الدنیا شرقا وغربا ماتریٰ فیها یبقی (اللہ پاک ہے وہ سچ اور حق ہے اے ابن آدم اس دنیا میں بنظر عبرت مشرق و مغرب کی طرف دیکھ تجھے اس میں کوئی بھی باقی نظر نہیں آئے گا)

۵۴۔ایسی قوم جس کی جانب اللہ تعالیٰ نے وحی کی حالانکہ وہ نہ انسان ہیں نہ جن' نہ فرشتے' وہ شہد کی مکھی ہے جس کے بارے میں اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں واوحی ربک الی النحل ان اتخذی من الجبال بیوتا ومن الشجر ومما یعرشون۔اور حکم دیا آپ کے رب نے شہد کی مکھی کو بنائے پہاڑوں میں گھر اور درختوں میں اور جہاں ٹٹیاں باندھتے ہیں۔

۵۵۔رہا یہ سوال کہ جب دن آتا ہے تو رات کہاں ہوتی ہے اور جب رات آتی ہے تو دن کہاں ہوتا ہے تو اس کا علم اللہ کے سوا کسی کو نہیں' یہ راز نہ کسی نبی و رسول پر کھلا اور نہ کوئی مقرب سے مقرب فرشتہ اس پر مطلع ہوا۔

(ان تمام سوالوں کا جواب دینے کے بعد) حضرت بایزید بسطامی رحمہ اللہ نے فرمایا اگر کوئی اور سوال رہ گیا ہو تو پوچھ لو سب نے کہا کہ اب کوئی سوال باقی نہیں رہا۔

آپ نے فرمایا اچھا اب میری ایک بات کا جواب دو یہ بتلاؤ کہ آسمانوں اور جنت کی کنجی کیا ہے؟ بڑا پادری اس پر خاموش رہا' مجمع میں سے آواز آئی کہ تم نے اتنی باتیں پوچھیں اور انہوں نے ان سب کا جواب دے دیا یہ کیا بات ہے کہ انہوں نے تم سے صرف ایک بات پوچھی اور تم اس کا بھی جواب نہیں دے پا رہے۔پادری بولا کہ میں ان کی بات کا جواب دینے سے عاجز نہیں ہوں مجھے خطرہ ہے کہ اگر میں نے ان کی بات کا جواب دے دیا تو تم میری موافقت نہیں کرو گے۔وہ بولے ہم آپ کی موافقت کیوں نہیں کریں گے آپ ہمارے بڑے ہیں۔آپ نے جب بھی کچھ کہا ہم نے سنا اور آپ کی موافقت کی۔

پادری نے کہا کہ لو پھر سنو آسمانوں اور جنت کی کنجی لا اله الا الله محمد رسول الله ہے۔جب انہوں نے یہ بات سنی تو سب کے سب مسلمان ہو گئے اور گرجے کو گرا کر اس کی جگہ مسجد بنائی اور سب نے اپنی اپنی زناریں توڑ ڈالیں اس موقع پر حضرت بایزید بسطامی رحمہ اللہ کو غیب سے آواز آئی اے بایزید تم نے ہماری رضا کی خاطر ایک زنار باندھی تھی ہم نے تمہاری خاطر پانچ سو زناروں کو توڑ دیا۔(الروض الفائق فی المواعظ والرقائق)(جواہر پارے)

ایمان کی لذت

مولانا مفتی سلمان منصور پوری مدظلہ لکھتے ہیں جب کسی چیز کی لذت انسان کے دل میں اتر جاتی ہے تو اس کے مقابلہ میں وہ ہر قربانی دینے کیلئے تیار ہو جاتا ہے' دنیا کی زندگی میں آئے دن اس کا مشاہدہ ہوتا رہتا ہے۔ کسی کو کرسی کی چسک لگتی ہے تو وہ لاکھوں روپے الیکشنوں میں پھونک دیتا ہے۔ کسی کو دولت کی لت لگتی ہے تو وہ ہر آرام اور راحت کو خیر آباد کہہ کر صرف اور صرف روپیہ کے حصول میں سرگرداں نظر آتا ہے اور راستہ کی ہر تکلیف کو ہنسی خوشی گوارا کر لیتا ہے اور کتنی ہی اسے مشقت اٹھانی پڑے مگر وہ اپنے راستہ سے ہٹنا گوارا نہیں کرتا۔

کچھ اسی طرح بلکہ اور آگے کا معاملہ ایمان کی لذت کا بھی ہے کہ جب ایمان کی چاشنی اور حلاوت کسی کو نصیب ہو جاتی ہے تو پھر وہ اس حلاوت اور لذت کو ایک سیکنڈ کیلئے بھی اپنے سے جدا کرنا برداشت نہیں کرتا اور اس کی نظر میں یہی چیز تمام دنیا اور اس کی دولت سے زیادہ قیمتی بن جاتی ہے۔

حضرت عبداللہ بن حذافہ سہمی رضی اللہ عنہ ایک صحابی ہیں۔ ایک مرتبہ سیدنا حضرت فاروق اعظم رضی اللہ عنہ کے زمانہ میں آپ روم کی طرف سفر جہاد میں تشریف لے گئے۔ اتفاق سے رومیوں نے آپ کو لشکر سمیت گرفتار کر لیا اور آپ کو پکڑ کر اپنے بادشاہ کے پاس لے گئے اور تعارف کرایا کہ یہ شخص آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے صحابہ میں سے ہے۔ نصرانی بادشاہ نے نصرانیت قبول کرنے کی درخواست کرتے ہوئے پیشکش کی کہ اگر آپ اسے مان لیں تو میں اپنی حکومت میں آپ کو شریک کر لوں گا۔ بادشاہ کی پیشکش پر حضرت عبداللہ بن حذافہ رضی اللہ عنہ نے بڑی بے نیازی اور جرأت سے جواب دیا کہ

"اگر آپ ساری دولت اور عرب کے تمام خزانے مجھے دے کر یہ چاہیں کہ میں پلک جھپکنے کے بقدر بھی اپنے آقا محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے دین سے پھر جاؤں تو یہ ہرگز نہیں ہو سکتا"۔

بادشاہ نے کہا تو پھر میں آپ کو جان سے مار ڈالوں گا۔ حضرت عبداللہ رضی اللہ عنہ نے جواب دیا کہ آپ جانیں چنانچہ بادشاہ نے آپ کو سولی پر لٹکانے کا حکم دیا اور تیر اندازوں کو ہدایت دی کہ وہ آپ کے ہاتھ پیر کے قریب قریب تیر چلاتے رہیں (تاکہ آپ کو دہشت زدہ کردیں) اس درمیان آپ پر نصرانیت قبول کرنے کا زور ڈالا جاتا رہا مگر آپ برابر انکار کرتے رہے اور سولی اور تیر اندازی سے قطعاً مرعوب نہ ہوئے پھر آپ کو سولی پر سے اتار دیا گیا اور بادشاہ نے ایک دیگچے میں پانی گرم کرنے کا حکم دیا۔ جب پانی کھولنے لگا تو بادشاہ نے ایک مسلمان قیدی کو بلوا کر دیگچے میں ڈلوا دیا منٹوں میں وہ جل بھن کر سیاہ ہوگیا۔ پھر حضرت عبداللہ رضی اللہ عنہ سے نصرانیت اختیار کرنے کی درخواست کی۔ حضرت نے انکار کیا تو بادشاہ نے آپ کو بھی کھولتے ہوئے پانی میں ڈالنے کا حکم دے دیا۔ جب آپ کو دیگچے کی طرف لے جانے لگا تو آپ رونے لگے۔ بادشاہ نے سمجھا کہ شاید اب موت سے ڈر کر آپ اسلام چھوڑ دیں گے۔ اس لئے آپ کو واپس بلایا اور نصرانیت کی دعوت دی۔ مگر حضرت نے صاف انکار کردیا۔ بادشاہ نے پوچھا کہ پھر آپ کیوں رو رہے تھے؟ اس پر حضرت عبداللہ نے جو جواب دیا وہ اسلام کی روشن تاریخ میں آب زر سے نقش ہوگیا۔ ملاحظہ کیجئے اور ایک صحابیِ رسول کی ایمانی قوت پر سر دھنئے آپ نے برملا فرمایا۔

مجھے اس پر رونا آرہا ہے کہ آج میرے پاس ایک ہی جان ہے جو اللہ کی راہ میں جلائے جانے کو تیار ہے۔ کاش کہ میرے بدن کے ہر ہر بال میں ایک ایک جان ہوتی اور ان سب کو اللہ کی راہ میں اسی طرح جلایا جاتا۔

اس مضبوط ایمان کو دیکھ کر نصرانی بادشاہ کا دل پسیج گیا اور اس نے کہا کہ اگر آپ میری پیشانی چوم لیں تو میں آپ کو رہا کرسکتا ہوں۔ حضرت عبداللہ نے فرمایا کہ سارے مسلمان قیدیوں کی رہائی کے عوض میں آپ کی شرط مان سکتا ہوں اور جب بادشاہ نے سب مسلمان قیدیوں کی رہائی کا یقین دلایا تو حضرت عبداللہ نے بادشاہ کی پیشانی کا بوسہ لے کر پورے لشکر کو چھڑا لیا اور امیر المومنین حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی خدمت اقدس میں حاضر ہو کر پورا واقعہ بیان کیا۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کو اتنی مسرت ہوئی کہ فرمایا کہ ہر مسلمان پر لازم ہے کہ

وہ حضرت عبداللہ کی پیشانی چومے' پھر خود آگے بڑھ کر اپنے مبارک ہونٹ حضرت عبداللہ بن خدافہ رضی اللہ عنہ کی پیشانی پر رکھ دیئے۔ (شعب الایمان)

اس واقعہ سے حضرات صحابہ رضی اللہ عنہ کی ایمان قوت کا اندازہ لگایا جا سکتا ہے۔ یہ قوت اسی لئے تھی کہ وہ ایمان کی لذت وحلاوت سے پوری طرح آشنا ہو چکے تھے۔ آج ضرورت ہے کہ ہر مسلمان اس لذت وحلاوت سے آشنا ہو' یہ ہماری بنیادی ضرورت ہے جس کے حصول کیلئے ہر ممکن کوشش کرنی چاہئے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے تین باتوں کو ایمانی حلاوت کے حصول کی علامت قرار دیا ہے۔

ا۔ یہ کہ انسان کی نظر میں اللہ اور اس کے رسول کی ذات کائنات کی ہر چیز سے زیادہ محبوب اور پسندیدہ ہو جائے (جس کا تقاضا یہ ہے کہ وہ کوئی کام اللہ اور اس کے رسول کی مرضی کے خلاف نہ کرے)

۲۔ وہ اپنے مسلمان بھائیوں سے خدا واسطے کا بے لوث تعلق رکھے۔

۳۔ اور وہ اپنے لئے کفر کو اسی طرح ناپسند کرے' جیسے آگ میں جلنے کو ناپسند سمجھتا ہے۔ (مسلم شریف)

حضرات صحابہ رضی اللہ عنہم میں یہ تینوں علامتیں کامل طریقہ پر موجود تھیں اور آج کے معاشرہ میں ان تینوں باتوں سے لاپروائی برتی جا رہی ہے۔ ہم میں سے ہر شخص خود اپنے گریبان میں منہ ڈال کر جائزہ لے کہ وہ ان علامتوں پر کہاں تک پورا اترتا ہے اور کہاں تک کوتاہی کر رہا ہے؟ اللہ تعالیٰ ہمیں خود احتسابی کی توفیق عطا فرمائے آمین۔ (دعوت فکر وعمل)

ایمان کی شان عمرو بن عبدود

عمرو کفار مکہ کا مشہور سردار تھا کفار مکہ آپ کی شجاعت اور طاقت پر فخر کرتے تھے کہ ہمارا عمرو پہلوان ایک ہزار بندوں کا مقابلہ کر سکتا ہے ۸۰ سال کا بوڑھا تھا۔ جنگ بدر میں زخمی ہو کر بھاگا تھا اور قسم اٹھائی تھی کہ جب تک مسلمانوں سے اس شکست کا بدلہ نہیں لوں گا سر پر تیل نہیں ڈالوں گا۔ جنگ خندق کے موقع پر خندق کو ایک جگہ چھوٹا دیکھا تو گھوڑے سمیت اوپر سے چھلانگ لگائی اور اس پار چلا گیا اور مسلمانوں کو مقابلہ کی دعوت دی۔ یاد رہے کہ خندق ساڑھے تین میل لمبی تھی اور

پانچ گز گہری تھی اور چھ دنوں میں تیار ہوئی تھی۔ یہ سن پانچ ہجری کا واقعہ ہے۔ عمرو چونکہ تجربہ کار تھا اس کے مقابلہ پر کوئی بھی نہیں نکلا۔ آخر حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ مقابلے پر نکلے۔ رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اپنی مبارک پگڑی آپ کے سر پر رکھی اور دعا دے کر مقابلہ پر بھیجا۔ عمرو نے مذاقاً کہا کہ بیٹے! آپ کا نام کیا ہے؟ فرمایا میں علی بن ابی طالب ہوں۔ عمرو نے کہا کہ آپ کے والد ابوطالب میرے گہرے دوست تھے۔ خدارا کسی اور کو مقابلہ پر بھیج دو۔ دوسرا یہ کہ تمہاری بڑی پیاری جوانی ہے۔ کیوں میرے ہاتھوں سے اپنی جوانی برباد کر رہے ہو۔ مگر شیر خدا نے فرمایا کہ اچھا میں خود تجھے مقابلے کی دعوت دیتا ہوں۔ اس پر عمرو کو غصہ چڑھا اور حضرت علی پر وار کیا' حضرت علی رضی اللہ عنہ نے ڈھال سے وار کو روکا۔ پھر کیا تھا شیر خدا کی تلوار ذوالفقار حرکت میں آ گئی۔ عمرو پر ایک زبردست حملہ کیا وہاں سے گرد وہ اٹھا۔ کیا دیکھتے ہیں کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ اوپر بیٹھے ہیں اور عمرو کے جسم کے دو ٹکڑے ہو چکے ہیں۔ رسول پاک صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے پاس مشرکین مکہ کا ایلچی آیا اور یہ پیغام لایا کہ آپ ہم سے جتنی قیمت لینا چاہیں لے لیں اور ہمارے سردار کی لاش ہمارے حوالہ کر دیں آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا یہ خود بھی مردار تھا اس کی لاش بھی مردار ہے اور اس کی قیمت لینا بھی حرام ہے تم بغیر قیمت کے اسے اٹھاؤ۔ (طبقات ابن اسعد)

فائدہ۔ چونکہ عمرو بن عبدود ایمان سے محروم تھا تو اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی نگاہوں میں اس کی کوئی قیمت نہیں تھی۔ دوسری طرف حضرت بلال رضی اللہ عنہ سے معراج شریف والی رات رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا بلال! آپ کے جوتوں کی آواز میں نے جنت میں سنی ہے۔ آپ کونسا عمل کرتے ہیں؟ بلال رضی اللہ عنہ نے فرمایا میں ہمیشہ باوضو رہنے کی کوشش کرتا ہوں اور جب میرا وضو ٹوٹ جاتا ہے تو فوراً نیا وضو بناتا ہوں اور تحیۃ الوضو ضرور پڑھتا ہوں فرمایا یہ اس کی برکت ہے۔ دیکھا یہاں ایک غلام ہے اور ایمان اور عمل صالح کی برکت سے جنت میں نظر آ رہے ہیں اور ادھر ایک مشہور سردار ہے۔ فرق صاف ظاہر ہے ایمان کے بغیر انسان کچھ بھی نہیں۔ قرآن کریم نے ایسے لوگوں کو جانوروں سے بھی بدتر کہا ہے۔ اُولٰٓئِکَ کَالْاَنْعَامِ بَلْ ھُمْ اَضَلُّ یہ لوگ (کافر) جانوروں کی طرح ہیں بلکہ ان سے بھی بدتر ہیں۔ (درکامل)

امیر خسرو کا بادشاہ کو ایمان افروز جواب

حضرت خواجہ نظام الدین اولیاء۔ (۷۲۵ھ ۱۳۲۵ء) نہ تو بادشاہوں کے دربار میں جانا پسند کرتے تھے اور نہ ان کو یہ گوارا تھا کہ کوئی بادشاہ ان کی خانقاہ میں آئے وہ ہمیشہ ان سے دور ہی رہتے تھے۔ سلطان جلال الدین فیروز شاہ خلجی کو بڑی تمنا تھی کہ کسی طرح حضرت نظام الدین اولیاء سے شرف ملاقات حاصل ہو۔

حضرت امیر خسرو سلطان کے دربار سے وابستہ تھے۔ان کے سلطان سے اچھے معاملات تھے۔ یہ نظام الدین اولیاء کے بڑے محبوب مریدوں میں تھے۔ان کو اپنے مرشد کے معاملات میں بڑا دخل تھا۔اس لئے ایک دن بادشاہ نے حضرت امیر خسرو سے مشورہ کیا کہ نظام الدین ان کو ملاقات کی اجازت نہیں دیں گے اس لئے وہ کسی دن اچانک بغیر اطلاع کے ان کے پاس پہنچنا چاہتا ہے۔جس دن وہ خواجہ سے ملنے جائے گا۔امیر خسرو کو بھی ساتھ لے جائے گا۔

حضرت امیر خسرو نے اس بات کی اطلاع پہلے ہی حضرت نظام الدین اولیاء کو پہنچا دی کہ سلطان اچانک ان سے ملاقات کے لئے حاضر ہونا چاہتا ہے۔حضرت خواجہ اسی وقت دہلی چھوڑ کر اپنے مرشد خواجہ فرید الدین گنج شکر کے مزار پر اجودھن پہنچ گئے۔سلطان کو خبر ملی کہ خواجہ دہلی چھوڑ گئے تو اس کو بہت ملال ہوا کہ ناحق ایک اللہ کے ولی کو تکلیف دی۔اس نے امیر خسرو کو بلا کر کہا ''میں نے تم سے ایک مشورہ کیا تھا تم نے اس راز کو فاش کر دیا یہ اچھی بات نہیں کی۔تم نے کیا سوچ کر ایسا کیا' کیا تمہیں شاہی سزا کا خوف نہیں ہوا''؟ حضرت امیر خسرو نے کسی شاہانہ عتاب کی پرواہ کئے بغیر کہا ''میں جانتا تھا کہ اگر حضور والا ناراض ہوں گے تو میری جان کا خطرہ ہوسکتا ہے لیکن اگر مرشد کو تکلیف پہنچی تو ایمان کا خطرہ ہے اور میری نظر میں ایمان کے خطرہ کے مقابلہ میں جان کے خطرہ کی کوئی اہمیت نہیں''۔سلطان کو امیر خسرو کا یہ جواب بہت پسند آیا۔(سیر الاولیاء ص ۱۳۰)

سچا پکا ایمان

ایک یہودی بادشاہ نے ایک عورت سے کہا کہ تو اس بت کو سجدہ کر ورنہ تجھے بھکتی ہوئی آگ میں ڈال دوں گا۔

اس عورت نے سجدہ نہ کیا کہ وہ ایمان اور توحید میں پاکباز اور مضبوط تھی۔

ظالم بادشاہ نے اس کی گود سے بچہ چھین کر آگ میں پھینک دیا عورت کانپ اٹھی اور اس کا ایمان سخت امتحان میں داخل ہوگیا اور جان بلب ہوگئی کہ اچانک وہی بچہ آگ کے اندر سے بولتا ہے۔

اس بچے نے آواز دی کہ میں نہیں مرا میں تو زندہ ہوں اور کہا۔

اے ماں تو بھی اندر آ جا کہ میں یہاں بہت لطف میں ہوں اگرچہ بظاہر آگ کے اندر معلوم ہوتا ہوں۔

اے ماں اندر آ جا تا کہ تو بھی اللہ تعالیٰ کے دین حق کا معجزہ دیکھ لے اور بظاہر وہ اہل دنیا کو بلاؤں میں معلوم ہوتے ہیں۔

اے ماں تو بھی اندر آ کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام کے لئے آتش نمرود کے گلزار ہونے کا بھید تو بھی آنکھوں سے دیکھ لے کہ کس طرح انہوں نے آگ کے اندر گلاب اور چنبیلی کی بہار پائی تھی۔

ہمت نہ ہار میں نے یہ دیکھا ہے بار ہا تاریکیاں جہاں تھیں وہیں نور ہوگیا

میں جب تجھ سے پیدا ہو رہا تھا تو اپنی موت دیکھ رہا تھا اور دنیا میں آنے سے سخت خوف محسوس کر رہا تھا یعنی ماں کا پیٹ 9 ماہ تک اس میں رہنے کی وجہ سے مانوس ہو چکا' مجھے ایک جہاں معلوم ہو رہا تھا اور اس جہاں کو دیکھا ہی نہ تھا اس لئے ایک اجنبی عالم میں آتے ہوئے ہچکچا رہا تھا۔

جب میں پیدا ہو گیا تو تنگ قید خانے سے نجات پا گیا اور اپنے علم کے مطابق میں ایک خوبصورت عالم میں آ گیا۔ اسی طرح جنت کو دیکھنے کے بعد دنیا ماں کے پیٹ کی طرح تنگ و تاریک معلوم ہوگی۔

اس آگ کے اندر میں نے ایک دوسرا عالم پایا جس کا ذرہ ذرہ زندگی بخش ہے۔

اندر آ جا اے ماں میں تجھے مادری کا واسطہ دیتا ہوں اندر چلی آ اور دیکھ کہ یہ آگ آگ کا اثر نہیں رکھتی ہے رحمت حق نے اس کو چمن بنا دیا ہے۔

اے ماں تو نے اس کافر یہودی کتے کی طاقت بھی دیکھ لی اب اندر آ جا کہ خدا کے فضل کی طاقت کا بھی مشاہدہ کر لے۔

اے مسلمانو سب اندر چلے آؤ دین کی مٹھاس اور حلاوت کے علاوہ تمام حلاوتیں دنیا کی ہیچ ہیں اور عذاب ہیں۔

اس لڑکے کی ماں نے اپنے آپ کو اسی آگ میں ڈلوایا تو اس لڑکے نے اپنی ماں کا ہاتھ پکڑ لیا۔

اس کے بعد تمام مخلوق اس آگ میں کود پڑی اور سب نے لطف وکرم خداوندی کا مشاہدہ کیا۔

وہ یہودی روسیاہ اور شرمندہ ہوگیا اور اس کی تدبیر اس کیلئے مخالف ثابت ہوئی۔

کیونکہ لوگ اس آگ میں کود پڑنے کے مشتاق ہو گئے اور جسم کو قربان کر دینے میں صادق الاعتقاد ہو گئے۔

نالائق لوگ جو کچھ داغ بدنامی ورسوائی اللہ والوں کے چہروں پر لگانا چاہتے ہیں وہ سب انہیں کے چہروں پر الٹ کر تہہ بہ تہہ جم جاتا ہے۔

اس یہودی بادشاہ نے اس آگ سے کہا کہ تجھے کیا ہوگیا ہے کہ تو اپنے پرستش کرنے والوں پر بھی رحم نہیں کرتی اور ان فرزندان توحید کو پناہ دامن دے کر مجھے رسوا کررہی ہے یا تجھ پر کسی نے جادو کر دیا ہے؟ یہ بات کیا ہے تیری وہ خاصیت جلانے والی کو کیا ہوگیا؟

آگ نے کہا اے کافر میں وہی آگ ہوں ذرا تو اندر آجا تا کہ میری آتش وتپش کا مزہ چکھ لے۔

میری طبیعت اور میری اصلی حقیقت تبدیل نہیں ہوئی ہے میں خدا کی تلوار ہوں لیکن اجازت ہی سے کاٹتی ہوں۔

اس لئے جب تم اپنے اندر غم محسوس کرو تو اللہ تعالیٰ سے اپنے گناہوں کی معافی طلب کرو کیونکہ غم بھی خدا کے حکم سے ہی اپنا کام کرتا ہے اور جب اللہ تعالیٰ استغفار کی برکت سے راضی ہو جائیں گے تو سزا بھی ہٹالیں گے۔

جب اللہ جل جلالہ کا حکم ہو جاتا ہے تو خود غم بھی خوشی بن جاتا ہے اور خود قید ہی آزادی بن جاتی ہے یعنی حق تعالیٰ تبدیل اعیان پر قدرت کاملہ رکھتے ہیں پس عین غم کو عین خوشی بنا دیتے ہیں۔

ہوا، مٹی، آگ سب خدا کے غلام ہیں گو یہ ہمارے تمہارے لئے بے جان ہیں مگر اللہ تعالیٰ کے آگے زندہ ہیں۔ (مثنوی)

ایمان اور ذات خداوندی پر اعتماد کا عجیب واقعہ

حضرت رابعہ بصریہ رحمہا اللہ تعالیٰ کا واقعہ ہے کہ ایک دن ان کے یہاں کچھ مہمان آگئے گھر میں سوائے دو سوکھی روٹیوں کے کچھ نہ تھا کچھ دیر کے بعد ایک سائل آیا انہوں نے وہ روٹیاں اٹھا کر مسکین کو دے دیں مہمانوں نے دل میں شکایت کی کہ یہی دو روٹیاں کھا لیتے وہ بھی خرچ کر ڈالیں تھوڑی دیر میں ایک شخص کھانا لے کر آیا انہوں نے قبول کیا اور روٹیوں کو گننا شروع کیا تو وہ اٹھارہ تھیں فرمایا کہ یہ کھانا واپس لے جاؤ یہ میرے واسطے نہیں دیا ہوگا کسی دوسرے کو دیا ہوگا لانے والے نے کہا نہیں حضرت آپ ہی کا نام لے کر کہا تھا۔ فرمایا یہ تو بے حساب ہے کیونکہ میں نے خدا کی راہ میں دو روٹیاں خیرات کی ہیں اور حق تعالیٰ کا وعدہ ہے کہ ایک کے بدلے میں کم از کم دس ملیں گی تو اس حساب سے بیس روٹیاں ہونا چاہئیں اور یہ اٹھارہ ہیں اور میرا محبوب وعدہ خلافی نہیں کرتا پس یہ کھانا میرے واسطے نہیں ہوسکتا لانے والے نے کہا کہ حضرت آپ کا حساب صحیح ہے واقعی بیس ہی روٹیاں تھیں دو میں نے چرالی ہیں اور ان کو ابھی لاتا ہوں آپ کھانا واپس نہ کیجئے یہ قصہ معلوم کر کے آپ کو اطمینان ہوا اور کھانا رکھ لیا۔ (تسلیم ورضا خطبات حکیم الامت ج ۱۵)

حضرت عبداللہ بن سبرۃ رضی اللہ عنہ دمشقی کا ایمان افروز واقعہ

حافظ ابن حجر عسقلانی نے الاصابہ میں حضرت عبداللہ بن سبرہ دمشقی کے بارے میں لکھا ہے کہ دمشق شہر میں ایک مسلمان بچی اکیلی گھر میں رہتی تھی ایک طرف اس کا پڑوسی حضرت عبداللہ بن سبرہ رضی اللہ عنہ دمشقی تھے اور دوسری طرف ایک یہودی طبیب کا مکان تھا وہ طبیب اس مسلمان بچی کو تنگ کرتا تھا اور اس کی عزت کے پیچھے پڑا ہوا تھا۔ ایک دن لڑکی نے تنگ آ کر کہا کہ او خبیث! تجھے شرم نہیں آتی۔ کاش میرا پڑوسی حضرت عبداللہ بن سبرہ دمشقی ہوتے تو تم یہ حرکت نہ کرتے۔ ادھر وہ صحابی آرمینیا اور آذربائیجان میں جہاد کے سلسلے میں گئے

ہوئے تھے۔ اللہ پاک کی شان دیکھیں اس کو الہام ہوا یا خواب دیکھا کہ میری پڑوسی وہ مسلمان بچی مجھے یاد کررہی ہے اور اس کی عزت خطرے میں ہے۔ دمشق سے ہزاروں میل دور تھے وہاں سے گھوڑے پر بیٹھ گئے مہینوں کا سفر طے کردیا بالآخر ایک رات وہ دمشق پہنچ ہی گئے اپنے گھر میں نہیں گئے بلکہ سیدھے اس مسلمان بچی کے گھر پر گئے دروازے پر دستک دی وہ نکلی فرمایا کہ بیٹی مجھے پہچان لیا۔ کہا جی یقیناً پہچان لیا آپ میرے پڑوسی حضرت عبداللہ رضی اللہ عنہ ہی تو ہیں۔ فرمایا بیٹی آپ نے مجھے یاد فرمایا تھا؟ کہا یقیناً یاد کیا تھا کہ یہ میرا پڑوسی یہودی طبیب مجھے تنگ کررہا ہے میری عزت کے پیچھے پڑا ہوا ہے۔ فرمایا خدا کی قسم! میں آرمینیا سے صرف آپ کی عزت بچانے کی خاطر آیا ہوں تم جاؤ اس طبیب کو اپنے گھر میں بلاؤ۔ حضرت عبداللہ لڑکی کے گھر میں چھپ کر بیٹھ گئے۔ وہ یہودی ناچتا ہوا آرہا تھا کہ آج تو خود لڑکی بلانے آئی ہے۔ حضرت عبداللہ نے اس یہودی کو پکڑ لیا اور قتل کردیا اس کی لاش باہر پھینک دی اور گھوڑے کو نکالا جب گھوڑے پر بیٹھ گئے تو بچی نے پوچھا حضرت کدھر جارہے ہیں ساتھ میں آپ کا مکان ہے۔ رات بچوں کے ہاں گزار لیں کل پرسوں واپس چلے جائیں گے۔ فرمایا بیٹی جس مقصد کیلئے آیا تھا الحمدللہ وہ مقصد پورا ہوگیا۔ ابھی میں واپس محاذ پر جارہا ہوں۔ ان شاء اللہ بچوں کو ملنے کیلئے پھر کسی وقت آؤں گا۔ میرے ثواب میں فرق آجائیگا اور پھر آرمینیا واپس چلے گئے بچوں تک کو نہیں ملے۔ (الاصابہ فی تمییز الصحابہ ج ۵)

یہ تھی ہمارے صحابہ رضی اللہ عنہم کی غیرت ایمانی' ایک حدیث میں آتا ہے کہ مسلمان گناہ گار تو ہوسکتا ہے مگر بے غیرت نہیں ہوسکتا آج مسلمان جو ذلیل ہورہے ہیں وجہ یہ ہے کہ مسلمانوں کی غیرت ایمانی ختم ہوچکی ہے۔ مسلمان کی نگاہ دنیاوی مفادات پر ہے ھل من مزید کے چکر میں ہے۔ ڈاکٹر اقبال مرحوم فرماتے ہیں۔

فضائے بدر پیدا کر فرشتے تیری نصرت کو ۔۔۔ اتر سکتے ہیں گردوں سے قطار اندر قطار اب بھی

اللہ پاک کا اعلان ہے اِنْ تَنْصُرُوا اللّٰهَ يَنْصُرْكُمْ اگر تم نے اللہ کے دین کی مدد کی تو اللہ پاک تمہاری مدد فرمائیں گے اللہ پاک فرماتے ہیں فَاذْكُرُوْنِيْٓ اَذْكُرْكُمْ تم مجھے عبادت سے یاد کرو۔ میں تمہیں نصرت وتعاون سے یاد کروں گا۔ اللہ پاک فرماتے ہیں۔ وَلَا تَهِنُوْا

وَلَا تَحْزَنُوْا وَاَنْتُمُ الْاَعْلَوْنَ اِنْ كُنْتُمْ مُّؤْمِنِيْنَ تم دشمن کے مقابلہ پرست نہ بنو اور نہ غمگین بنو۔ تم ہی غالب رہو گے اگر تم صحیح مومن رہے اللہ پاک فرماتے ہیں۔ وَالَّذِيْنَ جَاهَدُوْا فِيْنَا لَنَهْدِيَنَّهُمْ سُبُلَنَا وَاِنَّ اللّٰهَ لَمَعَ الْمُحْسِنِيْنَ وہ لوگ جو ہماری رضا کیلئے کوشش کرتے ہیں ہم ان پر ایت کے راستے کھول دیں گے اور اللہ پاک کی مدد تو ان لوگوں کے ساتھ ہوتی ہے جو اچھا کام کرتے ہیں۔ اللہ پاک دین پر چلنے والا بنائے اور ایمانی غیرت نصیب فرمائے۔

نواب وقارالملک کی غیرت ایمانی

نام مشتاق حسین تھا ایک انگریز کلکٹر کے ہاں ملازمت تھی۔ نماز پابندی سے پڑھتے تھے۔ انگریز افسر نے اعتراض کیا کہ آپ نماز نہ پڑھا کریں تو آپ نے درخواست دی کہ اگر نماز کے اوقات میں دفتری کام میں خلل آتا ہے تو آپ پوچھ سکتے ہیں یا پھر نماز کے اوقات کا حساب لگا کر تنخواہ سے کٹوتی بھی کر سکتے ہیں۔ ورنہ اس درخواست کو پھر میری طرف سے استعفیٰ سمجھ لینا۔ میں نوکری چھوڑ سکتا ہوں مگر نماز کسی صورت میں نہیں چھوڑ سکتا ہوں اور یہ بھی لکھا کہ میں مذہباً مسلمان ہوں اور مسلمان کبھی بھی نماز نہیں چھوڑ سکتا۔ پھر نوکری چھوڑ دی محض نماز کی خاطر۔ حیدرآباد دکن میں اس سے بڑی ملازمت مل گئی۔ گرمی کا سیزن آپ پہاڑ پر گزار رہے تھے کہ لوگوں کی مشکلات کا پتہ چلا کہ خشک سالی سے پریشان ہیں۔ واپس آگئے ایک چھپر کے نیچے بیٹھے ہوئے تھے لوگوں کی درخواستیں دیکھ دیکھ کر رو رہے تھے اور ساتھ ساتھ بارش کی دعائیں بھی کر رہے ہیں کہ اچانک خوب زور کی بارش ہوگئی۔ یہ تھے نواب وقارالملک رحمہ اللہ اور ان کا دینی و ایمانی تعلق۔ (مشاہیر اسلام)

ایک منکر ایمان کی اصلاح

فرمایا ایک صاحب خدا کے قائل نہیں تھے۔ وہ کہا کرتے تھے، اس دنیا میں مقناطیسی نظام قائم ہے۔ اسی نظام نے دنیا کی ہر چیز کو اپنی اپنی جگہ پر تھام رکھا ہے اور کارخانہ عالم چل رہا ہے۔ جب انہوں نے اپنے اس نظریہ کا اظہار ایک بزرگ کے سامنے کیا، تو انہوں نے ایک لٹھ اٹھا کر اس کے سر پر مارا۔ ملحد نے کہا۔ خدا اگر ہے تو اس کا ثبوت آپ

کو دلائل سے دینا چاہئے۔ یہ عجیب بات ہے کہ آپ مجھے مار بیٹھے۔ اس کا مطلب یہ ہے کہ آپ کے پاس اس سلسلے میں کوئی دلیل نہیں ہے۔

بزرگ نے فرمایا: ''میں نے آپ کو کہاں مارا''

ملحد نے کہا: آپ جھوٹ بول رہے ہیں، آپ نے ہی مجھے مارا ہے۔

بزرگ نے جواب دیتے ہوئے فرمایا، میں نے نہیں مارا بلکہ یہ آپ کے دماغ کا مقناطیسی اثر ہے جس نے اس لاٹھی کو اپنی طرف کھینچ لیا۔ چونکہ آپ کے دماغ میں مقناطیسی اثر کم ہے اس لئے لاٹھی ہلکے انداز سے کھینچی ہے، اس لئے آپ کو مار لگی، مگر ہلکی، ورنہ زیادہ ہونے کی صورت میں لاٹھی پوری قوت کے ساتھ کھینچتی اور آپ کو مار شدید پڑتی۔

ملحد نے اپنی پہلی بات دہرائی جس پر بزرگ نے فرمایا:

''جب ایک معمولی لاٹھی کسی کے اٹھانے اور چلائے بغیر نہ اٹھ سکتی ہے نہ کسی پر چل سکتی ہے اور آپ کو یہاں کوئی مقناطیسی اثر نظر نہیں آ رہا ہے تو یہ زمین وآسمان اور چاند، ستارے، سورج کا اتنا بڑا اور ہمہ گیر نظام کسی کے چلائے بغیر کیونکر چل سکتا ہے؟ یہاں بھی تو کسی ذات کو ماننا پڑے گا، جو عالم کے سارے نظام کو اپنے ''قبضہ قدرت میں رکھ کر چلا رہی ہے اور وہی خدا ہے''

بزرگ کی کہی ہوئی بات ملحد کے دل میں اتر گئی۔ ایک لاٹھی نے اس کے دماغ کو روشن کر دیا اور تائب ہو کر خدا کی طرف رجوع ہوا۔ حضرت مولانا محمد ادریس صاحب کاندھلوی مؤلف تعلیق الصبیح، شرح مشکوۃ) خدا کے وجود پر اس واقعہ کو دلیل لٹھ فرمایا کرتے تھے اور میں اسے ''لاٹھی دماغ روشن کرنے والی'' کہا کرتا ہوں۔

آج مغربی نظام تعلیم اور عصری تہذیب وتمدن نے بہت سے نوجوانوں کو خدا سے دور کر دیا ہے اور وہ تشکیک اور الحاد و دہریت کی وادی نامراد میں سرگرداں ہیں۔ ضرورت ہے کہ اس زبان و بیان میں انہیں سمجھا کر خدا سے قریب کیا جائے، جس زبان و بیان کو یہ سمجھنے کے عادی ہیں، ہر شخص کے مناسب حال گفتگو کرنا اور علوم نبوت سے اس کے دماغ کو روشن کر کے اسے ''راہ راست'' پر لانے کی برموقع تدبیر اختیار کرنا یہی ''حکمت'' ہے اور یہ حکمت بزرگوں کی صحبت سے خوب سمجھ میں آتی ہے۔ (باتیں ان کی یاد رہیں گی)

ایک انگریز کا سوال اور علامہ عثمانی رحمہ اللہ کا جواب

فرمایا: علامہ شبیر احمد عثمانی سے کسی انگریز نے کہا کہ قرآن میں اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ تفکر کرتے ہیں آسمان وزمین کی پیدائش میں۔ تو مولانا آپ لوگ کہاں اس پر عمل کرتے ہیں، اور کرتے بھی ہیں تو بس سرسری اور اجمالی طور پر اور ہم لوگ رات دن تحقیقات میں کروڑوں روپیہ خرچ کرتے ہیں اور چاند پر پہنچنے کی تیاری کرر ہے ہیں۔

مولانا نے جواب دیا کہ شاہی محل میں دو طرح کا داخلہ ہوتا ہے ایک تو شاہی مہمان داخل ہوتا ہے تو وہ اپنا مقصود شاہ کی ملاقات سمجھتا ہے اور شاہی محل کے نقش ونگار اور وہاں کے آرائش کے تمام متاع اسباب کو اجمالی اور سرسری نظر سے دیکھتا گزرتا شاہ تک پہنچ کر شاہ کا ہم نشین ہو کر شاہ سے مصافحہ اور ملاقات کا شرف اور اعزاز حاصل کرتا ہے، اور ایک داخلہ چور کا ہوتا ہے تو چور جب داخل ہوتا ہے تو اس کا مقصد شاہ سے ملنا نہیں ہوتا بلکہ شاہ کے مال ومتاع کو چرانا مقصود ہوتا ہے اور اسی مقصد کے پیش نظر وہ شاہی محل کے ہر کمرہ میں گھستا ہے اور ہر چیز کو غور سے دیکھتا ہے۔ بقول اکبرالہ آبادی

بھول بیٹھے اہل یورپ آسمانی باپ کو — اور سمجھے باپ اپنا برق کو اور بھاپ کو

پس مسلمان کا مقصد کائنات میں خالق کائنات کی رضا حاصل کرنا ہے اس لئے وہ اجمالی نظر سے دیکھ کر عظمت الٰہی پر استدلال کرتا ہوا اللہ تعالیٰ تک رسائی حاصل کرتا ہے اور کفار یورپ کا دائرہ فکر صرف مخلوقات تک ہے خالق کائنات سے ان کا رشتہ کٹا ہوا ہے اور اللہ والے تمام کائنات سے صرف نظر کر کے اپنے رب کی طرف متوجہ ہیں۔ (باتیں ان کی یاد رہیں گی)

ایمان و ہدایت سے سکون

فرمایا: حضرت حکیم الامت تھانویؒ نے اپنا ایک واقعہ بیان فرمایا ہے کہ ایک بار میں سہارنپور سے کانپور جانے کے لئے لکھنؤ جانے والی ریل پر سوار ہوا۔ اس ڈبے میں ایک صاحب سے میں نے دریافت کیا کہ کیا آپ بھی لکھنؤ جار ہے ہیں؟ تو انہوں نے کہا، میں تو میرٹھ جار ہا ہوں۔ میں نے کہا کہ یہ گاڑی تو میرٹھ جانے والی نہیں ہے آپ کو تو یہ لکھنؤ لے

جائے گی۔ چونکہ ریل چل پڑی تھی اب وہ اتر بھی نہ سکتے تھے لیکن دوسرا اسٹیشن بھی قریب تھا۔ تھوڑی ہی دیر میں وہ اتر کر ریل تبدیل کر سکتے تھے۔ مگر صحیح راہ پر نہ ہونے اور غلط راہ پر ہونے کے سبب انہیں اس قدر پریشانی تھی کہ میں انے ان سے کچھ گفتگو کرنی چاہی تو یہ کہہ کر انکار کر دیا کہ تمہیں باتوں کی سوجھی ہے اور ہمارے دل کی پریشانی کا جو عالم ہے وہ ہم ہی جانتے ہیں۔

اس حکایت سے یہ بات نہایت واضح ہو جاتی ہے کہ ہدایت کی راہ پر لگ جانے ہی سے سکون شروع ہو جاتا ہے اور غلط راہ پر قدم پڑتے ہی بے اطمینانی اور پریشانی شروع ہو جاتی ہے۔ حق تعالیٰ اسی کو فرماتے ہیں کہ جو لوگ ایمان لائے اور اعمال صالحہ کئے ان کو ہم بالطف زندگی عطا کرتے ہیں اور جو ہماری یاد سے اعراض کر کے غفلت کی زندگی گزارتے ہیں ان کی زندگی کو ہم تلخ کر دیتے ہیں۔ (باتیں ان کی یاد رہیں گی)

دیہاتی کا ایمان باللہ پر عجیب استدلال

فرمایا: ایک بدوی سے کسی منکر خدا نے پوچھا کہ تو خدا کو بغیر دیکھے کس طرح پہچانتا ہے۔ اس نے جواب دیا کہ **البعرة تدل علی البعیر** اونٹ کی مینگنیاں گواہی دیتی ہیں کہ ابھی ادھر سے اونٹ گیا ہے اور بغیر دیکھے اونٹ پر یقین کرتے ہیں۔

فکیف ارض ذات فجاج وسماء ذات بروج لا تدل علی اللطیف الخبیر پس زمین کشادہ راہوں والی اور آسمان برجوں والا اس لطیف وخبیر ذات پاک پر کیونکر نہ گواہی دے گا۔

کہے دیتی ہے شوخی نقشِ پا کی　　　ابھی اس راہ سے کوئی گیا ہے

میرا ایک شعر ہے

ہر ایک ذرہ میں اس کو ہی دیکھتا ہوں　　　دلیل صانع کی صنعت میں دیکھتا ہوں

(اختر)

ایمان کا سب سے بڑا دشمن

''مرزائیت'' کا مختصر تعارف وتعاقب

اللہ تعالیٰ نے انسان کی دینی واخروی ہدایت ورہنمائی کیلئے حضرات انبیاء علیہم السلام کو وقتاً فوقتاً اقوام عالم کی طرف بھیجا۔ ہر نبی نے اپنی اپنی قوم کو اللہ تعالیٰ کی وحدانیت اور اپنی رسالت کا پیغام دیا۔ تاوقتیکہ یہ مبارک سلسلہ خاتم الانبیاء صلی اللہ علیہ وسلم کی بعثت پر مکمل ہوا۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے تمام فضائل وکمالات ختم نبوت کے اقرار میں منحصر ہیں۔ اس لیے ختم نبوت کا منکر دائرہ اسلام سے خارج ہے۔

ختم نبوت کا عقیدہ ہر مسلمان کیلئے ایک بنیادی حیثیت رکھتا ہے۔ اس لیے اس اہم عقیدہ کو مشکوک یا تبدیل کرنے والا ہم مسلمانوں کا دشمن ہی نہیں بلکہ ہمارے ایمان کا سب سے بڑا دشمن ہے۔ مرزا غلام احمد قادیانی اور اس کے ہمنوا قادیانی اس دور میں ہمارے ایمان کیلئے خطرناک اور مہلک دشمن ہیں۔

ایک سادہ لوح مسلمان کسی شخص کی خوش اخلاقی سے متاثر ہوجاتا ہے اور اس کی طرف دوستی کا ہاتھ بڑھاتا ہے کافی سفر طے کرنے کے بعد معلوم ہوتا ہے کہ وہ خوش اخلاق آدمی اپنی خوش اخلاقی کے داؤ سے اس بھولے بھالے مسلمان کو قادیانی بنانے کی کوشش میں مصروف تھا۔

ایک شخص معاشی لحاظ سے پریشان ہے تو قادیانی گروپ ایسے پریشان حال لوگوں کو پُرکشش تنخواہ ومراعات کے سبز باغ دکھاتے ہیں۔ اور کئی لوگ چندروزہ دنیاوی مزے کے عوض اپنے ایمان کا سودا کرلیتے ہیں اور آخرت کی نہ ختم ہونے والی رسوائی خرید لیتے ہیں۔

نوجوان لڑکے لڑکیاں جو دنیاوی چمک دمک کو دیکھ کر فوری متاثر ہوجاتے ہیں۔ اور

سہانے مستقبل کے خواب دیکھتے ہیں ایسے جذباتی نوجوان لڑکے لڑکیاں قادیانی گروپ کیلئے تر نوالہ ثابت ہوتے ہیں۔ اور انہیں غیر ممالک میں اعلیٰ عہدوں پر نوکری اور دلپسند رشتہ کرانے کی نہ صرف پیشکش کرتے ہیں بلکہ اپنے وسائل کو بروئے کار لاتے ہوئے مسلمان بچوں بچیوں کا رشتہ کسی قادیانی سے کرادیتے ہیں۔ قادیانیت اس دور میں ہمارے ایمان کیلئے ایسا خطرناک وائرس ہے جو کینسر کی طرح خون میں پھیلتا ہے اور انسان بظاہر زندہ لیکن ایمانی و روحانی اعتبار سے مردہ ہو جاتا ہے اور اسے معلوم بھی نہیں ہوتا کہ میں جہنم کا ایندھن بن چکا ہوں۔

اس پُرفتن دور میں ہمیں اپنے ایمان کے تحفظ کیلئے نہایت بیداری کا ثبوت دینے کی ضرورت ہے۔ اگر خدانخواستہ کسی قادیانی سے واسطہ پڑ جائے تو اس سے مذہبی بحث بالکل نہ کریں، شروع میں وہ آپ کی بات توجہ سے سنے گا اور قائل ہوتا ہوا دکھائی دیگا آپ سمجھیں گے کہ شاید میری تبلیغ سے قادیانیت سے تائب ہو جائیگا۔ حالانکہ یہ شاطر دشمن خود آپ کو پھنسا رہا ہوتا ہے اس لیے خود نہ الجھیں بلکہ اسے ختم نبوت کے مشن پر کام کرنے والے علماء کے سپرد کریں اور انکے سب سوالوں کے جواب میں یہی کہہ دیں کہ میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی ختم نبوت پر ایسا ایمان رکھتا ہوں جو اللہ کے فضل سے تمہاری باتوں سے متزلزل نہیں ہوسکتا۔ یاد رکھئے! ختم نبوت کا عقیدہ ایمان ہے تو اسکا انکار کفر ہے اپنے ایمان کو قادیانی اثرات سے بچایئے اپنے گرد و پیش اور ماحول پر نظر رکھئے کہیں کوئی قادیانی ہمارے ایمان پر حملہ آور تو نہیں۔ اپنے گرد و پیش میں قادیانیت سے متاثرین حضرات تک یہ مضمون پہنچا کر حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے محبت کا عملی ثبوت دیجئے۔

اللہ تعالیٰ ہم سب کو ہر قسم کے شرور و فتن سے محفوظ رکھے اور ہمارے ایمان کو محفوظ
و سالم رکھے اور ہمیں تحفظ ختم نبوت کیلئے قبول فرمائے آمین یارب العالمین

قادیانیت کے بارے میں فوری معلومات کیلئے رابطہ نمبر

0300-7314337-061-4783486

خط و کتابت کیلئے عالمی مجلس تحفظ ختم نبوت حضوری باغ روڈ ملتان

تحریک

ختمِ نبوّت

مختصر تعارف اور فتنہ مرزائیت کا تعاقب

الحمدللّٰہ رب العٰلمین و الصلوٰۃ والسلام علی سید المرسلین و خاتم النبیین و رسولہ محمد خیر الوریٰ صاحب قاب قوسین او ادنیٰ و علیٰ صحبہ البررۃ التقی و النقی کلما ذکرہ الذاکرون و کلما غفل عن ذکرہ الغافلون اللھم صل علیہ واٰلہ وسائر النبیین و اٰل کل وسائر الصالحین نہایۃماینبغی ان یسئلہ السائلون. اما بعد.

متحدہ ہندوستان میں انگریز اپنے جوروستم اور استبدادی حربوں سے جب مسلمانوں کے قلوب کو مغلوب نہ کرسکا تو اس نے ایک کمیشن قائم کیا۔ جس نے پورے ہندوستان کا سروے کیا اور واپس جا کر برطانوی پارلیمنٹ میں رپورٹ پیش کی کہ مسلمانوں کے دلوں سے جذبہ جہاد مٹانے کے لئے ضروری ہے کہ کسی ایسے شخص سے نبوت کا دعویٰ کرایا جائے جو جہاد کو حرام اور انگریز کی اطاعت کو مسلمانوں پر اولوالامر کی حیثیت سے فرض قرار دے۔

ان دنوں مرزا غلام احمد قادیانی سیالکوٹ ڈی سی آفس میں معمولی درجے کا کلرک تھا، اردو، عربی اور فارسی اپنے گھر پر پڑھی تھی۔ مختاری کا امتحان دیا مگر ناکام ہوگیا۔ غرض یہ کہ اس کی تعلیم دینی و دنیاوی دونوں اعتبار سے ناقص تھی۔ چنانچہ اس مقصد کے لئے انگریزی ڈپٹی کمشنر کے توسط سے مسیحی مشن کے ایک اہم اور ذمہ دار شخص نے اس سے ڈی سی آفس میں ملاقات کی۔ گویا یہ انٹرویو تھا مسیحی مشن کا۔ یہ فرد انگلینڈ روانہ ہوگیا اور مرزا قادیانی ملازمت چھوڑ کر قادیان پہنچ گیا۔ باپ نے کہا کہ نوکری کی

فکر کرو۔ جواب دیا کہ میں نوکر ہو گیا ہوں اور پھر بھیجنے والے کے پتے کے بغیر منی آرڈر ملنے شروع ہو گئے۔ مرزا قادیانی نے مذہبی اختلافات کو ہوا دی۔ بحث و مباحثہ، اور اشتہار بازی شروع کر دی۔ یہ تمام تر تفصیل مرزائی کتب میں موجود ہے۔

سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ اس کام کے لئے برطانوی سامراج نے مرزا قادیانی کا انتخاب کیوں کیا؟ اس کا جواب بھی خود مرزائی لٹریچر میں موجود ہے کہ مرزا قادیانی کا خاندان جدی پشتی انگریز کا نمک خوار، خوشامدی اور مسلمانوں کا غدار تھا۔ مرزا قادیانی کے والد نے ۱۸۵۷ء کی جنگ آزادی میں برطانوی سامراج کو پچاس گھوڑے مع ساز و سامان مہیا کیے اور یوں مسلمانوں کے قتل عام سے اپنے ہاتھ رنگین کر کے انگریز سے انعام میں جائیداد حاصل کی۔ مرزا غلام احمد لکھتا ہے کہ:

"میرے والد صاحب کی وفات کے بعد میرا بڑا بھائی مرزا غلام قادر خدمت سردار میں مصروف رہا۔" (ستارہ قیصرہ ص۴)

اپنے بارے میں لکھتا ہے: "میری عمر کا اکثر حصہ اس سلطنت انگریز کی تائید و حمایت میں گزرا اور میں نے ممانعت جہاد اور انگریزی اطاعت کے بارے میں اس قدر کتابیں لکھیں اور اشتہار شائع کیے ہیں کہ اگر وہ رسائل اور کتابیں اکٹھی کی جائیں تو پچاس الماریاں ان سے بھر سکتی ہیں۔" (تریاق القلوب ص۱۵)

غرض یہ کہ مرزا قادیانی کے گوشت پوست میں انگریز کی وفاداری اور مسلمانوں سے غداری رچی بسی تھی۔ یہی وجہ ہے کہ اس مقصد کے لئے انگریز کی نظر انتخاب مرزا قادیانی پر پڑی چنانچہ اس کی خدمات حاصل کر لی گئیں۔

جن حضرات کی مرزائیت کے لٹریچر پر نظر ہے، وہ جانتے ہیں کہ مرزا قادیانی کی ہر بات میں تضاد ہے لیکن حرمت جہاد اور فرضیت اطاعت انگریز ایک ایسا مسئلہ ہے کہ اس میں مرزا قادیانی کی کبھی دو رائیں نہیں ہوئیں کیونکہ یہ اس کا بنیادی مقصد اور غرض و غایت تھی۔ یہی وجہ ہے کہ اس نے اپنے آپ کو گورنمنٹ برطانیہ کا خود کاشتہ پودا قرار دیا۔ سر سید احمد خان مرحوم کی روایت جوان کے مشہور مجلہ تہذیب الاخلاق میں چھپ چکی ہے کہ خود سر سید احمد خان سے انگریز وائسرائے نے مرزا قادیانی کی امداد و معاونت کرنے کا کہا، بقول ان کے انہوں نے نہ صرف رد کر دیا بلکہ اس منصوبے کو بھی افشا کر دیا جس کے نتیجے میں انگریز

وائسرائے ہند سر سید احمد خان سے ناراض ہو گئے۔

مرزا قادیانی کے دعوے پر نظر ڈالیے، اس نے بتدریج خادم اسلام، مبلغ اسلام، مجدد، مہدی، مثیل مسیح، ظلی نبی، مستقل نبی، انبیاء سے افضل، حتیٰ کہ خدائی تک کا دعویٰ کیا۔ یہ سب کچھ ایک طے شدہ منصوبہ گہری چال اور خطرناک سازش کے تحت کیا۔

قطب عالم حضرت حاجی امداد اللہ مہاجر مکیؒ نے اپنے نور ایمانی اور بصیرت وجدانی سے آنجہانی مرزا قادیانی کے دعوے سے بہت پہلے پنجاب کے معروف روحانی بزرگ حضرت مولانا پیر مہر علی شاہؒ گولڑوی سے حجاز مقدس میں ارشاد فرمایا:

''پنجاب میں ایک فتنہ اٹھنے والا ہے، اللہ سبحانہ وتعالیٰ اس کے خلاف آپ سے کام لیں گے۔''

بیعت وخلافت سے سرفراز فرمایا اور اس فتنے کے خلاف کام کرنے کی تلقین فرمائی۔

ردقادیانیت کے سلسلے میں امت محمدیہ کے جن خوش نصیب وخوش بخت حضرات نے بڑی تندہی اور جانفشانی سے کام کیا، ان میں حضرت مولانا رشید احمد گنگوہیؒ، حضرت مولانا پیر مہر علی شاہؒ، حضرت مولانا محمد علی مونگیریؒ، حضرت مولانا اشرف علی تھانویؒ، حضرت مولانا سید محمد انور شاہ کشمیریؒ، حضرت مولانا نذیر حسین دہلویؒ، حضرت مولانا ثناء اللہ امرتسریؒ، حضرت مولانا محمد حسین بٹالویؒ، جناب مولانا قاضی محمد سلیمان منصور پوریؒ، حضرت مولانا مرتضیٰ حسن چاند پوریؒ، حضرت مولانا حسین احمد مدنیؒ، حضرت مولانا بدر عالم میرٹھیؒ، حضرت مولانا مفتی محمد شفیعؒ، حضرت مولانا محمد ادریس کاندھلویؒ، پروفیسر محمد الیاس برنیؒ، علامہ محمد اقبالؒ، حضرت مولانا احمد علی لاہوریؒ، حضرت مولانا سید محمد یوسف بنوریؒ، حضرت مولانا سید عطاء اللہ شاہ بخاریؒ، حضرت مولانا محمد داؤد غزنویؒ، حضرت مولانا ظفر علی خانؒ، حضرت مولانا مظہر علی اظہرؒ، حافظ کفایت حسینؒ، اور حضرت مولانا پیر جماعت علی شاہؒ جیسی نابغہ روزگار ہزاروں شخصیات ہیں۔

علمائے لدھیانہ نے مرزا قادیانی کی گستاخ وبے باک طبیعت کو اس کی ابتدائی تحریروں سے دیکھ کر اس کے خلاف کفر کا فتویٰ سب سے پہلے دے دیا تھا۔ ان حضرات کا خدشہ صحیح ثابت ہوا اور آگے چل کر پوری امت نے علمائے لدھیانہ کے فتوے کی تصدیق وتوثیق کر دی۔

غرض یہ کہ پوری امت کی اجتماعی جدوجہد سے مرزائیت کے بڑھتے ہوئے سیلاب کو روکنے کی کوشش کی گئی۔ یہی وجہ ہے کہ مرزا قادیانی نے بھی اپنی تصانیف میں مولانا رشید احمد گنگوہیؒ، مولانا

نذیر حسین دہلویؒ، مولانا ثناء اللہ امرتسریؒ، مولانا پیر مہر علی شاہ گولڑویؒ، مولانا سید علی الحائری، سمیت امت کے تمام طبقات کو اپنے سب و شتم کا نشانہ بنایا، کیونکہ یہی وہ حضرات تھے جنہوں نے تحریر و تقریر، مناظرے اور مباہلے کے میدان میں مرزا قادیانی اور اس کے حواریوں کو چاروں شانے چت کیا اور یوں اپنے فرض کی تکمیل کر کے پوری امت کی طرف سے شکریے کے مستحق قرار پائے۔

مقدمہ بہاولپور

تحصیل احمد پور شرقیہ ریاست بہاولپور میں ایک شخص مسمی عبدالرزاق مرزائی ہو کر مرتد ہو گیا۔ اسکی منکوحہ غلام عائشہ بنت مولوی الٰہی بخش نے سن بلوغ کو پہنچ کر ۲۴۔ جولائی ۱۹۲۶ء کو فسخ نکاح کا دعویٰ احمد پور شرقیہ کی مقامی عدالت میں دائر کر دیا جو ۱۹۳۱ء تک ابتدائی مراحل طے کر کے پھر ۱۹۳۲ء ڈسٹرکٹ جج بہاولپور کی عدالت میں بغرض شرعی تحقیق واپس ہوا۔ آخر کار ۷۔ فروری ۱۹۳۵ء کو فیصلہ بحق مدعیہ صادر ہوا۔ بہاولپور ایک اسلامی ریاست تھی۔ اس کے والی جناب نواب صادق محمد خامس عباسی مرحوم ایک سچے عاشق رسول صلی اللہ علیہ وسلم تھے۔ خواجہ غلام فرید بہاولپور کے معروف بزرگ، کے عقیدت مند تھے۔ خواجہ غلام فریدؒ کے تمام خلفاء کو مقدمے میں گہری دلچسپی تھی۔ اس وقت جامعہ عباسیہ بہاولپور کے شیخ الجامعہ مولانا غلام محمد گھوٹوی مرحوم تھے جو حضرت پیر مہر علی شاہ گولڑویؒ کے ارادت مند تھے، لیکن اس مقدمے کی پیروی اور امت محمدیہ کی طرف سے نمائندگی کے لئے سب کی نگاہ انتخاب دیوبند کے فرزند شیخ الاسلام حضرت مولانا محمد انور شاہ کشمیریؒ پر پڑی۔ مولانا غلام محمد صاحبؒ کی دعوت پر اپنے تمام تر پروگرام منسوخ کر کے مولانا محمد انور شاہ کشمیریؒ بہاولپور تشریف لائے تو فرمایا:

''جب یہاں سے بلاوا آیا تو میں ڈھابیل کے لئے پابہ رکاب تھا، مگر میں یہ سوچ کر یہاں چلا آیا کہ ہمارا نامہ اعمال تو سیاہ ہے ہی، شاید یہی بات مغفرت کا سبب بن جائے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا جانبدار بن کر بہاولپور آیا تھا، اگر ہم ختم نبوت کا کام نہ کریں تو گلی کا کتا بھی ہم سے اچھا ہے۔''

ان کے تشریف لانے سے پورے ہندوستان کی توجہ اس مقدمے کی طرف مبذول ہو گئی۔ بہاولپور میں علم کا موسم بہار شروع ہو گیا۔ اس سے مرزائیت کو بڑی پریشانی لاحق ہوئی۔ انہوں

نے بھی ان حضرات علماء کی آہنی گرفت اور احتسابی شکنجے سے بچنے کے لئے ہزاروں جتن کیے۔

مولانا غلام محمد گھوٹویؒ، مولانا محمد حسین کولوتارڑویؒ، مولانا مفتی محمد شفیعؒ، مولانا مرتضٰی حسن چاند پوری، مولانا نجم الدینؒ، مولانا ابوالوفا شاہ جہانپوریؒ اور مولانا محمد انور شاہ کشمیری رحمہم اللہ تعالیٰ علیہم وکثر اللہ سعیہم کے ایمان افروز اور کفرشکن بیانات ہوئے، مرزائیت بوکھلا اٹھی۔

ان دنوں مولانا سید محمد انور شاہ کشمیریؒ پر اللہ رب العزت کے جلال اور حضور سرور کائنات صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے جمال کا خاص پرتو تھا۔ وہ جلال و جمال کا حسین امتزاج تھے۔ جمال میں آ کر قرآن وسنت کے دلائل دیتے تو عدالت کے در و دیوار جھوم اٹھتے اور جلال میں آ کر مرزائیت کو للکارتے تو کفر کے ایوانوں میں زلزلہ طاری ہو جاتا۔ مولانا ابوالوفا شاہ جہان پوریؒ نے اس مقدمے میں مختار مدعیہ کے طور پر کام کیا۔

ایک دن عدالت میں مولانا محمد انور شاہ کشمیریؒ نے جلال الدین شمس مرزائی کو للکار کر فرمایا:

”اگر چاہوں تو میں عدالت میں یہیں کھڑے ہو کر دکھا سکتا ہوں کہ مرزا قادیانی جہنم میں جل رہا ہے۔“

مرزائی کانپ اٹھے، مسلمانوں کے چہروں پر بشاشت چھا گئی، اور اہل دل نے گواہی دی کہ عدالت میں انور شاہ کشمیریؒ نہیں بلکہ حضور سرور کائنات صلی اللہ علیہ وسلم کا وکیل اور نمائندہ بول رہا ہے۔

علمائے کرام کے بیانات مکمل ہوئے، نواب صاحب مرحوم پر گورنمنٹ برطانیہ کا دباؤ بڑھا۔ اس سلسلے میں مجاہد ملت مولانا محمد علی جالندھری مرحوم نے راقم الحروف سے بیان کیا کہ خضر حیات ٹوانہ کے والد نواب سر عمر حیات ٹوانہ لندن گئے ہوئے تھے نواب آف بہاولپور مرحوم بھی گرمیاں اکثر لندن میں گزارا کرتے تھے۔ وہ نواب مرحوم سر عمر حیات ٹوانہ سے لندن میں ملے اور مشورہ طلب کیا کہ انگریز گورنمنٹ کا مجھ پر دباؤ ہے کہ ریاست بہاولپور سے اس مقدمے کو ختم کرا دیں، تو اب مجھے کیا کرنا چاہیے؟

سر عمر حیات ٹوانہ نے کہا کہ ہم انگریز کے وفادار ضرور ہیں مگر اپنا دین، ایمان اور عشق رسالت مآب صلی اللہ علیہ وسلم کا تو ان سے سودا نہیں کیا، آپ ڈٹ جائیں اور ان سے کہیں کہ عدالت جو چاہے فیصلہ کرے، میں حق وانصاف کے سلسلے میں اس پر دباؤ نہیں ڈالنا چاہتا۔

چنانچہ مولانا محمد علی جالندھریؒ نے یہ واقعہ بیان کر کے ارشاد فرمایا:

''ان دونوں کی نجات کے لئے اتنی بات کافی ہے؟''

جناب محمد اکبر خان جج مرحوم کو ترغیب وتحریص کے دام تزویر میں پھنسانے کی مرزائیوں نے بہت کوشش کی، لیکن ان کی تمام تدابیر غلط ثابت ہوئیں۔ مولانا سید محمد انور شاہ کشمیری رحمۃ اللہ علیہ اس فیصلے کے لئے اتنے بے تاب تھے کہ بیانات کی تکمیل کے بعد جب بہاولپور سے جانے لگے تو مولانا محمد صادق مرحوم سے فرمایا کہ اگر زندہ رہا تو فیصلہ خود سن لوں گا، اور اگر فوت ہو جاؤں تو میری قبر پر آ کر یہ فیصلہ سنا دیا جائے۔ چنانچہ مولانا محمد صادق'' نے آپ کی وصیت کو پورا کیا۔ آپ نے اپنے آخری ایام علالت میں دارالعلوم دیوبند کے اساتذہ، طلبہ اور دیگر بہت سے علماء کے مجمع میں تقریر فرمائی تھی، جس میں نہایت دردمندی ودل سوزی سے فرمایا تھا:

''وہ تمام حضرات جن کو مجھ سے بلاواسطہ یا بالواسطہ تلمذ کا تعلق ہے اور جن پر میرا حق ہے، میں ان کو خصوصی وصیت اور تاکید کرتا ہوں کہ وہ عقیدہ ختم نبوت کی حفاظت و پاسبانی اور فتنہ قادیانیت کے قلع قمع کو اپنا خصوصی وظیفہ بنائیں۔ جو لوگ یہ جانتے ہیں کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم ان کی شفاعت فرمائیں گے، ان کو لازم ہے کہ ختم نبوت کی پاسبانی کا کام کریں۔''

یہ مقدمہ حق وباطل کا عظیم معرکہ تھا۔ جب ۷۔ فروری ۱۹۳۵ء کو فیصلہ صادر ہوا تو مرزائیت کے صحیح خدوخال آشکارا ہو گئے۔ بلاشبہ پوری امت جناب محمد اکبر خان جج مرحوم کی مرہون منت ہے کہ انہوں نے کمال عدل وانصاف، محنت وعرق ریزی سے ایسا فیصلہ لکھا کہ اس کا ایک ایک حرف قادیانیت کے تابوت میں کیل کی طرح پیوست ہو گیا۔ یہ فیصلہ قادیانیت پر برق آسمان و بلائے ناگہانی ثابت ہوا۔ مرزائیوں نے اپنے نام نہاد خلیفہ مرزا بشیر کی سربراہی میں سر ظفر اللہ مرتد سمیت جمع ہو کر اس فیصلے کے خلاف اپیل کرنے کی سوچ بچار کی لیکن آخر کار اس نتیجے پر پہنچے کہ فیصلہ اتنی مضبوط اور ٹھوس بنیادوں پر صادر ہوا ہے کہ اپیل بھی ہمارے خلاف جائے گی۔

اللہ رب العزت کی قدرت کے قربان جائیں، کفر ہار گیا، اسلام جیت گیا۔ ایک دفعہ پھر جَآءَ الْحَقُّ وَزَهَقَ الْبَاطِلُ کی عملی تفسیر اس فیصلہ کی شکل میں امت کے سامنے آ گئی اور مرزائی فَبُهِتَ الَّذِىْ كَفَرَ کا مصداق ہو گئے۔ اس تاریخ ساز فیصلے نے چار دانگ عالم میں تہلکہ مچا دیا۔ مرزائیوں کی ساکھ روز بروز گرنے لگی۔

تحریک ختم نبوت ۱۹۵۳ء

ہندوستان تقسیم ہوا۔ خداداد مملکت پاکستان معرض وجود میں آئی۔ بدنصیبی سے اسلامی مملکت پاکستان کا وزیر خارجہ چودھری سر ظفر اللہ خان قادیانی کو بنایا گیا۔ اس نے مرزائیت کے جنازے کو اپنی وزارت کے کندھوں پر لاد کر اندرون و بیرون ملک اسے متعارف کرانے کی کوشش تیز سے تیز تر کردی۔ ان حالات میں حضرت امیر شریعت سید عطاء اللہ شاہ بخاریؒ، امیر کاروان احرار کی رگ حمیت اور حسینی خون نے جوش مارا، پوری امت کو ایک پلیٹ فارم پر جمع کیا۔ مجاہد ملت حضرت مولانا محمد علی جالندھریؒ، مجاہد اسلام مولانا غلام غوث ہزارویؒ، آپ کا پیغام لے کر ملک عزیز کی نامور دینی شخصیت اور ممتاز عالم دین مولانا ابوالحسنات محمد احمد قادریؒ کے دروازے پر گئے اور اس تحریک کی قیادت کا فریضہ انہوں نے ادا کیا۔ مولانا احمد علی لاہوریؒ، مولانا مفتی محمد شفیعؒ، مولانا خواجہ قمر الدین سیالویؒ، مولانا پیر حضرت غلام محی الدین گولڑویؒ، مولانا عبدالحامد بدایونیؒ، مولانا پیر سر سینہ شریفؒ، مولانا سید محمد داؤد غزنویؒ، شیخ حسام الدین، مولانا صاحبزادہ سید فیض الحسنؒ، مولانا صاحبزادہ افتخار الحسنؒ اور مولانا اختر علی خانؒ، غرضیکہ کراچی سے لے کر ڈھاکہ تک کے تمام مسلمانوں نے اپنی مشترکہ آئینی جدوجہد کا آغاز کیا۔

بلاشبہ یہ برصغیر کی عظیم ترین تحریک تھی، جس میں دس ہزار مسلمانوں نے اپنی جانوں کا نذرانہ پیش کیا۔ ایک لاکھ مسلمانوں نے قید وبند کی صعوبتیں برداشت کیں۔ دس لاکھ مسلمان اس تحریک سے متاثر ہوئے، ہرچند کہ اس تحریک کو مرزائی اور مرزائی نواز اوباشوں نے سنگینوں کی سختی سے دبانے کی کوشش کی مگر مسلمان نے اپنے جذبہ ایمانی سے ختم نبوت کے اس معرکے کو اس طرح سر کیا کہ مرزائیت کا کفر کھل کر سامنے آ گیا۔ تحریک کے ضمن میں انکوائری کمیشن نے رپورٹ مرتب کرنا شروع کی، عدالتی کارروائی میں حصہ لینے کی غرض سے علماء اور وکلاء کی تیاری، مرزائیت کی کتب کے اصل حوالہ جات کو مرتب کرنا اتنا بڑا کٹھن مرحلہ تھا اور ادھر حکومت نے اتنا خوف وہراس پھیلا رکھا تھا کہ تحریک کے رہنماؤں کو لاہور میں کوئی رہائش دینے کے لیے تیار نہ تھا۔ جناب حکیم عبدالمجید سیفی نقشبندی مجددیؒ خلیفہ مجاز خانقاہ سراجیہ نے اپنی عمارت واقع بیڈن روڈ لاہور کو رہنماؤں کے لئے وقف کر دیا۔ تمام تر مصلحتوں سے

بالائے طاق ہوکرختم نبوت کے عظیم مقصد کیلئے ان کے ایثار کا نتیجہ تھا کہ مولانا محمد حیاتؒ، مولانا عبدلرحیم اشعرؒاور رہائی کے بعد مولانا محمد علی جالندھریؒ، مولانا قاضی احسان احمد شجاع آبادیؒ اور دوسرے رہنماؤں نے آپ کے مکان پر انکوائری کے دوران قیام کیا اور مکمل تیاری کی۔ان ایام میں شیخ المشائخ قبلہ حضرت ثانی مولانا محمد عبداللہ رحمۃ اللہ علیہ سجادہ نشین خانقاہ سراجیہ بھی وہیں قیام پذیر رہے اور تمام کام کی نگرانی فرماتے رہے۔۱۹۵۳ء کی تحریک ختم نبوت کے بعد مولانا سید عطاء اللہ شاہ بخاریؒ اور ان کے گرامی قدر رفقاء مولانا قاضی احسان احمد شجاع آبادیؒ، مولانا لال حسین اخترؒ، مولانا عبدالرحمٰن میانویؒ، مولانا محمد شریف بہاولپوری، مولانا تاج محمودؒ، مولانا محمد شریف جالندھریؒ اور سائیں محمد حیاتؒ کا یہ عظیم کارنامہ تھا کہ انہوں نے اس الیکشنی سیاست سے کنارہ کش ہوکر خالصتاً دینی و مذہبی بنیاد پر ''مجلس تحفظ ختم نبوت پاکستان'' کی بنیاد رکھی۔اس سے قبل مولانا حبیب الرحمٰن لدھیانویؒ، چودھری افضل حقؒ اور خود حضرت امیر شریعت رحمۃ اللہ علیہ اور ان کے گرامی قدر رفقاء نے مجلس احرار اسلام کے پلیٹ فارم سے قادیانیت کو جو چرکے لگائے، وہ تاریخ کا ایک حصہ ہیں۔

قادیان میں کانفرنس کرکے چور کا اس کے گھر تک تعاقب کیا۔نیز مولانا ظفر علی خانؒ اور علامہ محمد اقبالؒ نے تحریر وتقریر کے ذریعے ردِ مرزائیت میں غیر فانی کردار ادا کیا۔مجلس احرار اسلام کی کامیاب گرفت سے مرزائیت بوکھلا اٹھی۔مجلس احرار اسلام پر مسجد شہید گنج کا ملبہ گرا کر اسے دفن کرنے کی کوشش کی گئی۔حضرت مولانا حبیب الرحمٰن لدھیانوی صدر مجلس احرار نے ایک موقع پر ارشاد فرمایا:

''تحریک مسجد شہید گنج کے سلسلے میں پورے ملک سے دو اکابر اولیاء اللہ ایک حضرت اقدس مولانا ابوسعد احمد خاں رحمۃ اللہ علیہ اور دوسرے حضرت اقدس شاہ عبدالقادر رائے پوری رحمۃ اللہ علیہ نے ہماری رہنمائی فرمائی اور تحریک سے کنارہ کش رہنے کی ہدایت فرمائی۔

حضرت اقدس ابوالسعد احمد خاں رحمۃ اللہ علیہ بانی خانقاہ سراجیہ نے یہ پیغام بھجوایا تھا:

''مجلس احرار تحریک مسجد شہید گنج سے علیحدہ رہے اور مرزائیت کی تردید کا کام رکنے نہ پائے، اسے جاری رکھا جائے، اس لئے کہ اگر اسلام باقی رہے گا تو مسجدیں باقی رہیں گی۔اگر اسلام باقی نہ رہا تو مسجدوں کو کون باقی رہنے دے گا؟

مسجد شہید گنج کے ملبے کے نیچے مجلس احرار کو دفن کرنے والے انگریز اور قادیانی اپنے مقصد میں کامیاب نہ ہوسکے۔ اس لئے کہ انگریز کو ملک چھوڑنا پڑا، جب کہ مرزائیت کی تردید کے لئے مستقل ایک جماعت ''مجلس تحفظ ختم نبوت پاکستان'' کے نام سے تشکیل پا کر قادیانیت کو ناکوں چنے چبوا رہی ہے۔ ان حضرات نے سیاست سے علیحدگی کا محض اس لئے اعلان کیا کہ کسی کو یہ کہنے کا موقع نہ ملے کہ مرزائیت کی تردید اور ختم نبوت کی ترویج کے سلسلے میں ان کے کوئی سیاسی اغراض و مقاصد ہیں۔ چنانچہ ''مجلس تحفظ ختم نبوت پاکستان'' نے مرزائیت کے خلاف ایسا احتسابی شکنجہ تیار کیا کہ مرزائیت مناظرہ، مباہلہ، تحریر و تقریر اور عوامی جلسوں میں شکست کھا گئی۔ جگہ جگہ ختم نبوت کے دفاتر قائم ہونے لگے۔ مولانا لال حسین اختر نے برطانیہ سے آسٹریلیا تک قادیانیت کا تعاقب کیا۔ مرزائیت نے عوامی محاذ ترک کر کے حکومتی عہدوں اور سرکاری دفاتر میں اپنا اثر و رسوخ بڑھانے کی کوشش و کاوش کی اور وہ انقلاب کے ذریعے اقتدار کے خواب دیکھنے لگے۔

تحریک ختم نبوت ۱۹۷۴ء

۱۹۷۰ء کے الیکشن میں چند سیٹوں میں مرزائی منتخب ہوگئے۔ اقتدار کے نشے اور ایک سیاسی جماعت سے وابستگی نے دیوانہ کر دیا۔ وہ حالات کو اپنے لئے سازگار پا کر انقلاب کے ذریعے اقتدار پر قبضہ کی سکیمیں بنانے لگے۔ قادیانی جرنیلوں نے اپنی سرگرمیاں تیز کر دیں۔ اس نشے میں دھت ہو کر انہوں نے ۲۹۔ مئی ۱۹۷۴ء ربوہ (چناب نگر) ریلوے اسٹیشن پر چناب ایکسپریس کے ذریعے سفر کرنے والے ملتان نشتر میڈیکل کالج کے طلبہ پر قاتلانہ حملہ کیا، جس کے نتیجے میں تحریک چلی۔

مولانا سید محمد یوسف بنوریؒ ان دنوں ''مجلس ختم نبوت پاکستان'' کے امیر تھے۔ ان کی دعوت پر اُمت کے تمام طبقات جمع ہوئے آل پارٹیز مجلس عمل تحفظ ختم نبوت پاکستان تشکیل پائی۔ جس کے سربراہ حضرت شیخ بنوریؒ قرار پائے۔ امت محمدیہ کی خوش نصیبی کہ اس وقت قومی اسمبلی میں تمام اپوزیشن متحد تھی۔ چنانچہ اپوزیشن پوری کی پوری مجلس عمل تحفظ ختم نبوت پاکستان میں شریک ہوگئی۔

رحمتہ للعالمین صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی ختم نبوت کا اعجاز ملاحظہ ہو کہ مذہبی و سیاسی جماعتوں نے متحد ہو کر ایک ہی نعرہ لگایا کہ مرزائیت کو غیر مسلم قرار دیا جائے۔

اس وقت قومی اسمبلی میں مفکر اسلام مولانا مفتی محمودؒ، مولانا غلام غوث ہزارویؒ، مولانا شاہ احمد نورانی مدظلہ، مولانا عبدالحقؒ، جناب پروفیسر غفور احمد، مولانا عبدالمصطفےٰ ازہری، مولانا صدر الشہید، مولانا عبدالحکیم اور ان کے رفقاء نے ختم نبوت کی وکالت کی۔ متفقہ طور پر اپوزیشن کی طرف سے مولانا شاہ احمد نورانی مدظلہ نے مرزائیوں کے خلاف قرارداد پیش کی اور پیپلز پارٹی برسراقتدار طبقہ (حکومت) کی طرف سے دوسری قرارداد جناب عبدالحفیظ پیرزادہ نے پیش کی، جو ان دنوں وزیر قانون تھے۔ قومی اسمبلی میں مرزائیت پر بحث شروع ہوگئی۔ پورے ملک میں مولانا سید محمد یوسف بنوریؒ، مولانا عبیداللہ انورؒ، نوابزادہ نصر اللہ خان، آغا شورش کاشمیریؒ، علامہ احسان الٰہی ظہیرؒ، مولانا عبدالقادر روپڑیؒ، مفتی زین العابدین، مولانا تاج محمودؒ، مولانا محمد شریف جالندھری ، مولانا عبدالستار خان نیازیؒ، مولانا صاحبزادہ فضل رسول حیدر، مولانا صاحبزادہ فضل رسول حیدر، مولانا صاحبزادہ افتخار الحسنؒ، سید مظفر علی شمسیؒ مولانا علی غضنفر کراورویؒ، مولانا عبدالکریمؒ، بیر شریف، حضرت مولانا محمد شاہ امروٹی اور مولانا عبدالواحدؒ غرضیکہ چاروں صوبوں کے تمام مکاتب فکر نے تحریک کے الاؤ کو ایندھن مہیا کیا۔

اخبارات و رسائل نے تحریک کی آواز کو ملک گیر بنانے میں بھرپور کردار ادا کیا۔ تمام سیاسی و مذہبی جماعتوں کا دباؤ بڑھتا گیا۔ ادھر قومی اسمبلی میں قادیانی و لاہوری گروپوں کے سربراہوں نے اپنا اپنا موقف پیش کیا۔ ان کا جواب اور امت مسلمہ کا موقف مولانا سید محمد یوسف بنوریؒ کی قیادت میں فاتح قادیان مولانا محمد حیاتؒ، مولانا محمد تقی عثمانی، مولانا محمد شریف جالندھریؒ، مولانا عبدالرحیم اشعر، مولانا تاج محمودؒ، مولانا سمیع الحق اور قبلہ مولانا سید انور حسین نفیس رقم نے مرتب کیا۔

اسے قومی اسمبلی میں پیش کرنے کے لئے چودھری ظہور الٰہی کی تجویز اور دیگر تمام حضرات کی تائید پر قرعہ فال حضرت مولانا مفتی محمودؒ کے نام نکلا۔ جس وقت انہوں نے یہ محضر نامہ پڑھا، قادیانیت کی حقیقت کھل کر اسمبلی کے ارکان کے سامنے آ گئی۔ مرزائیت پر اوس پڑ گئی۔

نوے دن کی شب و روز مسلسل محنت و کاوش کے بعد جناب ذوالفقار علی بھٹو کے عہد اقتدار میں متفقہ طور پر ۷۔ ستمبر ۱۹۷۴ء کو نیشنل اسمبلی آف پاکستان نے عبدالحفیظ پیرزادہ کی پیش کردہ قرارداد کو منظور کیا اور مرزائی آئینی طور پر غیر مسلم اقلیت قرار پائے۔ الحمد للّٰہ رب العالمین حمداً کثیراً طیباً مبارکاً فیہ کما یحب ربنا ویرضیٰ۔

تحریک ختم نبوت ۱۹۸۴ء

۱۷۔ فروری ۱۹۸۳ء کو محمد اسلم قریشی مجلس تحفظ ختم نبوت سیالکوٹ کو مبینہ طور پر مرزائی سربراہ مرزا طاہر کے حکم پر مرزائیوں نے اغوا کیا۔ جس کے ردعمل میں پھر تحریک منظم ہوئی۔ شیخ الاسلام مولانا سید محمد یوسف بنوریؒ کی رحلت کے بعد سے اس وقت تک ''مجلس تحفظ ختم نبوت پاکستان'' کی امارت کا بوجھ میرے ناتواں کندھوں پر ہے۔ اس لئے آل پارٹیز مرکزی مجلس عمل تحفظ ختم نبوت پاکستان کی امارت بھی فقیر کے حصے میں آئی۔ اللہ رب العزت کا لاکھ لاکھ فضل ہے جس نے جناب محمد مصطفےٰ، احمد مجتبیٰ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی عزت و ناموس کے تحفظ کے سلسلے میں امت محمدیہ کے تمام طبقات کو اتفاق و اتحاد نصیب کر کے ایک لڑی میں پرو دیا اور یوں ۲۶۔ اپریل ۱۹۸۴ء کو امتناع قادیانیت آرڈیننس صدر مملکت جناب جنرل محمد ضیاء الحق صاحب کے ہاتھوں جاری ہوا۔ قادیانیت کے خلاف آئینی طور پر جتنا ہونا چاہیے تھا اتنا نہیں ہوا۔ لیکن جتنا ہوا اتنا آج تک کبھی نہیں ہوا تھا۔

آج اللہ رب العزت کا فضل و کرم ہے کہ ''مجلس تحفظ ختم نبوت پاکستان'' عالمی مجلس تحفظ ختم نبوت بن چکی ہے اور چار دانگ عالم میں رحمۃ للعالمین صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی عزت و ناموس کے پھریرے کو بلند کرنیکی سعادتوں سے بہرہ ور ہو رہی ہے۔ دنیا کے تمام براعظموں میں ختم نبوت کا کام وسیع سے وسیع تر ہو رہا ہے۔

ایک بدیہی حقیقت

لیکن یہ ایک بدیہی حقیقت ہے کہ ان تمام تر کامیابیوں و کامرانیوں میں ''مقدمہ بہاولپور'' کا بہت بڑا حصہ ہے۔ ختم نبوت کے محاذ پر مضبوط بنیاد اور قانونی و اخلاقی بالادستی

قادیانیت کے خلاف اسی مقدمہ نے مہیا کی ہے، فیصلہ مقدمہ بہاولپور کئی بار شائع ہوا۔ علمائے کرام کے عدالتی بیانات بھی متعدد بار شائع ہوئے، لیکن ضرورت اس امر کی تھی کہ اس مقدمہ کی تمام تر کارروائی حضرات علمائے کرام کی شہادتیں، بیانات، دلائل اور حقائق مرزائی وکیلوں کے جواب میں بطور جواب الجواب بیانات، جو عدالت کے ریکارڈ پر تھے اور جرح و بحث کی تمام تر تفصیلات سامنے آئیں تاکہ علوم وحقائق کے بے بہا سمندر سے دنیائے اسلام فیضیاب ہو۔ یہ سب کچھ عدالت کے ریکارڈ میں مخفی خزانے کی طرح پوشیدہ تھا، حالانکہ فیصلہ مقدمہ بہاولپور کی ابتدائی اشاعت کے وقت ہی مولانا محمد صادقؒ نے اپنی اس خواہش کا اظہار کیا تھا کہ تمام تر کارروائی کو شائع کیا جائے گا۔ لیکن کل امر مرھون باوقاتھا۔ یہ کام آج تک پورے طور پر نہ ہو سکا تھا۔ اللہ رب العزت نے غیب سے اہتمام فرمایا۔ اسلامی درد اور جذبہ رکھنے والے حضرات کو اللہ رب العزت نے اس کام کی طرف متوجہ کیا۔ میں سمجھتا ہوں کہ انہوں نے اسلامک فاؤنڈیشن کی بنیاد رکھی۔ ساٹھ برس کی طویل مدت گزرنے کے بعد روداد مقدمہ حاصل کرنا اور اہل علم حضرات کے لئے مرتب کر کے پیش کرنا کوئی معمولی کام نہ تھا۔ قدرت الٰہی نے دستگیری فرمائی۔ ان حضرات نے محنت کی۔ کاروان اپنی منزل کی طرف بڑھتا رہا۔ منزل قریب ہوتی رہی۔ مقدمے کی تمام کارروائی حاصل ہو گئی۔ اس کی ترتیب کا کام شروع ہو گیا۔ اسلامک فاؤنڈیشن کے نمائندوں نے اس بارے میں طویل ترین تکلیف دہ سفر برداشت کر کے ملتان عالمی مجلس تحفظ ختم نبوت کے دفتر مرکزیہ میں اصل مرزائی کتب سے حوالہ جات کو بار بار پڑھا، فوٹوسٹیٹ حاصل کیے، شب و روز محنت و عرق ریزی کے بعد اسے کتابت کے لیے دیا گیا تاآنکہ اس وقت دو ہزار سے زائد صفحات پر مشتمل یہ مجموعہ تیار ہو کر منصۂ شہود پر آ گیا ہے۔ اسلامک فاؤنڈیشن کے حضرات کی روشن دماغی اور اپنے مشن سے اخلاق کی بدولت ملک عزیز کے نامور عالم دین شیخ الحدیث حضرت مولانا محمد مالک کاندھلوی رحمۃ اللہ علیہ نے ان حضرات کی سرپرستی فرمائی۔ ان جیسے متبحر عالم حق کی سرپرستی ہی اس تاریخی دستاویز کی صحت وتوثیق کے لئے سند کا درجہ رکھتی ہے۔

اس تاریخی دفینے اور علم و معرفت کے عظیم خزینے کو مرتب کر کے پیش کرنا بلاشبہ

اسلامک فاؤنڈیشن کا ایک تاریخی، گرانقدر کارنامہ ہے جس پر پوری امت کو ان کا شکر گزار ہونا چاہیے کہ انہوں نے پوری امت کی طرف سے فرض کفایہ ادا کر دیا ہے۔

قادیانیت جس طرح آج پوری دنیا میں رسوائی کا شکار ہے، اس کی بنیاد ہی اسی مقدمے نے مہیا کی تھی اور اب قادیانیت کا اختتام بھی اسی مقدمے کی اشاعت سے ہی ہوگا۔

آخری گزارش

ختم نبوت سے وحدت امت کا راز وابستہ ہے۔ فتنہ انکار ختم نبوت ملی وحدت کو پارہ پارہ کرنیکی ناپاک استعماری سازش تھی۔ آج کے تمام طبقات و مکاتب فکر مل کر ہی باہمی اتحاد و اعتماد سے اس فتنہ کو ختم کر سکتے ہیں۔

اللہ رب العزت کا فضل و کرم ہے کہ عالمی مجلس تحفظ ختم نبوت نے اپنے اکابر کی اس سنت کو زندہ رکھنے کی حکمت عملی کو اپنایا ہوا ہے کہ مسئلہ ختم نبوت کسی ایک فرقے کا مسئلہ نہیں ہے، بلکہ پوری امت کا مشترکہ مسئلہ ہے۔ اس میں کوشش و کاوش اور اجتماعی طور پر بڑھ چڑھ کر حصہ لینا تمام مسلمانوں کے لئے انتہائی ضروری ہے اور رحمۃ للعالمین صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی شفاعت کا باعث ہے۔

حضرت حاجی امداد اللہ مہاجر مکیؒ، مولانا محمد علی مونگیریؒ، مولانا رشید احمد گنگوہیؒ، پیر مہر علی شاہ گولڑویؒ، مولانا انور شاہ کشمیریؒ، مولانا شاہ عبدالقادر رائے پوریؒ، حضرت اقدس مولانا ابوالسعد احمد خانؒ، بانی خانقاہ سراجیہ، حضرت مولانا محمد عبداللہؒ خانقاہ سراجیہ، مولانا تاج محمود امروٹیؒ، مولانا غلام محمد دین پوریؒ، مولانا رسول خان صاحبؒ، حضرت مولانا اشرف علی تھانویؒ، حضرت مولانا احمد علی لاہوریؒ، حضرت پیر جماعت علی شاہ شہیدؒ، پیر آف پگارہ شریف، حضرت حافظ پیر جماعت علی شاہ، حضرت پیر جماعت علی شاہ لاثانی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین تکوینی طور پر اس محاذ کے انچارج تھے۔

مولانا سید محمد انور شاہ کشمیریؒ نے اپنے شاگردوں کی ایک جماعت مرزائیت کے تعاقب کے لئے تشکیل دی تھی، جس میں حضرت مولانا بدر عالمؒ، حضرت مولانا محمد ادریس کاندھلوی، حضرت مولانا مفتی محمد شفیعؒ، حضرت مولانا مرتضیٰ حسن چاند پوریؒ، مولانا محمد علی جالندھریؒ اور

حضرت مولانا غلام غوث ہزارویؒ جیسے حضرات شامل تھے جو قادیانیت سے تحریری وتقریری مقابلے کرتے تھے۔اللہ رب العزت سب پر اپنی رحمتیں نازل فرمائے۔آمین

اللہ رب العزت کا فضل واحسان ہے کہ ۱۹۷۴ء میں مولانا سید محمد انور شاہ کشمیری رحمۃ اللہ علیہ کے شاگرد رشید مولانا محمد یوسف بنوریؒ نے قیادت وسیادت کا فریضہ سرانجام دیا۔ جب کہ مولانا مفتی محمد شفیع مرحوم کے صاحبزادے مولانا محمد تقی عثمانی آپ کے ساتھ تھے۔ آج مولانا محمد انور شاہ کشمیری ہی کے شاگرد مولانا محمد ادریس کاندھلویؒ کے صاحبزادے مولانا محمد مالک کاندھلوی کی سرپرستی میں یہ عظیم معرکہ سرکیا گیا ہے۔

کروڑوں رحمتیں ہوں ان تمام مقدس حضرات پر جن کی شب وروز کی اخلاص بھری محنت رنگ لائی۔آج قادیانی پوری دنیا میں روسیاہ ہو رہے ہیں۔مولانا محمد انور شاہ کشمیریؒ کا ایک کشف ہے کہ:

''ایک وقت آئے گا کہ پوری دنیا میں مرزائیت نام کی کوئی چیز تلاش کرنے کے باوجود نہیں ملے گی۔''

وہ وقت قریب آن پہنچا ہے کہ مرزائیت کا فتنہ دنیا سے نیست ونابود ہونے والا ہے۔ اسلامیان عالم ہمت کریں۔آگے بڑھیں،منزل قریب تر ہے۔رحمت حق انتظار کر رہی ہے اور حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی شفاعت کا مژدہ جاں فزا ملنے والا ہے۔اللہ رب العزت ہماری ان حقیر محنتوں کو اخلاص کی دولت سے مالا مال فرما کر اپنی رضا کا سبب بنائے۔آمین ثم آمین۔

وآخر دعوانا ان الحمدلله رب العالمين والصلوٰة والسلام على رسوله النبي الكريم و على آله و صحبه و اتباعه اجمعين برحمتك يا ارحم الراحمين. آمين. آمين. آمين۔

نوٹ: مجاہدین ختم نبوت کی کاوشوں اور مرزائیت سے مکمل متعارف ہونے کیلئے ادارہ کی مطبوعہ کتاب ''تاریخی دستاویز'' نہایت جامع ہے جس کا مطالعہ عوام وخواص کیلئے نہایت نافع ہے۔(مرتب)

بحمد اللہ تم